

# تفسیر قرطبی

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمہ اللہ

ترجمہ متن قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ

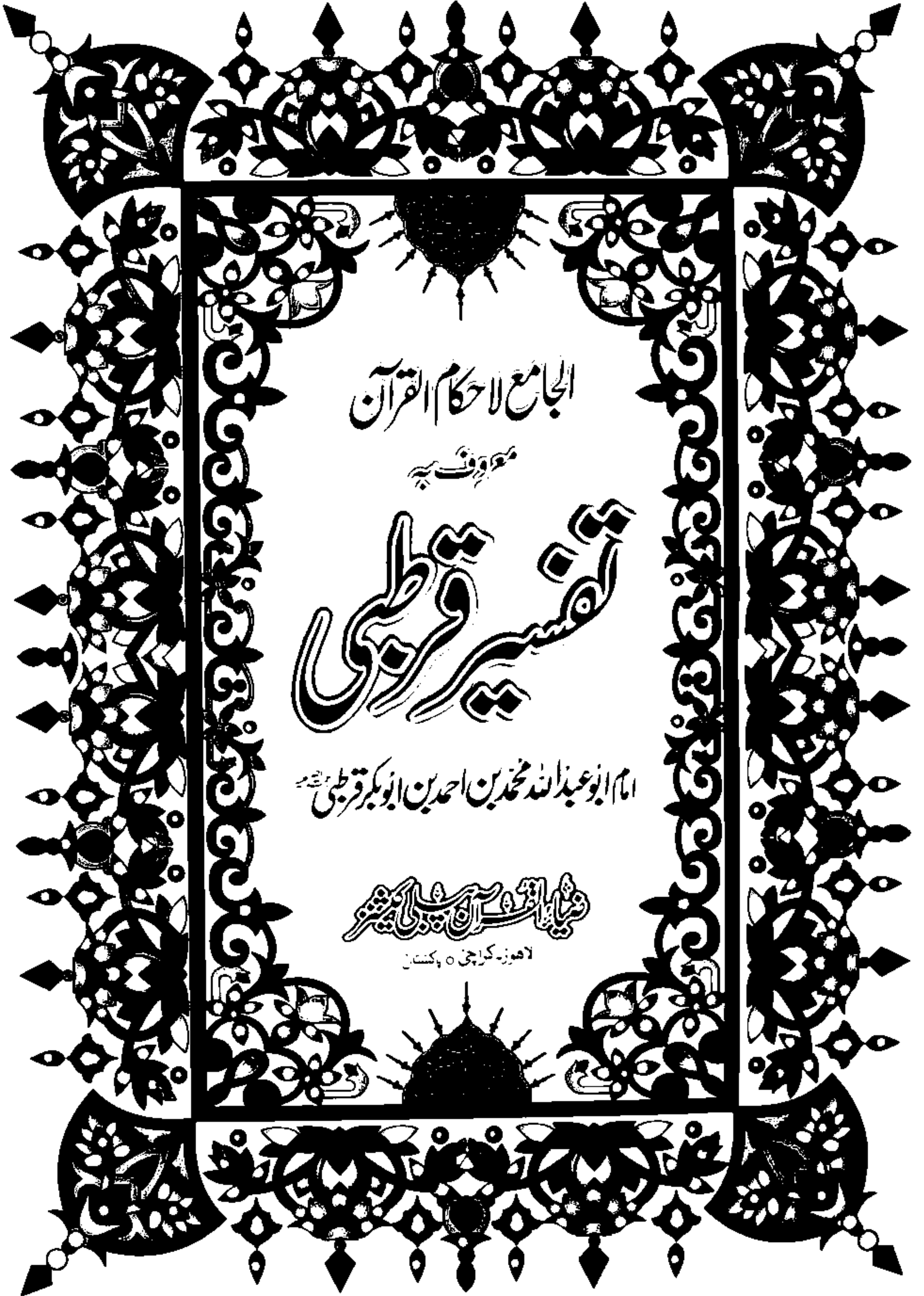
زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصطفیٰ بمبصرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان





الجامع لاحکام القرآن  
معروف بہ

# تفسیر قرطبی جلد ہشتم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جنس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مُترجمین

مولانا ملک محمد بوستان مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی مولانا شوکت علی چشتی

نیز اہتمام:

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد ہشتم)
مفسر	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمہ اللہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	محمد حفیظ البرکات شاہ
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، باراول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس: 042-37238010

9۔ الکرم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350 فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com



## فہرست مضامین

## سورہ یسین

17

17

سورہ یسین کی فضیلت

19

يَسْ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ آیت 1 تا 5

22

لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ عَلَىٰ أَكْثَرِ هِمٍّ ۝ آیت 6 تا 8

25

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ آیت 9 تا 11

28

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ آیت 12 تا 12

30

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۚ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ إِذْ أَرْسَلْنَا ۝ آیت 13 تا 19

34

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ لِقَوْمٍ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝ آیت 20 تا 29

38

يُحْضَرُونَ عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَلَمْ ۝ آیت 30 تا 36

42

وَأَيُّ لَّهُمُ اللَّيْلِ تَسَدَّ مِنْهُ الشَّهَارُ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِي ۝ آیت 37-38

45

وَالْقَمَرُ قَدَرْتَهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ آیت 39

48

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ آیت 40

49

وَأَيُّ لَّهُمْ أَنَّا خَلَقْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا ۝ آیت 41 تا 44

51

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ آیت 45 تا 50

55

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ ۚ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا ۝ آیت 51 تا 54

59

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ لَّكِينٍ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَىٰ ۝ آیت 55 تا 59

62

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ آیت 60 تا 64

63

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا ۝ آیت 65 تا 68

67

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ لِيُنذِرَ ۝ آیت 69 تا 70

67

شعر کے متعلق بحث

71

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا عَمَلَتْ أَيْدِيَنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ آیت 71 تا 73

72

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ ۝ آیت 74 تا 76

73

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ لُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ آیت 77

74

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَبَىٰ خَلْقَهُ ۚ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ آیت 78-79



- 75 ..... آیت 80 تا 83 ..... الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ۝
- 77 ..... آیت 1 تا 5 ..... سوره الصافات
- 77 ..... آیت 1 تا 5 ..... زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۝
- 80 ..... آیت 6 تا 10 ..... إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۝
- 84 ..... آیت 11 تا 17 ..... فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۝ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۝
- 88 ..... آیت 18 تا 21 ..... قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ۝ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۝
- 88 ..... آیت 22 تا 35 ..... أَحْشَرُ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا أَوْ أَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۝ آیت 22 تا 35
- 92 ..... آیت 36 تا 40 ..... وَيَقُولُونَ إِنَّمَا نَتَّبِعُ الْإِلَهَيْنَا الشَّاعِرِ مَجْنُونٍ ۝ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ ۝
- 93 ..... آیت 41 تا 49 ..... أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ۝ فَوَاكِهُ ۝ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ آیت 41 تا 49
- 97 ..... آیت 50 تا 61 ..... فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۝ آیت 50 تا 61
- 101 ..... آیت 62 تا 68 ..... أَذَلِكَ خَيْرٌ تُزَلُّ أَمْ شَجَرَةُ الرَّقُومِ ۝ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۝ إِنَّمَا ۝ آیت 62 تا 68
- 104 ..... آیت 69 تا 74 ..... إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ۝ فَهُمْ عَلَىٰ آثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ ۝ وَلَقَدْ ضَلَّ ۝ آیت 69 تا 74
- 105 ..... آیت 75 تا 82 ..... وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ ۝ آیت 75 تا 82
- 107 ..... آیت 83 تا 90 ..... وَإِنْ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ ۝ آیت 83 تا 90
- 110 ..... آیت 91 تا 96 ..... فَرَاغَ إِلَىٰ إِلَهِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ۝ آیت 91 تا 96
- 113 ..... آیت 97 تا 101 ..... قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُيُوتًا فَأَلْفُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ ۝ آیت 97 تا 101
- 115 ..... آیت 102 تا 112 ..... فَلَمَّا بَدَغَ مَعَهُ السَّعْيُ قَالَ يُبْنَىٰ إِلَيَّ الْآرَمُ فِي السَّمَاءِ أَيْ أَذْهَبُكَ فَانْظُرْ ۝ آیت 102 تا 112
- 115 ..... اس ضمن میں سترہ مسائل ہیں
- 130 ..... آیت 113 تا 122 ..... وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۝ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝ آیت 113 تا 122
- 131 ..... آیت 123 تا 132 ..... وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ أَتَدْعُونَ ۝ آیت 123 تا 132
- 136 ..... آیت 133 تا 138 ..... وَإِنَّ لُوطًا لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عَجُوزًا ۝ آیت 133 تا 138
- 137 ..... آیت 139 تا 144 ..... وَإِنَّ يُوسُفَ لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ ۝ آیت 139 تا 144
- 137 ..... اس ضمن میں آٹھ مسائل ہیں
- 144 ..... آیت 145 تا 148 ..... فَتَبَدَّلَهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۝ وَأَنْثَرْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقُوطٍ ۝ آیت 145 تا 148
- 148 ..... آیت 149 تا 157 ..... فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبُيُوتُ ۝ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا ۝ آیت 149 تا 157
- 150 ..... آیت 158 تا 160 ..... وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِسْبًا ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الْجِنَّةَ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝ آیت 158 تا 160



- 151 فَاَتَاكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ۚ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنَيْنِ ۚ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالٍ ..... آیت 161 تا 163
- 152 وَمَا مِثْلًا لِآلِهَةٍ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ۚ وَاِنَّا لَنَخُنُ الصَّافُونَ ۚ وَاِنَّا لَنَخُنُ ..... آیت 164 تا 166
- 154 وَاِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ ۚ لَوْ اَنْ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِينَ ۚ لَكُنَّا عِبَادَ ..... آیت 167 تا 170
- 155 وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۚ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۚ ..... آیت 171 تا 179
- 156 سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۚ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۚ ..... آیت 180 تا 182
- 159 **سورہ ص**
- 159 ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۚ بَلِ الْاٰزِلِينَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۚ كَمْ اَهْلَكْنَا مِن ..... آیت 1 تا 3
- 165 وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سِحْرٌ كَذٰبٌ ۚ ..... آیت 4 تا 5
- 167 وَاَنْطَلَقَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْهُمْ اَنْ اَمْشُوا وَاَصْبِرُوْا عَلٰی الصَّيْحَمِ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَزِيْزٌ ۚ ..... آیت 6 تا 11
- 170 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۚ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوطٍ ..... آیت 12 تا 14
- 171 وَمَا يَنْظُرُوْهُلَا اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۚ وَقَالُوا لَرَبِّنَا عِجْلٌ ..... آیت 15 تا 16
- 173 اَصْبِرْ عَلٰٓى مَا يَقُولُوْنَ وَاذْكُرْ عِبْدَنَا دَاوُدَ الَّذِیْۤ اٰتٰهُ اَوَابٌ ۚ ..... آیت 17
- 174 اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ یَسْبَحْنَ بِاَلْحَمْدِ وَالْاَشْرَاقِ ۚ ..... آیت 18
- 177 وَالطُّيُوْرُ مَحْشُوْرَةً ۚ كُلُّ لَهٗ اَوَابٌ ۚ وَشَدَدْنَا مُلْکَهُ وَاٰتَيْنَاهُ الْحِکْمَةَ ..... آیت 19 تا 20
- 180 وَهَلْ اَشْكَبُ بِهٖ الْخَصِمُ ۚ اِذْ تَسُوْرُهُ الْبُحْرَابُ ۚ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوُدَ ..... آیت 21 تا 25
- 180 ان آیات کے ضمن میں چوبیس مسائل کا ذکر ہے
- 205 یٰۤاٰدَاۤ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاَحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ..... آیت 26
- 208 وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِکَ ظَنُّ الْاٰزِلِیْنَ کَفَرُوْا ۚ ..... آیت 27 تا 29
- 209 وَهٰنَا لِدَاوُدَ سُلَیْمٰنٌ ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗ اَوَابٌ ۚ اِذْ عَرَضَ عَلَیْهِ بِالْعِشِی ..... آیت 30 تا 33
- 215 وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَالْقَہْنَآ عَلٰی کُرْسِیِّہِمْ جَسَدًا لَّمْ اَنَابَ ۚ قَالَ رَبِّ ..... آیت 34 تا 40
- 224 وَاذْكُرْ عِبْدَنَا اٰیُوْبَ ۚ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِضَیْپٍ وَعَذَابٍ ۚ ..... آیت 41 تا 43
- 229 وَخُذْ بِیْدِکَ ضَعْفًا فَاَصْرِبْ بِہٖ وَلَا تَخْشَ ۚ اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗ اَوَابٌ ۚ ..... آیت 44
- 229 اس آیت کے ضمن میں سات مسائل ہیں
- 233 وَاذْكُرْ عِبْدَنَا اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْمٰنِ وَالْاَبْصَارِ ۚ اِنَّا ..... آیت 45 تا 47
- 235 وَاذْكُرْ اِسْمٰعیْلَ وَالیَسَعَ وَذَالْکِفْلِ ۚ وَکُلٌّ مِّنَ الْاَخِیَارِ ۚ ..... آیت 48 تا 54
- 237 هٰذَا ۚ وَاِنْ لَّطَوِّفْنَ لَشَرَّ مَا یُ ۚ جَهَنَّمَ یَصْلُوْنَہَا فَبِئْسَ الْیٰہَادُ ۚ ..... آیت 55 تا 61



- 241 وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ۖ أَتَّخَذَ لَهُمُ سِخْرِيًّا ..... آیت 62 تا 64
- 242 قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَمَا مِّنْ إِلَهِ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ رَبُّ السَّمَوَاتِ ..... آیت 65 تا 70
- 243 إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۖ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ ..... آیت 71 تا 74
- 244 قَالَ يَا بَلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي ۖ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ ..... آیت 75 تا 83
- 246 قَالَ فَالْحَقُّ ۖ وَالْحَقُّ أَقْوَلٌ ۖ لَا مَلَكٌ جَهَنَّمَ مِثْلَ وَثَنٍ تَبِعَكَ ..... آیت 84 تا 88
- 249 **سورة الزمر**
- 249 تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ..... آیت 1 تا 4
- 251 خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ وَيَكُونُ النَّهَارُ عَلَى ..... آیت 5 تا 6
- 253 إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ ..... آیت 7
- 254 وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا حَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ ..... آیت 8 تا 9
- 257 قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَالْأَرْضُ ..... آیت 10
- 259 قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ ..... آیت 11 تا 16
- 260 وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ ۚ فَبَشِّرْ ..... آیت 17 تا 18
- 261 أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَن فِي النَّارِ ۝ ..... آیت 19
- 262 لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقَ غُرَفٍ مَّبْنِيَّةٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا ..... آیت 20 تا 21
- 264 أَفَمَنْ شَرَّ اللَّهُ صُدْرَةً لِّلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ..... آیت 22
- 265 اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي تَنفَعُ مِمَّنْ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ ..... آیت 23
- 268 أَفَمَنْ يَتَّبِعِ بَوْجَهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ ..... آیت 24 تا 28
- 270 ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشٰكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا رَّجُلٍ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ ..... آیت 29
- 271 إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۝ ..... آیت 30 تا 31
- 273 فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ ..... آیت 32 تا 35
- 274 أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۚ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ ..... آیت 36 تا 37
- 275 وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ ..... آیت 38 تا 41
- 277 اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فِيمِمْسِكَ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا ..... آیت 42
- 281 أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۝ ..... آیت 43 تا 45
- 282 قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ ..... آیت 46 تا 48



- 283 52۳49 آیت ..... اَوَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
- 284 59۳53 آیت ..... قُلْ لِّعِبَادِيَ الدِّينِ اَسْرَفُوا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ
- 291 64۳60 آیت ..... وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرٰى الدِّينَ كَذِبُوْا عَلٰٓى اللّٰهِ وَجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۚ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ
- 294 66-65 آیت ..... وَلَقَدْ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاِلَى الدِّينِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
- 295 68-67 آیت ..... وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۚ وَاَلَا تَرْضٰٓ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّوَاتِ
- 301 72۳71 آیت ..... وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِئَ بِالنَّبِيِّنَ وَالشَّهَدٰٓءِ
- 302 75۳73 آیت ..... وَسِيقَ الَّذِيْنَ اٰثَقُوا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۚ حَتّٰى اِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتْ
- 306 **سورة غافر، سورة مومن**
- 307 4۳1 آیت ..... حَمْدٌ ۙ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غٰفِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
- 310 9۳5 آیت ..... كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَاَلَا خُرَابٌ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرِسُوْلِهِمْ
- 314 12۳10 آیت ..... اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَنْۢبِذُوْنَ لِقَآءَ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتَلِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ
- 316 17۳13 آیت ..... هُوَ الَّذِى يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا اَمَنٌ
- 320 23۳18 آیت ..... وَاَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذَا الْقُلُوْبُ لَدٰى الْحَنَاجِرِ ۚ كَظٰلِمِيْنَ ۙ مَا لِلظَّالِمِيْنَ
- 322 27۳23 آیت ..... وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰٓى بِآيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهٰٓمٰنَ
- 324 28 آیت ..... وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۙ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ
- 327 33۳29 آیت ..... يَقُوْمُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۚ ظَهَرَ لِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَاسِ اللّٰهِ اِنْ
- 332 37-36 آیت ..... وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيْهَا مَنْ اِبْنِىْ صِرًا حٰتِلِىْ ۙ اَبْلُغْ اِلٰى سَبَابِ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
- 333 44۳38 آیت ..... وَقَالَ الَّذِى اٰمَنَ يَقُوْمُ اَتَّبِعُوْنِ اِهْدِ كُمْ سَبِيْلَ الرِّشَادِ ۝ يَقُوْمُ اِثْمٰهٰذِ
- 336 46-45 آیت ..... فَوَقَّهٗ اللّٰهُ سَيِّاَتٍ مَّا مَكُرُوْا ۚ وَاَحَاقَ بِالْاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُوْنَ
- 338 50۳47 آیت ..... وَاِذْ يَتَحَفَّضُوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعْفُوْا الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا ۚ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ۚ فَهَلْ
- 340 54۳51 آیت ..... اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ وَالدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝
- 341 59۳55 آیت ..... فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ
- 344 65۳60 آیت ..... وَقَالَ رَبِّكُمْ اَدْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ
- 347 68۳66 آیت ..... قُلْ اِنِّىْ بُهِتٌ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۤءَنِى الْبَيِّنٰتُ
- 349 78۳69 آیت ..... اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ اَنِّىْ يُضْرَفُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
- 352 81۳79 آیت ..... اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَنْعَامَ لِيَتَرَ كُفُوًا مِنْهَا ۚ وَمِنْهَا تَكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ



- 353 اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا..... آیت 82 تا 85
- 355 **سورہ فصلت**
- 355 حَمِّ ۖ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۖ كَتَبَ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ..... آیت 1 تا 5
- 358 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ..... آیت 6 تا 8
- 360 قُلْ أَنتُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا..... آیت 9 تا 12
- 364 فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۖ إِذْ جَاءَهُمْ..... آیت 13 تا 16
- 367 وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَآخَذْنَا مِنْهُمُ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ..... آیت 17-18
- 368 وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا..... آیت 19 تا 21
- 369 وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ..... آیت 22 تا 25
- 374 وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالنُّفُوفُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۖ..... آیت 26 تا 29
- 376 إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا..... آیت 30-31
- 378 نَزَّلًا مِنْ غُفُورٍ رَحِيمٍ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعِلِّ صَالِحًا..... آیت 32 تا 36
- 383 وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ..... آیت 37 تا 39
- 385 إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۚ أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ..... آیت 40 تا 43
- 387 وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۚ أَءَعْجَبِي وَعَرَبِيٌّ قُلْ..... آیت 44
- 389 وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ..... آیت 45-46
- 390 إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ..... آیت 47-48
- 391 لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۚ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَسْأَلْ قَنُوطًا ۖ وَلَئِنْ..... آیت 49 تا 51
- 392 قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ أَضَلِّ مِمَّنْ هُوَ فِي..... آیت 52 تا 54
- 395 **سورہ الشوریٰ**
- 395 حَمِّ ۖ عَسَىٰ ۚ كَذَلِكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ..... آیت 1 تا 4
- 397 تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ..... آیت 5
- 399 وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيفٌ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ..... آیت 6-7
- 400 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ..... آیت 8 تا 10
- 401 فَاطِرُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ..... آیت 11
- 402 لَهُ مَقَالِيدُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ..... آیت 12



- 403 شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ... آیت 13-14
- 406 فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِهَا... آیت 15
- 407 وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ... آیت 16
- 409 يَسْتَعِجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ... آیت 18-19
- 411 مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا... آیت 20
- 412 أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ... آیت 21
- 413 تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا... آیت 22-23
- 414 قربی سے محبت کی بحث
- 417 أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشَأِ اللَّهُ يُخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ... آیت 24
- 418 وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ آیت 25
- 419 وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ... آیت 26-27
- 421 وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَطَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝ آیت 28
- 422 وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَى جَنَعِهِمْ... آیت 29
- 423 وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ وَمَا أَنْتُمْ... آیت 30-31
- 425 وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ... آیت 32-33
- 428 فَمَا أَوْتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَى لِلَّذِينَ آمَنُوا... آیت 36-37
- 429 وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَأَمْْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ... آیت 38
- 431 وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۚ فَمَنْ... آیت 39-43
- 438 وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لِنَارٍ أَوَّالِعَذَابٍ... آیت 44-45
- 440 وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءٍ يَتَصَرَّوْنَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ... آیت 46-47
- 441 فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَدُ ۚ وَإِنَّا إِذَا... آیت 48-50
- 446 وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا... آیت 51
- 448 وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا... آیت 52-53

## سورة الزخرف

- 455 حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ آیت 1-3
- 456 وَإِنَّهُ فِي أُولَى الْكِتَابِ لَدَيَّا لَعَلَّ حَكِيمٌ ۝ أَفَتَضْرِبُ عَنْكَ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ... آیت 4-5



- 458 وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿١﴾ ..... آیت 9 تا 11
- 459 وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿٢﴾ ..... آیت 12 تا 14
- 463 وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿٣﴾ ..... آیت 15
- 463 أَمْ اتَّخَذَ مِنَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفُكُم بِالْبَنِينَ ﴿٤﴾ ..... آیت 16
- 464 وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥﴾ ..... آیت 17
- 465 أَوْ مَنْ يَنْشِئُ فِي الْحُلِيِّهِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿٦﴾ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ ..... آیت 18-19
- 467 وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا ..... آیت 20 تا 23
- 469 قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِآيَاتٍ مِّمَّا وَجَدْتُمْ عَلَىٰ آبَاءِكُمْ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ ..... آیت 24 تا 27
- 470 إِلَّا الَّذِينَ فُطِرَ لَهُمْ سَبِيلٌ ۚ ﴿٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٨﴾ ..... آیت 28
- 475 بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءَ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾ وَلَمَّا ..... آیت 29 تا 32
- 477 وَلَوْ لَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِكُلِّ لُغَةٍ لِّكْفُورًا بِالرَّحْمَنِ لِيُيَوِّزَهُمْ سُقْفًا ۚ ..... آیت 33
- 480 وَلِيُيَوِّزَهُمْ آبَآؤُهُمْ أَوْ سُرُرُهَا يَتَكُونُونَ ﴿١٠﴾ وَزُخْرُفًا ۚ وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعٌ ..... آیت 34-35
- 482 وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانٌ فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿١١﴾ وَإِنَّهُمْ ..... آیت 36 تا 38
- 485 وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿١٢﴾ أَفَأَنْتَ تَسْمِعُ ..... آیت 39-40
- 486 فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ﴿١٣﴾ أَوْ نُرِيَنَّكَ الْآلِهَةَ يَوْمًا فَيَكْفُرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ..... آیت 41 تا 44
- 488 وَسَلِّ مَنْ أُرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا ۚ أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿١٤﴾ ..... آیت 45
- 490 وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ ..... آیت 46 تا 52
- 494 فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿١٥﴾ ..... آیت 53
- 495 فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٦﴾ فَلَمَّا أَصْفَوْنَا انْتَقَمْنَا ..... آیت 54-55
- 496 فَجَعَلْنَاهُمْ سُلَاقًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ ..... آیت 56-57
- 498 وَقَالُوا يَا هَيْتَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿١٨﴾ ..... آیت 58
- 498 إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّلْبَنَىٰ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٩﴾ وَلَوْ شَاءَ ..... آیت 59-60
- 499 وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمُوتُنَّ فِيهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٢٠﴾ وَلَا ..... آیت 61-62
- 501 وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي ..... آیت 63-64
- 503 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ إِلْيَمٍ ﴿٢١﴾ ..... آیت 65 تا 67
- 504 يُعْبَادُ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٢٢﴾ ..... آیت 68



- 505 الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۖ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ ایت 69-70
- 506 يُكَافُ عَلَيْهِمْ بِمَا كَانُوا يَكْفُونَ ۚ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ ایت 71
- 509 وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي اُورِثْتُمْوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا ایت 72-77
- 511 لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنْ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۚ اَمْ اَبْرُمُوْا اَمْ رَاْنَا اَنْتُمْ ایت 78-79
- 512 اَمْ يَحْسَبُونَ اَنْنَا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلٰی وَاَرْسَلْنَا اَلَدِّيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ ایت 80-83
- 514 وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ ایت 84
- 515 وَتَبٰرَكَ الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهُ عِلْمُ ایت 85-86
- 516 وَلَیْنِ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِلٰهُ فَاَلٰی يُوقَفُوْنَ ۚ وَقِيْلَ لَیْسَ بِاِنْ هٰؤُلَاءِ ایت 87-88
- 518 فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ایت 89

## سورة الدخان

- 519 حَمْدٌ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ مُدْرِکَةٍ ۚ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرٰیْنَ ۝ ایت 1-3
- 520 فِیْهَا یُفَرِّقُ کُلَّ اَمْرٍ حَكِيْمٌ ۝ ایت 4
- 522 اَمْ رَاٰ مِنْ عِنْدَنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلٰیْنَ ۚ رَحْمَةً مِنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ ایت 5-9
- 523 یَغْشٰی النَّاسَ ۚ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ رَبَّنَا کُفِّرْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ ایت 10-11
- 526 رَبَّنَا کُفِّرْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلٰی لَهُمُ الَّذِیْ کُرِیْ وَقَدْ جَاءَهُمْ ایت 12-14
- 528 وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَاسُوْلٌ کَرِیْمٌ ۝ اَنْ اَدُوْا اِلٰی عِبَادِ اللّٰهِ ۚ ایت 17-19
- 529 وَ اِنِّیْ عُدْتُ لِیَرْبِیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُوْنَ ۚ وَ اِنْ لَمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاَعْتَزْلُوْا ۝ ایت 20-21
- 530 قَدْ عَارَبْنَا اَنْ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۚ فَاسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّشْبَعُوْنَ ۝ ایت 22-24
- 532 کَمْ تَرَوْا مِنْ جَنَّتٍ وَاعْيُوْنَ ۚ وَذُرُوْءٌ وَمَقَامِرٌ کَرِیْمٌ ۚ وَنَعْمَةٌ کَانُوْا فِیْهَا ایت 25-27
- 533 کَذٰلِکَ ۚ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۚ فَمَا بَلَغْتَ عَلَیْهِمُ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا ایت 28-29
- 536 وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنٰی اِسْرٰءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُبِیْنِ ۚ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ اِنَّهُ کَانَ ایت 30-32
- 537 وَ اَتٰیْنٰهُمْ مِنْ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰوًا مُّبِیْنٍ ۚ اِنْ هٰؤُلَاءِ لَیَقُوْلُوْنَ ۚ اِنْ هٰی اِلَّا ایت 33-36
- 538 اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمٌ تُتَّبَعُ ۚ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ اَهْلَکْنٰهُمْ ۚ اِنَّهُمْ کَانُوْا مُّجْرِمِیْنَ ۝ ایت 37-39
- 541 اِنْ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۚ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلٰی عَنْ مَوْلٰی شَیْئًا وَلَا هُمْ ایت 40-42
- 542 اِنْ شَجَرَتِ الرَّقُوْمِ ۚ طَعَامٌ اِلَّا شِیْمٌ ۚ کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبَطْنِ ۚ کَغَلِی الْحَمِیْمِ ۝ ایت 43-46
- 543 حُدُوْدُهُ فَاَعْتَزِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۚ لَمْ صُبُّوْا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ۝ ایت 47-48



- 544 دُقُ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝ آیت 49-50
- 545 إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ ..... آیت 51-54
- 547 يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۝ لَا يُدْخِلُ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ..... آیت 55-57
- 548 فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ فَأَمَّا تَقَبُ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ۝ آیت 58-59
- 549 سورة الجاثية
- 549 حَمْدٌ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ ..... آیت 1-5
- 550 تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۝ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ آیت 6
- 551 وَيُلْكَلُّ أَفَّاكٌ أَثِيمٌ ۝ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ..... آیت 7-10
- 552 هَذَا هُدًى ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝ آیت 11
- 552 اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِي أَلْفُكُ فِيهِ بِأَمْرِ ۝ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ ..... آیت 12-14
- 555 مِّنْ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلِنَفْسِهِ ۝ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝ وَلَقَدْ ..... آیت 15-17
- 556 ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ آیت 18
- 557 إِنَّهُمْ لَنُيَعْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۝ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۝ وَاللَّهُ ..... آیت 19-20
- 558 أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً ..... آیت 21
- 559 وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ ..... آیت 22-23
- 563 وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۝ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ ..... آیت 24
- 566 وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٌ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا اسْتُوا بِآبَاءِنَا إِن كُنْتُمْ ..... آیت 25-26
- 567 وَبِهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِنُ بِهَا يَخْسِرُ ..... آیت 27-28
- 568 هَذَا كِتَابُنَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۝ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ آیت 29
- 569 فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۝ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ ..... آیت 30-31
- 570 وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَآذِرَئِي مَا السَّاعَةُ ..... آیت 32-34
- 571 ذَلِكُمْ بِأَنكُم اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ ..... آیت 35-37
- 572 سورة الاحقاف
- 572 حَمْدٌ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا ..... آیت 1-4
- 576 وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ ..... آیت 5
- 577 وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفَرِينَ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ..... آیت 6-8

- 578 قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعَاةٍ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ فِي وَلَا يَكُنْ إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا مَا يُؤْتَى إِلَى آیت 9
- 581 قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى آیت 10
- 582 وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِمْ آیت 11
- 584 وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً وَهَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِمَا نَآخَرُ بِهَا آیت 12
- 585 إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ آیت 13 تا 15
- 589 أُولَئِكَ الَّذِينَ نَسْتَقْبِلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ آیت 16 تا 18
- 592 وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ آیت 19-20
- 596 وَإِذْ كُنَّا نَاخَاذِعُ إِيَّاهُ إِذْ أَنْذَرْنَاهُ أَنَّ قَوْمَهُ بِآلَاءِ خَفَافٍ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ آیت 21
- 597 قَالُوا أَجِئْنَا بِكُنَافَةٍ مِنَ الْهَتَا قَاتِلْهُمْ تَبَعَدْنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ آیت 22 تا 25
- 601 وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِي مَاءٍ إِنْ مَكَنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَعَادًا أَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا آیت 26-27
- 602 فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ آیت 28
- 603 وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوا قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا آیت 29
- 609 لِقَوْمِنَا أَجِئُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمَنُوا بِهِمْ يُغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزْكُمْ مِنْ عَذَابٍ آیت 30-31
- 611 وَمَنْ لَا يُجِيبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعِزٍّ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ آیت 32-33
- 612 وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَى وَرَبِّنَا آیت 34-35

## سورة محمد

- 616 الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْطَادُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَصْلَ أَعْمَالِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا آیت 1-2
- 618 ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ آیت 3-4
- 623 سَيُؤْتِيهِمْ وَيُصْلِحُهُم بِاللَّهِ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آیت 5-6
- 624 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتُصَّرُوا وَاللَّهُ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ آیت 7
- 625 وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَّأَلَهُمْ أَصْلَ أَعْمَالِهِمْ آیت 8
- 626 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ آیت 9-11
- 627 إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ آیت 12-13
- 628 أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوهُ أَهُوَ أَهْمٌ آیت 14-15
- 630 وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا آیت 16-17
- 632 قَهْلٍ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا قَالُوا لَنْ يَكُونُوا آیت 18



- 633 فَأَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرَ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ..... آیت 19
- 635 وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ قَدْ أَأْنَزَلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِّرَ فِيهَا..... آیت 20-21
- 637 فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۖ..... آیت 22-24
- 641 إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ..... آیت 25
- 642 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَطَطْنَاهُمْ فِي بَعْضِ الْأُمْرِ ۚ وَاللَّهُ..... آیت 26-28
- 643 أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَصْغَانَهُمْ ۖ وَلَوْ نَشَاءُ..... آیت 29-30
- 645 وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَنَّكُمْ أَخْبَارَكُمْ ۖ إِنَّ..... آیت 31-32
- 646 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۖ..... آیت 33
- 647 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ..... آیت 34-35
- 648 إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجُورَكُمْ وَلَا يَسْكُنْكُمْ..... آیت 36-37
- 649 هَآئِنْتُمْ هَآؤَ لَا تَدْعُونَ لِنُفْقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا..... آیت 38
- 651 سورة الفتح

- 652 إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۚ..... آیت 1
- 653 لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا..... آیت 2-3
- 656 هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۚ وَاللَّهُ..... آیت 4-5
- 657 وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنِّ السَّوْءِ..... آیت 6-7
- 658 إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ..... آیت 8-9
- 659 إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ..... آیت 10
- 660 سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ..... آیت 11
- 661 بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيَّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ..... آیت 12
- 662 وَمَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۖ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ..... آیت 13-15
- 664 قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّ عَوْنٍ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أ..... آیت 16
- 665 لَيْسَ عَلَىٰ الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَىٰ الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَىٰ الْمَرْيُومِ حَرْجٌ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ..... آیت 17
- 666 لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ..... آیت 18-19
- 670 وَعَدَ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ ۚ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ..... آیت 20
- 671 وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۖ..... آیت 21-23

- 672 وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ آیت 24
- 674 هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعَكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَجِدَّةَ آیت 25
- 679 إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ فَإِنَّ رَبَّكَ لَخَبِيرٌ بِالْغَيْبِ آیت 26
- 681 لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ آیت 27
- 683 هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى آیت 28
- 683 مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا آیت 29
- 691 سورة الحجرات
- 691 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدْ مُوَابِقِينَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ آیت 1
- 693 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ آیت 2
- 698 إِنَّ الَّذِينَ يَعْزُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلْتَتَّقُوا آیت 3
- 699 إِنَّ الَّذِينَ ينادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ٥ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى آیت 4
- 700 وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ آیت 5-6
- 703 وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنْ أَمْرٍ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ آیت 7-8
- 704 وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى آیت 9
- 704 اس ضمن میں اہم ترین مباحث ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہم تنازعات کے بارے میں ہیں
- 712 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ آیت 10
- 713 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَلَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ آیت 11
- 719 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْزَبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا آیت 12
- 719 اس آیت کے ضمن میں اہم اخلاقی مباحث ہیں
- 730 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ آیت 13
- 730 اس آیت کے ضمن میں احترام انسانیت کے حوالے سے اہم ترین مباحث ہیں
- 737 قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ آیت 14
- 739 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ آیت 15-16
- 739 يَمُوتُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَسْتَوُوا عَلَى إِسْلَامِكُمْ بَلَى اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ آیت 17-18





دوائیاں، ہزار نور، ہزار یقین، ہزار رحمتیں، ہزار شفقتیں، ہزار ہدایتیں داخل کی جائیں گی اور اس سے ہر بیماری اور ہر گناہ، کھوٹ کو دور کر دیا جائے گا“ اسے ثعلبی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور حکیم ترمذی نے ”نوادرا اصول“ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند روایت کیا ہے (1)۔

مسند دارمی میں شہر بن حوشب سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ”جس نے صبح کے وقت سورہ یس پڑھی تو اسے شام تک آسانی دے دی جائے گی جس نے رات کے شروع میں اسے پڑھا تو اسے صبح تک رات کی آسانی دے دی جائے گی“۔

نحاس نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہر شے کا دل ہے اور قرآن کا دل سورہ یس ہے جس نے دن کے وقت اسے پڑھا تو یہ اس کے کاموں کے لیے کافی ہو جائے گی جس نے رات کے وقت اسے پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شہر بن حوشب نے کہا اہل جنت صرف سورہ طہ اور سورہ یس پڑھتے ہیں۔ دارمی نے ان تینوں روایات کو مرفوع نقل کیا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یس ہے جس نے اسے کسی رات میں پڑھا تو اسے اس رات کی آسانی دے دی جاتی ہے جس نے اسے دن کے وقت پڑھا تو اسے اس دن کی آسانی دے دی جائے گی، جنتیوں سے قرآن اٹھالیا گیا ہے وہ سورہ طہ اور سورہ یس کے علاوہ کوئی چیز نہیں پڑھتے“ (2)۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے سورہ یس رات کے وقت پڑھی وہ صبح تک خوش خوش رہے گا جس نے صبح کے وقت اسے پڑھا تو وہ شام تک خوش خوش رہے گا (3)۔ جس نے اس کا تجربہ کیا تھا اس نے مجھے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ ثعلبی اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حکیم ترمذی نے ”نوادرا اصول“ میں عبدالاعلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں محمد بن صلت نے عمرو بن ثابت سے وہ محمد بن مروان سے وہ ابو جعفر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جس کے دل میں سختی ہو تو وہ زعفران سے کسی جام میں سورہ یس لکھے اور اسے پی لے۔

مجھے میرے والد نے انہوں نے اصرم بن حوشب سے وہ بقیہ بن ولید سے وہ معمر بن اشرف سے وہ حضرت محمد بن علی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا قرآن ہر چیز سے افضل ہے قرآن حکیم کی باقی کلاموں پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر فضیلت ہے، جس نے قرآن کی عزت کی اللہ تعالیٰ اسے عزتیں دے گا جس نے قرآن کی عزت نہ کی اللہ تعالیٰ اسے عزتوں سے نہیں نوازے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی حرمت اس طرح ہے جس طرح اولاد کے ہاں والد کی حرمت ہوتی ہے، قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی



شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا جھگڑا کرنے والا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے قرآن جس کے حق میں شفاعت کرے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور جس کے حق میں جھگڑا کرے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو آدمی اسے امام بنائے قرآن اسے جنت کی طرف لے جاتا ہے اور جو اسے اپنے پیچھے رکھے وہ اسے جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن کے حاملین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گھرے ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا نور زیب تن کرایا جاتا ہے انہیں کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان لوگوں سے دوستی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی جس نے ان سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عزت کر کے اس کی دعوت پر لبیک کہو اللہ تعالیٰ تمہاری محبت میں اضافہ فرمادے گا۔ اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنادے گا۔ قرآن سننے والے سے دنیا کی آزمائش دور کر دے گا اور قرآن کی تلاوت کرنے والے سے آخرت کی آزمائش دور فرمادے گا جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کو سنا تو یہ عمل عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے، اس سے اس کے لیے بہتر ہوگا۔ کتاب اللہ میں ایک سورت ہے جسے عزیزہ کہتے ہیں قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو شریف کے نام سے یاد کیا جائے گا اس کی تلاوت کرنے والے کی شفاعت ربیعہ اور مضر قبیلہ کے افراد سے زیادہ افراد کے حق میں قبول کی جائے گی وہ سورہ یس ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے جمعہ کی رات سورہ یس پڑھی تو وہ صبح اس حالت میں کرے گا کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہوگی۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو قبرستان میں داخل ہوا اس نے سورہ یس پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس روز اہل قبور سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا اور پڑھنے والے کے لیے اس کے حروف کی تعداد کے برابر نیکیاں ہوں گی۔“

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ نے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یَسَّ ۝ وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمَنْ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝  
تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝

”اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ راہ راست پر ہیں نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم) عزیز (اور) رحیم نے۔“

یَسَّ ۝ وَ الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۝ یس میں قراءت کی کئی صورتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور نسائی نے نون کو واد میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابو عمرو، اعمش اور حمزہ نے یس کو نون کے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے عیسیٰ بن عمر نے یَسِّنْ یعنی نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن ابی اسحاق اور نصر بن عاصم نے اسے نون کے کسرہ کی ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون اور محمد بن سمیع نے یَسِّنْ نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پانچ قراءتیں ہیں۔ پہلی قراءت ادغام کے ساتھ ہے جس

طرح لغت عربیہ میں ضروری ہے کیونکہ نون کو واو میں مدغم کیا جاتا ہے جس نے ادغام کے بغیر پڑھا ہے اس نے کہا: حروف بجاء کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر وقف کیا جائے ادغام تو درمیان کلام میں ہوتا ہے وقف پر نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے نصب کا ذکر کیا ہے اور نصب دو وجوہ سے ذکر کی ہے: (1) ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ مفعول ہے وہ اسے منصرف قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور ہائیل کے قائم مقام ہے تقدیر کلام یہ ہے اذکر یسن سیبویہ نے اسے سورت کا نام بنا دیا ہے (2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مبنی برفتحہ ہے جیسے کیف اور این ہے۔ جہاں تک کسرہ کا تعلق ہے فراء نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ عربوں کے قول: جید افعل کے مشابہ ہے اس سورت میں یسن قسم ہوگی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ امس، حزام، هولاء اور رقاش کے مشابہ ہے۔ جہاں تک اس کے مضموم ہونے کا تعلق ہے تو اس صورت میں یہ منذ، حیث اور قط کے مشابہ ہے اور منادی مفرد کے مشابہ ہے جب تو کہے: یار جل جو آدمی اس پر وقف کرتا ہے ابن سمیع اور ہارون نے کہا: اس کی تفسیر میں یار جل کہا ہے، مناسب اس پر ضمہ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے کہا یہ سورت کا آغاز ہے تو اس کے لیے وقف کرنا اچھا ہے جس نے کہا: یسن کا معنی یار جل تو اس پر وقف نہ کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اے انسان، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلِّمْ عَلٰی یَاسِیْنٍ (الصافات) کے بارے میں کہا یعنی آل محمد پر سلامتی ہو (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ سورت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اس کی دلیل اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (2) ہے سید حمیری نے کہا:

يَا نَفْسُ لَا تَحْضِي بِالْبُصْحِ جَاهِدَةً عَلَى الْمَوَدَّةِ إِلَّا آلَ يَاسِیْنٍ (2)

اے نفس! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی سے محبت کرنے میں نصیحت کو خالص نہ کر جبکہ تو کوشش کرنے والا ہو۔ ابو بکر وارق نے کہا: اس کا معنی ہے اے سید البشر! ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ امام مالک کا قول ہے، اشہب نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہا: جس نے آپ سے پوچھا کیا کسی کے لیے مناسب ہے کہ اپنا نام یاسین رکھ لے؟ فرمایا: میں تو اسے مناسب خیال نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یُسٰی (3) وَالْقُرْآنُ الْحَكِیْمُ (4) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ میرا نام یسن ہے ابن عربی نے کہا: یہ بہت عمدہ کلام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے رب کے اسماء میں سے ایسا نام رکھ لے جبکہ اس بندے میں اس کا معنی موجود ہو جس طرح عالم، قادر، سید اور متکلم ہے امام مالک نے یسن نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے جس کا معنی معلوم نہیں بعض اوقات کوئی ایسا وصف ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہوتا ہے تو اس لیے یہ جائز نہیں کہ بندہ اس پر آگے بڑھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلِّمْ عَلٰی یَاسِیْنٍ (الصافات)

ہم اس کا جواب دیں گے: یہ حروف تہجی کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے اس کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے یہ یسن ایسا اسم ہے جس کے جے نہیں لکھے گئے: امام مالک نے اس کے بارے میں یہی گفتگو کی ہے کیونکہ اس میں اشکال موجود ہے: اللہ تعالیٰ



بہتر جانتا ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز یاء اور سین کے ساتھ کیا ہے ان دونوں میں خیر ہی خیر ہے شروع کرنے والے کی اس پر راہنمائی کی گئی ہے کہ یہ سورت دل ہے اور دل جسم کا امیر ہے اسی طرح یس تمام دوسری سورتوں کی امیر ہے تمام قرآن کے معانی پر مشتمل ہے۔

علماء نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا: یہ حبشہ کی لغت کا لفظ ہے۔ شعبی نے کہا: یہ بنوطی کی لغت کا لفظ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ بنو کلب کی لغت کا لفظ ہے۔ کلبی نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، عربوں نے اپنی زبان میں اسے استعمال کیا تو یہ ان کی لغت کا ایک لفظ بن گیا۔ یہ بحث سورہ طہ اور کتاب کے مقدمہ میں مفصل گزر چکی ہے۔ قاضی عیاض نے یس کے معنی کے متعلق مفسرین کے اقوال اچھی طرح بیان کیے ہیں ابو محمد کی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ میرے، میرے رب کے ہاں دس نام ہیں ان میں سے طہ اور یس کا ذکر کیا۔

میں نے کہا: ماوردی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں میرے سات ناموں کا ذکر کیا ہے محمد، احمد، طہ، یس، منزل، مدثر اور عبد اللہ (1)“ یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔

ابو عبد الرحمن سلمی نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے اے سید! اس میں نبی ﷺ کو خطاب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یس کا معنی ہے اے انسان! اس سے حضرت محمد ﷺ کا ارادہ کیا ہے، کہا: یہ قسم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے؛ زجاج نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے محمد! ایک قول یہ کیا گیا: اے مرد! ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! ابن حنفیہ سے مروی ہے یس سے مراد ہے اے محمد! کعب سے مروی ہے یس سے مراد قسم ہے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم اٹھائی فرمایا: اے محمد! تو مر سلین میں سے ہے پھر فرمایا: وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ۔ اگر یہ مقدر کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں تعظیم کا پہلو موجود ہوگا اس پر دوسری قسم کا جو عطف کیا گیا ہے اس کے ساتھ پہلی قسم کو مؤکد کیا گیا ہے اگر یہ ندا کے معنی میں ہو تو اس کے بعد قسم اس لیے آئی ہے تاکہ آپ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا جائے اور آپ ﷺ کی ہدایت پر گواہی دی جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف وحی کی، آپ ایمان کے صراط مستقیم پر ہیں یعنی یہ ایسا راستہ ہے جس میں کوئی کمی نہیں اور حق سے کوئی اعراض نہیں۔ نقاشی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ ﷺ کے سوا کسی کی رسالت کے لیے قسم نہیں اٹھائی اس میں نبی کریم ﷺ کے لیے عظمت اور شرف کا اظہار ہے۔ یہ تعبیر اس کے مطابق ہے جس نے اس کی یہ تاویل کی یا سید کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں اولاد آدم کا سردار ہوں (2)“ ان کی گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی۔

قشیری نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: قریش کے کفار نے کہا تو مرسل نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہماری طرف مبعوث نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر فرمایا: آپ رسولوں میں سے ہیں۔ حکیم کا معنی محکم ہے یہاں تک کہ باطل اور تناقض لاحق نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُحْكِمْتُ آيَتَهُ (ہود: 1) اسی طرح یہ قرآن نظم اور معنی میں محکم ہے اسے کوئی خلل لاحق نہیں ہوتا بعض اوقات لفظ حکیم اللہ تعالیٰ کے حق میں محکم کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہوتا ہے۔

عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ یعنی دین مستقیم پر ہوتا ہے اس سے مراد اسلام ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد ہے آپ سابقہ انبیاء کے طریقہ پر ہیں۔ کہا: لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ان کی خبر ہے (1) اور عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دوسری خبر ہے یعنی آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنہیں استقامت پر بھیجا گیا تو اس صورت میں عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، الْمُرْسَلِينَ کا صلہ ہوگا، یعنی آپ ان رسولوں میں سے ہیں (2) جنہیں صراط مستقیم پر بھیجا گیا تھا؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ (شوری) یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۖ ابن عامر، حفص، اعمش، یحییٰ، حمزہ، نسائی، اور خلف نے تنزیل پڑھا ہے یعنی یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہے۔ نزل اللہ ذالک تنزیلاً (3) مصدر کو مضاف کیا تو وہ معرفہ ہو گیا جس طرح یہ قول ہے: فَضْرَبَ الْوَقَابِ (محمد: 4) یہ اصل میں ضرب بالوقاب تھا باقی قراء نے تنزیل کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہو گی تقدیر کلام یہ ہوگی ہو تنزیل یا تقدیر یہ ہوگی الذی انزل الیک تنزیل العزیز الرحیم (4)۔ اس نقطہ لطیفہ کو محفوظ کر لو۔ اسے تنزیل کر کے بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ قرآن سے بدل ہوگا اور تنزیل قرآن کی طرف لوٹے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہا ہے معنی یہ بنے گا آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں اور آپ ﷺ عزیز و رحیم کی تنزیل ہیں، اس صورت میں تنزیل، ارسال کے معنی میں ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۖ تَسْتَخِرُونَ (الطلاق) یہ جملہ بولا جاتا ہے: أُرْسِلَ اللَّهُ الْمَطَرُ وَأَنْزَلَهُ۔ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کی۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس نے کہا: آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں جسے عزیز و رحیم کی جانب سے بھیجا گیا ہے الْعَزِيزُ یعنی اپنے مخالف سے انتقام لینے والا۔ الرَّحِيمُ ال اطاعت پر رحیم ہے۔

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۖ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ عَلَىٰ أَكْثَرِ مِمَّا نَحْنُ

لَا يُؤْمِنُونَ ۖ إِنَّا جَعَلْنَاهُمْ أَغْلَاقًا ۖ إِلَىٰ آذَانٍ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۖ

”تا کہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل



ہیں۔ بے شک (ان کے پیہم کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سراپہ کو اٹھے ہوئے ہیں۔“

لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ أَكْثَرُ عِلْمًا تَفْسِير کے نزدیک ما کا اعراب میں کوئی محل نہیں، ان میں سے قتادہ بھی ہیں کیونکہ یہ نافیہ ہے (1) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جسے آپ سے قبل کسی ڈرانے والے نے نہیں ڈرایا، یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: ما اور فعل مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی لتنذر قوما ما انذار آبائهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: ما، الذی کے معنی میں ہے (2) معنی یہ ہوگا آپ انہیں ڈرائیں جس طرح ان کے آبا کو ڈرایا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ عربوں کو تو اتر سے انبیاء کی خبریں پہنچی ہوں معنی یہ ہوگا انہیں میں سے کسی رسول میں سے انہیں نہ ڈرایا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہیں خبر تو پہنچی ہو لیکن انہوں نے غفلت کی ہو، اعراض کیا ہو اور وہ بھول گئے ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس قوم کو خطاب ہو جن تک کسی نبی کی خبر نہ پہنچی ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلِكَ مِنْ نَذِيرٍ (سبا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا آتَيْنَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (القصص) یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ جس نے یہ کہا ان تک انبیاء کی خبریں پہنچیں تو اس کا معنی ہوگا وہ اب اعراض کرنے والے ہیں اس سے جان بوجھ کر غافل بنتے ہیں۔ جو آدمی کسی چیز سے اعراض کرتا ہے اسے غافل کہتے ہیں: ایک قول یہ کیا گیا: معنی یہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے غافل ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (یعنی ان میں سے اکثر پر عذاب ثابت ہو چکا ہے وہ آپ کے خبردار کرنے پر ایمان نہیں لائیں گے یہ پھر ان لوگوں کے بارے میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی تھا کہ وہ کفر پر مریں گے (3)۔ پھر انہوں نے جو ایمان ترک کیا اس کا سبب ذکر کیا فرمایا: إِنَّا جَعَلْنَاهُمْ أَغْنَاءَ فِيمَا أَغْنَيْنَاهُمْ عَنْهُمْ فِيمَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (سجۃ) یہ آیت ابو جہل بن ہشام اور اس کے دو مخزومی ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وجہ یہ بنی، ابو جہل نے قسم اٹھائی اگر اس نے (حضرت) محمد ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ان کا سر پتھر سے کچل دے گا۔ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ مارنے کے لیے گیا، پتھر اٹھایا، جب پتھر مارنے کا قصد کیا تو اس کا ہاتھ گردن کی طرف لوٹ آیا اور پتھر اس کی گردن کے ساتھ چمٹ گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو جو کچھ دیکھا وہ بتایا۔ ایک آدمی جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا اس نے کہا: میں اس کا سر کچل دوں گا۔ وہ پتھر مارنے کے لیے آیا جبکہ آپ ﷺ اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے اندھا کر دیا وہ آپ ﷺ کی آواز کو سن رہا تھا مگر دیکھتا نہیں تھا وہ اپنے ساتھیوں کی

طرف لوٹا مگر اپنے ساتھی بھی نظر نہیں آئے یہاں تک کہ انہوں نے اسے ندادی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے دیکھا نہیں، اس کی آواز سنی ہے۔ تیسرے نے کہا: میں اس کا سر پیس دوں گا پھر پتھر اٹھایا وہ چلا پھر پچھلے پاؤں واپس پلٹا یہاں تک کہ اپنی گدی کے بل گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اسے کہا گیا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا معاملہ بڑا عظیم ہے میں نے اسے دیکھا جب میں اس کے قریب ہوا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نرا دنٹ اپنی دنب ہلا رہا ہے میں نے اس جیسا بڑا نر کبھی بھی نہیں دیکھا وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا لات وعزی کی قسم! اگر میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے کھا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے یوں پڑھا ہے انا جعلنا فی ایسانہم۔ زجاج سے اسے انا جعلنا فی ایدیہم پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت تفسیر ہے۔ مصحف کے برعکس قراءت نہیں کی جائے گی جماعت کی قراءت میں کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں کی انا جعلنا فی أعناقہم وفی أیدیہم أغلا لا فہی الی الأذقان عرب اس قسم کے الفاظ کو حذف کر دیتے ہیں اس کی مثل سَمَاءٍ بِئِنَّ تَقْنِيَكُمْ الْحَرَّ (النحل: 81) تقدیر کلام یہ ہوگی وسما بیل تقیکم العبد تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ جو چیز گرمی سے بچاتی ہے وہ سردی سے بچاتی ہے کیونکہ طوق جب گردن میں ہوتا ہے تو لازماً ہاتھ میں ہوتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ اس سے مراد ہاتھ ہیں پس وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوں گے وہ انہیں نیچے کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ جس کا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو اس کا سر بلند ہوتا ہے۔

عبداللہ بن یحییٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے انہیں الاقصاح کا طریقہ بتایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی داڑھی کے نیچے رکھا دونوں کو ساتھ چمٹایا اور اپنے سر کو اوپر اٹھایا (1)۔ اس لفظ کے معنی کی تعبیر میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے یہ ذی شان ہے، یہ معنی اس چیز سے ماخوذ ہے جو اصمعی نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اقحمت الدابة جب تو اس کی لگام کو کھینچے تا کہ اپنے سر کو اوپر اٹھائے۔ نحاس نے کہا: قاف، کاف سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ اس کا قریبی لفظ ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: قہرتہ، کہرتہ۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اکحمت الدابة۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی لگام کھینچے یہاں تک کہ وہ اپنا سر اوپر اٹھالے، اسی معنی میں یہ قول ہے: والراس مکح سر اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جملے بولے جاتے ہیں اکحمتھا، اکفحتھا اور کبحتھا۔ سب کا معنی ایک ہے کبحتھا باب افعال کے وزن پر نہیں، اصمعی سے یہ بھی مروی ہے قحح البعید قحح واجب اونٹ حوض پر اپنے سر کو اٹھالے اور وہ پانی پینے سے رک جائے، اسی سے بعید قامح اور قحح ہے یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: شرب فتقح وانقح دونوں کا معنی ایک ہے جب وہ اپنا سر اٹھالے اور سیراب ہونے کی وجہ سے پانی پینے سے رک جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد قامحت ابلک جب وہ پانی پر وارد ہو اور پانی نہ پیے اس نے اپنا سر کسی بیماری کی وجہ سے اٹھالیا یا سردی کی وجہ سے ایسا کیا اس کے ساتھ یوں صفت بھی ذکر کی جاتی ہے ابل مقامحة، بعید مقامح، ناقۃ مقامح اس کی جمع خلاف قیاس قحاح آتی ہے: بشرکشی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ونحن علی جوانبها قعود نغض الطرف کالابل القمام (2)



”ہم کشتی کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے ہم آنکھیں بند کئے ہوئے تھے جس طرح وہ اونٹ آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو پانی پینے سے رک جاتے ہیں“۔ القاص کا معنی سر اٹھانا اور آنکھیں بند کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقبحه الغلُ جب وہ تنگی کی وجہ سے اپنا سراو پر کواٹھا لے، شہر قاصح ایسا مہینہ جس میں سخت سردی ہوتی ہے وہ دونوں دسمبر اور جنوری ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اونٹ جب پانی پر وارد ہوتا ہے تو پانی کی ٹھنڈک اسے اذیت دیتی ہے تو وہ اپنا سراو پر کواٹھا لیتا ہے اسی سے ایک جملہ قبحۃ السویق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمائی ہے کہ وہ ہدایت سے یوں رکے ہوئے ہیں جس طرح وہ آدمی رکا ہوتا ہے جس کے گلے میں طوق ڈالا گیا ہو؛ یہ یحییٰ بن سلام اور ابو عبیدہ نے کہا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حصار یعنی وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لہم عن الرشدا غلال واقیاد

ہدایت پانے میں انہیں طوق اور بیڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ذؤیب دور جاہلیت میں ایک عورت سے محبت کرتے تھے جب وہ مسلمان ہو گئے تو اس عورت نے انہیں بہلانا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے:

فلیس کعہد الدار یا أم مَالِكٍ      ولكن أحاطت بالرقاب السلاسل

وعدا الفتی کالکھلِ لیس بقائلِ      سیوی العدل شیاً فاستراح العوذلِ

انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ اسلام کے احکام نے ہمیں بدکاری اور فسق سے روک دیا ہے۔ فراء نے بھی یہی کہا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ (الاسراء: 29) یہ ضحاک کا قول بھی ہے

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے سے تکبر میں اس طرح ہو گئے ہیں جس طرح وہ آدمی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں طوق ہے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو وہ ہمہ وقت سر اٹھائے ہی رہتا ہے وہ اسے جھکا نہیں سکتا وہ اپنی آنکھ بند رکھتا ہے وہ اسے کھولتا نہیں۔ متکبر کی صفت بھی اسی چیز کے ساتھ لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی گردن کھڑی کئے ہوئے ہے۔ ازہری نے کہا: جب ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں تو ان طوقوں نے ان کی ٹھوڑیوں کو اوپر اٹھا دیا جبکہ ان کے سر سیدھے کھڑے ہیں جس طرح وہ اونٹ ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں یہ رکاوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ ایک قوم کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے سزا کے طور پر توفیق سلب کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور بیڑیاں ہوں گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَا لَا غُلْلٌ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ (غافر: 71) ماضی کے لفظ کے ساتھ اسے تعبیر فرمایا یعنی فرمایا: إِنَّا جَعَلْنَا مُقْصِحُونَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: مُقْصِحُونَ کا معنی ہے انہیں ہر بھلائی سے روک دیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٧١﴾

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑩ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ  
الَّذِي كَرَّ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ فَبَشِّرْهُ بِنِعْمَةِ رَبِّهِ ⑪

”اور ہم نے بنادی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو صرف اس کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمن سے بن دیکھے پس مژدہ سنائیے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا۔“

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا مَّا قَاتَلُ قَالَ: جب ابو جہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جبکہ وہ نبی کریم ﷺ تک نہیں پہنچ پایا تھا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا تو بنی مخزوم کے ایک اور آدمی نے پتھر اٹھایا اور کہا: میں اسے اس پتھر کے ساتھ قتل کروں گا جب وہ نبی کریم ﷺ کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو بے نور کر دیا تو وہ نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو وہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ ساتھیوں نے اسے ندادی؛ آیت کا یہ معنی ہے۔

محمد بن اسحاق نے اپنی روایت میں کہا: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے ابو جہل اور امیہ بن خلف بیٹھے وہ نبی کریم ﷺ کی تاڑ میں تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچا سکیں نبی کریم ﷺ ان کی طرف نکلے جبکہ آپ ﷺ سورہ یس پڑھ رہے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ میں مٹی بھی تھی نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف وہ مٹی پھینکی اور پڑھا وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا انہوں نے سر نیچے کر لیے تو آپ ﷺ ان کے پاس سے گزر گئے۔ سورہ سبحان میں اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سورہ کہف میں سَدًّا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ سدا سین کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے یہ دونوں اس کی لغتیں ہیں۔

فَأَعْيُنُهُمْ فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ ⑪ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور یحییٰ بن نعیم نے اسے فاعشینا ہم پڑھا ہے (1)۔ یہ عشا سے عین کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے اس کی نظر کمزور ہے وہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر نے کہا:

مَتَى تَاتَهُ تَعْشَوَالِ ضُورِنَارُهُ

جب تو اس کے پاس آتا ہے تو تو اس کی آگ کی روشنی سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يُعْشِ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ (الزحرف: 36) دونوں الفاظ کے معنی قریب قریب ہیں معنی ہے ہم نے انہیں اندھا کر دیا جس طرح شاعر نے کہا:

وَمِنْ الْحَوَادِثِ لَا أَبَالِكَ أَتَنِي ضَرْبَتْ عَلَى الْأَرْضِ بِالْأَسْدَادِ



لَا تُهْتَدَى فِيهَا لِمَوْضِعِ تَلْعَةٍ بَيْنَ الْعُذْبِ وَبَيْنَ أَرْضِ مَوَادٍ

تیرا باپ نہ رہے حوادثِ زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ مجھ پر زمین پہاڑوں کے ساتھ پھینک دی گئی ہے ان میں میں عذیب اور مراد کے علاقہ کے درمیان تلعة کی جگہ کو نہیں پاتا۔

وہ ہدایت کو نہیں دیکھ سکتے؛ یہ قنادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ صحابہ نے کہا: آیت میں مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا سے مراد دنیا ہے اور وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا سے مراد آخرت ہے یعنی وہ دوبارہ اٹھائے جانے سے اندھے ہو گئے اور دنیا میں شرايع کو قبول کرنے سے اندھے ہو گئے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّتُوهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (حم سجدہ: 25) یعنی ان شیطانوں نے ان کے لیے دنیا کو مزین کیا اور آخرت کو جھٹلانے کی دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا: مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا سے مراد ہے دنیا کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہونا اور مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا سے مراد آخرت کو جھٹلانا۔ ایک قول کیا گیا ہے: مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سے مراد آخرت ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد دنیا ہے۔  
وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ سورہ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ آیت قدریہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔

ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے غیلان قدری کو طلب کیا پوچھا: اے غیلان! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں پھر کہا: اے امیر المومنین! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آپ نے نہیں دیکھا: إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَبِيحًا بَصِيرًا ﴿۱﴾ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿۲﴾ (الدھر) حضرت عمر بن عبد العزیز نے ارشاد فرمایا: اے غیلان! آگے پڑھو یہاں تک کہ اس نے فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۳﴾ (المزل) تک پڑھا۔ فرمایا: آگے پڑھو تو اس نے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الدھر: 30) تک پڑھا کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! میں جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اے غیلان! سورہ یس کا ابتدائی حصہ پڑھو تو اس نے پڑھا یہاں تک کہ وہ اس حد تک پہنچا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ غیلان نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! گویا میں نے اس سے قبل کبھی بھی اسے نہیں پڑھا، اے امیر المومنین! گواہ رہیے میں تو بہ تائب ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس پر نظر رحمت فرما اور اسے ثابت قدم رکھ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اس آدمی کو مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے مومنوں کے لیے نشانی بنا دے۔ ہشام نے اسے پکڑ لیا اور غیلان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ ابن عون نے کہا: میں نے اسے دُشَق کے دروازے پر سولی پر لٹکا ہوا دیکھا ہم نے اس سے پوچھا: اے غیلان! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے ایک صالح شخص حضرت عمر بن عبد العزیز کی بددعا لگی ہے۔ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْعَلِيمَ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿۳۱﴾

ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی اس پر عمل کیا۔ بِالْغَيْبِ سے مراد جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے غائب ہوا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اور تنہا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے گناہ کی بخشش اور جنت کی بشارت دیتے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِيٓ  
إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٧﴾

”بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں ان کے اعمال کو جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں۔“

(1) اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے مقصود کافروں کا رد ہے۔ ضحاک اور حسن نے کہا: ہم انہیں جہالت کے بعد ایمان کے ساتھ زندہ کرتے ہیں (1)۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے ہم جزا کے لیے بعثت کے ساتھ انہیں زندہ کریں گے پھر تمام اعمال لکھنے کے ساتھ انہیں دھمکی دی۔

(2) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا شمار کئے ہوئے ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے اسے شمار کئے ہوئے ہے۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس نے جو عمل کیا۔ مجاہد اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿١٧﴾ (الانفطار) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُنَبِّئُوا الْإِنْسَانَ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ (القيامة: 13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴿١٨﴾ (الحشر: 18) انسان کے اعمال جو باقی رہیں گے اور جنہیں ذکر کیا جائے گا خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں اس پر انہیں بدلا دیا جائے گا اچھا عمل جیسے علم جس کی اس نے تعلیم دی، جیسے کتاب جو اس نے تصنیف کی، وقف جو اس نے وقف کیا یا ایسی عمارت جو انہوں نے بنائی وہ مسجد ہو، سرائے اور پل وغیرہ۔ یا برا عمل ہو جس طرح کوئی ایسا نیکس ہو جو کسی ظالم حکمران نے مسلمانوں پر لگایا ہو یا ایسی گلی جو اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی ہو یا کوئی ایسی چیز جو اس نے مسلمانوں کو ذکر سے روکنے کے لیے بنائی ہو جس طرح گانے بجانے کے مراکز، لہو و لعب کے میدان اسی طرح ہر اچھی سنت اور بری سنت جس پر عمل کیا جاتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو مسجد کی طرف پیدل آنے والوں کے قدموں سے بنتے ہیں؛ اس آیت کا یہی معنی حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان کیا ہے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ وَآثَارَهُمْ کا معنی ہے مساجد کی طرف جاتے ہوئے ان کے قدم۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے ان سب میں سے یہ بہترین معنی ہے کیونکہ نحاس نے کہا: یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار کے مکانات مسجد سے دور تھے ایک حدیث مرفوعہ میں ہے: يَكْتُبُ لَهُ بِرَجُلٍ حَسَنَةً وَتَحُطُّ

1- تفسیر حسن امری، جلد 4، صفحہ 343

2- تفسیر ابن ماجہ، کتاب الصلاة باب الا بعد فالابعد من المسجد اعظم اجراء حدیث نمبر 776، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



عنه برجل سينة ذاهبا وراجعا اذا خرج الى مسجد ايك قوم پرايك نكلى لكهى جاتى هـ اور ايك قدم پرايك برائى مئادى جاتى هـ يـ صورت مسجد آتے اور جاتے ہوئے ہوتی هـ جب وہ مسجد کی طرف نکلے۔

میں کہتا ہوں: ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی هـ کہ بنو سلمہ مدینہ طیبہ کی ايك جانب رہتے تھے انہوں نے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں“ تو وہ مسجد کے قریب منتقل نہ ہوئے (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب هـ اور ثوری سے مروی هـ۔

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی هـ کہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں جگہ بھی خالی تھی، یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو ارشاد فرمایا: ”اے بنو سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں“ انہوں نے کہا: ہم منتقل ہوتے تو یہ چیز ہمیں خوش نہ کرتی (2)۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت انس بن مالک کے ساتھ نماز کی طرف نکلا تو میں نے جلدی کی تو انہوں نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہو گئی تو کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روک لیا جب نماز ختم ہو گئی تو فرمایا: ”کیا تو نہیں جانتا کہ یہ قدم لکھے جاتے ہیں (3)“ آیت کا مصداق بھی یہی هـ۔

قتادہ، مجاہد اور حسن بصری نے کہا: اس آیت میں آثار سے مراد قدم ہیں۔ ثعلبی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی هـ کہ آثار سے مراد جمعہ کی طرف جانے والے قدم ہیں (4)۔ آثار کا واحد اثر هـ اسے اثر بھی کہتے ہیں۔

(3) یہ احادیث جو آیات کی تفسیر بیان کرتی ہیں ان میں اس امر پر دلیل هـ کہ مسجد سے دوری افضل هـ۔ اگر کوئی آدمی مسجد کے پڑوس میں ہو تو کیا اس کے لیے جائز هـ کہ وہ مسجد سے دور چلا جائے اس میں اختلاف هـ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی هـ کہ وہ قضائے حاجت کی جگہ دور اختیار کرے۔ دوسرے صحابہ سے مروی هـ کہ جو آدمی مسجد سے جتنا دور ہوگا اس کا اجر اتنا ہی بڑا ہوگا حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے اسے مکروہ جانا هـ کہا: وہ مسجد کے پڑوس کو نہ چھوڑے کیونکہ کوئی دوسرا آجائے گا: یہ امام مالک کا نقطہ نظر هـ۔ اپنی مسجد کو چھوڑ کر بڑی مسجد میں جانے میں دو قول ہیں: (1) ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی هـ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”آدمی کا اپنے گھر کے قریب والی مسجد میں نماز ايك نماز هـ اور قبائل کی مسجد میں ايك نماز پچیس نمازیں ہیں اور وہ نماز جو جامع مسجد میں پڑھی جائے وہ پانچ سو نمازیں ہیں“ (5)۔

(4) دیار کم، اغراء کے طریقہ پر منصوب هـ یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو۔ مکتب الامر کے جواب کے طور پر مجزوم هـ۔ کلّ کا لفظ فعل مضمر کے ساتھ منصوب هـ جس پر اخصیئة دلالت کرتا هـ گویا کلام یوں هـ وأحصینا کل شی

1- جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورہ یسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2- صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب فضل الصلوٰۃ المکتوبہ، جلد 1، صفحہ 235

3- المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 448

4- ایضاً

5- سنن ابن ماجہ، کتاب امامۃ الصلوٰۃ والسنة فیہا، باب ما جاء فی الصلوٰۃ فی المسجد الجامع، جلد 1، صفحہ 103

احصیناہ۔ اسے مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مبتدا بن سکتا ہے تاہم نصب دینا بہتر ہے تاکہ فعل جس پر عمل کر رہا ہے اس کا اس پر عطف کیا جائے جس پر فعل نے عمل کیا؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا قول ہے۔ الامام سے مراد وہ کتاب ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے وہ حجت ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ابن فرید نے کہا: امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۖ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ  
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ۚ قَالُوا مَا أَنْتُمْ  
إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ ۚ قَالُوا رَبُّنَا  
يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ۚ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۚ قَالُوا إِنَّا نَطْغِيرُكَ  
بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ قَالُوا طَائِفُكُمْ  
مَعَكُمْ ۚ أَيْنَ دُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۚ

”اور بیان فرمائیے ان کے سمجھانے کے لیے مثال اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے انہیں کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا: نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمن نے کوئی چیز نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچا دیں۔ وہ کہنے لگے: ہم تو تمہیں اپنے لیے قال بد سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں دردناک عذاب۔ رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو حیرت ہے اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔“

خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اپنی قوم کے سامنے اصحاب قرپہ کا واقعہ بیان کریں (1)۔ ماوردی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے یہ اہل انطیس کی طرف منسوب ہے یہ اس آدمی کا نام ہے جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا جب اسے عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس میں تبدیلی کر دی گئی؛ یہ قول امام سیوطی نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں ایک لفظ یہ بھی ہے ان تاکیہ یعنی طاء کی جگہ تاء ہے وہاں ایک بادشاہ تھا جسے انطیس بن انطیس کہا جاتا، وہ بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نے اسے کعب اور وہب سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسولوں کو بھیجا وہ حضرت صادق، حضرت مصدوق اور حضرت شمعون تھے شمعون ہی

تیسرا تھا: یہ طبری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ حضرت شمعون اور حضرت یوحنا تھے۔ نقاشی نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شمعون اور حضرت یحییٰ تھے دونوں نے حضرت صادق اور حضرت مصدوق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مثلاً اور اصحاب قریہ، اصرب کے دونوں مفعول ہوں یا اصحاب قریہ، مثلاً سے بدل ہو تقدیر کلام یوں ہوگی اَصْرِبُ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ ان مشرکین کو اس عذاب سے ڈرائیں کہ ان مشرکوں پر وہ عذاب نازل ہو سکتا ہے جو اس بستی کے کفار پر نازل ہوا تھا جن کی طرف تین رسول بھیجے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسل من اللہ، مبتدا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان تین افراد کو انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بھیجنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے انہیں بھیجا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا تو لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے دونوں کو مارا اور دونوں کو قیدی بنا لیا تو ہم نے تیسرے کے ساتھ انہیں قوت بخشی اور تیسرے کے ساتھ رسالت کو پختہ کیا۔

ابو بکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی ہے فعزنا بشالث جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے قوت بخشی اور مضبوط کیا اس حساب سے دونوں قراءتیں ایک معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تخفیف کی صورت میں یہ غلبنا اور قہرنا کے معنی میں ہے اس معنی میں وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ⑤ (ص) تشدید قوینا اور کثرنا کے معنی میں ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے متکلمس کے لیے شعر پڑھا:

أَجْدُ إِذَا رَحَلْتَ تَعَزَّرَ لَحْمُهَا وَإِذَا تَشَدَّدَ بَنَسَعَهَا لَا تَنْبَسُ

قصہ میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف دو قاصد بھیجے وہ ایک بوڑھے کو ملے جو اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا وہ حبیب نجار صاحب بس تھا دونوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ہم تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس نے دونوں سے معجزہ طلب کیا دونوں نے کہا: ہم مریض کو شفاء دیتے ہیں۔ اس حبیب نجار کا ایک بیٹا مجنون تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ بستر پر مریض پڑا تھا دونوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اللہ کے حکم سے صحیح و سالم اٹھ کھڑا ہوا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہی وہ آدمی تھا جو شہر کے دور دراز علاقہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا اس نے دونوں کے امر کو ظاہر کر دیا دونوں نے بہت سے لوگوں کو شفاء عطا فرمائی۔

بادشاہ نے دونوں کو بلا بھیجا جبکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتا تھا تا کہ دونوں کے احوال کو سمجھے دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا: تمہاری نشانی کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادرزاد اندھوں، کوڑھ کے مریضوں کو اور دوسرے مریضوں کو اللہ کے حکم سے درست کرتے ہیں اور ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں بادشاہ نے ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وہب نے کہا: بادشاہ نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور دونوں کو سو کوڑے مارے یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے تیسرے قاصد کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ شمعون صفا تھا جو حواریوں کا سردار تھا دونوں کی



مدد کے لئے اسے بھیجا اس نے بادشاہ کے ہم نشین کے ساتھ راہ و رسم پیدا کیے یہاں تک کہ وہ ان کے ہاں ذیشان ہو گیا اور وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے انہوں نے اس کی بات بادشاہ تک پہنچائی وہ بھی اس سے مانوس ہو گیا پھر ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے ان دو افراد کو قید کر رکھا ہے جنہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تھی کاش! تو ان سے پوچھتا اس کا پس منظر کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا: غصہ میرے اور ان کے سوال کے درمیان غالب آ گیا تھا اس آدمی نے کہا: کاش! تو انہیں حاضر ہونے کا حکم دیتا؟ اس نے ایسا ہی کیا شمعون نے دونوں سے کہا: تم جو دعویٰ کرتے ہو اس پر دلیل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں کو اور برص کے مریضوں کو شفا یاب کرتے ہیں۔ ایک ایسا لڑکا لایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان ہی نہ تھے اس کی آنکھوں کی جگہ ایسی تھی جس طرح پیشانی ہوتی ہے دونوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی تو آنکھ کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے ڈھیلے لیے اور اس کے رخسار پر رکھ دیئے تو دونوں اس کی آنکھیں بن گئیں جن کے ساتھ وہ دیکھنے لگا۔ بادشاہ متعجب ہوا اس نے کہا: یہاں ایک لڑکا ہے جو سات دن پہلے فوت ہو گیا ہے میں نے اسے دفن نہیں کیا یہاں تک کہ اس کا باپ آئے کہا: کیا تمہارا رب اسے زندہ کر سکتا ہے؟ دونوں نے اعلانیہ دعا کی اور شمعون نے آہستہ دعا کی وہ مردہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: میں سات دن پہلے مر گیا تھا مجھے مشرک کی حیثیت سے پایا گیا مجھے آگ کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا جس حالت پر ہوں اس سے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں پھر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تو میں نے ایک خوبصورت چہرے والے جوان کو دیکھا جو ان تین افراد کے حق میں سفارش کر رہا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ شمعون بھی انہیں کا ساتھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہ ان سے افضل ہے۔ شمعون نے لوگوں کو بتایا کہ اسے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف بھیجا تھا اس کی گفتگو بادشاہ پر اثر انداز ہوئی اس نے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی بادشاہ بے شمار لوگوں کے ساتھ مومن ہو گیا اور دوسرے بے شمار لوگوں نے کفر اختیار کیا۔

قتیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ بادشاہ تو ایمان لے آیا تھا لیکن اس کی قوم مومن نہ ہوئی تھی، حضرت جبریل امین نے ایک چیخ ماری تو باقی ماندہ سب کافر مر گئے۔

یہ روایت کی گئی ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس بستی کی طرف جائیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم ان لوگوں کی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی تو اسی جگہ پر سو گئے وہ نیند سے اٹھے تو فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور انطاکیہ میں جا پہنچایا تو ان میں سے ہر ایک ان کی زبان میں بات کر رہا تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** (البقرة: 87) کا یہی مفہوم ہے سب نے کہا: ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: تم تو محض ہماری طرح انسان ہو تم کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی جس کے ساتھ وہ حکم دے یا منع کرے تم تو اپنی رسالت کے دعویٰ میں جھوٹ بولتے ہو، رسولوں نے کہا: ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ

ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اگرچہ تم ہمیں جھٹلاؤ ہمارے ذمے تو یہ پیغام پہنچانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ لوگوں نے ان سے کہا: ہم نے تم سے فال بد لیا۔ مقاتل نے کہا: تین سال تک ان سے بارش روک لی گئی۔ لوگوں نے کہا: یہ تمہاری نحوست ہے۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: دس سال تک انہیں ڈراتے رہے لوگوں نے کہا: اگر تم ہمیں ڈرانے سے نہ رکے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے۔ فراء نے کہا: ہم تمہیں قتل کر دیں گے (1)۔ کہا: قرآن حکیم میں رجم سے مراد قتل کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد پتھر مار مار کر مار ڈالنا ہے۔ ایک قول یہ ہے: کہا گیا ہے اس کا معنی ہے ہم تمہیں گالیاں دیں گے۔ سب بحث پہلے گزر چکی ہے۔

عَذَابُ الْيَمِّ ۝ سے مراد قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکلیف دہ عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد قتل سے قبل تکلیف دہ عذاب ہے جیسے کھال اتارنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی پر لٹکانا۔ رسولوں نے کہا: خیر اور شر میں سے حصہ تمہارا ہے اور تمہاری گردنوں میں لٹکا ہوا ہے وہ سب کچھ ہماری نحوست کی وجہ سے نہیں؛ یہ معنی ضحاک نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا رزق اور تمہارا عمل ہے، معنی ایک ہی ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے اظہر کم پڑھا ہے جو تطہیر کم کے معنی میں ہے ائن ذکر تم قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہوگی ان ذکر تم تطہیر تم اس میں نو قراتیں ہیں۔ اہل مدینہ نے اسے این ذکر تم یعنی دوسرے ہمزہ میں تخفیف ہے اہل کوفہ نے ان دونوں ہمزوں کو ثابت رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف فاصل ہے کیونکہ دو ہمزوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے ہمزہ کے بعد الف ہے اور الف کے بعد ہمزہ مخففہ ہے۔ پانچویں صورت دو مفتوح ہمزوں کے درمیان الف ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے دونوں مفتوح ہمزوں کو ثابت رکھا گیا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قراءت ابورزین کی قراءت ہے۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اسے زر بن حبیش اور ابن سمیع سے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں اس کی قراءت کی قالوا طائرکم معکم این ذکر تم، این جو حیث کے معنی میں ہے۔ یزید بن قعقاع، حسن بصری اور طلحہ نے کہا: ذکر تم تخفیف کے ساتھ ہے۔ نحاس نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔ مہدوی نے طلحہ بن مصرف اور عیسیٰ ہمدانی سے نقل کیا ہے ان ذکر تم یعنی مد کے ساتھ اسے پڑھا ہے کہ ہمزہ استفہام، ہمزہ مفتوحہ پر داخل ہوا ہے ماحضون نے کہا: ان ذکر تم ایک ہمزہ مفتوح کے ساتھ ہے، یہ نو قراتیں ہیں۔ ابن ہرمز نے اسے طَیْرُکُمْ مَعَكُمْ، ائن ذکر تم پڑھا ہے کیونکہ انہیں نصیحت کی گئی، یہ نیا کلام ہے یعنی اگر تمہیں نصیحت کی جائے تو تم فال پکڑنے لگتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس وقت فال بد لیا جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ ہرنی نے اپنی قوم کو دعوت دی تو انہوں نے وہ دعوت قبول نہ کی ان کا انجام ہلاکت ہے۔

قتادہ نے کہا: تم فال پکڑنے میں اسراف سے کام لینے والے ہو۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: تم اپنے کفر میں اسراف کرنے والے ہو۔ ابن بحر نے کہا: سرف سے یہاں مراد فساد ہے اس کا معنی ہے بلکہ تم لوگ فساد ہی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تم مشرک ہو (2)۔ اسراف کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے مشرک بھی حد سے تجاوز کرتا ہے۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ لِقَوْمٍ اتَّبَعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝۱۱ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُنْتَدُونَ ۝۱۲ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۱۳ ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ يَرِدَنِي الرِّحْلُ يُضْرِبَ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ۝۱۴ إِنَّي إِذَا لَفِئْتُ ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝۱۵ إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ۝۱۶ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۝۱۷ قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۝۱۸ بِمَا غَفَرْتُ رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ۝۱۹ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُندٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝۲۰ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خِيدُونَ ۝۲۱

”دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا اس نے کہا: اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں بنا لوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ ہرگز نہیں اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔ (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر پس میرا اعلان سن لو۔ حکم ہوا: جا جنت میں داخل ہو جا، وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے با عزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کی شہادت کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔“

رَجُلٌ سے مراد حبیب بن مری ہے وہ بڑھئی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسکاف (جوتا) بنانے والا تھا۔ ایک قول کیا گیا: وہ دھوبی تھا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور مقاتل نے کہا: وہ حبیب بن اسماعیل نجار تھا وہ بت تراشا کرتا تھا یہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا جبکہ درمیان میں چھ سو سال کا عرصہ ہے جس طرح تبع اکبر ورقہ بن نوفل اور دوسرے لوگ ایمان لائے کوئی فرد کسی نبی پر ایمان نہیں لایا تھا مگر اس وقت جب وہ نبی ظاہر ہو چکا تھا (1)۔

وہب نے کہا: حبیب کو جزام کا مرض تھا اس کا گھر شہر کے دروازوں میں سے آخری دروازے کے پاس تھا وہ ستر سال تک بتوں کی عبادت میں مصروف رہا اور دعا کرتا رہا ممکن ہے وہ بت اس پر رحم کریں اور اس کی تکلیف رفع کر دیں تو بتوں نے اس کی کوئی دعا قبول نہ کی۔ جب قاصدوں نے اسے دیکھا تو اسے اللہ کی طرف دعوت دی تو اس نے پوچھا: کوئی نشانی بھی



ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم قادر رب کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو جو تکلیف تجھے لاحق ہے اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دور کر دے گا پوچھا: وہ ایک دن میں کیسے اس تکلیف کو دور فرما دے گا؟ انہوں نے کہا: ہاں ہمارا رب جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے، یہ بت تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان کر سکتے ہیں۔ وہ ایمان لے آیا۔ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تکلیف کو رفع کر دیا گویا اسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں پھر وہ اپنی کمائی کی طرف متوجہ ہوا جب اس نے شام کی تو اپنی کمائی کو صدقہ کر دیا اس نے نصف اپنے عیال کو کھلایا اور نصف صدقہ کیا۔ جب اس کی قوم نے قاصدوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا: بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو۔ قنادہ نے کہا: وہ ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا جب اس نے بھیجے گئے افراد کے بارے میں سنا تو وہ دوڑتا ہوا آیا تو اس نے بھیجے گئے افراد سے کہا: تم جو کچھ لائے ہو اس پر اجر بھی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہمارا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اسے ان کی صداقت کا یقین ہو گیا اور وہ ان پر ایمان لے آیا اور اپنی قوم کی طرف اس قول کے ساتھ متوجہ ہوا: اے میری قوم! ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، ان کی اتباع کرو جو کوئی اجر طلب نہیں کرتے اگر یہ جھوٹے ہوتے تو تم سے اجر طلب کرتے، وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

قنادہ نے کہا: اس کی قوم نے پوچھا: تو ان لوگوں کے دین پر ہے؟ تو جواب دیا: مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اس کی اتباع نہ کروں کیونکہ تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ ان کے خلاف اس کی طرف سے حجت قائم کرنا تھا۔ فطرت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر نعمت ہے جو شکر اور دوبارہ اٹھائے جانے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ وعید ہے جو اجر کا تقاضا کرتی ہے گویا نعمت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا یہ شکر کو زیادہ نمایاں کرنے والا ہے اور دوبارہ اٹھائے جانے کو کافر کی طرف منسوب کرنا شر میں زیادہ بلیغ ہے (1)۔

الْهَيْئَةُ سے مراد بت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے یعنی جو اسے بیماری لگی ہے تو ان بتوں کی شفاعت کچھ نفع نہ دے گی اور وہ مجھے آزمائش سے چھٹکارا نہ دلا سکیں گے اور میں ایسا کروں تو میں واضح خسارے میں ہوں گا، میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے گواہ بن جاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے بھیجے گئے افراد سے خطاب کیا کہ وہ انکے رب پر ایمان لے آیا ہے۔ اور فَاسْمَعُونَ کا معنی ہے تم میرے ایمان لانے پر گواہ بن جاؤ۔ کعب اور وہب نے کہا: اس نے یہ بات اپنی قوم سے کہی تھی میں تمہارے اس رب پر ایمان لایا ہوں جس کا تم نے انکار کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا ان بھیجے گئے افراد کی اتباع کرو، تم اس کی پیروی کرو جو تم سے اجر کا سوال نہیں کرتے تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا: تو نے ہمارے دشمنوں کی پیروی کی ہے۔ اس نے ان کے ساتھ گفتگو کو طویل کیا تا کہ اس کے ذریعے بھیجے گئے افراد کے قتل سے انہیں غافل کر دے یہاں تک کہ اس نے کہا: اِنِّیْ اَصْنَعْتُ بِرَبِّکُمْ تو وہ اس پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے اسے اپنے پاؤں سے روند ڈالا یہاں تک کہ اس کی انٹریاں اس کی دبر سے

نکل آئیں اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا، وہی رس ہے وہ اصحاب رس ہیں (1)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے: لوگوں نے ان تینوں افراد کو قتل کر دیا۔ سدی نے کہا: انہوں نے اسے پتھر مارے جبکہ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا (2)۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اسے ڈال دیا اور اس پر مٹی ڈال دی اور وہ مٹی کے نیچے دب کر مر گیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اسے آگ میں جلا دیا (3) اسے شہر کی فصیل سے لٹکا دیا اس کی قبر انطاکیہ کی دیوار میں ہے؛ یہ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ قشیری نے کہا: حضرت حسن بصری نے کہا: جب قوم نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان کی طرف اٹھالیا تو وہ جنت میں ہے وہ نہیں مرے گا مگر جب آسمان فناء ہو جائے گا اور جنت ہلاک ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ جنت کو دوبارہ لوٹائے گا تو اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا (4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اسے آری کے ساتھ چیر دیا یہاں تک کہ وہ اس کی دو ٹانگوں کے درمیان سے نکلی اللہ کی قسم! اس کی روح نہیں نکلی مگر اسے جنت میں داخل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَتِيلٌ اِذَا خُلِيَ الْجَنَّةُ کا یہی معنی ہے جب اس نے جنت کا مشاہدہ کیا تو اس نے کہا: ہائے کاش! میری قوم وہ کچھ جان لیتی جو میرے رب نے مجھے بخشا مافعل کے ساتھ ملکر مصدر کے حکم میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہے جو تعجب کے معنی میں ہے گویا کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ کس وجہ سے میرے رب نے مجھے بخشا ہے؟ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی نے اس پر اعتراض کیا ہے اس نے کہا: اگر یہ صحیح ہو تو تو ہم کا لفظ کہتا۔ فراء نے کہا کہ مالف کے ساتھ کہا جائے یہ استفہامیہ ہے اور اس میں کئی اشعار پڑھے۔

زمخشری نے کہا: الف کے بغیر پڑھنا زیادہ اچھا ہے اگرچہ الف کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد علمت بسا صنعت هذا بيم صنعت۔ مہدوی نے کہا: استفہامیہ کی صورت میں الف کو ثابت رکھنا قلیل ہے اس صورت میں یعلمون پر وقف کیا جائے گا۔

ایک جماعت نے کہا: اِذَا خُلِيَ الْجَنَّةُ کا معنی ہے تیرے لیے جنت ثابت ہو گئی۔ یہ خبر ہے تو جنت میں داخل ہو جا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا وہ اس میں زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶﴾ جس طرح آل عمران میں پہلے گزر چکا ہے۔

قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ سائل کے سوال کی وجہ سے کلام ذکر کی گئی ہے جو سوال اتنی بڑی کامیابی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جو بخشش اور تکریم کی صورت میں متحقق ہوئی اسے مِنْ مُكْرَمِينَ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس تمنیٰ میں دو قول ہیں:

2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 278

4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 245

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 10

3۔ تفسیر ابن جریر، جلد 4، صفحہ 344

(1) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے حال سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اس کے حسن انجام اور پسندیدہ عاقبت سے آگاہی حاصل کریں (2) اس نے تمنا کی کہ وہ اس کے ایمان کی مثل ایمان لائیں اور اس کی حالت جیسی حالت والے ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے اپنی قوم کو زندہ اور مردہ حالت میں نصیحت کی (1)۔ قشیری نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ ”اس نے اپنی زندگی اور موت کے بعد انہیں نصیحت کی“۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: امتوں کے سابقین تین افراد ہیں (2) انہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ ان میں سے افضل ہیں، آل فرعون کا مومن اور صاحب یس یہ صدیق ہیں؛ زحشری نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں عظیم تنبیہ ہے (3) اور غصہ پی جانے، جہلاء سے حلم کرنے، جو آدمی اپنے آپ کو شیر اور باغیوں کی آبادی میں پھنسالے اس پر شفقت کرنے، اس کو چھٹکارا دلانے میں کوشش کرنے، اس کا فدیہ دینے میں مہربانی کرنے، اس کے دشمنوں کو خوش کرنے والے عمل سے اور اسے بدو عادی سے اغراض کرنے کے وجوب پر دلالت موجود ہے کیا تم دیکھتے نہیں اس نے اپنے قاتلوں کے لیے، اس کے لیے ہلاکت چاہنے والوں کے لیے خیر کی تمنا کی جبکہ وہ کافر تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ جب حبیب کو قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے غضبناک ہو گیا اور قوم پر جلد عذاب کو مسلط کر دیا، جبریل امین کو حکم دیا اس نے ان پر ایک چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ جُنُودًا مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝ کا یہی مفہوم ہے، یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد ان پر کوئی نبی اور رسول مبعوث نہ کیا؛ یہ قادی، مجاہد اور حسن کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جند سے مراد لشکر ہیں (4) یعنی ان کو ہلاک کرنے کے لئے لشکروں کو بھیجنے کا محتاج نہیں بلکہ میں انہیں ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دوں گا؛ یہ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے معنی بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ان کے اہل کو حقیر قرار دینا ہے یعنی ہم نے اس کے قتل کے بعد یا آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد ایک چیخ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کے پہلوؤں پر اسے نازل کرنے والے نہ تھے۔ زحشری نے کہا: اگر تو یہ کہے: یوم بدر اور یوم خندق کو کیوں لشکر نازل کیے گئے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا أَلْمَ تَرَوْهَا (الاحزاب: 9) اللہ تعالیٰ کا فرمان: الْفِ مِنَ الْمَلَكَةِ مُنْزِلِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْاِهِمْ هَذَا يُلْهِدُكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ (آل عمران)

میں جواب دوں گا: ایک فرشتہ ہی کافی تھا قوم لوط کے شہر حضرت جبریل امین کے ایک پر سے ہلاک کر دیئے گئے (5)، قوم ثمود کے شہر اور قوم صالح کے شہر ایک چیخ سے برباد کر دیئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور اولی العزم رسولوں پر فضیلت دی۔ حبیب نجار کی کیا حیثیت ہے آپ ﷺ کو کرامت اور اعزاز کے اسباب عطا فرمائے جیسے

3- ایضاً، جلد 4، صفحہ 11

2- ایضاً، جلد 4، صفحہ 10

1- تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 11

5- تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 12

4- تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345



اسباب کسی اور کو عطا نہ فرمائے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے آسمان سے لشکر نازل فرمائے گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا وَمَا أَنزَلْنَا۔۔۔ وَمَا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ کیونکہ لشکروں کو نازل کرنا عظیم امور میں سے ہے جن کا تیرے سوا کوئی اہل نہیں اور ہم تیرے سوا کسی اور کے لیے کچھ بھی کرنے والے نہیں۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيِّحَةٌ وَاحِدَةٌ عام قراءت واحدۃ نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ماكانت عقوبتهم

الاصیحة واحدة۔

ابو جعفر بن قعقاع، شبیبہ اور اعرج نے صیحة (مرفوع) پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيِّحَةٌ وَاحِدَةٌ میں کون کو وقوع اور حدوث کے معنی میں لیا ہے گویا یوں کلام کی: ما وقعت علیہم الا صیحة واحدة۔ ابو حاتم اور دوسرے بہت سے نحو یوں نے تانیث کے سبب اس قراءت کو ناپسند کیا ہے جبکہ یہ قول ضعیف ہے جس طرح ما قامت الا ہند ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے معنی ہے ما قام احد الا ہند۔ ابو حاتم نے کہا: اگر بات اس طرح ہو جس طرح ابو جعفر نے قراءت کی ہے تو کلام یوں ہوتی ان کان الا صیحة نحاس نے کہا: ان میں سے کوئی شے بھی ممتنع نہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما جائتني الا جاريتك تو اس معنی میں ہے ما جائتني امرأة او جارية الا جاريتك۔ رفع کی صورت میں قراءت میں تقدیر کلام یوں ہوگی جو ابو اسحاق نے کہا ہے کہا: اس کا معنی ہے ان كانت صیحة الا صیحة واحدة۔ دوسرے علماء نے اس کی یوں تقدیر کلام ذکر کی ہے ما وقعت علیہم صیحة واحدة۔ کان کا لفظ وقع کے معنی میں کلام عرب میں اکثر واقع ہوتا ہے: عبد الرحمن ابن اسود نے اس کی یوں قراءت کی۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: حضرت عبد اللہ کی قراءت میں بھی اسی طرح ہے ان كانت الذقیة واحدة یہ مصحف کے مخالف ہے نیز یہ بھی ہے کہ معروف لغت زقا یزقو ہے جس کا معنی ہے چیخنا اس معنی میں ضرب المثل ہے: أثقل من الزواق۔ اس صورت میں نقیة کی جگہ یزقو زقوة کا لفظ ہوگا، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جوہری نے کہا الزقوا اور الزقی مصدر ہیں قد زقا الصدی یزقو زقاء اس نے چیخ ماری ہر چیخ مارنے والے کو زاق کہتے ہیں اور ذقیة کا معنی چیخ ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا جاتا ہے زقوة اور ذقیة دو لغتیں ہیں قراءت صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَإِذَا هُمْ خُمُودٌ ۝ تو اچانک وہ مردہ تھے۔ انہیں ٹھنڈی راکھ کے ساتھ تشبیہ دی قتادہ نے کہا: خُمُودٌ کا معنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ معنی سب کا ایک ہے۔

يُخَسِّرُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا  
كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ وَإِنْ كُلُّ لُتَّا جِئْنَا  
لَدَيْنَا مَحْضُرُونَ ۝

”صدافسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا

انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا اور وہ آج تک ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔“

يُحْضَرُونَ عَلَى الْعِبَادِ، حسرة منصوب ہے کیونکہ نکرہ کو ندا کی جارہی ہے۔ بصریوں کے نزدیک نصب کے علاوہ کوئی صورت جائز نہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں یا حسرة العباد یعنی حسرة کا لفظ مضاف ہے (1)۔ لغت میں حسرت کا معنی یہ ہے کہ انسان کو شرمندگی لاحق ہو جس کی وجہ سے یہ حسیر یعنی افسوس کرنے والا ہو جائے۔ قراء نے کہا: پسندیدہ قراءت نصب ہے۔ اگر نکرہ کو رفع دیا جائے جو صلہ کے ساتھ ملا ہوا ہو تو یہ بھی صورت درست ہے اور چند چیزوں سے دلیل قائم کی ہے ان میں سے یہ ہے کہ انہوں نے عربوں سے سنایا یا مُهْتَمُّ بَأْمَرِنَا لِاتِهْتَمُّ اور یہ مصرعہ پڑھا:

يَا دَارُ غَيْدِهَا لِبَيْ تَغْيِيرًا

اے گھر! جسے بوسیدگی نے تبدیل کر دیا۔

نحاس نے کہا: اس میں تو نداء کے تمام احکام یا اکثر احکام کا ابطال ہے کیونکہ وہ خالص نکرہ کو رفع دیتا ہے اور اسے جو اپنی طوالت میں مضاف کے قائم مقام ہوتا ہے اس کو رفع دیتا ہے اور تنوین کے حذف کے ساتھ رفع دیتا ہے جبکہ وہ متوسط ہو اور اسے رفع دیتا ہے جو معنی میں مفعول ہو جبکہ ایسی علت نہ ہو جو اسے واجب کرے۔

عربوں سے جو کچھ اس نے حکایت بیان کی ہے وہ تو اس کے مشابہ نہیں جس کو اس نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یا مُهْتَمُّ بَأْمَرِنَا لِاتِهْتَمُّ کی تقدیر تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے معنی ہے یا ایہا المُهْتَمُّ لِاتِهْتَمُّ بَأْمَرِنَا اس مصرعہ کی تقدیر کلام یوں ہے یا ایتھا الدار پھر خطاب کو تبدیل کیا اور کہا: اے لوگو! اس گھر کو بوسیدگی نے بدل دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَ جَرَيْنِ بِهِمْ (یونس: 22) حسرة کا لفظ ندا کی وجہ سے منصوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا رجلًا اقبل۔ ندا کا مطلب یہ ہوگا یہ حسرت کے حاضر ہونے کی جگہ ہے۔ طبری نے کہا: معنی ہے بندوں کی اپنی ذاتوں پر حسرت اور شرمندگی ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے ہائے بندوں پر ہلاکت۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ لوگ اس جگہ واقع ہوتے ہیں جن پر حسرت کی جاتی ہے۔

ربیع نے انس سے وہ ابو العالیہ سے روایت نقل کرتے ہیں: یہاں عباد سے مراد رسول ہیں اس کی وجہ ہے کفار نے جب عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: يُحْضَرُونَ عَلَى الْعِبَادِ تو انہوں نے قتل کرنے، ایمان کو ترک کرنے پر حسرت کا اظہار کیا انہوں نے اس وقت ایمان کی تمنا کی جب ایمان انہیں کوئی نفع نہ دے سکتا تھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: جب کفار نے رسولوں کو جھٹلایا تو فرشتوں نے کفار پر حسرت کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ يُحْضَرُونَ عَلَى الْعِبَادِ اس آدمی کا قول تھا جو شہر کے دور دراز حصہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا جب قوم کے لوگ اسے قتل کرنے کے لیے جھپٹ پڑے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ ان تین افراد نے یہ بات کہی تھی جب قوم نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھیجے گئے افراد ان سے جدا ہو گئے تھے یا انہوں نے تین بھیجے گئے افراد کے ساتھ اس آدمی کو بھی قتل کر دیا جس طرح روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے: ہائے ان بھیجے گئے افراد پر افسوس! اس آدمی پر افسوس کاش! ہم ان پر اس وقت ایمان لاتے جس وقت ایمان انہیں نفع دیتا۔ اس کے بارے میں گفتگو مکمل ہو چکی ہے پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کی فرمایا: مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ۔

ابن یزید، مسلم بن جندب اور عکرمہ نے یا حسرة علی العباد پڑھا ہاء کو ساکن پڑھا ہے مقصود بیان پر حرص دلانا اور نفس میں معنی کو پختہ کرنا ہے کیونکہ موقع وعظ ونصیحت کا تھا عرب اس موقع پر اس قسم کا عمل کرتے ہیں اگرچہ وقف کا موقع نہ بھی ہو اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ ایک ایک حرف (1) قراءت کرتے مقصود بیان اور سمجھانے پر حرص دلانا تھا گو یا حسرة پر وقف کو مقدر کیا اور ہاء کو کسرہ دیا پھر کہا: علی العباد یعنی میں بندوں پر حسرت کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس، ضحاک اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے یا حسرة العباد میں حسرة کا لفظ مضاف ہے اور علی کا لفظ مخذوف ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو العباد اس کا فاعل ہوگا گویا جب انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے حسرت کا اظہار کیا تو یہ کلام تیرے اس قول کی طرح ہوگی: یا قیام زید۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول کی طرف مضاف ہونے سے تعلق رکھتی ہو اس صورت میں عباد کا لفظ مفعول ہوگا گویا بندوں پر وہ حسرت کا اظہار کرتا ہے جو ان پر شفقت کرتا ہے، جس نے یا حسرة علی العباد کی قراءت کی ہے وہ اس معنی کو قوت بخشتی ہے۔ سیبویہ نے کہا اَنْتُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑤ میں ان، کم اھلکنا سے بدل ہے یہاں کم خبر یہ ہے اس وجہ سے اس سے اس چیز کو بدل بنانا جائز ہے جو استفہام نہ ہو معنی اس کا یہ بن جائے گا: کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ہے وہ ان کی طرف لوٹنے والے نہیں۔

فراء نے کہا: کم دو وجہ سے محل نصب میں ہے: (1) یزدا کی وجہ سے، اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات سے پیش کی ہے وہ قراءت اس طرح ہے الم یردا من اھلکنا (2) اھلکنا کی وجہ سے کم منصوب ہے۔

نحاس نے کہا: پہلا قول محال ہے کیونکہ کم میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا کیونکہ یہ استفہامیہ ہے اور یہ بات محال ہے کہ استفہام ماقبل کی خبر پر داخل ہو جب یہ خبر یہ ہو تو اس وقت بھی اس کی صورت حال یہی ہوگی اگرچہ سیبویہ نے ان میں سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہم کو کم سے بدل بنایا ہے۔ محمد بن زید نے اس کا شدید ترین رد کیا ہے اور کہا کم اھلکنا کی وجہ سے منصوب ہے اور انہم محل نصب میں ہے اس کے نزدیک معنی یہ ہوگا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں من اھلکنا ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے انہم اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے (2)، یہ آیت اس آدمی کا رد ہے جو



یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جو موت کے بعد قیامت سے پہلے لوٹیں گیں۔

وَإِنْ كُلُّ لَمَنَّا جِئْنَا لَدَيْنَا مُعْضَرُونَ ﴿٢٥﴾ سے مراد یوم قیامت ہے، جزا کے لیے انہیں حاضر کیا جائے گا۔ ابن عامر، عاصم، اور حمزہ نے لَمَنَّا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لَمَّا پڑھا ہے۔ ان مشقلہ سے مخففہ ہے اس کا مابعد مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اس کا مابعد خبر ہے جب اس کا لفظ بدل گیا تو اس کا عمل باطل ہو گیا اس کی خبر پر لام کا داخل کرنا لازم ہے تاکہ ان تاکید یہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ ابو عبیدہ کے نزدیک مازائدہ ہے اس کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہوگی وان کل لجیئ۔ قراء نے کہا: جس نے اسے مشدود پڑھا ہے اس نے لَمَّا کو اتا کے معنی میں بنایا ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے جس طرح یہ قول ہے: إِنَّهُ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ (المومنون: 25) وہ نہیں مگر ایسا آدمی جس کو جنون ہے۔ سیبویہ نے سَأَلْتُكَ بِاللهِ لِمَا فَعَلْتَ میں حکایت بیان کی ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معروف نہیں۔ یہی بحث سورہ ہود میں گذر چکی ہے۔ حضرت ابی کی قراءت میں وان منهم الا جمیع لدینا محضرون ہے۔

وَأَيُّهَا الَّذِينَ فِي الْأَرْضِ السَّيِّئَةُ ۚ أَحْيَيْتُهَا وَأَخْرَجْتُهَا مِنْهَا حَبًّا فَبِئْسَ مَا كَلَمْتُمْ ۚ ﴿٢٦﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ ثَمَرٍ مُّتَّعِلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۚ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۚ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۚ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٧﴾ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُثْمِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾

”اور ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا اس کو ان کے ہاتھوں نے کیا وہ ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ ابھی نہیں جانتے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے انہیں مردوں کے زندہ کرنے پر متنبہ کیا اور ان کے سامنے اپنی توحید اور کمال قدرت کا ذکر کیا یہ مردہ زمین ہے جسے نباتات اور نباتات سے دانہ نکالنے کے ساتھ اسے زندہ کیا اس دانہ سے تم غذا حاصل کرتے ہو اہل مدینہ نے السیئة کے لفظ کو مشدود پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ اور ہم نے اس زمین میں باغات بنائے کھجور اور انگوروں کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ قسم کے پھل ہیں ان باغات میں ہم نے چشمے جاری کر دیئے ثمرہ میں جو ضمیر ہے وہ عیون کے پانی کی طرف لوٹی ہے کیونکہ پھل اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جرجانی، مہذوی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کا ہم نے ذکر کیا وہ اس کے پھل کھائیں جس طرح ارشاد فرمایا: وَإِنْ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ ۖ لُتُؤْتِيَكُمْ مَتَانٍ بِطُونِهِ (النحل: 66) حمزہ اور کسائی نے اسے من ثمرہ پڑھا ہے

جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ اعمش نے یہ لفظ ثاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بارے میں گفتگو الانعام میں گذر چکی ہے۔

وَمَا عَمِلْتُمْ أَيُّهُم مَّا كَالْفُحْلِ جَر میں ہے کیونکہ اس کا عطف من شمرہ پر ہے یعنی مباحثتہ ایدیہم کو فہون نے اسے ہاء کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے اپنے اصل پر حذف کے بغیر پڑھا ہے۔ کلام میں ضمیر عائد کا حذف اکثر ہوتا ہے کیونکہ اسم طویل ہوتا ہے (کیونکہ اسم موصول صلہ کے ساتھ ملکر ایک اسم کے حکم میں ہوتا ہے) یہ بھی جائز ہے کہ ملٹافہ ہو اس کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو اسے صلہ اور ضمیر عائد کی کوئی ضرورت نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اگائی ہے وہ ان کے ہاتھوں کے پیدا کردہ نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، ضحاک اور مقاتل کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کا معنی ہے ان پھلوں میں سے جو ان کے ہاتھوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں اور میٹھی اور کھانے کی مختلف اقسام میں سے اور وہ چیزیں جو کسی خاص طریقہ سے دانوں سے بناتے ہو جس طرح روٹی اور تیل جو تلوں اور زیتون سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس طرف راجع ہے جسے لوگ کھاتے ہیں، یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٥٠﴾ کا مفعول نعمہ ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

سُبْحَنَ الَّذِي اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول سے اپنی پاکی بیان کی ہے کیونکہ کفار نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کے آثار کو دیکھنے کے بعد غیر اللہ کی عبادت کی۔ اس کلام میں فعل امر کی تقدیر ہے مراد یہ ہے سَجُودًا وَنُحُودًا عسلا یلیق بہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی میں تعجب کا معنی ہے یعنی ان کافروں کے کفر پر تعجب ہے جو ان آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو کسی چیز پر تعجب کا اظہار کرتا ہے تو وہ سبحان اللہ کہتا ہے۔ ازواج کا معنی انواع و اقسام ہیں ہر زوج صنف ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ رنگ، ذائقہ، شکل، چھوٹے بڑے ہونے میں مختلف ہوتے ہیں ان کا اختلاف ہی ان کا ازدواج ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد مذکر اور مؤنث ہے۔

وَمَا تُثْمِتُ الْأَرْضُ س سے مراد نباتات ہیں کیونکہ اس کی اقسام ہوتی ہیں وَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ س سے مراد ایسی اولاد ہے جو جوڑے جوڑے ہیں ان میں سے مذکر اور مؤنث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے خشکی، سمندر، آسمان اور زمین میں ایسی مخلوقات میں سے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے پیدا فرماتا ہے اسے کوئی انسان نہ جانتا ہو اور فرشتے اسے جانتے ہوں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس مخلوق کو کوئی دوسری مخلوق نہ جانتی ہو۔ اس آیت میں استدلال کی صورت یہ ہے کہ جب وہ پیدا کرنے میں مفرد ہے تو مناسب نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

وَ آيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿٥١﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي

لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٥٢﴾

”اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یوں وہ یکخت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، یہ آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف، یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز

(اور) طیم ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی قدرت اور اس کی اہمیت کے ثبوت پر علامت ہے سدخم کا معنی اتارنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے:   
 سدخمہ من دینہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دین سے الگ کر دیا پھر یہ نکالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے روشنی جانے اور   
 تاریکی کے آنے کو، کسی شے سے چمڑے کو اتارنے اور جسم کے ظاہر ہونے کی طرح ہے پس یہ اشارہ ہے قُظِّلْمُونُ ﴿۷۰﴾ وہ   
 تاریکی میں داخل ہونے والے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اظلمنا ہم رات کی تاریکی میں داخل ہوتے ہیں اظہرنا ہم ظہر کے   
 وقت میں ہوتے ہیں اسی طرح اصبحنا، اضحینا اور امسینا ہے، یعنی ہم صبح کے وقت، چاشت کے وقت اور شام کے   
 وقت میں داخل ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا منہ، عنہ کے معنی میں ہے اس کا معنی ہے ہم نے اس سے دن کی روشنی کو الگ کر دیا تو اچانک وہ تاریکی میں تھے کیونکہ دن کا نور ہوا میں داخل ہوتا ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے جب وہ ہوا سے نکل جاتا ہے تو وہ تاریک ہو جاتا ہے (۱)۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا يَوْمَئِذٍ تَجْرِي سِحْرًا ۚ وَالْقَمَرُ يُدْرِكُ الْوُجُوهَ ۚ وَالشُّجْرُ يُسْفَلُ ۚ وَالْجِبَالُ يَكْسَىٰ خَرْدَلًا ۚ وَالْأَنْهَارُ تُجْرَىٰ سِحْرًا ۚ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا يَوْمَئِذٍ تَجْرِي سِحْرًا ۚ وَالْقَمَرُ يُدْرِكُ الْوُجُوهَ ۚ وَالشُّجْرُ يُسْفَلُ ۚ وَالْجِبَالُ يَكْسَىٰ خَرْدَلًا ۚ وَالْأَنْهَارُ تُجْرَىٰ سِحْرًا ۚ

وَجِبَارِیۃ کے معنی میں ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ  
الْقَمَرُ تَجْرِي لَئِنَّكَ لَآ تَعْلَمُ اَسْمَاءُ الْكَوْكَبِ (2) "اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے (2)" اس بارے میں حضرت  
ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟" صحابہ نے  
عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "یہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ عرش کے نیچے اپنے سفر کی انتہا  
کرتا ہے پھر وہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے وہ اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ اسے کہا جاتا ہے: تو اٹھ اور جہاں سے تو آیا ہے اس کی  
طرف واپس لوٹ جا تو وہ صبح کے وقت اپنے مطلع سے طلوع کرتا ہے، پھر وہ چلتا رہتا ہے لوگ اس سے کوئی عجیب چیز نہیں  
دیکھتے یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے اس ٹھکانے تک جا پہنچتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اٹھ تو مغرب سے کل صبح طلوع کر تو وہ  
مغرب سے طلوع کرے گا۔" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جس وقت  
کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا اس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر کا عمل نہ کیا تھا۔"

بخاری شریف کے الفاظ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہیں (3) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا جب سورج غروب ہوا: ”کیا تو جانتا ہے سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ”یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے وہ اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے ممکن ہے وہ سجدہ کرے تو اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے وہ اجازت طلب کرے تو اسے اجازت نہ دی جائے اسے کہا جائے: جہاں



سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا تو وہ مغرب کی جانب سے طلوع کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ کا یہی مفہوم ہے۔

ترمذی شریف کے الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہیں (1): جب سورج غروب ہو گیا تو میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے ابو ذر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ”یہ جاتا ہے سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے گویا اسے کہا جاتا ہے جہاں سے آیا ہے وہاں سے طلوع ہو تو وہ مغرب سے طلوع کرتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت کی۔“ ذالک مستقرہا کہا: یہ حضرت عبداللہ کی قراءت ہے۔ امام ترمذی حضرت ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عکرمہ نے کہا: سورج جب غروب ہوتا ہے وہ عرش کے نیچے ایک محراب میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صبح کرتا ہے جب وہ صبح کرتا ہے تو باہر آنے سے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے: کس لیے؟ سورج عرض کرتا ہے: جب میں نکلوں گا تو تیرے سوا میری عبادت کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: نکل اس وجہ سے تجھ پر کوئی قدغن نہیں میں ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی طرف جہنم بھیجوں گا وہ اسے کھینچتے ہوئے لائیں گے یہاں تک کہ فرشتے ان سب کو جہنم میں داخل کریں گے۔ کلبی اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا معنی وہ غروب میں بعید ترین منزل کی طرف چلے گا پھر وہ قریب ترین منزل کی طرف لوٹے گا اس کا ٹھکانہ اس کا اس جگہ تک پہنچنا ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جاتا بلکہ اس جگہ سے لوٹ آتا ہے جس طرح ایک انسان ہے وہ مسافت طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری منزل تک پہنچتا ہے اور اپنا کام مکمل کرتا ہے پھر اس پہلی منزل کی طرف لوٹ آتا ہے جہاں سے اس نے اس سفر کا آغاز کیا تھا سورج کا اپنی آخری منزل تک پہنچنا جبکہ وہ اس کا مستقر ہے جب وہ ہنوعہ (جیسے تیس 23 جون) کو طلوع ہوتا ہے یہ سال کا سب سے لمبا دن ہوتا ہے اور اس کی رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی ہوتی ہے پھر دن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سورج لوٹ آتا ہے جب شریا طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں تو رات اور دن میں سے ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں پھر وہ قریب منزل تک پہنچ جاتا ہے اور نعامہ (تیس 23 دسمبر) کو طلوع ہوتا ہے۔ یہ سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے اور رات پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے یہاں تک کہ فرغ دلو موخر (تیس 23 مارچ) کو طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں ہر رات دن سے ہر روز گھنٹے کا تیسواں حصہ لیتی ہے ہر دن گھنٹے کا ایک تہائی لیتے ہیں اور ہر ماہ ایک گھنٹہ لیتا ہے یہاں تک کہ رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں اور رات حصہ لیتی رہتی ہے یہاں تک کہ پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن بھی رات سے اسی طرح حصہ لیتا رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج کے سال میں تین سو ساٹھ مطلع ہوتے ہیں ہر روز ایک مطلع میں نزول کرتا ہے پھر ایک سال تک اس میں نزول نہیں کرتا وہ انہیں منازل میں گردش کرتا رہتا ہے (2) یہی

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، فی سورہ یسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً، حدیث نمبر 3151، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345

اس کا مستقر ہے یہ معنی میں اس جیسا ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب سورج غروب ہوتا ہے اور اس جگہ تک جا پہنچتا ہے جس سے آگے تجاوز نہیں کرتا تو وہ طلوع ہونے تک اس کے نیچے قرار پر رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے وہ تمام اقوال کو جامع ہے اس میں غور کرو۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یوں قراءت کی والشمس تجری لمستقر لہا کہ وہ رات اور دن میں جاری رہتا ہے اس میں نہ ٹھہراؤ ہے نہ ہی قرار ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے گرا دے گا۔ جس نے مصحف کی مخالفت کی اس نے کہا: میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت کو پڑھتا ہوں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے یہ قول نقل کیا ہے وہ باطل ہے اس پر اسے لونا دیا جائے گا، کیونکہ ابو عمر نے مجاہد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن کثیر نے مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا یہ دونوں سندیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہیں جن کی صحت پر اجماع گواہی دیتا ہے اور جو ضعیف سند کے ساتھ جماعت اور امت کے متفق علیہ مذہب کی مخالفت کرتا ہے یہ دونوں سندیں اس کو باطل کر دیتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: وہ ثابت شدہ احادیث جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کے قول کو رد کر دیتی ہیں اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ اللہ پر کتنا جری ہے۔

قول لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں لام، ال کے معنی میں ہے۔ مستقر سے مراد قرار کی جگہ ہے یعنی رات، دن اور سورج کا جو مقام ذکر کیا گیا ہے یہ عزیز و عظیم و تقدیر ہے۔

### وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ٥٠

”اور ذرا چاند کو دیکھ ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر ۱۔** وَالْقَمَرَ اس کی تقدیر کلام یوں ہے آیۃ لہم القمر۔ یہ بھی جائز ہے کہ القمر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو کو فیوں نے اسے والقمر منصوب پڑھا ہے کیونکہ فعل مضمر ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ مسلک ہے، اس نے کہا: اس سے قبل نسلخ فعل ہے اور اس کے بعد قدرنا فعل ہے۔ نحاس نے کہا ہے: میرا جہاں تک علم ہے تمام عربی اس قول کی مخالفت کرتے ہیں جو ابو عبیدہ نے کیا۔ ان میں سے ایک فراء ہے اس نے کہا: رفع مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے ان کے نزدیک رفع زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل پر عطف ہے اس سے مراد آیۃ لہم القمر ہے اس کا قول اس سے پہلے نسلخ فعل ہے اس سے قبل جو فعل زیادہ قریبی ہے وہ تجری ہے اور اس سے قبل والشمس رفع کے ساتھ ہے اس نے اس کے بعد جس فعل کا ذکر کیا ہے وہ قدرنا ہے وہ ہاء میں عامل ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس میں رفع بہتر ہے کیونکہ تو نے ضمیر کی وجہ سے فعل کو اس سے غافل کر دیا ہے تو تو اسے رفع دے گا۔ یہ قول کیا جاتا ہے: چاند کی منازل نہیں ہوتیں تو پھر کیسے ارشاد فرمایا: قَدَّرْنَاهُ

مَنَازِلِ اس بارے میں دو جواب ہیں: (1) اس سے مراد ہے ہم نے اسے منازل والا بنادیا ہے جس طرح وَشَّلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) سے مراد اہل قریۃ ہے (2) اصل کلام یوں تھا قدر نالہ منازل پھر لام کو حذف کر دیا گیا اس کا حذف بہت اچھا ہے تاکہ فعل دو مفعولوں کی طرف واسطہ کے بغیر متعدی ہو جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ مَرَجًا (الاعراف: 155) منازل اٹھائیں ہیں۔ چاند ہر روز ایک منزل میں اترتا ہے وہ شریطان، بطین، ثریا، دبران، ہقہ، بنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبہ، خراتان، صرف، عواء، سماک، غفر، زبانیان، اکلیل، قلب، شولہ، نعام، بلدہ، سعد الذانح، سعد بلع، سعد السعد، سعد الاخبیہ، الفرغ المقدم، الفرغ المور اور بطن المحوت (1)۔

جب چاند اس آخری منزل میں پہنچتا ہے تو پھر پہلے کی طرف لوٹ آتا ہے وہ فلک کو اٹھائیں راتوں میں طے کرتا ہے پھر چھپ جاتا ہے پھر ہلال کی صورت میں طلوع کرتا ہے اور فلک طے کرنے میں منازل کی طرف لوٹ آتا ہے یہ بروج پر منقسم ہے ہر برج دو منزلیں اور ایک تہائی ہے حمل کے لیے شریطان، بطین اور ثریا ایک تہائی ہے، ثور کے لیے ثریا کے دو ٹکٹ اور دبران اور ہقہ کے دو تہائی ہیں ہر باقی کے لیے بھی یہی صورتحال ہے۔ سورہ حجر میں بروج کے ناموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ الحمد للہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا ہے پھر طلوع کے وقت انہیں نور کا لباس عطا کیا جہاں تک سورج کے نور کا تعلق ہے تو وہ عرش کے نور سے ہے جہاں تک چاند کے نور کا تعلق ہے تو وہ کرسی کا نور ہے وہ ان کی پیدائش کی اصل اور یہ ان کا لباس ہے جہاں تک سورج کا تعلق ہے تو اس کے لباس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ شعاع والا اور روشن ہوتا رہے جہاں تک چاند کا تعلق ہے روح الامین نے اپنے پروں کو اس کے چہرہ پر پھیرا تو اس کی روشنی کو پروں کے غلبہ سے مٹا دیا کیونکہ وہ روح ہیں اور روح اس کی سلطان ہے جو تمام اشیاء پر غالب ہے اس کا محو باقی رہا جیسا اسے مخلوق دیکھتی ہے پھر اسے پانی کے غلاف میں رکھ دیا پھر اس کے لیے گزرگاہ بنائی ہر رات مخلوق کے لیے اس غلاف سے اس قدر چاند ظاہر ہوتا ہے جس قدر وہ ان کے لیے ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا ظہور ان کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور مخلوق اس چاند کو مکمل اور پورا گول دیکھتی ہے پھر ہر رات اس میں سے کچھ حصہ اس غلاف کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اسی مقدار سے دکھائی دینے میں کم ہوتا جاتا ہے جس قدر ظاہر ہونے میں ظاہر ہوا تھا اور اسی جانب سے نقصان میں کمی شروع ہو جاتی ہے جس جانب سورج اسے نہیں دیکھتا وہ اس کی غروب کی جانب ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتی ہے وہ قوس دار ٹہنی ہے اس کی وجہ اس کا خشک ہونا اور باریک ہونا ہے۔ اسے قمر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی سفیدی کی وجہ سے فضا کو سفید کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ چھپ جاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** زجاج نے کہا: یہ کھجور کی ایسی شاخ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں (2) یہ انعراج سے فعلون کا وزن ہے انعراج کا معنی مڑ جانا ہے یعنی وہ اپنی منازل میں چلتا ہے جب وہ آخری منزل میں پہنچتا ہے تو وہ باریک ہو جاتا ہے،



قوس دار ہو جاتا ہے اور تنگ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر نون زائدہ ہے۔ قنادہ نے کہا: عرجون سے مراد کھجور کی خشک مڑی ہوئی شاخ ہے۔ ثعلب نے کہا العرجون سے مراد کھجور کا گھچا جب کاٹا جائے تو جو باقی رہ جائے وہ عرجون ہے القدیم سے مراد بوسیدہ ہے۔ خلیل نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے یہ زرد رنگ کی چوڑی ہوتی ہے جب چاند ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اسے اس شاخ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ جوہری نے کہا: عرجون سے مراد شاخ کی جڑ ہے جس کی چھوٹی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں تو وہ کھجور کے درخت پر ہی باقی رہتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَرَجْنَه اسے شاخ کے ساتھ مارا ان لوگوں کے قول کے مطابق نون اصل یہ ہے اسی معنی میں اعشیٰ بن قیس کا شعر ہے:

شرق السُّنْدُ والعَبِيرُ بَهَا فَهِيَ صَفْرَاءُ كَعَرْجُونِ الْقَمَرِ

کستوری اور عبیر اس پر چمک اٹھی وہ زرد ہے جس طرح چاند جب شاخ کی طرح ٹیڑھا ہوتا ہے کھجور کی شاخ جب خشک اور قوس دار ہو جاتی ہے تو چاند کی باریکی اور زردی میں اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسے اہان، کباسہ اور قنوبھی کہتے ہیں، اہل مصر اسے اسباطہ کہتے ہیں۔ اسے عرجون بھی پڑھتے ہیں (1) یہ فراحون کا وزن ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح بزیون اور یزیون۔ زمخشری نے یہ ذکر کیا ہے اور کہا: عرجون کھجور کی شاخ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کے پتوں کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھ سال چار موسموں پر منقسم ہے ہر موسم کی سات منازل ہیں پہلا موسم بہار ہے اس کا آغاز آذار (مارچ) کی پندرہ تاریخ سے ہوتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برج حمل، ثور، اور جوزاء اور سات منازل سرطان، بطین، ثریا، دبران، ہقعه، ہنعه اور ذراع کو عبور کرتا ہے پھر موسم گرما حزیران (جون) کی پندرہ تاریخ کو داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد بانوے (92) ہے اس موسم میں سورج تین برج سرطان، اسد اور سنبلہ اور سات منازل کو طے کرتا ہے وہ سات منازل نثرہ، طرف، جہہ، خراتان، صدفہ، عواء اور سماک ہیں، پھر ایلول (ستمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم خزاں داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد اکانوے (91) ہے اس موسم میں سورج تین برج جون یعنی میزان، عقرب اور قوس اور سات منازل یعنی غفر، زبان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم اور بلدہ کو طے کرتا ہے کانون اول (دسمبر) کی پندرہ تاریخ کو موسم سرما داخل ہو جاتا ہے اس کے دنوں کی تعداد انوے ہے بعض اوقات اس کے دنوں کی تعداد اکانوے ہوتی ہے اس موسم میں سورج تین برج جون یعنی جدی، دلو اور حوت کو طے کرتا ہے اور سات منازل کو طے کرتا ہے سعد الذانح، سعد بلع، سعد سعود، سعد اضبہ، فرغ مقدم، فرغ موخر اور بطن حوت۔ یہ سریانیوں کی مہینوں کی تقسیم ہے تشرین الاول (اکتوبر) تشرین الثانی (نومبر) کانون الاول (دسمبر) کانون الثانی (جنوری) اشباط (فروری) آزاد (مارچ) نیسان (اپریل) ایار (مئی) حزیران (جون) تموز (جولائی) آب (اگست) ایلول (ستمبر) سب اکتیس دن کے ہوتے ہیں مگر تشرین ثانی (نومبر) نیسان (اپریل) حزیران (جون) اور ایلول (ستمبر) یہ تیس دن کے ہوتے ہیں اشباط (فروری)

اٹھائیس مکمل اور 1/4 دن کا ہوتا ہے اس سے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقَمَرَ قَدْرًا مِّنْهُ مَنَازِلَ کا یہی مفہوم ہے جب سورج ایک منزل میں ہوتا ہے تو ہلال اس کے بعد والی منزل میں پڑاؤ کرتا ہے اور فجر دو منزلیں اس سے پہلے ہوتی ہیں جب سورج اپریل کی پچیس تاریخ کو ثریا میں ہوتا ہے تو فجر شریطن میں ہوتی ہے اور چاند بران میں پڑاؤ کرتا ہے پھر ہر رات میں اس کی ایک منزل ہوتی ہے یہاں تک کہ اٹھائیس راتوں میں وہ اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے سورج نے دو منزلیں طے کی ہوتی ہیں تو چاند ان دونوں کو طے کرتا ہے پھر وہ سورج کی منزل کی بعد والی میں طلوع کرتا ہے یہی عزیز و علیم کی تقدیر ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** زمخشری نے قدیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ شاخ پرانی ہو جاتی ہے تو وہ باریک ٹھوڑی اور زرد ہو جاتی ہے چاند کو اس کے ساتھ تین وجوہ سے تشبیہ دی جاتی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کی صفت قدیم کے لفظ کے ساتھ بیان کی گئی ہو اس کا کم سے کم عرصہ سال ہوتا ہے اگر کوئی آدمی کہے: کل مملوک لی قدیم فہو حیا اس نے اپنی وصیت میں یہ قول کیا ہو تو جو غلام ایک سال یا اس سے زیادہ اس کی ملک میں رہا ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: چاند پر جو احکام مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے الحمد للہ۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ

يَسْبَحُونَ ①

”نہ سورج کی یہ مجال کہ پیچھے سے چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے

اور سب سیارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔“

لفظ الشَّمْسُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور لامعرفہ میں عمل نہیں کرتا۔ علماء نے اس آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے بعض نے کہا: اس کا معنی سورج چاند کو نہیں پاسکتا کہ اس کی حقیقت اور افادیت کو باطل کر دے ہر ایک کی اپنے دائرہ کار میں حاکمیت ہے ان میں سے کوئی ایک بھی دائرے پر اس طرح داخل نہیں ہو سکتا کہ اس کی حکومت کو ختم کر دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو تدبیر فرمائی ہے اس کو باطل کر دے تو سورج اس کے مغرب سے طلوع ہو جائے جس طرح اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چاند کی روشنی نہیں ہوتی اور جب چاند طلوع ہوتا ہے تو سورج کی روشنی نہیں ہوتی (2)؛ یہ معنی حضرت ابن عباس اور ضحاک سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: ایک روشنی دوسرے کی روشنی جیسی نہیں ہوتی (3)۔ قتادہ نے کہا: ہر ایک کی حد اور نشانی ہے نہ وہ اس سے تجاوز کرتا ہے اور نہ اس سے پہلے ہی رک جاتا ہے جب ایک کی حکومت آتی ہے تو دوسرے کی حکومت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ دونوں آسمان میں جمع نہیں ہوتے خصوصاً چاند کی رات جمع نہیں ہوتے یعنی سورج باقی نہیں

رہتا یہاں تک کہ چاند طلوع ہوتا ہے لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو چاند طلوع ہو جاتا ہے (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: معنی ہے چودہویں رات کی چاند خاص کر سورج چاند کو نہیں پاتا کیونکہ چاند سورج کے طلوع ہونے سے قبل غروب ہونے میں جلدی کرتا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ آسمان میں جمع ہوتے ہیں وہ منازل میں ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں دونوں ان میں شریک نہیں ہوتے (3)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: چاند آسمان دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے سورج اس کو نہیں پاسکتا؛ یہ نحاس اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے معنی میں جو سب سے اچھا اور واضح قول کیا گیا ہے جس کا رد نہیں کیا جاسکتا کہ چاند کی رفتار تیز ہے سورج چال میں چاند کو نہیں پاسکتا؛ یہ مہدوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَجُوعَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ** (القیامہ) یہ اس وقت ہوگا جب سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا جائے گا جس کی وضاحت سورۃ الانعام کے آخر میں گذر چکی ہے اور سورۃ القیامہ میں بھی آئیگی ان دونوں کا جمع ہونا یہ دنیا کہ ختم ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کی علامت ہوگی۔

سورج اور چاند اپنے فلک میں رواں دواں ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چکر لگا رہے ہیں یہاں تسبیح کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اپنے فعل کے ساتھ صفت بیان کی جس کے ساتھ ذوالعقول کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج، چاند اور ستارے آسمان وزمین کے درمیان فلک میں ہیں اس کے ساتھ چمکنے ہوئے نہیں اگر یہ چمکنے ہوئے ہوتے تو نہ چلتے (4)؛ یہ ثعلبی اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: **وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ** کہ دن کو رات سے قبل بنایا گیا رات خلق میں اس سے سبقت نہیں لے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے وقت پر آتا ہے ان میں سے کوئی اپنے ساتھی پر سبقت نہیں لے جاتا یہاں تک کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا جس طرح فرمایا: **وَجُوعَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ** (القیامہ) اس وقت یہ آگے پیچھے اس لیے آرہے ہیں تاکہ بندوں کے مصالح مکمل ہوں اور تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کو جان لو، رات آرام کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمِنْ ثَمَرَاتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ** (القصص: 73) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا** (النبا) یعنی نیند کو دن کے کام کاج سے تمہارے بدنوں کو آرام پہنچانے کے لیے بنایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ** رات دن پر غالب آنے والی نہیں یہ ہمہ بولا جاتا ہے: سبق فلاں فلاں۔ فلاں فلاں پر غالب آ گیا۔ مبرد نے ذکر کیا ہے میں نے عمارہ کو ولا اللیل سابق النہار پڑھتے ہوئے سنا میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے سابق النہار کا ارادہ بیان کیا ہے میں نے تنوین کو حذف کر لیا ہے کیونکہ یہ خفیف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے النہار تنوین کے بغیر منصوب ہو اور تنوین اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو۔

**وَ آيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا**



يَرْكَبُونَ ۝ وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝

”اور ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی اور ہم نے پیدا کی ان کے لیے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جاسکیں بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں۔“

آیۃ لَّهُمْ میں تین معانی کا احتمال ہے: (1) یہ ان کے لیے عبرت ہے کیونکہ آیات میں عبرتیں ہیں (2) ان پر نعمت ہے کیونکہ آیات میں انعام ہے (3) انہیں خبردار کرنا ہے کیونکہ آیات میں خبردار کرنے کا پہلو موجود ہوتا ہے (1)۔

أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۝ سورت میں مشکل ترین آیت ہے کیونکہ انہیں ہی کشتی میں سوار کیا گیا تھا، ایک قول یہ کیا گیا: اہل مکہ کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے سابقہ قوموں کی اولادوں کو بھری کشتی میں سوار کیا۔ دونوں ضمیریں مختلف ہیں: یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا ہے اور اس کی حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دونوں ضمیریں اہل مکہ کے لیے ہیں کہ ذُرِّيَّتَهُمْ سے مراد ان کی اولادیں اور ان کے ضعیف لوگ ہیں پہلے قول کے مطابق الفلک سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے اور دوسری تاویل کی بنا پر یہ اسم جنس ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان کا ذکر کیا کہ اس نے کشتیوں کو پیدا کیا ان میں انہیں سوار کر دیا جس کے لیے چلنا اور سواری پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے جیسے اولادیں اور کمزور لوگ۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں ضمیریں متفق ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ذریۃ سے مراد آباء و اجداد ہیں (2) اللہ تعالیٰ نے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا آباء ذریت ہیں، اور ابناء بھی ذریت ہیں اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے یہ ابو عثمان کا قول ہے۔ آباء کو ذریت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ انہیں میں سے بیٹوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے: ذریۃ سے مراد نطفے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹوں میں اٹھایا اور ان بیٹوں کو فلک مشحون سے تشبیہ دی: یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سورۃ البقرہ میں لفظ ذریۃ کا اشتقاق اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ مشحون کا معنی بھری ہوئی ہے۔ فلک کا لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ یونس میں اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

مَا يَرْكَبُونَ ۝ اصل میں ما یرکبونہ ہے اسم موصول کی طوالت کی وجہ سے صلہ کی ضمیر حذف ہے اور اس لیے بھی کہ یہ آیت کا سرا ہے اس کے معنی میں تین قول ہیں: (1) مجاہد، قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ من مشلہ سے مراد اونٹ ہے، اونٹ خشکی میں سواری کے لیے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح سمندر میں سواری کے لیے کشتی پیدا کی گئی ہے۔ عرب اونٹوں کو کشتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں، طرفہ نے کہا:

كَانَ حُدُوجَ الْمَالِكِيَّةِ غُدُوَّةً خَلَايَا سَفِينٍ بِالنَّوَاصِفِ مِنْ دَدٍ (1)

گویا صبح کے وقت مالکیہ کے حودج بڑی کشتیاں ہیں جو دود کے کھلے میدان میں ہیں۔

خلایا، خلیہ کی جمع ہے جس کا معنی بڑی کشتی ہے۔

(2) اس سے مراد اونٹ، چوپائے اور سواری کا ہر جانور ہے۔

(3) اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ قول صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند متصل کے

ساتھ مروی ہے کہ ۞ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ سے مراد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کشتیاں بنا کیں جو اونٹوں کی مثل ہیں جن میں وہ سوار ہوتے ہیں۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد چھوٹی کشتیاں ہیں (2) جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی کشتیوں کی طرح بنایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے۔ سخاک اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بعد بنایا گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تاویل کے نتیجے میں یہ پانچواں قول سمجھ آتا ہے کہ فلک مشحون میں ذریعہ سے مراد وہ نطفے ہیں جو عورتوں کے بطن میں ہیں کہ اس کا معنی یہ ہو کہ عورتیں اس لیے پیدا کی گئیں ہیں تاکہ خاوندان پر سوار ہوں (3)، لیکن میں نے کسی کو یہ بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

وَإِنْ نَشَاءُ نُغْرِقْهُمْ ۚ یعنی ہم انہیں سمندر میں غرق کر دیتے۔ ضمیر اصحاب ذریت کی طرف لوٹے گی یا سب کی طرف لوٹے گی یہ تاویل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جس نے یہ کہا: من مثله سے مراد کشتیاں ہیں اونٹ نہیں تو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا (4)؛ یہ سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے۔ شبان نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے: ان کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ صرخ، مصرخ کے معنی میں ہے یعنی فعیل، مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے فَلَا صَوِيغَ لَهُمْ کیونکہ اس کے بعد ایسی چیز ہے جس میں رفع کے بغیر کوئی چیز جائز نہیں، نحوی یہ پسند کرتے ہیں لا رجل فی الدار ولا زید۔

لَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۚ کا معنی ہے انہیں غرق ہونے سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا مگر ہماری رحمت ہی انہیں عذاب سے بچائے گی۔ کسائی نے کہا: إِلَّا رَحْمَةً يَشَاءُ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی رحمت کے لیے مَتَاعًا اس کا معطوف ہے۔ جین سے مراد موت ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: قیامت تک مراد ہے معنی ہوگا مگر یہ کہ ہم ان پر رحمت کریں اور ان کی آجال تک انہیں لطف اندوز ہونے دیں (5)۔ اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں کا عذاب جلدی لے آیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عذاب کو موت اور قیامت تک موخر کر دیا اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۚ وَمَا تَأْتِيهِمْ

مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٣٦﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ نَطْعَمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُٓ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّصُونَ ﴿٣٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٠﴾

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو عذاب سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے، تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو: کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو اور کافر کہتے ہیں: یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تو اس کا مقررہ وقت بتادو۔ یہ ناجار نہیں انتظار کر رہے مگر ایک گرج کا جو اچانک انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے، پس نہ وہ اس وقت کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروالوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے۔“

قائدہ نے کہا: مَا بَيْنَ آيَاتِهِمْ سے مراد تم سے قبل کی امتوں کے واقعات ہیں (1) اور وَمَا خَلَقَكُمْ سے مراد آخرت ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور مجاہد نے کہا: مَا بَيْنَ آيَاتِهِمْ سے مراد سابقہ گناہ ہیں (2) اور وَمَا خَلَقَكُمْ سے مراد آنے والے گناہ ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مَا بَيْنَ آيَاتِهِمْ سے مراد جو تمہاری عمر گزر چکی ہے (3) اور وَمَا خَلَقَكُمْ سے مراد جو باقی ماندہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيْنَ آيَاتِهِمْ سے مراد دنیا ہے اور وَمَا خَلَقَكُمْ سے مراد عذاب آخرت ہے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس قول نقل کیا ہے کہ مَا بَيْنَ آيَاتِهِمْ سے مراد امر آخرت اور اس کے لیے اعمال ہیں اور وَمَا خَلَقَكُمْ سے مراد دنیاوی امور ہیں ان سے بچو اور اس کے ساتھ دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيْنَ آيَاتِهِمْ سے مراد جو تمہارے لیے ظاہر ہے اور وَمَا خَلَقَكُمْ سے مراد جو تمہارے لیے مخفی ہے (4)۔ جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: إِذَا قِيلَ لَهُمْ ذَلِكَ أَعْرَضُوا اس کی دلیل مابعد قول ہے: وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٣٦﴾ جواب کی بجائے اس دلیل پر اکتفا کیا۔

انْفِقُوا سے مراد فقراء پر صدقہ کرو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہودیوں کو جب فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضمیر کا مصداق مشرکین ہیں انہیں نبی کریم ﷺ کے فقراء صحابہ نے یہ کہا (5): تم اپنے اموال میں سے جن کے

3- تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 348

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21

1- احکام القرآن للطبري، ج 23، صفحہ 17

5- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 19

4- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21



بارے میں یہ خیال کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ ہمیں دو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَاِلَّا نَعَامٍ نَّصِيْبًا** (الانعام: 136) وہ اسی پر دلالت کرتا ہے، تو انہوں نے فقراء کو محروم رکھا اور مذاق کے طور پر کہا: اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں کھلاتا ہم تمہیں کچھ بھی نہ کھلائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے دین کی طرف لوٹو۔ انہوں نے کہا: کیا ہم تمہیں دیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے کھلاتا۔ انہیں مسلمانوں کا یہ قول پہنچا تھا کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تو انہوں نے مذاق کے انداز میں کہا: کیا ہم اسے کھلائیں کہ اللہ تعالیٰ اگر اسے کھلانا چاہتا تو اسے غنی کر دیتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں زنادقہ تھے (1) جب انہیں مساکین پر صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ کہتے: اللہ کی قسم! نہیں کیا اللہ تعالیٰ تو اسے فقیر بنائے اور ہم اسے کھلائیں؟ وہ مومنوں کی باتیں سنا کرتے وہ افعال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق کرتے وہ کہتے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو غنی کر دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فلاں کو عزت دے دیتا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس طرح ہو جاتا۔ انہوں نے یہ جواب مومنوں کا استہزاء کرنے کے لیے نکالا اور اس کا مذاق اڑانے کے لیے دیا جو مومن امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف معلق کر دیتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ قول اس لیے کیا تھا کہ مومنوں کے قول کو اپنے ساتھ مشروط کر دیں **اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہیں بھی رزق دے تو پھر تم ہم سے کیوں رزق طلب کرتے ہو؟ یہ استدلال باطل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مال کا مالک بناتا ہے پھر اس میں حق لازم کر دیتا ہے گویا اتنا حصہ اس سے الگ کر دیا تو اعتراض کی کوئی وجہ نہیں رہتی وہ اپنے اس قول **لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهُ** میں سچے تھے لیکن دلیل میں جھوٹے تھے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا مَا اَشْرَكْنَا** (الانعام: 148) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ ۚ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ السُّفٰٓفِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝** (المنافقون) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝** ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار کا مومنوں کے حق میں قول ہے یعنی تم جو مال کا سوال کرتے ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہو اس میں تم گمراہی میں مبتلا ہو۔ کہا: یہ مقاتل اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا کفار کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے حق میں قول ہے جب انہوں نے اس جواب کے ساتھ رد کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے تو ابو جہل ان سے ملا اور کہا: اے ابو بکر! کیا تیرا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقراء کو کھانا کھلانے پر قادر ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اس نے پوچھا: کیا وجہ ہے اس نے ان کو نہیں کھلایا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو فقر کے ساتھ آزمایا اور کچھ لوگوں کو غنا کے ساتھ آزمایا ہے، فقراء کو صبر کا حکم دیا اور اغنیاء کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا۔ تو ابو جہل نے کہا: اللہ کی قسم! اے ابو بکر! تو گمراہ ہے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلانے پر قادر ہے اور وہ انہیں نہیں کھلاتا پھر تو انہیں کھلاتا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **فَاَقْصَا مَن**

أَعْطَى وَآتَى اللَّهُ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ① (اللیل) نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت زنادقہ کے حق میں نازل ہوئی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زندقہ تھے وہ اس کائنات کے صانع پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس قول کے ذریعے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے قشیری اور ماوردی نے اس کا ذکر کیا (1)۔

جب کفار کو یہ کہا گیا: اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ تو انہوں نے کہا: مَتَى هَذَا الْوَعْدُ یہ قیامت کب برپا ہوگی؟ یہ کفار کی جانب سے استہزاء تھا یعنی یہ وعید متحقق نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ صرف حضرت اسرافیل کے نفخے کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی جبکہ وہ دنیا کے امور میں جھگڑ رہے ہوں گے تو وہ اسی جگہ مرجائیں گے، یہ صعق کا نفخہ ہے۔

يَخْصِمُونَ میں پانچ قراءتیں ہیں: ابو عمرو اور ابن کثیر نے يَخْصِمُونَ پڑھا ہے یعنی یاء اور خاء کو مفتوح اور صاد پر شد پڑھی ہے ورش نے نافع سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اصحاب قراءات اور ورش کے سوا اصحاب نافع نے يَخْصِمُونَ روایت کیا ہے یعنی خاء کو ساکن اور صاد کو مشد پڑھا ہے یعنی دو ساکنوں کو جمع ذکر کیا ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے اسے يَخْصِمُونَ پڑھا ہے خاء کو ساکن اور صاد کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ خصمہ سے مشتق ہے۔ عاصم اور کسائی نے اسے يَخْصِمُونَ پڑھا ہے یعنی خاء مکسور اور صاد مشد ہے اس کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا۔ نفخہ انہیں آپہنچے گا جبکہ وہ آپس میں یہ دلائل قائم کر رہے ہوں گے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (2)۔ ابن جبیر، ابو بکر سے وہ عاصم سے اور حماد، عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت ان سب سے واضح ہے اصل میں یہ یختصمون تھا تاء کو صاد میں مدغم کر دیا گیا اس کی حرکت خاء کی طرف نقل کر دی گئی۔ ابی کی قراءت میں یختصمون خاء کو ساکن کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں دو ساکنوں کا اجتماع ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حرف مدہ اور لین نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خاء کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے ساکن پڑھا ہے معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کلام اس معنی میں ہو يَخْصِمُونَ مجادلہم عند انفسہم تو مفعول کو حذف کر دیا گیا۔

ثعلبی نے کہا: یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: يَخْصِمُونَ کی اصل یختصمون ہے تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے خاء کو کسرہ دیا گیا۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ یہ قراءت سب سے عمدہ اور اکثر مروی ہے اور جو صورت بہتر تھی اس کو ترک کر دیا یعنی تاء کی حرکت خاء کو دی اور اس کے لیے ایک اور حرکت لے آیا اور پھر یاء اور کسرہ کو جمع کر دیا اور گمان یہ کیا۔ یہ عمدہ اور اکثر مستعمل ہے۔ یہ اکثر کی قراءت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ فتح کے ساتھ قراءت اہل مکہ، اہل بصرہ، اور اہل مدینہ کی قراءت ہے؟ عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ کے ساتھ جو مروی ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یہ بحث یخطف میں سورہ بقرہ میں اور یهدی میں سورہ یونس میں گزر چکی ہے۔

عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان **إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً** کے بارے میں کہا: اس سے مراد صور میں پہلا نغمہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ بازاروں میں ہوں گے کوئی دودھ دودھ رہا ہوگا، کوئی کپڑا ہاپ رہا ہوگا اور کوئی کام کاج میں مصروف ہوگا کہ صور پھونک دیا جائے گا۔

نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت برپا ہو جائے گی جبکہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کے لیے اسے پھیلائے ہوئے ہوں گے وہ اسے ابھی نہیں لپیٹیں گے یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا تاکہ وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلائے ابھی وہ اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا ترازو نیچے جھکائے گا ابھی وہ اسے اوپر نہیں اٹھائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا لقمہ منہ کی طرف اٹھائے گا ابھی وہ اسے نہیں نگلے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی“ (1)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ”سب سے پہلے جو آدمی صور کی آواز سنے گا وہ وہ آدمی ہوگا جو اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا وہ چیخ مارے گا اور دوسرے لوگ بھی چیخ ماریں گے“ (2)۔

وہ ایک دوسرے کو توبہ وغیرہ کی وصیت کی طاقت نہ رکھیں گے بلکہ اپنے بازاروں اور اپنے اپنے مواقع پر ہی مرجائیں گے جب وہ مرجائیں گے تو وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے کہ وہ ان کے لیے **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** نہیں کہیں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے کیونکہ ان کے ساتھ بہت جلد معاملہ کیا گیا ہے۔

**وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥٦﴾ قَالُوا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۚ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصٰدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةٌ وَاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ جَبِيۡنٌ لَّدِيۡنَا مُحْضَرُوۡنَ ﴿٥٨﴾ فَاَلْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْۡاً وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوۡنَ ﴿٥٩﴾**

”اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے: ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہماری خواب گاہوں سے؟ آواز آئے گی: یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا اس کے رسولوں نے: نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج ظلم نہیں کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے۔“

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب خروج الدجال، جلد 2، صفحہ 403

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 22

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 22



وَنُفِخَ فِي الصُّورِ بِدَوْبَارِهِ اُتْھانے کے لیے دوسرا نفخہ ہے (1)۔ سورہ نمل میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ نفخے دو ہیں تین نہیں ہیں، یہ آیت اسی معنی پر دال ہے۔ مبارک بن فضالہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر زندہ چیز کو موت عطا فرمائے گا اور دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر مردہ چیز کو زندہ کرے گا“ (2)۔ قتادہ نے کہا: صور، صورۃ کی جمع ہے صورۃ اور صور اسی طرح ہیں جس طرح عمارت کی سورۃ (دیوار) اور سور ہوا کرتی ہے۔ عجاج نے کہا:

سَمَتْ إِلَيْهِ فِي أَعَالِي السُّورِ

میں اس کی طرف بلند دیواروں میں چلا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: الصُّور ہے یعنی واو ساکن ہے اس سے مراد سینکھ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے اور کلام عرب میں یہ اسی طرح مروی ہے۔ اہل لغت نے یوں کہا:

نَحْنُ نَطْخَنَاهُمْ غَدَاةَ الْغُورَيْنِ بِالسَّابِحَاتِ فِي غُبَارِ النَّفْعَيْنِ

نَطْخًا شَدِيدًا لَا كَنَظَحِ الصُّورَيْنِ

ہم نے غورین کے دن آواز نکالنے والے گھوڑوں کے ساتھ شدید جنگ کی جبکہ غبار شدید تھا وہ جنگ سینکھ لڑانے والی جنگ نہ تھی۔

یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گزر چکی ہے۔ الاجداث سے مراد قبریں ہیں اسے الاجداف بھی پڑھا گیا ہے (3)؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے یہ کہا جاتا ہے: جدث، جدف فصیح لغت جدث ہے اس کی جمع أجدث اور أجداث آتی ہے متخّل ہذلی نے کہا: عرفث بأجدث میں نے قبروں کو پہچان لیا۔ اجتدث یعنی اس نے قبر بنائی۔

إِلَى مَا يَنْسِلُونَ وہ نکلتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے (4) اس معنی میں بچے کو نسل کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ جلدی کرتے ہیں کیونکہ نسلان اور عسلان جلدی جلدی چلنے کو کہتے ہیں، اسی معنی میں بھیڑیے کی چال ہے۔ شاعر نے کہا:

بَرَدَ اللَّيْلُ عَلَيْهِ فَتَنَسَّلَ (5)

رات اس پر ٹھنڈی ہوئی اور وہ تیز چلا یہ جملہ بولا جاتا ہے: عسل الذئب ونسل، ليعسل وينسل الذئب۔ یہ ضرب يَضْرِبُ کے باب سے ہے ينسل بھی کہتے ہیں اس سے مراد تیز چلنا ہے، معنی ہے وہ تیزی سے نکلتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا خَلَقْتُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (لقمان: 28) يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ (القمر) يَوْمَ

3۔ احکام القرآن للطبری، ج 23، صفحہ 21

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 439

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 23

4۔ ایک نسخہ میں ابن جریر ہے یہی صحیح ہے۔

5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 23

4۔ ایضاً

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ يَرَاءُكَ كَالَّذِينَ إِذَا لُصِقُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى النَّارِ لَا يَسْمَعُونَ (العارج) یعنی وہ بتوں کی طرف جلدی جاتے ہیں حدیث طیبہ میں ہے ہم نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کمزوری کی شکایت کی تو فرمایا: ”علیکم بالنسل تم جلدی چلا کرو کیونکہ یہ انسان کو چست بنا دیتا ہے (1)۔“

ابن انباری نے کہا: یُوَيْلُّنَا پر وقف اچھا ہے پھر مَنُ بَعَثْنَا سے آغاز کرے بعض قراء سے مروی ہے یُوَيْلُّنَا مَنُ بَعَثْنَا، من کا میم اور بعثنا کا ثاء مکسور ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق یُوَيْلُّنَا پر وقف کرنا اچھا نہیں یہاں تک کہ وہ پڑھے مَن مَرَّقِدْنَا۔

حضرت ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق مَن مَرَّقِدْنَا کے ساتھ وصل ہے تو یہ عام لوگوں کے مذہب کی صحت کی دلیل ہے۔ مہدوی نے کہا: ابن ابی لیلیٰ نے قالوایا ویلتننا قراءت کی ہے یہ ویلکی تانیث ہے اس کی مثل یُوَيْلُّنَا یُوَيْلُّنَا وَ اَنَا عَجُوْثُ (ہود: 72) حضرت علی شیر خدا نے یادیلتنا من بعثنا قراءت کی ہے من ویل سے متعلق ہے یادیلتنا سے حال ہے تو من محذوف کے متعلق ہوگا گویا یہ کہا یادیلتنا کا ثنا من بعثنا جس طرح جار مجرور کو ویل سے خبر بنانا صحیح ہے اسی طرح اس سے حال بنانا صحیح ہے مَن مَرَّقِدْنَا جار مجرور بعث کے متعلق ہے پھر یہ کہا گیا: انہوں نے یہ بات کیسے کہی جبکہ وہ تو اپنی قبروں میں عذاب دیے جارہے ہوں گے؟ اس کا جواب ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا: وہ سورہ ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے: وہ کہیں گے۔ ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا ہے؟ ابو بکر انباری نے کہا: یہ حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ہبنا کا لفظ قرآن کا حصہ ہے جس طرح وہ آدمی کہتا ہے جو قرآن پر طعن کرتا ہے بلکہ یہ تو بعثنا کی تفسیر ہے یا یہ اس کے کسی معنی کی تعبیر ہے۔

ابو بکر نے کہا: میں نے من ہبنا الف کے بغیر یاد کیا ہے جبکہ من کا نون ساکن ہے۔ لغت کے طریقہ کے مطابق یہ شیخ ہے من اہبنا لہ کو فتح دیا کہ اہب کے ہمزہ کے فتح کو من کے نون کو دیا اور ہمزہ کو ساقط کر دیا جس طرح عرب کہتے ہیں: من اخبرك، من اعلمت وہ اس سے مراد من اخبرك لیتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اہببت النائم فہب النائم میں نے سونے والے کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا۔ احمد بن حنبل نے ہمیں یہ سنایا:

وَعَاذَلَهُ هَبَّتْ بَلِيلٌ تَلُوْمُنِي

مجھے ملامت کرنے والی انھی اور ملامت کرنے لگی۔

ابوصالح نے کہا: جب پہلا نغمہ ہوگا تو اہل قبور سے عذاب اٹھالیا جائے گا تو وہ دوسرے نغمہ تک سو جائیں گے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا اسی وجہ سے ان کا یہ قول ہوگا مَنُ بَعَثْنَا مَنُ مَرَّقِدْنَا یہ حضرت ابن عباس بن زہر اور قتادہ کا قول ہے۔

علماء معانی نے کہا: کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی انواع کو دیکھیں گے تو انہیں قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا وہ جہنم

کے عذاب کے مقابلے میں نیند کی طرح ہوگا۔ مجاہد نے کہا: مومن انہیں کہیں گے: یہ ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جسے ہدایت دی ہوگی وہ ان کفار کو یہ کہیں گے: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا۔ فراء نے کہا: فرشتے انہیں یہ کہیں گے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال متفق ہیں کیونکہ ملائکہ مومنوں میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ** (البینہ) اسی طرح یہ حدیث ہے المؤمن عند اللہ خیر من کل ما خلق (1) مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں اور دوسرے مومنوں نے انہیں یہ بات کہی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جب کفار نے ایک دوسرے کو کہا: کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا تو انہوں نے جب اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کی انبیاء نے انہیں خبر دی تھی تو انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی پھر انہوں نے کہا: یہ ہے وہ جس کا رحمن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور مرسلین نے سچ بولا تھا اور ہم نے اس کو جھٹلایا تھا، انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بعض قاری یعنی حفص **مِنْ مَّرْقَدِنَا** پر وقف کرنے اور پھر کلام کو شروع کرتے **هَذَا ابوبکر بن انباری** نے کہا: **مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا** پر عطف بہت اچھا ہے پھر تو کلام کو شروع کرے **هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** یہ بھی جائز ہے کہ تو **هَذَا** پر وقف کرے اور مرقد کی اتباع میں **هَذَا** کو جردے اور **مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** سے کلام کا آغاز کرے معنی ہوگا تمہارا اٹھایا جانا رحمن کا وعدہ ہے۔ نحاس نے کہا: کلام **مِنْ مَّرْقَدِنَا** پر مکمل ہو جاتی ہے اور **هَذَا** مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اور اس کی خبر **مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** ہے۔ یہ بھی جائز ہے **هَذَا**، **مَّرْقَدِنَا** کی صفت ہونے کی حیثیت سے مجرور ہو تو اس صورت میں کلام **مِنْ مَّرْقَدِنَا** **هَذَا** پر مکمل ہوگی اور **مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ** تین وجوہات سے محل رفع میں ہوگی۔

ابو اسحاق نے اس کی دو وجوہ ذکر کی ہیں: (1) **هَذَا** مضمّر ہے (2) کلام اس معنی میں ہو **حق ما وعد الرحمن بعثکم** (3) کلام اس معنی میں ہو **بعثکم ما وعد الرحمن**۔

ان کو دوبارہ اٹھانا اور انہیں زندہ کرنا ایک چیخ کی صورت میں ہوگا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ کہنا ہے: اے بوسیدہ بڑیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑ اور ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لیے اکٹھے ہو جاؤ، حق کے قول کا بھی یہی معنی ہے **يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** **ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ** (ق) اور **فَهَاطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ** (القمر: 8) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت اگر واقعی یہ آپ سے ثابت ہے ان کا **نَزْفِيَّة** واحدۃ اس میں **زَفِيَّة** کا معنی چیخ ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ** (77) ہم ضمیر مبتدا ہے اس کی خبر جمیع ہے جو مکرہ ہے اور **مُحْضَرُونَ** اس کی صفت ہے محضرون کا معنی ہے انہیں جمع کیا جائے گا، انہیں حساب کے موقف میں حاضر کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ** (النحل: 77) کی طرح ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، باب المسلمون ل ذمة اللہ، حدیث نمبر 3936، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



اس روز ان کے حساب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ میں ماد و جوہ سے محل نصب میں ہوگی: (1) فعل مجہول کا مفعول ثانی ہے، حرف جر حذف کر دیا گیا اصل میں بھاکنتم تعملون تھا۔ یعنی تعملونہ۔ پس اسے حذف کر دیا گیا۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فُكَّهُونَ ۖ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى  
الْأَرَآئِكِ مُتَكِئُونَ ۖ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ۖ سَلَامٌ ۖ قَوْلًا مِّن رَّبِّ  
رَاحِمٍ ۖ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۖ

”بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرح) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں طرح طرح کے لذیز پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو انہیں یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے۔ اور حکم ہوگا: اے مجرمو! میرے دوستوں سے آج الگ ہو جاؤ۔“

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ ارمجہد نے کہا: باکرہ عورتوں کے ساتھ حقوق زوجیت نے انہیں غافل کر دیا ہوگا۔ ترمذی حکیم نے اپنی کتاب ”مشکل القرآن“ میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہمیں محمد بن حمید رازی نے انہوں نے یعقوب ثقی سے انہوں نے حفص بن حمید سے انہوں نے شمسر بن عطیہ سے، انہوں نے شفیق بن سلمہ سے انہوں حضرت عبداللہ بن مسعود بنینہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ باکرہ بیویوں سے حقوق زوجیت نے انہیں مشغول کر رکھا ہوگا (1)۔

محمد بن حمید، ہارون بن مغیرہ سے وہ نبشل سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس بنینہ سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

ابو قتادہ نے کہا: اسی اثنا میں کہ ایک جنتی اپنے اہل کے ساتھ مصروف ہوگا کہ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو وہ کہے گا: اپنے اہل کے ساتھ مشغول ہوں۔ اسے کہا جائے گا: اپنے اہل کی طرف توجہ کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جنتی جنت کی لذات اور نعمتوں میں مصروف ہوں گے انہیں نافرمانوں کے جہنم میں جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور اس میں جو دردناک عذاب ہوگا اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی اگرچہ ان لوگوں میں اس کے قریبی رشتہ دار اور گھر والے ہوں گے: یہ سعید بن مسیب اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ وکیع نے کہا: شغل کا معنی سماع ہے۔ ابن کیسان نے کہا: فی مشغل کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی ملاقات میں مصروف ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی نیافت میں مصروف ہوں گے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کو یاد رکھا؟ وہ کھڑے ہوں گے گویا ان کے چہرے چودھویں کے چاند اور روشن ستارے ہوں گے وہ نور کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے ان کی لگامیں یا قوت کی ہونگی جو لوگوں کے سروں پر سے انہیں لے کر اڑتی

ہوں گی یہاں تک کہ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے ان بندوں پر سلام جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کی حفاظت کی، میں نے تمہیں چن لیا، میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور میں نے تمہیں اختیار کیا ہے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ، نہ آج تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے، وہ پل صراط سے اچکنے والی بجلی کی طرح گزر جائیں گے، ان کے لیے دروازے کھول دیئے جائیں گے پھر مخلوق ابھی میدان محشر میں کھڑی ہوگی تو وہ ایک دوسرے کو کہیں گے: اے قوم! فلاں کہاں ہے؟ فلاں کہاں ہے؟ جس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكُهُونَ ۝ -

شُغْل اور شُغْل اس میں دو لغتیں ہیں دونوں کے ساتھ اسے پڑھا بھی گیا ہے جس طرح دُعْب اور دُعْب، سُخْت اور سُخْت یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: فَكُهُونَ کا معنی مسہورون ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی فرحون ہے (2)۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی معجبون ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ناعمون ہے۔ سب کا معنی باہم قریب ہے۔ فکاہت کا معنی بھی مزاح اور اچھی گفتگو ہے۔

ابو جعفر، شبیبہ اور اعرج نے کہا فَكُهُونَ الف کے بغیر ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح فَاكِ اور فَاكِ اور حَاذِر اور حَاذِر؛ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا: الفاکہ سے مراد ذوالفاکھۃ ہے یعنی اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے جس طرح شاتم، لاحم، تامر اور لابن ہے اور فَكَةٌ سے مراد متفکھ اور متنعم ہے۔ فکھون قنادہ کے قول میں الف کے بغیر ہے جس کا معنی معجبون (خوش ہونے والے) ہے۔ ابوزید نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: رجل فکھ جب خوش ہونے والا اور مسکرانے والا ہو۔ طلحہ بن مصرف نے فاکھین پڑھا ہے یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظُلُلٍ عَلَى الْأَسْطِ مَتَكِئُونَ ۝ مبتدا اور خبر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمتا کید ہو اور أزواجہم کا عطف ضمیر پر ہو اور متکئون، فاکھون کی صفت ہوئی۔ عام لوگوں کی قراءت فِي ظُلُلٍ ظاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، عیش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے اسے فِي ظُلُلٍ پڑھا ہے ظاء پر ضمہ ہے اور الف کے بغیر ہے ظلال، ظل کی جمع ہے اور ظُلُل، ظلة کی جمع ہے۔

ارائك سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں اس کا واحد اریکہ ہے جس طرح سفینہ کی جمع سفائن آتی ہے شاعر نے کہا:

كَانَ احْمَرَّ الْوَرْدِ فَوْقَ غُصُونِهِ بَوَقَاتِ الضُّحَى فِي رَوْضَةِ الْمُتَضَاحِ

خُدُودُ عِزَّازٍ قَدْ خَجِلْنَ مِنَ الْحَيَا تَهَادَيْنَ بِالرِّيحَانِ فَوْقَ الْأَرَائِكِ

گویا گلاب کے پھول کی سرخی اس کی ٹہنیوں پر چاشت کے وقت مسکراتے باغیچے میں کنواری عورتوں کے رخسار ہیں جو حیا کی وجہ سے شرمندہ ہیں جو پلنگوں پر ریحان کا پھول باہم تحفہ دیتی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جنتی جب بھی اپنی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کر چکیں گے تو ان کی عورتیں باکرہ ہو جائیں گی (1)۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک جنتی ستر سال تک حور سے معاف نہ کرے گا نہ مرد اس سے اکتائے گا اور نہ وہ مرد سے اکتائے گی جب بھی وہ جنتی اس کے پاس آئے گا اسے باکرہ پائے گا جب بھی اس حور کی طرف لوٹے گا تو مرد کی شہوت لوٹ آئے گی وہ اس حور کے ساتھ ستر مردوں کی قوت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے گا ان کے درمیان مٹی نہ ہوگی وہ مٹی کے بغیر آئے گا اور وہ مٹی کے بغیر آئے گی۔

لَهُمْ فِيهَا قَاهَةٌ يَهْتَدُونَ ۝۱۱ لَّهُمْ مَا يَدْعُونَ ۝۱۲ میں دوسرا دال اصل میں تاء ہے کیونکہ دَعَا سے يَفْتَعِلُونَ کے وزن پر ہے یعنی وہ جو طلب کرے گا وہ چیز اسے عطا کر دی جائے گی؛ یہ ابوعبید نے معنی بیان کیا ہے۔ يَدْعُونَ کا معنی ہے وہ آرزو کریں گے یہ دعا سے مشتق ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے جو جس چیز کا دعویٰ کرے گا وہ اسی کی ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی فطرت پر پیدا کیا ہوگا کہ وہ ایسی چیز کا ہی دعویٰ کریں گے جو ان کے لیے جمیل اور حسین ہوگی۔ یحییٰ بن سلام نے کہا يَدْعُونَ کا معنی ہے وہ خواہش کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سوال کریں گے۔ معنی قریب قریب ہے ابن انباری نے کہا: وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ پر وقف کرنا اچھا ہے پھر سَلَّمَ سے تو کلام کو شروع کرے معنی یہ ہوگا: ذلک لہم سلام، سلام کو اس طریقہ پر رفع دینا بھی جائز ہے وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ مسلم خالص جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے لیے وہ مسلم اور خالص ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر مَا يَدْعُونَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ زجاج نے کہا: سلام یہ ما سے بدل کے طور پر مرفوع ہے معنی یہ بنے گا: دلہم اَنْ سلام اللہ علیہم ان کا حق ہے اللہ تعالیٰ ان پر سلام بھیجے یہ جنتیوں کی خواہش ہوگی۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بخلی سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسی اثنا میں کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے کہ ان کے لیے نور چمکے گا وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اوپر کی جانب سے ظاہر ہوگا فرمایا: اے جنتیوں! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان: سَلَّمَ قَوْلًا مِّنْ ثَرَاتٍ تَرَاهُمْ ۝۱۳ کا یہی مفہوم ہے (3)، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور وہ اس کا دیدار کریں گے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے اس وقت تک وہ جنت کی کسی اور نعمت کی طرف متوجہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حجاب میں ہو جائے گا جبکہ اس کا نور اور اس کی برکات ان کے گھروں میں باقی رہیں گے (4)؛ یہ ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے اس کا معنی صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت سورہ یونس آیت 26 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِيَادَةٌ میں بیان کر دی ہے یہ بھی جائز ہے کہ مائکرہ ہو اور سلام اس کی صفت ہو معنی ہو جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ ان کے لیے مسلم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مابعد ہونے کی حیثیت سے مرفوع اور سلام اس کی خبر ہو ان صورتوں میں وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں سلاما

1۔ مجمع الزوائد، کتاب اهل الجنة، باب ما جاء في نساء اهل الجنة، جلد 10، صفحہ 771

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 26

3۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 479، حدیث نمبر 39339

4۔ سنن ابن ماجہ، باب فیما انکرت الجہمیۃ، حدیث نمبر 179، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



مفعول مطلق ہے اگر تو چاہے تو اسے حال کی حیثیت سے منصوب تسلیم کر لے تقدیر کلام یوں ہوگی ولہم مایدعون ذالسلاماد سلامۃ او مسلما اس تاویل کی صورت میں یدعون پر وقف اچھا نہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے سلم پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا: ذلک سلم لہم اس میں وہ کوئی تنازع نہیں کرتے تو اس صورت میں ولہم یدعون مکمل جملہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے سلم، وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ سے بدل ہو اور مَا يَدْعُونَ کی خبر لہم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے سلامدوسری خبر ہو تو اس صورت میں کلام کا معنی ہو وہ انہیں کے لیے خالص ہے اس میں کوئی نزاع کرنے والا نہیں قَوْلًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قال اللہ ذالک قولاً یا یقولہ قولاً فعل محذوف پر مصدر کا لفظ دلالت کرتا ہے اور دوسرے مذہب کی بنا پر یدعون پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ سبستانی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سلم پر وقف مکمل ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ قول ما قبل سے خارج ہے۔

یہ کہا جاتا ہے: تمیزوا، امتازوا اور امتازوا کا معنی ایک ہی ہے اور مجرد سے یوں مطاوعت کا صیغہ آتا ہے مُزْتَه فامازو امتاز اور تفعیل سے یوں صیغہ آتا ہے میزته فتیز جب جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا تو سوال کے لیے جب وہ کھڑے ہوں گے تو اس وقت انہیں یہ بات کہی جائے گی، یعنی ان سے نکل جاؤ۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے یہ بہشت سے الگ کر دیئے گئے (1)۔ ضحاک نے کہا: مجرم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے (2)، یہودی ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، نصاریٰ ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، مجوسی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے، صابی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے اور بت پرست ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: ہر جماعت کا جہنم میں ایک کمرہ ہوگا جس میں اسے داخل کر دیا جائے گا اور وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہ کسی کو دیکھیں گے اور نہ وہ کسی کو دکھائی دیں گے۔ داؤد بن جراح نے کہا: مسلمان مجرموں سے الگ ہو جائیں گے مگر خواہش کے پجاری مجرموں کے ساتھ ہوں گے (3)۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۖ وَأَنْ  
اعْبُدُونِي ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۖ وَلَقَدْ أَصَلَّ مِنْكُمْ جِبَلًا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا  
تَعْقِلُونَ ۖ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۖ ۱۷ ۖ اَصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۖ ۱۸  
”کیا میں نے تمہیں یہ تاکید حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا کھلا  
دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے، گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو کیا تم  
عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس کی آگ تا پو اس کفر کے باعث  
جو تم کیا کرتے تھے۔“

آیت کریم میں عہد سے مراد وصیت ہے کیا میں نے تم کو وصیت نہیں کی اور رسولوں کی زبانوں پر تمہیں پیغام حق نہیں

پہنچایا کہ تم میری نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کی اطاعت نہیں کرو گے۔ کسائی نے کہا لا نبی کے لیے ہے اِنْ اَعْبُدُوْنِیْ یہ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنے اصل پر ہے جس نے اسے ضمہ دیا ہے اس نے کسرہ کے بعد ضمہ کو ناپسند کیا ہے۔

اضل کا معنی اغوی ہے یعنی اس نے گمراہ کیا جبلا کا معنی مخلوق ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی جموعا کثیرہ ہے۔ مکی نے کہا: اس کا معنی امبا کثیرہ ہے معنی سب کا ایک ہی ہے۔ اہل مدینہ اور عاصم نے جبلا پڑھا ہے ابو عمرو اور ابن عامر نے جبلا پڑھا ہے باقی قراء نے جبلا پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، عبد اللہ بن عبید اور نضر بن انس نے اسے مشدد پڑھا ہے یہ پانچ قراء تیں ہیں۔ مہدوی اور ثعلبی نے کہا: سب لغتیں خلق کے معنی میں ہیں۔ نحاس نے کہا: سب سے واضح پہلی قراءت ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلٰیْنَ ⑤ (الشعرا) پڑھا ہے تو جبلا، جبلة کی جمع ہے سب کا اشتقاق ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا۔ اس میں چھٹی قراءت بھی ذکر کی گئی ہے وہ ہے جبلا نحاک سے یہ مروی ہے کہ ایک جبل سے مراد ستر ہزار افراد ہیں کثیر سے مراد ہے کہ جس کا شمار اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ کیا تم شیطان کی عداوت کو نہیں جانتے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تو تم نے اسے جھٹلایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ انسانوں، جنوں، اولین و آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا پھر جہنم کی گردن مخلوقات پر جھانکے گی تو وہ ان سب کو گھیر لے گی پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ⑥ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ⑦ اس موقع پر لوگ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جائیں گے ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے سے غافل ہو جائے گی تو لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھے گا جبکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔“

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُغْلِقُ أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑧ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْصِرُونَ ⑨ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ⑩ وَمَنْ يُّعَذِّبْهُ نُغْسِهٖ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ⑪

”آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان بدکاریوں پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان اندھوں کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم

انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔“

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”کیا تم جانتے ہو کس وجہ سے میں ہنسا ہوں؟“ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”بندہ اپنے رب سے جس انداز میں خطاب کرتا ہے اس وجہ سے میں ہنسا ہوں بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تم نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ بندہ عرض کرتا ہے: میں اپنے سوا کسی کو اپنے اوپر گواہ جانز نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تجھ پر تیرا نفس اور کراما کاتبین ہی گواہ کافی ہیں۔ فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بول تو وہ عضو اس کے اعمال کے بارے میں بات کرے گا پھر اس کے اور ان کی گفتگو کے درمیان رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی تو وہ اعضاء کو کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا میں اس لیے تمہاری حفاظت کرتا رہا؟“ (1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے اس میں ہے ”پھر اسے کہا جائے گا: اب ہم تم پر کوئی گواہ لاتے ہیں، وہ اپنے بارے میں سوچ و بچار کرے گا مجھ پر کون گواہی دے گا؟ تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: بول تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گی۔ یہی وہ شخص ہے جو گناہ کیا کرتا تھا، یہی منافق تھا اور یہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔“

امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: ”یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں سوار اور پیدل جمع کیا جائے گا تمہیں قیامت کے روز کھینچا جائے گا تمہارے مونہوں پر چھینکے ہوں گے تم سترویں امت کو پورا کرو گے تم ان میں سے بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہو، تمہارے اعضاء میں سے سب سے پہلے جو اظہار کرے گی وہ اس کی ران ہوگی۔“ دوسری روایت میں ”اس کی ران اور اس کی ہتھیلی ہوگی۔“ فدام سے مراد وہ کپڑا ہے جو کوزے اور لوٹے کے اوپر باندھا جاتا ہے؛ یہ لیٹ نے کہا۔

ابو عبیدہ نے کہا: یعنی انہیں گفتگو سے روک دیا جائیگا یہاں تک کہ ان کی رانیں گفتگو کریں گی۔ تو گفتگو سے روکنے کے عمل کو اس کپڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے لوٹے پر باندھا جاتا ہے منہ پر مہر لگانے کی چار وجوہ ذکر کی گئی ہیں: (1) انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے ہمارے رب ہم شرک کرنے والے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں یہاں تک کہ ان کے اعضاء نے گفتگو کی؛ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے۔

(2) اہل موقف انہیں پہچان لیں اور ان سے ممتاز ہو جائیں گے؛ یہ ابن زیاد کا قول ہے۔

(3) غیر ناطق کا اقرار اس کے اقرار سے دلیل میں یہاں بلیغ ہوتا ہے جو گفتگو کر سکتا ہو کیونکہ اس کی گفتگو معجزہ کے حکم میں



ہوتی ہے اگرچہ اس دن کسی معجزہ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(4) تاکہ وہ خود جان لے کہ اس کے اعضاء اس کے بارے میں مددگار تھے تو وہ اس کے رب کے حق میں گواہ ہو گئے اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیوں فرمایا: **وَلَنُكَلِّمُنَّآئِيْنَہُمْ** وَ تَشْہِدُ اَنْہُمْ ہاتھ کے اظہار کو کلام اور پاؤں کے اظہار کو گواہی قرار دی؟ اس کا جواب دیا جائے گا: ہاتھ خود عمل کرتا ہے اور پاؤں حاضر ہوتا ہے اور حاضر کا قول غیر پر گواہ ہوتا ہے فاعل کا اپنے بارے میں قول اقرار ہوا کرتا ہے خواہ وہ قول کرے یا عمل کرے اسی وجہ سے ہاتھوں سے جو کچھ صادر ہوگا اس کو قول سے تعبیر کیا اور جو کچھ پاؤں سے صادر ہوا اس کو شہادت کہتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس روز منہ پر مہر لگادی جائے گی اس روز جو ہڈی سب سے پہلے کلام کرے گی وہ بائیں ٹانگ کی ران ہوگی“، یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جو گمان کرتا ہوں کہ انسان کی ہڈی جو سب سے پہلے گفتگو کرے گی وہ اس کی دائیں ران ہوگی: یہ بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا: یہ احتمال موجود ہے کہ اعضاء میں سے پہلے ران گفتگو کرے گی کیونکہ وہ گناہوں کی لذت کا ادراک ان حواس سے کرتا ہے جو اس کے نچلے دھڑ میں ہوتے ہیں ان میں سے ران بھی ہے تو کیونکہ وہ قریب تر عضو ہے اس لیے وہ گواہی دینے میں سب سے پہلے ہوگی کہا: بائیں ران پہلے گواہی دے گی کیونکہ دائیں اعضاء میں شہوت بائیں اعضاء کی نسبت قوی ہوگی اسی وجہ سے بائیں ران، دائیں ران پر گواہی دینے میں مقدم ہوگی کیونکہ اس میں شہوت کم ہوتی ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: یا اس کے برعکس ہوگا کیونکہ شہوت کا غلبہ ہوگا یا دونوں رانیں اور ہتھیلی اکٹھے گواہی دیں گے کیونکہ اس کے مجموعے سے ہی شہوت اور لذت مکمل ہوتی ہے۔

کسائی نے یوں حکایت بیان کی ہے: طمس، یطیس، یطس اہل لغت کے نزدیک مطموس اور طمس اس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں شق ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں ہدایت سے اندھا کر دیا وہ کبھی بھی حق کے راستہ کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔ حضرت حسن بصری اور سدی نے کہا: ہم نے انہیں اندھا بنا کر چھوڑ دیا وہ متردد گھومتے پھرتے ہیں اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اندھا بنا دیا وہ اپنے گھروں اور دوسری جگہ اپنے تصرفات کے طریقہ کو نہیں دیکھتے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

پس انہوں نے راستہ کی طرف جلدی کی تاکہ وہ گزر جائیں تو وہ کہاں سے دیکھیں۔ عطا، مقاتل اور قتادہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی گمراہی کی آنکھوں کو پھاڑ دیتے ہم انہیں ان کی گمراہی سے اندھے کر دیتے اور ان کی نظروں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر دیتے پس وہ ہدایت پا جاتے، اپنی ہدایت کو دیکھ لیتے اور آخرت

کے راستہ کی طرف جلدی کرتے جبکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا تو وہ کیسے ہدایت پاسکتے تھے جبکہ ہدایت کی آنکھ ہی بند تھی اور گمراہی پر باقی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام سے سابقہ گفتگو سے مختلف مروی ہے انہوں نے یہ تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کہا: جب قیامت کا دن ہوگا پل کو بچھا دیا جائیگا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ اور اس کی امت کھڑی ہو جائے تو ان میں سے نیک و بد سب کھڑے ہو جائیں گے وہ سرور دو عالم ﷺ کے پیچھے چلیں گے تاکہ وہ پل صراط سے گذر جائیں پھر ایک منادی اعلان کرے گا: چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کھڑی ہو۔ آپ علیہ السلام اور آپ کی امت کھڑی ہوگی تو نیک و گناہگار ان کے پیچھے چل پڑیں گے تو ان کا راستہ وہی ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہوگا باقی ماندہ انبیاء کی حالت بھی ایسے ہی ہوگی؛ نحاس نے یہ ذکر کیا ہم نے اس کا ذکر ”تذکرہ“ میں کیا ہے یہ اسی کے مناسب ہے جو ابن مبارک نے ”رقائق“ میں ذکر کیا ہے اور قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسود بن اسود نے ایک پتھر اٹھایا جبکہ اس کے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت تھی اس نے پتھر اس لیے اٹھایا تھا تاکہ نبی کریم ﷺ پر اسے پھینکے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو بند کر دیا پتھر کو اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹا دیا نہ اس نے دیکھا اور نہ اس نے ہدایت پائی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ مطبوس اسے کہتے ہیں جس کی پلکوں کے درمیان شق نہ ہو یہ طمس الروح الاثر سے مشتق ہے؛ یہ خفش اور قہمی نے کہا۔ مسخ سے مراد خلقت کو تبدیل کر دینا ہے اسے پتھر، جماد یا چوپایا بنا دینا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: معنی ہے ہم نے انہیں بٹھادیا وہ طاقت نہیں رکھتے کہ آگے گزریں اور پیچھے ہٹیں اسی طرح جامع چیز آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتی بعض اوقات مسخ انسان کو چوپایا بنانے کی صورت میں ہوتا ہے پھر وہ چوپایا کسی ایسے موقع محل کی سمجھ نہیں رکھتا کہ جس کا وہ قصد کرے پس وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے مسکنوں میں ہی انہیں ہلاک کر دیتے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم اسے اس جگہ پر مسخ کر دیتے جہاں اسے نافرمانی کی جرأت کی تھی۔ حضرت ابن سلام نے کہا: یہ سب کچھ قیامت کے روز ہوگا اللہ تعالیٰ پل صراط پر سے گذرتے وقت ان کی آنکھوں کو مسخ کر دے گا۔ حضرت حسن بصری سلمی، زر بن حبیش اور عاصم نے ابوبکر کی روایت میں مکاناتہم جمع کا صیغہ ہے جبکہ باقی نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے ابو حیوہ نے فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا قَرَاءَتِ كِي ہے۔ المضی جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے جس کا معنی جانا ہے۔

عاصم اور حمزہ نے نُنْكَسُ پڑھا ہے یہ تنکیس سے مشتق ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نُنْكَسُ پڑھا ہے یہ نکست الشئ انکسہ نکسا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے سر کے بل الٹا دیا تو وہ الٹ گیا۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ نے اسے اس بڑھاپے کی حالت کی طرف پھیرا جو بچے کی حالت کے مشابہ ہے۔ سفیان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب وہ اسی سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں تبدیلی آ جاتی ہے اور اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے (3)۔ شاعر نے کہا:

مَنْ عَاشَ الْأَيَّامَ جِدَّتْهُ وَخَانَهُ ثِقَاتُهُ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ (1)

جو آدمی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے تو ایام اس کی تروتازگی کو بوسیدہ کر دیتے ہیں اور اس کی دو قابل اعتماد چیزیں یعنی قوت سماعت اور قوت بصارت اس کے ساتھ خیانت کرتی ہیں۔

ایسی عمر جوانی کو بڑھا پے، قوت کو ضعف، زیادتی کو نقص میں تبدیل کر دیتی ہے یہی غالب طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارذل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی (2)۔ سورہ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس نے ایسا کیا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ نافع اور ابن ذکوان نے تعلقون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے يَعْقِلُونَ پڑھا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿٦﴾ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ كَانُوا  
حَيًّا وَيَجِثَ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧﴾

”اور ہمیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے، نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ محبت تمام کر دے کفار پر“۔

اس آیت میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حال کی خبر دی اور کفار کے قول کا رد کیا ہے کہ آپ ﷺ شاعر ہیں اور قرآن شعر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ اسی طرح رسول اللہ ﷺ شعر نہیں کہتے تھے اور نہ موزوں کلام کیا کرتے تھے جب آپ کوئی مثال بیان کرنے کے لیے کوئی مصرعہ کہنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے وزن کو توز دیتے آپ صرف معانی کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے اسکی مثال یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ نے (3) طرفہ کا شعر پڑھا:

سَتُبْدِي لَكَ الْأَيَّامَ مَا كُنْتَ جَاهِلًا وَيَأْتِيكَ مِنْ لَمْ تَزِدْهُ بِالْأَخْبَارِ (4)

زمانہ تیرے لیے وہ چیز ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف تھا اور تیرے لیے وہ خبریں لے آئے گا جس کو تو نے زادراہ نہ دیا۔ ایک روز آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمْ تَرَانِي كَلَّمَا جِئْتُ طَارِقًا وَجَدْتُ بَهَا وَانْ لَمْ تَطِيبْ طَيْبًا (5)

ایک روز آپ نے یہ شعر پڑھا:

أَتَجْعَلُ نَهْبِي وَنَهْبَ الْعَبِيدِ بَيْنَ الْأَقْرَبِ وَعِيْنُهُ (6)

1۔ النجاشی، صفحہ 144، مجلس دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استعاذۃ من ارذل العمر، جلد 2، صفحہ 943

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461 4۔ جامع ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی انشاء الشعر، جلد 2، صفحہ 108

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461 6۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المولفۃ، جلد 1، صفحہ 339



نبی کریم ﷺ نے شاید ہی کبھی صحیح شعر پڑھا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا شعر پڑھا:

يَبِيتُ يُجَانِي جَنْبَهُ عَنْ فَرَاشِهِ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمَشْرَكَيْنِ الْمَضَاجِعُ (1)

اس کا پہلو بستر سے الگ تھلگ رات گزارتا ہے جبکہ بستر مشرکین سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا نبی کریم ﷺ نے کہا:

كَفَى بِالْإِسْلَامِ وَالشَّيْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا (2)

اسلام اور بڑھاپا انسان کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ شاعر نے تو کہا ہے:

هَرِيرَةٌ وَدَغَمٌ إِنْ تَجَهَّزْتَ غَدَايَا كَفَى الشَّيْبُ وَالْإِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا

حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ خلیل بن احمد سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے ہاں شعر سب سے مرغوب کلام تھا لیکن آپ ﷺ شعر کہتے نہیں تھے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** کبھی کبھی صحیح وزن سے کلام کرنا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ شعر جانتے تھے اس طرح آپ نثر میں سے ایسا کلام کرتے تھے جو موزوں ہوتا جس طرح یوم حنین اور دوسرے مواقع پر فرمایا۔

هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيئٌ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَالِقِيَّتٌ (3)

تو تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی تو نے اللہ کی راہ میں دشمن سے ملاقات نہیں کی۔

اور آپ ﷺ کا یہ کہنا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ (4)

میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

آپ قرآن کی آیات اور ہر کلام میں اسی طرح کا انداز اپناتے نہ وہ شعر ہوتا اور نہ ہی اس کے معنی میں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (آل عمران: 92) اللہ تعالیٰ کا فرمان: نَصْرًا مِنْ اللَّهِ وَفَتْحًا قَرِيبًا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجَفَّانِ كَالْجَوَابِ وَقُدُورًا ثَمَسِيَّتٍ (سبا: 13) اس کے علاوہ کئی اور آیات ہیں۔ ابن عربی نے ان میں سے آیات کا ذکر کیا ہے ان پر گفتگو کی اور وزن سے خارج کیا کہا: ابوالحسن اخفش نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ كَے بارے میں کہا: یہ شعر نہیں۔

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب هجاء المشركين، جلد 2، صفحہ 909

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، جلد 1، صفحہ 393

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب من قاد دابة، جلد 1، صفحہ 401

خلیل نے کتاب ”العین“ میں کہا: جو کچھ دو جزوؤں میں آئے وہ شعر نہیں ہوتا ان سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ منہوک الرجز (1) میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منہوک الرجز میں سے نہیں ہوتا مگر جب لا کذب اور عبد المطلب کی باء پر وقف کیا جائے کسی کو یہ معلوم نہیں نبی کریم ﷺ نے کیسے کہا۔ ابن عربی نے کہا: غالب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لا کذب کی باء کو مرفوع کہا اور عبد المطلب کی باء کو اضافت کی وجہ سے مکسور پڑھا ہے۔

نحاس نے کہا: بعض نے کہا روایت اعراب کے ساتھ ہے جب روایت اعراب کے ساتھ ہو تو وہ شعر نہیں ہوگا کیونکہ وہ جب پہلے بیت کی باء کو فتح دیں یا ضمہ دیں یا تنوین دیں اور دوسرے مصرعے کی باء کو کسرہ دیں تو وہ شعر کے وزن سے نکل جائے گا۔ بعض نے کہا: یہ وزن شعر کا نہیں یہ بڑے لوگوں کا مکابرہ ہے کیونکہ عربوں کے اشعار اس وزن پر خلیل اور دوسرے علماء نے روایت کیے ہیں جہاں تک نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے هل أنت إلا صبغ دمیت (2) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ بحر سرج میں سے ہے یہ اس وقت ہوگا جب تو دمیت کی تاء کو کسرہ دے اگر اسے ساکن پڑھا جائے تو کسی صورت میں بھی شعر نہیں ہوگا کیونکہ اس حقیقت پر دونوں کلمے فعل کا وزن ہوتا ہے جبکہ بحر سرج میں فعل کا کوئی دخل نہیں شاید نبی کریم ﷺ نے اسے تاء ساکنہ یا تاء متحرکہ کی اتباع کے بغیر کہا ہو۔ انفعال کی صورت میں اعتماد اس پر ہوگا کہ اسے شعر تسلیم کر لیا جائے اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے اس سے پھر بھی لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ شعر کا علم رکھتے تھے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ آپ شاعر تھے بیت نذر کی شکل اختیار کرنا اور رجز وغیرہ کے دو قافیوں کا پانا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ اس کا قائل شعر کو جانتا ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے شاعر نہیں کہتے جس طرح کوئی آدمی ایک دفعہ کپڑا سی لے تو اسے خیاط نہیں کہتے۔ ابواسحاق زجاج نے کہا کہ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ کا معنی ہے کہ ہم نے اسے شاعر نہیں بنایا یہ اس کے مانع نہیں کہ آپ ﷺ کو شاعر کہیں۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے یہ اس میں سے بہترین گفتگو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی مگر اس کی خبر نہیں دی کہ آپ شعر نہ کہیں یہی کلام کا ظاہر معنی ہے اس میں ایک واضح قول کیا گیا ہے۔ قول کرنے والے نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ الہی لغت کا اجماع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے کہا ہے: جس نے کوئی موزوں کلام کیا جس کے ساتھ وہ شعر کا قصد نہیں کرتا تھا تو وہ شعر نہیں ہوتا وہ شعر کے موافق ہوتا ہے، یہ واضح قول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے جس چیز کی نفی کی ہے وہ شعر اس کے اصناف قوافی کے علم کی نفی ہے اور اس کے ساتھ متصف ہونے کی نفی کی ہے۔ سرور دو عالم ﷺ اس کے ساتھ متصف نہ تھے کیا تم دیکھتے نہیں کہ قریش آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ موسم حج کے موقع پر جب عرب ان کے پاس آئیں گے تو وہ انہیں کیا کہیں گے؟ بعض نے کہا: ہم کہیں گے وہ شاعر ہے! ان میں سے بعض ذہین لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! عرب تم کو جھٹلا دیں گے کیونکہ وہ شعر کی اصناف کو خوب سمجھتے ہیں اللہ کی قسم! ان کا کلام تو شعروں میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں اور نہ ہی ان کا قول شعر ہے۔ حضرت انیس جو حضرت ابوذر کے بھائی تھے کہا: تحقیق میں نے ان کے کلام کو

1۔ بحر رجز کے دو ٹکٹ (دو تہائی) کو حذف کرنا بقیہ کو منہوک کہتے ہیں۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیور، باب من ینکب، جلد 1، صفحہ 393

شعر کی اصناف پر پیش کیا تو یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ وہ شعر ہے؛ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت انیس عربوں کے عمدہ شاعر تھے۔ اسی طرح عتبی بن ربیعہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تو کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، وہ کہانت نہیں، وہ جادو نہیں جس کی وضاحت سورہ فصاحت میں انشاء اللہ آئے گی اس کے علاوہ بھی عرب کے فصحاء اور بلغاء نے یہی کہا ہے۔ زبان پر جو کلام موزوں جاری ہوتا ہے اسے شعر نہیں کہتے اس موزوں کلام کو شعر شمار کیا جاتا ہے جو شعر کے وزن پر ہو اور شعر کا قصد بھی کیا جائے کوئی کہنے والا کہتا ہے: ایک بزرگ نے ہمیں بیان کیا بنادی یا صاحب الکسانی۔ اسے شعر شمار نہیں کیا جاتا۔ ایک آدمی اپنی مرض میں یوں ندا کیا کرتا تھا: اذہبوا بی الی الطیب وقولوا قد اکتوی یہ کوئی شعر نہیں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے شعر کہنے کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: زیادہ شعر نہ کہا کرو اس کا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ کہنا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے پاس شعراء کو جمع کرو اور ان سے شعر کے بارے میں پوچھو کیا ان کے ہاں شعر کی پہچان باقی ہے؟ حضرت ابو موسیٰ نے لبید کو حاضر کیا کہا: اس نے انہیں جمع کیا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا: ہم شعر پہچانتے ہیں اور ہم شعر کہتے ہیں، انہوں نے لبید سے سوال کیا تو لبید نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام: اَلَمْ يَكُنْ لَكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سنا میں نے شعر نہیں کہا۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت شعر کا عیب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ بِبَيِّنِكَ (عنکبوت: 48) کتابت کے عیب میں سے نہیں ہے جب امیت خط کے عیب میں سے نہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ سے شعر کی نفی شعر کا عیب نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مامون نے ابو علی منقری سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو امی ہے تو شعر صحیح نہیں کہہ سکتا اور تو غلطی کر جاتا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! جہاں تک غلطی کا تعلق ہے بعض اوقات سبقت لسانی سے ایسا ہو جاتا ہے جہاں تک امی ہونے اور شعر کو توڑ دینے کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ بھی تو نہیں لکھتے تھے اور شعر درست نہیں پڑھتے تھے تو مامون نے کہا: میں نے تجھ سے تین عیبوں کے بارے میں پوچھا تھا تو نے چوتھے کا اضافہ کر دیا ہے وہ جہالت ہے اے جاہل! جہاں تک نبی کریم ﷺ میں اس وصف کا تعلق ہے وہ فضیلت ہے جبکہ تجھ میں اور تیرے جیسے دوسرے افراد میں نقص ہے، نبی کریم ﷺ کو اس سے روکا گیا تھا تا کہ آپ ﷺ سے ایک تہمت کو ختم کیا جائے شعر اور کتابت میں کسی عیب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** شعر کہنا آپ کے لیے مناسب نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے نبی کریم ﷺ کی علامات میں سے ایک علامت بنایا ہے تاکہ جن کی طرف آپ ﷺ کو معبوس کیا گیا ہے انہیں اشتباہ نہ ہو تو اس سے یہ گمان پیدا نہ ہو کہ آپ قرآن پر اس لیے قوی تھے کیونکہ آپ کو شعر کہنے کی قوت حاصل ہے لہذا کو اس بنا پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں کہ قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں وزن اتفاقا پایا جا رہا ہے کیونکہ جس کا وزن شعر کے وزن کے موافق ہے جبکہ شعر کا قصد نہیں کیا تو وہ شعر نہیں ہوتا تو عام لوگوں میں سے جو بھی موزوں کلام کرتا وہ شعر ہوتا جبکہ لوگ اسے شاعر نہیں کہتے، جس کی وضاحت پہلے

گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے کسی کا شعر دہرانا اور اپنی جانب سے شعر کہنا آپ ﷺ کے لیے آسان نہیں رسول اللہ ﷺ جو تم پر تلاوت کرتے ہیں وہ ذکر اور قرآن حکیم ہے۔

حَیًّا سے مراد دل کا زندہ ہے؛ یہ قادمہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: حَیًّا سے مراد دانشمند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ آپ ﷺ اسے ڈرائیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب تاء کے ساتھ قراءت ہو اور خطاب نبی کریم ﷺ کو ہو۔ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹنے کا یا فعل نبی کریم ﷺ یا قرآن حکیم کی طرف منسوب ہوگا۔ ابن سمیع سے لَیْنُذَر مروی ہے۔ وَیَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِینَ ۝ یعنی کافروں پر قرآن کے ذریعے حجت ثابت ہو چکی ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا عِمَلْتَ أَيْدِيًا أَنْعَمَّا فَهُم لَهَا مَلِكُونَ ۝ وَ  
ذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۝  
أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝

”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لیے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی مویشی پھر اب یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنادیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان مویشیوں میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔“

آیت میں رؤیت سے مراد دل کا دیکھنا ہے یعنی کیا وہ نظر و فکر نہیں کرتے، عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچ و بچار نہیں کرتے ان اعمال میں جو ہم نے بغیر مثال کے کیے ہیں اور واسطہ، وکالت اور شراکت کے بغیر کیے ہیں مِمَّا میں ما، الذی کے معنی میں ہے ضمیر ناکد اسم کی طوالت کی وجہ سے حذف کر دی گئی اگر ما کو مصدر یہ بنایا جائے تو ضمیر حذف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انعام یہ نعم کی جمع ہے اور نعم مذکر ہے۔ اب یہ لوگ ان جانوروں کے مالک ہیں اور ان پر غالب ہیں (1)۔ ہم نے ان جانوروں کو ان کے لیے مسخر کیا ہے (2) یہاں تک کہ ایک بچہ بڑے اونٹ کی مہار کو پکڑ کر چلتا ہے، اسے مارتا ہے جیسے چاہتا ہے اس سے کام لیتا ہے اور اس کی طاعت سے نہیں نکلتا ان جانوروں میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر سواری کی جاتی ہے رکوب کی عام قراءت راء کے فتح کے ساتھ ہے جس طرح حلوب محلوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اعمش، حسن بصری اور ابن سمیع نے رُکوبہم پڑھا ہے یعنی راء مضموم ہے اور مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے رُکوبہم پڑھا ہے ان کے مصحف میں بھی ایسا ہے۔ رکوب اور رُکوبہ کا معنی ایک ہی ہے جس طرح حلوب اور حلوبہ، حمل و حملولہ۔



نحوی کو فیوں نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب کہتے ہیں: امرأۃ صبور، شکور اس کے آخر میں ہاؤ کر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں شاة حلوبة، ناقۃ رکوبۃ کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر میں فرق کریں کہ کس کا فعل ہے اور کس پر فعل واقع ہو رہا ہے؟ فاعل سے انہوں نے ہاء کو حذف کر دیا ہے اور مفعول میں اسے ثابت رکھا جس طرح شاعر نے کہا:

فِيهَا اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ حَلُوبَةً سَوْدًا كَخَافِيَةِ الْغُرَابِ الْأَسْحَمِ (1)

”ان میں بیالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جنہیں دوہا گیا ہے وہ سیاہ رنگ کی ہیں جس طرح سیاہ کوئے کے پر ہیں۔“ اس تعبیر کی بنا پر رکوبتہم ہونا واجب ہے۔ جہاں تک بھریوں کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں: ہاء تانیث نسبت کی وجہ سے حذف ہے۔ پہلے قول کی دلیل وہ ہے جو جرمی نے ابو عبیدہ سے نقل کی ہے کہا: رکوبۃ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے ہے اور رکوب صرف جمع کے لیے ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ جمع کے مذکر ہونے کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا: فَمِنْهَا مَا كُؤِبُهُمْ راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصدر ہے اور رکوب اسے کہتے ہیں جس پر سوار ہوا جاتا ہے، فراء نے اسے جائز قرار دیا ہے یعنی راء کے ضمہ کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فَمِنْهَا أَكْلُهُمْ وَمِنْهَا شَرِبُهُمْ ان میں سے کچھ ان کا کھانا ہے اور ان میں سے کچھ ان کا مشروب ہے اور ان کے گوشت تم کھاتے ہو ان کے کئی اور منافع بھی ہیں یعنی اون، بال وغیرہ ان کی چربیاں اور گوشت وغیرہ۔ مشارب سے مراد ان کے دودھ ہیں (2)۔ یہ منصرف نہیں کیونکہ دونوں جمع ہیں واحد میں ان کی کوئی مثال نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤٥﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ

جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ ﴿٤٦﴾ فَلَا يَخْرُجُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٤٧﴾

”اور ان ظالموں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو اے حبیب! ان کا قول، ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔“

ان لوگوں نے ہماری قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھا ہے پھر انہوں نے ہمیں چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی فعل پر قدرت نہیں رکھتے جبکہ وہ ان کی اس وقت مدد کی امید رکھتے ہیں اگر ان پر عذاب نازل ہو عرب یوں کلام کرتے ہیں لعلہ ان یفعل جبکہ وہ معبودان باطلہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ بتوں کے لیے فعل واوون کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں خبر دی گئی ہے جس طرح انسانوں کے بارے میں خبر دی جاتی ہے۔

جبکہ کفار ان جھوٹے معبودوں کے حاضر لشکر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان معبودوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: کفار دنیا میں ان کے لیے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں پس کفار ان کے لیے لشکر کے حکم میں ہوتے ہیں جبکہ یہ

معبودان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معبودان باطلہ، اپنے عبادت گزاروں کے لشکر ہوں گے ان کے ساتھ جہنم میں حاضر ہوں گے ان میں سے بعض کا دفاع نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے بت جہنم میں ان کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کے لشکر ہوں گے کیونکہ یہ بت ان مشرکوں پر لعن طعن کریں گے اور ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معبودان باطلہ ان کے لشکر ہوں گے قیامت کے روز انہیں حاضر کیا جائیگا تاکہ یہ بت ان کے گمانات میں ان کی مدد کریں۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”یہ قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کیا کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت دی جائیگی وہ قوم جہنم کی طرف اس معبود کے پیچھے چلے گی پس وہ کفار ان کے حاضر لشکر ہوں گے۔“

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ترمذی شریف میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ قوموں کو کھلے میدان میں جمع کرے گا پھر اللہ رب العالمین ان کی طرف جھانکے گا ارشاد فرمائے گا: خبردار! ہر انسان اس کے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا، صلیب کی پوجا کرنے والے کے لیے صلیب کو مثالی صورت دی جائے گی، تصادیر کی پوجا کرنے والے کے لیے تصادیر کو مثالی صورت دی جائیگی اور آگ کی پرستش کرنے والے کے لیے آگ کو مثالی صورت دی جائے گی تو جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ ان کے پیچھے چلیں گے اور مسلمان باقی رہ جائیں گے (1)“ اور طویل حدیث ذکر کی۔

اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گفتگو غمگین نہ کرے یَحْزُنُكَ کو مجرد سے معروف پڑھنا یہ فصیح لغت ہے عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یَحْزُنُكَ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی ان کا یہ کہنا: وہ شاعر ہے، جادوگر ہے تجھے غمگین نہ کرے گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُبْسِرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ① یعنی اللہ تعالیٰ قول و عمل کو جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں پس ہم اس کے مطابق انہیں بدلہ دیں گے۔

اَوَلَمْ يَرِ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ②

”کیا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ ہمارا کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ عاصی بن وائل سہمی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ابی بن خلف جمحی ہے؛ یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

نطفہ سے مراد تھوڑا سا پانی ہے نطف سے مراد ہے جب وہ ٹپکائے۔ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ③ سے مراد ہے (3) وہ خصومت میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء من علو داهل الجنة واهل النار، جلد 2، صفحہ 79، ایضاً، حدیث 2480، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 33

2۔ احکام القرآن للطبری، ج 23، صفحہ 38

جدال کرنے والے اور حجت کو بیان کرنے والا ہے، اس سے یہ مراد ہے کہ بعد اس کے کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اب جھگڑنے والا اور حجت کو بیان کرنے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک پرانی ہڈی لایا اس نے کہا: اے محمد! کیا تیری یہ رائے ہے کہ اس ہڈی کے بوسیدہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اللہ تعالیٰ تجھے زندہ کرے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا“ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝۹ قُلْ يُحْيِيهَا  
الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝۱۰

”اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لیے عجیب و غریب مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا ہے اپنی پیدائش کو، گستاخ کہتا ہے: اچی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ آپ فرمائیے: اے گستاخ! سن زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وہ بھول گیا کہ ہم نے اسے مردہ نطفہ سے پیدا کیا اور ہم نے اس میں زندگی کو رکھ دیا یعنی اس کی ذات میں ہی جواب موجود ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے گا اور تجھے جہنم میں داخل کرے گا (1)“ اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث کے خلاف پہلی دفعہ پیدا کرنے سے استدلال کیا ہے۔

رَمِيمٌ کا معنی بوسیدہ ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: رَمَّ الْعِظَمُ فَهُوَ رَمِيمٌ وَرِمَامٌ۔ رَمِيمٌ فرمایا رَمِيمٌ نہیں کہا کیونکہ یہ فاعلة سے معدول ہے جو کلمہ اپنے وزن سے معدول ہوا سے اعراب سے بھی پھیر دیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَتْ أُمْلَانِ بَغِيًّا ۝۱۰ (مریم) بَغِيًّا کے آخر سے یا، کو گرا دیا کیونکہ اسے باغیۃ سے پھیرا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کافر نے نبی کریم ﷺ سے کہا: بتائیے اگر میں اسے پیس دوں اور ہوا میں بکھیر دوں کیا اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا (2)؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فرمادیتے: وہ ذات اسے زندہ کرے گی جس نے اسے پہلی بار بغیر مثال کے پیدا کیا تو وہ دوبارہ کسی شے کو پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے (3) وہ شے عَجْمُ الذَّنَبِ ہے اسے عَجْبُ الذَّنَبِ بھی کہتے ہیں۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝۱۰ وہ ہر چیز کو جانتا ہے یعنی کیسے اسے پہلی دفعہ پیدا کرنا ہے اور کیسے اسے دوبارہ پیدا کرنا ہے (4)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہڈیوں میں زندگی ہے اور موت کے ساتھ وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؛ یہ امام ابو حنیفہ اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: ہڈی میں کوئی زندگی نہیں۔ یہ بحث سورہ نحل میں پہلے گزر چکی ہے۔

اگر یہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ سے مراد اصحاب عظام لیے ہیں اور مضاف الیہ کا مضاف کی جگہ واقع ہونا

لغت میں بہت زیادہ ہے اور شریعت میں بھی موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت ہو جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں جو اس اضمار کا باعث ہو یہاں تک کہ اس تقدیر کلام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور وہ اس پر قادر ہے حقیقت اس کی گواہی دیتی ہے کیونکہ احساس جو زندگی کی علامت ہے اس میں موجود ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مُنْتَقِدُونَ ۝ أَوَلَيْسَ  
الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ ۚ وَهُوَ الْخَلَّاقُ  
الْعَلِيمُ ۝ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ  
الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

”جس نے اپنی حکمت سے رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی چھوٹی سے مخلوق بے شک وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس۔ وہ برعیب سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹا یا جائیگا۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متنبہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کے ساتھ اپنی کمال قدرت پر دلیل قائم کی ان چیزوں سے جنہیں وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ تر لکڑی سے ایسی چیز نکالی جو جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور خشک ہوتی ہے اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے کہا: نطفہ زندگی کی طبیعت کی وجہ سے گرم تر ہے اور ہڈی موت کی طبیعت کی بنا پر ٹھنڈی اور خشک ہے تو اس سے زندگی کیسے نکلتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ سرسبز درخت پانی سے جنم لیتا ہے پانی ٹھنڈا تر ہے جو آگ کی ضد ہے یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ نے اس سے آگ کو پیدا کیا تو وہ اس پر قادر ہے کہ ضد کو ضد سے نکالے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد منزخ اور عفار میں جو آگ ہے، یہ عربوں کی زنادہ ہے؛ اسی سے ان کا قول ہے: فی کل شجر نار واستشجد المنزخ والعفار۔ (1) ہر درخت میں آگ ہے مرغ اور عفار نے خوب حصہ لیا عفار کو زندہ کہتے ہیں یہ اوپر والی لکڑی ہے مرغ زندہ ہے یہ نیچے والی لکڑی ہے؛ دونوں سے دو ٹہنیاں لی جاتی ہیں جس طرح دو مسواک ہوتے ہیں دونوں پانی گرا رہی ہوتی ہیں ایک کو دوسری کے ساتھ رگڑا جاتا ہے تو ان دونوں سے آگ نکلتی ہے۔

الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ فرمایا الخضراء نہیں فرمایا جبکہ یہ جمع ہے (2) کیونکہ اسے (الأخضر) کے لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ عربوں میں سے کچھ یہ بھی کہتے ہیں: الشجر الخضراء جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُومٍ ۚ فَمَا لِيُون ۚ



مِنْهَا الْبُطُونُ ⑤ (الواقعہ) پھر اللہ تعالیٰ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ، مثلہم سے مراد بعث کا انکار کرنے والوں کی مثل ہے سلام، ابو منذر اور یعقوب حضری نے يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ پڑھا ہے کہ یقدر فعل ہے۔ بلی: کیوں نہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق ان کو پیدا کرنے سے بہت بڑھ کر ہے وہ ذات پاک جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ انہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ⑥ وہ خلاق و علیم ہے حضرت حسن بصری نے اسے خالق پڑھا ہے (1)۔

کسائی نے فیکون نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا عطف یقول پر ہے یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مشقت و تھکاوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

فَسُبْحَنَّ الَّذِي أَسْأَلُكَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ عِزٌّ وَكَرَامَةٌ ⑦ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی عجز و انکساری سے پاکی بیان کی ہے ملکوت اور ملکوتی عربوں کے کلام ہیں ملک کے معنی میں ہے عرب کہتے ہیں: جبہ وقی خید من رحبوق۔ میرا جبروت، میرا رحمت سے بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مَلَكُوتٌ كُلُّ شَيْءٍ سے مراد ہر شے کی چابیاں ہیں۔ طلحہ بن مصرف، ابراہیم تیمی اور اعش نے اسے ملکہ پڑھا ہے یہ ملکوت کے معنی میں ہے مگر یہ مصحف کے خلاف ہے۔

وَالْيَوْمِ تُرْجَعُونَ ⑧ تمہاری موت کے بعد اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا عام قراءت تاء کے ساتھ ہے اور خطاب کا صیغہ ہے۔ سلمیٰ، زر بن حبیش اور حضرت عبداللہ کے شاگردوں نے یرجعون پڑھا ہے۔



حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے وہ اپنے رب کے حضور نماز کے لیے صفیں بناتے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: صافات سے مراد پرندے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الظُّيُوفِ قَوْمَهُمُ (الملک: 19)** صف کا معنی ہے جمعیت کو ایک لائن میں ترتیب دینا جس طرح نماز میں صف باندھی جاتی ہے۔  
الصافات اس کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: جماعة صافة پھر اس کی جمع صافات بنائی جاتی ہے۔  
ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصَّفَّت سے مراد مومنوں کی جماعت ہے (1) جب وہ نماز یا جہاد میں صف میں کھڑے ہوتے ہیں: یہ امام قشیری نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، مسروق اور دوسرے علماء کے نزدیک **قَالُوا جُوتِ** سے مراد فرشتے ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں اور انہیں ہانکتے ہیں: یہ سدی کا قول ہے یا اس لیے کیونکہ نصیحتوں کے ذریعے معاصی سے جھڑکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن کے زواجر ہیں۔

**قَالَتِ ابْنَةُ كُرَّاءٍ** ① سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں: یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد، جبیر اور سدی کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے سب سے بڑے ہیں تو وہ لشکروں اور قبیعین سے خالی نہیں ہوتے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اس کی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں، آیات کی صفت تلاوت سے اسی طرح لگائی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَنْفُصُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ (نمل: 76)** قرآن کی آیات کو تالیات کہنا اس لیے بھی جائز ہے کیونکہ بعض حروف بعض کے پیچھے ہوتے ہیں: یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے کہ تالیات سے مراد انبیاء ہیں جو وحی کو اپنی اپنی امت کی طرف تلاوت کرتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ صفات میں فاء عاطفہ کس حیثیت سے آئی ہے؟ اسے کہا جائے گا: یا تو یہ وجود (پائے جانے) میں معانی کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے جس طرح یہ شعر ہے:

يَالْهَفَ زَيَابَةُ لِلْحَارِثِ الصَّابِحِ فَالْغَانِمِ فَالْأَيِّبِ (3)

”زیابہ کا حارث کے لیے افسوس جس نے صبح کے وقت حملہ کیا غنیمت حاصل کی اور صبح و سالم واپس لوٹ گیا۔“ یا بعض اعتبارات سے باہم فرق کی بنا پر انہیں مرتب کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: **خُذِ الْفَضْلَ فَلَا كَمَلَ**۔ و **أَسْبَلِ الْإِحْسَانَ وَالْإِجْمَلَ**۔ افضل کو پھر اکمل کو لو۔ احسن پھر اجل کام کرو یا صفات کے موصوفات میں ترتیب ثابت کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: **رَحِمَ اللَّهُ الْمَخْلُقِينَ فَالْمَقْصَرِينَ (4)** خلق کرانے والوں پر رحم فرما پھر قصر کرانے والوں پر رحم فرما۔ ان تین قوانین کی بناء پر صفات میں فاء عاطفہ لایا جاتا ہے: یہ زمخشری کا قول ہے۔

2- تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 358

1- تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36

4- مجمع مسلم، کتاب النعم، باب تفصیل الخلق عن التقصير، جلد 1، صفحہ 420

3- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 34

إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ یہ جواب قسم ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کفار نے کہا: تو تمام معبودوں کو ایک معبود بناتا ہے وہ ایک خدا تمام مخلوقات کو کیسے کافی ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے عظمت و شان کو ظاہر کرنے کے لیے ان صفات کے ساتھ قسم اٹھائی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن انباری نے کہا: یہاں پر وقف کرنا اچھا ہے پھر رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے تو ابتدا کرے معنی یہ ہوگا وہ آسمانوں کا رب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد سے بدل ہو۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں صورتوں میں لوحد پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ انفس نے رب السموات و رب المشارق پڑھا ہے اس صورت میں یہ ان کے اسم کی صفت ہوگی یعنی آسمان اور زمین کا خالق اور ان لوگوں کا مالک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا کہ وہ رب السموات والارض یعنی ان کا خالق و مالک ہے۔

وَمَا بَيْنَهُمَا رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ یعنی سورج کے مطلع کا مالک۔ حضرت ابن عباس نے کہا: سورج کا ہر روز ایک مشرق اور مغرب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے مطلع کے لیے تین سو پینسٹھ روشن دان بنائے ہیں اسی طرح مغرب میں دنوں کی تعداد کے مطابق غروب ہونے کے لیے روشن دان بنائے ہیں ہر روز ان میں سے ایک روشن دان سے وہ طلوع ہوتا ہے اور ایک روشن دان میں غائب ہوتا ہے۔ وہ اگلے سال اسی روشن دان سے طلوع ہوتا ہے وہ طلوع نہیں ہوتا مگر مجبوری کے عالم میں ہی طلوع ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے اپنے بندوں پر طلوع نہ کر کیونکہ وہ تیری نافرمانی کرتے ہیں: ابو عمر نے اسے کتاب التہید میں ذکر کیا ہے۔ ابن انباری نے کتاب الرد میں عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: مجھے بتائیے جو نبی کریم ﷺ سے امیہ بن صلت کے بارے میں مروی ہے امن شعورہ و کفر قلبہ فرمایا: وہ حق ہے تم نے اس میں سے کس چیز کو عجیب جانا ہے؟ میں نے کہا: ہم نے اس کے اس قول کو عجیب و غریب جانا ہے:

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ حَمَاءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَزَّدُ

لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ لَهُمْ فِي رَسْلِهَا إِلَّا مُعَذِّبَةً وَلَا تُجَلَّدُ

”سورج ہر رات کے آخر میں سرخ طلوع ہوتا ہے صبح کے وقت اس کا رنگ گلاب کے پھول کی طرح ہو جاتا ہے وہ ان پر طلوع نہیں ہوتا مگر اسے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے اور کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں۔“ کیا وجہ ہے کہ سورج کو کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! سورج کبھی بھی طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار فرشتے اسے کچو کے دیتے ہیں، فرشتے اسے کہتے ہیں: تو طلوع ہو، تو طلوع ہو۔ وہ کہتا ہے: میں اس قوم پر طلوع نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری اطاعت کرتی ہے۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور انسانوں کی روشنی کے لیے اسے اوپر اٹھاتا ہے، شیطان اس کے پاس آتا ہے وہ اسے طلوع ہونے سے روکنے کا ارادہ کرتا ہے سورج اس کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سورج کے نیچے جلا دیتا ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا بھی یہی



مطلب ہے: ”یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور جب بھی غروب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتا ہے، شیطان اس کے پاس اسے سجدے سے روکنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس کے نیچے جلا دیتا ہے۔“ یہ انباری کے الفاظ ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی صلت کے اس شعر کی تصدیق کی۔

زُحَلٌ وَثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِينِهِ وَالنَّسْرُ لِأَخْرَى وَلَيْثٌ مُرْصَدٌ  
وَالشَّيْطَانُ تَطْلُعُ كُلِّ آخِرِ لَيْلَةٍ حِمَاءٌ يَصْبَحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ  
لَيْسَتْ بِطَالِعَةٍ لَهُمْ فِي رِسْلِهَا إِلَّا مُعَذِّبَةٌ وَلَا تُجَدُّ

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: اے میرے آقا! کیا سورج کو بھی کوڑے مارے جاتے ہیں؟ فرمایا: اے سیرابی نے کوڑوں پر مجبور کرایا لیکن وہ عقاب سے ڈرتا ہے مطالع کا ذکر مغارب پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: سَمَاءٍ يُبَيِّنُ تَقْوِيَكُمْ الْخَرَّ (النحل: 81) مشارق کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ طلوع غروب سے پہلے ہوتا ہے۔ سورہ الرحمن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ① مشرقین سے مراد وہ دو دروازے کا مطلع ہے جہاں سے طویل ترین دن سورج طلوع ہوتا ہے اور سال کے چھوٹے ترین دن میں جہاں سے طلوع ہوتا ہے جس طرح سورہ یس میں گدرا ہے۔

إِنَّا زَيْنًا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ① وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ② لَا  
يَسْعَوْنَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْدِفُونَ مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ ③ دُحُورًا ④ لَهُمْ عَذَابٌ  
وَاصِبٌ ⑤ إِلَّا مَن خِطَفَ الْخُطْفَةُ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ ⑥

”بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور اسے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان کی رسائی سے نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ۔“

قتادہ نے کہا: ستارے تین مقاصد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں (1)، شیطاں کو رجم کرنے کے لیے، ایسے نور کے لیے جس کیساتھ راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آسمان دنیا کی زینت کے لیے۔ مسروق، اعمش، بخعی، عاصم اور حمزہ نے بزینۃ پڑھا ہے یعنی مجرور اور منون اور الکواکب کو زینۃ سے بدل کے طور پر مجرور پڑھا ہے کیونکہ کواکب ہی زینت ہیں۔ ابو بکر نے اسی طرح پڑھا ہے مگر الکواکب کو زینۃ مصدر کی وجہ سے نصب دی ہے اس کا معنی ہے ہم نے آسمانوں سے ستاروں کو مزین کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنٰی کی وجہ سے منصوب ہو گیا کہا: ہم نے اسے زینت سے مزین کیا ہے یعنی ستاروں سے مزین کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زینۃ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے زینۃ الکواکب پڑھا جائے معنی ہوگا اس کی زینت

ستارے ہیں یا معنی ہو یہی کواکب ہیں۔ باقی قراء نے اسے اضافت کے ساتھ بزینه الکواکب پڑھا ہے معنی ہے ہم نے آسمان دنیا کو کواکب کی تزیین کے ساتھ مزین کیا یعنی ان کے حسن کے ساتھ مزین کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ قراءت تو اس کی قرأت کی طرح ہو جس نے اسے تنوین دی مگر تخفیف کے لیے اسے حذف کر دیا و حفظا یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی حفظناہ حفظاً۔

مَنْ كُنَّ شَيْطَانُ مَارِِدٍ ۝ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ فرشتے آسمان سے وحی کے ساتھ نازل ہوتے ہیں تو یہ بھی واضح کیا اللہ تعالیٰ نے کواکب کے ساتھ آسمان کو مزین کرنے کے بعد آسمان کی اس چیز سے حفاظت کا اہتمام کیا کہ کوئی چوری چھپے آسمان کی خبریں سن لے۔ مار دجنوں اور انسانوں میں سے جو سرکش ہوتا ہے اسے کہتے ہیں، عرب اسے شیطان کہتے ہیں۔ لَا يَسْتَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ عَلَى ابْوَ حَاتِمٍ نے کہا کلام اس طرح ہے لثلا یسعو پھر ان کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو رفع دیا گیا الْمَلَأِ عَلَى سے مراد آسمان دنیا اور دوسرے آسمانوں والے ہیں۔ تمام کو اعلیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین کے مکینوں کی نسبت وہ اعلیٰ ہیں یَسْتَعُونَ میں ضمیر شیطین کے لیے ہے جمہور نے اسے یَسْتَعُونَ پڑھا ہے یعنی سین ساکن ہے اور میم مخفف ہے حمزہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں لَا يَسْتَعُونَ پڑھا ہے اس وقت یہ تسبیح سے مشتق ہے ☆، پہلی قراءت کی صورت میں اس کے سماع کی نفی کر دی ہے اگرچہ وہ سننے کی کوشش کریں گے۔ یہی صحیح معنی ہے اس کی تا سید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُؤْلُونَ ۝ (الشعراء)

دوسری قراءت کی صورت میں ان سے استماع اور سماع دونوں کی نفی واقع ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ سننے کی کوشش کریں گے اور سن نہ سکیں گے یَسْتَعُونَ کی اصل یَتَسَعُونَ ہے (1) تاء کو سین میں مدغم کر دیا گیا ہے کیونکہ تاء سین کا قریب الخرج ہے؛ ابو عبیدہ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ عرب کم ہی کہتے ہیں: سعت إلیہ وہ کہتے ہیں تسعت إلیہ و یقذفون من کل جانب انہیں ہر جانب سے شہانچے مارے جائیں گے۔ دحور مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے کیونکہ یُقْذَفُونَ کا معنی بھی یدحرون ہے دحرتہ دحرا و دحور یعنی میں نے اسے دھتکا کر دیا۔ سلمیٰ اور یعقوب حضرمی نے دَحُورًا پڑھا ہے اس وقت یہ فاعل کے وزن پر مصدر ہوگا جہاں تک قراء کا تعلق ہے انہوں نے اسے اسم فاعل کی حیثیت دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقذفون بسا یدحروہم یعنی دحور سے پہلے باء حذف ہے کوئی اس کو اکثر استعمال کرتے ہیں جس طرح انہوں نے یہ شعر کہا:

تَسْرُونَ الدیَارَ وَلَمْ تَعُوجُوا

یہاں الدیار سے پہلے باء حذف ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ شہانچوں کے ساتھ مارنا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تھا یا بعثت کی وجہ سے اس کے بعد تھا اس بارے میں دو قول ہیں: اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے روایات سورہ جن میں آئیں گی۔ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے جنہوں نے یہ کہا: شیطین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت سے قبل نہیں مارا جاتا تھا پھر انہیں مارا جانے لگا یعنی انہیں ایسا نہیں مارا جاتا تھا جو انہیں سننے سے روک دے لیکن انہیں کسی وقت مارا جاتا اور کسی وقت نہ مارا جاتا، ایک جانب سے مارا جاتا اور دوسری طرف سے نہ مارا جاتا شاید اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝** سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے انہیں بعض جوانب سے ہی مارا جاتا تھا تو اب ان کے لیے دائمی عذاب ہے اس سے قبل وہ انسانوں کی جانب سے جاسوسی کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی اس کی حاجت پوری کر دیتا اور کوئی اسے پورا نہ کر سکتا کوئی محفوظ رہتا اور کوئی محفوظ نہ رہتا بلکہ اسے پکڑ لیا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آسمان کی حفاظت میں اضافہ کر دیا گیا ان کے لیے ایسے شہانچے تیار کیے گئے جو پہلے تیار نہیں کیے گئے تھے تاکہ آسمان کی تمام جوانب سے انہیں پتھر مارے جائیں پہلے جن جگہوں پر وہ بیٹھتے تھے وہ اب وہاں نہ بیٹھ سکیں جو چیز آسمان میں جاری ہوتی اب وہ اس کے سماع پر قادر نہیں مگر یہ کہ کوئی چیز تیزی سے اچک لیں تو زمین کی طرف آنے اور اپنے دوستوں تک اسے القاء کرنے سے قبل کوئی شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرے اور اسے جلادے اس طرح کہانت باطل ہوگئی اور رسالت و نبوت حاصل ہوگئی۔

اگر سوال کیا جائے: اگر یہ شہانچوں کے ساتھ مارنا نبوت کی وجہ سے تھا تو نبی کریم ﷺ کے بعد بھی یہ سلسلہ کیوں

جاری رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت دائمی ہے اس لیے یہ سلسلہ بھی قائم و دائم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کہانت کے باطل ہونے کی خبر دی ہے فرمایا: لیس منا من تکهن جس نے کہانت کی وہ ہم میں سے نہیں۔

اگر سرور دو عالم ﷺ کے بعد حفاظت و نگہبانی کا سلسلہ نہ ہوتا تو جن پھر سننا شروع کر دیتے اور کہانت لوٹ آتی تو یہ باطل ہونے کے بعد جائز نہیں کیونکہ جب حفاظت نبوت کی وجہ سے ہوئی تھی تو حفاظت و نگہداشت کا ختم ہونا اور کہانت کا دوبارہ شروع ہونا ضعیف مسلمانوں کے لیے شبہ کا باعث ہوتا اور اس کا خوف موجود تھا کہ لوگ یہ گمان کرتے کہ کہانت اس لیے لوٹ آئی ہے کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو یہ بات صحیح ہے کہ حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی اس کی حفاظت ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا **وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝**۔ واصل کا معنی دائم ہے یہ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی شدید ہے۔ کلبی، سعدی اور صالح نے اس کا معنی موجد کیا ہے یعنی جس کا درد دل تک جا پہنچتا ہے۔ یہ واصل سے ماخوذ ہے جس کا معنی مرض ہے (1)۔

**إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ يَوْمَ يُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ** سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: استثناء غیرواحی کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمْعَزُولُونَ ۝** فرشتے ایک دوسرے کو جو بات پہنچاتے یہ ان میں سے کوئی چیز چوری چھپے سن لیتے یہ ان امور میں سے ہوتے جو عالم میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے جبکہ اہل زمین کو اس کا

ابھی علم نہ ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا کیونکہ شیاطین کے اجسام خفیف ہوتے تو اس وقت انہیں شہابچوں سے مارا جاتا۔ اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں کی طرف بلند ہوتے (1) وہ ایک دوسرے کے اوپر سننے کے لیے بیٹھتے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا آسمان کے زیادہ قریب ہوتا پھر اس طرح یکے بعد دیگرے دوسرے ہوتے اللہ تعالیٰ اہل زمین کے بارے میں حکم دیتے اہل سموات اس کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے تو قریبی شیطان اسے سن لیتا اور وہ اسے نیچے والے کی جانب القا کرتا کبھی شہابچہ اسے جلا دیتا اور بعض اوقات وہ کلام القا کر لیتا اور شہابچہ اسے نہ جلاتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو وہ بات کا ہنوں تک جا پہنچتی وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے اور وہ بات سچی ہوتی جس طرح ہم نے سورۃ الانعام میں بیان کیا ہے جاہل سب کو سچ تسلیم کر لیتے۔

جب اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا تو آسمان کی شدت سے حفاظت کی گئی تو کوئی شیطان نہ بچا جس نے کوئی حتمی بات سنی مارے جانے والے ستارے وہی ہیں جنہیں لوگ ٹوٹا ہوا دیکھتے ہیں۔

نقاش اور مکی نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے نہیں جو آسمان میں جاری ہیں کیونکہ ان کی حرکت نہیں دیکھی جاتی یہ پھینکے جانے والے ستارے ہیں جن کی حرکت دیکھی جاتی ہے کیونکہ یہ ان ستاروں میں سے قریب ترین ہیں۔ سورۃ حجر میں اس کے بارے میں کافی وضاحت گزر چکی ہے۔ ہم نے سورۃ سباء میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے اس میں ہے: ”شیاطین ایک دوسرے کے اوپر تھتھے“۔ (2) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”شیاطین تیزی سے اچک لیتے ہیں (3) تو انہیں شہابچے مارے جاتے ہیں وہ ان باتوں کو اپنے دوستوں کی طرف القا کرتے ہیں جو وہ بات اس طریقہ پر کریں تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں“ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ خطف کا معنی تیزی سے کسی چیز کو لے لینا ہے۔ یہ لفظ یوں استعمال ہوتا ہے خُطِفَ، خُطِفَ، خُطِفَ اور خُطِفَ۔ مشدّد میں اصل اختطف ہے تاء کو طاء میں مدغم کیا گیا کیونکہ یہ اس کی اخت ہے خاء کو فتح دیا گیا ہے کیونکہ تاء کی حرکت اس پر ڈالی گئی ہے۔ جس نے اسے کسرہ دیا تو وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے جس نے طاء کو کسرہ دیا ہے تو اس نے کسرہ کو کسرہ کے تابع کیا ہے۔

ثاقب سے مراد روشن ہے؛ یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد آگ کے ستارے ہیں جو ان کا پیچھا کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سمندر میں گرا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الشہب کے بارے میں فرمایا: وہ ان شیاطین کو موت کے بغیر جلاتے ہیں وہ شہابچے جن کے ساتھ لوگوں کو مارا جاتا ہے وہ ان ثابت ستاروں سے نہیں ہوتے اس پر ان کی حرکات کا دکھائی دینا دلالت کرتا ہے ثابت کو اکب چلتے ہیں ان کی دوری کی وجہ سے ان کی حرکات دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ بحث بھی گزر چکی ہے۔

2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ سبا، جلد 2، صفحہ 154

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 466

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 155، ایضاً، باب ومن سورۃ سبا، حدیث 3148، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



شہاب کی جمع شہب ہے جمع قلت میں قیاس اشبہہ ہے اگرچہ عربوں سے یہ جمع کا وزن نہیں سنا گیا۔ ثاقب کا معنی روشن ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابو مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے:

وَزَنْدُكَ أَثْقَبُ أَزْنَادِهَا

یعنی تیری زند (وہ لکڑی جس سے آگ روشن کی جاتی تھی) تمام زندوں سے زیادہ روشن ہے اخفش نے اس کی جمع کے بارے میں کہا شُهْبٌ ثُقُبٌ، ثواقب اور ثقباب۔ نسائی نے کہا: ثَقَبَتِ النَّارُ ثَقْبَ ثَقَابَةٍ وَثَقُوبًا، جب وہ روشن ہو اَثَقَبَتْهَا اَنَا میں نے اسے روشن کیا۔ زید بن اسلم نے ثاقب کے بارے میں کہا: وہ روشن ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے اَثَقَبَ زَنْدُكَ یعنی اپنی آگ روشن کر، یہ اخفش کا قول ہے اور شاعر کا قول پڑھا:

بَيْنَا السَّرُّ شِهَابٌ ثاقِبٌ ضَرَبَ الدَّهْرُ سَنَاهُ فَخَمَدَ (1)

اس اثناء میں کہ انسان ایک روشن ستارہ ہوتا ہے زمانہ اس کی چمک کو ضرب لگاتا ہے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهْمُ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۖ بَلْ عَجِبْتَ  
وَيَسْخَرُونَ ۖ وَإِذَا دُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۖ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۖ  
وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۖ عِذَا مِثْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۚ إِنَّا  
لَمَبْعُوثُونَ ۖ أَوَ آبَاءُؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۖ

”پس آپ ان سے پوچھئے: آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا دوسری چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں قدرت کے کرشمے دیکھ کر اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: نہیں ہے مگر یہ کھلا جادو، کیا جب ہم مرجائیں گے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟“۔

یعنی اہل مکہ سے پوچھئے۔ یہ مفتی سے فتویٰ طلب کرنے سے ماخوذ ہے اَمْ مَنْ خَلَقْنَا سے مراد آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں فرشتے اور سابقہ امتیں داخل ہیں اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسے من کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: من سے مراد سابقہ امتیں ہیں (3) جو ہلاک ہو چکیں وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے یہ آیت اشد بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسے ابوعبیدہ اس لیے کہا گیا کیونکہ اس کی پلڑ اور قوت بہت زیادہ تھی اس کا ذکر سورۃ البلد میں آيگا اس کی مثل یہ آیت ہے: لَخَلَقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن: 57) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ؕ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ (النازعات: 27)

لَا زِبْ کا معنی لیسدار مٹی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس معنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

تَعَلَّمْ فَإِنَّ اللَّهَ زَادَكَ بَسْطَةً وَأَخْلَقَ خَيْرَ كُلِّهَا لَكَ لَا زِبْ (1)

علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ تیرے جسم اور بھلائی کے اعمال میں اضافہ کرے وہ سب تیرے ساتھ واسطہ ہوں۔

قنادہ ابن زید نے کہا: لَا زِبْ کا معنی ہے چمٹنے والی۔ ماوردی نے کہا: لاصق اور لاذق میں فرق یہ ہے (2) کہ لاصق اسے کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ دوسرے کے ساتھ چمٹا ہوا ہو اور لاذق اسے کہتے ہیں جو جس چیز کے ساتھ لگتا ہے اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ نکرمة نے کہا: لَا زِبْ کا معنی لزج ہے یعنی لیسدار۔ سعید بن جبیر نے کہا: گرم گوند جو ہاتھ سے چمٹ جائے۔ مجاہد نے کہا: لَا زِبْ سے مراد لازم ہے عرب کہتے ہیں: طین لاذب، لازم۔ باء میم سے بدلی ہوئی ہے اس کی مثل ان کا قول ہے: لاتب، لاتم باء میم سے بدلی ہوئی ہے لاذب کا معنی ثابت ہے تو کہتا ہے: صار الشئ ضربة لاذب۔ یہ ضربہ لازم سے زیادہ بلغ ہے تابغہ نے کہا:

وَلَا تَحْسَبُونَ الْخَيْرَ لَأَشَرَّ بَعْدَهُ وَلَا تَحْسَبُونَ الشَّرَّ ضَرْبَةً لَّازِبٍ (3)

تم خیر کو گمان نہیں کرتے اس کے بعد شر نہیں ہوگی اور تم شر کو ضرب لاذب خیال نہیں کرتے۔

فراء نے عربوں سے یہ حکایت بیان کی ہے: طین لاتب یہ لازم کے معنی میں ہے لاتب کا معنی ثابت ہے اسی سے تو یہ باب ذکر کرتا ہے لَتَبْ يَلْتَبُ لَتَبًا وَلَتُوبًا یہ لُزْبٌ يَلُزُّ لُزْبًا کی طرح ہے۔ ابو جراح نے لاتب کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے:

فَإِنْ يَكُ هَذَا مِنْ نَبِيذٍ شَرِبْتُهُ فَإِنِّي مِنْ شَرِبِ النَّبِيذِ لَتَائِبُ

صَدَاعٌ وَتَوْصِيمُ الْعِظَامِ وَفَتْرَةٌ وَغَمٌّ مَعَ الْإِشْمَاقِ فِي الْجَوْفِ لَاتِبُ (4)

”اگر یہ اس نبیذ سے ہے جسے میں نے پیا ہے تو میں نبیذ کو پینے سے تائب ہوں سر درد، ہڈیوں میں سراخ، شکستگی اور چمٹ جانے والا غم جبکہ پیٹ میں آگ روشن ہے۔“ لاتب سے مراد لاحق ہے جو لاذب کی مثل ہے؛ اصمعی سے جوہری نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ سدی اور کلبی نے کہا: لاذب سے مراد خالص ہے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد بد بودار ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ اہل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم نے عجبت کو تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یعنی قرآن میں سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس سے آپ تعجب کا اظہار کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ شریح کی قراءت ہے اور ضمہ والی قراءت کرنا پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بلکہ وہ جو بعث کا انکار کرتے ہیں اس پر آپ تعجب اظہار کرتے ہیں۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور فراء نے اسے پسند کیا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے اسے بل عجبٹ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 40

2۔ ایضاً

3۔ دیوان التلمیذ الذبیانی، صفحہ 18

4۔ احکام القرآن للطبری، ج 23، صفحہ 51

فراء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ⑩ کے بارے میں کہا: لوگوں نے اسے تاء کے رفع اور نصب کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ رفع مجھے زیادہ محبوب ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا، حضرت عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ابو زکریا فراء نے کہا: فعل عجب کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا تو اس کا وہ معنی نہ ہوگا جو معنی اس وقت ہوگا جب اسے بندوں کی طرف منسوب کیا جائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرہ: 15) اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی صورت میں اس کا وہ معنی نہیں ہوگا جو معنی بندوں کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں شریح کے قول کا رد ہے جب اس نے اس قراءت کا انکار کیا۔

جریر اور اعمش نے ابو وائل شقیق بن سلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے بل عجبیت ویسخرہون پڑھا ہے۔ شریح نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی وجہ سے تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا (1)۔ اعمش نے کہا: میں نے ابراہیم کے سامنے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: شریح کو اپنی رائے اچھی لگتی ہوگی بے شک حضرت عبداللہ شریح سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ اسے بل عجبیت پڑھتے۔ ہروی نے کہا: بعض ائمہ نے کہا بل عجبیت کا معنی ہے بلکہ میں انہیں کے تعجب پر بدلہ دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی مواقع پر ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ حق سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں: وَ عَجِبُوا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (ص: 3) فرمایا: اِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ ① ارشاد فرمایا: اَكَاٰنَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (یونس: 2) اللہ تعالیٰ کا فرمان: بَلْ عَجِبْتَ بلکہ میں نے انہیں ان کے تعجب پر سزا دی۔

میں کہتا ہوں: یہ فراء کے قول کا خلاصہ ہے؛ بیہقی نے اسے پسند کیا۔ علی بن سلیمان نے کہا: دونوں قرائتوں کا معنی ایک ہی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قل ای محمد بل عجبیت، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے۔ قول اکثر مضمحل ہوتا ہے بیہقی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے نفس کے بارے میں تعجب کے اظہار کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ جس نے اس کا انکار کیا اس کے بارے میں اس نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے اسے مخلوق کی جانب سے تعجب کے قائم مقام رکھ دیا جائے جس طرح جس بات پر وہ راضی ہوتا ہے اس کے بارے میں خبر دینے کو ضحک پر محمول کیا جاتا ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا ہے کہ جس سے وہ راضی ہوا اس کے اظہار کو مجازاً مخلوقات کے ضحک کے قائم مقام رکھا۔

ہروی نے کہا: عجب ربکم کا معنی ہے تمہارا رب راضی ہوا اور اس نے بدلہ دیا اسے عجب کا نام دیا مگر حقیقت میں وہ عجب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَيَسْخَرُ اللّٰهُ (انفال: 30) اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مکر پر بدلہ دیتا ہے اس کی مثل حدیث ہے: عجب ربکم من انکم و قنوطکم (2) تمہارا رب تمہاری آہ و آزاری اور تمہاری مایوسی پر تمہیں بدلہ دیتا ہے۔ بعض اوقات عجب کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتا ہے اس صورت میں بل

عجبت کا معنی ہے بلکہ ان کا فعل میرے ہاں عظیم ہے۔ بیہقی نے کہا: یہ بھی امکان ہے کہ یہ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث کے معنی کے مشابہ ہو۔ کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: عجب ربک من شباب لیس له صبوة (1) تیرے رب کے ہاں اس نوجوان کا مکالمہ عظیم ہے جس میں خواہش نفس کی طرف میلان نہ ہو۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قوم کا معاملہ عظیم ہے جو جنت میں بیڑیوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔“ بیہقی نے کہا: یہ حدیث اور جو اس کی مثل احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو کرم اور شفقت فرماتا ہے اس کے فرشتے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں جب انہیں برا بیچتے کیا کہ وہ ایمان لائیں یہ صورت قتال اور بیڑیوں میں جکڑنے کے ساتھ واقع ہوئی یہاں تک کہ جب وہ ایمان لائے تو انہیں جنت میں داخل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: بَلْ عَجِبْتَ کا معنی ہے بلکہ میں نے اسے عجیب و غریب جانا۔ نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعجب سے مراد کسی شے کو عجیب و غریب جانا اور اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ یہ عربوں کی لغت ہے حدیث طیبہ میں آیا ہے: عَجِبَ رَبُّكُمْ مِنْ اِلَکُمْ وَقُنُوتُکُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ و آزاری اور تمہاری مایوسی کو عجیب و غریب جانا۔

وَيَسْخَرُونَ ۝ میں واو حالہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی عجبت منهم فی حال سخریتهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: بل عجبت پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: وَيَسْخَرُونَ یعنی وہ اس کا تمسخر اڑاتے جو آپ لائے جب تو نے اسے ان پر تلاوت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ ﷺ انہیں دعوت دیتے ہیں تو وہ تیرا مذاق اڑاتے ہیں۔

وَ اِذَا دُکِرُوا قَادَہُ کے قول کے مطابق جب انہیں قرآن کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے لَا یَذُکُّوْنَ ۝ تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: جب ان کے سامنے اس عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان سے قبل جھٹلانے والوں پر نازل ہوا تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں تدبیر نہیں کرتے۔

وَ اِذَا رَاَوْا اٰیۃً جب وہ کسی معجزہ کو دیکھتے ہیں تو وہ مذاق اڑاتے ہیں: یہ قادیہ کا قول ہے۔ وہ کہتے: وہ جادو ہے استسخر اور سخر دونوں کا ایک ہی معنی ہے (3) جس طرح استسخر اور سخر کا معنی ایک ہی ہے اور استعجب اور عجب کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یَسْخَرُونَ ۝ کا معنی ہے وہ غیروں سے مذاق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت مذاق ہے۔ وَقَالُوا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ جب وہ معجزات کا مقابلہ کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ جادو، خیال اور دھوکہ ہے۔ عَرَا اِذَا مِثْنًا جب ہم مرجائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ استفہام انکار اور مذاق کے لیے ہے اور ہمارے آباء کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے۔ اَوْ اٰبَاؤُنَا نَافِع نے اذکو واؤ کے سکون ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ اَمِنْ اَهْلِ الْقُرٰی (اعراف: 98)



قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٩٧﴾ وَقَالُوا

يَوْمَئِذٍ لَّنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٩٨﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٩٩﴾

”فرمائیے: ہاں ضرور اسی حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہو گے۔ پس قیامت تو ایک جھڑکی ہوگی پس وہ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے: ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزا ہے۔ ہاں ہاں یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

قُلْ نَعَمْ ہاں تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٩٦﴾ جبکہ تم ذلیل و خوار ہو گے کیونکہ جس چیز کا انہوں نے انکار کیا تھا اس کے وقوع کو دیکھیں گے تو لامحالہ وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عنقریب قیامت برپا ہوگی اگرچہ تم ناپسند کرو تمہارے نہ چاہتے ہوئے یہ امر واقع ہوگا اگرچہ تم اپنے گمان کے مطابق اس کا انکار کرو۔

یہ تو ایک چیخ ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ اس سے مراد دوسرا نفع ہے۔ صحیحہ کوزجرہ کا نام دیا ہے (2) کیونکہ اس سے مقصود جھڑکنا ہی ہے یعنی اس کے ساتھ انہیں جھڑکا جائے گا جس طرح ہاتکتے وقت اونٹوں اور گھوڑوں کو جھڑکا جاتا ہے تو وہ کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انتظار کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کہا گیا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا (انبیاء: 97) ایک قول یہ کہا گیا ہے: وہ اس بعث کو دیکھیں گے جس کا انہوں نے انکار کیا۔

وَقَالُوا يَوْمَئِذٍ لَّنَا هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٩٨﴾ وہ اپنے لیے ہلاکت کو پکاریں گے کیونکہ اس روز انہیں علم ہے جو ان پر واقع ہونے والا ہے۔ بصریوں کے نزدیک دلیل کا لفظ منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ فراء نے یہ گمان کیا ہے: اس کی تقدیر کلام یوں ہوگی یا دی لنا اور دی، حزن کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: اگر یہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے کہا تو یہ الگ ہوتا جبکہ مصحف میں یہ متصل ہے ہم ہر کسی کو جانتے ہیں کہ وہ اسے متصل ہی لکھتا ہے يَوْمُ الدِّينِ سے مراد یوم حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یوم جزا ہے۔

هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٩٩﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کا ایک دوسرے کے لیے قول ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس کو ہم نے جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے یہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے وہ حق پرست کو باطل پرست سے الگ کر دے گا پس ایک جنت میں اور ایک فریق جہنم میں ہوگا۔

أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿١٠٠﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ  
إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿١٠١﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُورُونَ ﴿١٠٢﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ﴿١٠٣﴾ بَلْ

هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِينَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۚ إِنَّآ لَذٰۤءِقُونَ ۝ فَآغَوْا نِيكُمۡ إِنَّا كُنَّا غٰوِينَ ۝ فَإِنَّهُمْ يَوْمَ مِيزِ الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝

”اے فرشتو! جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو جہنم کی راہ کی طرف اور (اب ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی، تمہیں کیا ہو گیا ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے جائیں گے اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف اور سوال و جواب کیے جائیں گے۔ پیر و کار سرداروں سے کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفرے سے (اور ہمیں کفر پر مجبور کیا کرتے تھے) وہ جواب دیں گے: بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم اب (خواہ مخواہ) ہم عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اس طرح سلوک کرتے تھے مجرموں کے ساتھ (کفار کا یہ حال ہے کہ) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں۔“

أَحْسَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ وَأَزْوَاجُهُمْ يٰۤاَللّٰهُ تَعَالٰی کافرشتوں کے لیے فرمان ہے یعنی مشرکوں اور شرک میں جو ان کے ساتھی تھے انہیں اٹھاؤ۔ شرک سے مراد ظلم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ (لقمان) کافر کو کافر کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ قتادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعبیر کرتے ہوئے کہا: بدکار کو بدکار کے ساتھ، شرابی کو شرابی کے ساتھ اور چور کو چور کے ساتھ اٹھایا جائے گا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: أَزْوَاجُهُمْ سے مراد ان کی مثل ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَزْوَاجُهُمْ سے مراد ان کی وہ بیویاں ہیں جو شرک میں ان کے موافق ہیں (2)؛ یہ مجاہد اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ نعمان بن بشیر نے حضرت عمر بن خطاب سے یہی روایت کیا ہے ضحاک نے کہا: أَزْوَاجُهُمْ سے مراد شیاطین میں سے ان کے ساتھی ہیں (3)؛ یہ مقاتل کا بھی قول ہے۔ یہ کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر اٹھایا جائے گا وَمَا كَانُوا لِيَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ سے مراد بت، شیطان اور ابلیس ہے (4)۔ فَأَهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ انہیں جہنم کی طرف لے چلو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

ان کی راہنمائی کرو، یوں کہا جاتا ہے: ہدیتہ الی الطریق، ہدیتہ الطریق، یعنی میں نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی اس طرح اھدیت الھدیتۃ وھدیت العروس۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: اھدیتھا یعنی میں نے اسے ہد یہ کے قائم مقام بنا دیا۔ وَقَفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مُّسْئِلُوْنَ ۝ کے بارے میں عیسیٰ بن عمر نے کہا: ان فتح کے ساتھ ہے۔ کسائی نے کہا تقدیر کلام یوں ہے لانہم، بانہم، یوں باب بیان کیا ہے وقفۃ الدابة أقفھا وقفاً فوقفت ھی وقوفاً۔ کبھی یہ فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی استعمال ہوتا ہے یعنی انہیں روک۔ یہ انہیں جہنم کی طرف ہانکے جانے سے قبل ہوگا؛ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی انہیں حساب کے لیے روکو پھر انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جاؤ۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: پہلے انہیں آگ کی طرف ہانکا جائے گا پھر وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو انہیں سوال و جواب کے لیے روک لیا جائے گا۔ اِنَّهُمْ مُّسْئِلُوْنَ ۝ ان سے ان کے اعمال، اقوال اور افعال کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ یہ قرطبی، کلبی اور ضحاک نے کہا: ان سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بارے میں پوچھا جائے گا ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اسے مخلوق پر ظلم کی جانب سے پوچھا جائے گا۔ ان سب میں یہ دلیل موجود ہے کہ کفار سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سورۃ الحجر میں اس کے بارے میں گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ان سے سوال یہ ہوگا کہ ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے یہ حجت قائم کرنے کے لیے ہوگا انہیں کہا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ۝ کیا وجہ ہے تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ یہ شرمندہ کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا کہ تم میں سے بعض بعض کی مدد کرتا اور اسے اللہ کے عذاب سے محفوظ کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: غزوہ بدر کے موقع پر ابو جہل کے قول کی طرف اشارہ ہے (1) نَحْنُ جَبِيْمٌ مُّتَنَصِّرُونَ (القمر) اصل میں تتناصرون تھا تخفیف کے طریقہ پر ایک طاء کو حذف کر دیا گیا۔ بزی نے وصل کی صورت میں تاء کو مشدود پڑھا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ذلیل و عاجز ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اطاعت شعار ہوں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ رُّؤْسًا اور پیرو کار باہم جھگڑنے لگیں گے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اصل میں لَا يَتَسَاءَلُونَ ہے لا ساقط ہو گیا۔

نحاس نے کہا: لغت سے ناواقف آدمی نے غلطی کی ہے اس نے یہ وہم کیا ہے اس کلام کا تعلق بھی اس قول سے ہے فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ ۝ (مومنون) جبکہ یہ اصل میں لا يتساءلون بالارحام ہے ان میں سے ایک کہتا ہے: میں تجھ سے اس رشتہ داری کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے جس کے باعث تو نے مجھے نفع دیا یا تیرا حق جو مجھ پر تھا اسے ساقط کر دیا یا تو نے مجھے نیکی ہبہ کر دی یہ واضح ہے کیونکہ اس سے قبل فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (مومنون: 101) ہے یعنی وہ اس نسب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے جو ان کے درمیان ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا

ہے: ”بے شک انسان اس امر سے خوش ہوگا کہ اس کا اپنے باپ یا بیٹے پر حق ثابت ہو تو وہ اس سے لے کیونکہ وہ نیکیاں ہوں گی یا برائیاں ہوں گی“۔ ایک حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس کا اپنے بھائی کے ہاں کوئی حق تھا وہ مال سے متعلق تھا یا عزت سے متعلق تھا وہ اس بھائی کے پاس آیا اور اپنے مطالبہ سے پہلے اس کو اپنے لیے حلال جان لیا تو وہ اس کی نیکیوں میں سے لے گا اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مطالبہ کرنے والے کی برائیوں میں سے اس پر اضافہ کر دیا جائے گا“ ☆۔ یہاں یَتَسَاءَلُونَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اس بارے میں شرمندہ کریں گے کہ اس نے اسے گمراہ کر دیا یا اس کے لیے معصیت کا دروازہ کھول دیا یا بعد کلام اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ اس کی وضاحت کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝

مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ انسانوں کا جنوں کے لیے قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیروکاروں کا سرداروں کے لیے قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَوْ تَرَىٰ اِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ النُّقُولَ (سبا: 31) سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تم ہمارے پاس بھلائی کے راستے سے آتے تھے اور ہمیں اس سے روک دیتے تھے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تم ہمارے پاس قسم کے طریقہ سے آتے تھے جسے ہم پسند کرتے اور جس سے ہم فال لیا کرتے تھے تاکہ نصیحت کے انداز میں ہمارے ساتھ دھوکہ کریں۔ قسم کے انداز میں جو کلام لائی جاتی عرب اس سے فال لیا کرتے اور اسے سانح کا نام دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس اس آدمی کے آنے کی طرح آتے جو ہمارے سامنے قسم اٹھاتا تو ہم اس کی تصدیق کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس دین کا لبادہ اوڑھ کر آتے تو ہم پر شریعت کے معاملہ کو ہلکا کر دیتے اور تم ہمیں اس سے نفرت دلاتے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قول بہت اچھا ہے کیونکہ دین کے واسطے سے خیر اور شر کی پہچان ہوا کرتی ہے یمن، دین کے معنی میں ہے یعنی تم ہمارے سامنے گمراہی کو مزین کر کے پیش کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یمن کا معنی قوت ہے یعنی تم ہمیں قوت، غلبہ اور قہر سے روک دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ (صافات) یہاں یمن قوت کے معنی میں ہے اور انسان کی طاقت اس کی قسم میں ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

اِذَا مَا رَاَيْتُ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِينِ (3)

جب کوئی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا جاتا ہے عرابہ اسے بڑی قوت کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: تم ہمارے پاس حق کے راستہ سے آتے تھے اور یہ ظاہر کرتے کہ حق تمہارے ساتھ ہے (4)۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 45

2۔ ایضاً

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 470

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 46

۵۔ جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة باب ما جاء في شان الحساب، حدیث نمبر 2343، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



انہوں نے کہا بلکہ تم تو مومن ہی نہ تھے یہ شیاطین کا ان لوگوں کے حق میں ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رؤساء کا قول ہے یعنی تم تو کبھی بھی مومن نہ تھے کہ ہم تمہیں ایمان سے کفر کی طرف منتقل کرتے بلکہ تم تو کفر پر ہی تھے اور اس کے ساتھ مانوس ہوئے اور عادت کی وجہ سے اسی پر قائم رہے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اور حق کو ترک کرنے میں ہمیں تم پر کوئی غلبہ نہ تھا۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝ بلکہ تم گمراہ اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ہم پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہو گیا۔ یہ بھی پیروکاروں کا قول ہے یعنی ہم پر اور تم پر ہمارے رب کا حکم ثابت ہو گیا ہم میں سے ہر ایک عذاب چکھنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے اور رسولوں کی زبانوں سے ہمیں خبردار کیا ہے: لَا صَلٰتَ لَكُمْ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْعِلِيْنَ ۝ (ص) یہ حدیث کے موافق ہے ”اللہ تعالیٰ نے جہنم کے اہل لکھ دیئے ہیں اور جنت کے اہل لکھ دیئے ہیں نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی“۔ فَاَعُوْذُ بِكُمْ پس جس کفر پر تم تھے ہم نے اسے ہی تمہارے لیے مزین کر کے پیش کیا تھا۔ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝ ہم تو دوسوہ اور استدعاء کر کے گمراہ کیا کرتے تھے پھر ان سب کے بارے میں خبر دی کہ اس روز گمراہ اور گمراہ کرنے والے عذاب میں شریک ہوں گے ہم مشرکوں کے ساتھ اسی قسم کا فعل کرتے ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں یہاں قول مضر ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ ان کی خبر ہے اور کان ملغا ہے جب نبی کریم ﷺ نے ابوطالب کی وفات اور قریش کے اجتماع کے موقع پر کہا: قولا لا اله الا الله تسلكوا بها العرب وتدين لكم بها العجم، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو اس کلمہ کے واسطے سے تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا اور اس سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت ابویرہرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا تو فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَبِيْئَةَ الْحَبِيْئَةُ الْجَاهِلِيَّةُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهِٖ وَاَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَاَلَزَمَهُمْ اَحْسَنَ بِهَا وَاَهْلَهَا (فتح: 26) کلمہ تقویٰ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے مشرکوں نے حدیبیہ کے موقع پر اس سے تکبر کا اظہار کیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے صلح کی مدت کے حوالے سے یہ کلمہ لکھوایا تھا اس خبر کو بیہقی نے ذکر کیا ہے اور اس سے قبل کوثری نے ذکر کیا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّا لَتٰرِكُوْا الْاِلٰهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَذٰآئِقُوْا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَا مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

”اور کہتے ہیں: کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔ اے مجرمو! تم ضرور چکھو

گے دردناک عذاب کو اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسکا جو تم کیا کرتے تھے البتہ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

کیا ہم شاعر و مجنوں کے کہنے سے اپنے معبودوں کو ترک کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قول کو رد کر دیا۔ حق سے مراد قرآن اور توحید ہے بلکہ وہ تو قرآن لایا اور توحید کا سبق دیا اور رسول جو توحید کا پیغام لائے تھے ان کی تصدیق کی انکم لذائقوا العذاب الالیم تم عذاب الیم چکھنے والے ہو۔ لَذَآئِقُوا اصل میں لَذَاتِقُون تھانوں استخفاف کے لیے حذف کر دی گئی اور اضافت کی وجہ سے مابعد کو العذاب الالیم کسرہ دیا گیا۔ اس میں نصب پڑھنا بھی جائز ہے جس طرح سیبویہ نے شعر کو پڑھا:

فَالْفَيْتُهُ غَيْرَ مُسْتَعْتَبٍ وَلَا ذَاكِرٍ اللَّهُ إِلَّا قَلِيلًا

”میں نے اسے پایا کہ وہ رضامندی کا طالب نہیں تھا اور وہ اللہ کا ذکر بھی تھوڑا کرتا تھا“ سیبویہ نے اس وجہ سے والمقیسی الصلاة کو جائز قرار دیا ہے۔ اور تم جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہو اس کا ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا اِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ جو عذاب چکھتا ہے اس سے یہ مستثنیٰ ہیں۔ اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی قراءات المخلصین یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت، اپنے دین اور اپنی دوستی کے لیے خالص کر لیا ہے باقی قراء نے اسے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا جنہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی اسے مجرمو! تم عذاب کا ذائقہ چکھنے والے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے عذاب نہیں چکھیں گے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۖ فَوَاكِهِ ۖ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ۚ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۚ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّتَقَابِلِينَ ۚ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَا۟سٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۚ بَيِّضًا ۖ لَّدُنَّا لِلشَّرِّ بَيْنٌ ۚ لَا فِيهَا غَوْلٌ ۚ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۚ وَعِنْدَهُمْ قُصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ۚ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ۚ

”وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا اور وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے زرنگار پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے دودھ سے زیادہ سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لیے نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (عورتیں) گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈوں کی مانند گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔“

لَهُمْ سے مراد مخلصین ہیں یعنی ان کے لیے معلوم عطیہ ہے جو ختم نہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد جنت کا رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ پھل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ اس کی خواہش کریں گے۔ ابن سائب نے کہا: یہ صبح اور شام کے کھانے کی مقدار کے مطابق ہوں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا (مریم) فواکہ یہ فاکہ کی جمع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَمْدَدُ لَهُمْ بِفَاكِهَةٍ

(طور: 22) اس سے مراد سب پھل ہیں وہ تر ہوں یا خشک ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے درجات کی بلندی، کلام کے سننے اور اس کی ملاقات کے ذریعے اکرام ہے۔ جنات نعیم سے مراد ایسے باغات ہیں جن میں وہ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جنتیں سات ہیں۔ سورہ یونس میں ان کا ذکر ہو چکا ہے، ان میں سے نعیم بھی ہے۔

عکرمہ اور مجاہد نے کہا: وہ باہمی تعلق اور باہمی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: پلنگ جس طرح وہ چاہیں گے گھومتے پھریں گے ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایسے پلنگوں پر ہوں گے جن پر موتیوں، یاقوت اور زبرجد کے تاج ہوں گے چار پائی صنعاء سے جابیہ تک ہوگی اور عدن سے ایلہ تک ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک منزل کے اہل پر وہ گھومتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانوں کا ذکر کیا تو ان کے مشروبات کا بھی ذکر کیا۔ اہل لغت کے نزدیک کاس سے مراد وہ برتن ہے جس میں مشروب بھی ہوا اگر وہ برتن مشروب سے خالی ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی کاس کا ذکر ہے اس سے مراد شراب ہے۔ عرب اس برتن کو کاس کہتے ہیں جس میں شراب ہو جب اس میں مشروب نہ ہو تو اسے اناء اور قدح کہتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل لغت میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب پیالے کو اس وقت کاس کہتے ہیں جب اس میں شراب ہو، جب اس میں شراب نہ ہو تو اسے قدح کہتے ہیں جس طرح دسترخوان پر جب کھانا ہو تو اسے ماندہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا نہ ہو تو اسے ماندہ نہیں کہتے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: اسی سے طعینہ کا لفظ ہے جب ہودج میں عورت ہو۔ زجاج نے کہا: بچائیں قن قن عین ⑤ سے مراد ہے کہ شراب یوں جاری ہوگی جس طرح چشمے زمین پر جاری ہوتے ہیں۔ معین سے مراد وہ جاری پانی ہے جو ظاہر ہے بیضاء یہ کاس کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد شراب ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ زجاج نے کہا: لذۃ سے مراد ذات لذۃ ہے تو مضاف کو حذف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اصل میں مصدر ہے جسے اسم بنادیا گیا ہے یعنی وہ سفید اور لذیذ ہوگی، یوں قول کیا جاتا ہے: شراب لذۃ، شراب لذیذ، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: نبات غض، غضیض۔

جہاں تک شاعر کا شعر ہے:

وَلِذَی کَطَعِیْمِ الضَّخْدِی تَرْکُثَہُ بِأَرْضِ الْعِدَا مِنْ خَشِیَةِ الْحَدَثَانِ (1)

کتنی ہی نیندیں ہیں جو صرخدی شراب کی مانند تھیں جن کو میں نے دشمن کے علاقہ میں حادثہ کے ڈر سے ترک کر دیا۔

یہاں لذ سے مراد نیند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے انہیں اپنے قدموں سے پامال نہیں کیا۔

اس جنت میں ان کی عقلیں خراب نہ ہوں گی؛ یہ قول کیا جاتا ہے: الخمر غول للحم والحراب غول للنفوس یعنی شراب لحم کو ختم کر دیتی ہے اور جنگ نفوس کو تباہ کر دیتی ہے؛ یہ قول بھی کیا جاتا ہے: نَزَفَ الرَّجُلُ يُنْزَفُ فَهُوَ مَنْزُوفٌ وَنَزِيفٌ یہ اس وقت کہتے ہیں جب اسے نشہ ہو جائے۔ امرء القیس نے کہا:

وَإِذَا هِيَ تَشَى كَمَشَى النَّزْ يَفْ يَصْرَعُهُ بِالْكَشِبِ الْبَهْزُ

جب وہ مدہوش کی چال کی طرح چلتی ہے تو چھوٹے ٹیلے پر سانسوں کا انقطاع اسے گرا دیتا ہے۔

بعد والے شعروں میں بھی نزیف اسی معنی میں ہے:

نَزِيفٌ إِذَا قَامَتْ لَوَجْهٍ تَسَابِلَتْ تُرَاثِي الْفَوَادَ الرَّحْضَ إِلَّا تَخْتَرَا

فَلَشْتُ فَاهَا آخِذَا بَقَرْدَنَهَا شُرْبُ النَّزِيفِ بَبَرْدِ مَاءِ الْحَشْرِجِ (1)

حمزہ اور کسائی نے زاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ انزف القوم سے مشتق ہے جب ان کے نشہ کا وقت ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: احصد الزرع جب فصل کاٹنے کا وقت ہو گیا۔ أَقْطَفَ الْكُرْمُ جب انگور کی بیلوں کو کاٹنے کا وقت آ گیا، اَرَكَبَ السَّهْرُ جب ان پر سوار ہونے کا وقت ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اپنی شراب کو ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کی عادت ہے یہ جملہ یوں بولا جاتا ہے: انزف الرجل، فهو منزوف یہ اس وقت کہتے ہیں: جب اس کی شراب ختم ہو جائے۔ خطیہ نے کہا:

لَعَنِي لَنْ أَنْزَفْتُمْ أَوْصَحَوْتُمْ لِبُسِّ الثَّدَامَى كُنْتُمْ آلَ أَبَجَرَا (2)

میری زندگی کی قسم! اگر شراب کو ختم کر دو یا تم ہوش میں آ جاؤ تو تم کتنے برے شرابی ہو اے آل ابجر۔

نحاس نے کہا: پہلی قراءت معنی میں زیادہ واضح ہے اور صحیح ہے کیونکہ جلیل القدر مفسرین کے نزدیک يُنْزَفُونَ کا معنی ہے ان کی عقلیں ختم نہیں ہوتیں، ان مفسرین میں سے مجاہد بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب سے ان آفات کو ختم کر دیا جو دنیا میں شراب کی وجہ سے سردرد اور نشہ وغیرہ کی صورت میں پہنچتی ہیں۔

يُنْزَفُونَ کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے: انزف الرجل جب اس کی شراب ختم ہو جائے، یہ بعید ہے کہ جنت کی شراب کی یہ صفت ذکر کی جائے لیکن مجازی معنی اس کا یہ ہے کہ یہ اس معنی میں ہے کہ وہ کبھی بھی ختم نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا ينزفون کا معنی ہے انہیں نشہ نہیں ہوگا؛ یہ معنی زجاج اور ابوعلی نے ذکر کیا ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نشہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے قبل لَا فِيهَا غَوْلٌ ہے یعنی ان کی عقلوں میں خلل نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں تکرار آتا ہے ہاں سورہ واقعہ میں یہ معنی کرنا درست ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہے لَا فِيهَا غَوْلٌ وہ مریض نہ ہوں گے تو معنی ہوگا نہ انہیں نشہ ہوگا اور نہ ان کی شراب ختم ہوگی۔ قتادہ نے کہا: غول کا معنی پیٹ کا درد ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے لَا فِيهَا غَوْلٌ کا یہ معنی نقل کیا ہے اس میں پیٹ درد نہیں ہوگا (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا یہ قول حضرت ابن عباس



بنیٰ بنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے اس میں کوئی سرور نہیں ہوگا (1)۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں۔ نشہ، سرور، قی اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور ان خصلتوں سے اسے پاک قرار دیا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بیماری ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ کلبی نے کہا: غول کا معنی گناہ ہے (3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۖ (واقعہ) شعبی، سدی اور ابو عبیدہ نے کہا: وہ ان کی عقلوں میں خلل نہیں ڈالے گی کہ انہیں لے ہی جائے (4)؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وما زالت الكأس تغتالنا وتذهب بالاول الاول

لگا تار جام ہماری عقلوں کو مٹل ہی کرتا رہا اور ایک ایک کر کے انہیں بچھاڑتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے نشہ کو دور کر دیا ہے تاکہ جنت میں ان کے لیے جو نعمتیں ہیں ان سے لذت کا حصول ان سے منقطع نہ ہو۔ علماء معانی نے کہا: غول سے مراد ایسا فساد ہے جو خفیہ طریقہ سے لاحق ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: اغتالہ اغتالاً جب اس پر معاملہ خفیہ طریقہ سے فاسد ہو جائے، اسی سے غول اور غیلہ ہے جس کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے قتل کرنا۔ ان کے پاس ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظروں کو اپنے خاوند تک محدود رکھیں گی وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھیں گی؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، محمد بن کعب، اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: قَصَصَاتِ الظُّرُفِ کا معنی ہے وہ اپنے خاوند پر محبوس ہوں گی۔ پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے کیونکہ آیت میں لفظ مقصورات نہیں لیکن دوسری جگہ مقصورات ہے جس کی وضاحت آئے گی۔ قاصرات یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قد اقتصر علی کذا جب وہ اسی پر قناعت کرے اور غیر سے رخ پھیر لے۔ امرء القیس نے کہا:

من القاصراتِ الظُّرُفِ لودبَتْ مُحُولٌ من الذَّرِّ فَوَقَّ الإِثْب منها لَأَثَرًا

ایسی عورتوں میں سے ہیں جو اپنی نظروں کو محدود رکھتی ہیں اگر انتہائی باریک چوٹی بھی ان کی قمیص پر ریگے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ شعر میں فوق الاتب کی جگہ فوق الحذم روی ہے۔ اتب کا معنی قمیص ہے، محول کا معنی چھوٹی چوٹی ہے۔ مجاہد نے بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے وہ دوسری بیویوں پر غیرت نہیں کرتیں بلکہ وفادار و تابعدار ہیں۔

عین اس سے مراد بڑی آنکھوں والی ہیں اس کا واحد عیناء ہے؛ یہ سدی نے کہا: مجاہد نے کہا عین کا معنی ہے وہ خوبصورت آنکھوں والی ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی سیاہی بھی شدید ہے۔ پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل عین جس کی آنکھ کھلی ہو آنکھ واضح ہو۔ اس کی جمع عین آتی ہے اس کی اصل فعل ہے تو عین کو کسرہ دیا گیا تاکہ یاء کو واو سے نہ بدل دیا جائے، اسی سے ایک لفظ عین ہے وحشی گائے کو کہتے ہیں اور اسی طرح کہتے ہیں: الشور عین والبقرہ عیناء۔

مُكْنُونٌ کا معنی محفوظ ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن زید نے کہا: ان عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں (5) سے تشبیہ دی گئی

ہے شتر مرغ جسے ہوا اور غبار سے پروں میں چھپائے رکھتا ہے اس کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے یہ عورت کے رنگوں میں سے سب سے زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور سدی نے کہا، ان عورتوں کو انڈے کے بطن سے تشبیہ دی قبل اس کے کہ ان کا چھلکا پھاڑا جائے اور ہاتھ سے مس کریں (1)۔ عطا نے کہا: ان عورتوں کو اس جھلی سے تشبیہ دی جو اوپر والے پردے اور انڈے کے مغز کے درمیان ہوتا ہے (2)۔ ہر شے کا سخاہ اس کا چھلکا ہوتا ہے اس کی جمع سخا ہے؛ یہ جوہری نے کہا، اسی کی مثل طبری کا قول ہے کہا: یہ رقیق پردہ ہے جو انڈے کے اوپر ہوتا ہے اس کی مثل نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ عرب عورتوں کو صفائی اور سفیدی میں انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ امرء القیس نے کہا:

بَيْضَةُ خَذِرٍ دَلِيلَامُ خِبَائِهَا

کتنے ہی پردے کے انڈے ہیں (عورتیں ہیں) جنکے خیمہ کا قصد نہیں کیا جاتا۔

عرب جب کسی چیز کی حسن و نظافت میں صفت بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: کأنه بيض النعام المغطى بالريش ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکنون سے مراد ہے جو توڑنے سے محفوظ ہو، یعنی وہ کنواری ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیض سے مراد موتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَخُورٌ عَيْنٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ (واقعہ) یعنی جو سیپوں میں ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:-

هِيَ بَيْضَاءُ مِثْلُ لَوْلُؤَةِ الْغَوَاصِ مِيَزَتْ مِنْ جَوْهَرِ مَكْنُونِ (3)

وہ غواص کے موتی کی طرح سفید ہے جسے جوہر مکنون سے الگ کیا گیا ہو۔

مَكْنُونٌ کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ بیض جمع ہے کیونکہ صفت کو لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۝  
يَقُولُ أَهْلَكَ لَمَنِ الْمُصَدِّقِينَ ۝ إِذَا مِثْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۝ إِنَّا  
لَمُتُّنَا ۝ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ ۝ فَأَطْلَعَ قَرَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ قَالَ  
تَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَتُرَدِّينَ ۝ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ ۝ أَفَمَا  
نَحْنُ بِمَبْتَلَيْنَ ۝ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَدِّيَيْنَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ۝ لِيُثَلَّ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ۝

”پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا وہ مجھے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت پر ایمان لانے والوں میں سے ہے، کیا جب

ہم مریں گے اور مر کر مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائی گی؟ ارشاد ہوگا: کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا: بخدا! تو تو مجھے ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ جنتی کہے گا: کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں اب عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

وہ آپس میں گفتگو شروع کر دیں گے جو دنیا میں ہوا کرتی تھی۔ یہ جنت میں ان کے حد درجہ انس کا اظہار ہے اسکا عطف یُکَافُ عَلَیْہُمْ کے معنی پر ہے معنی یہ بنے گا وہ پیس گے اور شراب پر باہم گفتگو کریں گے جس طرح شراب نوشوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وما بقیث من اللذاتِ إلا أحادیثُ الکرامِ علی المدامِ (1)

لوگوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر یہ کہ کریم لوگ شراب پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور جو اچھی یا بری صورت حال گزری ہوگی اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے مگر اسے ماضی کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا خبر دیتے وقت معمول ہے۔

ایک جنتی کہے گا: میرا ایک دوست تھا وہ کہتا تھا تو دوبارہ اٹھائے جانے اور جزا کی تصدیق کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرینہ سے مراد اس کا ساتھی ہے۔ سورہ کہف میں ان کا ذکر، ان کا قصہ اور ان کے ناموں میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے فرمان: اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا ثَلَاثَ جُلُودٍ (کہف: 32) کے تحت گزر چکا ہے ان دو کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۖ يَقُولُ أَهٰنَكَ لَمَنِ الْمَصَدِّقَيْنِ ۖ ۝۳۱ ؕ إِذَا مَثَلْنَا ۖ كُنَّا شُرَابًا وَعِظَامًا ؕ إِنَّا لَمَدِينُونَ ۝۳۲ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ ۖ ۝۳۳ قَالُوا قَرَأَهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۖ ۝۳۴ قَالَ تَاللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لَأُتْرَدِ ۖ ۝۳۵ وَلَا نِعْمَةَ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝۳۶

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان دوست ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا وسوسہ پیدا کرتا تھا اسے أَهٰنَكَ لَمَنِ الْمَصَدِّقَيْنِ ۖ بھی پڑھا گیا ہے؛ اسے علی بن کیسہ نے سلیم سے وہ حمزہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہاں اسے الْمَصَدِّقَيْنِ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں صدقہ کا کوئی معنی نہیں۔

قشیری نے کہا: حمزہ کی قراءت میں اِنَّكَ لَمَنِ الْمَصَدِّقَيْنِ ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ تصدیق سے ہے تصدیق سے نہیں جبکہ اعتراض باطل ہے کیونکہ قراءت جب نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے معنی یہ بنے گا تو ثواب کی طلب کے لیے مال کا صدقہ کرنے والا ہے۔

کیا جب ہم مرجائیں گے مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہمیں بدلہ دیا جائے گا یعنی موت کے بعد ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں سے فرمایا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن جنت میں اپنے مومن بھائیوں سے کہے گا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہوتا کہ ہم دیکھیں تو سہی اس دوست کا کیا حال ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے اور **هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ** ⑤۱ استفہام نہیں یہ تو امر کے معنی میں ہے یعنی جھانکو: یہ ابن عربی اور دوسرے لوگوں کا نقطہ نظر ہے، اس معنی میں ہے جب شراب کے حکم والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا پھر کہا: اے میرے رب! شراب کے بارے میں ایسا حکم نازل فرما جو اس سے بھی زیادہ واضح ہو تو **فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ** ⑤۲ (ماندہ) نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: اے ہمارے رب! ہم رک گئے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ** ⑤۱ مشد نہیں اور **فَاطْلِعْ** پڑھا یعنی ہمزہ قطعی ہے اور طاء مخففہ ہے معنی ہوگا **هل انتم مقبلون فاقبل**۔ نحاس نے کہا: **فاطلع** فراء میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فعل مستقبل ہے اس کا معنی پس میں جھانکوں گا، تو یہ استفہام کے جواب میں ہونے سے منصوب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے تو **اطلع** اور **اطلع** ایک ہے۔ زجاج نے کہا: **طلع**، **اطلع** اور **اطلع** سب کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بھی حکایت بیان کی گئی ہے **هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ** ⑤۲ یعنی نون مکسور ہے۔ ابو حاتم اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ سراسر غلط ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں نون اور اضافت کو جمع کر دیا گیا ہے اگر یہ مضاف ہوتا تو یہ ہوتا **هل انتم مطلق** اگرچہ سیبویہ اور فراء نے اس کی مثل حکایت بیان کی ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

**هُمُ الْقَاتِلُونَ الْخِيَمَةَ وَالْمُرُوءَةَ** وہ بھلائی کی بات کہنے والے اور اس کا حکم دینے والے ہیں۔

فراء نے **والفاعلونہ** پڑھا۔ سیبویہ نے اکیلے یہ پڑھا: **ولم يترفق والناس مختصرونہ محل استدلال محتصر ونہ** ہے۔ یہ شاذ ہے اور کلام عرب سے خارج ہے۔ جو اس قسم کا کلام ہے اس کے ذریعے کتاب اللہ میں استدلال نہیں کیا جاسکتا اور یہ کلام فصیح میں داخل بھی نہیں۔

اس کی توجیہ میں ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسم فاعل کو فعل مضارع کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب ہے پس **مُطْلِعُونَ** کو **يُطْلِعُونَ** کے قائم مقام رکھا: یہ ابو الفتح عثمان بن جنی نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا: **اقائلن احضر والشهودا** کیا تم یہ کہو گے گواہوں کو حاضر کرو۔ محل استدلال **اقائلن** ہے جو **اتقولن** کے معنی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ** ⑤۱ **فَاطْلِعْ قَرَأَهُ** کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جنت میں ایک روشن دان ہے جنتی جس سے جہنم اور جہنمیوں کو دیکھیں گے۔

ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے اس میں کعب نے بھی ذکر کیا ہے کہا: جنت اور دوزخ میں ایک روشن دان ہے جب کوئی



مومن ارادہ کرتا ہے کہ اس دشمن کو دیکھے جو دنیا میں اس کا دشمن تھا تو وہ اس روشن دان سے جھانکے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاطْلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ** ③، **سَوَاءِ الْجَحِيمِ** سے مراد جہنم کا وسط ہے جبکہ کانٹے دار پودے اس کے ارد گرد ہوں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعبت حتی انقطع سوائی میں تھکا یہاں تک کہ میری کمر ٹوٹ گئی، یہاں بھی سواء سے مراد وسط ہے۔

قتادہ سے مروی ہے کہ بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ اس جہنمی کی اس جنتی کو پہچان نہ کرائے تو وہ اسے نہ پہچان سکے گا اس کا رنگ اور اس کی حالت بدل جائے گی (1) اس موقع پر وہ کہے گا: **تَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَتُزَوِّجُنِي** ④ اس میں ان مشغلہ سے مخففہ ہے یہ کاد پر اسی طرح داخل ہے جس طرح کان پر داخل ہے اسی کی مثل **اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا (الفرقان: 42)** ہے لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی جہنم میں حاضر ہوتا۔ کسائی نے کہا: لتزدین کا معنی ہے تو مجھے ہلاک کر دیتا۔ الردی کا معنی ہلاکت ہے مبرد نے کہا: اگر کہا جاتا **لَتُزَوِّجُنِي** یعنی تو ضرور مجھے آگ میں گرا دیتا تو یہ بھی جائز تھا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عصمت اور اسلام کا حلقہ مضبوطی سے پکڑنے کی اور برے دوست سے براءت کی توفیق مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں جہنم میں ہوتا۔ لولا کا مابعد سیبویہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے **لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ** ⑤ فراء نے کہا: تو میں بھی جہنم میں تمہارے ساتھ حاضر ہوتا۔ احضر کا لفظ صرف شر میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (2)۔

**بَيِّنَتَيْنِ** کو بے اثبتین بھی پڑھتے ہیں افسانہ مزہ استفہام کے لیے ہے جو فاء عاطفہ پر داخل ہے معطوف اس کا محذوف ہے اس کا معنی ہوگا: کیا ہم ہمیشہ رہیں گے، نعمتیں دیئے جاتے رہیں گے، ہمیں موت نہ آئے گی اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا **اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُولٰٓئِیَہِ** یہ استثناء ہے یہ پہلی کلام سے استثناء نہیں۔ موتہ سے مصدر ہے کیونکہ یہ موصوف ہے یہ جنتیوں کی فرشتوں کے سامنے گفتگو ہوگی موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اے جنتیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں اور اے جہنمیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کی گفتگو تجدیث نعمت کے طور پر ہوگی کہ وہ نہ مریں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی یہ ہماری حالت اور ہماری صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن کی کافر کے لیے گفتگو ہوگی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا اور موت صرف دنیا کی ہی موت ہے جنت میں جو کچھ ہوگا مومن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گا: **اِنَّ هٰذَا الْهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ⑥ ہو مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اور جملہ انکی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر فصل ہے۔

**لِيُثَلِّیْ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَمَلُوْنَ** ⑦ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مومن کا کلام ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں جو کچھ تیار کیا اور جو کچھ اسے عطا کیا جب اسے دیکھا تو یہ کہا کہا: **لِيُثَلِّیْ هٰذَا** سے مراد عطا اور فضل ہے **فَلْيَعْمَلِ الْعَمَلُوْنَ** یہ اسی کی

مثلاً ہے جو کافر نے اسے کہا: اَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ⑩ (الکہف) یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہو۔ ایک قول یہ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل دنیا کے لیے قول ہے یعنی جنت میں جو خیرات اور جزا ہے اس کو تم نے سنا تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یوں ہوگی فلیعمل العاملون لمثل هذا۔

اگر کوئی سوال کرے: عربی زبان میں فاء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد والا اول کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس کی بعد والے کو پہلے کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ تقدیم تاخیر کی طرح ہے کیونکہ حروف جارہ اور ان کے مابعد کا حق یہ ہوتا ہے کہ وہ متاخر ہوں۔

أَذْلِكَ خَيْرٌ لَّا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ⑪ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ⑫ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ⑬ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ⑭ فَإِنَّهُمْ لَا يَكُونُ مِنْهَا فَمَا يَأْكُلُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ⑮ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَيِّيمٍ ⑯ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ⑰

”بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لیے۔ یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہہ میں، اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جہنم کی طرف۔“

أَذْلِكَ خَيْرٌ یہ مبتدا اور خبر ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: نَزَّلْنَا اسکا بیان ہے اسکا معنی ہے کیا جنت کی نعمتیں بہترین ضیافتیں ہیں یا زقوم کا درخت بہترین ضیافت ہے؟ نزل لغت میں اس رزق کو کہتے ہیں جس میں وسعت ہو۔ نحاس نے کہا: اسی طرح النزل اور نزل ہے مگر یہ بھی جائز ہے کہ نزل بھی اس کی ایک لغت ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں یہ نزل ہو اس سے یہ جملہ ہو اقیم للقوم نزلہم قوم کے لیے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کا اشتقاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وہ غذا ہے جو اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ وہ پڑاؤ کرتے اور اس ہی میں مقیم رہتے۔ سورہ آل عمران کے آخر میں یہ گزر چکا ہے۔ شجرة الزقوم یہ تزقم سے مشتق ہے یہ مشقت کے ساتھ نکلنا ہے کیونکہ وہ ناپسندیدہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

مفسرین نے کہا: یہ جہنم کی لپک کے ساتھ اسی طرح زندہ رہتا ہے جس طرح درخت پانی کی ٹھنڈک کے ساتھ زندہ رہتا ہے جو اس کے اوپر والے حصے میں رہتے ہیں ان جہنمیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی طرف نیچے اتریں اور اس سے کھائیں اسی طرح جو اس سے نیچے والے حصے میں رہتے ہیں وہ اس کی طرف اوپر چڑھیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد دنیا کا درخت ہے جسے عرب پہچانتے ہیں یا نہیں پہچانتے (1)؟ اس کے بارے

میں دو قول ہیں: (1) یہ وہی درخت ہے جو دنیا میں معروف ہے۔ جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان میں بھی اختلاف ہے۔ قطرب نے کہا: یہ سخت کڑوا درخت ہے جو تہامہ میں ہوتا ہے اور خبیث ترین درخت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ قاتل نبات ہے۔ (2) دنیا کے درختوں میں یہ معروف نہیں۔ جب زقوم کے درخت کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی تو قریش نے کہا: ہم تو اس درخت کو نہیں پہچانتے تو افریقہ کا ایک آدمی ان کے پاس آیا قریش نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: ہمارے نزدیک تو اس سے مراد مکھن اور کھجور کے مجموعے کو کہتے ہیں تو ابن زبیری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم کی کثرت کرے۔ ابو جہل نے اپنی لونڈی سے کہا: ہمیں زقوم کھلاؤ تو وہ اس کے پاس مکھن اور کھجور لے آئی پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: زقوم سے لطف اندوز ہو یہ وہ چیز ہے جس سے ”محمد“ ہمیں ڈراتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ آگ درخت کو اگاتی ہے جبکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔

فِتْنَةٌ لِّلظَّالِمِينَ ۝۳۱ میں ظالمین سے مردشرکین ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے؟ یہ بحث سبحان کے لفظ کے ضمن میں گذر چکی ہے انہوں نے اس کو خفیف اسی طرح جانا تھا جس طرح انہوں نے عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝۳۰ (المدثر) کو خفیف جانا تھا وہ کیا معاملہ ہے جس نے اس عدد کو خاص کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا تھا میں اتنوں کو تو تمہاری طرف سے کافی ہوں باقی کو تم میری طرف سے کافی ہو جانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا (مدثر: 31) فتنہ کا معنی آزمائش ہے ان کی طرف سے یہ قول سراسر جہالت تھی کیونکہ عقلاً ایسا محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ آگ میں اس کی جنس سے ایسا درخت پیدا کرے جسے آگ نہ کھاتی ہو جس طرح جہنم میں اللہ تعالیٰ بیڑیاں، طوق، سانپ، بچھو اور جہنم کے داروغے پیدا فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تعجب جس طرح کفار کو ہوا تھا اسی طرح اس وقت ملاحدہ کو بھی ہے یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو انہوں نے ایسی نعمت اور عقاب پر محمول کیا ہے جس میں روہیں داخل ہوتی ہیں انہوں نے اعمال کے وزن کرنے، صراط، لوح اور قلم کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو انہوں نے خود اپنے دلوں میں تصور کیے نہ کہ ان کی وہ تعبیر کرتے ہیں جو مسلمان شرعی دلائل سے سمجھے ہیں۔ جب صادق و امین کی خبر ایسی چیز کے بارے میں وارد ہو جس کا عقل و ہم ہی کر سکے تو اس کی تصدیق واجب ہے اگرچہ یہ جائز ہو کہ اسکی کوئی تاویل کی جاسکے پھر ایسی تاویل باطل ہوگی جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ تاویل باطل ہے مسلمان ان اشیاء کو حاصل ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اسے باطن کے علم کی طرف نہیں پھیرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظالمین کے لیے سزا ہے جس طرح فرمایا: ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۚ هَٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِہِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝۳۱ (ذاریات)

أَصْلُ الْجَحِيمِ ۝۳۲ سے مراد جہنم کی گہرائی ہے یہاں سے ہی یہ جہنم لے گا پھر یہ جہنم میں پھیل جائے گا۔ طلوع سے مراد اسی کا پھل ہے۔ پھل کو طلوع کا نام اس لیے دیا کیونکہ یہ طلوع کرے گا۔

رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۝۳۳ سے مراد شیاطین کی ذاتیں ہیں ان کی قباحت کی وجہ سے ان پھلوں کو رءوس سے تشبیہ دی گئی شیاطین کے سروں کا تصور نفوس میں ہی ہوگا اگرچہ وہ دکھائی نہ دیں گے اس معنی میں عربوں کا قول یہ ہے کہ ہر فتنے کے لیے وہ یہ

کہتے ہیں: ہو کصورۃ الشیطان اور ہر خوبصورت شے کو کہتے ہیں: ہی کصورۃ السلك اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس نے ان عورتوں کے قول کی حکایت کے طور پر کہا: اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ کَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ (یوسف: 31) یہ تشبیہ تخیلی ہے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس اور قرظی سے منقول ہے اسی معنی میں امراء القیس کا قول ہے:

مَسْنُونَةٌ زُرَّاقٌ کَانِیَابِ اِغْوَالِ

مسنونۃ زہاق سے مراد ایسے تیر ہیں جنہیں تیز کیا گیا ہو البتہ غول (جن بھوت) معروف نہیں لیکن نفوس میں ان کی قباحت متصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَیْطٰنِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (انعام: 112) انسانوں میں سے تو سرکش ایسے شیاطین ہیں جو دکھائی دیتے ہیں حدیث صحیح میں ہے وَلَکَانَ نَخْلَهَا رَعْدُوسِ الشَّیْطٰنِیْنَ (1) گویا اس کی کھجوریں شیاطین کے سر ہیں۔ بہت سے عربوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے شیاطین اور جنوں کو دیکھا ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: شیاطین سے مراد سانپ ہیں جن کے سر اور کلغیاں ہوتی ہیں یہ سانپوں میں سے قبیح ترین، خبیث ترین اور جسموں میں سے سب سے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ راجز نے کہا: عورت کو ایسے سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کی کلغی ہو۔

عَنْجَرٌ تَخْلِفُ حِیْنَ اِحْلَفَ کَشَلِ شَیْطَانِ الْحَصَاطِ اَعْرَفُ

کلغی والی عنجر جو حصاط کے شیطان کی مثل ہے وہ اس وقت قسم اٹھاتی ہے جب میں قسم اٹھاتا ہوں۔

شاعر اپنی اونٹنی کی صفت بیان کرتا ہے:

تُلَاعِبُ مَشْنٰی حَضَرَمِیْ کَاَنَّهُ تَعْتَجُ شَیْطَانِ بَذٰی خِرَدِیْ قَفْرِیْ

تعلعج سے مراد چال میں ٹیڑھا پن ہے، ہم عموماً اس تیر کو کہتے ہیں جو جاتے وقت مڑ جاتا ہے تعجبت الحیة۔ جو چلتے ہوئے مڑ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس قبیح بوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو یمن میں ہوتی ہے جسے استن اور شیطان کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربوں کے ہاں معروف نہ تھا۔ زمخشری نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو کھردرا، کڑوا اور ناپسندیدہ صورت والا ہو۔ اس کے پھل کورءوس الشیاطین کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شیاطین سے مراد سانپوں کی ایسی قسم ہے جو بہت ہی قبیح ہوتی ہے۔

اہل جنت کے مقابلہ میں ان کا یہ کھانا اور پھل ہوگا، سورہ غاشیہ میں آیا ہے لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ صَرِیْعٍ ﴿۱﴾ اس کا ذکر بعد میں آئے گا اس درخت کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا شوب سے مراد آمیزہ ہے شوب اور شوب سے مراد دونوں لغتیں ہیں جس طرح فقر اور فقر ہے اور فتح زیادہ مشہور ہے۔ فراء نے کہا: شاب طعامہ وشرابہ۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ان دونوں کے ساتھ کوئی چیز ملائی جائے اس کا مصدر شوبا اور شیاۃ آتا ہے یہ خبر دی کہ ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کو ملا یا جائے گا حمیم سے مراد گرم پانی ہے تاکہ یہ کھانا ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا



فرمان ہے: **وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ** ⑤ (محمد)

سدی نے کہا: ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ان کی آنکھوں کے پانی انکی پیپ اور ان کے خون کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے زقوم کو کھولتے ہوئے پانی میں ملایا جائے گا تا کہ ان کے لیے زقوم کی کڑواہٹ اور کھولتے ہوئے پانی کی گرمی کو جمع کر دیا جائے مقصود ان کے عذاب میں سختی اور ان کی آزمائش میں جدت پیدا کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ** ⑥ اس امر پر دلالت کرتا ہے جب وہ جہنم کے عذاب کے علاوہ زقوم کو کھالیں گے پھر انہیں جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا: حمیم، حمیم سے باہر ہوگا وہ پانی پینے کے لیے کھولتے ہوئے چشمے پر وارد ہوں گے پھر انہیں جہنم (جحیم) کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ** ⑦ **يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ** ⑧ (رحمن) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مرجعہم کی بجائے منقلبہم پڑھا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں حم کا لفظ واد کے معنی میں ہو۔ قشیری نے کہا: شاید حمیم جہنم کی ایک طرف میں ہو۔

**إِنَّهُمْ أَلَفُوا آبَاءَهُمْ صَالِينَ** ⑨ **فَهُمْ عَلَىٰ آثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ** ⑩ **وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ** ⑪ **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ** ⑫ **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ** ⑬ **إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ** ⑭

”انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جارہے تھے اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے پس (اے مخاطب!) ذرا دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے۔“

یعنی انہوں نے آباء کو گمراہ پایا تو ان کی اقتدا کی تو یہ ان کے پیچھے تیزی سے بھاگے جارہے ہیں؛ یہ قنادہ سے مروی ہے مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ہر دولہ (چال کا انداز) کے انداز میں جارہے ہیں۔ فراء نے کہا: اھواع سے مراد کانپتے ہوئے تیز چلنا۔ ابو عبیدہ نے کہا: یھرعون کا معنی ہے پیچھے سے ان پر مٹی ڈالی جارہی ہوگی اسی کی مثل مبرد کا قول ہے۔ السہوع سے مراد ہے جس کو تیزی سے چلایا جارہا ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: **جاء فلان يهرع الى النار**۔ فلاں آیا اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جایا جارہا تھا یہ اس وقت بولتے ہیں جب سردی اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تیزی کی سختی کی وجہ سے دھتکارا جارہا ہو؛ یہ فضل کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے **هرع و اهرع** جب اسے پیچھے سے تیز چلایا جائے اور دھتکارا جائے۔

**أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ** ⑪ سے مراد ہے سابقہ امتیں۔ **مُنْذِرِينَ** ⑫ سے مراد ہے ایسے رسول جنہوں نے ان لوگوں کو عذاب سے خبردار کیا تھا تو ان لوگوں نے کفر کیا۔ **عَاقِبَةُ** سے مراد ان کے امر کا انجام ہے۔ **عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ** ⑭ سے مراد ہے اللہ

تعالیٰ نے جنہیں کفر سے بچالیا۔ یہ بحث گزر چکی ہے پھر یہ کہا گیا یہ المُنْذِرِینَ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سے مستثنیٰ ہے۔

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكَ لَنَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝

”اور فریاد کرتے ہوئے پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریادرس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی اور ہم نے بنادیا فقط اس کی نسل کو باقی رہنے والا اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو۔“

یہاں ندا سے مراد استغاثہ ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے دعا کی اور یوں عرض کی: تَرَبَّاتٍ لَا تَذُرُّ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ (نوح) ہم کہتے ہی اچھے دعا قبول کرنے والے تھے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ لہٰ کننا ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا چکے تھے جس طرح پہلے گزر چکا ہے ان کی تعداد اسی تھی۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ سے مراد غرق ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلے تو جو مرد اور عورتیں آپ کے ساتھ تھے سب فوت ہو گئے صرف آپ کا بیٹا اور اس کی بیویاں تھیں؛ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ سے یہی مراد ہے۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے (1) لوگ سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں سام عربوں، ایرانیوں، رومیوں، اور یہود و نصاریٰ کے جدا علی ہیں حام کالون کے جدا علی ہیں یہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں جیسے سندھی، ہندی، نوبی، زنجی، حبشی، قبطی اور بربری وغیرہ۔ یافت صقالہ، ترکوں، ابر، خرز، یاجوج اور ماجوج کے جدا علی ہیں۔

ایک قوم نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ بھی نسل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ (بنی اسرائیل: 3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَتِيلَ يُّنُوحًا هَاطِطًا بِسَلِيمٍ وَمِنَّا وَبَرَكْتَ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ

وَأُمَمٌ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَنَاذَرُوا الْيَوْمَ ۖ (ہود) اس معنی پر یہ آیت ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۖ یہ کافروں کی اولاد سے الگ ہیں کیونکہ ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ یعنی ہر قوم میں اس کے لیے ہم نے اچھی تعریف چھوڑی ہے کیونکہ وہ سب کا محبوب ہے یہاں تک کہ مجوسی بھی انہیں کہتے ہیں وہ افریدون ہے؛ یہی معنی مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے گمان کیا ہے اس میں دو تقدیریں ہیں: (1) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ، يقال سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ یعنی ہم نے اس کے لیے اچھی تعریف چھوڑی ہے؛ یہ ابو العباس مبرد کا قول ہے یعنی ہم نے اس پر یہ کلمہ باقی چھوڑا ہے یعنی لوگ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ یہ اس کلام میں سے ہے جس کی حکایت بیان کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُوْرًاۙۤ اَنْزَلْنٰهَا (نور: 1)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ہم نے اس پر باقی رکھا اور گفتگو مکمل ہو گئی پھر کلام نئے انداز میں شروع کی اور کہا سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ یعنی اس کے لیے سلامتی ہے اس چیز سے کہ اس کے بارے میں بعد کے لوگوں میں برا ذکر ہو۔ کسائی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں سلاما منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہے تَرَكَنَا عَلَيْهِ ثَنَاءً حسنا سلاما۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْآخِرِينَ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انبیاء میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا گیا کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں کیا گیا مگر اسے حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا (شوری: 13)

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جو شام کے وقت یہ کہے: سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۖ اسے بچھو نہیں کاٹے گا۔ ابو عمر نے اسے التعمید میں ذکر کیا ہے۔ موطا میں حضرت خولہ بنت حکیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو آدمی کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو وہ یہ پڑھے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“ تو اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کرے گا۔“ اس میں یہ روایت بھی ہے کہ بنو اسلم کے ایک آدمی نے کہا: میں رات سو نہ سکا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کس وجہ سے؟“ عرض کی: مجھے ایک بچھونے ڈس لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خبردار! اگر تو شام کے وقت یہ پڑھے تو تجھے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“ (1)۔

إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ یعنی ہم ان پر اچھی جزا باقی رکھیں گے۔ کاف محل نصب میں ہے یعنی جزاء كَذَلِكَ۔ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ یہ اس کے احسان کا بیان ہے۔

جنہوں نے کفر کیا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ الآخِرِينَ کی جمع آخر ہے ☆ اس میں اصل تو یہ ہے مِنَ الْآخِرِينَ مگر من کو حذف کر دیا کیونکہ معنی معروف ہے۔ آخر کوئی نہیں ہو سکتا مگر اس سے پہلے اس کی جنس میں سے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ثم

☆ عبارت اسی طرح لکھی ہوئی ہے مگر صحیح یہ ہے آخِرِينَ یہ آخر کی جمع ہے۔

1۔ موطا امام مالک، باب ما یؤمر من التعمود، صفحہ 722

یہاں تراخی کے لیے نہیں بلکہ یہ نعمتوں کا شمار کرنے کے لیے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **أَوْ مَسْكِينًا إِذَا مَثَرَهُ ۖ** **لَكُمْ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا (البلد) پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں نے دوسروں کو غرق کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔**

**وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ**  
**مَاذَا تَعْبُدُونَ ۖ أَفَبُغَا إِلَهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۖ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ**  
**فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۖ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۖ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۖ**

”اور ان کی جماعت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدائے اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو؟ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔ جو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف پھر کہا: میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر میلہ دیکھنے چلے گئے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **مِنْ شِيعَتِهِ** سے مراد ہے ان کے دین والے (1)۔ مجاہد نے کہا: اسکا معنی ہے اس کے طریقہ اور سنت پر ہیں (2)۔ اصمعی نے کہا: شیعہ سے مراد حمایتی و مددگار ہیں (3)۔ یہ شیعہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چھوٹی لکڑیاں ہیں جو بڑی کے ساتھ جلائی جاتی ہیں تاکہ آگ روشن ہو۔

کلبی اور فراء نے کہا: معنی ہے حضرت محمد ﷺ کے اعوان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (4)۔ شیعہ میں ضمیر سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ پہلی تعبیر کی صورت میں ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں یہ تعبیر زیادہ نمایاں ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی پہلے ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو نبی تھے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار، چھ سو چالیس سال کا عرصہ ہے؛ یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

قلب سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے۔ عوف اعرابی نے کہا میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونا۔ طبری نے غالب قطان سے، عوف اور دوسرے علماء نے محمد بن سیرین سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حجاج کو کہتے ہیں: ابو محمد مسکین ہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا تو اس کے گناہ کے باعث دے گا اور اگر اسے بخش دے تو اس کے لیے مبارک ہے اگر اس کا دل سلیم ہے تو گناہ تو اسے بھی پہنچے ہیں جو اس سے بہتر تھے۔ عوف نے کہا: میں نے محمد سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت قائم ہونے والی ہے قبروں میں جو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھانے والا ہے۔



ہشام بن عروہ نے کہا: ہمارے والد ہمیں کہا کرتے تھے اے بیٹو! تم لعن طعن کرنے والے نہ ہو جانا، کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی کسی چیز پر لعن طعن نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ ان کا اپنے رب کی طرف آنا (1) اس کی دو صورتیں ہیں: (1) وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی دعوت دیتے تھے (2) جب آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔

اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ مِی اب سے مراد آزر ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ میں ماہبتا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور ذا اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ماذا، تعبدون کی وجہ سے منسوب ہو۔ انفاک یہ مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہے یہ کلام اس معنی میں ہے اتریدون انفاک کیا تم بہتان کا ارادہ کرتے ہو۔ مبرد نے کہا انفاک یہ بہت برا جھوٹ ہوتا ہے۔ یہ وہ جھوٹ ہوتا ہے جو ثابت نہیں ہوتا اور مضطرب رہتا ہے اس سے انتفکت بہم الارض ہے۔ آلہة یہ انفاک سے بدل ہے۔ تریدون کا معنی ہے تم عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو معنی ہو کیا تم بہتان لگاتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہو جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو اس بارے میں کیا گمان ہو گا جبکہ تم نے دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہوگی؟ یہ خبردار کرنا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا غَدَّكَ بِرَبِّكَ الْكَوْنِیْمِ ۝ (انفطار) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کس وجہ سے تم وہم کا شکار ہوئے یہاں تک کہ تم نے دوسروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا دیا؟

ابن زید نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے ہمارے ساتھ چلیے تو آپ علیہ السلام نے ایک طلوع ہونے والے ستارے کی طرف دیکھا فرمایا: یہ ستارہ میری بیماری کے ساتھ طلوع ہوتا ہے (2)۔ علم نجوم ان لوگوں میں استعمال ہوتا تھا اس میں نظر و فکر کی جاتی تھی تو آپ نے انہیں اس طریقہ سے وہم میں مبتلا کر دیا اور ان کے اعتقادات کے باعث اپنے لیے عذر پیش کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ موسیٰ پالتے اور زراعت کیا کرتے تھے یہ دونوں ذریعہ معاش ایسے تھے جن میں ستاروں کی چال میں نظر و فکر کی ضرورت ہوا کرتی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: علم نجوم بھی نبوت میں سے تھا جب اللہ تعالیٰ نے سورج کو حضرت یوشع بن نون پر روک دیا تو اس علم کو باطل کر دیا (3)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں علم نبوی کی حیثیت سے غور کیا تھا۔

جویر نے سخاک سے روایت نقل کی ہے: علم نجوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھا یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی جگہ داخل ہوتے جس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ تھی (4)۔ حضرت مریم نے لوگوں سے پوچھا: تم نے اس کی جگہ کا علم کیسے حاصل کیا؟ تو لوگوں نے بتایا: ستاروں کے ذریعے، اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: اے اللہ! انہیں علم نجوم کا فہم نصیب نہ کرنا تو کوئی بھی علم نجوم کو نہیں جانتا۔ شرع میں اس کا حکم ممنوع ہو گیا اور لوگوں میں اس کا علم مجہول ہو گیا۔ کلبی نے کہا: وہ لوگ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک دیہات میں رہتے جسے ہرمز جرد کہا جاتا وہ ستاروں میں نظر و فکر کیا کرتے تھے: یہ ایک قول ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جب لوگوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ ان کے ساتھ چلیں تو آپ نے اپنے معمولات میں غور و فکر کیا اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو رائے ظاہر ہوئی اس میں غور و فکر کیا تو آپ کو علم ہوا کہ ہر زندہ آدمی بیمار ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا **إِنِّي سَقِيمٌ** میں بیمار ہوں۔ خلیل اور مبرد نے کہا: جبکہ کوئی آدمی کسی چیز میں غور کرتا ہے تو اس آدمی کے لیے کہا جاتا ہے: **نَظَرِي النُّجُومَ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گھڑی جس میں انہوں نے آپ کے ساتھ جانے کو کہا تھا یہ وہ گھڑی تھی جس میں آپ کو بخار نے آلیا تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اشیاء میں سے جو چیزیں ظاہر ہوئیں تو ان میں آپ نے غور و فکر کیا تو آپ کو علم ہو گیا کہ ان کا ایک خالق اور مدبر ہے اور ان میں اسی طرح تبدیلی واقع ہوگی جس طرح ان اشیاء میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو کہا **إِنِّي سَقِيمٌ**۔ ضحاک نے کہا سقیم کا معنی ہے مجھے عنقریب موت کی بیماری لگے گی کیونکہ جس پر موت لکھ دی گئی ہو عموماً وہ بیمار ہوتا ہے پھر وہ مرجاتا ہے۔ یہاں تو یہ اور تعریض کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح آپ نے بادشاہ سے اس وقت کہا تھا: میری بہن ہے جب اس نے سارہ کے بارے میں پوچھا تھا یعنی دینی اخوت ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور ضحاک نے یہ بھی کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے ایسی مرض اور سقیم کا اشارہ کیا جو متعدی ہوتا ہے جس طرح طاعون۔ وہ لوگ طاعون سے بھاگتے تھے وہ اس عدویٰ کے خوف سے آپ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ترمذی حکیم نے یہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے باپ نے روایت کی انہیں عمرو بن حماد نے انہیں اسباط نے انہیں سدی نے انہیں ابو مالک اور ابوصالح نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے۔ سمرہ نے ہمدانی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو ابراہیم نے کہا: ہماری ایک عید ہوتی ہے کاش! تم ہمارے ساتھ نکلتے تو ہمارا طریقہ تمہیں خوش کرتا، جب عید کا دن ہوتا تو وہ لوگ عید کے لیے نکلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ نکلے ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ آپ گر گئے اور فرمایا: میں تو بیمار ہوں، میری ٹانگ میں تکلیف ہے۔ انہوں نے آپ کی ٹانگ پر قدم رکھے جبکہ آپ نیچے گرے پڑے تھے جب وہ آگے چلے گئے تو پیچھے آپ نے آواز دی: **تَاللّٰهِ لَا كَيْدَئِ اَصْنَامُكُمْ** (انبیاء: 57) ابو عبد اللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے جو کچھ کہا تھا یہ اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے لیے دو امر جمع ہو گئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین خلاف واقع باتیں کی ہیں (1)“ سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے جو اس بات پر دال ہے کہ آپ مریض تو نہ تھے آپ نے تعریض سے کام لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِلَهُم مَّيِّتُونَ** (زمر)

اس کا معنی ہے زمانہ آئندہ میں میں مریض ہوں انہوں نے یہ گمان کیا آپ اس وقت بیمار ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ کلام میں تعریض کی صورت ہے اس معنی میں مشہور مثل ہے کفی بالسلامۃ داء، سلامتی بیماری کے طور پر کافی ہے۔ لبید کا

بھی ایک شعر ہے:

فَدَعَوْتُ رَبِّي بِالسَّلَامَةِ جَاهِدًا لِيُصَحِّحَنِي فَإِذَا السَّلَامَةُ دَاعٌ (1)

میں نے کوشش کرتے ہوئے اپنے رب سے سلامتی کی دعا کی تاکہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے کیونکہ سلامتی بھی بیماری ہے۔ ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے اس پر بھیڑ کر لی لوگوں نے کہا: وہ مر گیا ہے جبکہ وہ صحت مند تھا تو ایک بندہ نے کہا: اصحیح مِّنَ الْمَوْتِ فِي عُنُقِهِ۔ کیا وہ آدمی جس کی گردن میں موت ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے تھے مگر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اور وہ چنے ہوئے تھے تو اسے بھی گناہ شمار کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ أَظْلَمُوا أَن يُغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (شعراء) اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد للہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے کفر کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں اضطراب تھا۔ نجوم یہ نجم کی جمع ہے واحد ہو تو اصل میں یہ مصدر ہے۔

فَرَاغَ إِلَى إِلِهِتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۚ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۚ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۚ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ ۚ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْجُونَ ۚ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۚ

”پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا: کیا تم یہ مٹھائیاں نہ کھاؤ گے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں۔ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ رنگ رلیاں منانے کے بعد آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔“

سدی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کی طرف گئے (2)۔ ابو مالک نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام متوجہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: وہ ان کی طرف مائل ہوئے۔ کلبی نے کہا: ان کی طرف آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: راغ کا معنی ہے پھرے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے راغ یردغ رذغ اور رذغ غنا جب وہ جھکا۔ طریق راغ یعنی ایسا راستہ جو ایک طرف جھکا ہوا ہو۔ شاعر نے کہا:

وَيُرِيكَ مِنْ طَرَفِ اللِّسَانِ حَلَاوَةً وَيَرُدُّ عَنْكَ كَمَا يَرُدُّ الشَّعْلُ

وہ زبان کی ایک جانب سے تیرے لیے مٹھاس دکھاتا ہے اور تم سے یوں مکر کرتا ہے جس طرح لومڑی کرتی ہے۔

الَا تَأْكُلُونَ ۚ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یوں خطاب کیا جس طرح عقلاء کو خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ بت پرست بتوں کو عقلاء کا درجہ دیا کرتے تھے اسی طرح: مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۚ میں عقلاء جیسا خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں کے سامنے کھانا پڑا ہوا تھا لوگوں نے وہ کھانا اس کے لیے رکھ چھوڑا تھا تاکہ جب وہ عید سے واپس لوٹیں گے تو وہ

اس کھانے کو کھلائیں گے انہوں نے یہ کھانا اس لیے رکھا تھا تا کہ ان کے اعتقاد کے مطابق کھانے میں بتوں کی برکت حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کھانا بتوں کے خدام کے لیے چھوڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استہزاء کے طور پر وہ کھانا بتوں کے قریب کیا اور کہا: اَلَا تَأْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ (صافات)

فَرَأَوْهُمُ صَرَبًا بِالْيَمِينِ ۝ دائیں ہاتھ سے ضرب کو خاص کیا کیونکہ اس کی ضرب قوی اور سخت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یمن بمعنی عدل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۚ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ (الحاقہ) عدل، یمن کے لیے اور جو شمال کے لیے استعمال ہوتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ دشمنی اور معاصی کا ذکر کرنا ہو تو شمال کا ذکر کرتے ہیں اور طاعت کا ذکر کرنا ہو تو یمن کا ذکر کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ (صافات) یعنی طاعت کے طریقہ پر، یمن عدل کی جگہ ہے اور شمال، ظلم کی جگہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم میثاق کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پس بیعت دائیں ہاتھ سے ہوئی اسی وجہ سے قیامت کے روز کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائیگی کیونکہ اس نے بیعت کا حق ادا کیا بیعت کو توڑنے والے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والے کو بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی کیونکہ وہاں ظلم کا تصور موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَرَأَوْهُمُ صَرَبًا بِالْيَمِينِ ۝ یعنی اس عدل کے ساتھ جس پر یوم میثاق اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پھر اسے یہاں پورا کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جس طرح جذبہ ہے اس سے مراد ستو ہے۔ یہاں یمن قوت کے معنی میں نہیں۔

فَأَقْبَهُوْا إِلَيْهِمْ يُزْفَوْنَ ۝ حمزہ نے پڑھا یُزْفَوْنَ باقی قراء نے یُزْفَوْنَ پڑھا ہے وہ تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے؛ یہ ابن زید نے کہا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: معنی ہے وہ چلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب آرام سے چل رہے تھے، وہ اس سے بے خوف تھے کہ کسی نے ان کے معبودوں کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال میں چلتے ہیں اسی سے زَفِيفُ النِّعَامِ ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ دوڑتے ہیں (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ غصہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تکبر کے انداز میں چلتے ہیں (3)؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے: زَفَافُ الْعُرُوسِ الی زوجھا دلہن کا اپنے خاوند کی طرف ناز و ادا سے چلنا۔ فرزدق نے کہا:

وَجَاءَ قَرِيبُ السُّوْلِ قَبْلَ إِفَالِهَا يَزِفُّ وَجَاءَتْ خَلْقَهُ وَهِيَ زُفُّ

جس نے اسے یُزْفَوْنَ پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا وہ دوسرے لوگوں کو تزخیف پر ابھارتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر مفعول مخدوف ہے۔ اصمعی نے کہا: ازففت الابل میں نے اونٹ کو تیز چلنے پر برا بیخوئے کیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں یوں کہا جاتا ہے: زَفَ الْقَوْمِ وَأَزْفُوا، زَفَفَتِ الْعُرُوسُ أَزْفَتْهَا وَأَزَفَتْهَا۔ سب کا ایک ہی معنی ہے، مزفۃ سے مراد وہ پاکی ہے جس میں دلہن کو لایا جاتا ہے؛ یہ ظلیل سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: یُزْفَوْنَ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا ہے: یہ لغت معروف نہیں جبکہ علماء کی ایک جماعت اس معنی سے آگاہ ہے ان میں فراء بھی ہے اس نے اسے ان



کے اس قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے: اطردت الرجل میں نے اسے دھتکارا گیا بنا دیا۔ طردتہ میں نے اسے ایک طرف کر دیا اس نے اور دوسرے علماء نے یہ شعر ذکر کیا:

تَسْنَى حُصَيْنٌ أَنْ يَسُودَ جِذَاعُهُ فَامَسَى حُصَيْنٌ قَدْ أَذِلَّ وَأَقْهَرَا

حصین نے آرزو کی کہ وہ بنی جزاعہ کا سردار بنے حصین ذلیل کیا گیا اور مجبور کیا گیا ہو گیا یعنی اسے یوں بنا دیا گیا اسی طرح یزفون ہے انہیں جلدی چلنے والا بنا دیا گیا (یعنی باب افعال میں صیروت کا خاصہ پایا جا رہا ہے) محمد بن زید نے کہا: زفیف کا معنی تیز چلنا ہے۔ ابواسحاق نے کہا: زفیف سے مراد چوپائے کے دوڑنے کے آغاز کو کہتے ہیں۔ ابوحاتم نے کہا: کسائی نے یہ گمان کیا ہے کہ ایک قوم نے پڑھا فاقبلوا الیہ یزفون اس وقت یہ وزن یزف سے مشتق ہوگا جس طرح وزن یزن ہے نحاس نے کہا: یہ ابوحاتم کی حکایت ہے اور ابوحاتم نے کسائی سے کوئی چیز نہیں سنی ہے۔ فراء نے کسائی سے سنا کہ وہ یزفون کو مخفف نہیں پہچانتے۔ فراء نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ ابواسحاق نے کہا: ان دونوں کے علاوہ علماء جو اسے پہچانتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: وزف یزف جب وہ تیزی کرے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے یزفون پڑھا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ عبد اللہ بن زید کی قراءت ہے جو مہدوی نے ذکر کی ہے۔ زحشری نے کہا ویزفون مجہول کا صیغہ ہے اور یزفون یہ زفاہ سے مشتق ہے جب وہ اس کے لیے حدی خوانی کرے گویا ان میں سے بعض بعض کے لیے حدی خوانی کرتے ہیں تاکہ وہ سب اس کی طرف جلدی چلیں۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابن سمیع سے یزفون ذکر کیا ہے یعنی یہ راء کے ساتھ ہے یہ رفیف النعام سے مشتق ہے اس سے مراد چلنے اور اڑنے کے درمیان دوڑنے کا عمل ہے۔

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَشْجُونَ ۝ اس کلام میں حذف ہے قالوا من فعل هذا بالهتتا انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ اتَّعْبُدُونَ مَا تَشْجُونَ تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔ نحت کا معنی چھیلنا ہے نحتہ ینحتہ نحتا۔ اسے چھیلنا نحتہ: البرایۃ والینحت۔ جس کے ساتھ چھیلا جائے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ ما محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم بناتے ہو مراد لکڑی، پتھر وغیرہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ (انبیاء: 56) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے اس سے مقصود ان کے عمل کی حقارت بیان کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما نافیہ ہے معنی ہے کہ تم تو انہیں نہیں بناتے بلکہ ان سب چیزوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے زیادہ بہتر ہے کہ ما فعل کے ساتھ مصدر کے حکم میں ہو تقدیر کلام یہ ہو واللہ خلقکم وعلیکم یہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندے کا کسب ہے اس میں قدر یہ اور جبر یہ کا ابطال ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے ان اللہ خالق کل صانع وصنعة (1) اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے: یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے حذیفہ کی حدیث سے اسے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ عزوجل صنم کل صانع وصنعة فهو الخالق

وہو الصانع سبحانہ اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی خالق و صانع ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے یہ تمام چیزیں کتاب الاسنی فی شرح اُسماء اللہ الحُسنیٰ میں بیان کر دی ہیں۔

قَالُوا اِهْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقَوْهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأُسْفَلِينَ ۝

”انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔“  
جس طرح یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر دلیل کے ساتھ غالب آ گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ جس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اسے دہکاؤ پھر اسے اس آگ میں پھینک دو یہی جحیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے پتھر کی ایک دیوار بنائی اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی انہوں نے اسے آگ سے بھر دیا اور اس آگ میں پھینک دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: جب آپ آگ میں پہنچے تو کہا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ الجحیم میں الف لام ضمیر پر دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فی جحیمہ یعنی اس مکان کی آگ میں؛ طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

طبری نے یہ ذکر کیا ہے: اس کہنے والے کا نام ہیزن تھا جو فارس کے دیہاتی علاقوں کا تھا جو ترک ہیں وہ وہی آدمی ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے ”اسی اثنا میں ایک آدمی اپنے حلقہ میں چل رہا ہوگا وہ اس حلقہ میں تکبر کر رہا ہوگا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو روز قیامت تک وہ زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا“ (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مکر کیا۔ کید سے مراد مکر ہے یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تو ہم نے ان لوگوں کو مقہور و مغلوب بنا دیا کیونکہ ان پر ایسی جگہ سے اسکی محبت نافذ ہوگئی جہاں سے اسے دور کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس کا مکر اور خفیہ تدبیر نافذ نہ ہوئی۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيِّئِينَ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشِّرْهُ بِأَخِي ۝

”اور آپ نے کہا: میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ دعا مانگی: میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔“  
اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یہ آیت ہجرت میں اصل ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ عمل کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یہ

اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے چھٹکارا دیا تو آپ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں یعنی میں اپنی قوم کے شہر اور جائے پیدائش سے ہجرت کرنے والا ہوں جہاں میرے لیے اپنے رب کی عبادت کرنا ممکن ہوگا میں نے جب صحیح عمل کی نیت کی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی ہدایت دینے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مخلوقات میں سے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ ارض مقدسہ یعنی شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں اپنے عمل، اپنی عبادت، اپنے دل اور نیت کو اپنے رب کی طرف لے جانے والا ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ عمل کو لے جانے والے تھے، بدن کو لے جانے والے نہیں تھے۔ سورت کہف میں اس کی وضاحت مکمل گزر چکی ہے۔ پہلی ہجرت شام اور بیت المقدس کی طرف تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ حران کی طرف نکلے وہاں ایک عرصہ تک رہے اسے پھر یہ کہا گیا: یہ بات آپ نے اس شخص سے کی تھی جو آپ کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اسی نے آپ سے علیحدگی اختیار کی تھی، یہ قول اس کے لیے توبیخ کے طور پر تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے یہ بات اس شخص سے کی تھی جس نے آپ کی معیت میں ہجرت کی تھی مقصود اسے رغبت دلانا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات آپ نے آگ میں پھینکے جانے سے قبل کی تھی اس قول کی بنا پر اس میں دو تاویلیں ہیں: (1) میرے رب نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے میں اس کی طرف جانے والا ہوں (2) میں مرنے والا ہوں جس طرح آدمی فوت ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے: قد ذهب الی اللہ۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ آگ میں پھینکے جانے سے ہی وہ مرجائیں گے کیونکہ آگ کے بارے میں معمول یہی ہے کہ جس آدمی کو آگ میں پھینکا جاتا ہے وہ مر جاتا ہے یہاں تک کہ آگ کو فرمایا گیا: کُنُوْنِیْ ہَرْدًا وَّ سَلْمًا (الانبیاء: 69) اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام محفوظ ہو گئے۔ اس تاویل کی بنا پر سَيِّئُوْنِیْنِ میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں: (1) اس آگ سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی صورت پیدا فرمائے گا (2) جنت کی طرف جانے کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

سلیمان بن صرد نے کہا: یہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو وہ آپ کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے، ایک بوڑھی عورت اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھائے ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی: اذهب بہ الیٰ ہذا الذی ینذکرا لہمتنا میں یہ اس کی طرف لے جا رہی ہوں جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے جایا گیا تا کہ آگ میں پھینکا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ان اذهب الی ربی جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو کہا حَبُّنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ التَّوَكُّلُ (آل عمران) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَیْسَ اَمْ کُنُوْنِیْ ہَرْدًا وَّ سَلْمًا تو حضرت لوط علیہ السلام کے باپ نے کہا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ اسے آگ نے اس لیے نہیں جلایا کیونکہ اسے مجھ سے قرابت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگ سے ایک تنا نما انگارہ بھیجا جس نے اسے جلادیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جب اللہ تعالیٰ نے اسے پہچان کرادی کہ وہ حضرت ابراہیم کو چھٹکارا دلانے والا ہے تو حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ایک بچے سے اس کی مدد فرمائے جو اس کی تنہائی میں انس کا باعث ہو۔ اس بارے میں گفتگو سورہ آل عمران میں پہلے گزر چکی ہے۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے ہب لی ولدا صالحا من الصالحین۔ اس قسم کا حذف بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَبَشِّرْهُ بِأَخِيكَ هَلِيمٍ** یعنی وہ بڑا ہو کر حلیم ہوگا گویا اس بچے کی بقا کی خوشخبری دی کیونکہ چھوٹے بچے کی اس صفت کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ سورہ ہود میں جس طرح گزر چکا ہے یہ بشارت فرشتوں کی زبانی ہوئی تھی، سورہ الذاریات میں بھی اس کا ذکر ہوگا۔

فَلَمَّا بَدَأَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئِي إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْتِي  
قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَ  
تَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْتُهُ أَنْ أَيُّبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي  
الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَكْوَالُ الْمُبِينُ ۝ وَقَدْ يَنبُذُ عَظِيمٌ ۝ وَتَرَكَنَا  
عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ  
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشِّرْهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَرَكَنَا عَلَيْهِ وَآلَىٰ  
إِسْحَاقَ ۝ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

”اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا: میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سراطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو!) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدے میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر، اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔“

اس میں سترہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچہ عطا فرمایا جب وہ اس عمر کو پہنچا کہ وہ مددگار کے طور پر اپنے باپ کے ساتھ معاملات میں دوڑ دھوپ کرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں



دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ مجاہد نے کہا: جب وہ جوان ہو گیا اور اس کی قد و کاوش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد و کاوش تک جا پہنچی۔ فراء نے کہا: وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ اپنے باپ کے ساتھ چلے (1)۔ حضرت حسن بصری اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد دانش اور سمجھ بوجھ ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو۔ ابن زید نے کہا: جب وہ عبادت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب انہوں نے نماز و روزہ رکھنا شروع کر دیا (2) کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنتے: **وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيًا** (بنی اسرائیل: 19)

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کس کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا؟ اکثر کی رائے یہ ہے اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ قول جنہوں نے کیا ان میں حضرت عباس بن عبد المطلب، ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ ہیں۔ حضرت عبد اللہ سے صحیح یہی ہے۔ ثوری اور ابن جریج حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی یہی منقول ہے ایک آدمی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا: یا بنی الاشیاء الکرامہ تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں کہا: وہ حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حماد بن زید نبی کریم ﷺ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ان الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں (3)۔ یعنی کریم بن کریم بن کریم بن کریم حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام ہیں۔

ابوزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی قول حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ یہ سات صحابہ ہیں۔ تابعین اور دوسرے علماء نے بھی یہ قول کیا ہے جن میں علقمہ، شعبی، مجاہد، سعید بن جبیر، کعب الاحبار، قتادہ، مسروق، عکرمہ، قاسم بن ابی بزہ، عطاء، مقاتل، عبد الرحمن بن سابط، زہری، سدی، عبد اللہ بن ہزیرل اور امام مالک بن انس ہیں سب نے کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی نقطہ نظر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ کئی علماء نے اسی کو اختیار کیا ان میں حضرت نحاس، طبری اور دوسرے علماء ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دکھائے گئے آپ قربان گاہ میں آئے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرائی یہاں تک کہ منیٰ میں مینڈھے کو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مینڈھے کو ذبح کیا آپ نے ایک ماہ کی مسافت ایک رات میں مکمل کی آپ کے لیے وادیاں اور پہاڑ لپیٹ دیئے گئے تھے؛ یہ قول نبی کریم ﷺ، صحابہ اور تابعین سے نقل کرنے میں بہت قوی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا: ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن علماء نے یہ بات کہی ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو طفیل عامر بن وائلہ ہیں یہی قول حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے تابعین میں سے سعید بن مسیب، شعبی،

یوسف بن مہران، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی، کلبی اور علقمہ سے مروی ہے۔ ابوسعید خدری سے ذبیح کے بارے میں پوچھا گیا: تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

إِنَّ الذَّبِيحَ قُدِّيتَ إِسْمَاعِيلُ      نَطَقَ الْكِتَابُ بِذَلِكَ وَالتَّنْزِيلُ  
 شَرَفَ بِهِ خَصَّ الْإِلَٰهَ نَبِيَّنَا      وَأَتَى بِهِ التَّفْسِيرُ وَالتَّأْوِيلُ  
 إِنْ كُنْتَ أُمَّتَهُ فَلَا تُنْكِرْ لَهُ      شَرَفًا بِهِ قَدْ خَصَّهُ التَّفْضِيلُ

تجھے ہدایت نصیب ہو بے شک ذبح حضرت اسماعیل ہیں کتاب و سنت اس کے بارے میں ناطق ہیں یہ ایسا شرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو خاص کیا تفسیر و تاویل اسی بارے میں آئی ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تو تو ان کے لیے ایسے شرف کا انکار نہ کر جسے فضیلت نے خاص کیا ہے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ابو عمرو بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تیری عقل تجھ سے کہاں چلی گئی؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کہاں تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ تھے انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ مکرمہ میں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ”ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔“

پہلی تعبیر نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین سے بہت زیادہ سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

ان علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے ہاں ہجرت کی تو آپ نے شام کی جانب اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی فرمایا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، مجھے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ اے اللہ! مجھے ایک صالح بچہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ (مریم: 49) اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ يَنْبَغُ ذِي عَظِيمٍ ۝ اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ فد یہ حلیم بچہ میں ہوا جس حلیم بچے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی کیونکہ ارشاد فرمایا: وَبَشِّرْهُ بِإِسْحَاقَ اور یہاں فرمایا: يُعْلِمُ حَلِيمٍ ۝ یہ واقعہ اس سے قبل کا ہے جب آپ نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ قرآن میں صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی گئی۔

جس نے یہ کہا: اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صبر سے بیان کی حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت بیان نہیں کی ارشاد فرمایا: **وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ** (الانبیاء) وہ ان کا ذبح پر صبر کرنا تھا اس کی صفت صدق وعد سے بیان کی فرمایا: **إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ** (مریم: 54) اس نے اپنے باپ سے صبر پر وعدہ کیا اور اسے پورا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَبَشِّرْنَاهُ بِمَا نَحْنُ نَدِيرٌ**

تو اسے ذبح کرنے کا کیسے حکم دے سکتے تھے جبکہ ان کے بارے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نبی ہونگے نیز یہ ارشاد فرمایا: **فَبَشِّرْهُمَا بِاسْحَاقَ وَ مِنْ ذَرَاۤءِ اِسْحَاقَ يَعْقُوْبُ** ⑤ (ہود: 71) تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں وعدہ پورا ہونے سے قبل کیسے انہیں ذبح کا حکم ہو سکتا تھا۔

نیز یہ بھی وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا۔ پس یہ استدلال نزاع کو ختم نہیں کرتا۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نبی ہوں گے؟ کیونکہ اس کے بارے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ذبح کے حکم کے بعد ان کے لیے نبوت کی بشارت دی گئی ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئیگی ممکن ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ہو تو یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں یہ تو مذکور نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوگی۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اگر ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا؟ اس کا جواب وہ ہے جو سعید بن جبیر نے دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ذبح دونوں میں سے کون ہے؟ یہ تیسرا مذہب ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین راتیں پے درپے خواب دیکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولوں کے پاس وحی بیداری اور نیند کی حالت میں آتی ہے کیونکہ انبیاء کے دل نہیں سوتے یہ حدیث میں ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ سدی نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت سے قبل ہی ان کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ پھر وہ اللہ کے لیے ذبح ہے انہیں خواب میں کہا گیا: تو نے ایک نذرمانی تھی تو اپنی نذر پوری کرو (1)۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے اپنا میٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو آپ نے اپنے دل میں سوچا کیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے ہے؟ تو اس کو یوم تردیہ کا نام دیا گیا جب اگلی رات ہوئی تو آپ نے وہی خواب دیکھا تو آپ کو وعدہ یاد دلایا گیا جب صبح کی تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی جانب سے ہے تو اسے یوم عرفہ کا نام دیا گیا پھر تیسری رات بھی یہی خواب دیکھا تو آپ نے ذبح کا ارادہ کیا تو اسے یوم نحر کا نام دیا گیا۔

یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تو حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت ذبح علیہ السلام نے کہا: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ اکبر واللہ الحمد۔ تو یہ تکبیر سنت بن گئی۔ اس امر کے وقوع میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اہل سنت نے کہا: نفس ذبح واقع نہیں ہوا ذبح کا امر ذبح کے وقوع سے پہلے واقع ہو گیا اگر یہ ذبح کا عمل ہو جاتا تو اس کے اٹھانے کا تصور نہ ہوتا یہ چیز فعل کے وقوع سے پہلے نسخ کے باب سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اگر ذبح کے امر کی اطاعت سے فراغت حاصل ہو جاتی تو فد یہ کا ثبوت نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْيَا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو جس سے آگاہ کیا اس کو آپ نے ثابت کر دیا جو آپ کے لیے ممکن تھا وہ آپ کر گزرے پھر جب ہم نے تجھے روک دیا تو تم رک گئے۔ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا یہ اس میں صحیح ترین ہے۔

ایک طائفہ نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو کسی وجہ سے منسوخ ہو کیونکہ ذبح الشیء کا معنی ہے میں نے اسے نکلے نکلے کیا؛ مجاہد کے قول سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم سے عرض کی: لا تنظروا فی فترحنی ولکن اجعل وجہی الی الارض میری طرف مت دیکھنا کہ کہیں تمہیں مجھ پر رحم آجائے بلکہ میرا چہرہ زمین کی طرف کر دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری لی اسے حضرت اسحاق کے حلق پر پھیرا تو وہ الٹی ہو گئی تو حضرت اسحاق نے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ فرمایا: چھری الٹ گئی ہے۔ حضرت اسحاق نے کہا: اسے نیزے کی طرح مجھ میں چبھو دیں۔ بعض نے کہا: جب بھی آپ کوئی حصہ کاٹتے تو وہ جڑ جاتا۔ ایک طائفہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا حلق تانے کا پایا یا تانے سے ڈھکا ہوا پایا جب آپ اسے کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اسے محفوظ پاتے۔ یہ سب قدرت الہیہ میں جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سند صحیح ہو کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کو نظر و فکر سے نہیں جانا جاسکتا اس کے جاننے کا طریقہ خبر ہی ہے اگر یہ ایسا ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے ضرور بیان کرتا اور فد یہ کو بیان کرنے سے اس کی وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہوتی۔

بعض علماء نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح حقیقی کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس سے مراد رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لیے لٹایا ہے تو انہیں وہم ہوا کہ اسے ذبح حقیقی کا حکم دیا گیا ہے جب آپ نے وہ کام کر دیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یعنی پہلو کے بل لٹانے کا تو آپ کو کہہ دیا گیا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْيَا تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ تعبیر مفہوم ہے: خارج ہے؛ خلیل اور ذبح کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں اس امر سے وہ سمجھیں جو اس کا حقیقی معنی و مفہوم نہ ہو یہاں تک کہ دونوں کو وہم ہوا ہو۔ اگر یہ چیزیں صحیح ہوں تو فد یہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** عاصم کے علاوہ دوسرے کوفہ کے علماء نے اسے ماذاثری پڑھا ہے یعنی تاء مضموم ہے اور راء مکسور ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے دیکھ تو سہی تو اپنے مبر اور جزع میں سے کیا دیکھتا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ قول اس کے علاوہ کسی



اور نے نہیں کیا۔ علماء نے کہا: تو کیا رائے رکھتا ہے۔ ابو عبیدہ نے تری کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ آنکھ کے ساتھ دیکھنے کو خاص ہے۔ ابو حاتم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ آنکھ سے اور دوسری چیز سے دیکھنا ہے؛ یہی مشہور ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: أَرَيْتَ فَلَانًا الصَّوَابَ أَرَيْتَهُ رُشْدًا تَوْنَةً فَلَاں کو صحیح خیال کیا ہے، تو نے اسے ہدایت یافتہ خیال کیا ہے؛ یہ آنکھ سے دیکھنا تو نہیں۔ باقی قراء نے تری پڑھا ہے جو روایت کا مضارع ہے۔ ضحاک اور اعمش سے تری مجہول کا صیغہ مروی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں یہ بات اس لیے نہیں کہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں مشورہ کریں آپ نے ان سے اس لیے مشورہ کیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بارے میں اس کے صبر کو جان لیں یا تا کہ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کو دیکھیں۔

قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اصل میں ماتو میرے یہاں سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اس قول سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے

امرتك الخیر فافعل ما أمرت به (1)

اصل میں بالخیر تھا فعل کو ضمیر کے ساتھ ملا دیا گیا تو یہ تو میرا ہو گیا پھر ضمیر کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَلِّمْ عَلَىٰ عِبَادِي الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (النمل: 59) اصل میں اصطفاهم تھا جس طرح پہلے بحث گذر چکی ہے ما، الذی کے معنی میں ہے یعنی اہل اشارہ نے کہا: جب ان شاء اللہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق دی۔ یا بت اور یا بنی کے بارے میں گفتگو پہلے سورہ یس وغیرہ میں گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** جب دونوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم نے فلما سلما قراءت کی انہوں نے اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے جب دونوں نے تابعداری کی۔ قتادہ نے کہا: جب ان دونوں میں سے ایک نے اپنا آپ اللہ کے سپرد کیا اور دوسرے نے اپنا بیٹا سپرد کر دیا۔ وَ تَلَّهٖ لِذَٰلِجَيْنِ ۝ قتادہ نے کہا: اسے منہ کے بل گرایا اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا۔ بصریوں کے نزدیک لہا کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فَلَمَّا أَسْلَمَا وَ تَلَّهٖ لِذَٰلِجَيْنِ فدیناہ بکبش۔ کو فیوں نے کہا جواب: تَادِيَتُهُ ہے واؤ زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِمْ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا (یوسف: 15) یہ اوحینا ہے واؤ زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝ وَ اقْتَرَبَ (الانبیاء) یہ بھی اقترب تھا واؤ زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَ فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ (الزمر: 73) اصل میں قال تھا واؤ زائدہ ہے یعنی قال لهم۔ امرؤ القیس نے کہا:

فَلَمَّا أَجَزْنَا سَاحَةً وَاتَّحَىٰ

اصل میں اتتحی تھا واؤ زائدہ ہے یہ بھی کہا:

حَتَّىٰ إِذَا حَمَلْتُمْ بُطُونَكُمْ وَرَأَيْتُمْ أَبْنَاءَكُمْ شَبُوهَا  
وَقَلْبَتْكُمْ ظَهَرَ الْمَجْنُونُ لَنَا إِنَّ اللَّسِيمَ الْفَاجِرَ الْخَبِيثَ

یہاں تک کہ تمہارے پیٹوں نے اٹھایا اور تم نے اپنے بیٹوں کو دیکھا کہ وہ جوان ہو گئے۔ اور تم نے ہمارے لیے اپنی دشمنی کو ظاہر کر دیا بے شک کمینہ فاجر نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے۔  
یہاں بھی اصل میں قلبتم تھا وادواؤ زائدہ ہے۔

نحاس نے کہا: وادواؤ حروف معانی میں سے ہے اسے زائد کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ ذبیح نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اے میرے والد! میرے اعضاء کو باندھ دو تا کہ میں نہ پھڑکوں، اپنے کپڑوں کو سمیٹ لو تا کہ میرے خون کا کوئی چھینٹا اس پر نہ پڑے کہ میری ماں دیکھے اور وہ غمگین ہو جائے، چھری کو میرے حلق پر جلدی چلاتا تا کہ مجھ پر موت آسان ہو جائے، مجھے منہ کے بل لٹانا تا کہ تو میرے چہرے کو نہ دیکھے کہ تجھے مجھ پر رحم آجائے اور میں چھری کو نہ دیکھوں کہ میں گھبرا جاؤں، جب تو میری ماں کے پاس جائے تو اسے میرا سلام کہنا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن پر تانبا چڑھا دیا چھری نے کچھ عمل نہ کیا پھر اس کی پیشانی پر مارا اور پھر اس کی گدی میں اسے چلایا تو چھری نے کچھ عمل نہ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَتَكَلَّمُ لِلْجَبِينِ** کا یہی معنی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس کا معنی ہے اسے اس کے منہ بل گرا دیا تو ندادی گئی: **يَا بُرْهَيْمُ ۖ قَدْ صَدَّقْتَ الزُّمَرُ** آپ متوجہ ہوئے تو وہاں ایک مینڈھا کھڑا تھا؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی عدم صحت کے بارے میں اشارہ پہلے گذر چکا ہے، معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجوب کا اعتقاد کر لیا اور عمل کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ ذبح کی حالت ہے اور یہ مذبح کی صورت ہے دونوں نے ذبح کی جگہ فدیہ دے دیا وہاں چھری کا چلنا نہیں۔ اس تاویل کی بنا پر فعل کے بجالانے سے قبل نسخ کا ثبوت متحقق ہوتا ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جوہری نے کہا: **وَتَكَلَّمُ لِلْجَبِينِ** یعنی اسے نیچے لٹایا جس طرح تو کہتا ہے: کہہ لوجہہ اسے منہ کے بل گرا دیا۔ مہدوی نے کہا: تل کا معنی دھکا دینا اور گرانا ہے، اسی معنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **وَتَوَكُّوْا لِيَتَّكِلَ يَهْ لِمَصْرَعِكِ** معنی میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: **فَجَاءَ بِنَاقَةٍ كَوْمَاءَ فَتَلَّهَا وَهْ** اونچی کہان والی اونٹنی لایا تو اسے بٹھایا۔ حدیث طیبہ میں ہے **بَيْنَا اَنَانَا اَتَيْتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَتَلَّتْ فِي يَدِي (1)** اسی اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو وہ میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔ ابن انباری نے کہا: میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: **تَلَّتْ الرَّجُلُ** جب تو اسے گرائے۔ ابن اعرابی نے کہا: تو تیرے ہاتھ میں ڈال دی گئیں۔ تل کا معنی ڈالنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: **تَلَّ يَتَلَّ** جب اسے انڈیلا جائے **تَلَّ يَتَلَّ** جب وہ گر جائے۔

بعض اہل اشارہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا پھر اپنے بچے کو محبت کی نظر سے دیکھا

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبوب مشترک محبت پر راضی نہ ہوا، اسے حکم دیا گیا: اے ابراہیم! میری رضا کی خاطر اپنے بچے کو ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آستین چڑھالیں، چھری پکڑ لی، اپنے بچے کو پہلو کے بل لٹا دیا پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اپنی رضا کی خاطر مجھ سے یہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے ابراہیم! مقصود بچے کو ذبح کرنا نہیں تھا، مقصود یہ تھا کہ تو اپنے دل کو میری طرف پھیر دے جب تو نے اپنے دل کو کلیتہً میری طرف پھیر دیا تو ہم نے تیرا بچہ تیری طرف لوٹا دیا ہے۔

کعب اور دوسرے علماء نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ان کے بچے کے ذبح کو دکھایا گیا تو شیطان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے اس مرحلہ میں آل ابراہیم کو آزمائش میں نہ ڈالا تو میں ان میں سے کسی کو بھی آزمائش میں نہ ڈال سکوں گا، شیطان نے ان کے سامنے ایک انسان کی شکل اختیار کی پھر اس بچے کی ماں کے پاس آیا پوچھا: کیا تو جانتی ہے ابراہیم تیرے بیٹے کو کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ اس کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: ہرگز نہیں وہ اس کے بارے میں اس سے زیادہ شفیق ہے۔ شیطان نے کہا: ابراہیم کا خیال ہے اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: اگر اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے تو اس کا اپنے رب کی اطاعت کرنا بہت اچھا ہے۔ پھر شیطان بچے کے پاس آیا کہا: کیا تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہا: وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اس کا گمان ہے کہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ بچے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے وہ اسے ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا: تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اللہ کی قسم! میرا گمان ہے کہ شیطان تیرے پاس نیند کی حالت میں آیا ہے اس نے تجھے تیرا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو پہچان گئے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! مجھ سے دور ہو جا، اللہ کی قسم! میں اپنے رب کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ ملعون نے ان سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ☆ پھر درمیانی جمرہ کے پاس شیطان آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر آخری جمرہ کے پاس شیطان ان کے سامنے آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے (1)۔

اس جگہ کے بارے میں اختلاف ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم پر۔ ایک قول یہ کیا گیا: منیٰ میں قربان گاہ میں جمروں کے پاس جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکریاں ماری تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے! یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، محمد بن کعب اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر: جمرہ عقبہ کے پاس شیطان کے سامنے آیا تو آپ نے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔

سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ آپ نے منیٰ میں شبیر پہاڑ کے نیچے چٹان پر ذبح کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: آپ نے شام میں ذبح کیا تھا جو بیت المقدس سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

پہلا قول اکثر بیان کیا گیا ہے کیونکہ احادیث میں یہ وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو کعبہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں ذبح کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اسلام کا ابتدائی دور تھا اس مینڈھے کا سراپے دونوں سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا وہ خشک تھا۔

جس نے یہ کہا کہ ذبح کا عمل شام میں ہوا تھا اس نے سر کے لٹکانے کا یہ جواب دیا: ممکن ہے یہ سر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف لایا گیا ہو؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** دینا و آخرت میں شدائد سے چھٹکارے کے ساتھ انہیں جزا دیں گے یہ ظاہر و باہر نعمت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اَبْلَاةَ اللّٰهِ اِبْلَاءٌ وَبِلَاءٌ جب وہ اس پر احسان کرے۔ بعض اوقات بلا بھی کہا جاتا ہے، زبیر نے کہا:

فَاَبْلَاهَا خَيْرٌ مِنَ الَّذِي يَبْلُوُ اس نے ان دونوں پر بہترین احسان و انعام کیا۔

ایک قوم کا گمان ہے یہ دونوں لغتوں کے ساتھ آیا ہے، دوسرے علماء نے کہا: بَلَاءٌ يَبْلُوُ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس کا امتحان لے، اعتبار کے لیے بَلَاءٌ يَبْلُوُ استعمال کرتے ہیں بَابِ تَلَاءٍ کے لیے يَبْلُوُ کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اختیار کی اصل یہ ہے کہ وہ بھلائی کی صورت میں ہو یا شر کی صورت میں ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَبْلُوْكُمْ بِالْخَيْرِ وَالْخَيْرِ فَتْنَةً (الانبیاء: 35) ابوزید نے کہا: یہ بھی اسی آزمائش میں سے تھا کہ ان پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ کہا: یہ ایسی آزمائش تھی جو پسندیدہ نہ تھی۔

**مسئلہ نمبر 7۔** ذبح مذبح کا اسم ہے اس کی جمع ذبوح آتی ہے جس طرح طحن مطحون کا اسم ہے۔ ذبح فتح کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے، عظیم سے مراد قدر و منزلت کی عظمت ہے اس سے عظیم الجثہ مراد نہیں اس کی قدر کو عظیم قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ذبح کا فدیہ دیا اس وجہ سے اس کی عظیم صفت ذکر کی کیونکہ وہ عمل قبول ہوا۔ نحاس نے کہا: لغت میں عظیم کا لفظ کبیر اور شریف کے لیے بولا جاتا ہے۔ اہل تفسیر نے کہا: یہاں یہ شریف کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا جو قبول ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو حضرت ہابیل نے قربانی کے طور پر دیا تھا، یہ جنت میں چرتا پھرتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت اسماعیل کا فدیہ دیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا، یہ چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ پہاڑی بکروں میں سے نر کو دیا گیا جو شبیر پہاڑ سے نیچے اتر آتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اپنے بیٹے کے فدیہ کے طور پر ذبح کیا تھا؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا، اسے پکڑا اسے ذبح کیا اور اپنے بیٹے کو آزاد کر دیا اے بیٹے! آج تو مجھے رہ گیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ قول



کیا گیا ہے آپ نے وعل فدیہ دیا، وعل سے مراد پہاڑی نر ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ مینڈھے کو فدیہ کے طور پر دیا گیا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ غنم (بھیڑ بکری) کی قربانی اونٹ اور گائے سے افضل ہے؛ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، انہوں نے کہا: قربانیوں میں سے بہترین بھیڑوں میں سے نر ہے بھیڑوں میں سے مادہ، بکری کے نر سے بہتر ہے اور بکریوں میں سے نر، اونٹ اور گائے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَقَدْ يُنَبِّئُ بِنَبْحٍ عَظِيمٍ** ①۔ یعنی جس کا جسم بھاری اور موٹا تھا یہ مینڈھا تو ہو سکتا ہے اونٹ اور گائے نہیں ہو سکتی۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا: میں نے نذرمانی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو قربان کروں؟ فرمایا: تیرے لیے موٹا مینڈھا کافی ہے پھر یہ آیت پڑھی: **وَقَدْ يُنَبِّئُ بِنَبْحٍ عَظِيمٍ** ②۔

بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں مینڈھے سے افضل حیوان ہوتا تو اس کے ساتھ حضرت اسحاق کا فدیہ دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مینڈھوں کی قربانی دی جس کی اکثر قربانی دی جاتی ہے وہ مینڈھا ہی ہوتا ہے۔ ابن ابی شیبہ، ابن علیہ سے وہ لیث سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ذبح سے مراد بڑی بکری ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کونسی چیز افضل ہے قربانی یا اس کی قیمت کا صدقہ؟ امام مالک اور آپ کے شاگردوں کا نقطہ نظر ہے: قربانی افضل ہے مگر منیٰ میں کیونکہ وہ قربانی کی جگہ نہیں؛ یہ ابو عمر نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن منذر نے کہا: اسے ہم نے بلال سے روایت کیا ہے کہ کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ایک مرغے کی قربانی کروں ایک یتیم کے ہاتھ میں دے دینا جو خاک نشین ہے، محدث نے اس طرح کہا ہے، مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کی قربانی دوں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے کہ صدقہ افضل ہے یہی امام مالک اور ابو ثور کا قول ہے۔ اس میں دوسرا قول بھی ہے ابو عمر اور امام احمد بن حنبل نے کچھ اضافہ کیا ہے انہوں نے کہا: قربانی صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی نماز عید کی طرح سنت مؤکدہ ہے اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ نماز عید تمام نوافل سے افضل ہے اسی طرح سنن تمام نوافل سے افضل ہے۔ ابو عمر نے کہا: قربانی کی فضیلت میں آثار حسن مروی ہیں ان میں سے ایک سعید بن داؤد سے مروی ہے وہ ابو زبیر سے وہ مالک سے وہ ثور بن زید سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”صلہ رحمی کے بعد کوئی نفع اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے (قربانی کرنے) سے افضل نہیں“ (1)۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے جو مالک سے مروی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ بنتی شہا سے مروی ہے: اے لوگو! قربانی دو اور خوش دلی سے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے بھی اپنی قربانی کو قبلہ رولٹا یا اس کا خون، اس کے سینک اور اس کی اون قیامت کے روز اس کے میزان میں حاضر کیے جائیں گے کیونکہ خون اگر مٹی میں واقع ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز قربانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا حساب دیا جاتا ہے“ ابو عمر نے یہ روایت کتاب ”التمہید“ میں ذکر کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ بنتی شہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یوم نحر کے اعمال

میں سے کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے قربانی دینے سے بہتر نہیں قیامت کے روز وہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذیشان مقام تک جا پہنچتا ہے، خوش دلی سے قربانی دیا کرو (1)۔“ کہا اس باب میں عمران بن حسین زید بن ارقم سے بھی یہ روایت مروی ہے، یہ حدیث حسن ہے (2)۔

**مسئلہ نمبر 10۔** قربانی واجب نہیں بلکہ سنت اور معروف ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانی والے دن دو درہم دے کر مجھے بھیجتے میں ان کے لیے گوشت خرید کر لاتا اور کہتے: جس سے تو ملے تو اسے کہنا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قربانی ہے۔

ابو عمر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو مروی ہے کہ وہ قربانی نہیں دیا کرتے تھے اہل علم کے نزدیک اس کا مصداق یہ ہے کہ اس عمل پر دوام سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ عمل واجب و فرض ہے، وہ ائمہ تھے، مابعد لوگ ان کی اقتدا کیا کرتے تھے، دینی معاملات میں ان کی طرف دیکھا جاتا تھا کیونکہ یہ ہستیاں نبی کریم ﷺ اور ان کی امت کے درمیان واسطہ تھیں ان کے لیے اس بارے میں ایسا اجتہاد جائز تھا جو کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

امام طحاوی نے اپنی مختصر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا: قربانی مقیم لوگوں پر واجب ہے جبکہ وہ قربانی پاتے ہوں اور شہروں میں مقیم ہوں مسافر پر واجب نہیں کہا: آدمی پر اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے قربانی اسی طرح واجب ہے جس طرح اس پر اپنی ذات کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔

ابو عمر نے کہا: یہ امام مالک کا قول ہے۔ کہا: کسی کے لیے اسے ترک کرنا مناسب نہیں وہ مسافر یا مقیم ہو اگر اسے ترک کیا تو اس نے کتنا ہی برا عمل کیا ہاں جب اس کے لیے عذر ہو مگر منیٰ میں حاجی کے لیے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام شافعی نے کہا: تمام لوگوں پر سنت ہے منیٰ میں حاجیوں پر قربانی کرنا سنت ہے یہ واجب نہیں جو علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو حکم دیا کہ دوبارہ قربانی دے کیونکہ جو واجب نہ ہو اس کے دوبارہ بجالانے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسرے علماء نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کہا: ”جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی دینے کا ارادہ کرے (3)“ انہوں نے استدلال کیا: اگر قربانی واجب ہوتی تو اس امر کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا؛ یہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت بلال کا نقطہ نظر ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ما جاء في فضل الأضاحی، جلد 1، صفحہ 180

2۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ما جاء في فضل الأضاحی، حدیث نمبر 1413، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الأضاحی، من اراد ان یضی، صفحہ 234

**مسئلہ نمبر 11**۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جن جانوروں کی قربانی دی جاسکتی ہے ان کی آٹھ قسمیں ہیں: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (یعنی اس میں سے مذکر اور مونث)۔ ابن منذر نے کہا: حسن بن صالح سے مروی ہے کہا: جنگلی گائے کی سات افراد کی جانب سے قربانی دی جاسکتی ہے۔ ہرن کو ایک آدمی کی جانب سے قربانی دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگر جنگلی بیل، پالتو گائے پر واقع ہوتا ہے یا پالتو بیل جنگلی گائے پر واقع ہوتا ہے تو ان سے جنم لینے والا جانور قربانی نہیں دیا جاسکتا۔ اصحاب رائے نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ اس کا بچہ ماں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ابو ثور نے کہا: اس کی قربانی جائز ہے جب وہ انعام کی طرف منسوب ہے (یعنی جب وہ انعام میں داخل ہے)۔

**مسئلہ نمبر 12**۔ ذبح کے وقت اور قربانی کا گوشت کھانے کے بارے میں مفصل گفتگو سورہ الحج میں گذر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گیسو سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے بسم اللہ شریف پڑھی اور تکبیر کہی اور اپنے پاؤں کو اس کی پسلیوں پر رکھا (1)۔“ ایک روایت میں ہے کہ آپ کہہ رہے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر۔ سورہ الانعام میں حضرت عمران بن حصین کی حدیث گذر چکی ہے اور سورہ مائدہ میں ذبح کرنے کا طریقہ، اس کی وضاحت، جس کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے مفصل گذر چکا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا۔ فرمایا ”اے عائشہ! چھری لاؤ“ پھر فرمایا: ”اسے پتھر پر تیز کرو“ تو میں نے ایسا ہی کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور اس مینڈھے کو پکڑا اسے پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا پھر کہا: بسم اللہ اللہم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمۃ محمد (2)۔ بسم اللہ، اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبول فرما پھر اسے چاشت کے وقت کھایا۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے حضرت حسن بصری قربانی کے بارے میں کہا کرتے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر هذا منك ولت تقبل من فلان، بسم اللہ اللہ اکبر، یہ تیری جانب سے ہے، تیرے لیے ہے اسے فلاں سے قبول فرما۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے ایسا کیا تو بہت اچھا کیا اگر اس نے اس طرح نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا تو یہ اسے کافی ہو جائے گا۔ امام شافعی نے کہا: ذبیحہ پر تسمیہ صرف بسم اللہ کے الفاظ ہیں اگر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے کسی چیز کا اضافہ کیا یا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر درود شریف پڑھا تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا یا کہا: اے اللہ! اسے مجھ سے قبول فرمایا فلاں کی جانب سے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لینا میرے نزدیک مکروہ ہے میرے نزدیک یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت کہے: اے اللہ! فلاں کی جانب سے اسے قبول فرما اگر اس نے بسم اللہ کہنے سے قبل یا ذبح کے لیے لٹانے سے قبل ایسا کہا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ کی حدیث اس قول کا رد کرتی ہے یہ بات پہلے گذر

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأضاحی، التکبیر عند الذبح، جلد 2، صفحہ 835

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30

چکی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو کہا تھا: اللہ اکبر والحمد للہ تو یہ سنت کے طور پر باقی رہا۔

**مسئلہ نمبر 13۔** حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کن کن جانوروں کی قربانی سے بچنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہا: ”چار“ حضرت براء اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور کہتے میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے چھوٹا ہے لنگڑی: ”جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، کانی جس کا کان پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، کمزور جس کی ہڈیوں میں گودانہ ہو“ (1)۔ امام مالک کے الفاظ ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں تھوڑے سے عیب میں اختلاف ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو غور سے دیکھیں اور ہم مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی نہ دیں کہا: ”مقابلہ سے مراد ہے جس کے کان کی ایک طرف کٹی ہو، مدابرہ جس کے کان کی جانب کٹی ہوئی ہو، خرقاء جس میں شق ہے، خرقاء جس میں سوراخ ہو (2)“ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

موظا شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ایسی ضحیا اور بدن سے بچتے جو مہنہ نہ ہوں اور جن میں کوئی عیب ہو۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ فقہی نے کہا: لم تُسنن کا معنی ہے جس کے دانت نہ اگے ہوں گویا ابے دانت دیئے ہی نہیں گئے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: فلان لم یبدن یعنی اسے دودھ نہیں دیا گیا، لم یُسنن اسے گھی نہیں دیا گیا، لم یُعسل اسے شہد نہیں دیا گیا یہ ایسے ہی ہے جیسے قربانیوں میں ہتماء (جس کے اگلے دانت جڑ سے ٹوٹے ہوئے ہوں) سے منع کیا گیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی بکری کو قربانی دیا جائے جس کے سامنے کے دانت جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں جبکہ اس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے ٹوٹے ہوں اور وہ موٹی ہو؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے اگر وہ بکری ابھی جوان ہو اور اس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اسے قربانی دینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا عیب خفیف نہیں نقصان سب کا سب مکروہ ہے اس کی وضاحت اور تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے ”اپنی سواریوں کو موٹا کرو کیونکہ یہی پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں“ (3)۔

**مسئلہ نمبر 14۔** یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس آدمی نے نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو نحر کرے گا یا اسے ذبح کرے گا تو وہ ایک مینڈھا اس کا فدیہ دے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے دوسری روایت بھی مروی ہے: وہ سوا دنت ذبح کرے جس طرح عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا تھا۔ امام شافعی نے یہ دونوں روایتیں ان سے نقل کی ہیں۔ قاسم بن محمد نے ان سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ کفارہ

1- جامع ترمذی، کتاب الأضاس، مالایجوز من الأضاس، جلد 1، صفحہ 181۔ ایضاً، حدیث 1417، ابوداؤد، حدیث 2420، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2- موظا امام مالک، کتاب الضحایا، صفحہ 495

3- تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 55



یمین کافی ہو جائے گا۔ مسروق نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ امام شافعی نے کہا: یہ معصیت ہے وہ ایسی نذر ماننے پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے اولاد کے حق میں تو اس پر بکری ذبح کرنا لازم ہوگی اولاد کے علاوہ میں کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ امام محمد نے کہا: جس نے اپنے غلام کو نحر کرنے کی قسم اٹھائی تو اس پر اسی قسم کی چیز لازم ہوگی جیسی چیز اپنے بیٹے کو نحر کرنے کی وجہ سے لازم ہوتی تھی جب وہ اس قسم کو توڑے۔

ابن عبدالحکم نے امام مالک سے اس آدمی کے بارے میں روایت نقل کی ہے جو یہ کہتا ہے: میں اپنا بچہ مقام ابراہیم پر ذبح کروں گا، وہ یہ قسم اٹھاتا ہے پھر وہ اس قسم کو توڑ دیتا ہے تو اس پر ہدی لازم ہوگی۔ کہا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرے گا اور مقام ابراہیم کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ کہا: جس نے اپنے بیٹے کو ہدی بنایا تو اس کی جانب سے ہدی دے۔ قاضی ابن عربی نے کہا: اس پر بکری لازم ہوگی جس طرح امام ابو حنیفہ نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعی طور پر بچے کے ذبح کرنے کو بکری کا ذبح کرنا بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بچے کو ذبح کرنا لازم کیا تھا اور مینڈھے کے ذبح کرنے کے ساتھ اسے اس حکم سے فارغ کر دیا اسی طرح اگر کوئی غلام اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ بکری بھیڑ وغیرہ ذبح کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَمَّا أَتَيْنَاكَ اِبْرٰهٖمَ (الحج: 78)** ایمان ایسی چیز ہے جو اصلاً لازم ہے اور نذر ایسی چیز ہے جو فرعی طور پر لازم ہے تو ضروری ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے ذبح کا حکم دیا جاسکتا ہے جبکہ یہ معصیت ہے اور معصیت کا حکم جائز نہیں ہوتا؟

ہم کہتے ہیں: یہ کتاب اللہ پر اعتراض ہے جو آدمی اسلام پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ حلال و حرام کے بارے میں کیسے فتویٰ دے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَفْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ** اس بارے میں جو چیز لوگوں کے دلوں سے اس التباس کو دور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ معاصی اور طاعات اعیان کے ذاتی اوصاف نہیں۔ بے شک طاعات وہ چیزیں ہیں کہ جس فعل کے ساتھ امر متعلق ہو اور معصیت سے مراد وہ چیز ہے کہ جس فعل کے ساتھ نہی متعلق ہو جب امر اس چیز سے متعلق تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیں تو یہی طاعت اور آزمائش ہوگئی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْبَلٰۤءِ الْمُبِیْنُ** ① کیونکہ بچے اور نفس کو ذبح کرنے پر صبر کرنا تھا جب ہمارے بارے میں اس چیز سے متعلق ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں تو یہی معصیت ہوگی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ نذر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ معصیت ہے؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے: یہ معصیت ہوگی اگر وہ نذر کی وجہ سے بچے کے ذبح کا قصد کرتے اور اور فدیہ کی نیت نہ کرتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر ایسا واقع ہو جائے اس نے معصیت کا قصد کیا ہو اور فدیہ کی نیت نہ کی ہو؟ ہم کہیں گے: اگر اس نے اس کا قصد کیا ہو تو یہ چیز اس کے قصد میں اسے کوئی نقصان نہ دے گی اور اس کی نذر میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ بچے کی نذر شرعی طور پر بھیڑ، بکری کے ذبح کی صورت بن گئی ہے۔

**مسئلہ نمبر 15۔** وَتَرٰکُنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنِ ② علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی ہم نے

ان کے بعد کی امتوں میں اچھی تعریف چھوڑی ہے کوئی بھی امت نہیں مگر وہ آپ پر درود پڑھتی ہے اور ان سے محبت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے **وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ** (الشعراء) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہے یعنی ہماری طرف سے سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے آفات سے سلامتی ہے جس طرح ارشاد فرمایا: **سَلِّمْ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ** جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

**إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ** یعنی ان مومن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عبودیت کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کے مستحق بن گئے۔

**مسئلہ نمبر 16۔** **وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی نبوت کی بشارت دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بشارت دو دفعہ دی گئی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کہ انہیں نبوت کی بشارت اس بنا پر دی گئی کہ انہوں نے صبر کیا، اپنے رب کے حکم پر راضی ہوئے اور سراطاعت خم کر دیا تو جزا کے طور پر یہ انعام ہوا۔

**وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ** یعنی ہم نے ان دونوں پر نعمت کو دگنا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کی اولاد کو زیادہ کر دیا یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر برکتیں نازل کیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو ان کی پشت سے نکالا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ میں ضمیر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ مفضل نے کہا: صحیح جس پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیح کے قصہ کو بیان کیا جب قصہ کے آخر میں کہا: **وَقَدْ يَتَنَّهُ يَذِجُ عَظِيمًا** پھر فرمایا: **سَلِّمْ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ** **كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ** فرمایا: **وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ** **وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ** علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا تھا پھر کہا: **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا يَهُدَا** اس امر پر دال ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے۔ راوی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کرتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑے تھے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی جب نص سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی تو بے شک ذبیح بھی حضرت اسحاق علیہ السلام ہونگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دو دفعہ دی گئی: (1) بچے کی ولادت کی (2) اس کی نبوت کی جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اور نبوت بڑھاپے میں ہوگی۔

**نَبِيًّا** حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور **عَلَيْهِ** میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں تک کہ ضمیر ان کی طرف لوٹے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ کی سند سے یہ مروی ہے کہا میں نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یوں خطاب کرتے ہوئے سنا: یا ابن الذبیحین نبی کریم ﷺ ہنس پڑے پھر حضرت معاویہ نے کہا: حضرت عبدالمطلب نے جب برز زمزم کو کھودا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرمانی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس معاملہ کو آسان کر دیا تو وہ ضرور اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کنوئیں کے معاملہ کو ان کے لئے آسان کر دیا تو قرعہ حضرت عبد اللہ کے نام نکالا ان کے ماموؤں نے حضرت عبدالمطلب کو اس امر سے روکا انہوں نے کہا: اپنے بیٹے کا فدیہ دو۔ حضرت عبدالمطلب نے سواونٹوں کا فدیہ دیا پھر حضرت عبد اللہ ذبیح ہوئے حضرت اسماعیل دوسرے ذبیح ہیں۔ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کی سند ثابت نہیں جس طرح ہم نے کتاب الأعلام فی معرفۃ مولد المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (البقرہ: 133) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَرَفَعْنَا أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ (یوسف: 100) وہ دونوں اس کے والد اور اس کی خالہ تھی اسی طرح فرزدق شاعر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر اس کی سند صحیح ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرزدق کی ذات میں ہی اعتراض کی گنجائش موجود ہے؟

**مسئلہ نمبر 17۔** وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ جَبَّارٌ (مائدہ: 18) جب اولاد میں کثرت اور برکت کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے کچھ سیاہ کار ہونگے، سیاہ کار کو نبی کا بیٹا ہونا کوئی نفع نہ دے گا (1) یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اور عرب اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں تب بھی محسن اور مسی، مومن اور کافر میں فرق ضروری ہے قرآن حکیم میں ہے: وَ قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ: 18)

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَ هَارُونَ ۖ وَ نَجَّيْنَاهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَثْرِ الْعَظِيمِ ۖ وَ نَصَرْنَاهُمْ فَاكُنُوا لَهُمُ الْغُلَبِينَ ۖ وَ اتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۖ وَ هَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۖ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَ هَارُونَ ۖ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ

”ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر۔ اور ہم نے بچا لیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخش دی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام

1۔ کافر: کفر کی صورت میں ہی یہ رشتہ کوئی نفع نہ دے گا اور نہ گناہگار کے لیے تو شفاعت ثابت ہے۔ (مترجم)

کرنے والوں کو۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔“

جب اس امر کا ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح ہونے سے نجات دی اور نبوت کے بعد جو ان پر احسان کیا ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر جو احسان کیا۔ اَلْكَذِبِ الْعَظِيمِ ⑤ سے مراد وہ غلامی ہے جو بنی اسرائیل کو لاحق ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اس سے بچ گئے تھے۔ وَنَصَرْنَاهُمْ فِرْعَوْنَ ⑥ نے کہا: ضمیر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لئے ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو بھی جمع ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَآتَيْنَاهُمَا اور وَهَدَيْنَاهُمَا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم ضمیر حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے لئے ہے، یہی درست ہے کیونکہ اس سے قبل وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا ⑦ ہے۔

اَلْكِتَابِ الْمُسْتَبِينِ ⑧ سے مراد تورات ہے یوں کہا جاتا ہے، داستان کذاب یعنی وہ واضح ہو گیا استبانہ فلان فلان نے اسے واضح کر دیا۔ یہ اس کی مثل ہے تبیین الشئ بنفسہ اور تبیینہ فلاں۔

الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ⑨ سے مراد دین قویم ہے جس میں کوئی کجی نہیں وہ دین اسلام ہے وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ⑩ سے مراد اچھی تعریف ہے۔

سَلَّمَ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ ⑪ اِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑫ اِنَّهُمْ مِّنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑬ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ⑭ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَلَا تَتَّقُونَ ⑮ اَتَدْعُونَ بَعْلًا  
وَتَذَرُونَ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ⑯ اللّٰهُ رَبُّكُمْ وَرَبَّ اَبَابِكُمْ الْاَوَّلِينَ ⑰  
فَكَذَّبُوهُ فَاتَّهَمُوهُ لَمُحْضَرُونَ ⑱ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِينَ ⑲ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي  
الْآخِرِينَ ⑳ سَلَّمَ عَلَى اِلَیَّا سِينَ ㉑ اِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ㉒ اِنَّهُ مِنْ  
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ㉓

”اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں، کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں پکڑ کر حاضر کیا جائے گا بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔“

مفسرین نے کہا: حضرت الیاس بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسرائیل



سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یوں قراءت کی وان ادریس؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ کہا: حضرت عبداللہ کے مصحف میں وإن ادریس لمن المرسلین تھا حضرت عبداللہ بن مسعود یہ قول کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اس سے مراد حضرت یسع کے چچا ہیں (1)۔ ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات کے نگران حضرت کالب بن یوقنا تھے پھر حضرت حزقیل تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل نبی کو موت عطا کر دی تو بنی اسرائیل میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو نبی بنا کر معبود کیا اور حضرت یسع ان کے پیچھے آئے وہ حضرت الیاس پر ایمان لائے جب بنو اسرائیل نے ان پر سرکشی کی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ان سے نجات عطا کریں تو انہیں کہا گیا: فلاں دن فلاں جگہ کی طرف نکلو جو چیز بھی تیرے سامنے آئے اس پر سوار ہو جاؤ اور اس سے خوفزدہ نہ ہونا۔ آپ نکلے اور ان کے ساتھ حضرت یسع بھی تھے عرض کی: اے الیاس! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت الیاس نے اوپر کی جانب سے ان کے اوپر اپنی چادر پھینک دی۔ یہ بنی اسرائیل پر انہیں ناسب بنانے کی علامت تھی۔ یہ حضرت الیاس کا حضرت یسع کے ساتھ آخری وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام سے کھانے اور پینے کی لذت کو ختم کر دیا اسے پر عطا کئے اور نور کا لباس پہنایا اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ گئے وہ انسان، فرشتہ آسمانی اور زمینی ہو گئے (2)۔

ابن قتیبہ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا: مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی: تو مجھے اپنی طرف اٹھالے اور مجھ سے موت کے ذائقے کو مؤخر کر دے تو وہ فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے۔ بعض نے کہا: آپ مریض ہوئے اور موت کی آہٹ کو محسوس کیا اور روئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: تو کیوں روتا ہے؟ دنیا کی حرص میں یا موت کی گھبراہٹ سے یا آگ کے ڈر سے؟ عرض کی: نہیں تیری عظمت و جلال کی قسم! ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، میری گھبراہٹ یہ ہے میرے بعد حمد کرنے والے کیسے حمد کریں گے جبکہ میں تیری حمد نہیں کروں گا؟ میرے بعد ذکر کرنے والے کیسے تیرا ذکر کریں گے جبکہ میں تیرا ذکر نہیں کروں گا؟ میرے بعد روزے دار کیسے روزے رکھیں گے جبکہ میں روزہ نہ رکھوں گا؟ وہ کیسے تیری نماز پڑھیں گے جبکہ میں نماز نہیں پڑھوں گا؟ اسے کہا گیا: اے الیاس! میری عزت کی قسم میں تجھے اس وقت تک مہلت دوں گا جس میں کوئی ذا کر میرا ذکر نہیں کرے گا یعنی قیامت کے دن تک تجھے مہلت دوں گا۔

عبدالعزیز بن رواد نے کہا: حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت المقدس میں رمضان شریف کے مہینہ میں روزے رکھتے ہیں، وہ ہر سال حج کرتے ہیں۔ ابن ابی دینار نے ذکر کیا ہے کہ جب حج کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ماشاء اللہ ماشاء اللہ جو نعمت بھی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ تو کلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل سورہ کہف میں گزر چکا ہے۔

مکحول کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ کیا یہاں تک کہ ہم ایک پتھر کے پاس اونٹنی کی گذرگاہ میں تھے اچانک ہم آواز سن رہے تھے جو آدمی کہہ رہا تھا: اللہم اجعلنی من امة محمد المرحومة المغفورة لها المتوب عليها المستجاب لها۔ اے اللہ مجھے حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے بنادے جو مرحومہ، مغفورہ ہے جس کی توبہ قبول کی جاتی ہے اور جس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے انس! دیکھو یہ آواز کیسی ہے؟“ تو میں پہاڑ کے اندر چلا گیا تو اچانک میں ایک آدمی کے پاس تھا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے جس کے جسم پر سفید کپڑے تھے اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا: تو نبی کا بھیجا ہوا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس کی طرف واپس جائیے اسے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا: یہ تیرا بھائی الیاس ہے جو تیری ملاقات چاہتا ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے جبکہ میں ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ جب ہم ان کے قریب ہوئے تو وہ نبی کریم ﷺ کی طرف آگے بڑھے اور میں پیچھے ہٹ گیا، دونوں نے طویل گفتگو کی، دونوں پر آسمان سے کوئی چیز نازل ہوئی جو دسترخوان کے مشابہ تھی، دونوں نے مجھے بلایا تو میں نے ان دونوں کے ساتھ کھایا اس میں کھمبے، انار اور اجوائن تھی۔ جب میں نے کھانا کھالیا تو میں اٹھ گیا اور ایک طرف ہو گیا۔ ایک بادل آیا جس نے اسے اٹھالیا جبکہ میں ان کے کپڑوں کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں یہ کھانا جو ہم نے کھایا ہے کیا یہ آسمان سے نازل ہوا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل امین ہر چالیس دنوں میں ایک دفعہ کھانا لاتے ہیں اور ہر سال میں ایک دفعہ زمزم کا پانی لاتے ہیں بعض اوقات میں نے انہیں گہرے کنویں پر دیکھا وہ ڈول بھرتے اور خود پیتے اور بعض اوقات مجھے بھی پلایا“ (1)۔

ثعلب نے کہا: علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان بعل میں اختلاف کیا ہے۔ ایک طاغوت نے کہا: یہاں بعل سے مراد بت ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہاں بعل سے مراد فرشتہ ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: اس سے مراد عورت ہے جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے؛ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

حکم بن ابان، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہاں بعل سے مراد بت ہے۔ عطا بن سائب، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بعل کا معنی رب ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قول صحیح ہیں کہا: تم بت کی عبادت کرتے ہو جسے تم نے رب بنایا ہوا ہے یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: هذا بعل الدار یہ گھر کا مالک ہے معنی ہوگا: کیا تم اسے رب کہتے ہو جسے تم نے خود گھرا ہے؟ اتدعون یہ اتسمون کے معنی میں ہے کیا تم اسے یہ نام دیتے ہو، یہ سیبویہ نے بیان کیا ہے۔

مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی نے کہا: یمن کی لغت میں بعل کا معنی رب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یمنی آدمی

1۔ امام ذہبی نے ”المنہج“ میں اسی روایت پر سخت جرح کی ہے۔

کو کہتے ہوئے سنا جو منیٰ میں اونٹنی چرا رہا تھا: من بعل ہذہ یعنی اسکا مالک کون ہے؟ اسی وجہ سے خاوند کو بعل کہتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا:

وَرَأَيْتُ بَعْلَكَ فِي الْوَعَى مُتَقَلِّدًا سِيفًا وَرُمَحًا

میں نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزہ سنبھالے ہوئے تھا۔

مقاتل نے کہا: بعل سے مراد وہ بت ہے جسے حضرت الیاس نے توڑا اور ان لوگوں کے پاس سے بھاگ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بت سونے کا تھا، اس کی لمبائی بیس ہاتھ تھی اس کے چار منہ تھے اس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہوئے، لوگوں نے اس بت کی تعظیم کی یہاں تک کہ اس کی خدمت پر سو آدمی لگائے اور ان افراد کو اس کے انبیاء بنایا شیطان بعل کے پیٹ میں داخل ہوتا اور گمراہی کی باتیں کرتا خدام انہیں یاد کرتے اور لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتے یہی لوگ شام کے علاقہ میں اہل بعلبک کہلاتے اسی وجہ سے ان کے شہر کا نام بعلبک پڑ گیا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿١٥﴾ اس کے لئے جو نام ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بہترین خالق ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ معنی ہے وہ بہترین صانع ہے کیونکہ لوگ بناتے ہیں تخلیق نہیں کرتے۔

اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦﴾ تینوں اسماء منصوب ہیں۔ ربیع بن خثیم، حسن بصری، ابن ابی اسحاق، ابن وثاب، اعمش، حمزہ اور نسائی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ اور ابو حاتم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ صفت ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ بدل کی حیثیت سے منصوب ہیں یہاں صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہاں تخلیق نہیں۔

ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم، ابو جعفر، شیبہ اور نافع نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے ہو اللہ ربکم نحاس نے کہا: جو کہا اس میں سے بہترین یہ ہے یہ کلام مبتدا خبر ہے نہ اضمار ہے اور نہ ہی حذف ہے۔

میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا کہ وہ اس طرف گئے ہیں رفع دینا زیادہ بہتر اور اچھا ہے کیونکہ اس سے قبل آیت کا سرا ہے پس نئے سرے سے کلام شروع کرنا اولیٰ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے نصب دی یا رفع دیا اس نے أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ پر مکمل وقف نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس سے مراد ہے۔

حضرت الیاس کی قوم کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے حضرت الیاس کو جھٹلایا پس وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے مگر ان کی قوم کے مخلص لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اسے المخلصین پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اعرج، شیبہ اور نافع کی قراءت آل یاسین۔ عکرمہ، ابو عمرو، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الیاسین قراءت کی ہے حضرت حسن بصری نے سلام علی الیاسین الف کو وصلیہ کرتے ہوئے پڑھا ہے گویا اصل میں یاسین تھا اس پر الف، لام تعریف کا داخل ہوا ہے اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں اسی پر سلام واقع ہوا ہے لیکن یہ عجمی اسماء میں منصوب ہو جاتے ہیں وہ اکثر اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔

ابن جنی نے کہا: عرب عجمی اسماء میں کھلتے رہتے ہیں یاسین، الیاس اور الیاسین ایک ہی چیز ہے۔ زمخشری نے کہا: جب وصل کرتے تو نصب دیتے اور جب وقف کرتے تو رفع دیتے اسے علی الیاسین اور یسین، اد ر سین اور اد راسین پڑھتے یہ الیاس اور اوریس کی لغتیں ہیں شاید سریانی زبان میں یاء اور نون کی زیادتی کی کوئی حکمت ہو۔ نحاس نے کہا: جس نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس نے اس کا اسم الیاس اور یاسین بنایا ہے پھر اس کی آل یعنی اس کے شہر والوں اور جو اس کے مذہب والے تھے ان پر سلام بھیجا اس سے یہ بات معلوم ہو گئی ہے جب اس کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا گیا تو وہ اس سلامتی میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہم صل علی آل ابی اوفیٰ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ① (غافر) جس نے الیاسین پڑھا ہے علماء کے اس میں کئی اقوال ہیں۔ ہارون نے ابن ابی اسحاق سے روایت نقل کی ہے کہ الیاسین، ابراہیم کی مثل ہے وہ اس طرف گیا ہے کہ یہ نام ہے۔ ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ جمع سالم ہے کیونکہ ان پر اور ان کے اہل بیت پر سلام بھیجا گیا ہے اس نے یہ شعر پڑھا ہے:

قَدْنِي مِنْ نَضْرِ الْخُبَيْبِينَ قَدِي

یہ کہا جاتا ہے قَدْنِي اور قَدِي دو لغتیں ہیں ان کا معنی حسب یعنی کافی ہے وہ ابو حبيب عبد اللہ بن زبیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو جمع بنانا کہ جو بھی ان کے طریقہ پر تھا وہ اس کے ساتھ ہے۔ ابو عبیدہ کے علاوہ علماء نے اسے الْخُبَيْبِينَ تثنیہ نقل کیا ہے اس سے مراد عبد اللہ اور مصعب ہیں علی بن سلیمان اس سے زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ کہا: عرب کسی قوم کا نام اپنے میں سے جلیل القدر آدمی کے نام پر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: مہالبہ انہوں نے اپنے میں سے ہر آدمی کا نام مہلب کے نام پر رکھ دیا کہا اسی تاویل پر سَلَّمَ عَلٰی اِلٰی یَاسِیْنَ ② ہے۔ ان میں سے یہ ایک الیاس کا نام دیا گیا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس میں سے کچھ ذکر کیا ہے مگر اس نے یہ ذکر کیا عرب اس نسبت کے طریقہ پر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اشعرون اس سے وہ نسبت کا ارادہ کرتے ہیں۔

مہدوی نے کہا: جس نے الیاسین پڑھا تو یہ جمع کا صیغہ ہے جس طرح جمع مکسر میں سے یاء نسبت حذف ہو جاتی ہے جس طرح مہالبہ، مہلبی کی جمع ہے اسی طرح جمع سالم میں بھی اسی طرح حذف ہے پس مہلبون کہا گیا سیبویہ نے حکایت کی ہے۔ اشعرون، نمیدون اس سے وہ اشعرین اور نمیدین مراد لیتے ہیں۔

سہیلی نے کہا: یہ صحیح نہیں بلکہ یہ الیاس میں لغت ہے جو کچھ انہوں نے کہا اگر اس کا ارادہ ہوتا تو الف، لام داخل کیا جاتا جس طرح المہالبہ اور الاشعرین میں داخل کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: سَلَّمَ عَلٰی اِلٰی یَاسِیْنَ ③ کیونکہ علم کی جب جمع بنادی جاتی ہے تو وہ نکرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر الف، لام داخل کیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا: سلام علی زیدین بلکہ تو کہتا ہے: سلام علی الذیدین۔

الیاس کے لفظ میں تین لغتیں ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ نے اپنی قراءت میں سلام علی الیاسین سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ بھی آپ کا نام ہے جس طرح الیاس ان کا نام ہے کیونکہ سورت میں ان کے علاوہ کسی آل پر سلام نہیں جس طرح دوسرے انبیاء کا نام ذکر کیا گیا ہے اسی طرح ان کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استدلال اصل میں ابو عمرو کا ہے جو غیر لازم ہے



کیونکہ اہل لغت کے قول کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا جائے تو اس کی ذات پر بھی سلام ہوتا ہے۔ یہ قول کہ اس کا نام الیاسین تھا وہ دلیل اور روایت کا محتاج ہے اس معاملہ میں اشکال واقع ہو گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے سلام علی یاسین اس میں الف اور لام کو ساقط کر دیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (1) ان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (2) ان سے مراد حضرت یاسین کی آل ہے اس تعبیر کی بنا پر یاسین میں زیادتی میں دو جہیں ہیں: (1) اس لئے زیادتی کی گئی تاکہ آیات برابر ہو جائیں جس طرح ایک موقع پر طور سیناء اور دوسرے موقع پر طور سینین فرمایا، اس صورت میں سلام ان کے اہل پر ہوگا اور ان کی ذات پر نہیں ہوگا، اس صورت میں اضافت شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

(2) جمع کرنے کے لیے داخل ہوا ہے پس حضرت یاسین بھی ان میں داخل ہیں پس سلام ان پر اور ان کی آل پر ہوگا سہلی نے کہا: متکلمین نے معانی القرآن میں کہا: آل یاسین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ اس قول کی طرف وہ گئے ہیں جنہوں نے یس کی تفسیر میں کہا: یا محمد! یہ قول بہت سی وجوہ سے باطل ہے۔

(1) سیاق کلام الیاسین کے قصہ میں ہے تو لازم ہے کہ یہ اس طرح ہو جس طرح حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصہ میں ہے اور سلام ان پر لوٹ رہا ہے یہاں بھی سلام الیاس کی طرف لوٹے گا کلام کو مقصود سے نکالنے کا کوئی معنی نہیں، اگر یہ قول کیا بھی جائے تو یہ کسی اور آیت میں بھی کہا جاسکتا ہے جبکہ اس قول میں ضعف موجود ہے کیونکہ یس حم اور الم وغیرہ ان سب میں ایک قول ہے وہ یہ کہ یہ حروف مقطعات ہیں یا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ماخوذ ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یا قرآن کی صفات سے ماخوذ ہیں یا اس طرح جس طرح امام شعبی نے کہا ہے: اللہ کی ہر کتاب میں راز ہیں قرآن حکیم میں اس کا راز سورتوں کے آغاز ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لی خمسة اسماء (1) میرے پانچ نام ہیں ان میں یس، کا ذکر نہیں ہے نیز یس میں تلاوت سکون اور وقف کی صورت میں آتی ہے اگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہوتا تو یہ مضموم ہوتا یسین جس طرح فرمایا: یُؤَسِّفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ (یوسف: 46) پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ سے یہ قول باطل ہو گیا تو الیاسین وہ مذکورہ الیاس ہے اور اسی پر سلام ہے۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا: یہ ادریس اور ادرا سین کی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ اس طرح ہے وان ادريس لمن المرسلين پھر فرمایا: سلام علی ادرا سین۔

وَ اِنَّ لَوْطَالَيْنِ الْمُرْسَلَيْنِ ۝ اِذْ نَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهُ اَجْمَعِينَ ۝ اِلَّا عَجُوْنًا فِي الْغَابِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْتُمْ لَسَّرُوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْحَبِيْنَ ۝ وَاِلَيْلٍ ۝ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

”اور بے شک لوٹ بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ یاد کرو جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ

کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی، پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان کے اجڑے دیاروں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔“

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ پہلے گزر چکا ہے یعنی بعد والوں کو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا وَاِنَّكُمْ مِّنْ عَرَبٍ كَوْ خَطَابٍ ہے یعنی تم صبح کے وقت ان کے مکانات اور آثار کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کے وقت بھی تم گزرتے رہتے ہو کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور تدبیر نہیں کرتے۔

وَ اِنَّ يُونُسَ لَمِّنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰۱﴾ اِذَا بَقِيَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۰۲﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۰۳﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ السَّبْعِينَ ﴿۱۰۵﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهٖ اِلٰى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿۱۰۶﴾

”اور بے شک یونس بھی ہمارے رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف سوار ہونے کے لئے پھر قرقع اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے، پس نکل لیا انہیں حوت نے در آنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔“

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** حضرت یونس ہی ذوالنون ہیں جو متی کے بیٹے ہیں یہ اسی بوڑھی کے بیٹے ہیں جس کے پاس حضرت الیاس علیہ السلام ٹھہرے تھے چھ ماہ تک حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپے رہے جبکہ حضرت یونس دودھ پیتے بچے تھے حضرت یونس علیہ السلام کی والدہ خود ہی ان کی خدمت کرتی اور موانست کیا کرتی تھی اور جس پر بھی قادر ہوتی حضرت الیاس کی تکریم کی خاطر ذخیرہ نہ کرتی۔ حضرت الیاس علیہ السلام گھر والوں کی تنگی سے اکتا گئے اور پہاڑوں کی طرف چل دیئے، اس عورت کا بیٹا حضرت یونس فوت ہو گیا وہ عورت حضرت الیاس کے پیچھے نکل کھڑی ہوئی وہ ان کے پیچھے پہاڑوں میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ انہیں تلاش کر لیا اس عورت نے سوال کیا کہ وہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے بیٹے کو زندہ کر دے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بچے کی وفات کے چودہ ماہ بعد آئے وضو کیا، نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی کو حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے زندہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینوی کی جانب بھیجا جو موصل کے علاقہ میں بستی تھی وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر وہ توبہ تائب ہوئے جیسا کہ اس کی وضاحت سورۃ یونس میں اور سورۃ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے غصہ کی حالت میں وہاں سے نکل جانے کے بارے میں گزر چکی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس سے قبل تھی جب مچھلی نے انہیں نگلا تھا یا اس کے بعد ہوئی تھی۔

طبری نے شہر بن حوشب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئے فرمایا: نینوی کے پاس جاؤ انہیں خبردار کرو کہ عذاب ان کے پاس آنا چاہتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں سواری تلاش کر لوں حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں جوتے تلاش کر لوں؟ حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں آگئے کشتی کی طرف چلے اور اس میں سوار ہو گئے جب کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی نہ آگے جاتی تھی اور نہ پیچھے ہوتی تھی کہا: انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا مچھلی دنب ہلاتی ہوئی آئی تو مچھلی کو ندا کی گئی: اے مچھلی! ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کے لئے پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے مچھلی نے انہیں وہاں سے لقمہ بنالیا یہاں تک کہ وہ ابلہ سے گزری پھر وہ انہیں لے کر چلی یہاں تک کہ دجلہ کے پاس سے گزری پھر وہ چلی یہاں تک کہ انہیں نینوی میں جا پھینکا۔

حرث، حسن سے وہ ابو ہلال سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت شروع ہو گئی تھی جب مچھلی نے انہیں باہر پھینکا تھا۔ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ رسول، اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر نہیں نکلتا جو کچھ ہوا وہ نبوت سے پہلے تھا۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: یہ واقعہ اس کے بعد ہوا کہ آپ نے لوگوں کو دعوت دی جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا تھا آپ نے لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا انہیں رسالت کی تبلیغ کی تھی لیکن ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب جس سے انہیں وہ ڈرا رہے ہیں ایک مخصوص وقت میں ان پر نازل ہوگا۔ جب لوگ توبہ تائب نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف نہ لوئے تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو گئے جب قوم پر عذاب سایہ فلکس ہو گیا اور ان پر چھا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سے عذاب کو اٹھا لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا اس عذاب کے اٹھ جانے اور ان کی سلامتی کی خبر پہنچی تو اس وجہ سے وہ غضبناک ہو گئے کہا: میں نے ان سے وعدہ کیا تھا تو اس نے مجھے جھٹلادیا اور زیادتی کی، وہ اپنے رب سے سخت ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور ان کی طرف لوٹنے کو ناپسند کیا جبکہ لوگوں نے ان کے جھوٹے ہونے کا تجربہ کر لیا تھا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے اور وہی صحیح ہے جس طرح اس کا ذکر: **وَاٰتٰنَا سُلٰتٰنًا اِلٰی مٰثَۃِ اَلْفِ اَوْ یَزِیْدُوْنَ** ⑤ میں آئے گا لفظ یونس منصرف نہیں کیونکہ یہ عجمی نام ہے اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا اگرچہ اس کے آغاز میں یاء ہے کیونکہ افعال میں یفعل کا وزن نہیں جس طرح تو کسی کا نام یعفر رکھے تو تو اسے منصرف پڑھے گا اگر تو کسی کا نام یعفر پڑھے تو تو اسے منصرف نہیں پڑھے گا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مبرد نے کہا: ابقی کا اصل معنی دور ہونا ہے اسی سے غلام آبقی ہے دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: حضرت یونس علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر لوگوں سے چھپتے ہوئے نکل گئے تھے۔

مشحون کا معنی ہے بھری ہوئی فلک مذکور و مونث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے یہ واحد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ترمذی حکیم نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کا نام آبق رکھا کیونکہ وہ عبودیت سے بھاگے تھے کیونکہ عبودیت کا مفہوم ہے خواہش نفس کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کے امور کے موقع پر اپنی جان قربان کر دینا۔ جب فرشتے کی جانب سے سختی ہوئی تو انہوں نے اپنے نفس کی قربانی نہ دی جس کی وضاحت سورۃ الانبیاء میں پہلے گذر چکی ہے اور اپنی خواہش نفس کو ترجیح دی تو ان پر آبق کا نام لازم آگیا۔ فرشتہ کی جانب سے سختی اللہ تعالیٰ کے امر میں تھی اپنے ذاتی امر میں نہ تھی اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق تھی اپنے حق کے متعلق نہ تھی حضرت یونس علیہ السلام نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو درست بات تھی اس کو نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آبق اور ملیم کا نام دیا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** مبرد نے فساحم کا معنی کیا ہے اس نے قرعہ اندازی کی اس کی اصل وہ تیر ہیں جو گھمائے جاتے ہیں تو وہ مغلوبین میں سے ہو گیا (1)، فراء نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے دحضت حجتہ واد حضہا اللہ۔ اس کا اصل معنی پھسلنا ہے؛ شاعر نے کہا:

قَتَلْنَا الْمُذْخَصِينَ بِكُلِّ فَيْجٍ فَقَدْ قَتَرَتْ بِقَتْلِهِمُ الْعَيُونَ (2)

ہم نے ہر ایک راستہ پر مغلوبین کو قتل کیا ان کے قتل سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** مچھلی نے اسے نکل لیا جبکہ اس نے ایسا کام کیا جس پر ملامت کی جاتی ہے: ملامت اسے کہتے ہیں جس کی ملامت کی جائے وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملیم کا معنی جس میں عیب ہو جب کوئی آدمی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے عیب دار ہو جائے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے: لام الرجل۔

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَسَائِي نے کہا: یہاں ان کے ہمزہ کو لام کے داخل ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں دیا کیونکہ یہ اس کے لئے نہیں۔ نحاس نے کہا: بات اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہی لام یہ تولولا کے جواب میں ہے مسبحین کا معنی ہے نماز پڑھنے والے۔

اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتا تو بطور سزا قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتا یعنی مچھلی کا پیٹ قیامت تک اس کی قبر ہوتا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟ سدی، قلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: چالیس دن۔ ضحاک نے کہا: بیس دن۔ عطاء نے کہا: سات دن (3)۔ مقاتل بن حبان نے کہا: تین دن (4)۔ ایک قول کیا گیا: ایک ساعت۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** طبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس کو محبوس کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی کی کہ اسے پکڑ لے اس



کے گوشت کو خراش نہ لگانا اور اس کی ہڈی کو نہ توڑنا۔ مچھلی نے اسے پکڑ لیا پھر سمندر میں اپنے مسکن میں جا بیٹھی جب وہ سمندر کے انتہائی گہرے حصہ میں پہنچی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کچھ آواز محسوس کی تو اپنے دل میں خیال کیا یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ تو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی فرشتوں نے اس کی تسبیح سنی انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزور سے تسبیح سن رہے ہیں فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری نافرمانی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: تیرا وہ نیک بندہ جس کے ہر روز تیری بارگاہ میں نیک اعمال بلند ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں، فرشتوں نے اس کے حق میں سفارش کی، مچھلی کو حکم دے دیا گیا کہ اسے ساحل پر اس بچے کی طرح پھینک دے جس کا نفس ہو جس کا گوشت اور ہڈیاں ایک ہو چکی ہوں۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اس نے اپنا سراو پر کو اٹھایا ہوا تھا جس میں حضرت یونس علیہ السلام سانس لے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کر رہے تھے وہ مچھلی ان سے جدا نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ خشکی تک جا پہنچے مچھلی نے آپ کو صحیح و سالم باہر پھینک دیا ان کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی تو سب لوگ مسلمان ہو گئے؛ زمخشری نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مجھے کئی ساتھیوں نے امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف جوینی سے یہ واقعہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس سمت میں ہے؟ فرمایا: نہیں وہ اس سے بالا ہے۔ پوچھا گیا: اس پر دلیل کیا ہے؟ فرمایا: اس پر دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی تم مجھے حضرت یونس متی پر فضیلت نہ دو۔ ان سے پوچھا گیا: اس حدیث میں دلیل کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: میں وہ نہیں بتاؤں گا یہاں تک کہ میرا یہ مہمان ہزار دینار لے لے جس کے ساتھ اپنا قرضہ ادا کر لے۔ دو آدمی اٹھے انہوں نے کہا: یہ ہم پر لازم ہے، آپ نے فرمایا: وہ دو کا پیچھا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پر شاق گذرے گا ان میں سے ایک نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے۔

آپ نے فرمایا: حضرت یونس بن متی نے اپنے آپ کو سمندر میں پھینکا مچھلی نے انہیں لقمہ بنالیا وہ سمندر کی گہرائی میں تین تارکیوں میں جا پہنچے اور یوں ندا کی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵﴾ (الانبیاء) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت محمد ﷺ جب سبز رُف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے بلند یوں پر چڑھے یہاں تک کہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سے کلموں کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے مناجات کی جو مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جو وحی کی اس وقت سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ سے حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ قریب نہ تھے جبکہ وہ سمندر کی تاریکی میں مچھلی کے پیٹ میں تھے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس کے سواروں کو سخت ہوانے آلیا انہوں نے کہا: یہ تم میں سے کسی کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا جبکہ وہ جان چکے

تھے کہ غلطی انہی کی ہے: یہ میری غلطی ہے مجھے سمندر میں پھینک دو، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ قرعہ اندازی کر لیں انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ان کے نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ مصیبت میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ دوبارہ قرعہ ڈالیں تو قرعہ انہیں کے نام نکلا انہوں نے پھر بھی انہیں سمندر میں پھینکنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ تیسری بار قرعہ ڈالیں تو پھر بھی قرعہ انہیں کے نام نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا یہ رات کا وقت تھا تو ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو نقاب اوڑھ لیا اور سو گئے کشتی والے چلے ابھی تھوڑی دور بھی نہ گئے تھے کہ ہوانے انہیں آلیا قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی کشتی والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی انہوں نے کہا: اس سوئے آدمی کو جگائیے وہ بھی ہمارے ساتھ دعا مانگے حضرت یونس نے ان کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو دور کر دیا حضرت یونس علیہ السلام پھر اپنی جگہ کی طرف چلے گئے اور سو گئے پھر ہوا آگئی قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو بیدار کیا اور سب نے دعا کی تو ہوا ختم ہو گئی کہا: وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک مچھلی جس کا سر بہت بڑا تھا بلند ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ کشتی کو ہی نگل جائے تو حضرت یونس علیہ السلام نے لوگوں کو کہا: اے میری قوم! یہ میری وجہ سے ہے اگر تم مجھے سمندر میں پھینک دو تو تم چلتے رہو گے اور تم سے ہوا اور خوف دور ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی کر لیں۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اسے سمندر میں پھینک دیں گے لوگوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت آئی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم ایک دفعہ پھر قرعہ ڈال لیں انہوں نے ایسا ہی کیا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی نکلا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت پہنچی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَسَآھَمَ فِکَانَ مِنَ الْمَذْخُومِ ۝ کا یہی معنی ہے یعنی قرعہ ان کے نام پڑا وہ اسے لے کر کشتی کے سامنے والے حصہ کی طرف گئے تاکہ اسے پھینک دیں کہ اچانک ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی پھر وہ اسے کشتی کی ایک طرف لے گئے تو وہاں ایک مچھلی تھی پھر اسے لے کر دوسری جانب گئے تو وہاں بھی ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی جب یہ دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا تو مچھلی نے انہیں نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی: میں نے اسے تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کا برتن بنا دیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے تو انہوں نے تاریکیوں میں یہ دعا کی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ ۚ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے (1)، پھر بھی آئے گی۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتوں میں قرعہ کا عام معمول تھا ہماری شریعت میں بھی یہ معمول ہے جس طرح سورہ آل عمران میں آیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: شرع میں تین مقامات پر قرعہ کا ذکر آیا ہے (1): (1) نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(2) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک آدمی نے چھ غلام آزاد کر دیئے ان کے علاوہ اس کا کوئی مال نہ تھا نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو دو کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رہنے دیا۔

(3) دو آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں میراث کا جھگڑا کیا جس کے آثار مٹ چکے تھے فرمایا: ”دونوں جاؤ حق کو تلاش کرو قرعہ ڈالو اور تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے اس کو حلال کر دے“۔ یہ تین مواقع ہیں وہ نکاح میں باری، آزادی اور تقسیم ان میں قرعہ کا اجراء، اشکال کو دور کرنے اور خواہش کی مرض کو ختم کرنے کے لئے ہے۔

جنگ کے موقع پر بیویوں میں قرعہ اندازی نکالنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے (2) اس بارے میں دو قول ہیں: (1) صحیح یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی جائے؛ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کو سفر پر لے جانا ممکن نہیں ان میں سے ایک کا انتخاب ترجیح بنتی ہے اس لیے قرعہ کی صورت ہی رہ جاتی ہے، چھ غلاموں میں بھی یہی صورتحال تھی کیونکہ ان میں سے دو، ایک تہائی بنتا ہے یہ وہ مقدار ہے جس کی مرض موت میں آزادی جائز ہے محض خواہش نفس اور من پسندی شرعاً جائز نہیں تو قرعہ کے بغیر کوئی صورت باقی نہ رہی اسی طرح وہ جھگڑا جو وراثت کے مال کی ذاتوں میں ہوا تھا تو قرعہ کے بغیر حق کو کوئی امتیاز عطا نہیں کرتا تھا پس جب مشکل پڑ جائے تو قرعہ ہی مستحق کی تعیین میں اصل بن گیا۔

کہا: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہر مشکل میں یہ جاری ہوگا پس یہی اس کو زیادہ واضح کرنے والا، حکم میں قوی، اشکال کی صورت کو دور کرنے میں نمایاں ہوگا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: بیویوں میں طلاق میں قرعہ، لونڈی میں آزادی میں قرعہ کی طرح ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** سمندر میں کسی آدمی کو پھینکنے کے لئے قرعہ اندازی کرنا جائز نہیں یہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے زمانہ میں دلیل کے ثبوت اور ایمان کی زیادتی کی وجہ سے تھا جو آدمی گناہگار ہو اسے قتل کرنا اور اسے آگ یا سمندر میں پھینک دینا جائز نہیں بلکہ اس کے جرم کے مطابق حد یا تعزیر جاری ہوگی۔ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ سمندر جب قوم کو خوفزدہ کر دے وہ کشتی کو ہلکا کرنے پر مجبور ہو جائیں تو قرعہ ڈالا جائے گا اور کچھ کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ قول فاسد ہے کیونکہ بعض افراد کو سمندر میں پھینک دینے سے بوجھ ہلکا نہیں ہوگا بلکہ یہ طریقہ اموال کو پھینکنے میں اپنایا جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں میں سے تھے اور ان کی تسبیح ہی ان کی نجات کا باعث بنی تھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عمل صالح عمل کرنے والے کو اوپر اٹھاتا ہے جب وہ لڑکھڑا کر گر پڑے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا من المسبحین کا معنی ہے نمازیوں میں سے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی نماز اس لیے پڑھا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی۔

ربیع بن انس نے کہا: اگر انہوں نے اس سے قبل عمل صالح نہ کیا ہوتا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے کہا: حکمت میں لکھا ہوا ہے جب کوئی بندہ پھسلتا ہے تو عمل صالح اسے اٹھا دیتا ہے۔

مقاتل نے کہا: **مِنَ الْمُسْبِحِينَ** سے مراد ہے وہ معصیت سے پہلے نمازیوں اور اطاعت شعاروں میں سے تھے۔ وہب نے کہا: معنی ہے وہ عبادت گزاروں میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مچھلی کے پیٹ میں ان کی کوئی نماز نہ تھی بلکہ انہوں نے آسودگی کے دور میں اچھا عمل کیا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حالت آزمائش میں اس کا ذکر کیا، بے شک عمل صالح عامل کو اٹھاتا ہے جب وہ لغزش کھاتا ہے تو یہ عمل اسکا سہارا بن جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **مِنَ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ خَبِيئَةٌ مِنْ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلْيَفْعَلْ (1)** جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ اس کے لیے عمل صالح میں سے کوئی پوشیدہ عمل ہو تو وہ ایسا کرے یعنی بندے کو یہ کوشش کرنی چاہیے اور عمل صالح میں سے کسی عمل پر حریص ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان خالص ہو اپنی ضرورت کے دن کے لئے وہ اسے ذخیرہ کرے اپنی کدو کاوش کے ساتھ اسے چھپائے مخلوق سے اسے چھپائے اس کا نفع اسے پہنچے گا جبکہ وہ اس کا زیادہ ضرورت مند ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسی اثنا میں کہ تین آدمی چل رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ تم سے قبل کے زمانہ میں انہیں بارش نے آلیا انہوں نے ایک پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لینی چاہی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان گر پڑی جس نے ان پر غار کا منہ بند کر دیا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: ان اعمال پر غور و فکر کرو جو تم نے اچھے اعمال کئے ہیں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس معصیت کو دور کر دے“ (2)۔ یہ حدیث مشہور ہے اس کی شہرت نے تمام حدیث کو بیان کرنے سے ہمیں غنی کر دیا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کہا: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (3)** (الانبیاء) مچھلی نے انہیں پھینک دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **مِنَ الْمُسْبِحِينَ** سے مراد مچھلی کے پیٹ میں سے نماز پڑھنے والے تھے۔

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ زبان سے تسبیح تھی جو دل کے موافق تھی اسی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ذکر طبری نے کیا۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی تو فرشتوں نے اس کی تسبیح کو سنا فرشتوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزوری تسبیح کی آواز سنتے ہیں۔ اس قول کی بنا پر کان زائدہ ہے کلام اس طرح ہوگی **فَلَوْلَا أَنَّهُ مِنَ الْمُسْبِحِينَ**۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعاء



ذی النون فی بطن الحوت لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

جب مسلمان نے کسی بھی مصیبت پر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ یہ بحث سورہ انبیاء میں گذر چکی ہے حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی نمازی اور تسبیح کرنے والے تھے مچھلی کے پیٹ میں بھی معاملہ اسی طرح ہے حدیث میں ہے: ”مچھلی کوندا کی گئی: ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کی جائے پناہ اور مسجد بنائی ہے۔“ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۖ وَأَنْبَثْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ۖ وَأَرْسَلْنَاهُ

إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۖ فَآمَنُوا فَمَسَّ عَنْهُمْ إِلَى حِينٍ ۖ

”پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور ان کی حفاظت کے لئے ہم

نے اگادی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ

ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک۔“

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مچھلی نے انہیں موصل کی ایک دیہات کے ایک ساحل پر پھینک دیا۔ ابن قسیط نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ”حضرت یونس علیہ السلام کو خالی جگہ پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی بیل اگادی ہم نے پوچھا: اے ابو ہریرہ یقیناً کیا ہے؟ کہا: کدو کا درخت، اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری ان کے لیے تیار کر دی جو زمین کا گھاس پھوس کھاتی وہ ان پر اپنی ٹانگیں پھیلا دیتی اور ہر صبح اور شام انہیں دودھ پلایا کرتی یہاں تک کہ وہ پروان چڑھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مچھلی انہیں لے کر نکلی یہاں تک کہ انہیں سمندر کے ساحل پر پھینکا اللہ تعالیٰ نے اس پر کدو کی بیل اگادی۔ اس کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے شجرة القمر کے الفاظ ہیں جو اس پر دودھ ٹپکتا یہاں تک کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوت لوٹ آئی پھر ایک روز وہ بیل کی طرف لوٹے تو اسے خشک پایادہ غمگین ہو گئے اور اس پر روئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو عتاب کیا گیا ان سے کہا گیا: تم ایک بیل پر غمگین ہوئے اور اس پر روئے اور بنی اسرائیل کے لاکھ سے زیادہ افراد کی ہلاکت پر غمگین نہ ہوئے جو میرے خلیل حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو دشمنوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور تو نے سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول کیا گیا ہے کہ وہ کیلے کا درخت تھا جو اپنے پتوں سے اسے ڈھانپتا، آپ اس کی شاخوں سے سایہ حاصل کرتے اور اس کے پھل سے افطار کرتے، اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ کدو کی بیل تھی جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور صالحین میں سے بنادیا پھر اسے حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کا قصد کیا یہاں تک کہ ایک چرواہے سے ملے حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اور ان کے حال کے بارے میں پوچھا، اس چرواہے نے

انہیں بتایا کہ وہ بہت بہتر حالت میں ہیں اور وہ اس امید میں ہیں کہ ان کا رسول ان کی طرف لوٹ آئے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس چرواہے سے فرمایا انہیں بتا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا: میں گواہی کے بغیر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے ریوز میں سے ایک بکری کو منتخب کیا فرمایا: یہ تیرے حق میں گواہی دے گی تو واقعی حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا اور کیا؟ کہا: زمین کا قطعہ تمہارے حق میں گواہی دے گا کہ تو نے حضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات کی اس نے کہا اور کیا؟ فرمایا: یہ درخت تیرے حق میں گواہی دے گا کہ تو حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا۔ وہ چرواہا اپنی قوم کی طرف آیا اور انہیں بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے تو قوم کے افراد نے اسے جھٹلایا اور اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اس نے کہا: مجھ پر جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں صبح کروں جب اس نے صبح کی تو وہ انہیں اس قطعہ زمین پر لے آیا جہاں اسے حضرت یونس علیہ السلام ملے تھے اس نے قطعہ زمین سے بولنے کا مطالبہ کیا تو اس قطعہ زمین نے خبر دی کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے اس نے بکری اور درخت سے بولنے کا مطالبہ کیا تو دونوں نے اسے بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے پھر اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آگئے، یہ اور اس سے ماقبل خبر طبری نے بیان کی ہے فَتَبَيَّنْتُہُمْ اَمَہُمْ نے اسے پھینک دیا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے صحراء میں چھوڑ دیا: یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ انخس نے کہا: کھلی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: کھلی زمین۔ فراء نے کہا: خالی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: عراء سے مراد روئے زمین ہے۔ خزاعہ کے ایک آدمی نے یہ شعر پڑھا:

وَرَفَعْتُ رِجْلًا لَا أَخَافُ عِشَارَهَا وَتَبَيَّنْتُ بِالْبَدَنِ الْعَرَاءِ ثِيَابًا (1)

میں نے قدم اٹھایا جس کی لغزش کا مجھے خوف نہیں اور میں نے سطح زمین پر اپنے کپڑے پھینک دیے۔

انخس نے وَهُوَ سَقِيمٌ کے بارے میں حکایت بیان کی ہے سقیم کی جمع سقمی، سقامی اور سقام ہے اس سورت میں فَتَبَيَّنْتُہُمْ بِالْعَرَاءِ کہا اور سورۃ القلم میں لَوْلَا اَنْ تَذَارَا كَہُ نَعْمَةٍ مِّنْ رَبِّہِ لَنُبَيِّنَا بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝ آیت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی کہ انہیں کھلی جگہ پھینکا گیا جبکہ وہ مذموم نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے: یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاسْتَبَيَّنَّا عَلَیْہِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقُطُّنٍ ۝ اس میں علیہ، عندہ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ عَلٰی ذٰلِکَ (الشعراء: 14) اس میں بھی علی عندی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ، لہ کے معنی میں ہے یَقُطُّنٍ سے مراد کدو کی نیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن اعرابی نے اس کا ذکر کیا ہے حدیث میں یہ بھی ہے ”کدو اور تربوز جنت کے پھل ہیں“ ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

مبرد نے کہا: ہر وہ پودا جس کا تانا نہ ہو جن کے پتے زمین پر بچھ جائیں اسے یقطینہ کہتے ہیں جس طرح کدو، تربوز، خر بوزہ اور تنبہ۔ اگر اس کا تانا ہو جو اسے اٹھائے ہوئے ہو تو اسے شجرہ کہتے ہیں، اگر کچھی ہوئی جزوں پر کھڑا ہو تو اسے نجمہ کہتے ہیں جس

کی جمع نجم آتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ** ① (رحمن) اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور مقاتل سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہر جڑی بوٹی جو لمبی ہو جائے اور زمین پر بچھ جائے صحیح و سالم باقی نہ رہے اور اس کا تنانہ ہو جس طرح کٹڑی، خر بوزہ، تر بوزہ، کدو اور تنبہ تو وہ یقطین ہوگی۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہر وہ شے جو آگے پھر اسی سال مرجائے اس تعریف کی بنا پر کیلا بھی اس میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: **يَقْطِطِينَ** اسے کہتے ہیں جس کا تنانہ ہو۔ جوہری نے کہا: یقطین اسے کہتے ہیں جس کا تنانہ ہو جس طرح کدو کی تیل۔ زجاج نے کہا: یقطین، قطن سے مشتق ہے یہ قطن بالمكان سے مشتق ہے جب وہ اسی جگہ مقیم ہو یہ یفعیل کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عجی نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یقطین کا خصوصاً ذکر ہوا ہے کیونکہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی یقطین نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے اگادیا آیت میں ایسی چیز کا ذکر ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ چیز بچھی ہوتی تھی تاکہ اس کا سایہ ہو۔

ثعلبی نے کہا: وہ اسے سایہ عطا کرتی تھی حضرت یونس علیہ السلام نے اس کی سرسبزی کو دیکھا تو اس کی سرسبزی نے اسے خوش کر دیا تو وہ خشک ہو گئی تو آپ اس پر غمگین ہونے لگے اسے کہا گیا: اے یونس! نہ تو تو نے اسے پیدا کیا، نہ تو نے اسے پانی دیا اور نہ ہی تو نے اسے اگایا تو ایک چھوٹے سے درخت پر غمگین ہوتا ہے جبکہ میں نے ایک لاکھ سے زائد افراد پیدا کئے تو مجھ سے یہ ارادہ کرتا تھا کہ میں انہیں لمحہ بھر میں جڑ سے اکھڑدوں انہوں نے توبہ کی اور میں نے ان کی توبہ قبول کر لی تو میری رحمت کہاں گئی اے یونس! جبکہ میں تو ارحم الراحمین ہوں ☆۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ گوشت اور کدو کے ساتھ بنایا گیا ٹرید کھاتے تھے آپ کدو کو پسند کرتے آپ فرماتے: یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شوربہ پیش کیا گیا جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے آپ پیالے کے اطراف میں کدو کو تلاش کرتے تھے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو ائمہ نے روایت کیا ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس کے بعد شروع ہوئی جب مچھلی نے انہیں پھینک دیا تھا اس کی سند حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اسناد کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جو علی بن حسین سے مروی ہے کہ حسن بن محمد، عمرو بن عنقری سے وہ اسرائیل سے وہ اسحاق سے وہ عمرو بن میمون سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے نبی کریم ﷺ سے وہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ عذاب تین دن میں آجائے گا لوگوں نے ہر والدہ اور اس کے بچے کو الگ کر دیا وہ بستی سے باہر نکلے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑائے اور اس سے مغفرت کے طالب ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک دیا حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ وہاں کا قانون تھا جو آدمی جھوٹ بولے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو

اسے قتل کر دیا جاتا ہے تو میرے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت اور یہ قطعہ زمین۔ اس نے عرض کی: ان دونوں کو حکم دیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے دونوں سے کہا: جب تم دونوں کے پاس یہ لڑکا آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا۔ دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ وہ لڑکا آپ کی قوم کے پاس آیا اس کے پاس قوت تھی اور اس کے بھائی تھے وہ بادشاہ کے پاس آیا اس نے کہا: میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں وہ تجھے سلام کہتے تھے، بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لوگوں نے کہا: اس کے پاس گواہ ہیں لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دو وہ درخت اور اس قطعہ زمین کے پاس آیا اور دونوں نے کہا: میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے حق میں گواہی دو کہ واقعی میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں؟ دونوں نے کہا: ہاں لوگ گھبرائے ہوئے واپس آئے کہہ رہے تھے: درخت اور زمین نے اس کے حق میں گواہی دی ہے۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دی۔

حضرت عبد اللہ نے کہا: بادشاہ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ بٹھایا اور کہا: تو میری بنسبت اس جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: اس لڑکے نے چالیس سال تک ان کے امور مملکت چلائے۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے مبعوث کیا گیا تھا، یہ امر قیاس سے نہیں لیا جاسکتا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان لے آئی تھی اور شرمندگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ اس میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ عذاب تین دن تک ان پر آجائے گا تو انہوں نے ہر والدہ اور بچے کو الگ الگ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی۔ اس باب میں یہ صحیح ہے ان کے بارے میں حق دوسروں کے حکم جیسا نہیں تھا ارشاد باری

☆ حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر نکل پڑے آپ ایک کشتی میں لوگوں کے پاس آئے لوگوں نے آپ کو کشتی پر سوار کر لیا اور آپ کو پہچان لیا جب کشتی میں داخل ہوئے تو کشتی رک گئی کشتی دائیں بائیں ڈولتی۔ لوگوں نے کہا: تمہاری کشتی کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اس میں ایک غلام اپنے رب سے بھاگا ہوا ہے یہ کشتی نہیں چلے گی یہاں تک کہ تم اس کو پھینک دو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی ہم آپ کو نہیں پھینکے گے آپ نے فرمایا: تم قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے تو وہ اس میں چھلانگ لگا دے لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگوں نے آپ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تین دفعہ قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکلے وہ اس میں چھلانگ لگا دے۔ لوگوں نے قرعہ ڈالا تو تین دفعہ قرعہ آپ کے نام نکلا۔ آپ نے چھلانگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مچھلی کے سپرد کر دیا اور مچھلی آپ کو نگل گئی اور زمین کی تہ تک آپ کو لے گئی حضرت یونس علیہ السلام نے سکر یزدوں کی تسبیح کو سنا، فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ (الانبیاء: 87) کہا: رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ فرمایا: فَتَنَبَّأَهُ بِآيَاتِنَا فَهَوَّ هُوَ سَقِيمٌ ﴿۸۸﴾، کہا: آپ اس پرندے کے بچے کی طرح تھے جس کے پر بوج لیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی ایک بیل کو آگیا تو وہ آگ آئی۔ حضرت یونس اس سے سایہ حاصل کرتے، وہ بیل خشک ہو گئی تو آپ اس پر روئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کیا تو ایک درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے اور ایک لاکھ سے زائد افراد پر نہیں روتا جن کو تو نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نکلے تو وہ ایک چرہا ہے بچے کے پاس پہنچے۔ پوچھا: اے بچے تو کون ہے؟ اس نے عرض کی یونس علیہ السلام کی قوم سے۔ فرمایا جب تو قوم کے پاس جائے تو انہیں بتانا کہ تو یونس علیہ السلام سے ملا ہے۔ بچے نے کہا: اگر آپ یونس ہیں تو آپ کو علم ہے کہ جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔



تعالیٰ ہے: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (الغافر) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ (النساء: 18)

بعض علماء نے کہا: انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ کر لی یہ کوئی ممنوع نہیں اس بارے میں علماء کی آراء سورۃ یونس میں گزر چکی ہیں وہاں دیکھ لو۔

اَوْ يَزِيْدُوْنَ سورۃ بقرہ میں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اد کے بارے میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: اد، بل کے معنی میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ ادواؤ کے معنی میں ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَلَمَّا اَشْتَدَّ اَمْرُ الْحَرْبِ فِينَا تَأْمَلْنَا رِيَا حَا اَوْ رِنَامَا (1)

اس شعر میں ادواؤ کے معنی میں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اس زبان کی طرح ہے: وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: 77)

جعفر بن محمد نے اِثْنَيْ مِائَةٍ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ⑤ ہمزہ کے بغیر صرف واؤ پڑھی ہے يَزِيْدُوْنَ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں کلام یوں تھی ہم یزیدون۔ نحاس نے کہا: بصریوں کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح نہیں انہوں نے اد کو بل اور واؤ کے معنی میں لینے سے انکار کیا ہے بلکہ بل پہلے کلام سے اضراب اور مابعد کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے یا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف نکلنے کے لئے ہوتا ہے یہ بھی اس کا موقع محل نہیں واؤ کا معنی اد کے خلاف ہے اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے معنی میں ہو تو معانی باطل ہو جائیں گے اگر ایسا جائز ہوتا تو وارسلناہ الی اکثر مائتی الف زیادہ مختصر ہوتا۔

مبرد نے کہا: معنی ہے ہم نے اسے ایسی جماعت کی طرف بھیجا اگر تم انہیں دیکھتے تو تم کہتے یہ ایک لاکھ یا اس سے زائد ہیں کیونکہ لوگوں کو خطاب اس انداز سے کیا جاتا ہے جس سے وہ واقف ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: جاعن زید او عمرو جبکہ تو جانتا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون تیرے پاس آیا ہے مگر تو نے مخاطب پر اس معاملہ کو مبہم کر دیا ہے۔

أخفش اور زجاج نے کہا: معنی ہے یا تمہارے اندازے کے مطابق اس سے زائد ہونگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے مرفوع نقل کیا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے وہ بیس ہزار تھے۔ حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: وہ بیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ستر ہزار تھے۔ اِثْنَيْنِ سے مراد ان کی عمروں کی انتہا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمُ الْوَيْلُكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُونَ ⑥ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَ هُمْ شٰهَدُوْنَ ⑦ اَلَا اِنَّهُمْ مِّنْ اَفْكَهْمُ لَيَقُولُوْنَ ⑧ وَلَدَا اللّٰهُ ⑨ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑩

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿٣٦﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٧﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿٣٩﴾ فَاتُّوْا بِكُتُبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾

”ذرا پوچھیے ان نادانوں سے: کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے آیا جب ہم نے فرشتوں کو مونث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے اور وہ بلاشبہ جھوٹ کہتے ہیں، کیا اس نے پسند کی ہیں اپنے لئے بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو۔“

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے سابقہ قوموں کی خبروں کو ذکر کیا تو اب کفار کے قول کے خلاف استدلال کیا ہے وہ یہ کہتے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں فَاسْتَفْتِيْہُمْ سورت کے آغاز میں جو اس قسم کا کلام ہے اس پر معطوف ہے اگرچہ دونوں میں طویل مسافت ہے اے محمد! ﷺ اہل مکہ سے پوچھو! کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہینہ، خزاعہ، بنو لیث، بنو سلمہ اور بنو عبد الدار نے یہ گمان کیا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، یہ سوال زبردستی توئیخ کے لئے ہے۔

شہدُونَ کا معنی ہے جب ہم نے فرشتوں کو مونث بنایا اس وقت وہ حاضر تھے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلُوا الْمَلَٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اِنَا كَاٰ اَشْهٰدُوْا خَلَقْنٰہُمْ (الزخرف: 19) اَفَكُنْہُمْ کا معنی ہے وہ بڑا برا جھوٹ تھا وہ اس بات میں جھوٹے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے اَلَا کے بعد ان کا ہمزہ مکسور ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ سیبویہ نے یہ کہا ہے کہ اَمَّا کے بعد اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے یا مکسور ہوتا ہے جب ہمزہ مفتوح ہو تو اَمَّا، حقا کے معنی میں ہوگا جب ہمزہ مکسور ہو تو اَمَّا، الا کے معنی میں ہوگا۔

نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اَلَا کے بعد ان کے ہمزہ کو فتح دینا جائز ہے اس صورت میں الا، اَمَّا کے مشابہ ہوگا جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں ہمزہ کے نیچے کسرہ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے بعد اسم مرفوع ہے الکاذبون پر کلام مکمل ہو جاتی ہے پھر اصطفیٰ سے نئی کلام شروع ہو جاتی ہے مقصود تقریع و تونیخ ہے۔ (شرمندہ کرنا ہے) گویا فرمایا: تم پر افسوس اس نے بیٹیاں منتخب کیں اور بیٹوں کو ترک کر دیا عام قراء کی قراءت اصطفیٰ ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے کیونکہ یہ ہمزہ استفہام ہے جو ہمزہ وصلی پر داخل ہے ہمزہ وصلی حذف ہو گیا اور ہمزہ استفہام مفتوح باقی رہا جس طرح اَظْلَمَ الْغَيْبِ (مریم: 78) ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع اور حمزہ نے ہمزہ وصلی کے ساتھ اسے پڑھا ہے یہ جملہ خبریہ ہے یہاں استفہام نہیں کیونکہ اس کا مابعد مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٧﴾ ہے کلام تونیخ کے طریقہ پر دو جہتوں سے جاری ہے ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے جو جھوٹ بولا ہے یہ اس کا بیان و تفسیر ہو اور مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٧﴾

ما قبل سے منقطع ہو دوسری یہ ہے کہ نحو یوں نے حکایت بیان کی ہے ان میں فراء بھی ہے کہ توبخ استفہام اور بغیر استفہام کے ہوا کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَذْهَبْتُمْ طَيْبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (الاحقاف: 20)** ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام مضمر ہے تقدیر کلام یوں ہے ویقولون اصطفی البنات یا یہ ولد اللہ سے بدل ہے کیونکہ بچیوں کو جنتا اور انہیں بیٹیاں بنانا ان کو منتخب کرنا ہی ہے فعل ماضی کو فعل ماضی سے بدل بنایا گیا ہے اس وجہ سے لکاذبون پر وقف نہیں کیا جائے گا کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ یہ جائز نہیں کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل اور برہان موجود ہے اگر تم سچے ہو تو دلائل لے آؤ۔

**وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝۱۱**

**سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝۱۲ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۱۳**

”اور ٹھہرا دیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ، حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں پکڑ کر پیش کیا جائے گا، پاک ہے اللہ تعالیٰ لغویات سے جو یہ بیان کرتے ہیں مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہرزہ سرائی نہیں کرتے)۔“

اکثر اہل تفسیر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں الجنہ سے مراد فرشتے ہیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قریش کے کفار نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ان کی مائیں کونسی ہیں؟ تو قریش نے جواب دیا: ان کی باپردہ۔ اہل اشتقاق نے کہا: انہیں جن اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ مجاہد نے کہا: فرشتوں کے خاندانوں میں سے ایک خاندان ہے جنہیں الجنہ کہتے ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اسرائیل، سدی سے وہ ابو مالک سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: انہیں جنہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ جنتوں کے خازن ہیں تمام فرشتے جنہ ہیں نسبا سے مراد رشتہ مصاہرت ہے۔

قتادہ، کلبی اور مقاتل نے کہا: یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ قائم کیا ہے فرشتے انہیں میں سے ہیں (2)؛ مجاہد، سدی اور مقاتل نے بھی یہ کہا ہے یہ بات کرنے والے کنانہ اور خزاعہ تھے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کی سردار عورتوں کو دعوت نکاح دی تو جنوں نے اللہ تعالیٰ کی شادی اپنی بامروت بیٹیوں سے کر دی فرشتے جنوں کی بامروت عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شیطان کو شریک کیا تو وہ نسب ہے جو انہوں نے قائم کیا (3)۔

میں کہتا ہوں: حضرت حسن بصری کا قول اس بارے میں بہت ہی اچھا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **إِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۴ (الشعراء)** یعنی ہم تمہیں عبادت میں رب العالمین کے ساتھ برابر قرار دیتے ہیں حضرت عباس، ضحاک اور حضرت حسن نے کہا: اس سے مراد ان کا یہ قول ہے اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹے قول سے بہت ہی بالا ہے (4)۔

ملائکہ کو علم ہے کہ ایسا قول کرنے والے جہنم میں موجود ہونگے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ حساب کے لئے حاضر ہوں گے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت میں احضار کا لفظ مکرر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کے علاوہ کی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔

جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں وہ جہنم سے نجات پائیں گے۔

فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿٦٤﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنَيْنِ ﴿٦٥﴾ إِلَّا مِنْ هُرْصَالِ الْجَحِيمِ ﴿٦٦﴾

”پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو تم سب ملکر اللہ کے خلاف کسی کو نہیں بہکا سکتے مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَمَا تَعْبُدُونَ میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر یہ ہے یعنی تم اور تمہاری ان بتوں کی عبادت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے ان معبودوں کے ساتھ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو یہ کہا جاتا ہے: جاء فلان وفلان، جاء فلان مع فلان دونوں کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

عَلَيْهِ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بِفِتْنَيْنِ یعنی گمراہ کرنے والے۔ نحاس نے کہا: جتنا مجھے علم ہے اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مقدر کر دے کہ وہ اسے گمراہ کریں۔ شاعر نے کہا:

فَرْدٌ بِنَعْتِهِ كَيْدًا عَلَيْهِ وَكَانَ لَنَا فَاتِنًا (1)

اس نے اپنی نعمت سے اس کا مکر اسی پر لوٹا دیا جبکہ وہ ہمیں گمراہ کرنے والا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت میں قدر یہ کار د ہے۔ عمرو بن ذر نے کہا: ہم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس حاضر ہوئے ان کے سامنے تقدیر کا ذکر کیا گیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو وہ ابلیس کو پیدا نہ فرماتا جبکہ وہ گناہ کی جڑ ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں علم ہے اسے پہچان لیا جس نے پہچان لیا اور جاہل رہ گیا جو جاہل رہ گیا پھر یہ آیت پڑھی فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿٦٤﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنَيْنِ ﴿٦٥﴾ مگر وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل ہونے کے بارے میں لکھ دیا فرمایا: اس آیت نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا ہے اس میں یہ راز ہے شیاطین کسی کو بھی گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو کہ وہ ہدایت نہ پائیں اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا تو وہ ہدایت پائے گا تو اس بندے اور شیطان کے درمیان حائل ہو جاتا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخِيلِكَ وَرَاجِلِكَ (الاسراء: 64) یعنی تو ان تک کوئی چیز نہیں پہنچا سکتا مگر جو میرے علم میں ہے۔

لبید بن ربیعہ نے تقدیر کی حقانیت کے بارے میں کہا اور خوب کہا:

إِنْ تَقْوَى رَبَّنَا خَيْرٌ نَفْلٌ دِيَادِنِ اللَّهِ رَيْثِي وَعَجَلٌ



أَحْمَدُ اللَّهُ فَلَا نَدَّ لَهُ بِيَدِيهِ الْخَيْرُ مَا شَاءَ فَعَلْ  
مَنْ هَدَاكَ سُبُلَ الْخَيْرِ اهْتَدَى نَاعِمَ الْبَالِ وَمَنْ شَاءَ أَضَلْ

بے شک تقویٰ بہترین احسان ہے اللہ کے اذن سے میری سستی اور تیزی ہے میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اس کا کوئی مد مقابل نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں خیر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے وہ بھلائی کے راستہ کی طرف ہدایت دے وہ بڑی آسانی سے ہدایت پا جاتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی مقدر کر دیتا ہے۔

فراء نے کہا: اہل حجاز کہتے ہیں فتنت الرجل میں نے انسان کو گمراہ کر دیا۔ اہل نجد مزید فیہ کا فعل ذکر کرتے ہیں اُفْتَنْتُهُ میں نے اسے گمراہ کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ پڑھا: إِلَّا مَنْ هُوَ صَلَّ الْجَحِيمِ یعنی لام مضموم ہے۔ نحاس نے کہا: مفسرین کی جماعت کا کہنا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ یہ کہنا جائز نہیں: هذا قاض المدينة۔ اس بارے میں میں نے جو علی بن سلیمان سے سنا ہے وہ سب سے بہترین ہے کہا: ہو معنی پر محمول ہے کیونکہ من کا معنی جماعت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی صالون اضافت کی وجہ سے نون حذف ہے اور واو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں یہ فاعل کے وزن پر تھا مگر اسے صال سے صایل کی طرف قلب کیا گیا یا کو حذف کر دیا گیا اور لام مضموم ہی رہ گیا شَفَّاجُفٍ هَاسٍ (التوبہ: 109) کی مثل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صال کا لام کلمہ تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا گیا اور اعراب اس کے عین کلمہ پر جاری ہوا جس طرح عربوں کے اس قول سے حذف ہے ما بالیت بہ بالة اصل میں یہ بالیۃ تھا یہ بالی سے ماخوذ ہے جس طرح عافیۃ، عافی سے ماخوذ ہے اس کی مثل اس کی قراءت ہے وَ جَنَّ الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (الرحمن) اور وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ (الرحمن): (24) یہاں بھی عین کلمہ پر اعراب جاری کیا گیا ہے جماعت کی قراءت میں صالی یاء کے ساتھ ہے کاتب نے تحریر میں اسے حذف کر دیا کیونکہ تلفظ میں یہ ساقط ہے۔

وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿١٤﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ السَّابِقُونَ ﴿١٥﴾

”اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اسی کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں اور بے شک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔“

یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کہا ہے اور جنہوں نے ان کی عبادت کی تھی ان کے انکار کے لیے ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ تین آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہی کے پاس تھے حضرت جبریل امین پیچھے ہٹ گئے تو نبی کریم ﷺ نے کہا: ”یہاں تو مجھے چھوڑ جائے گا“ حضرت جبریل امین نے عرض کی کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں اپنے مقام سے آگے بڑھوں ☆۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے ان

آیات کو نازل فرمایا: وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ⑤۔

کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وَمَا مَنَّا إِلَّا مِنْ لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ تو اسم موصول کو حذف کر دیا گیا۔  
بھریوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے وَمَا مَنَّا مَلَكَ إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ یعنی عبادت میں اس کا معین مکان ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں بالشت بھرا ایسی زمیں نہیں مگر اس پر ایک فرشتہ نماز پڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں مگر وہاں ایک فرشتہ سجدہ ریز ہے یا کھڑا ہے“ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے وہ آواز نکال رہا ہے اس کا حق ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگل کے برابر جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہے اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے، بستروں پر تم اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے تم پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑ گڑاتے میں تو خواہش کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (1)۔“ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس بارے میں کہا یہ حدیث حسن غریب ہے ایک دوسری سند سے یوں مروی ہے کہ حضرت ابو ذر نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا؛ حضرت ابو ذر سے یہ موقوف مروی ہے۔

قادر نے کہا: آپ مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ⑤ کہا: تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

کلبی نے کہا: فرشتوں کی صفیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح زمین میں اہل دنیا کی صفیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسجد میں تھے فرمایا: ”کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں (2)“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ ”پہلی صفوں کو مکمل کرتے اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتے تو کہتے: اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور سیدھے ہو جاؤ (3) اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اس ہدایت کا ارادہ کرتا ہے جو فرشتوں کو ان کے رب کے ہاں حاصل ہے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے وَإِنَّا لَنَخْنُ الصَّافُونَ ⑥ اے فلاں پیچھے ہٹ، اے فلاں آگے ہو پھر آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے: سورہ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ابو مالک نے کہا: لوگ الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَإِنَّا لَنَخْنُ الصَّافُونَ ⑥

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، فضل البکاء من خشية الله، جلد 2، صفحہ 55۔ ایضاً حدیث نمبر 2234، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، الأمر بالسكون في الصلوة، جلد 1، صفحہ 181

3۔ تفسیر الما، جلد 5، صفحہ 72

تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو صفیں بنانے کا حکم دیا۔ شعبی نے کہا: جبریل امین یا ایک فرشتہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: آپ رات کے دو تہائی اس کا نصف اور اس کا ایک تہائی قیام کرتے ہیں فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آسمان میں کوئی فرشتہ فارغ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم ہوا میں اپنے پر پھیلانے ہوئے ہوتے ہیں ہم انتظار کرتے ہیں کہ ہمیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم عرش کے ارد گرد صفیں بنائے ہوئے ہوتے ہیں  
وانا لنحن السبحون اور ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں: یہ قنادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اس کی طرف جو بات منسوب کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پاکی بیان کرتے ہیں (1) مراد یہ ہے وہ خبر دیتے ہیں کہ وہ تسبیح اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ فرشتے معبود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَا مِثْلًا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۸﴾ یہ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کا مشرکین کے لیے قول ہے، یعنی ہمارا اور تمہارا آخرت میں معین مقام ہے اور وہ مقام حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام خوف ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام رجاء ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام اخلاص ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام شکر ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں یہ کہتا ہوں یہ ملائکہ کے قول وَمَا مِثْلًا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ ﴿۱۹﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۰﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ

الْمُخْلِصِينَ ﴿۲۱﴾ فَكُفِّرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

”اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے: اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو اسے ماننے سے) انکار کر دیا وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے۔“

مشرکین نے جو باتیں کہیں ان کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا یعنی جب حضور ﷺ کی بعثت سے قبل انہیں جہالت کے ساتھ عار دلانی جاتی تو مشرکین مکہ کہتے: لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۰﴾ یعنی وہ کہتے اگر ہماری طرف کوئی نبی مبعوث کیا جاتا جو شرعی احکام کی وضاحت کرتا تو ہم اس کی اتباع کرتے جب ان کو مخفف کیا تو وہ فعل پر داخل ہوا اور اسے لام لازم ہو گیا تا کہ نفی اور ایجاب میں فرق ہو۔ کوئی کہتے ہیں ان، ما کے معنی میں ہے اور لام، الا کی معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارے پاس انبیاء کی کتب میں سے ایک کتاب ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے یعنی ہمارے پاس ذکر آتا جس طرح پہلے لوگوں کے پاس ذکر آیا ہے تو عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے، تو انہوں نے ذکر کا انکار کیا۔ فراء حذف کی

صورت میں تقدیر کلام کرتے ہیں یعنی حضرت محمد ﷺ ذکر لائے تو انہوں نے انکار کر دیا ان پر تعجب کا اظہار ہے یعنی ان کے پاس نبی آیا اور ان پر کتاب نازل کی گئی۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ محتاج تھے پس انہوں نے کفر کیا اور جو بات کہی تھی اسکو پورا نہ کیا۔

زجاج نے کہا: وہ اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۖ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۖ وَإِنَّ جُحْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۖ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ وَأَبْصَرَهُمْ قَسُوفٌ يُبْصِرُونَ ۖ أَفَعَدَّ إِنَّا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۖ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ وَأَبْصَرَهُمْ قَسُوفٌ يُبْصِرُونَ ۖ

”اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرورت مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ہمارا لشکر بتی غالب ہوا کرتا ہے، پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور ملاحظہ فرماتے رہیے ان کے حالات کو وہ خود بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب کے اترنے کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور قدرت الہی کا تماشا دیکھتے رہیے۔ وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔“

فراء نے بالسعادة کا لفظ مقدر مانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کَتَبَ اللَّهُ لَا غُلْبَةَ أَنتَا وَمُرْسَلٍ (المجادلہ: 21) حضرت حسن بصری نے کہا: صاحب شریعت کو کبھی بھی قتل نہیں کیا گیا حجت اور غلبہ کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے آیت میں الغالبون کا لفظ ذکر ہوا یہ جند کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ اگر لفظ کا اعتبار ہوتا تو جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے جُحْدًا مَا هُنَا لَكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ ۖ (ص) شیبانی نے کہا: یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔

آپ ان سے موت کے وقت تک اعراض کریں۔ قتادہ نے حین کا معنی موت کیا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: اس وقت تک ان سے اعراض کریں جتنا عرصہ انہیں مہلت دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ عنقریب سب کچھ دیکھ لیں گے جب انہیں دیکھنا کچھ نفع نہ دے گا عس (2) جب اللہ تعالیٰ کی جانب

1۔ تفسیر المادوی، جلد 5، صفحہ 73

2۔ کتابت میں عس ہے، لیکن ہے سوف، کیونکہ متن میں عس کی بجائے سوف کا لفظ ہے۔



سے ہو تو یہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ ابصار کے ساتھ اسے تعبیر کیا گیا تاکہ امر کی تقریب کا اظہار ہو یعنی وہ قریب ہی دیکھ لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔

وہ جھٹلانے کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے متی هذا العذاب یہ عذاب کب ہوگا یعنی تم عذاب کے بارے میں جلدی نہ کرو وہ ضرور وقوع پذیر ہوگا۔

جب عذاب ان کے آنگن میں اترے گا۔ زجاج نے کہا: ان لوگوں کا عذاب قتل کی صورت میں تھا۔ بِسَاحَتِهِمْ کا معنی ہے ان کے گھر میں۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: الساحة اور الساحة سے مراد گھر کا وسیع آنگن ہے۔ فراء نے کہا: ان پر عذاب برابر طور پر نازل ہوا۔

جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کتنی بری ہوئی۔ اس میں اضمار ہے یعنی فساء الصباح صباحہم۔ صباح کا خصوصاً ذکر ہوا ہے ان پر عذاب اسی وقت آیا تھا اس معنی میں وہ حدیث ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر آئے تو وہ لوگ اپنی اپنی کھیتوں کی جانب جا رہے تھے ان کے ہاتھوں میں کدالیں تھیں انہوں نے کہا: محمد اور بڑا لشکر اور وہ اپنے اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر خربت خیبر اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين (1) اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے لوگوں کی صبح کتنی بری ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ساحہ کا معنی وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں مراد لیا ہے۔  
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝۱۵ اسے تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا اسی طرح ۝۱۵ اَبْصُرْ فَسَوْفَ يَبْصُرُونَ ۝۱۶ بھی تاکید کے لیے ہے۔

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝۱۸ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝۱۹ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۲۰

”پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان ناسزا باتوں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“  
اس میں چار مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1۔** سُبْحَنَ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان چیزوں سے پاکی زیادہ بیان کی ہے جو مشرکوں نے ان کی طرف منسوب کی تھیں رَبِّ الْعِزَّةِ یہ ربک سے بدل ہے مدح کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور رفع پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت یہ ہو رب العزۃ کے معنی میں ہوگا۔

عَمَّا يَصِفُونَ یعنی بیوی اور بچے سے پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان اللہ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوہ خیبر، جلد 2، صفحہ 604

فرمایا: ”ہر برائی و عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا“۔ سورہ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** محمد بن سحنون سے رَبِّ الْعِزَّة کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کس طرح جائز ہے جبکہ عزت تو صفات ذات میں سے ہے یہ کہنا جائز نہیں رب القدرة اسی طرح دوسری صفات ذات کی طرف رب کی وضاحت کرنا درست نہیں۔

محمد بن سحنون نے جواب دیا: العزة یہ صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی ہے صفت ذات جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا** (فاطر: 10) اور صفت فعل جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبِّ الْعِزَّة معنی ہوگا اس عزت کے رب جس عزت سے مخلوق باہم ایک دوسرے پر غلبہ چاہتی ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کے خلق میں سے ہوئی۔

کہا: تفسیر میں آیا ہے یہاں عزت سے مراد فرشتے ہیں۔ کہا ہمارے بعض علماء نے کہا: جس نے بعزة اللہ کے الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی اگر اس نے عزت سے مراد وہ عزت لی جو اس کی صفت ہے اس نے قسم کو توڑا تو اس پر کفارہ ہوگا اگر اس نے اس معنی کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان عزت بنادی ہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

ماوردی نے کہا: رَبِّ الْعِزَّة دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: (1) مَالِكِ الْعِزَّة (2) رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ مُّتَعَزِّدٍ۔ ہر عزت والی چیز کا رب خواہ وہ چیز بادشاہ ہو یا جبروت والی ہو۔ میں کہتا ہوں: دونوں صورتوں میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا جب کوئی قسم اٹھانے والا قسم اٹھائے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ پڑھا کرتے تھے: **سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّة اِلٰی آخِرِ السُّورَةِ** یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے شیخ، امام، محدث، حافظ ابوعلی حسن بن محمد بن محمد بن عمرو کبیری پر جزیرہ میں جو منصورہ کے سامنے تھا جو دیار مصر سے تعلق رکھتا ہے انہوں نے حرہ ام المویذ زینب بنت عبدالرحمن بن حسن شعری سے پہلی دفعہ نیشاپور میں سنا انہوں نے کہا ہمیں ابو محمد اسماعیل بن ابی بکر قاری نے بتایا کہا ہمیں ابوالحسن عبدالقادر بن محمد فارسی نے کہا ہمیں ابوہل بشر بن احمد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابو داؤد بن حسین بیہقی نے بیان کیا ہے کہا ہمیں ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ بن عبداللہ نیشاپوری نے بیان کیا کہا ہمیں ہشیم نے انہوں نے کہا ابو ہارون عبدی سے انہوں نے کہا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کئی دفعہ نماز کے آخر میں یا جب آپ پھرتے تو یہ کہتے ہوئے سنا: **سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّة عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝**۔

ماوردی نے کہا: جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے قیامت کے دن پورا پورا کیل دیا جائے تو جب وہ مجلس کے اختتام پر مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو کہے (1): **سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّة عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ**

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ثعلبی نے حضرت علی شیر خدا کے واسطے سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** الْمُرْسَلِينَ سے مراد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام کہو تو مرسلین پر بھی سلام کیا کرو بے شک میں رسولوں میں سے ایک رسول ہوں“ (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کے لیے امن ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر جو بھیجا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر جو انعامات کیے ہیں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کے ہلاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس کی دلیل فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الانعام) ہے۔

میں کہتا ہوں: سب مراد ہے اور حمد عام ہے یَصِفُونَ کا معنی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی عتایصفون من الکذب۔

## سورہ ص

﴿لَمَّا ۸۸﴾ ﴿سُوْرَةُ ص ۲۸﴾ ﴿مَتَّعَ ۲۸﴾ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۵﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے اس کی چھیالی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ كُمْ أَهْلَكْنَا مِنْ

قَبْلِهِمْ مِنْ قَبْلٍ فَتَادُوا ذَلَالَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ۝

”مں قسم ہے قرآن، سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو گئے

ہیں۔ بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اس سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا۔“

عام قراءت دال کی جزم کے ساتھ وقف کی صورت میں ہے کیونکہ یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے جس طرح الہم اور التہم ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن بصری، ابن اسحاق اور نصر بن عاصم نے صاد پڑھا ہے یعنی دال کے نیچے کسرہ ہے اور تنوین نہیں۔ اس کی قراءت کی وجہ سے دو مذہب ہیں: (1) یہ صَادِی یُصَادِی سے مشتق ہے جب یہ عارض کے معنی میں ہو اسی سے فَاَنْتَ لَهٗ تَصْذٰی ۝ (عیس) ہے یعنی تو اس کا سامنا کرتا ہے مصادا کا معنی معارضہ ہے اسی سے ایک لفظ صدی ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو خالی جگہوں میں آواز کے مقابل ہوتی ہے اس کا معنی ہے قرآن کے مقابل ہوا اپنے عمل کے ساتھ اور اس کے اوامر پر عمل کر اور اس کی نواہی سے رک جا۔

نحاس نے کہا: یہ مذہب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے ان کی قراءت صحیح روایت ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور اس کی قراءت کا سامنا کیجئے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دال اجتماع ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے عیسیٰ بن عمر نے صاد یعنی دال کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس کی مثل قاف اور نون ہے اس کا آخر مفتوح ہے اس بارے میں بھی تین مذہب ہیں: (1) یہ اُتْلُ کے معنی میں ہو (2) فتح اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہو اور فتح کو اتباع کی وجہ سے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حرکات میں سے خفیف ترین حرکت ہے (3) یہ قسم کی بنا پر حذف ہے اور فعل قسم موجود نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: اللہ لأفعلن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کے دلوں کو شکار کیا اور انہیں مائل کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔

ابن ابی اسحاق نے صاد پڑھا ہے یعنی دال مکسور ہے اور اس پر تنوین ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حرف قسم کے



حذف کی وجہ سے مجرور ہے۔ یہ قول بعید ہے اگرچہ سیبویہ نے اس کی مثل کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے ان اصوات کے مشابہ قرار دیا گیا ہو جو غیر منصرف ہیں ہارون اعمور اور محمد بن سمیع نے اسے صاد، قاف اور نون پڑھا ہے کیونکہ یہ اکثر مبنی ہوتا ہے جس طرح منذ، قط، قبل، بعد۔

ص کو جب تو سورت کا نام بنائے تو یہ منصرف نہ ہوگا جس طرح جب تو کسی مؤنث کا نام اسم مذکر سے رکھے تو وہ منصرف نہیں ہوتا اگرچہ اس کے حروف قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے ص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ص کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ص مکہ مکرمہ میں ایک سمندر تھا اسی پر رحمن کا عرش تھا جب رات اور دن نہیں تھا۔

حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ص سے مراد وہ سمندر ہے جس کے ذریعے دو نفخوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخلوقات کو زندہ کرے گا۔

ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ص ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے: یہ سدی نے کہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے جو صمد، صانع المصنوعات اور صادق الوعد ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ رحمن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

وَالْقُرْآنِ دَاوُكِي وَجہ سے یہ اسم مجرور ہے دَاوُ، بَاء کا بدل ہے۔ قرآن کی قسم اٹھائی مقصد اس کی عظمت شان پر آگاہی تھی کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے یہ سینوں میں موجود ہر مرض کی شفا ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

ذِي الْذِكْرِ ① صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامت یاء ہے یہ ایسا اسم ہے جس میں حرف علت ہے اس میں اصل ذَوٰی ہے جو فعل کا وزن ہے۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: ذِي الْذِكْرِ کا معنی ہے ذی البیان۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے ذی الشرف یعنی جو اس پر ایمان لایا وہ اس کے لیے دارین میں شرف کا باعث ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) اس آیت میں ذِكْرُكُمْ سے مراد تمہارے لیے شرف ہے۔ قرآن بذات خود شریف ہے کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور ان چیزوں پر مشتمل ہے جس پر غیر مشتمل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِي الْذِكْرِ سے مراد ہے اس میں اس چیز کا ذکر ہے امور دین میں سے جس چیز کے وہ محتاج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِي الْذِكْرِ سے مراد ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی عظمت کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موعظت اور ذکر والا ہے جواب قسم محذوف ہے۔ کئی وجوہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم ص ہے

کیونکہ اس کا معنی ہے حق پس یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقُرْآنِ کا جواب ہے جس طرح تو کہتا ہے: حَقَّ وَاللَّهِ، نَزَلَ وَاللَّهِ، وَحِبَّ وَاللَّهِ۔ اس صورت میں وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ پر عطف کرنا بہت اچھا ہے اور فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ پر وقف تام ہوگا: یہ ابن انباری کا قول ہے اور ثعلبی نے یہی معنی فراء سے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب بَلِّ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ ہوگا کیونکہ بل سابقہ امر کی نفی اور اس کے غیر کا اثبات ہے، یہ قسمی نے کہا گویا یوں کلام کی وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِّ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ یعنی وہ حق قبول کرنے اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی میں اندھے ہو گئے ہیں یا وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ تو جادوگر، جھوٹا ہے کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور امانت کو پہچانتے ہیں بلکہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کر رہے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: قَدْ أَفْلَحَ ۝ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ۝ بَلِّ عَجَبُوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب كَمْ أَهْلَكْنَا ہے گویا کلام یوں ہوگی وَالْقُرْآنِ لَكُمْ اِهْلَكْنَا جب کم کو موخر کیا تو لام کو حذف کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْقُرْآنِ وَصُحُفَهَا ۝ (الشمس) پھر فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ ۝ (الشمس: 9) اصل میں لقد افلح تھا۔

مہدوی نے کہا: یہ فراء کا مذہب ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس توجیہ کی بنا پر فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ پر وقف مکمل نہ ہوگا۔ اخفش نے کہا: جواب قسم اِنْ كُلُّ إِلَّا كَذَّبَ الرَّسُلَ فَحَقَّ عِقَابُ ۝ ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَاللَّهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (الشعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ (الطارق) ابن انباری نے کہا: یہ قبیح ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کلام طویل ہو گئی ہے اور آیات و قصص بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ کسائی نے کہا: جواب قسم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنْ ذٰلِكَ لَحَقُّ تَخَاصُمٍ اَهْلِ النَّارِ ۝۔

ابن انباری نے کہا: یہ پہلے سے بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ کلام قسم اور جواب قسم میں بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنْ هٰذَا لَرُؤْؤُنَا مَالَهُ مِنْ ثِقَادٍ ۝ ہے۔ قتادہ نے کہا: جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ، لتبعثن ہے۔

فِي عِزَّةٍ بلکہ کافر تکبر میں مبتلا ہیں اور حق کو قبول کرنے سے رکے ہوئے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ (البقرة: 206) عربوں کے ہاں عزت سے مراد غلبہ اور قہر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَزَّ وَجَلَّ یعنی غالب ہوا اور مال سلب کر لیا اسی معنی میں وَعَرَّيْنِي فِي الْخَطَابِ ۝ ہے یعنی وہ مجھ پر غالب آ گیا جریر نے کہا۔

يَعْلَى عَلَى الطَّرِيقِ بِشَكْبِيهِ

وہ اونٹ اپنے دونوں کندھوں کے ساتھ راستے پر غالب آ جاتا ہے۔

شِقَاقٍ یعنی اختلاف اور جدائی کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ یہ شق سے ماخوذ ہے گویا یہ ایک حصہ میں ہیں اور وہ دوسرے حصہ میں ہیں اور سورہ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔

قُرْنٍ سے مراد قوم ہے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے کم کثرت کا معنی دے رہا ہے۔ انہوں نے مدد چاہتے ہوئے اور توبہ

کرتے ہوئے ندا کی۔ ندا کا اصل معنی آواز کا بلند کرنا ہے اس معنی میں حدیث ہے اَلْقَه عَلٰی بِلَالٍ فَاِنَّهُ اَنْدٰی مِنْكَ صَوْتًا بِلَالٍ پر یہ کلمات پیش کرو کیونکہ اس کی آواز تجھ سے بلند ہے ☆۔

وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ آواز کو بلند کیا جبکہ یہ توبہ کا وقت نہ تھا اور نہ ہی یہ وہ وقت تھا جب عمل نفع دے۔ نحاس نے کہا: یہ حضرت حسن بصری کی جانب سے وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ کی تفسیر ہے جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اس نے ابو اسحاق سے وہ تمیمی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ کا معنی ہے یہ کوئی بھاگنے کا وقت نہیں۔ کہا: تمام قوم روک دی گئی۔ کلبی نے کہا: جب وہ جنگ کرتے اور بے بس ہو جاتے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے مَنَاصٍ یعنی تم پر بھاگ جانا لازم ہے جب ان پر عذاب آیا تو انہوں نے کہا: بھاگ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی فنادوا مناص کیونکہ باقی کلام فنادوا پر دلالت کرتی تھی اسی لیے اسے حذف کر دیا گیا یعنی جو تم آوازیں لگا رہے ہو یہ اس کا وقت نہیں۔ اس میں ایک قسم کا استہزاء ہے کیونکہ یہ کہنا بعید از قیاس ہے کہ سابقہ قوموں میں سے جو بھی ہلاک ہوا وہ اضطرار کے وقت یہ کہتا ہو۔ مناص ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ کا معنی یہ ہو یعنی کوئی چھٹکارے کی صورت نہیں اس کو نصب اس لیے دی گئی ہے کیونکہ اس پر لا واقع ہے۔

قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ اس صورت میں وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ میں واؤ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ جرجانی نے کہا: معنی ہے انہوں نے اس گھڑی کی ندا کی جس ساعت کوئی نجات نہیں جب لا کو مقدم کیا اور حین کو موخر کیا تو اس نے واؤ کا تقاضا کیا جس طرح حال تقاضا کرتا ہے جب اسے مبتدا اور خبر بنادیا جائے جس طرح تیرا یہ قول ہے: جاء زید راکباً۔ جب تو اسے مبتدا اور خبر بنادے گا تو یہ واؤ کا تقاضا کرے گا جس طرح جاء عن زید و هو راکب ہے حین یہ فنادوا کی طرف ہے مناص یہ پیچھے ہٹنے، بھاگ جانے اور چھٹکارا پانے کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے اس وقت نجات پانے کے لیے ندا کی جس وقت میں ان کے لیے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ فراء نے کہا:

أَمِنْ ذِكْرِ لَيْلِي إِذْ نَأْتِكَ تَنْوُصُ (1)

کیا پہلی کو یاد کر کے جب وہ تجھ سے دور ہو گئی تو اس کی طرف آگے بڑھتا ہے کہا جاتا ہے: ناص عن قرائنه ينوُص نوصاً و مناصاً یعنی بھاگ کھڑا ہوا۔ نحاس نے کہا: کہا جاتا ہے ناص ينوُص جب وہ آگے بڑھے۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل کی بنا پر یہ اضداد میں سے ہے۔ نوص سے مراد وحشی گدھے ہیں استناص یعنی پیچھے ہٹ گیا۔ نحو یوں نے وَلَاتِ حَيْنَ مَنَاصٍ اور اس پر وقف کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کتاب القراءات میں اس کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔ سوائے چند باتوں کے جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے وہ سب مردود ہے۔ سیبویہ نے کہا: لات یہ مشابہ بلیس ہے اس میں اسم ضمیر ہے تقدیر کلام یوں ہے لیست احيانا حین مناص۔

حکایت بیان کی گئی ہے کہ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے ساتھ اسم کو رفع دیتے ہیں اور کہتے ہیں وَلَا تَحِیْنُ مَنَاصٍ۔ یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ رفع قلیل ہے اور خبر محذوف ہے جس طرح کہ نصب اسم میں محذوف تھا یعنی تقدیر کلام یوں تھی وَلَا تَحِیْنُ مَنَاصٍ لَنَا۔ سیبویہ اور فراء کے نزدیک دلات کی تاء پر عطف ہوگا پھر حین مناص سے تو نئی کلام شروع کرے گا: یہ ابن کیسان اور زجاج کا قول ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: قول اسی طرح ہے جس طرح سیبویہ نے کہا کیونکہ اس نے اسے یس کے مشابہ قرار دیا تو جس طرح لیست کہا جاتا ہے اسی طرح لَا تَحِیْنُ کہا جاتا ہے۔ کسائی کے نزدیک اس پر وقف ہاء پر ہوگا یعنی دلاہ۔ یہی مبرد بن محمد بن یزید کا قول ہے علی بن سلیمان نے اس سے حکایت بیان کی کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اس پر ہاء کلمہ کی تانیث کے لیے داخل ہوئی ہے جس طرح شہ اور ربہ کہا جاتا ہے۔ قشیری نے کہا: بعض اوقات ثبت، شہ کے معنی میں کہا جاتا ہے اور ربت، ربہ کے معنی میں کہا جاتا ہے گویا انہوں نے لَا میں ہاء کا اضافہ کر دیا اور انہوں نے لَاہ کہا انہوں نے شم میں شہ کہا ہے جب وصل ہو تو یہ تاء ہو گئی۔

ثعلبی نے کہا: اہل لغت نے کہا وَلَا تَحِیْنُ دونوں مفتوح ہیں گویا یہ دونوں ایک کلمہ ہیں بے شک یہ اصل میں لَا ہے جس میں تاء کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس طرح رب اور ربت، شم اور ثبت ابوزید طائی نے کہا:

طَلَبُوا! صَلَحْنَا وَلَا تَحِیْنُ أَوَانٍ فَأَجَبْنَا أَنْ لَيْسَ حِينَ بَقَاءٍ

انہوں نے ہماری صلح کا مطالبہ کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا ہم نے جواب دیا کہ یہ بقاء کا وقت نہیں۔ ایک اور شاعر نے کہا:

تَذَكَّرْ حُبَّ لَيْلٍ لَا تَحِیْنًا وَأَمْسِ السَّيْبُ قَدْ قَطَعَ الْقَرِينَا

اس نے لیلیٰ کی محبت کو یاد کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا بڑھاپے نے دوستی کو قطع کر دیا۔

کچھ عرب اس لفظ کے ساتھ ما بعد اسم کو جردیتے ہیں: فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَلْتَعْرِفَنَّ حَلَاتِنَا سَنُوْلَةً وَلْتَتَذَمَّنْ وَلَا تَحِیْنًا سَاعَةً مِّنْ دَمٍ

تو جمع شدہ مخلوقات کو پہچان لے گا اور تو شرمندہ ہوگا جبکہ وہ شرمندگی کا وقت نہیں۔

کسائی، فراء، غلیل، سیبویہ اور اخفش اس طرف گئے ہیں وَلَا تَحِیْنُ میں تاء، حین سے منقطع ہے وہ کہتے ہیں: اس کا معنی لیست ہے۔ مصاحف جدد اور عتق میں اسی طرح ہے یعنی حین سے تاء کو الگ کر دیا گیا ہے، ابو عبیدہ معمر بن ثنیٰ اسی طرف گیا کہا ہے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کہا: میرے نزدیک دلا پر وقف ہے اور ابتدا حین مناص سے ہے اس صورت میں تاء حین کے ساتھ ہوگی۔ بعض نے کہا: لَا تَحِیْنُ پھر وہ کلام کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے: حین مناص مہدوی نے کہا: ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ مصحف میں تاء حین کے ساتھ متصل ہے جبکہ نحو یوں کے نزدیک یہ غلط ہے اور مفسرین کے قول کے خلاف ہے، ابو عبیدہ کی حجت یہ ہے کہ اس نے کہا: ہم عربوں کو نہیں پاتے کہ وہ اس تاء کو زائد کرتے ہوں مگر وہ حین، اوان اور الان میں زائد کرتے



ہیں؛ اور ابو وجزہ سعدی کا شعر ذکر کیا:

العاطفون تحین ما من عطف والمطعمون زمان أين المَطْعَم  
وہ اس وقت مہربانی کرتے ہیں جب مہربانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا وہ زمانے کو کھلاتے ہیں جب کھلانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ابو زبید طائی نے شعر ذکر کیا:

طلبوا صلحنا ولا تأوان فأجبنا أن ليس حين بقاء (1)

انہوں نے ہماری صلح کو طلب کیا جبکہ وہ صلح کا وقت نہ تھا تو ہم نے جواب دیا اب بقاء کا وقت نہیں۔  
یہاں ادا ان میں تاء کو داخل کیا۔ ابو عبید نے کہا: الان میں تاء کو داخل کرنے کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے ان سے ایک آدمی نے حضرت عثمان بن عفان کے بارے میں پوچھا تھا تو حضرت ابن عمر نے حضرت عثمان کے مناقب کا ذکر کیا پھر فرمایا: اذهب بهاتلان معك۔ اسے لے جا اب وہ تیرے ساتھ ہیں۔ اس قول میں تلان محل استدلال ہے۔ اسی طرح شاعر نے کہا:

نوی قبل نای داری جمانا و صلینا کما زعنیت تلاتا

ابو عبید نے کہا: اس سب بحث کے باوجود میں نے اس مصحف میں نظر کی جسے امام ”مصحف عثمان“ کہا جاتا ہے تو میں نے پایا کہ تاء حین کے ساتھ متصل ہے وہاں تحین لکھا ہوا ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: جہاں تک پہلے شعر کا تعلق ہے جو اس نے ابو وجزہ کا ذکر کیا ہے علماء لغت نے اسے چار طریقوں سے روایت کیا ہے سب اس کے برعکس ہیں جو اس نے کہا اس میں دو تقدیریں ہیں ابو العباس محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے العاطفون ولات مامن عطف۔ دوسری روایت العاطفون ولات حین تعطف۔ تیسری روایت جسے ابن کيسان نے روایت کیا ہے العاطفون حین مامن عطف۔ اس نے اسے وقف میں ہاء اور درمیان کلام میں تاء بنادیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ حرکت کے بیان کے لیے ہے اور اسے ہاء تانیث کے مشابہ قرار دیا ہے۔ چوتھی روایت العاطفون حین مامن عطف۔ اس روایت میں دو تقدیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اور وہی اسماعیل بن اسحاق کا مذہب ہے کہ ہاء نصب کے محل میں ہے جس طرح تم کہتے ہو الضاربون زیدا جب تو ضمیر ذکر کرے گا تو تو کہے گا الضاربون سیبویہ نے شعر میں الضاربونہ جائز قرار دیا ہے۔ اسماعیل، سیبویہ کے مذہب کے موافق تانیث کے ساتھ لایا ہے جس طرح اس نے اس کی مثل میں اجازت دی ہے۔

دوسری تقدیر یہ ہے کہ العاطفونہ میں ہاء حرکت کو بیان کرنے کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مرینا المسلمونہ یہ وقف کی صورت میں ہے پھر وصل میں بھی اسے اسی طرح رکھا گیا ہے جس طرح وقف میں رکھا گیا تھا جس طرح المل مدینہ نے پڑھا: أَعْنَى مَالِيَّةٌ هَلْكَ عَنَى سُلْطَانِيَّةٌ (الحاقۃ)

جہاں تک دوسرے شعر کا تعلق ہے اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ولات ادا ان پر وقف ہے مگر اس میں ایک مشکل تھی

ہے کیونکہ اس میں ولات اوان مجرور مروی ہے، جبکہ لات کے بعد جو چیز واقع ہے وہ مرفوع یا منصوب ہے اگرچہ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے یعنی لات کی تاء اور حین کی نون پر کسرہ پڑھا ہے جبکہ ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے لات کو مبنی بر کسرہ اور حین کو نصب دی گئی جہاں تک ولات اوان کا تعلق ہے اس میں دو تقدیریں ہیں۔

انفش نے کہا: اس میں لفظ مضمر ہے یعنی کلام یوں تھی ولات حین اوان۔ نحاس نے کہا: اس قول میں واضح خطا موجود ہے ابواسحاق سے دوسری تقدیر مروی ہے ولات اوان تا مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو ضروری ہو گیا کہ اس کو اعراب نہ دیا جائے اور اس پر کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ محمد بن یزید نے ولات اوان رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک تیسرے شعر کا تعلق ہے یہ دور اسلام کے شاعر کا شعر ہے جس کے قائل کا کوئی پتہ نہیں اس کے ساتھ دلیل قائم کرنا صحیح نہیں کہ محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے کما زعمت انت الان اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے کما زعمت انت الان اس نے انت سے ہمزہ اور نون کو حذف کر دیا ہے۔

جہاں تک ان کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال ہے جب آپ نے اس آدمی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا ذکر کیا تو اسے کہا اذهب بہا تلان الی اصحابک تو اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ محدث اس حدیث کو بالمعنی روایت کر رہا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ مجاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے اور اس میں ہے اذهب فاجہد جہدک ایک اور نے اسے روایت کیا ہے اذهب بہا الان معک جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے امام میں تحین پایا ہے تو اس میں بھی ان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کا معنی ہے کہ وہ مصاحف کا امام ہے اگر وہ مصاحف کے خلاف ہوگا تو وہ مصاحف کا امام تو نہ ہوا تمام مصاحف میں ولات ہے اگر اس میں صرف یہی استدلال ہوتا تو وہ کافی ہوتا مناص کی جمع مناد ص ہے۔

وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفَرُؤْنَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۖ أَجَعَلَ  
الْإِلَهَةَ الْهَآؤَاحِدًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝

”اور وہ اس پر حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے، کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔“

اَنْ جَاءَهُمْ مِّنْ اَنْ مَحَلْ نَصَبْ مِیْ هَیْ اَسْ کَا مَعْنٰی هَیْ مَن اَنْ جَاءَهُمْ۔ اِیْکَ قَوْلْ یَیْ کَیَا گِیَا هَیْ: اَسْ کَا تَعْلُقْ فِیْ عَزَّوَجَدَّ شَقَاقِیْ کَیْ سَا تَحْ هَیْ تَقْدِیْرَ کَلَامْ یَیْ بَنَیْ گِیْ فِیْ عَزَّوَجَدَّ شَقَاقِیْ وَ عَجَبُوا اَوْرَ کَم اَهْلُکُنَا جَمْلَه مَعْرُضَه هَیْ۔ اِیْکَ قَوْلْ یَیْ کَیَا گِیَا هَیْ: نَہِیْیْ بَلْکَ یَہَا سَیْ کَلَامْ کَا اَغَا زَ هَیْ یَعْنِیْ اَنْ کِیْ جَہَا لَتْ مِیْ سَیْ یَیْ بَا تْ هَیْ کَیْ اَنَہُیْیْ نَیْ اَسْ بَا تْ پَر تَعَجُّبْ کَا اَظْہَا رْ کَیَا کَیْ اَنْ کَیْ پَاسْ اَنَہِیْیْ مِیْ سَیْ اِیْکَ ذُرَا نَیْ وَ اَلَا اَیَا۔

کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے یہ آراستہ کلام لاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے جادو کے ذریعے والد اور اس کے بچے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے گڈا ب یعنی دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے۔

أَجْعَلَ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا یہ دونوں مفعول ہیں یعنی اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے بے شک یہ تو عجیب و غریب چیز ہے سلمیٰ نے عَجَاب پڑھا ہے عَجَاب، عَجَاب اور عَجَب سب کا معنی ایک ہی ہے۔ خلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے کہا عجیب، عجب ہی ہے عجاب عجب کی حد کو تجاوز کرنا ہے۔ طویل جس میں طول ہو طوال سے کہتے ہیں جس نے طول کی حد کو تجاوز کیا ہو۔

جوہری نے کہا: عجیب اس امر کو کہتے ہیں جس سے تعجب کا اظہار کیا جائے اسی طرح عجاب ضمہ کے ساتھ ہے عجاب جب شد کے ساتھ ہو تو وہ اس سے بڑھ کر ہے اسی طرح أعجوبہ ہے۔ مقاتل نے کہا: عجاب یہ ازدشوء کی لغت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابوطالب مریض ہوئے (1) تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے جبکہ ابوطالب کے سر کی طرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل اپنی جگہ سے اٹھاتا کہ آپ ﷺ کو اس جگہ سے روکے قریش نے ابوطالب کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی، ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے؟ فرمایا: ”اے میرے چچا جان! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کی خواہش کرتا ہوں جس کے باعث تمام عرب ان کی اطاعت کریں گے اور انہیں جزیہ دیں گے۔“ پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قریش نے کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا ص وَالْقُرْآنِ ذِي الْكُرْسِيِّ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عَذَابٍ وَشَقَاقٍ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَنَادُوا ذُؤَالًا حِينَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ ۝ وَ قَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَابٌ ۝ أَجْعَلَ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانطَلَقَ الْمَلَكُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمَلَأِ الْأَخْدَةِ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۝ امام ترمذی نے بالمعنی روایت کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو قریش پر ان کا اسلام بڑا شاق گذرا تو قریش ابوطالب کی خدمت میں جمع ہوئے کہا: ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا: اے بھتیجے! یہ تیری قوم مجھ سے انصاف کا تقاضا کرتی ہے اپنی قوم پر ظلم نہ کر۔“ پوچھا وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو ہم تجھے اور تیرے معبود کو چھوڑتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم مجھے ایک کلمہ دیتے ہو جس کے باعث تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجی تمہاری اطاعت کریں گے؟“ ابو جہل نے کہا: تیرا بھلا ہو ہم تجھے وہ کلمہ اور دس اس جیسے اور کلمات دینے کو تیار ہیں نبی کریم ﷺ نے





نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اُن، اِی کے معنی میں ہے یعنی امشوا، انطلق کی تفسیر ہے اس کا مطلب ہے یہ نہیں کہ انہوں نے یہ لفظ بولا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان میں سے معززین چلے اور انہوں نے عوام سے کہا: امشوا وَاَصْبِرُوا عَلَی الْهَتَمِ یعنی اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرو اِنَّ هَذَا یعنی جو حضرت محمد ﷺ لائے ہیں جس کے ساتھ اہل زمین کے بارے میں اس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے کہ قوم سے نعمتوں کا زوال ہو اور جو ان پر نازل ہوا ہے ان کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَزِيزٌ ① کلمہ تخدیر ہے یعنی محمد ﷺ جو کہتے ہیں اس کے ساتھ وہ ہم سے اطاعت کے طالب ہیں تاکہ وہ ہم پر غالب آجائیں اور ہم اس کے پیروکار بن جائیں تو اس طریقہ سے جو وہ چاہے اس پر حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرنے سے بچو۔ مقاتل نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعے سے اسلام کو قوت و شوکت نصیب ہوئی تو یہ امر قریش پر شاق گذرنا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو ایسی قوت حاصل ہوئی ہے جس کا ارادہ کیا جا رہا تھا (1)۔

حضرت ابن عباس، قرطبی، مقاتل، بکلی، اور سدی نے کہا: وہ ملة آخرہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت مراد لیتے ہیں یہ ملتوں میں سے آخری ملت ہے، نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الہ بناتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے یہ بھی کہا: وہ قریش کی ملت مراد لیتے تھے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم نے یہ نہیں سنا تھا کہ یہ آخری زمانہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اہل کتاب سے یہ نہیں سنا تھا کہ حضرت محمد ﷺ رسول حق ہیں۔

یہ تو سراسر جھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے کہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: خلق واختلق یعنی اس نے نیا کام شروع کیا خلق اللہ الخلق اسی معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مثال کے پیدا کیا۔

عَنْ اَنْزِلَ عَلَيْهِ الَّذِي كُنْ مِنْ بَيْنِنَا يَه كَلَامِ اسْتِفْهَامِ انْكَارِي هِي، ذَكَرَ سِي هَا مَرَادِ قُرْآنِ هِي عِنْدَ اَنْهَوْنَ نِي اَبْ كُو حِي كِي سَا تَه خَا ص كَرْنِي كَا اِنْكَارِ كِيَا قِيْنِ ذِكْرِي سِي مَرَادِ مِيرِي وَحِي هِي وَه قُرْآنِ هِي عِنْدَ وَه خَوْبِ جَا نَتِي هِي كِي اَبْ هِي شِه سِي اِنْ كِي دَر مِيَا نِ سِجِي رِي هِي مِي نِي نِي جُو اَبْ پَر نَا زَلِ كِيَا هِي اِس كِي بَا رِي مِي اِنْهَوْنَ نِي شَكِ كِيَا كِيَا: وَه مِيرِي جَا نَب سِي هِي يَا مِيرِي جَا نَب سِي نِي هِي۔

اصل میں لمبی مہلت کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہوئے ہیں اگر شرک کی بنا پر میرا عذاب چکھ لیتے تو ان سے شک زائل ہو جاتا اور وہ یہ بات نہ کرتے لیکن اس وقت انہیں ایمان کوئی نفع نہ دے گا لہذا یہ لم کے معنی میں ہے اور مازائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَمَّا قَلِيلٍ (المومنون: 40) اور فَمَا تَقْضِيهِمُ (المائدہ: 13)

کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں تو وہ محمد ﷺ سے ان نعمتوں خصوصاً نبوت کو روک لیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کی ہے۔ ام کا لفظ کبھی تفریع کے معنی میں آتا ہے جب کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَمْ تَنْزِيلِ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ② اَمْ يَقُولُوْنَ افْتَرَاهُ (السجدہ)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اَمْرٌ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متصل ہے وَ عَجِبُوا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں یا زمین و آسمان کے خزانے ان کی ملکیت ہیں اگر وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں پس انہیں چاہیے آسمانوں کی طرف چڑھیں اور فرشتوں کو اس بات سے روک دیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئیں۔ یہ کہا جاتا ہے: رقی برق اور ارق یعنی وہ بلند ہو گئے رقی، برق اور رقیہ یہ رمی یرمی اور رمیا کی طرح ہے یہ رقیۃ سے مشتق ہے ربیع بن انس نے کہا: اسباب بال سے باریک اور لوہے سے مضبوط ہیں لیکن وہ دکھائی نہیں دیتے۔ لغت میں سبب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو وہ رسی ہو یا کوئی اور چیز۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان کے ابواب یا اسباب ہیں جن سے فرشتے اترتے ہیں: یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

لَوَزَامَ اَسْبَابَ السَّمَاءِ بَسُتُمْ

کاش وہ سیزمی کے ذریعے آسمان اسباب کا قصد کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد آسمان ہیں یعنی انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایک آسمان پر چڑھیں۔ سدی نے کہا: فی اسباب سے مراد فضل اور دین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسباب سے مراد رسیاں ہیں (1) یعنی اگر وہ رسیاں اور سبب پائیں جن میں وہ آسمان کی طرف بلند ہوں تو وہ چڑھیں۔ یہ امر تو شیخ اور تعجیز کے لیے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے خلاف اپنے نبی کی مدد کا وعدہ کیا جُنْدًا مَّا هُنَالِكَ یہاں مازائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ہم جند پس جند مبتدا محذوف کی خبر ہے مہزوم یعنی ذلیل اور رسوا ہونگے ان کی دلیل ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اس مرحلہ تک نہیں پہنچیں گے کہ وہ یہ کہیں یہ ہمارے لیے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تَهْزِمَتِ الْقَرَابَةُ جب وہ مشکیزہ ٹوٹ جائے، ہزمت الجیش میں نے لشکر کو شکست دے دی کلسا ماقبل کے ساتھ مربوط ہے یعنی وہ شکست خوردہ لشکر ہیں تو ان کا تکبر اور قبول حق سے رکنا تجھے غم میں نہ ڈالے بے شک میں ان کی جمعیتوں کو شکست دے دوں گا ورنہ ان کی عزت کو سلب کر دوں گا یہ نبی کریم ﷺ کو انس عطا کرنا ہے بدر کے روز آپ کے ساتھ ساتھ ایسا کیا بھی گیا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں شکست دے گا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے تو اس کی تاویل بدر کے روز سامنے آئی هُنَالِكَ میں بدر کی طرف اشارہ ہے یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: احزاب سے مراد وہ گروہ ہیں جو مدینہ طیبہ آئے اور نبی کریم ﷺ سے برسرِ پیکار ہوئے۔ یہ بحث سورہ احزاب میں گذر چکی ہے۔ احزاب کا معنی لشکر ہے جس طرح کہا جاتا ہے: جند من قبائل شقی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی گزشتہ قومیں ہیں یعنی یہ لشکر ان کے طریقہ پر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَمَنَ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي (البقرة: 249) من سے مراد ہے وہ میرے دین اور مذہب پر ہے۔ فراء نے کہا: وہ مغلوب لشکر ہیں یعنی انہیں اس چیز سے روک دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوں۔ قتبی

نے کہا: یعنی وہ ان معبودوں کے شکست خوردہ لشکر ہیں وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ سے کسی چیز کا مطالبہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں سے اپنے لیے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمین سے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۚ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ  
نُفْيَةٍ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝۳۱ ۚ إِنَّ كُلَّ أَكْذَابِ الرُّسُلِ فَحَقَّ عِقَابُ ۝۳۲

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میمون والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے، یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گذر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر لازم ہو گیا میرا عذاب۔“

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر نبی کریم ﷺ کے لیے تعزیت اور آپ کی تسلی کے لیے کیا یعنی اے محمد! ﷺ یہ تیری قوم کے لوگ ہیں متقدمہ قوموں کے لشکر ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کے خلاف لشکر کشی کی وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے پس انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم کو تانیث کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا (1) علماء عرب نے اس بارے میں دو قول نقل کیے ہیں:

(1) اس میں تذکیر و تانیث جائز ہے (2) یہ مذکر ہے اس کی تانیث جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ معنی عشیرہ اور قبیلہ پر واقع ہو تو لفظ میں اس معنی کا حکم غالب ہوگا جو معنی مضمر ہے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ۚ (عبس) یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ جب اس پر مضمر معنی مذکر تھا تو اسے مذکر ذکر کیا گیا اگرچہ لفظ تانیث کا تقاضا کرتا ہے۔

فرعون کی صفت ذُو الْأَوْتَادِ سے ذکر کی اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے مضبوط عمارتوں والا۔ ضحاک نے کہا: وہ بے شمار عمارتوں والا تھا اور عمارتوں کو اوتاد کہتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور عطا سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے کیل، رسیاں اور کھیل کے میدان تھے جن پر اس کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ قوت و پکڑ والا تھا۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: وہ لوگوں کو کیلوں کے ذریعے عذاب دیا کرتا تھا جب وہ کسی پر ناراض ہوتا تو زمین پر چار کیل گاڑھ کے ان کے درمیان چت لٹا دیتا تھا اور اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب دیے جانے والے شخص کو چار ستونوں پر تان دیتا اس انسان کی ایک جانب ایک ستون کی طرف ہوتی جس میں لوہے کا ایک کیل گڑھا ہوتا اور اسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذُو الْأَوْتَادِ سے مراد کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس امر کو قوی بناتا ہے جس طرح کیل گھر کو قوی بناتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: ہم فی عز ثابت الاوتاد وہ ارادہ کرتے ہیں ان کے لیے دائمی اور قوی عزت ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ گھربالوں کے خیمے ہوتے وہ میخوں کے ساتھ ہی مضبوط اور قوی ہوتے۔ اسود بن یعفر نے کہا:

وَلَقَدْ غَنَوْا فِيهَا بِأَنْعَمِ عَيْشَةٍ فِي ظِلِّ مُنْكَ ثَابِتِ الْأُوتَادِ (1)

وہ زندگی کی نعمتوں کے ساتھ اس میں مستغنی ہوئے ایسے ملک کے سایہ میں جو مضبوط ہے۔

اوتاد کی واحد وتد ہے یہ تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور وَتَد بھی اس میں ایک لغت ہے۔ اصمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وَتَد و اتد جس طرح یہ کہا جاتا ہے: شغل شاغل۔ کہا: بعض اوقات آدمی کو جذل سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

أَصْحَابُ لَيْكَةِ سے مراد اصحاب غیضہ ہیں اس کا ذکر سورہ شعراء میں گذر چکا ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے اسے لیکہ ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔

یہی لوگ قوت اور کثرت سے متصف تھے جس طرح تو کہتا ہے: فلان هو الرجل، إِنَّ كُلَّ يَهَا ان، ما کے معنی میں ہے فَحَقَّ عِقَابٌ یعنی اس جھٹلانے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا یعقوب نے عذاب اور عقابی میں یا کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَأْمَنُ لَكُمْ مِثْلُ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۖ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ (غافر) ان امتوں کو احزاب کا نام دیا گیا۔

وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوا مَرْبَّنَا عَجِّلْ لَنَا

وَقُنَّا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

”اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ کفار مکہ مگر ایک کڑک کا جن کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ وہ (مذاقاً) کہتے

ہیں: اے ہمارے رب! جلدی دے دے ہمارے حصہ کا عذاب یوم حساب سے پہلے۔“

یہاں يَنْظُرُ ينتظر کے معنی میں ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنْظُرُوا نَأْتِيَنَّهُمْ مِنْ لُؤْيَا كُمْ (الحديد: 13) هَؤُلَاءِ سے مراد کفار مکہ ہیں إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً سے مراد قیامت کا نغمہ ہے یعنی غزوہ بدر میں جو مصیبت انہیں پہنچی اس کے بعد وہ قیامت کے نغمہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے زندہ لوگ اس وقت صرف صیحہ کا ہی انتظار کر رہے ہیں صیحہ سے مراد صور پھونکنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً (يس) یہ قیامت اور موت کے قریب ہونے کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس امت کے آخر کے کفار جو ان لوگوں کے طریقہ کو اپنائے ہوئے ہونگے وہ انتظار نہیں کرتے ہونگے مگر ایک صیحہ کا انتظار کر رہے ہونگے جو نغمہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: آسمان میں صیحہ نہیں ہوتا مگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر غضبناک ہوتا ہے۔

مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ جس کو لوٹا یا نہیں جاسکے گا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہ مروی ہے کہ اس کے لیے لوٹنا نہیں۔ قتادہ نے کہا: اس کے لیے واپس آنا نہیں ہوگا۔ سدی نے کہا: اس سے افاقہ کی سورت نہ ہوگی۔ حمزہ اور کسائی نے



اسے مالہا من فُواق پڑھا ہے باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

جوہری نے کہا: فُواق اور فُواق سے مراد دو دفعہ دوہنے کے درمیان کا جو عرصہ ہوتا ہے کیونکہ جانور کو دوہا جاتا ہے پھر اسے تھوڑا ترک کیا جاتا ہے تاکہ بچہ دودھ پیے تاکہ جانور دودھ اتارے پھر اسے دوبارہ دوہا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَا أَقَامَ عِنْدَهُ إِلَّا فُوقًا یعنی وہ گھڑی بھر اس کے پاس ٹھہرا۔ حدیث طیبہ میں ہے العیادۃ قدر فُواق الناقة (1) عیادت اونٹنی دوہنے کے وقت تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا لَهَا مِنْ فُوقٍ اسے فتح اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے واقع ہونے پر راحت اور افاقہ کی صورت نہ ہوگی۔ الفیقۃ اس دودھ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان جمع ہو جاتا ہے واویاء ہوگئی ہے کیونکہ اس کا ما قبل مکسور ہے۔ اعشی گائے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

حَتَّىٰ إِذَا فَيَقَّةٌ فِي ضَرْعِهَا اجْتَمَعَتْ جَاءَتْ لِتَرْضِعَ شِقَّ النَّفْسِ لَوْرَضَا

یہاں تک کہ اس کی کھیری میں دودھ جمع ہوتا وہ آئی تاکہ نفس کے حصہ کو دودھ پلائے۔

فیقۃ کی جمع فیق ہے پھر اس کی جمع افواق ہے جس طرح شبد کی جمع اشبار ہے پھر اس کی جمع افادیق ہوتی ہے؛ ابن ہمام سلوی نے کہا:

وَذُمَّوْنَا الدُّنْيَا وَهُمْ يَرْضَعُونَهَا أَفَادِيقٌ حَتَّىٰ مَا يَدْرُلُهَا تُغْلُ

وہ ہمارے سامنے دنیا کی مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ خود اس کے جمع شدہ دودھ چوستے ہیں یہاں تک کہ ثعل اس کے لیے دودھ نہیں دیتا۔

افادیق اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو بادل میں جمع ہو جاتا ہے وہ یکے بعد دیگرے بارش برساتا ہے افاقۃ الفاقۃ۔ اونٹنی کی کھیری میں دودھ جمع ہو گیا اس سے اسم فاعل مفیق اور مفیقہ ہے۔ ابو عمرو سے مروی ہے کہ اس کی جمع مفادیق ہے فراء ابو عبیدہ اور دوسرے علماء نے کہا: من فُواق ہے یعنی فاء کے فتح کے ساتھ ہے جس کا معنی راحت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ طویل ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جبکہ ہم آپ کے صحابہ کے ایک طائفہ میں تھے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو نوحہ اولیٰ کا حکم دے گا ارشاد فرمائے گا: نَحْضُ فَرْعٍ پھونکتو تو تمام آسمان وزمین والے خوف زدہ ہو جائیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا وہ اسے پھیلانے گا، اسے دوام دے گا اور اسے طویل کرے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا يَنْظُرُ هَؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فُوقٍ ﴿٥﴾ اور حدیث کو ذکر کیا اسے علی بن معبد اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

مجاہد نے کہا قَطَّنَا کا معنی ہے ہمارا عذاب؛ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے یعنی عذاب میں سے ہمارا حصہ۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جنت میں ہمارا حصہ تاکہ دنیا میں اس سے لطف اندوز ہوں یہی سعید بن جبیر نے کہا: لغت میں یہ معروف ہے کہ

نصیب (حصہ) کو قط کہتے ہیں اور وہ کتاب جو انعام کے لیے لکھی گئی ہو اسے بھی قط کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں قط سے مراد حصہ ہے اسی معنی میں رجسٹری کو قط کہتے ہیں۔ ابو عبید اور کسائی نے کہا: قط سے مراد وہ تحریر ہے جو انعامات کے لیے لکھی گئی ہو اس کی جمع قطوط ہے۔ ائشی نے کہا:

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ تَقِیْتُهٖ بِغِیْطِہٖ یُعْطِی الْقُطُوْطَ وَیَأْفِقُ (1)

قطوط سے مراد انعامات کی تحریر ہیں۔ بغیطتہ کی جگہ بنعمتہ کے الفاظ ہیں یعنی اپنے احسان کے ساتھ جلیل القدر حالت کے ساتھ یا فقی یعنی اصلاح احوال کرتا ہے قط کی جمع میں قسطہ کہتے ہیں اور جمع قلت اقط اور اقطاط ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ جنت میں ان کی جو منازل ہیں ان کی مثالی شکل دکھائی جائے تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: معنی ہے ہمارے رزق ہمیں جلدی دیئے جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمیں وہ چیز جلدی دی جائے جو ہماری ضروریات کے لیے کافی ہو یہ عربوں کے قول قطی سے ماخوذ ہے یعنی یہ میرے لیے کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ بات ان کتابوں کے بارے میں کی تھی جو ان کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں دی جانی تھیں ان پر یہ قرآن پڑھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فاما من اوق کتابہ بیمنہ۔ واما من اوق کتابہ وراء ظہرہ۔ قط کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے قط القلم قط کسی شے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس طرح قسم اور قسم ہے اس کا اطلاق، نصیب، کتاب اور رزق پر ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر سے الگ ہوتا ہے مگر اس کا اطلاق کتاب (تحریر) میں زیادہ استعمال ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے قوی ہے: امیہ بن ابی صلت نے اسی معنی میں یہ شعر کہا ہے:

قَوْمٌ لَّهُم سَاحَةُ الْعِرَاقِ دَمَا یُجِبِیْ اِلَیْہِ وَالْقَطُّ وَالْقَدَمُ (2)

وہ ایسی قوم ہیں جن کے لیے عراق کا علاقہ اور جو اس کے لیے اکٹھا کیا جاتا ہے اور ان کے لیے تحریر اور قلم ہے۔ قَبْلُ یَوْمِ الْحِسَابِ ⑤ یعنی دنیا میں ہی قیامت سے قبل اگر معاملہ اس طرح ہے جس طرح محمد ﷺ کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی جانب سے استہزاء کے طور پر تھا۔

اَصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُوْنَ وَاذْكُرْ عِمْدًا نَادَاوُدَ الَّذِیْ ۙ اٰتٰہٗ اَوَابَ ⑥

”(اے حبیب!) صبر کرو ان کی نامعقول باتوں پر اور یاد فرمائیے ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔“

جب کفار نے مذاق کیا تو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے واقعات اور ان کی دشمنی کا ذکر کیا اور سابقہ قوموں کی ہلاکت کا ذکر کر کے انہیں خبردار کیا تو نبی کریم ﷺ کو ان کی اذیتوں پر صبر کا حکم دیا اور جو کچھ پہلے مذکور ہوا اس کے ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دی، پھر حضرت داؤد علیہ

السلام اور انبیاء کا ذکر شروع کیا تاکہ جن لوگوں نے صبر کیا ان کے صبر سے آپ بھی تسلی پائیں اور آپ کو یہ علم ہو جائے کہ آخرت میں آپ کے لیے کئی گنا اجر ہوگا اس اجر کی بنسبت جو حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو عطاء کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قول پر صبر کیجئے اور ان کے لیے انبیاء کے قصے بیان کیجئے تاکہ وہ قصے آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل بن جائیں۔

ذَٰلَآلِیْنِیْہِ سے مراد ”عبادت میں قوی“ ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ روزہ سب سے مشکل اور سب سے فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات نماز پڑھا کرتے تھے جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو نہیں بھاگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے میں بڑے قوی تھے۔ عِبْدَنَا کا قول اضافت کے ساتھ شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

اسے الاید اور الادی بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: العیب والعاب شاعر نے کہا:

لَمْ یَلْکُ یَنَادِ فَاَمْسِ اِنَادَا۔ وہ لکڑی ٹیڑھی نہیں تھی وہ اب ٹیڑھی ہو گئی۔

اسی سے رجل اتید ہے یعنی قوی آدمی۔ تاید الشئ شئی قوی ہو گئی اس معنی میں شاعر نے کہا:

اِذَا الْقَوْسُ وَشَرَّهَا اَیْدٌ رَمَى فَاصَابَ الْکُلُّ وَالزُّرَا

شاعر کہتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اس کی کمان کی تانت کو کسا جو بادلوں میں ہے اور اسے پھینکا تو وہ اونٹوں کے گردوں کو جا لگا اور انہیں جربے کے ساتھ موٹا کر دیا۔ مراد اس سے نباتات ہے جو بارش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اِنَّہٗ اَوْآبٌ ضَحَاکٌ نے کہا: اس کا معنی تو بہ کرنے والا (1)۔ اور دوسروں سے مروی ہے کہ جب بھی وہ کسی لغزش کو یاد کرتے یا ان کے دل میں ان کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں دن اور رات میں سو دفعہ استغفار کرتا ہوں، اب یثوب اس وقت کہتے ہیں جب وہ لوٹ آئے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وکلُّ ذی غَیْبَةٍ یثوبُ وغائبُ الموت لایثوبُ

ہر غائب لوٹ آتا ہے اور موت کی وجہ سے غائب ہونے والا نہیں لوٹتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا کی طرف لوٹنے والے تھے وہ اس لائق تھے کہ ان کی اقتدا کی جائے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاُشْرَاقِ ﴿۱۵﴾

”ہم نے فرمانبردار بنادیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** یُسَبِّحْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے جو وہ برہان اور معجزہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے

اس کا ذکر فرمایا وہ پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح کرنا ہے۔ مقاتل نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہاڑوں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یُسَبِّحُنَ کا معنی ہے وہ نماز پڑھتے تھے ہر چیز معجزہ ہو گئی جب لوگوں نے اسے دیکھا اور اسے پہچانا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو خوبصورت آواز دی گئی تھی پہاڑوں میں اس کی وجہ سے جو ہلکی آواز پیدا ہوتی ہے اور پرندے اس کی طرف جو کان لگاتے اور اس کے ساتھ آوازیں نکالتے جو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں تو یہ ان پہاڑوں کی تسبیح ہوگی کیونکہ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے اس کے بارے میں گفتگو سورہ سبا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (الاسراء: 44) میں گزر چکی ہے۔ اقوال میں سے صحیح ترین قول وہ ہے: جو قولی تسبیح ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اشراق سے مراد سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کا سفید ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شراقت الشمس جب وہ طلوع ہو اشراقت جب وہ خوب روشن ہو جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا: میں اس آیت بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ کے پاس سے گزرتا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے آپ نے پانی منگوایا وضو کیا پھر چاشت کی نماز پڑھی فرمایا: ”ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے“ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صلاة الضعی کے بارے میں میرے ذہن میں الجھن سی تھی یہاں تک کہ میں نے اسے قرآن میں پایا یُسَبِّحُنَ بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے پھر اسے بعد میں پڑھنے لگے۔ روایت کی گئی ہے کہ کعب الاحبار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سورج کے طلوع ہونے کے بعد ایک نماز پاتا ہوں وہ ادائین کی نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں تجھے قرآن دکھاتا ہوں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے یُسَبِّحُنَ بِالنَّعِشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔

**مسئلہ نمبر 3۔** چاشت (1) کی نماز نفل اور مستحب ہے (2) یہ دن کے پہلے پہر میں اسی طرح ہے جس طرح دن کے پچھلے پہر میں عصر ہے۔ نماز پڑھنا مناسب نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے بعد سفید ہو جائے اس کا گدلا پن ختم ہو جائے وہ اپنی روشنی کی وجہ سے منور ہو جائے جس طرح عصر کی نماز اس وقت پڑھنا مناسب نہیں جب سورج زرد ہو جائے۔

1۔ من صلاة الضعی کے الفاظ ہیں جس کا لغوی معنی چاشت کی نماز ہے لیکن جو تعبیر کی گئی ہے وہ اشراق کے نوافل بننے ہیں جو سورج کے طلوع ہونے کے تقریباً بیس بجیں منٹ بعد پڑھے جاتے ہیں۔ صلاة الضعی تو تقریباً دو اڑھائی گھنٹے بعد پڑھی جاتی ہے۔

2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1625



صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صلاة الاوابین حین ترمض الفصال اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرمی محسوس کرنے لگیں۔ فصال اور فصلان، فصیل کی جمع ہے اس سے مراد اونٹ کا وہ بچہ ہوتا ہے جسے دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ رمضاء سے مراد زمین میں گرمی کی شدت ہے۔ یہاں فصال کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس وقت گرمی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ابھی گرمی کی شدت انتہاء کو نہیں پہنچتی جس وقت ان کی مائیں گرمی محسوس کرتی ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں قوت برداشت کم ہوتی ہے یہ چاشت کے وقت اور اس کے تھوڑا وقت بعد ہوتا ہے، یہ سورج کے طلوع ہونے اور زوال کے درمیان کا وقت ہوتا ہے؛ یہ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: لوگوں میں سے اس سے کچھ تھوڑا پہلے نماز پڑھتے ہیں کیونکہ انہیں جلدی ہوتی ہے کیونکہ انہیں کوئی مصروفیت ہوتی ہے پس اس وجہ سے عمل میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی کیونکہ وہ ممنوع وقت میں نماز پڑھتا ہے اور وہ ایسا بھی کرتا ہے جو اس کے خلاف چلا جاتا ہے وہ اس کے حق نہیں ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من صلی الضحی ثنتی عشرة رکعة بنی اللہ له قصرا من ذهب فی الجنة (1) جو چاشت کے بارہ نوافل پڑھے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک محل بنا دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”تمہاری ہڈیوں میں سے چھوٹی ہڈی پر صدقہ ہے پس ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے ہر تہلیل (لا اِلهَ اِلاَ اللہ) صدقہ ہے ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے نبی عن المنکر صدقہ ہے دو رکعتیں ان کے قائم مقام ہو جاتی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھتا ہے“ (2)۔

ترمذی نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے چاشت کے دونفلوں میں مواظبت اختیار کی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں“ (3)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ”میرے غلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی، میں اپنی موت تک انہیں نہیں چھوڑوں گا ہر ماہ تین روزے، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا“ (4)۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے: چاشت کے دونفل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو ذر سے روایت نقل کی ہے جس طرح امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ یہ سب بحث اس پر دلالت کرتی ہے کہ چاشت کی نماز کی کم سے کم رکعتیں دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ما جامع فی صلوة الضحی، جلد 1، صفحہ 62

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوة، استحباب الصلوة الضحی، جلد 1، صفحہ 250

3۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، ما جامع فی صلوة الضحی، جلد 1، صفحہ 63

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، صلوة الضحی فی الحضرة، جلد 1، صفحہ 157

سُلاخی کا اصل معنی انگلیوں، ہتھیلیوں اور پاؤں کی ہڈیاں ہیں پھر اس کا استعمال جسم کی تمام ہڈیوں اور جوڑوں میں ہونے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بنی آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے جس نے اللہ اکبر، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ، اُستغفر اللہ کہا، راستہ سے کوئی پتھر، کوئی کانٹا یا راستہ سے کوئی ہڈی ہٹائی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اس نے یہ عمل تین سو ساٹھ کی تعداد کے برابر کیا تو وہ اس روز چلے گا جبکہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا ہوگا (1)“ ابو توبہ نے کہا: بعض اوقات یمنی کا لفظ ذکر کیا۔ امام مسلم نے اسی طرح نقل کیا ہے ان کا قول ہے ویجزی من ذلک رکعتان یعنی ان اعضاء کی جانب سے ان صدقات کے لیے دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک ایسا عمل ہے جس کو جسم کے تمام اعضاء کے ساتھ کیا جاتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جسم کا ہر عضو وہ فریضہ سرانجام دیتا ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورًا ۖ كُلُّ لَكُمْ آوَابٌ ۝۱۰ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَ

### فصل الخطاب ۝۱۰

”اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے اور سب ان کے لیے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔“

وَالطَّيْرَ مَحْشُورًا اس کا عطف الجبال پر ہے۔ فراء نے کہا: اگر اسے والطیر محشورہ پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں فعل ظاہر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تو پہاڑ انہیں جواب دیتے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح کہتے، ان کا آپ کے پاس جمع ہونا ہی ان کا حشر ہے معنی ہے کہ ہم نے پرندوں کو مسخر کیا کہ وہ آپ کے پاس جمع ہوتے تاکہ وہ آپ کے ساتھ ملکر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے ہوا کو مسخر کیا تاکہ پرندے ان کے پاس جمع ہوں تاکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں یا ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ پرندوں کو جمع کریں ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کا تابعدار تھا یعنی ان کے پاس آتا اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ یعنی ہم نے اسے قوی کیا یہاں تک کہ وہ پختہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ہیبت اور دلوں میں رعب ڈال کر ان کی حکومت کو پختہ کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لشکروں کی زیادتی کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو پختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تائید اور نصرت کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا: یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی بادشاہ تھے ہر رات ان کی عبادت گاہ کی تیس ہزار سے اوپر لوگ نگہبانی کیا کرتے تھے جب آپ صبح کرتے تو کہا جاتا تھا واپس چلو تم سے اللہ کا نبی راضی ہے۔ ملک کا معنی ملکیت کی زیادتی ہے آدمی کی ملکیت ہوتی ہے مگر اس وقت ملک نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی مملوکہ

چیزیں کثیر نہ ہو جائیں اگر ایک آدمی گھر اور بیوی کا مالک ہو جائے تو وہ اس وقت تک ملک نہیں کہلاتا یہاں تک کہ اس کے پاس خادم ہو جو منافع میں تصرف کی ذمہ داری کو کافی ہو جس کا ایک انسان محتاج ہوا کرتا ہے یہ معنی سورہ براءہ میں گذر چکا ہے اور ملک کی حقیقت سورہ نمل میں گذر چکی ہے۔

وَآتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **آتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ** حکومت سے مراد نبوت ہے (1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد عدل ہے۔ ابو عالیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سنت ہے۔ شرح نے کہا: اس سے مراد علم اور فقہ ہے۔ **وَفَصَّلَ الْخُطَابِ** ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور قتادہ نے کہا: قضاء میں فیصلہ ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بصری، بکلی اور مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بیان کلام ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے کہا: اس سے مراد یہ ارشاد ہے **الْبَيْنَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ انْكَرَ شَرِّحَ**، قتادہ اور شعبی کا قول ہے: ابو موسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا یہ ان کا قول اما بعد ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا کلمہ استعمال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَفَصَّلَ الْخُطَابِ** سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثیر معانی کا قلیل الفاظ میں سمودینا ہے۔ ان اقوال کے معنی قریب قریب ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کا قول اس کو جامع ہے کیونکہ فیصلہ کا دار و مدار اسی پر ہوتا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول اس سے مختلف ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: جہاں تک علم قضا کا تعلق ہے (2) تیرے معبود کی قسم! یہ علم کی ایک انوکھی قسم ہے اور اس کی مؤکد فصل ہے، یہ احکام کی معرفت اور حلال و حرام کی بصیرت سے الگ ہے حدیث طیبہ میں ہے **أَقْضَاكُمْ عَلَى وَأَعْلَمَكُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ** معاذ بن جبل (3) تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں اور تم میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کے مسائل جاننے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض اوقات ایک آدمی افعال کے احکام کو جانتا ہے حلال و حرام کو پہچانتا ہے وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا کچھ لوگوں نے شیر کو شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اس میں شیر گر پڑا لوگ اس گڑھے پر اکٹھے ہو گئے اس گڑھے میں ایک آدمی گرا وہ ایک آدمی کے ساتھ چمٹ گیا وہ ایک آدمی کے ساتھ چمٹ گیا یہاں تک کہ وہ کل چار آدمی ہو گئے شیر نے انہیں زخمی کر دیا تو وہ ہلاک ہو گئے لوگوں نے اسلحہ تھام لیا قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ ہو جاتی فرمایا: میں ان کے پاس آیا اور میں نے کہا: کیا تم چار آدمیوں کی وجہ سے دو سو آدمیوں کو قتل کرتے ہو؟ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو تو وہ تمہارے درمیان فیصلہ ہوگا اگر تم وہ فیصلہ ماننے سے انکار کرو تو تم وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت علی شیر

خدا نے پہلے کے لیے چوتھائی دیت، دوسرے کے لیے ایک تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے پوری دیت کا فیصلہ کیا اور تمام دیتیں ان افراد پر لازم کر دیں جنہوں نے وہ گڑھا کھودا تھا اور اسے ان چار قبائل پر تقسیم کر دیا کچھ لوگ راضی ہو گئے اور کچھ لوگ ناراض ہو گئے پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات بیان کیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا ایک آدمی نے عرض کی: حضرت علی شیر خدا نے ہمارے درمیان ایک فیصلہ کیا ہے، حضرت علی شیر خدا نے جو فیصلہ کیا تھا اسے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فیصلہ تو وہی ہے جو حضرت شیر خدا ہی نے کیا ہے۔“ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا کا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اسی طرح المعرفة بالقضاء میں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے پاس ایک آدمی آیا عرض کی کہ ابن ابی لیلیٰ جو کوفہ کے قاضی تھے نے ایک مجنونہ عورت کو دو حدیں جاری کرتے ہوئے کوڑے مارے جس نے ایک آدمی کو کہا: اے دو بدکاری کرنے والوں کے بیٹے جبکہ وہ عورت کھڑی تھی حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اس نے چھ وجوہ سے غلطی کی ہے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابو حنیفہ نے یہ قول بدیہی طور پر کر دیا علماء کے علاوہ کوئی آدمی روایت کو نہیں جانتا۔ جہاں تک حضرت علی شیر خدا کے فیصلہ کا تعلق ہے اس کو تھورا علم رکھنے والا نہیں جان سکتا اور احکام میں تجربہ رکھنے والا اس کا ادراک نہیں کر سکتا مگر وہ جو طویل عرصہ تک اس پر اپنی تو جہات کو مرکوز کیے ہوئے ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ جو چار مقتول ہیں خطا قتل ہوئے کیونکہ جو لوگ وہاں حاضر تھے ان میں دھکم پیل ہوئی اور جن لوگوں نے اس گڑھے کو کھودا ان پر ان مرنے والوں کی دیت خطا لازم ہو گئی مگر جو پہلا ہے دھکم پیل کی وجہ سے مقتول ہے جس نے تین دوسرے افراد کو کھینچتے ہوئے قتل کیا اس کے لیے قتل ہونے کی وجہ سے دیت ہوگی اور اس پر تین چوتھائی دیت لازم ہوگی ان افراد کی جن کو اس نے کھینچ کر قتل کیا ہے جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے اس کے لیے ایک تہائی دیت ہوگی اور اس پر ان دو افراد کی دو تہائی دیت لازم ہوگی جن کو اس نے کھینچ کر قتل کیا۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے اسکے لیے نصف دیت ہوگی اور اس پر بھی نصف دیت ہوگی کیونکہ اس نے ایک آدمی کو کھینچ کر قتل کیا تھا اس طرح ان میں تقسیم ہوگی اور اور عاقلہ جاری قصاص کے بعد اس طرح چنی بھریں گے یہ بہت عمدہ استنباط ہے۔ جہاں تک امام ابو حنیفہ کا تعلق ہے تو آپ نے متعلقہ اسباب کو دیکھا تو آپ نے غلطی کی چھ وجوہ کو دیکھا۔

(1) مجنون پر کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ جنون احکام کے مکلف ہونے کے حکم کو ساقط کر دیتا ہے یہ اس وقت ہوتا جب تہمت جنون کی حالت میں لگائی ہو جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جسے کسی وقت جنون لاحق ہوتا ہو اور کسی وقت افاقہ ہوتا ہو تو اسے افاقہ کی حالت میں حد قذف لگائی جائے گی۔ (2) اس کا قول: اے دو بدکاروں کے بیٹے! تو اس کے کوڑے دو حدوں کی صورت میں لگنے چاہئیں تھے ہر اک کی وجہ سے ایک حد جاری ہونی تھی، امام ابو حنیفہ نے اپنے مذہب کے مطابق اسے غلط قرار دیا ہے کیونکہ حد قذف میں تداعیل واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس طرح شراب اور بدکاری کی حد ہے جہاں تک امام شافعی اور امام مالک کا تعلق ہے دونوں کی رائے یہ ہے کہ حد قذف یہ بندے کا حق ہے اس وجہ سے



جب وہ افراد متعدد ہیں جن پر تہمت لگائی گئی ہے تو حدیں بھی متعدد ہوں گی۔ (3) قاضی نے مقذوف کے مطالبہ کے بغیر حد لگائی ہے اور امت کا اجماع ہے کہ حد قذف مطالبہ کے بعد ہی جائز ہے خواہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ دلیل قائم ہو جاتی ہے کہ جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا تو مطالبہ پر موقوف نہ ہوگی جس طرح کہ حد زنا ہے۔ (4) اس نے پے در پے دو حدیں جاری کیں جبکہ جس پر حدیں واجب ہوں انہیں پے در پے جاری نہیں کیا جاتا بلکہ ایک حد جاری کی جاتی ہے پھر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ زخم مندمل ہو جائیں پھر اس پر دوسری حد جاری کی جائے گی۔ (5) اس نے عورت پر حد جاری کی ہے جبکہ وہ کھڑی تھی جبکہ عورت پر حد اس وقت جاری کی جاتی ہے جبکہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور پردے میں ہو۔ (6) اس نے مسجد میں حد جاری کی ہے جبکہ مسجد میں حد جاری نہیں کی جاتی جبکہ اس پر اجماع ہے کہ حد مسجد میں جاری نہیں کی جاتی۔

مسجد میں فیصلہ کرنے اور تعزیر کرنے میں اختلاف ہے۔

قاضی نے کہا: یہی مفصل خطاب اور علم قضاء ہے حدیث اقصا کم علی کی جو تاویل میں کی گئی ہیں ان میں سے ایک تاویل کی بنا پر اسی علم کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا: اس سے مراد ایجاز ہے۔ تو وہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا اسی طرح ایجاز سرور دو عالم ﷺ کے لیے ہوگا دوسرے عربوں کے لیے نہ ہوگا نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے: وادیت جوامع الکلم (1) مجھے جوامع کلم سے نوازا گیا۔ جس نے کہا: اس سے مراد اما بعد ہے تو نبی کریم ﷺ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اما بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دور جاہلیت میں سب سے پہلے جس آدمی نے یہ لفظ استعمال کیا وہ سبحان بن وائل تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جو بعثت بعد الموت پر ایمان لایا تھا اور وہی پہلا شخص ہے جس نے عصا پر ٹیک لگائی تھی اور اس کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی اگر یہ درست ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کہا تھا تو وہ عربی زبان میں نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی اپنی زبان میں ہوگا۔

وَهَلْ أَتَاكَ نَبِيُّ الْخَصِمِ ۖ إِذْ تَسَوَّرُوا الْبَحْرَابَ ۚ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصِمِينَ ۖ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَذَا أَنَا نَحْنُ ۖ لَهُ تَسْمُوعٌ وَتَسْعُونَ نَعَجَةً ۖ وَإِلَىٰ نَعَجَةٍ وَاحِدَةٍ ۖ فَقَالَ أَكْفَلْنِيهَا وَعَرَّنِي فِي الْخُطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجِكَ إِلَىٰ نَعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا ۖ وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۝

”اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا: ڈریے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور ان کی نانوائے دنیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دینی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا: بے شک اس نے ظلم کیا تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دینی کو اپنی دنیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آگیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سودہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر، اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔“

اس میں چوبیس مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1۔** خصم کا لفظ ایک، دو اور جماعت پر واقع ہوتا ہے (1) کیونکہ اصل میں یہ مصدر ہے۔ شاعر نے کہا:

وَحْصِمَ غَضَابٌ يَنْفُضُونَ لِحَاظَهُ كَنْفِضَ الْبَرَازِينَ الْعِرَابِ السَّخَالِيَا

وہ غصیلے دشمن ہیں وہ اپنی داڑھیوں کو یوں جھاڑتے ہیں جس طرح ترکی و عربی گھوڑے تو بروں کو جھاڑتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں خصم سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تَسْوَرُوا یہ لفظ خصم پر محمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اگرچہ جھگڑا کرنے والے دو تھے کیونکہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ ہے اور اس کے مشابہ ہے جس طرح الרכب اور الصحب ہے۔ اس کی تقدیر پر دو کے لیے ذوا خصم ہوگی اور جماعت کے لیے ذود خصم ہوگی۔

تَسْوَرُوا الْوَحْرَابَ وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس آئے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تسور الحائط وہ اس پر چڑھا السور شہر کی فصیل کو کہتے ہیں یہ ہمزہ کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح السور ہے یہ سورۃ کی جمع ہے جس طرح بسمۃ کی جمع بسما آتی ہے یہ تعمیر کی ہر منزل کو کہتے ہیں اسی سے سورۃ القرآن ہے کیونکہ یہ بھی ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہوتی ہے جو دوسری سے الگ ہوتی ہے اس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی ہے۔ تابغہ کا قول ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَعْطَاكَ سُورَةً تُرَى كُلُّ مَلَكٍ دُونَهَا يَتَذَبَذَبُ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مرتبہ عطا کیا ہے تو ہر بادشاہ کو اس مرتبہ سے نیچے متذذب دیکھے گا۔

اس شعر میں سورۃ سے مراد شرف اور منزلت ہے۔

جہاں تک اس سورۃ کا تعلق ہے جو ہمزہ کے ساتھ ہے اس سے مراد برتن میں بچا کچا کھانا ہے۔

ابن عربی نے کہا: فارسی زبان میں سور سے مراد ولیمہ ہے حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر کہا تھا: ان جابرا قد صنع لکم سور افحیٰ ہلا بکم (۱)۔

یہاں محراب سے مراد کمرہ ہے کیونکہ وہ کمرہ میں ہی ان کے پاس آئے تھے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد صدر مجلس ہے؛ اسی معنی میں مسجد کا محراب ہوتا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اِذْ دَخَلُوا عَلٰی دَاوُدَ يٰهَا اِذْ دُفِعَ آيَا هٖ كَيْونَكَ يِهْ دُونُوں فَعْل هٖں۔ فراء نے گمان كيا هٖ كه ان دُونُوں مٖں سٖ ايك لسا كے معنی مٖں هٖ دوسرا قول يِه هٖ كه دوسرا اِذَا پنے مابعد سٖ مل كرا پنے ماقبل كا بيان هوگا۔ ايك قول يِه كيا گيا هٖ كه وه دُونُوں انسان تھے؛ يِه نقاشي كا قول هٖ۔ ايك قول يِه كيا گيا هٖ؛ وه دوفرشتے تھے؛ يِه ايك جماعت كا قول هٖ۔

ایک جماعت نے ان دونوں کو معین کیا ہے انہوں نے کہا: وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے جو دو انسانوں کی صورت میں تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں، حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کے روز، ان کے پاس بھیجے تھے نگہبانوں نے اندر جانے سے انہیں روکا تھا تو وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس حاضر ہو گئے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو محسوس تک نہ ہوا کیونکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے وہ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَهَلْ أَتَاكَ نَبُؤُا الْخَصِیْمِ ۚ اِذْ تَسُوْرُا الْیَحْرَابَ ۝۱۱** کا بھی یہی مطلب ہے یعنی وہ اوپر چڑھے اور عبادت والے کمرے کے اوپر سے نیچے اترے: یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا۔

اس کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں گے اگر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہیں کہا گیا: تجھے آزما یا جائے گا تو اس دن کو بھی جان لے گا جس میں تجھے آزما یا جانا ہے تو اپنی احتیاط کر لینا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور لی، عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور کسی کو بھی اندر داخل ہونے سے منع کر دیا اسی اثنا میں کہ وہ زبور پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک پرندہ آیا جو پرندوں میں سے حسین ترین تھا وہ پرندہ آہستہ آہستہ قریب ہونے لگا حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ اس پرندے کو پکڑ لیں وہ مزید آگے ہوا یہاں تک کہ وہ عبادت گاہ کے روشن دان میں جا کر حضرت داؤد علیہ السلام اس کے قریب ہوئے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ اڑ گیا آپ جھانکے تاکہ اس پرندے کو دیکھیں تو آپ کی نظر ایک عورت پر جا پڑی جو غسل کر رہی تھی جب عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے جسم کو اپنے بالوں سے ڈھانپ لیا۔ سدی نے کہا: وہ عورت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا خاوند اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی تھا جس کا نام اوریا بن حنان تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے مجاہدین کے امیر کو خط لکھا کہ وہ اس کے خاوند کو تابوت اٹھانے والوں میں معین کرے تابوت اٹھانے والوں کو یا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا کرتا ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں امیر نے اسے آگے رکھا تو وہ قتل ہو گیا جب اس عورت کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دعوت نکاح دی، اس عورت نے یہ شرط لگائی: اگر اس کا لڑکا ہو تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کا

خلیفہ ہوگا اس نے اس بارے میں باقاعدہ تحریر لکھی اور بنی اسرائیل کے پچاس آدمیوں کو گواہ بنایا تھوڑا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور وہ جوان ہو گئے اور دو فرشتے دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے ان دونوں کا وہی واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے؛ ماوردی اور دوسرے علماء نے اسے ذکر کیا وہ صحیح (1) نہیں۔ ابن عربی نے کہا: جو کچھ اس بارے میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ مناسب ترین ہے۔

میں کہتا ہوں ترمذی حکیم نے نو اور الاصول میں اس کی ہم معنی مرفوع روایت نقل کی ہے وہ یزید رقاشی سے مروی ہے کہ اس نے حضرت انس بن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب اس عورت کو دیکھا اور اس سے محبت کرنے لگے تو آپ نے بنی اسرائیل کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور امیر لشکر کو حکم دیا جب دشمن حاضر ہو تو فلاں کو دشمن کے قریب معین کرنا اس آدمی کا نام بھیجا امیر نے اسے تابوت کے قریب معین کیا (2)۔

اس زمانہ میں تابوت کے ذریعے نصرت طلب کی جاتی تھی جسے تابوت کے سامنے رکھا جاتا تو وہ واپس نہیں لوٹتا تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے یا وہ لشکر شکست کھا جائے جس سے وہ برسر پیکار ہے اس آدمی کو آگے رکھا گیا تو اس عورت کا خاوند قتل ہو گیا تو دو فرشتے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، اور تمام واقعہ بیان کیا۔

سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس عورت کے خاوند کی طرف خط لکھا جبکہ وہ بلقاء شہر کے قلعہ میں تھا کہ وہ دروازے کا حلقہ پکڑے اس میں موت احر تھی وہ آگے بڑھا اور قتل ہو گیا۔

ثعلبی نے کہا علماء کی ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ایک خطا کے ساتھ لیا کیونکہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کی تمنا کی عرض کی: اے میرے رب! سب بھلائی میرے آباؤ اجداد لے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی انہیں ایسے امتحان میں ڈالا گیا جیسے امتحان میں کسی اور کو نہ ڈالا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان نمرود، آگ اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی صورت میں لیا گیا حضرت اسحاق علیہ السلام کا امتحان ذبح ہونے کی صورت میں لیا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان حضرت یوسف علیہ السلام پر غم اور بینائی چلی جانے کی صورت میں لیا گیا تمہارا تو ان میں سے کسی چیز کے

1۔ امام قرطبی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اسرائیلیات میں سے ہے ان کی صحت کا کوئی اعتبار نہیں یہ محض افتراء ہے جس طرح امام بیضاوی نے کہا اور یہ روایت ان چیزوں میں سے ہے جو عصمت انبیاء پر قدح کا باعث ہیں ابوحیان نے بہت عمدہ بات کی ہے وہ کہتے ہیں: یہ بات قطعی ہے کہ انبیاء گناہوں سے محفوظ ہیں ان میں سے کوئی چیز انبیاء سے واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ بدیہی بات ہے اگر ہم ان میں سے کسی چیز کو ان پر جائز قرار دیں گے تو شرعی احکام باطل ہو جائیں گے اور جو وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرتا ہے ہم ان میں سے کسی بات پر بھی اعتماد نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو ذکر کیا ہے ہم اسے اسی پر محمول کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے اور جو قصہ گولوگ بیان کرتے ہیں اور ان باتوں میں منصب نبوت کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہوگا تو ہم اسے ترک کر دیں گے تحقیق کے مطابق نقاشی کی روایات مطروح ہیں مفسر نے خود بھی بعد میں نحاس کا قول نقل کیا ہے جو ہمارے قول کی تائید کرتا ہے۔

2۔ نو اور الاصول، باب فی ہم الانبیاء الثلاث، صفحہ 186



ساتھ امتحان نہیں لیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: میرا بھی امتحان لے جس طرح ان کا امتحان لیا اور مجھے بھی وہ مقام عطا کر جو تو نے انہیں مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی: تیرا فلاں مہینہ میں جمعہ کے روز امتحان ہوگا جب وہ دن آیا تو آپ عبادت گاہ میں چلے گئے دروازہ بند کر لیا نماز پڑھنے لگے اور زبور کی تلاوت کرنے لگے اسی اثنا میں کہ آپ یہ کام کر رہے تھے کہ شیطان نے ان کے لیے سونے کی کبوتری کی صورت اختیار کی اس میں ہر قسم کا خوبصورت رنگ موجود تھا وہ آپ کے قدموں کے ساتھ ٹھہر گئی آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اسے پکڑ لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں وہ تھوڑی دور تک اڑ گئی مگر اپنی ذات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو مایوس نہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ تھوڑی اور دور چلی گئی حضرت داؤد علیہ السلام اس کے پیچھے ہوئے وہ اڑی یہاں تک کہ وہ روشن دان میں جا گری حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے تاکہ اسے پکڑیں تو وہ اڑ گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اس کے پیچھے بلند ہو رہی تھی تاکہ اس کے پیچھے کسی کو بھیجیں جو اسے پکڑ لے تو آپ نے ایک تالاب کے کنارے ایک عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا: یہ کلبی کا قول ہے۔ سدی نے کہا: وہ عورت چھت پر بے لباس غسل کر رہی تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے بہت خوبصورت پایا اس عورت نے آپ کا سایہ دیکھا تو اس نے اپنے بالوں کو جھاڑا تو اپنے بدن کو ڈھانپ لیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اور بھی بھلا لگا اس عورت کا خاوند اور یا بن حنان تھا جو ایوب بن صوریہ کے ساتھ جنگ میں شامل تھا حضرت ایوب حضرت داؤد علیہ السلام کے بھانجے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت ایوب کی طرف خط لکھا کہ اور یا کو فلاں فلاں جگہ متعین کرے ایوب نے اسے تابوت کے سامنے متعین کر دیا۔ جس آدمی کو تابوت کے سامنے متعین کیا جاتا اس کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا کہ وہ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا شہید ہو جائے۔ ایوب نے اسے آگے رکھا تو اسے فتح نصیب ہوئی تو ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام حالات لکھ بھیجے۔

کلبی نے کہا: اور یا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی تلوار تھی جب وہ کوئی وار کرتے اور اللہ اکبر کہتے تو حضرت جبریل ان کی دائیں جانب اور حضرت میکائیل ان کی بائیں جانب اللہ اکبر کہتے اور اس کی تکبیر کی وجہ سے آسمان کے فرشتے بھی اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عرش تک جا پہنچتا تو عرش کے فرشتے اس کی تکبیر سے اللہ اکبر کہتے اللہ تعالیٰ کی تلواریں تین تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کالب بن یوفنا، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اور یا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

جب ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اور یا کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایوب کو خط لکھا کہ اسے فلاں لشکر میں بھیج دو اور تابوت کے آگے متعین کرو اللہ تعالیٰ نے اس مہم میں بھی آپ کو فتح عطا فرمائی اور تیسری دفعہ وہ شہید ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے عدت ختم ہونے کے بعد شادی کر لی یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے دل میں سوچا کہ وہ ایک دن بغیر کوئی چیز کھائے گزار سکتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عورتوں کے لیے، ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ بنی اسرائیل کے لیے وہ آپ کے ساتھ مذاکرہ کرتے اور آپ ان کے ساتھ مذاکرہ کرتے وہ آپ کو رلاتے اور آپ ان کو رلاتے تھے اور ایک حصہ فیصلوں کے لیے۔ بنی اسرائیل نے آپ سے گفتگو کی: کیا انسان پر کوئی ایسا دن بھی گذر سکتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرے حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں خیال کیا کہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں آپ نے عبادت والے دن دروازہ بند کر لیا اور حکم دیا کہ آج ان کی خدمت میں کوئی حاضر نہ ہو آپ نے زبور کی تلاوت میں اپنی توجہات مذکور کر لیں تو سونے کی ایک چڑیا آپ کے سامنے گری اور اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے ہمارے علماء نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے (2) کہ حاکم پر کوئی لازم نہیں کہ ہر روز وہ لوگوں کے لیے متعین کرے اور انسان کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیویوں سے وطی کرنا ترک کرے اگرچہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔ سورۃ النساء میں یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کعب الاحبار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں آپ کی موجودگی میں اسی امر کا فیصلہ کیا نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرمایا: ان لزوجک علیک حقاً بے شک بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا جب انہیں خلیفہ بنایا گیا اللہ کی قسم! میں تمہارے درمیان عدل کروں گا اور انشاء اللہ نہ کہا تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ ابو بکر وراق نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنے آپ پر عجب کا اظہار کیا اور کہا: کیا زمین میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ جیسا عمل کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو ان کی طرف بھیجا فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے فرماتا ہے: تو نے اپنی عبادت پر عجب کا اظہار کیا ہے عجب عبادت کو یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اگر تو نے دوبارہ عجب کا اظہار کیا تو میں تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! ایک سال تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے فرمایا: یہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔ عرض کی: ایک مہینہ تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: یہ بھی زیادہ عرصہ ہے عرض کی: ایک دن۔ فرمایا: یہ بھی زیادہ ہے۔ عرض کی: یا رب مجھے ایک ساعت کے لیے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: ایک ساعت کے لیے تیرا نفس تیرے حوالے ہے۔ آپ نے معاملہ نگہبانوں کے حوالے کر دیا خود اون کا لباس پہنا اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے زبور اپنے ساتھ رکھ لی اسی اثنا میں کہ وہ عبادت میں مصروف تھے کہ ایک پرندہ آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تو عورت کا واقعہ ہوا جو ہوا۔

سفیان ثوری نے کہا: ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور التجا کی اے میرے رب! کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر داؤد کے خاندان میں سے کوئی فرد روزے سے ہوتا ہے اور کوئی رات نہیں ہوتی مگر آل داؤد میں سے کوئی تیرے، حضور قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے داؤد! یہ تیری وجہ سے ہے یا میری وجہ سے ہے میری عزت کی قسم! میں ضرور تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب!

مجھے معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک سال تک کے لیے تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دیتا ہوں عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ماہ۔ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ہفتہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک دن، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! ایک گھنٹہ، عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک لحظہ، شیطان نے کہا: ایک لحظہ کی کیا حیثیت ہے؟ عرض کی: ایک لحظہ کے لیے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لحظہ کے لیے اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا اسے کہا گیا: فلاں دن فلاں وقت میں جب وہ دن آیا تو آپ نے وہ دن عبادت کے لیے خاص کر دیا آپ نے نگہبانوں کو اس مکان کے ارد گرد معین کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ تیس ہزار یا تینتیس ہزار تھے۔ اپنے رب کی عبادت کے لیے خلوت گزریں ہو گئے اور اپنے سامنے زبور کو پھیلا دیا ایک کبوتری آئی اور آپ پر آگری تو اس لمحہ اس عورت کا معاملہ ہوا جو ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ان کی طرف بھیجے ان دونوں نے انبیاء کی مثال پیش کی جب مثال کو سنا تو اپنی خطا یاد آئی حتیٰ کہ چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے جس کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَفَزِعَ مِنْهُمْ آپ ان سے گھبرائے کیونکہ دونوں رات کے وقت اس وقت داخل ہوئے جس وقت جھگڑے والے لوگ داخل نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس لیے گھبرائے تھے کیونکہ وہ بغیر اجازت کے داخل ہوئے تھے ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ عبادت گاہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دیوار پھلانگ کر آئے تھے وہ دروازے سے داخل نہ ہوئے تھے۔

ابن عربی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت خانہ اوپر چڑھ کر داخل ہونے سے محفوظ تھا کیونکہ آدمی کسی حیلہ سے بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا مگر اس صورت میں کہ وہ کئی دنوں یا کئی مہینوں تک اس کے لیے تگ و دو کرتا جبکہ اس کے ساتھ کئی مددگار بھی ہوں اور مختلف انواع کے آلات ہوں۔ اگر ہم کہیں کہ وہ محراب کے دروازے سے اس تک پہنچے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبر دینے کے لیے یہ ارشاد نہ فرماتا تَسَوُّرُوا الْيَحْرَابَ کیونکہ جو آدمی سیرگی کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے اوپر آئے تو اس کے لیے تسور المحراب والغرفة کا لفظ استعمال نہیں کرتے مگر بطور مجاز ایسا کہا جاسکتا ہے جب تو روشن دان کو دیکھے جس سے دو جھگڑا کرنے والے داخل ہوں تو تجھے قطعی طور پر علم ہو جائے گا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے اور وہاں تک کوئی عالم بالا کا مکین ہی پہنچ سکتا ہے۔ ثعلبی نے کہا ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہونے والے بنی اسرائیل میں سے دو حقیقی بھائی تھے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو ایک فرشتہ نے کہا: اے داؤد! تو نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیوں نہ کیا۔ پہلی تعبیر زیادہ اچھی ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اکثر اہل تاویل نے بھی یہی کہا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ یہ کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ فرشتے کہیں: خَصْنِ بَنِي بَعْضًا عَلٰی بَعْضٍ یہ تو سراسر جھوٹ ہے اور فرشتے اس قسم کے جھوٹ سے منزہ ہیں۔

اسکا جواب یہ ہوگا: کلام میں تقدیر ضروری ہے گویا دونوں نے کہا: قدرنا کانتا خصمان بغی بعضنا علی بعض ہمارے بارے میں مقدر کیجئے گویا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر بغاوت کی ہے۔ اسی معنی پر ان دونوں کے قول کو محمول کیا جائے گا إِنَّ هَذَا آخِرُ لَهٗ تَسْمَعُ وَتَسْمَعُونَ نَعَجَةً کیونکہ یہ اگرچہ خبر کی صورت میں تھا مگر مقصود تقدیر میں لانا تھا تاکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس پر انہیں آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** اگر یہ سوال کیا جائے: حضرت داؤد علیہ السلام کیوں گھبرائے جبکہ وہ نبی تھے جبکہ ان کا نفس نبوت کے ساتھ قوی ہو گیا تھا اور وحی کی وجہ سے مطمئن تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ آپ کو عطا کیا تھا اس پر پورا بھروسہ تھا آپ کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر فرمائے تھے اور شجاعت میں بڑے مقام و مرتبہ پر فائز تھے؟

اسے جواب دیا جائے گا: ان سے قبل کے انبیاء کا طریقہ بھی یہی تھا وہ قتل اور اذیت سے محفوظ نہ تھے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام تو ان سے خوفزدہ ہوئے تھے کیا تم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو نہیں دیکھتے دونوں نے کیسے کہا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰی ﴿ط﴾ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَخَفْ (ہود: 70) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا: اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يُّصْلَحَ اِلَيْكَ (ہود: 81) اسی طرح دو فرشتوں نے یہاں کہا لَا تَخَفْ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے جبکہ آپ اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت تھے ایک ایسی مثال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اور اوریا کے لیے بیان فرمائی آپ نے دونوں کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا پوچھا کونسی چیز تمہیں میرے پاس لے آئی؟ دونوں نے کہا لَا تَخَفْ خَصْمَيْنِ بَغِي بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

**مسئلہ نمبر 5۔** ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے آپ نے دونوں کو نکل جانے کا حکم کیوں نہ دیا جبکہ آپ نے آنے کا مدعا جان لیا تھا ان دونوں کو ادب کیوں نہ سکھایا جبکہ دونوں اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے؟

اس کا جواب چار طریقوں سے دیا جاسکتا ہے: (1) ہم نہیں جانتے کہ حجاب اور اذن کے کیا احکام تھے جواب اسی کے مطابق ہوگا جیسے احکام ہو گئے ہماری شریعت کے آغاز میں اسکے بارے میں واضح احکام موجود نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح کیا۔ (2) اگر ہم حجاب کے احکام پر جواب دینا چاہیں تو یہ احتمال موجود ہے کہ وقتی گھبراہٹ نے آپ کو اس چیز سے غافل کر دیا ہو جو امر اس بارے میں آپ پر واجب تھا۔ (3) آپ نے ارادہ کیا کہ آپ ان کی پوری گفتگو سن لیں جس وجہ سے وہ دونوں داخل ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی حقیقت سے آپ آگاہ ہو جائیں اور یہ دیکھ لیں کہ کیا بغیر اجازت کے داخل ہونا لازم آتا ہے یا کہ نہیں، کیا اس کے ساتھ ساتھ کوئی عذر بھی ہوا ہے یا ان کے لیے کوئی عذر نہیں آخری صورت حال یہ ظاہر ہوئی کہ یہ تو محض آزمائش اور امتحان تھا اور مثال تھی جو اللہ تعالیٰ نے قصہ میں بیان کرنا چاہی اور یہ ایک ادب تھا جو دعویٰ عصمت واقع ہوا تھا۔ (4) یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مسجد میں ہوا ہو اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کسی کو روکنا جائز نہیں۔



میں کہتا ہوں: یہ پانچواں قول ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں نے کہا: جب پہرے داروں نے ہمیں اجازت نہ دی تو ہم دیواریں پھلانگ کر پہنچ گئے اور ہمیں ڈر تھا کہ معاملہ ہمارے درمیان سرپٹول کا باعث بن جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عذر کو قبول کیا اور ان کے قول کی طرف توجہ کی۔

**مسئلہ نمبر 6۔** خَصْنِ اگر یہ سوال کیا جائے کہ خَصْنِ کیسے فرمایا جبکہ اس سے قبل فرمایا تھا اِذْ تَسَوُّرُوا الْيَحْرَابَ ① ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو دو بھی جمع ہے۔ خلیل نے کہا: جس طرح تو کہتا ہے: نحن فعلنا جب تم دو ہوتے ہو۔ کسائی نے کہا: جب خبر تھی تو جمع کا ذکر کیا جب خبر ختم ہو گئی اور مخاطبہ شروع ہو تو دونوں نے اپنے بارے میں خبر دی تو کہا: خَصْنِ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے نحن خصمان دوسرے علماء نے کہا: قول محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يقول خصمان بغی بعضنا علی بعض۔ کسائی نے کہا: اگر کلام یوں ہو بغی بعضہما علی بعض تو یہ بھی جائز ہوتا۔ ماوردی نے کہا: دونوں فرشتے تھے وہ نہ جھگڑا کرنے والے تھے اور نہ ہی باغی تھے اور نہ ہی ان سے کوئی جھوٹی بات واقع ہوئی تھی (1)۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ان اتاک خصمان قال بغی بعضنا علی بعض۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے نحن فریقان من الخصوم بغی بعضنا علی بعض اس بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ خصومت دو افراد کے درمیان ہو اور ہر ایک کے ساتھ ایک جمعیت ہو۔ یہ احتمال بھی موجود ہے ایک فریق کے ہر ایک فرد کی دوسرے فریق کے ہر ایک آدمی کے ساتھ خصومت ہو وہ اپنی اپنی خصومتوں کے لیے حاضر ہوئے ہوں لیکن ان میں سے دو افراد نے آغاز کیا ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام نکاح کے ذکر سے تمام قصہ سے آگاہ ہو گئے ہیں اور اس چیز نے انہیں دوسری خصومات سے مستغنی کر دیا ہے۔ بغی کا معنی تعدی کرنا اور فریضہ سے نکلنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے بغی الجور۔ جب درد بڑھ جائے اور بہت بڑا ہو جائے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: بغت المرأة۔ جب وہ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** فَاَحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ یعنی نا انصافی نہ کیجئے: یہ سدی نے کہا ہے۔ ابو عبید نے کہا: شططت علیہ واشططت۔ میں نے اس پر ظلم کیا۔ تمیم داری کی حدیث میں ہے انک لشاطی یعنی تو حکم میں مجھ پر ظلم کرنے والا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تو مائل نہ ہو۔ انخفش نے کہا: آپ اسراف سے کام نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ افراط سے کام نہ لیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس کا اصل معنی دور ہونا ہے یہ شطت الدار سے ماخوذ ہے یعنی گھر دور ہے شطت الدار تشط، تشط شطا و شطوطا گھر دور ہے اشط فی القضیتہ۔ اس نے فیصلہ میں ظلم کیا اشط فی السوم و اشتط۔ بھاؤ لگانے میں بہت دور چلا گیا۔ اشطوا فی طلبی انہوں نے میری طلب میں بہت کوشش کی۔ ابو عمرو نے کہا شطط کا معنی ہے ہر شے میں حد سے بڑھنا حدیث طیبہ میں ہے لہا مہر مثلہا لاوکس ولا شطط اسی کے لیے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن حکیم میں ہے: لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطَا ② (الکہف) یعنی ہم نے ظلم کیا اور حق سے بہت بعید بات کی اور ہماری سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرما۔ سواء الصراط سے مراد قصد السبیل ہے۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اس فرشتہ نے کہا جس نے اور یا کی جانب سے گفتگو کی: یہ میرا دینی بھائی ہے اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انہی سے مراد میرا ساتھی ہے۔ حضرت حسن بصری نے تسمع و تسعون پڑھا ہے۔ یہ شاذ لغت ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت میں یہی صحیح ہے؛ یہی نحاس نے کہا ہے۔ عرب عورت کو کفایۃ، نعبۃ اور شاقۃ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس میں سکون، عجز اور کمزوری پائی جاتی ہے بعض اوقات اسے بقرہ، حجرہ اور ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ سب سواریاں ہیں۔ ابن عون نے اسی حوالے سے کہا:

أَنَا أَبُوهَن ثَلَاثُ هُنَّ رَابِعَةٌ فِي الْبَيْتِ صُغْرًا هُنَّ  
وَنَعَجَتِي خَسَا تُؤْفِيهِنَّ أَلَا فَتَى سَمِعَ يُغْذِيهِنَّ  
طَى الثَّقَا فِي الْجُوعِ يَطْرِيهِنَّ دِيلُ الرِّغِيفِ دِيلُهُ مِنْهُنَّ

عشرہ نے کہا:

يَا شَاةً مَا قَنَصَ لِيْنَ حَلَّتْ لَهُ حَرُمْتُ عَنْ وَلِيَّتِهَا لَمْ تَخْرُجِ  
فَبَعَثْتُ جَارِيَتِي فَقَلْتُ لَهَا إِذْ هِيَ فَتَجَسَّسِي أَخْبَارَهَا لِي وَأَعْلِمِ  
قَالَتْ رَأَيْتُ مِنَ الْأَعَادَى غِرَّةً وَالشَّاةُ مِنْكِئَةٌ لِيْنَ هُوَ مُرْتَمٍ  
فَكَأَنَّمَا التَّفَعُّتُ بِجِيْدٍ جِدَايَةِ رَشَاءٍ مِنَ الْغِزْلَانِ خِيَا أَرْثَمِ

ایک اور شاعر نے کہا:

فَرَمَيْتُ غَفْلَةً عَيْنِهِ عَنْ شَاتِهِ فَأَصَبْتُ حَبَّةً قَلْبِهَا وَطَحَّالَهَا (1)

میں نے اس کی آنکھ کو اپنے بیوی سے غافل پایا تو میں اس کے دل کے نقطہ اور اس کی تلی تک جا پہنچا۔

یہ بہت ہی اچھی تعریف ہے کہ عورتوں کو دنیویوں سے تعبیر کیا۔ حسین بن فضل نے کہا: یہ دونوں فرشتوں کی جانب سے تعریف اور تنبیہ ہے جس طرح ان کا قول ہے ضرب زید عمرو جبکہ وہاں مارنے کا کوئی تصور نہ تھا جبکہ وہاں دنیاوی حقیقت میں نہ تھیں گویا یوں کہا: نحن خصمان هذه حالنا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں یہ ہماری حالت ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس کے بارے میں جو بہترین گفتگو کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دو جھگڑا کرنے والے کہتے ہیں: ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے یہ سوال کے انداز میں تھا جس طرح تو کہتا ہے: ایک آدمی ہے جو عورت کو یہ کہتا ہے تو اس مرد پر کیا چیز واجب ہوئی؟

میں کہتا ہوں: امام شافعی کے ایک مقلد المزنی نے اس آیت اور ابن شہاب سے مروی حدیث جو موطا امام مالک میں ہے هُوَلِكْ يَا عَبْدُ بَنِ زَمْعَةَ کی تاویل ایک جیسی کی ہے۔ مزنی نے کہا: میرے نزدیک اس حدیث کا یہ احتمال ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سوال کا جواب دیا اور انہیں حکم سے آگاہ کیا کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب ایک آدمی صاحب فراش ہونے اور دوسرا بدکار ہونے کا دعویٰ کرے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے عتبہ کے خلاف سعد کا قول قبول کیا اور نہ

ہی زمعہ کے خلاف اس کا قول قبول کیا کہ وہ ولد زنا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک اور شخص کے بارے میں خبر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کسی ایک آدمی کا اقرار کسی دوسرے فرد کے خلاف قبول نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت داؤد اور فرشتوں کے قصہ میں اسی کی مثل ذکر کیا ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا: خوف زدہ نہ ہوں وہ جھگڑا کرنے والے ہیں، جبکہ وہ جھگڑا کرنے والے نہ تھے نہ ان میں سے ایک کی ننانوے دنیاں تھیں لیکن انہوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو کی تاکہ وہ پہچان لیں جس کی پہچان کرانے کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس قصہ میں سوال کے بارے میں حکم لگایا ہوا اگرچہ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حدیث میں اس تاویل پر میری موافقت کرتا ہو کیونکہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 9۔** نحاس نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے **إِنَّ هَذَا آخِئٌ لَّهِ تَسْمَعُ وَتَسْمَعُونَ نَعَجَةً** انٹی اس آیت میں کان اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: **وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا** (النساء) جہاں تک اس آیت میں انٹی کا تعلق ہے تو یہ تاکید کے لیے ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے: ہو رجل ذکر یہ بھی تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ کہا جائے **هَذِهِ مِائَةُ نَعَجَةٍ** اگرچہ ان میں کچھ تھوڑے سے مذکر بھی ہوں تو یہ کہنا جائز ہوگا، انٹی تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان میں کوئی بھی مذکر نہیں تفسیر میں ہے اس کی ننانوے بیویاں ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اگر وہ ساری آزاد ہوں تو یہ انکا شرعی حکم ہوگا اگر وہ لونڈیاں ہوں تو یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے ظاہر بات یہ ہے کہ ہم سے قبل شریعتوں میں یہ حکم کسی عدد میں محصور نہ تھا یہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شریعت میں ہے کیونکہ بدن کمزور ہیں اور عمر کم ہیں۔ قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے یہ معین عدد نہ ہو بلکہ مقصود ضرب الثل ہو جس طرح تو کہتا ہے: **لَوْ جِئْتَنِي مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ أَقْضِ حَاجَتَكَ** مراد ہے اگر آپ کئی دفعہ آئیں تو تب بھی میں تمہارا کام نہ کروں گا۔

ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں نہ تھیں یہ ننانوے کا ذکر بطور مثال ہے معنی ہے یہ بیوی سے غنی ہے اور میں بیوی کا محتاج ہوں یہ دو وجوہ سے فاسد ہے: (1) بغیر دلیل کے ظاہر معنی سے عدل کسی بھی حوالے سے درست نہیں اور ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ ہم سے قبل کی شریعتیں عورتوں کی تعداد کے بارے میں مخصوص حکم دیتی ہوں جس طرح ہماری شریعت میں ہے۔ (2) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات سو عورتوں پر چکر لگاؤں گا ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔

**مسئلہ نمبر 10۔** **وَلِي نَعَجَةٍ وَاحِدَةً** یعنی میری ایک بیوی ہے اب اس نے کہا ہے میرے لیے اس سے الگ ہو جا یہاں تک کہ میں اس کی کفالت کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو یہ مجھے دے دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: تو میرے لیے اس سے الگ تھلگ ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے میرے حوالے





ان روایات میں سے صحیح ترین وہ ہے جسے مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کلام نہیں کی **أَكْفَلْنِيهَا** یعنی میرے لیے اس سے الگ ہو جا۔ منہال نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کچھ نہیں کہا **أَكْفَلْنِيهَا** یعنی اسے میرے حوالے کر دے اور اسے میرے ساتھ ملا دے (1)۔ ابو جعفر نے کہا: اس بارے میں روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے یہ عظیم روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یا سے سوال کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ وہ اپنی لونڈی بیچ۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ کیا اور اس لیے عتاب فرمایا کیونکہ ان کی ننانوے بیویاں تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ مطالبہ اس لیے ناپسند کیا کہ وہ عورتوں میں اضافہ کے ساتھ دنیا میں مشغول ہو جائیں جہاں تک اس کے علاوہ واقعات کا تعلق ہے اس میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جب وہ عورت آپ کو اچھی لگی تو آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں حکم دیا کہ جہاد میں اسے آگے رکھا جائے سب باطل ہے (2) کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام محض اپنی ذاتی غرض سے کسی کا خون بہانے والے نہ تھے صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے کسی ساتھی سے کہا میرے لیے اپنے گھر والے سے لا تعلق ہو جاؤ۔ اور اس بارے میں پختہ عزم کیا جس طرح ایک آدمی دوسرے سے سچی رغبت کے ساتھ کسی ضرورت کا مطالبہ کرتا ہے خواہ وہ ضرورت اہل میں ہو یا مال میں ہو۔

حضرت سعید بن ربیع نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا تھا میری دو بیویاں ہیں میں تیرے لیے ان میں سے سب سے زیادہ خوبصورت سے الگ ہوتا ہوں تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تیرے اہل میں تیرے لیے برکت ڈالے جو فعل ابتداء جائز ہو اسکی طلب بھی جائز ہوتی ہے قرآن حکیم میں ہے کہ ایسی کوئی تصریح نہیں نہ اس کی وضاحت ہے کہ اس مرد کی عصمت کے بعد آپ نے شادی کی ہونہ یہ تصریح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس عورت سے ولادت ہوئی تھی یہ کس سے روایت کی جاتی ہے اور کس کی سند چلتی ہے کس کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے کوئی آدمی بھی ثقہ لوگوں سے اسے بیان نہیں کرتا۔

سورت احزاب میں ایک نکتہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک عورت حضرت داؤد علیہ السلام کی بیوی بنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَدٍّ مِنْهُمَا فَدَسَّ اللَّهُ لَهُ سُلَّةً فِي الْأُذُنِ خَلَّوْا مِنْ قَبْلُ** (الاحزاب: 38) یعنی ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جس کو آپ نے دیکھا تھا جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی مگر حضرت زینب سے شادی اس کے بغیر ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے زینب کے خاوند سے جدائی کا مطالبہ کیا ہونہ نبی کریم ﷺ کو حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضیلت ان فضائل عالیہ کی طرف

منسوب ہے جو نبی کریم ﷺ کو حاصل ہیں۔

لیکن یہ بات کی جاسکتی ہے سُنَّةُ اللہِ فِي الذِّنِّ خَلَوًا مِنْ قَبْلُ (احزاب: 388) کا معنی یہ ہو کہ انبیاء نے ان عورتوں سے مہر کے بغیر شادیاں کی ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو انبیاء کے حضور پیش کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: سُنَّةُ اللہِ فِي الذِّنِّ خَلَوًا مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وہ طبقہ ہے جو نکاح اور دوسرے معاملات اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی بجا آوری میں کرتے ہیں؛ یہ قول صحیح ترین ہے۔

مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سو عورتوں سے شادی کی یہ قرآن کی نص ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

طبری نے احکام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ هَلْ أَتَاكَ نَبِيُّ الْخَصَمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۖ میں بیان کیا ہے، محققین جو انبیاء کے بارے میں گناہ گیرہ سے پاک ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت کو دعوت نکاح دی جس کو ایک اور آدمی نے دعوت نکاح دی تھی جو ”اوریا“ تھا اس عورت کے رشتہ داروں نے حضرت داؤد علیہ السلام میں رغبت اور پہلے مرد سے اعراض کی وجہ سے اس عورت کی شادی آپ سے کر دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ اس سے آگاہی حاصل کرتے تو اس رغبت سے اعراض کرتے اور اس رغبت سے اعراض کرتے، اس دعوت نکاح سے اعراض کرتے مگر آپ نے ایسا نہ کیا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ عورت آپ کو اچھی لگی تھی یا تو کسی نے اس کے اوصاف بیان کیے تھے یا بغیر ارادہ کے مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کثیر بیویاں تھیں دوسرے دعوت نکاح دینے والے کی کوئی بیوی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے دیوار پھلانگ کر اندر آنے سے اس امر پر آپ کو آگاہ کیا اور انہوں نے جو مثال بیان کی بطور تعریض حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر آگاہ کیا تا کہ اس کے واسطے سے وہ عتاب کے موقع کو پہچان لیں اور اس طریقہ سے ہٹ جائیں اور اس چھوٹے گناہ سے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔

**مسئلہ نمبر 12۔** قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْتِكَ إِي نَعَا جِهَ اس جھگڑے میں ایک فریق کی گفتگو سننے اور دوسرے کی گفتگو سننے سے قبل فتویٰ دے دیا اس قول کا ظاہر مفہوم یہی ہے (1)۔

ابن عربی نے کہا: یہ طریقہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، کسی ملت میں جائز نہیں اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں تقدیر کلام یہ ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا اور دوسرے نے دعویٰ کو تسلیم کر لیا تو اس کے بعد فتویٰ واقع ہوا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِذَا جَلَسَ الْبَيْتُ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضُ لِأَحَدِهِمَا حَتَّى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ۔ (2) جب تیرے پاس دو جھگڑے والے آئیں تو آپ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں یہاں تک کہ آپ دوسرے کی بات سنیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1637

2۔ سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 3111، ضیاء القرآن پبلی کیشنز  
جامع ترمذی، باب ما جاء فی القاض لا یقض بین الخصمین، حدیث نمبر 1252، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے کے حق میں فیصلہ نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے فریق نے اعتراف نہیں کر لیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقد ظلمک ان کان کذا لک اگر معاملہ اس طرح ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا۔

میں نے کہا: ان دونوں وجہات کا ذکر قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ قشیری نے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجَتِكَ خِصَمٌ کا کلام نے بغیر فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے: آپ نے یہ بات دوسرے فریق کی گفتگو سننے اور اس کے اعتراف کے بعد فیصلہ کیا ہو یہ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی روایت ثابت نہیں یہ قرآن حال سے مفہوم ہے۔ یا یہ ارادہ کیا ہو اگر بات اس طرح ہو جس طرح تو کہتا ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا آپ نے یہ قول کر کے اس کو خاموش کرایا ہو اور اسے صبر کی تلقین کی تاکہ دوسرے فریق سے بات پوچھ لیں۔ کہا: یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے ان کا قانون یہ ہو جب مدعی علیہ خاموش ہو جائے تو مدعی کے قول پر اعتماد کیا جائے جب قول کا انکار ظاہر نہ ہو۔

حلیمی ابو عبد اللہ نے کتاب منهاج الدین میں کہا: وہ نعمت جس کا انتظار ہو جب وہ حاضر ہو یا پوشیدہ ہو تو ظاہر ہو جائے تو اس کے شکر میں حکم آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنا ہے۔ کہا: اس میں اصل وَ هَلْ أَتَاكَ نَبُوءُ الْخَصِمِ۔۔۔ وَ حُسْنُ مَا پ ۵ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے مظلوم بننے والے فرد کی گفتگو سنی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کسی دوسرے سے سوال کیا یہ بیان کیا کہ اس نے ظلم کیا ہے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آپ نے گفتگو کرنے والے میں کمزوری کی علامات دیکھیں تو آپ نے اس کے معاملہ کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ مظلوم ہے جس طرح وہ کہتا ہے اس چیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس طرف دعوت دی کہ آپ خصم سے نہ پوچھیں تو آپ نے جلدی کرتے ہوئے اسے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ جبکہ یہ امکان تھا کہ اگر آپ اس سے پوچھتے تو وہ کہتا: میری سودنیاں تھیں اور اس کی کوئی چیز نہ تھی اس نے میری ایک دہی چوری کی تھی۔ جب میں نے وہ دہی اس کے پاس پائی تو میں نے اسے کہا: اسے میری طرف لوٹا دو میں نے اسے أَكْفَلْنِيهَا نہیں کہا اسے علم تھا کہ میں یہ مسئلہ آپ کی بارگاہ میں پیش کروں گا تو قبل اس کے کہ میں اسے آپ کے پاس لاتا یہ مجھے آپ کے پاس کھینچ کر لے آیا ہے اور میرے حاضر کرنے سے پہلے یہ مظلوم بن کر آ گیا ہے تاکہ آپ یہ گمان کریں کہ یہ حق پر ہے اور میں ظالم ہوں جب حضرت داؤد علیہ السلام نے گفتگو کی جس گفتگو پر جلد بازی نے آپ کو مجبور کیا تھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحہ اسے اور اس کے نفس کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہ وہی آزمائش تھی جس کا ہم نے ذکر کیا اور یہ امر ان کی ایک لغزش سے ہوا تھا تو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے کہ اس نے انہیں محفوظ رکھا کہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں ظالم ہونے کے قول پر اکتفا کیا اس سے بڑھ کر انہیں جھڑکنا، مارنا وغیرہ کا عمل نہیں کیا جو اس کے مناسب تھا جو دل میں سوچتا ہے کہ واقعی وہ ظالم ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی معاف کر دی پھر عتاب کے انداز میں اس کی طرف توجہ کی فرمایا: لِيَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ۔

اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت آموز قصہ بیان کیا جسے مغفرت کے بعد انہوں نے پہچانا تھا کہ خطا حکم میں تقصیر اور اس آدمی کو ظالم قرار دینے میں جلدی کرنے میں تھی جس کا ظلم ان کے نزدیک ثابت نہ تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع میں سجدہ کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ شکر انبیاء علیہم السلام کی سنت متواترہ ہے۔

سُؤَالِ تَعَجُّبِک میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے سوال سے ہاء ضمیر کو گرا دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَا يَسْتَمِ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْغَيْبِ (حم السجدہ: 49) اس میں یہ دعائہ الخیر تھا۔

**مسئلہ نمبر 13۔** وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ، خلیط کی جمع خلطاء ہے مگر طویل کی جمع طولاء نہیں کہتے کیونکہ واو پر حرکت ثقیل ہے اس میں دو تو جہیں ہو سکتی ہیں: (1) وہ دونوں ساتھی تھے (2) وہ دونوں شریک تھے (1)۔

میں کہتا ہوں: خلطاء کا اطلاق شرکاء پر بہت ہی بعید ہے، علماء نے خلطاء کی صفت میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر علماء نے ذکر کیا ہے یہ ایک آدمی اپنا ریوڑ لائے، ان سب کو ایک چرواہا، ایک ڈول اور چراگاہ جمع کرے۔ طاؤس اور عطا نے کہا: خلطاء، شرکاء ہی ہوتے ہیں، یہ حدیث کے خلاف ہے وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا يُفْتَرَقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشِيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطِينَ فَانْهَمَا يَتَرَا جَعَانَ بَيْنَهُمَا بِالْأُسْوَةِ (2) صدقہ کے ڈر سے جو الگ الگ کی ملکیت ہیں ان کو جمع نہیں کیا جائے گا اور جو ایک کی ملکیت ہیں ان کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا جو دو خلیطوں کی ہیں ان پر برابر حکم ہوگا۔ روایت بیان کی گئی: فانْهَمَا يَتَرَادَانِ الْفَضْلَ۔ جبکہ شریکوں میں زائد چیز کو لوٹانے کا کوئی محل نہیں اسے خوب ذہن نشین کر لیجئے۔ خُلطہ کے احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ امام مالک، آپ کے اصحاب اور علماء کی ایک جمعیت کا نقطہ نظر ہے اس آدمی پر زکوٰۃ نہیں جس کے حصہ میں اتنا مال نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ربیع ہلیٹ اور علماء کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی ہیں: جب تمام مال اتنا ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو ان سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ امام مالک کا کہنا ہے: اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا ان سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے تو وہ آپس میں اسے باہم حصہ کے مطابق تقسیم کریں گے کیونکہ اس میں اختلاف ہے یہ بھی حاکم کے اس حکم کی طرح ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہو۔

**مسئلہ نمبر 14۔** لَيْسَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ كَرِيمٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ يَصِلُونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ  
کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے وَقَلِيلٌ مِّنْهُمْ يَعْنِي وہ صالحین تھوڑے ہیں یہاں ما زائدہ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما،  
الذین کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قلیل الذین ہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دعا میں یہ کہتے ہوئے سنا: اللّٰهُمَّ  
اجْعَلْنِي مِنْ عِبَادِكَ الْقَلِيلِ اے اللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنادے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: یہ دعا کیسی  
ہے تو اس آدمی نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88

2- معجم بخاری، کتاب الزکوٰۃ، لایحجم بین مفتقر ولا یفرق بین مجتمع، جلد 1، صفحہ 195



ہُمْ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ تجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 15۔** وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ یعنی ہم نے اسے آزمایا (1) وَظَنَّ کا یہاں معنی ہے اسے یقین ہو گیا۔ ابو عمرو اور فراء نے کہا: ظن، یقین کے معنی میں ہے مگر فراء نے یہ وضاحت کی ہے جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو اس میں ظن، یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ قراءت نون کی تشدید کے ساتھ ہے تاء مشدّد نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فَتَنَّاہ پڑھا ہے یہ مبالغہ کے لیے ہوگا۔ قتادہ، عبید، ابن عمیر اور ابن سمیع نے فتناہ پڑھا ہے۔ علی بن نصر نے ابو عمرو سے اسی طرح روایت کی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

**مسئلہ نمبر 16۔** جب حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد میں دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور ہنس دیا، حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ نہ سکے دونوں نے پسند کیا کہ ان دونوں کو پہچان کر ان کے سامنے آسمان میں بلند ہو گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا ہے اور اس آزمائش پر حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مسجد میں فیصلہ پر دلالت کرتی ہو مگر یہ آیت دلالت کرتی ہے جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مسجد میں فیصلہ کرنا درست ہے وہ اسی آیت سے استدلال کرتا ہے امام شافعی جس طرح کہتے ہیں اس طرح اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضرت داؤد علیہ السلام انہیں وہاں نہ ٹھہراتے بلکہ ارشاد فرماتے: فیصلہ کی جگہ چلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء مساجد میں فیصلہ کرتے۔ امام مالک نے فرمایا: مسجد میں فیصلہ قدیمی معاملہ ہے (2) یعنی بہت سے امور میں ایسا کرنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد کے صحن میں قاضی بیٹھے تاکہ کمزور، مشرک اور حائضہ عورت وہاں تک پہنچ سکے اس میں حدود قائم نہ کرے تھوڑی بہت تنبیہ میں کوئی حرج نہیں۔ اشہب نے کہا: وہ اپنے گھر میں اور جہاں چاہے فیصلہ کرے۔

**مسئلہ نمبر 17۔** امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خلفاء خود فیصلے کیا کرتے تھے۔ امراء میں سے سب سے پہلے جس نے فیصلہ کرنا چاہا وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ امام مالک نے کہا: قاضیوں کو چاہیے کہ علماء سے مشورہ لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: وہ فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ گزشتہ قاضیوں کے آثار سے آگاہ نہ ہو، اصحاب رائے سے مشورہ لے، حلیم، پاکدامن ہو کہنا: وہ متقی ہو۔ امام مالک نے کہا: مناسب یہ ہے کہ وہ بیدار مغز ہو، حیلوں بہانوں سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، وہ شروط سے واقف ہو، جتنی عربی کے بغیر چارہ نہ ہو اتنا اسے جانتا ہو کیونکہ عبارات، دعووں، اقرار، شہادت جو محکوم علیہ کے حقوق کو متضمن ہو ان کے مختلف ہونے سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وہ مطلوب کو حکم نافذ کرنے سے پہلے کہے: کیا تیری کوئی دلیل باقی ہے۔

اگر وہ کہے کہ کوئی دلیل باقی نہیں تو وہ اس پر حکم لگا دے وہ حکم کے نفاذ کے بعد کوئی دلیل قبول نہیں کرے گا، مگر اس صورت میں کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا دلیل ہو۔ قضا اور قاضیوں کے احکام جو ان کے حق میں ہیں یا خلاف ہیں کسی اور جگہ مذکور ہیں۔

**مسئلہ نمبر 18۔** فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ مفسرین نے اس خطا کی تفسیر میں اختلاف کیا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام نے مغفرت طلب کی تھی انہوں نے کہا: اس کی چھ صورتیں ہیں:

1۔ آپ نے اس عورت کو دیکھا یہاں تک کہ سیر ہوئے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان کی آزمائش دیکھنا ہی تھی۔ ابواسحاق نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے عورت کو ارادۂ نہیں دیکھا تھا لیکن نظر دوبارہ اس کی طرف لوٹ گئی۔ پہلی نظر ان کے حق میں رہی اور دوسری نظر ان کے خلاف ہوئی۔

2۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تابوت کے حملہ میں اس عورت کے خاوند کو جنگ میں بھیجا (2)۔

3۔ انہوں نے یہ نیت کی تھی اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے (3)۔

4۔ اور یا نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تھی جب وہ کہیں چلا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دعوت نکاح دی تو اس عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جلالت شان کی وجہ سے آپ سے شادی کر لی، اور یا اس وجہ سے غمگین ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر عتاب کیا کہ آپ نے اس کے منگیتر کے لیے اسے کیوں نہ چھوڑا جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں پہلے سے ننانوے بیویاں تھیں۔

5۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یا کے قتل پر ایسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا جس طرح آپ اس وقت پریشانی کا اظہار کرتے تھے جبکہ کوئی لشکر میں سے آدمی قتل ہوتا، پھر اس کی بیوی سے شادی کر لی اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے انہیں عتاب کیا، کیونکہ انبیاء کے گناہ اگرچہ چھوٹے ہوں تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتے ہیں۔

6۔ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ہی فیصلہ کر دیا تھا۔

قاضی ابن عربی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ آپ نے دوسرے فریق کی گفتگو سننے سے قبل ایک فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا تو یہ بات انبیاء کے بارے میں کہنا جائز نہیں اسی طرح اس کے خاوند کو قتل کے لیے پیش کرنا بھی صحیح نہیں (4)۔

جہاں تک اس آدمی کے قول کا تعلق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھا اور جی بھر کر دیکھا تو میرے نزدیک یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ نظر کا سرکش ہونا ان اولیاء کے حق میں مناسب نہیں جو عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں تو ان انبیاء کے حق میں کیسے جائز ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور غیب کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

سدی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: اگر میں نے کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا کیونکہ عام انسانوں پر تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے اور انبیاء پر تہمت لگانے والوں کے لیے ایک سو ساٹھ کوڑے ہوں گے! اسے ماوردی اور ثعلبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

ثعلبی نے کہا: حرث اعمور نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اس انداز میں بیان کیا جس طرح قصہ گواہی بیان کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا، کیونکہ اس نے اس ہستی جس کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے، اپنی مخلوق میں سے جس پر راضی ہوا ہے تو اسے دونوں جہانوں کے لیے رحمت اور مجتہدین کے لیے حجت بنایا ہے، اس ہستی پر اس نے تہمت لائی ہے تو اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ روایت ان میں سے نہیں جو حضرت علی شیر خدا سے صحیح منسوب ہے (1) اگر یہ سوال کیا جائے: تمہارے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟

ہم کہتے ہیں: جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو یہ کہے: نبی نے بدکاری کی ہے، تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے اس سے کم درجہ کا جرم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے دیکھنا اور ہاتھ سے چھونا ہے تو لوگوں سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں: اگر ایک آدمی آپ کے بارے میں قطعی رائے کا اظہار کرے اور اس امر کو ان کی طرف منسوب کرے تو میں اسے قتل کر دوں گا، کیونکہ یہ اس تعزیر کے خلاف ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی نظر ایسی عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور ننگی تھی۔ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے بال بکھیر لیے اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیا۔ اجماع امت کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پہلی نظر نے ان کے لیے دیکھی جانے والی چیز کو ظاہر کیا اسے دیکھنے والا گناہ گار نہ ہوگا۔ جہاں تک دوسری نظر کا تعلق ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ آپ نے اسے موت کے لیے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے اور یا کی دعوت نکاح کے بعد دعوت نکاح دی تو یہ باطل ہے۔ قرآن اور تمام تفسیری آثار اس کو رد کرتے ہیں۔

اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ جو بکوتری آئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب گری وہ سونے کی تھی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو بھلی لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اٹھے تاکہ اسے پکڑ لیں وہ ہاتھ بھر ہی دور تھی پھر آپ نے یہ عمل دو دفعہ کیا پھر وہ اڑ گئی آپ کی نظر اس کے پیچھے گئی تو آپ کی نظر اس عورت پر جا پڑی جبکہ وہ عورت غسل کر رہی تھی اور اس کے لمبے بال تھے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ چالیس دن تک سجدہ ریز رہے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک پرندہ آپ کے پاس داخل ہوا آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا آپ نے اس کا پیچھا کیا تو یہ عبادت کے منافی نہیں کیونکہ اس کا کرنا مباح ہے خصوصاً وہ چیز حلال ہو اور حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ آپ نے اس کا پیچھا اس پرندے کی ذات کی وجہ سے کیا تھا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں کیا تھا کیونکہ خوبصورتی میں

آپ کے لیے کوئی نفع نہ تھا۔ مفسرین کا پرندے کے حسن کا ذکر کرنا یہ جہالت میں اختراع ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ پرندہ سونے کا تھا آپ نے اس کا پیچھا کیا تاکہ اسے پکڑ لیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس طرح صحیح میں مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ننگے غسل کر رہے تھے تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں (۱) آپ ان سے چلو بھرنے لگے اور اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اے ایوب! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں میرے رب! لیکن تیری برکت سے بے نیاز نہیں۔“

قتیری نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑیں تاکہ اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں تو وہ پرندہ اڑ گیا اور کمرے کے روشن دان میں جا گرا؛ یہ ثعلبی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 19۔** وَخَزَّهَا كَمَاؤَ أَنْابٍ وہ سجدہ میں گر گئے سجدہ کو رکوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔  
شاعر نے کہا:

فَخَرْنَا عَلَىٰ وَجْهِهِ رَاكِعًا وَتَابَ إِلَى اللَّهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ (2)

وہ منہ کے بل سجدہ میں گر گیا اور اس نے ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔

ابن عربی نے کہا: علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں رکوع سے مراد سجدہ ہے (3) کیونکہ تہود سے مراد مائل ہونا اور رکوع سے مراد دہرا ہونا ہے، ان میں سے ایک دوسرے میں داخل ہے لیکن بعض اوقات ان میں سے ہر ایک اپنی نیت کے ساتھ خاص ہوتا ہے، پھر یہ ایک دوسرے کے نام کے ساتھ واقع ہوا ہے اور سجود کو رکوع کا نام دیا ہے۔

مہدوی نے کہا: ان کا رکوع میں سجدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا سجود رکوع تھا۔ مقاتل نے کہا: وہ اپنے رکوع سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے، یعنی جب آپ نے معاملہ کو محسوس کیا تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے پھر رکوع سے سجدہ میں گرے کیونکہ دونوں دوہرا ہونے پر مشتمل ہیں۔

وَأَنَابَ یعنی اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے۔ حسین بن فضل نے کہا کہ مجھ سے عبد اللہ بن طاہر (جو والی تھا) نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَخَذْهَا كَعَا کے بارے میں پوچھا: کیا رکوع کرنے والے کو خرا سے تعبیر کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ پوچھا: اس آیت کا معنی کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کا معنی ہے پہلے رکوع میں تھے پھر سجدہ کیا۔

**مسئلہ نمبر 20۔** حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ میں اختلاف کیا گیا ہے، کیا یہ ان فرائض سے ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے یا نہیں؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر **ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ** کی تلاوت کی جب سجدہ تک پہنچے تو نیچے اترے سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے

1- صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ایوب افنادی رہہ أن مسنی الضم، جلد 1، صفحہ 480

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89  
3- احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 40-1639

3- احكام القرآن لابن العربي، جلد 4، صفحہ 40-1639



اس کی قراءت کی تو پھر سجدہ کے لیے تیار ہوئے (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ ایک نبی کی توبہ تھی لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نے سجدہ کا ارادہ کیا ہے“ آپ اترے اور سجدہ کیا؛ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں (2)۔

بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: سورہ ص کا سجدہ قرآن کے فرائض میں سے نہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: ”ص“ کا سجدہ ایک نبی کی توبہ تھی اور آپ اس میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ ایک نبی اور تمہارے نبی کی توبہ ہے؛ جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ سجدہ کی جگہ نہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا تو ہم نے آپ کی اقتدا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ سجود کا معنی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنی خطا سے توبہ کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ جب کوئی اس میں سجدہ کرے تو اسی نیت سے اس میں سجدہ کرے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اتباع کے واسطے سے اس کے گناہ بخش دے۔ یہ مسئلہ برابر ہے کہ ہم کہیں کہ ہم سے قبل کی شریعت ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو ہر امت میں ہر ایک کے لیے مشروع ہے۔

**مسئلہ نمبر 21۔** ابن خویز مند اد نے کہا: وَخَرَّهَا كَعَاوَاثَ ابْنِ مَرْثَدٍ میں یہ دلیل موجود ہے کہ اکیلا سجدہ شکر جائز نہیں کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا ذکر موجود ہے جو جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز پڑھے۔ جہاں تک اکیلے سجدہ کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بشارتیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ کو بھی آتی رہی تھیں۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ نبیوں نے سجدہ شکر کیا ہو۔ اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر طور پر عمل ہوتا کیونکہ عام لوگوں کو اس کی حاجت تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ قربت تھی۔

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جس روز آپ کو ابو جہل کے مرنے کی بشارت دی گئی (3)۔ ابوبکرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تک اگر کوئی ایسا امر پہنچتا جو آپ کو خوش کرتا تو شکر بجالاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے (4)؛ یہ امام شافعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 22۔** امام ترمذی اور دوسرے علماء نے روایت کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حاجت کی نماز پڑھتا اور ایک درخت کی اوٹ لیتا وہ پڑھا کرتا ص وَالْقُرْآنِ ذِي الْاَلْوَانِ ۝ جب سجدہ تک پہنچتا تو سجدہ کرتا اور اس کے ساتھ درخت بھی سجدہ کرتا۔ اس صحابی نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے ساتھ میرے اجر کو بڑا کر دے اور اس کے بدلے میں شکر کی توفیق نصیب فرما (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1640 2۔ سنن ابی داؤد، باب السجود، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 200، ایضاً، حدیث 1201

3۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی الصلاۃ والسجدة عند الشکر، حدیث 1380، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1383۔ ایضاً ابوداؤد، باب لی سجود الشکر، 2393، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ سنن الترمذی، باب ما یقول فی سجود القرآن، حدیث نمبر 528، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں نے کہا: ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا عرض کی: میں نے آج رات وہ دیکھا ہے جو سونے والا دیکھتا ہے گویا میں ایک درخت کے تنے کے پاس نماز پڑھتا ہوں میں نے آیت سجدہ پڑھی تو میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کی وجہ سے درخت بھی سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس کے وسیلہ سے مجھ سے گناہ کو دور کر دے، اس کے بدلہ میں میرے لیے اجر لکھ دے، اپنے ہاں میرے لیے ذخیرہ بنادے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے آیت سجدہ کو پڑھا اور سجدہ کیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ میں اس قسم کے کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس آدمی نے درخت کے کلمات بتائے تھے ☆؛ ثعلبی نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں درخت کے نیچے ہوں اور درخت سورہ ص کی تلاوت کر رہا ہے جب وہ آیت سجدہ تک پہنچا تو اس میں درخت نے سجدہ کیا تو میں نے اسے سجدہ میں کہتے ہوئے سنا: میرے لیے اس کے بدلے میں اجر لکھ دے، اس کی وجہ سے مجھ سے گناہ کو اتار دے، اس کے بدلہ میں مجھے شکر کی توفیق نصیب فرما، اسے مجھ سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد کے سجدہ کو قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: ”اے ابوسعید! تو نے سجدہ کیا؟“ میں نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ”تو درخت کی نسبت سجدہ کرنے کا زیادہ مستحق تھا“۔ پھر نبی کریم ﷺ نے سورہ ص کی تلاوت کی یہاں تک کہ سجدہ تک پہنچے اور سجدہ کیا پھر اس کی مثل کہا جس طرح درخت نے کہا تھا۔

**مسئلہ نمبر 23۔** فَعَفَّرْنَا لَهُ ذَلِكْ یعنی ہم نے اس کا گناہ بخش دیا (2)۔ ابن انباری نے کہا: فَعَفَّرْنَا لَهُ ذَلِكْ پر وقف تام ہے پھر تو وَإِنَّ لَهُ سے کلام شروع کرے گا۔ قشیری نے کہا: فَعَفَّرْنَا لَهُ پر عطف کرنا جائز ہے پھر ذَلِكْ وَإِنَّ لَهُ سے تول کر شروع کرے گا جس طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَذَا وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ یعنی امر یہ ہے۔

عطا خراسانی اور دوسری علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدہ ریز رہے (3) یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کے ارد گرد کھیتی اگ گئی اور آپ کے سر کو ڈھانپ لیا اور یہ ندا کی گئی کہ کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھلایا جائے۔ کیا تو ننگا ہے کہ تجھے پہنایا جائے تو آپ نے ایک آہ بھری تو گھاس آپ کے پیٹ کی گرمی سے خشک ہو گئی تو آپ کو بخش دیا گیا اور اس پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ میرے اور تیرے درمیان گناہ تھا جسے تو نے بخش دیا ہے تو فلاں فلاں کا کیا بنے گا؟ آپ نے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ذکر کیا جس کی اولادوں کو میں نے یتیم چھوڑا اور ان کی بیویوں کو بیوہ چھوڑا؟ فرمایا: اے داؤد! قیامت کے روز کوئی ظلم مجھ سے تجاوز نہیں کرے گا جس پر میں نے تجھے اختیار دیا پھر میں تجھے

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، ذکر ما یدعو المرء بہ فی سجود التلاوة فی صلوٰۃ، جلد 6، صفحہ 473

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

2۔ تفسیر طبری، ج 23، صفحہ 178

☆ سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن، حدیث نمبر 1042، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس کے بدلے میں جنت کا ثواب دوں گا عرض کی: اے میرے رب! اس طرح تو مغفرت آسان ہو جائے گی پھر کہا جائے گا: اے داؤد! اپنے سر کو اٹھاؤ وہ اپنا سر اٹھانے کی کوشش کریں گے تو وہ زمین سے چمٹ چکا ہوگا جبریل امین تشریف لائیں گے اور زمین سے الگ کریں گے جس طرح درخت سے اس کی گوند کو الگ کیا جاتا ہے؛ اے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں۔

ولید نے کہا مجھے منیر بن زبیر نے خبر دی ہے کہ آپ کی سجدہ گاہیں زمین کے ساتھ چمٹ چکی تھیں جتنے عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا ولید نے کہا ابن لہیعہ نے کہا آپ اپنے سجدہ میں کہا کرتے تھے: تو پاک ہے یہ میرے آنسو میرے مشروب ہیں۔ یہ میرا کھانا ہے جو میرے ہاتھوں میں راکھ کی صورت میں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ چالیس روز تک سجدہ ریز رہے وہ فرض نماز کے سوا اپنا سر نہیں اٹھاتے تھے آپ روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے (1) یہاں تک کہ آنسوؤں کی وجہ سے سر پر گھاس اگ آئی اور زمین نے آپ کی پیشانی کا حصہ کھالیا تھا جبکہ آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے: اے میرے رب! داؤد نے لغزش کی جس کے باعث وہ اللہ کی رحمت سے اتنا دور ہو گیا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کی درمیان ہے اے میرے رب اگر تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کمزوری پر رحم نہ فرمائے اور اس کا گناہ نہ بخشے تو اس کے گناہ کو اس کے بعد مخلوقات میں زبان زد خاص و عام کر دے۔ حضرت جبریل امین نے چالیس سال کے بعد انہیں کہا: اے داؤد اللہ تعالیٰ نے تیرے ارادہ کو معاف کر دیا جو تو نے کیا تھا۔

وہب نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو ندا کی گئی کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر بھی اپنا سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ جبریل امین آئے کہا: تو نے اپنا سر کیوں نہ اٹھایا جبکہ تیرے رب نے تجھے بخش دیا تھا؟ عرض کی: اے میرے رب! کیسے جبکہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا داؤد کی طرف جاؤ اور اسے کہو اور یا کی قبر کی طرف جاؤ اور اس سے فراغت پاؤ میں اس کی ندا کو سنوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور اور یا کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آواز لگائی اور یا! اس نے جواب دیا: لبیک۔ کس نے میری لذت کو مجھ پر قطع کیا ہے اور مجھے بیدار کیا ہے؟ کہا: میں تیرا بھائی داؤد ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے کیونکہ میں نے تجھے قتل پر پیش کیا تھا اور یا نے کہا: تو نے تو مجھے جنت پر پیش کیا تھا تو مجھ سے بری ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام خطا کے بعد خطا کاروں کے پاس بیٹھتے تھے اور کہتے تھے: داؤد خطا کار کے پاس آؤ، کوئی مشروب نہ پیتے (2) مگر اپنے آنسوؤں کو اس میں ملا تے آپ جو کی خشک روٹی ایک پیالہ میں رکھتے لگا تار روتے رہتے یہاں تک کہ وہ روٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی آپ اس پر راکھ اور نمک بکھیر دیتے اور اسے کھاتے تھے اور یہ کہتے: یہ خطا کاروں کا کھانا ہے۔ آپ خطا سے پہلے نصف رات قیام کیا کرتے تھے اور نصف زمانہ روزہ رکھا کرتے پھر آپ نے ہمیشہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اور ساری رات قیام کیا کرتے

عرض کی: اے میرے رب! میری غلطی کو میرے ہاتھ میں رکھ دے تو ان کی خطا ان کی ہتھیلی پر نقش ہوگئی آپ ہتھیلی کو کھانے پینے اور کسی اور چیز کے لیے نہ پھیلاتے مگر اسے دیکھتے تو وہ خطا آپ کو رلا دیتی اگر ان کے پاس پیالہ لایا جاتا جس کا دو ٹلٹ پانی ہوتا جب آپ اسے لیتے تو اپنی خطا دیکھتے تو ابھی اپنے ہونٹوں سے الگ نہ کرتے مگر وہ آپ کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔

ولید بن مسلم نے روایت بیان کی ہے کہ مجھے ابو عمرو و اوزاعی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دو آنکھوں کی مثال دو مشکیزوں جیسی ہے جن سے پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ آنسوؤں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے چہرے میں یوں گڑھے بنادئیے تھے جس طرح پانی زمین میں گڑھے بنادیتا ہے۔

ولید نے کہا ہمیں عثمان بن ابی عاتکہ نے بیان کیا: حضرت داؤد علیہ السلام جبکہ آپ خطا سے خالی تھے ان کے قول میں خطا کاروں کے بارے میں شدت تھی وہ کہا کرتے: اللھم لا تغفر للخطائیں اے اللہ! خطا کاروں کو نہ بخش، پھر آپ یہ کہنے لگے: اے اللہ! خطا کاروں کو بخش دے تاکہ تو ان کے ساتھ داؤد کو بخش دے (1)، اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے رب! میں تیرے بندوں میں سے اطباء میں سے سوال کرنے کے لیے نکلا کہ وہ میری کی دوا کریں سب نے میری تیری طرف راہنمائی کی اے میرے رب! میں نے ایسی خطا کی ہے مجھے ڈر ہے کہ تو اسی کا پھل قیامت کے روز اپنے عذاب کو بنائے گا اور تو اسے نہ بخشے اے نور کو پیدا کرنے والے! تو پاک ہے اے میرے رب! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح لوٹ آتی ہے۔

حدیث طیبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب منبر پر چڑھتے تو دایاں ہاتھ اٹھاتے اور لوگوں کے سامنے اسے کرتے تاکہ اپنی خطا کا نقش انہیں دکھائیں آپ یوں ندا کیا کرتے: اے میرے رب! جب میں اپنی خطا کو یاد کرتا ہوں تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ جاتی ہے اور جب میں تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح میری طرف لوٹ آتی ہے اے میرے رب! خطا کاروں کو بخش دے (2) تاکہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے ساتھ بخش دے۔ آپ چھال کے سات بستروں پر بیٹھا کرتے تھے جن میں راکھ بھری ہوتی آپ اپنے آنسو اپنے پاؤں کے نیچے گراتے یہاں تک کہ وہ سات بستروں سے نیچے چلے جاتے جب حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کا دن ہوتا تو ان کا منادی کرنے والا راستوں، بازاروں، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے مونہوں پر اعلان کرتا خبردار! یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نوحہ کا دن ہے جو اپنے گناہ پر رونا چاہتا ہے تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کی مدد کرے غاروں اور وادیوں سے سیاح نیچے اترتے آپ کے منبر کے ارد گرد آوازیں بلند ہوتیں، وحشی جانور، درندے اور پرندے سر جھکائے ہوتے اور بنی اسرائیل آپ کے منبر کے ارد گرد ہوتے جب آپ رونا شروع کرتے اور اندرونی آگ آنسوؤں کے منابع کو جوش دیتی تو ساری جماعت رونے اور چیخنے میں یک آواز ہوتی یہاں تک کہ اس روز انسانوں کی ایک بڑی جماعت مرجاتی اچانک بختہ کے دن حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہو گئے ملک الموت آیا جبکہ وہ اپنی عبادت گاہ میں اوپر چڑھ رہے تھے یا نیچے اتر رہے





جنہوں نے خطا کے بارے میں جلدی کی تھی کہ وہ اپنی خطا کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں تو اس وجہ سے ان پر وہ مصیبت آئی جو مصیبت آئی جب حضرت داؤد علیہ السلام اسے دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور پیالہ ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا جب آپ اس خطا کو دیکھتے تو روتے یہاں تک کہ وہ آنسو چھال سے بنے ان سات بستروں سے پار ہو جاتے جن میں راکھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا مطالبہ مغفرت اور خصمہ سے جو چٹی لازم آتی تھی اس کی ضمانت کے بعد یہ سوال کیا تھا جبکہ وہ اللہ کے حبیب، اس کے ولی اور صفی بھی تھے اس مرتبہ کے باوجود خطا کے نقش کو دیکھنا ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتا تھا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوتا جب یہی چیز اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مخلوقات اور ذلیل و رسوا لوگوں میں سے کسی کو لاحق ہوتی اگر ان کے صحائف جلدی دے دیے جاتے تو ان خطاؤں کی سورتوں کو دیکھتے جو انہوں نے کفر و انکار کی صورت میں کیے اور ان پر کیا گزرتی جب وہ ان صحیفوں میں ان خطاؤں کو دیکھتے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی: فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مِنْهُمْ مُشْفِقِينَ وَمَنَافِيَهُ وَيَقُولُونَ لِيَوْمَئِذٍ مَّا لَئِذَا الْكُتُبُ لَا يُعَادُونَ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أُخْطِئُوا (الکہف: 49) حضرت داؤد علیہ السلام مغفرت، بشارت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے باوجود اپنی حالت پر نہ رہتے جبکہ ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے جب قیامت کے روز وہ اپنی غلطی کو اپنی ہتھیلی میں نقش دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے یہاں تک کہ اسے کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہونگے پھر انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو وہ مضطرب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قرب عطا کرے گا تو وہ سکون پا جائیں گے۔

يٰۤاٰدٰوْدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ يَّوْمَ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

”اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو اپنا نائب زمین میں پس آپ فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے، بے شک جو لوگ بہک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ ہم نے تمہیں مالک بنایا تاکہ تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تاکہ تو اپنے سے قبل انبیاء اور صالحین کی نیابت کرے۔ سورہ بقرہ میں خلیفہ اور اس کے متعلق احکام مفصل گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو (1)۔ یہ امر وجوب کے لیے ہے، یہ کلام اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عتاب اس وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ آپ نے ایک خاوند سے اس کی عورت کا مطالبہ کیا تھا یہ عدل نہ تھا اس کے بعد انہیں فرمایا گیا: لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو اور اپنی اس خواہش

کی اقتداء نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے امر کے خلاف ہے کہ وہ تجھے جنت کے راستے سے گمراہ کر دے جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لیے جہنم میں دردناک عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستہ پر چلنے کو ترک کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَسُوا سے مراد ہے انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا یا اس پر عمل کو ترک کر دیا (1) تو وہ بھولنے والوں کی طرح ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم اس وقت ہوا جب ان کی توبہ قبول ہو گئی اور ان کی خطا معاف کر دی۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فیصلوں کے بارے میں اصل احکام یہ ہیں یٰدَاؤُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ وَ اِنْ احْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ: 49) لِّحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ (النساء: 105) یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوِّمٰیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ: 8) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: یٰدَاؤُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فِیْضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے بارے میں کہا: اگر دو آدمی جھگڑالے کر تیرے پاس آئیں ان دونوں میں سے کسی کے متعلق تمہارے دل میں میلان ہو تو اپنے دل میں یہ خواہش نہ کر کہ حق اس کے لیے ہوتا کہ وہ اپنے مد مقابل پر غالب آجائے اگر تو نے ایسا کیا تو میں تیرا نام نبوت سے خارج کر دوں گا پھر نہ تو تو میرا خلیفہ ہوگا اور نہ ہی اہل کرامت ہوگا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور وہ دونوں فریقوں میں سے کسی فریق کی طرف قربت نفع کی امید کی وجہ سے میلان نہ رکھے اور نہ کسی سبب کی طرف رجحان رکھے جو میلان کا تقاضا کریں جیسے صحبت، دوستی اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد محض اس وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے کیونکہ ان کے پاس دو فریق آئے تو حضرت سلیمان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حق فلاں کے لیے ہو۔

عبدالعزیز بن سداد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے دور میں ایک قاضی تھا وہ اپنی کوشش سے اس مقام تک جا پہنچا کہ اپنے رب سے اس کا مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان علامت بنا دے۔ جب وہ حق کا فیصلہ کرے تو وہ اسے پہچان جائے۔ جب وہ کوتاہی کرے تب بھی اسے پہچان لے۔ اسے کہا گیا: اپنے گھر داخل ہو جا پھر دیوار کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو لمبا کر پھر دیکھ تیری انگلیاں کہاں تک پہنچتی ہیں وہاں ایک خط کھینچ لے جب تو مجلس قضا سے اٹھے تو اس خط کی طرف لوٹ اس کی طرف ہاتھ کو لمبا کر جب تو نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہوگا تو وہاں تک پہنچ جائے گا اگر تو نے حق میں کوتاہی کی ہوگی تو تیری انگلیاں نیچے رہ جائیں گی۔

وہ صبح کو قضا کے لیے جاتا جبکہ وہ مجتہد تھا وہ حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا جب مجلس سے اٹھتا اور فارغ ہوتا نہ کھانا کھاتا اور نہ پانی پیتا نہ گھر والوں کا کوئی کام کرتا یہاں تک کہ اس خط کے پاس آتا جب اس خط تک پہنچ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اللہ تعالیٰ

نے اہل، کھانے اور پینے میں جس چیز کو حلال کیا تھا اس تک رسائی حاصل کرتا جب ایک دن وہ مجلس قضا میں مصروف تھا تو دو آدمی اس کے پاس آئے جو اس سے فیصلہ کے طالب تھے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دونوں اس کے پاس (قضیہ) پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے ایک اس کا دوست تھا اس قاضی کا دل اس محبت کی وجہ سے متحرک ہوا کہ حق اس کے دوست کے حق میں ہوتا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے جب دونوں نے گفتگو کی تو حق دوست کے خلاف چلا گیا تو اس نے دوست کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ جب وہ مجلس قضا سے اٹھا تو اس خط کی طرف گیا جس طرح ہر روز جایا کرتا تھا تو اس نے خط کی طرف ہاتھ بڑھایا تو خط دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ چھت تک سمٹ گیا وہ اس تک نہیں پہنچ پارہا تھا تو وہ سجدہ میں گر گیا وہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! میں نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا اور نہ میں نے ارادہ کیا ہے جو ہے اسے میرے لیے واضح کر دے۔ اسے کہا گیا: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کی خیانت پر آگاہ نہیں جب تو نے چاہا تھا کہ حق تیرے دوست کے حق میں ہوتا کہ تو اس کے حق میں فیصلہ کرے، تو نے اس کا ارادہ کیا تھا اور تو نے یہ پسند کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حق حقدار کو لوٹا دیا جبکہ تو یہ ناپسند کرتا تھا۔

لیث سے مروی ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دو آدمی جھگڑا لے کر حاضر ہوئے، آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا، پھر وہ واپس لوٹے تو آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا پھر وہ لوٹے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ فرمایا: وہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے ان دونوں میں سے ایک کے حق میں وہ چیز پائی جو میں نے دوسرے کے حق میں نہ پائی تھی تو میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو ناپسند کیا، وہ پھر واپس آئے تو میں نے ایک کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات پائے وہ پھر آئے جبکہ وہ چیز جا چکی تھی تو میں نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔

شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا دونوں نے حضرت زید بن ثابت سے فیصلہ کرانا چاہا جب دونوں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید نے حضرت عمر کو اپنے تکیہ کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تیرا پہلا ظلم ہے، مجھے اور اسے ایک ہی مجلس میں بٹھاؤ، تو دونوں حضرت زید کے سامنے بیٹھ گئے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** یہ آیت اس امر سے منع کرتی ہے کہ حاکم اپنے علم سے فیصلہ کرے کیونکہ حاکموں کو اگر یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں تو جب ان میں سے کوئی اپنے دوست کی حفاظت اور اپنے دشمن کی ہلاکت کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے فیصلہ کے بارے میں اپنے علم کا دعویٰ کر دے گا۔ اس کی مثل صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ اس پر حدود اللہ میں سے کوئی حد جاری ہوتی ہے تو میں اس کا مواخذہ نہ کروں گا یہاں تک کہ کوئی اور آدمی میرے پاس گواہی دے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: فلاں کے خلاف میرے دعویٰ کا فیصلہ کر دیجئے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میرا فلاں پر حق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تو یہ ارادہ کرے کہ میں تیرے حق میں گواہی دوں تو ٹھیک ہے جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ کی وجہ سے فیصلہ کیا۔



یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک گھوڑا خریدا تو بیچنے والے نے انکار کر دیا حضور ﷺ نے اپنے علم کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ نہ کیا حضرت خذیمہ اٹھے انہوں نے حضور ﷺ کے حق میں گواہی دی تو حضور ﷺ نے فیصلہ کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے (1)۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَوَيْلٌ  
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۚ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ  
مُبَارَكٌ لِّيَذَّبَ رُفُوسَ الْإِثْمِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۚ

”اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ، یہ تو کفار کا گمان ہے پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ کے عذاب سے۔ کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند۔“

باطلاً سے مراد ہے مقصد اور کھیل تماشا ہے یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو محض امر صحیح کے لیے پیدا کیا ہے وہ ہماری قدرت پر دلالت ہے یہ کفار کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو باطل پیدا کیا ہے۔ کفار کو بے سندہ کرنے کے لیے فرمایا: أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا۔ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے أَنْجَعِلُ الَّذِينَ اس آیت میں مربہ کا رد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: یہ جائز ہے کہ مفسد، صالح کی طرح ہو یا اس سے درجہ میں بلند ہو بعد والی کلام نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ بھی اسی طرح ہے یعنی کیا ہم سرور دو عالم ﷺ کے صحابہ کو کفار کی طرح بنادیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ متقین، فجار اور کفار کو عام ہے۔ یہ تعبیر سب سے اچھی ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں ان کا بھی اس میں رد ہے جنہوں نے مطیع اور عاصی کا ٹھکانا ایک چیز بنایا ہے۔

کِتَابٌ یہ خبر ہے اس کا مبتدا مخذوف ہے لِيَذَّبَ رُفُوسَ الْإِثْمِ اصل میں لیتدبر و اتھا تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن کے معانی کی معرفت واجب ہے اور اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تیز پڑھنے سے افضل ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکار میں بیان کیا ہے تیز پڑھنے کی صورت میں تدبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: آیات میں تدبر سے مراد ان کی اتباع ہے (2) عام قراءت لیدہوا ہے۔ ابو جعفر اور شبیبہ نے لیدہوا یعنی دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے؛ حضرت علی شیر خدا کی قراءت بھی یہی ہے اصل میں لتدبر و اتھا

1۔ ابوداؤد، کتاب الاقضية باب اذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له ان يحكم به، حدیث نمبر 3130، فیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 383

تخفیف کی وجہ سے ایک تاء حذف ہے۔

أُولَٰئِكَ الْكَلْبَاءُ سے مراد اصحاب عقول ہیں اس کا واحد لب ہے اس کی جمع أَلْبَب بھی آتی ہے جس طرح بؤس کی جمع ابؤس آتی ہے اور نعم کی جمع انعم آتی ہے۔ ابو طالب نے کہا:

قلبي إليه مُشرف الألب

محل استدلال الب ہے بعض اوقات ضرورت شعری کی بنا پر تضعیف کو ظاہر کرتے ہیں کیت نے کہا:

إليكم ذوى آل النبي تطلعت نوازيم من قلبي ظمأ والنبت

محل استدلال الب ہے۔

وَهَبْنَا لِذَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

الضِفْتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۚ حَتَّى تَوَارَتْ

بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۚ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۝

”اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان جیسا فرزند بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا، جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے تو آپ نے کہا: مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے نیچے (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔“

جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کر چکے تو حضرت سلیمان السلام کا ذکر کیا۔ اَوَّابٌ کا معنی مطیع ہے الْجِيَادُ کا معنی گھوڑے ہیں یہ جواد کی جمع ہے جس کا معنی گھوڑا ہے جس طرح انسان کو جواد کہتے ہیں جب وہ طبعاً بہت ہی سخی ہو یہ کہا جاتا ہے: قوم اجواد خیل جیاد یہ بھی کہا جاتا ہے: جاد الرجل بسالہ یجود جودا فہو جواد۔ یعنی آدمی اپنے مال کے ساتھ سخاوت کرتا ہے قوم جود جس طرح قذال کی جمع قذال آتی ہے یہاں داؤد کو ساکن کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ حرف علت ہے اس کی جمع اجواد، اجاد، جوداء بھی آتی ہے اسی طرح یہ کہتے ہیں: امرأۃ جواد، نسوة جود جس طرح نوار اور نور آتی ہے شاعر نے کہا:

صناعٌ بِإِشْفَاهَا حَصَانٌ بِشَكْرِهَا جَوَادٌ بِقَوْتِ الْبَطْنِ وَالْعِزِّ زَاخِرٌ

محل استدلال جواد ہے جب اسے شدید بھوک لگی ہوتی ہے تب اپنے بطن کی قوت کو بھی سخاوت کرنے والی ہے اور تو کہتا ہے: سمرنا عقیۃ جواد او عقیبتین جوادین وعقبا جیادا۔ یہ کہا جاتا ہے: جاد الفرس یعنی وہ خوبصورت ہو گیا یجود جودۃ فہو جواد یہ جواد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اسے یوں بھی استعمال کیا جاتا ہے خیل جیاد و اجیاد دوا جاوید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لمبی گردن والے ہیں یہ جید سے مشتق ہے جس کا معنی گردن ہے کیونکہ گھوڑوں میں گردنوں کا لمبا ہونا ان کی عمدگی کی صفات ہیں الضِفْتُ میں دو ذہیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی صفوں سے مراد ان کا کھڑا ہونا ہے۔ قبی اور فراء نے کہا کہ کلام عرب میں صافن سے مراد کھڑا ہونا ہے وہ گھوڑے ہوں یا کوئی

اور چیز ہو اسی معنی میں نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے من سترہ ان يقوم له الرجال صفونا فليتبوا مقعده من النار (1) جسے یہ بات خوش کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہی رہیں تو وہ اپنا ٹھکانے جہنم میں بنالے قطرب نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے اور نابغہ کا قول ذکر کیا ہے:

لنا قُبَّةٌ مَضْرُوبَةٌ بِفَنَائِهَا عِتَاقُ النَّهَارِ وَالْحَيَاةُ الصَّوْفَانِ (2)  
ہمارا ایک قبہ تھا جو ان کے صحن میں لگا ہوا تھا اعلیٰ نسل کے بچھیرے اور ہمیشہ کھڑے رہنے والے عمدہ گھوڑے؛  
یہ قتادہ کا قول ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صفون سے مراد یہ ہے کہ دونوں اگلے پاؤں میں سے ایک کے کھر کو اٹھانا یہاں تک کہ باقی تین پاؤں پر کھڑا ہونا جس طرح شاعر نے کہا:

أَلِفَ الصُّفُونِ فَمَا يَزَالُ كَانَهُ مِمَّا يَقُومُ عَلَى الثَّلَاثِ كَسِيرًا  
عمر و بن کلثوم نے کہا:

تَرَكْنَا الْخَيْلَ عَاكِفَةً عَلَيْهِ مُقَلَّدَةً أَعْتَتَهَا صُفُونًا  
”ہم نے گھوڑوں کو اس پر جھکے ہوئے دیکھا ہے ان کی لگائیں ان کا قلابہ تھیں وہ تین پاؤں پر کھڑے تھے“ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دمشق اور نصیبین سے جنگ کی تو ان سے ایک ہزار گھوڑے پائے (3)۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے ان کے والد نے یہ گھوڑے عمالقہ سے حاصل کیے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جو سمندر سے نکلے تھے (4)؛ ان کے پر تھے یہ ضحاک کا قول ہے۔ وہ ایسے گھوڑے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے نکالے گئے تھے وہ منقوش تھے وہ پہلے پروں والے تھے۔ ابن زید نے کہا: شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے گھوڑے نکالے تھے جن کے پر تھے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کہا: وہ بیس گھوڑے تھے جو پروں والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سو گھوڑے تھے۔ ایک روایت میں ابراہیم تیمی سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ گھوڑے بیس ہزار تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَأْيِي۔ الْخَيْرُ سِرٌّ مَرَادُ الْغُورِ هِيَ عَرَبُ الْأَنْهَارِ هِيَ نَمَامُ دِيَةِ هَيْبٍ وَرَاءَ أَوَّلِ لَامٍ كَوَيْكِبٍ  
بعد دیگرے لاتے ہیں تو کہتا ہے: انہم لیت العین، انہم لیت، ختلت و خترت جب تو دھوکہ دے۔ دونوں جگہ پر لام اور راء  
ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں خیر اور خیل ایک ہی چیز ہے۔ نحاس نے کہا: حدیث طیبہ  
میں ہے کہ الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ (5) گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے بھلائی رکھ  
دی گئی ہے گویا گھوڑوں کو خیر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ جب زید الخیل نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603

2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 92

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 91

5۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 93

4۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 91

ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انت زید الخیر وہ حقیقت میں زید بن مہلب شاعر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیر اس لیے نام دیا گیا کیونکہ اس کی ذات میں کئی منافع تھے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام جانور پیش کیے ان سے کہا گیا: ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں تو انہوں نے گھوڑا پسند کیا تو انہیں کہا گیا: تم نے اپنی ذات کو اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے اس کا نام خیر پڑ گیا اور اسے خیل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ قوت اور غلبہ کے ساتھ موسوم ہے۔ اسے فرس اس لیے نام دیا گیا کیونکہ یہ فضا کی مسافتوں کو چیرتا ہے جس طرح شیر شکار کو چیر پھاڑ دیتا ہے اور ان مسافتوں کو یوں طے کرتا ہے جس طرح وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہر شے کو لقمہ بنا لیتا ہے۔ اسے عربی نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جزا کے طور پر دیا گیا حضرت اسماعیل عربی تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے عطیہ تھا تو اس گھوڑے کو عربی کہا گیا: لفظ حب فراء کے قول کے مطابق مفعول ہے معنی ہے ان اثر حب الخیر فالہان عن ذکرہ میں نے گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی تو اس محبت نے مجھے میرے رب کے ذکر سے غافل کر دیا۔

دوسرے علماء اسے مفعول مطلق تسلیم کرتے ہیں جو مفعول کی اضافت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی یعنی أحببت الخیر حباً فالہان عن ذکرہ میں ایک قول یہ کیا گیا: أحببت کا معنی ہے میں بیٹھ گیا اور پیچھے ہٹ گیا؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے احب البعید یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ بیٹھ جائے اور پیچھے ہٹ جائے أحب فلان اس نے اپنا سر جھکا یا۔ ابو زید نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: بعید محب، وقد أحب احبابا یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی مرض لاحق ہو یا عضو ٹوٹ جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ وہ درست ہو جائے یا مرجائے۔ ثعلب نے کہا: بعید حسیر کے لیے کہا جاتا ہے محب معنی ہوگا تو میرے رب کے ذکر سے بیٹھ گیا اس تعبیر کی بنا پر حب کا لفظ مفعول لہ ہوگا۔ ابو فتح ہمدانی نے کتاب التبیان میں یہ ذکر کیا ہے۔ أحببت یہ لزمت کے معنی میں ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

مِثْلَ بَعِيدِ الشَّوْءِ إِذَا أَحْبَبْنَا

اس برے اونٹ کی مثل جب وہ ایک جگہ کو لازم پکڑے۔

حَتَّى تَوَاصَلَ بِالْحَجَابِ ⑤ یعنی سورج چھپ گیا۔ یہاں ذکر کے بغیر ضمیر ذکر کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِ هَامٍ ذَاتِ بَلَّةٍ (فاطر: 45) اس میں ما ضمیر سے مراد الارض ہے عرب کہتے ہیں: حاجبت باردة معنی ہے حاجت الريح باردة اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْخُلُقُومَ ⑥ (الواقعة) یعنی نفس حلقوم تک جا پہنچا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّهَا كَالْقَصْرِ ⑦ (المرسلات) یہاں نار کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ زجاج نے کہا: ضمیر کا ذکر کرنا جائز نہیں جب کسی چیز کا ذکر ہوا ہو یا دلیل کا ذکر ہوا ہو یہاں دلیل موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

بِالْعَشِيِّ عَشِي سے مراد زوال کے بعد کا وقت ہے تواری سے مراد آنکھوں سے چھپ جانا ہے، حجاب سے مراد سبز پہاڑ ہے جو تمام مخلوق کو محیط ہے (1)؛ یہ قنادہ اور کعب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبل قاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:



یہ ایسا پہاڑ ہے جو قاف کے علاوہ ہے۔ حجاب سے مراد رات ہے۔ اسے حجاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس چیز کو چھپالیتی ہے جو اس میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حُجَّی تَوَاتُرُث سے مراد گھوڑے دوڑ میں چھپ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں گھوڑوں میں مقابلہ کرایا جاتا یہاں تک کہ وہ مسابقت میں آپ کی آنکھ سے چھپ جاتے کیونکہ سورج کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

نحاس نے ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز میں تھے آپ کی خدمت میں گھوڑے لائے گئے تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں جو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یہاں تک کہ گھوڑے چھپ گئے اصطبلوں کی دیواروں نے انہیں چھپا دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: **رُدُّوْهُا عَلٰی طَهْكُفَقِ مَسْحًا لِّعَنِ اِنْ** پر ہاتھ پھیرنے لگے اس کے معنی میں دو قول ہیں: آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ ان کی تکریم کا اہتمام کریں اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ معزز آدمی کے لیے یہ کوئی فتنہ نہیں کہ وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ یہ معاملہ کرے۔ اس قول کے کرنے والے نے یہ کہا: وہ کیسے قتل کر سکتے ہیں؟ جبکہ اس میں مال برباد کرنا اور جس کا کوئی گناہ نہ ہو اسے سزا دینا لازم آتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مسح سے مراد قتل کرنا ہے آپ کو قتل کی اجازت دی گئی تھی۔ حضرت حسن بصری، بکلی اور مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے نماز پڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے جبکہ گھوڑے آپ پر پیش کیے جا رہے تھے وہ ایک ہزار گھوڑے تھے آپ پر نو سو گھوڑے پیش کیے جا چکے تھے تو آپ نماز عصر کے لیے متوجہ ہوئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کو آگاہ نہ کیا گیا تو آپ غمگین ہوئے تو فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ تو گھوڑوں کو آپ پر دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کی کوئی کاٹ دیں ان میں سے سو گھوڑے بچ گئے آج لوگوں کے پاس جو اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں وہ انہیں گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس وقت نہ ظہر کی نماز تھی اور نہ عصر کی نماز ہوتی تھی بلکہ وہ نماز نفلی نماز تھی تو آپ اس سے غافل ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جاہ و جلال والے تھے تو کسی نے بھی انہیں آگاہ نہیں کیا خواہ وہ فرض نماز تھی یا نفلی نماز تھی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ تاخیر مباح ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ فوت شدہ نماز یاد کی اور بطور افسوس کہا: **اِلٰی اَخْبَثُ حُبَّ الْخَيْْرِ عَنْ ذِكْرِ مَا تَقِيْ يٰهٰاں یہاں ذکر سے مراد نماز ہے (1)۔** آپ نے گھوڑوں کو لوٹانے کا حکم دیا اور ان کی کوئی کاٹ دیں اور ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا، یہ کوئی گھوڑے کو عذاب دینا نہیں تھا جب جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو تو ان جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا کہ اس کے بعد گھوڑے آپ کو نماز سے غافل نہ کریں شاید آپ نے ان کی کوئی کاٹ دیں تاکہ ان کو ذبح کریں آپ نے انہیں بھاگنے سے روکنے کے لیے ان کی کوئی کاٹ ڈالیں پھر انہیں اسی وقت ذبح کر دیا تاکہ ان کا گوشت صدقہ کریں یا ان کی شریعت میں یہ امر مباح تھا تو جس چیز نے آپ کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا اس کو تلف کر دیا تاکہ اس چیز کا تعلق اپنے آپ سے ختم کر دیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے

اس وجہ سے ان کی تعریف کی اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں انہیں یہ بدلہ دیا کہ ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا آپ ہوا کے دوش پر ایک دن میں اتنا سفر طے کر لیتے جتنا سفر گھوڑے پر دو ماہ صبح و شام سفر کرتے ہوئے طے کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **رُأْدُوْهَا عَلٰی** میں **هَاء** سورج کے لیے ہے گھوڑوں کے لیے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا: تجھے اس بارے میں کیا خبر پہنچی ہے؟ میں نے کہا: میں نے کعب کو کہتے ہوئے سنا ہے جب حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑے کے معائنہ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا اور ان سے نماز فوت ہو گئی کہا: **اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ** **هَنْ ذَکْمَا مَاتَی** یعنی میں نے ترجیح دی گھوڑوں کی محبت کو اپنے رب کے ذکر سے **رُأْدُوْهَا عَلٰی** یعنی گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹاؤ۔ گھوڑے چودہ تھے تو آپ نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹ دیا اللہ تعالیٰ نے چودہ دن تک ان سے حکومت کو چھین لیا کیونکہ انہوں نے گھوڑوں پر ظلم کیا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کعب نے جھوٹ بولا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام جہاد کی تیاری کی وجہ سے گھوڑوں کے معائنہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان فرشتوں کو حکم دیا جو سورج پر معین ہیں: سورج کو لوٹاؤ تو فرشتوں نے سورج کو ان پر لوٹا دیا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عصر کے وقت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء ظلم نہیں کرتے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جو چیز حجاب میں چھپی تھی وہ سورج تھا اور سورج کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ منافع کے لیے اس پر دلالت موجود ہے کیونکہ اسے ذکر کیا گیا ہے جس کا سورج کے ساتھ تعلق ہے جس طرح اس کا بیان گذر چکا ہے اکثر لوگ سورج کو ذکر کیے بغیر مضمحل کر دیتے ہیں۔ لبید نے کہا:

حَتّٰی اِذَا اَلْقَتْ یَدَا فِی کَافِرٍ وَّ اَجَنَّ عَوْرَاتِ الشُّعُوْرِ فَلَا مُمْہَا (1)

اس شعر میں بھی الشمس کے لیے ہے اور اس کے ذکر سے پہلے ضمیر لائی گئی ہے۔

رد دہا میں ہا گھوڑوں کے لیے ہے اور ان پر ہاتھ پھیرنے سے زہری اور ابن کیسان نے یہ مراد لیا ہے کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ان سے غبار کو دور کرتے کیونکہ آپ کو گھوڑوں سے محبت تھی؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھایا گیا جبکہ آپ اپنے گھوڑے کو اپنی چادر سے پونچھ رہے تھے اور فرمایا: ”آج رات مجھے گھوڑوں کے بارے میں عتاب کیا گیا (2)“ موطا میں یحییٰ بن سعید سے مرسل روایت نقل کی گئی ہے اور موطا کے علاوہ میں مسند اور متصل سند سے مروی ہے امام مالک، یحییٰ بن سعید سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں سورۃ الانفال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گذر چکا ہے۔ وامسحوا بنوا صیہا واکھا لہا ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو تلواروں سے کاٹ دیا۔

میں کہتا ہوں: شبلی اور دوسرے صوفیاء نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اسی فعل سے کپڑوں کے پھاڑ دینے کا استدلال

کیا ہے۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی معصوم کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ اس نے فساد والا فعل کیا ہے۔ مفسرین نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: آپ نے گھوڑوں کی تکریم کی خاطر ان کی گردنوں اور ان کی پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا: تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے تو یہ اچھا عمل ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: آپ نے ان کی کوچیں کاٹیں پھر انہیں ذبح کر دیا۔ گھوڑوں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سورہ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آپ نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس پر قدغن لگائی جاسکتی ہو۔ جہاں تک صحیح کپڑے کے پھاڑنے کا تعلق ہے جبکہ غرض صحیح نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کیا ہو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہو جبکہ یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے گھوڑوں کے ساتھ جو بھی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے گھوڑوں کے مسح کرنے سے مراد کاویہ سے انہیں نشان لگانا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں معین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ پنڈلیاں کسی حال میں بھی نشان لگانے کا محل نہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے: پنڈلی پر کاویہ سے نشان لگانا عطا کہلاتا ہے اور گردن پر نشان لگانا وثاق کہلاتا ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے عَطَطَ الْبَعِیْرَ عَطَطًا اس نے اونٹ کی گردن میں نشان لگایا۔ علاطان سے مراد گردن کی دونوں جانبیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: مُرَدُّوْہَا میں ہاضمیر کو جس نے سورج کی طرف لوٹایا ہے تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے۔ اسی کی مثل ہمارے نبی ﷺ کے لیے بھی واقع ہوا امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس سے دو سندوں سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی جارہی تھی جبکہ حضور ﷺ کا سر مبارک حضرت علی شیر خدا کی گود میں تھا۔ حضرت علی شیر خدا نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”اے علی! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟“ عرض کی: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! اگر یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو سورج کو اس پر لوٹا دے۔“ حضرت اسماء نے کہا: میں نے اسے غروب ہوتا ہوا دیکھا تھا پھر میں نے غروب ہونے کے بعد پہاڑوں اور زمین پر اسے طلوع حالت میں دیکھا جبکہ آپ خیر میں صہباء کے مقام پر تھے۔ امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں ثقہ لوگوں نے انہیں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو فرج ابن جوزی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کہا: حضرت علی شیر خدا کی محبت میں رافضیوں کے غلو نے انہیں اس امر پر برا بیچتے کیا کہ وہ آپ کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کریں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج غائب ہو گیا تو حضرت علی شیر خدا کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا (۱)۔ از روئے نقل کے محال ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی محال ہے کیونکہ وقت فوت ہو چکا تھا اور اس کا لوٹنا نیا طلوع تھا جو وقت کو نہیں لوٹاتا جس نے کہا تھا: خیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے وہ گھوڑے دوڑ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اس میں گھوڑوں

1۔ حضرت مفسر نے یہ رائے قائم کی اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ کی رائے کو اہمیت دی جب کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: ابن جوزی نے یہ غلط کہا ہے نور الانور میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

کی دوز میں دلیل موجود ہے۔ یہ شروع امر ہے اس کے بارے میں گفتگو سورہ یوسف میں گذر چکی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ۖ وَالْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۖ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ۖ وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۖ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۖ وَالشَّيَاطِينُ كُلٌّ بِنَاءٍ ۚ وَغَوَّاصٌ ۖ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۖ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۖ

”اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔ عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیوبھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں، (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام۔“

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ۖ ایک قول یہ کیا گیا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہ بنے بیس سال گذر چکے تھے کہ آپ کو فتنہ میں ڈالا گیا اور آزمائش کے بعد آپ بیس سال تک حاکم رہے! یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ فَتَنَّا یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور ہم نے سزا دی (1)۔ اس کا سبب وہ روایت ہے جو سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے ان میں سے ایک فریق جرادہ کے خاندان سے تھا جو آپ کی بیوی تھی۔ حضرت سلیمان اس سے محبت کرتے تھے تو آپ نے خواہش کی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ پھر دونوں کے درمیان فیصلہ انصاف سے کیا۔ آپ کو جو بھی مصیبت پہنچی اسی خواہش کی بنا پر تھی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن تک لوگوں سے حجاب میں رہے آپ نے کسی کے درمیان فیصلہ نہ کیا نہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: میں نے تجھے خلیفہ اس لیے نہیں بنایا کہ تو میرے بندوں سے حجاب کرے بلکہ اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ تو ان کے درمیان فیصلہ کرے اور مظلوم کو انصاف دلائے۔

شہر بن حوشب اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو گرفتار کیا جس کے ساتھ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں جہاد کیا تھا (2)، جس بادشاہ کو صیدون کہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس



کی محبت ڈال دی گئی جبکہ وہ آپ سے اعراض کرتی تھی، وہ ترچھی نظروں سے آپ کو دیکھتی اور الٹی سیدھی باتیں کرتی تھی، اس کی آنکھوں سے اپنے والد کے غم میں آنسو نہ پھوٹتا تھا وہ بہت ہی خوبصورت تھی پھر اس نے یہ سوال کیا کہ وہ اس کے باپ کا اس کی صورت کے مطابق بت بنادے تاکہ وہ اسے دیکھا کرے۔ حضرت سلیمان نے اس کا حکم دیا تو اس کے لیے مجسمہ بنادیا گیا اس عورت نے اس کی تعظیم کی اور اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس کی لونڈیوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔ وہ ایک ایسا بت بن گیا جس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں عبادت کی جارہی تھی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا یہاں تک کہ چالیس دن گزر گئے۔ اس کی خبر بنی اسرائیل میں عام ہو گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی علم ہو گیا تو آپ نے اسے توڑ دیا پھر اسے جلا دیا پھر اس کے ذرات سمندر میں بکھیر دیئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت سلیمان نے صیدوں کی بیٹی کو پایا جس کا نام جرادہ تھا جس طرح کہ زمخشری نے ذکر کیا ہے تو وہ عورت آپ کو بہت اچھی لگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اسلام کو پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے ڈرایا تو اس عورت نے کہا: مجھے قتل کر دو میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی جبکہ وہ مشرک تھی۔ وہ یا قوت کے بنے بت کی چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوشیدہ عبادت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چالیس روز تک حکومت کے زوال کے ساتھ سزا دی گئی۔ کعب الاحبار نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر کے گھوڑوں پر ظلم کیا تو آپ کی حکومت سلب کر لی گئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے حیض یا کسی اور عارضہ کی صورت میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی عورت سے شادی نہ کریں تو آپ نے ان کے علاوہ کسی اور عورت سے شادی کر لی تو اس وجہ سے انہیں سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ۖ أَكْثَرُ مَفْسَرِينَ کے نزدیک وہ شیطان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی شبیہ اس پر ڈالی اس کا نام صخر بن عمیر صاحب السحر تھا یہی وہ تھا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رہنمائی الماس (ہیرہ) پر کی تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب پتھروں کو لوہے سے تراشا جاتا تو ان میں آواز پیدا ہوتی انہوں نے الماس (ہیرہ) لیا اور اس کے ساتھ پتھر، گئینے اور دوسری چیزیں کاٹنے لگے تو کوئی آواز پیدا نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سرکش جن تھا تمام شیاطین بھی اس پر غالب نہ آتے وہ ہمیشہ حیلہ سازی کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت الخلا میں انگوٹھی کے ساتھ داخل نہیں ہوتے تھے۔ صخر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عورتوں سے ایک عورت، جسے امینہ کہا جاتا، سے انگوٹھی لی جو آپ کی تھی؛ یہ شہر بن حوشب اور وہب کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: اس کا نام جرادہ تھا وہ چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر قابض رہا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھاگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکو ٹھہری اور بادشاہت انہیں واپس کر دی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی اپنے بستر کے نیچے رکھ دی اور شیطان نے اسے اٹھالیا۔ مجاہد نے کہا: شیطان نے انگوٹھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے لے لی تھی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا جبکہ اس کا نام آصف تھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے آپ سے کہا: مجھے اپنی انگوٹھی دوتا کہ میں تمہیں بتا دوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ جب شیطان نے انگوٹھی لے لی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا وہ آپ کی بیویوں کے پاس جاتا ناحق فیصلے کرتا اور غلط احکامات دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ وہ ان کے پاس ان کے حیض کے دنوں میں آیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اسے آپ کی بیویوں کے پاس آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے حکومت زائل ہو گئی تو آپ ساحل سمندر کی طرف بھاگ نکلے آپ وہاں لوگوں سے ضیافت طلب کرتے اور اجرت پر شکاریوں کی مچھلیاں اٹھایا کرتے تھے جب وہ لوگوں کو بتاتے کہ وہ سلیمان بن داؤد ہیں تو لوگ انہیں جھٹلاتے تھے۔

قتادہ نے کہا: جب بنی اسرائیل نے شیطان کے احکامات کو عجیب و غریب جانا تو آپ نے شکاری سے ایک مچھلی لی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ نے وہ کھانے کے لیے لی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مچھلیاں اٹھانے کی اجرت کے طور پر لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے شکار کیا تھا، جب اس کے پیٹ کو چیرا تو اپنی انگوٹھی اس میں موجود پائی تھی۔ یہ واقعہ آپ کی بادشاہت کے زائل ہونے سے چالیس دن بعد ہوا تھا یہ دنوں کی وہی تعداد ہے جتنے دنوں میں آپ کے گھر میں بت کی عبادت کی گئی تھی آپ نے وہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں پائی تھی کیونکہ شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی۔

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: اسی اثنا میں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سمندر کے کنارے انگوٹھی سے کھیل رہے تھے کہ وہ انگوٹھی سمندر میں گر گئی جبکہ ان کی حکومت اس انگوٹھی میں تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ تھا یحییٰ بن ابی عمرو شیبانی نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی خاطر بیت المقدس کی طرف پیدل گئے۔

حضرت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک لوٹایا تو آپ نے صخر کو پکڑ لیا جس نے انگوٹھی لی تھی اس کے لیے چٹان میں سراخ کیا اور اس میں اسے داخل کیا اور دوسری چٹان کے ساتھ اسے بند کر دیا اور لوہے کے ساتھ اسے جوڑ دیا اس پر اپنی مہر لگائی اور سمندر میں پھینک دیا فرمایا: قیامت تک یہ تیرا قید خانہ ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انگوٹھی لے لی تو شیاطین، جن، انسان، پرندے

وحشی جانور اور ہوا آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ شیطان بھاگ گیا جو آپ کا نائب بنا تھا وہ سمندر میں ایک جزیرہ میں آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو اس کے پاس بھیجا انہوں نے کہا: ہم اس پر قادر نہیں لیکن وہ ہفتہ میں ایک روز جزیرہ کے ایک چشمہ پر آتا ہے ہم اس پر قابو نہیں پاسکتے جب تک وہ نشے میں نہ ہو کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پانی نکلوایا اور اس میں شراب ڈال دی وہ اس چشمہ پر آنے والے دن اس پر آیا تو اس میں شراب تھی اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو عمدہ مشروب ہے مگر تو حلیم کو جوش دلاتی ہے، جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے پھر اسے شدید پیاس لگی پھر وہ اسی چشمہ کے پاس آیا اور اسی جیسی گفتگو کی پھر اسے پیا تو شراب اس کی عقل پر غالب آگئی ان شیاطین نے اسے انگوٹھی دکھائی تو اس نے کہا: ہر حکم سنوں گا اور اطاعت بھی کروں گا۔ وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے آپ نے اسے جکڑ دیا اور ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ دھویں کا پہاڑ ہے انہوں نے کہا: وہ دھواں جو تم دیکھتے ہو یہ اس کی سانسیں ہیں اور وہ پانی جو اس پہاڑ سے نکلتا ہے وہ اس کا پیشاب ہے۔

مجاہد نے کہا: اس شیطان کا نام آصف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا نام حبشیق ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ شیطان انبیاء کی صورت نہیں اپنا سکتا، پھر یہ بھی محال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کے لوگوں پر شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت اپنا کر معاملہ خلط ملط کر دے یہاں تک کہ وہ اسے یہ گمان کریں کہ یہ نبی برحق ہے اور وہ شیطان کے ساتھ ملکر باطل کام شروع کر دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد سے مراد بچہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پیدا ہوا جب وہ پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو گئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو ہم اسکی غلامی اور تسخیر سے آزاد نہ ہونگے آؤ ہم اس کے بیٹے کو قتل کر دیں یا اسے بگاڑ دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہو گیا آپ نے ہوا کو حکم دیا تو وہ بچے کو بادلوں میں لے گئی ان کا بیٹا شیاطین کے خوف سے بادلوں میں رہا تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین سے خوفزدہ ہونے کی بنا پر آپ کو سزا دی آپ نے محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آپ کے تخت پر مردہ پڑا ہوا تھا؛ یہ معنی شعبی نے بیان کیا ہے یہی وہ جسد ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَالْقَيْنَاعِلٰی كُنْ سَيِّئًا جَسَدًا میں بیان کیا ہے۔

نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے: اکثر لونڈیاں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس لیے وطی کی تھی کہ ان سے اولاد ہوگی تو آپ کا آدھے جسم والا بچہ پیدا ہوا تو اس کی حیثیت اس جسم والی تھی جسکو آپ کے تخت پر پھینک دیا گیا ہو۔ دائی اسے لائی تھی اور اس نے وہاں پھینک دیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ان میں سے ہر ایک شاہسوار جنے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا آپ کے مصاحب نے کہا: ان شاء اللہ کہو تو آپ نے انشاء اللہ نہ کہا، آپ نے رات کے وقت اپنی بیویوں کے پاس چکر لگایا تو ایک عورت کے سوا کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی وہ بھی آدھا بچہ لائی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے!

اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب شاہسوار کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے“ (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا: جسد سے مراد آصف بن برخیا صدیق تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ اس کی وجہ یہ بنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا گیا تو انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گر پڑی اس میں آپ کی بادشاہت تھی آپ نے دوبارہ اسے اپنے ہاتھ میں ڈالا تو وہ پھر گر پڑی تو آپ کو آزمائش کا یقین ہو گیا۔ آصف بن برخیا نے آپ سے عرض کی: آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے اس لیے وہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ٹھہرتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہونے کی حیثیت سے رجوع کرو میں تیری حکومت میں تیرے قائم مقام رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کر لے۔ آپ کی آزمائش کے چودہ دور ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ آصف بن برخیا نے انگوٹھی لے لی اسے اپنے ہاتھ میں رکھا تو وہ وہاں ٹھہر گئی ان کے پاس کتاب کا علم تھا آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اور آپ کے عیال میں قائم مقام رہے جیسی چال حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی ایسی چال چلتے اور جو عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا ایسا ہی عمل آصف کا ہوتا یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھر توبہ تائب ہو کر لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ملک انہیں لوٹا دیا۔ آصف بن برخیا آپ کی مجلس میں رہے آپ کی کرسی پر بیٹھے اور انگوٹھی اپنے ہاتھ میں رکھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا، اس کی وجہ یہ بنی کہ آپ شدید بیمار ہوئے یہاں تک کہ محض ایک جسم کی حیثیت سے ہو گئے ایک کمزور مریض کی یوں صفت بیان کی جاتی ہے: کالجسد الملقى۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی اور آپ کا ملک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے چھ سو کرسیاں بچھائی جاتیں پھر انسانوں میں سے معززین حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کے قریب بیٹھ جاتے پھر جنوں میں سے معززین آتے تو وہ انسانوں کے قریب بیٹھ جاتے پھر پرندے آتے جو ان کو سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو بلا تے جو ان سب کو اٹھا لیتی وہ ایک دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ وہب، کعب اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے باپ کے بعد حاکم بنے تو آپ نے کرسی بنانے کا حکم دیا تاکہ فیصلہ کرنے کے لیے اس پر بیٹھیں اور یہ حکم دیا کہ ایسے خوفناک انداز میں بنایا جائے کہ جب باطل پرست یا جھوٹا گواہ اسے دیکھے تو کانپ جائے اور خوف زدہ ہو جائے آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کرسی کو ہاتھی کے دانتوں سے بنایا جائے جس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے ٹکینے جڑے ہوئے ہوں اسے سونے کے بنے چار درختوں سے گھیرا گیا ہو اسے سونے کی بنی چار کھجوروں کے ساتھ گھیرا گیا جس کی ٹہنیاں سرخ یا قوت اور سبز زبرجد کی تھیں دو کھجوروں کے سروں پر سونے کے دو مور تھے اور دو کھجوروں کے سروں پر سونے کی دو گدھیں تھیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے کرسی بنانے والوں نے کرسی کی دونوں جانب سونے کے دو شیر بنائے ان دونوں میں سے ہر ایک کے سر پر سبز زبرجد کا ستون تھا، انہوں نے کھجوروں



کے درختوں پر سرخ سونے کی بلیں جوڑ دیں ان کے گچھے سرخ یا قوت کے تھے اس طرح ان بیلوں نے کھجوروں اور کرسی کو راہ کیا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھنے کا ارادہ کرتے تو اس کے نیچے والے زینہ پر اپنے دونوں قدم رکھتے تو کرسی اتنی تیزی سے گھوم جاتی جس طرح تیز چکی گھومتی ہے وہ گدھیں اور مور اپنے پر پھیلا دیتے دونوں شیر اپنے ہاتھ پھیلا لیتے اور اپنی دھڑکیں زمین پر مارتے، جس زینے پر بھی آپ چڑھتے یہ چیزیں اسی طرح کا ہی عمل کرتیں جب اس کے آخری زینے پر بیٹھ جاتے تو وہ دونوں گدھیں جو کھجور کے درختوں کے اوپر ہوتیں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج پکڑتیں اور اسے آپ کے سر پر رکھ دیتیں پھر کرسی گھوم جاتی اسی کے ساتھ دونوں گدھیں، دونوں مور اور دونوں شیر اپنے سروں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جھکاتے ہوئے گھوم جاتے اور اپنے پیٹوں سے کستوری اور عنبر کو چھڑکتے پھر وہ کبوتری جو سونے کی بنی ہوئی تھی جو کرسی کے اوپر موتیوں اور جواہرات سے بنے ستونوں پر ہوتی تورات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پکڑاتی حضرت سلیمان علیہ السلام اسے کھولتے اسے لوگوں پر پڑھتے اور لوگوں کو فیصلہ کی طرف دعوت دیتے۔

انہوں نے یہ بھی کہا: بنی اسرائیل کے علماء سونے کی بنی کرسیوں پر بیٹھتے جن پر جواہرات جڑھے ہوتے یہ آپ کی دائیں جانب ہزار کرسیاں تھیں اور جنوں کے معززین چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے جو ہزار کرسیاں تھیں پھر پرندے انہیں سایہ کرتے ہوئے گھیر لیتے لوگ فیصلوں کے لیے آگے بڑھتے جب گواہ گواہیوں کے لیے آگے بڑھتے تو کرسی اپنے تمام متعلقات کے ساتھ تیز چکی کے گھومنے کے ساتھ گھوم جاتی دونوں شیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا لیتے اور اپنی دھڑکیں زمین پر مارتے دونوں گدھیں اور دونوں مور اپنے پروں کو پھیلا لیتے گواہ ڈر جاتے اور حق بات کی گواہی دیتے وہ چیز جو اس کی کرسی کو گھماتی وہ سونے کی بنی پچھلی تھی وہ کرسی اس پر تھی۔ صخر جنی نے جو آپ کے لیے چیزیں بنائی تھیں ان میں سے یہ ایک عظیم چیز تھی۔

جب کرسی کے گھومنے کا احساس ان گدھوں، شیروں اور موروں کو ہوتا جو کرسی کے اوپر سے نیچے تک تھے تو وہ سب چیزیں گھوم جاتیں جب ٹھہرتیں تو سب چیزیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر ٹھہر جاتیں جبکہ آپ بیٹھے ہوتے پھر ان کے پیٹوں میں مشک اور عنبر میں سے جو ہوتا انہیں آپ پر نچھاور کرتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو بخت نصر نے آدمی بھیجے جو کرسی کو لے آئے جب اسے انطاکیہ لے جایا گیا اس نے ارادہ کیا کہ اس پر چڑھے اسے یہ علم نہیں تھا کیسے اس پر چڑھنا ہے جب اس نے ایک قدم اس پر رکھا تو شیر نے اس کے پاؤں پر ضرب لگا دی اور اسے توڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھتے تو دونوں قدم رکھتے بخت نصر مر گیا اور کرسی بیت المقدس کی طرف واپس کر دی گئی کوئی بادشاہ اس پر نہ بیٹھ سکا لیکن کوئی اس کے انجام سے بھی آگاہ نہیں ممکن ہے اسے آسمانوں کی طرف اٹھالیا گیا ہو۔

ثُمَّ أَنَابَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي یعنی میرے گناہ بخش دو، وَهَبْ لِي مَلَكًا لَا يُكَلِّمُنِي إِلَّا حَقًّا بَعْدَ بَعْدٍ یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے دنیا کو طلب کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی، اس سے ناراضگی کی اور اپنی بارگاہ میں اسے حقیر جانا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: علماء کے نزدیک یہ طلب اس پر محمول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کریں گے، ملک کے امور

اجھے انداز میں چلائیں گے، مخلوقات کی منازل کو ترتیب سے رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کریں گے، اس کی رسوم کی حفاظت کریں گے، اس کے شعائر کی تعظیم کریں گے، اس کی عبادت ظاہر کریں گے، اس کی اطاعت کو لازم پکڑیں گے جو حکم اس پر نافذ ہوگا، اس کے قانون کو منظم کریں گے، وعدوں کو ثابت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جسے مخلوقات میں سے کوئی نہیں جانتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے سامنے تصریح کی ہے: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ)

حاشا وکلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال محض دنیا کی طلب کے لیے ہو کیونکہ آپ اور انبیاء تمام مخلوقات پر زیادہ زاہد ہوتے ہیں آپ نے مملکت کا سوال محض اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی تباہی اور ہلاکت کا سوال اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا دونوں سوال پسندیدہ تھے اور دونوں مقبول ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عرضداشت مقبول ہوئی تو جو بھی روئے زمین پر تھا اسے ہلاک کر دیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو مملکت عطا کر دی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ تمام بندوں میں سے صرف آپ ہی ان امور کو چلا سکتے ہیں یا یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کہیں: عظیم ملک تو کہا: لَا یُکْبِیْ لَاحِقٍ مِّنْ بَعْدِیْ اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی بھی آدمی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بار ہے مگر حضرت سلیمان بن داؤد کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا عَطَاؤُنَا۔

میں کہتا ہوں: یہ چیز اس کو رد کر دیتی ہے جو ایک روایت میں مروی ہے کہ جنت میں تمام انبیاء کرام میں سے سب سے آخر میں داخل ہونے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ دنیا میں ان کو بادشاہت ملی۔ بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام انبیاء کے جنت میں داخل ہونے کے چالیس سال بعد جنت میں داخل ہو گئے اسے صاحب قوت نے ذکر کیا ہے۔ یہ ایسی روایت ہے جس کی اصل نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو اس پر کوئی بوجھ نہیں کیونکہ یہ بطریق احسان انہیں نصیب ہوئی ہے تو پھر وہ کیسے جنت میں سب سے آخر میں داخل ہو گئے جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ لَّهٗ عِنْدَ نَاۤلِکَ لِنٰفِلٍ وَّحُسْنٍ مَاۤی ۝ صحیح میں ہے لَکَیْ نَبِیْ دَعُوْا مُسْتَجَابَةً فَتَعَجَّلْ کُلُّ نَبِیٍّ دَعُوْتَهٗ ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے تو ان کے سوال سے پہلے ہی پوری کی جانے والی حاجت بنادی گئی اس وجہ سے ان پر اس کا کوئی بوجھ نہیں۔

لَا یُکْبِیْ لَاحِقٍ مِّنْ بَعْدِیْ کا معنی ہے میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کا سوال کرے گویا انہوں نے ایسا سوال کیا جس کا سوال بعد میں ممنوع قرار دیا گیا یہاں تک کہ کسی کی امید اس کے ساتھ متعلق نہ ہوئی اور قبولیت کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اس نے اس کا سوال بھی نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: ان کا بادشاہت کا سوال کرنا آپ کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں ظاہر و عیاں رہے کیونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ میں ایک سبقت موجود ہے ہر

ایک پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے خصوصیت ہو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر استدلال کیا جاسکے یہی وجہ ہے جب نبی کریم ﷺ نے عفریت کو پکڑا جس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ کی نماز کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ نے اس عفریت پر آپ کو قدرت بھی دے دی تو حضور ﷺ نے اسے باندھنے کا ارادہ کیا پھر اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (1) تو حضور ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی کسی کو یہ حکومت عطا کی جاتی تو خصوصیت ختم ہو جاتی گو یا حضور ﷺ نے اس خصوصیت میں مزاحمت کو ناپسند کیا اس کے بعد کہ آپ نے اس چیز کو جان لیا تھا کہ یہی وجہ ہے جو آپ کی خصوصیت ہے کہ شیاطین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے ایسی حکومت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الْوَنِيمَ تَجَرِي بِأَمْرِ مُرَخَّاءٍ۔ رضاء کا معنی ہے نرم جبکہ اس میں قوت اور شدت موجود ہے یہاں تک کہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہوا آپ کی چھاؤنی، آپ کے لشکروں اور آپ کے تخت کو اٹھالیتی تھی جس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا تخت فرخ در فرخ تھا اس میں سو (100) درجے تھے جو ایک کے اوپر نیچے تھے ہر درجہ میں ایک قسم کے لوگ ہوتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے اوپر والے درجہ میں اپنی عورتوں اور خدام کے ساتھ رہتے تھے۔

ابو نعیم حافظ نے ذکر کیا ہے احمد بن جعفر، عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے وہ احمد بن ایوب وہ ابو بکر بن عیاش سے وہ ادریس بن وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سو کمرے تھے ان میں سے سب سے اونچا شیشے کا تھا اور سب سے نچلے والا لوہے کا تھا، ایک روز آپ ہوا کے دوش پر سوار ہوئے تو آپ ایک کسان کے پاس سے گزرے تو کسان نے ان کی طرف دیکھا تو کہا: آل داؤد کو عظیم بادشاہت دی گئی ہے، ہوانے اس کی گفتگو سن لی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالی آپ اترے یہاں تک کہ اس کسان کے پاس آئے فرمایا: میں نے تیری بات سنی ہے میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں تاکہ تو اس چیز کی تمنا نہ کرے جس پر تو قادر نہیں تیرا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول کر لے اس حکومت سے بہتر ہے جو آل داؤد کو دی گئی ہے، کسان نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے غم کو دور کرے تو نے میرے غم کو دور کیا ہے۔

حَيْثُ أَصَابَ ⑤ اصاب کا معنی ارادہ کیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے عرب کہتے ہیں: اصاب الصواب واخطأ الجواب (2)۔ صحیح کا ارادہ کیا اور جواب میں غلطی کی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

أَصَابَ الْكَلَامَ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَخْطَأَ الْجَوَابَ لَذَى الْبِفَصْلِ

اس نے گفتگو کا ارادہ کیا تو اس نے طاقت نہ رکھی اس نے فیصلہ کے وقت جواب میں غلطی کی

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حمیر کی لغت میں اصاب کا معنی ارادہ ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ فجری زبان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَيْثُ أَصَابَ کا معنی ہے حینما قصد یہ اصل میں اصابة السهم الغرض المقصود سے ماخوذ ہے حیر نارگٹ پر جا لگا۔

وَالشَّيْطَانُ كُلُّ مَنَآءٍ وَغَوَاصٍ ۝ یعنی ہم نے اس کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا (1) جبکہ اس سے قبل کسی کے لیے یہ مسخر نہ تھے کُلُّ مَنَآءٍ یہ شیاطین سے بدل ہیں اصل کلام یوں ہے کُلُّ مَنَآءٍ مِنْهُمْ وہ اس کے لیے وہ چیز بناتے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

إِسْلَمَانًا إِذْ قَالَ إِلَهِ لَهُ قُمْ فِي الْبَرِّيَّةِ فَاحْذُذْهَا عَنِ الْفَنَدِ  
وَخَيْسِ الْجِنِّ إِنِّي قَدْ أَذِنْتُ لَهُمْ يَبْنُونَ تَذْمُرَ بِالْصَّفَاحِ وَالْعُودِ

مگر سلیمان علیہ السلام، جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: جنگل میں کھڑے ہو جاؤ، اسے خطا سے پاک کر دو، جنوں کو ذلیل و رسوا کر دو میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ باریک پتلے پتھروں اور ستونوں کے ساتھ عمارتیں بنائیں گے۔ وَغَوَاصٍ وہ سمندروں سے ان کے لیے موتی نکالیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص تھے جن کے لیے سمندر سے موتی نکالے گئے۔ اَخْرَجْنِي مَقَرَّ نَيْنٍ فِي الْاَصْفَادِ ۝ ہم نے ان کے لیے سرکش شیاطین کو مسخر کیا یہاں تک کہ آپ نے لوہے کی زنجیروں اور بیڑیوں میں انہیں جکڑ دیا؛ یہ قتادہ نے کہا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد طوق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کرسیاں ہیں؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَأَبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالسَّبَايَا وَأُبْنَا بِالسُّلُوكِ مُصَفَّدِينَ

وہ چھینے ہوئے مال، قیدیوں کے ساتھ لوٹے اور ہم رسیوں میں جکڑے ہوئے بادشاہوں کے بیٹوں کے ساتھ واپس لوٹے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: آپ یہ معاملہ ان کے کفار کے ساتھ کرتے تھے جب وہ ایمان لے آتے تو آپ انہیں آزاد چھوڑ دیتے انہیں اپنا مطیع نہیں بناتے۔

هَذَا عَطَاؤُنَا مِنْ أَمْرِ بَدِشَاهَتِ هِيَ، یہ بادشاہت ہماری عطا ہے جسے چاہیں آپ عطا کریں اور جسے چاہیں نہ دیں آپ پر کوئی حساب نہیں۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے، حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس پر بھی جو نعمت کی ہے اس پر اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی بوجھ ہوگا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قتادہ نے کہا: اسم اشارہ سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنے پر قوت ہے آپ کی تمن سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں آپ کی پشت میں سو آدمیوں کی قوت تھی؛ یہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ اسی کی ہم معنی روایت بخاری میں موجود ہے۔ اس تاویل کی بنا پر فَاْمُنُّنٌ مِّنْ سَيِّئَةٍ مَّا جَاءَتْكَ مِنْ تَحْتِ يَدَيْكَ، مَنِّ يَمْنِي دُونِ لَغْتَيْهِ هِيَ جب تو امانی سے امر کا صیغہ بنائے گا تو تو کہے گا اَمِنْ اور مَنِّ يَمْنِي کا صیغہ اَمِنْ ہوگا جب تو فعل کے نون کے ساتھ نون خفیہ لائے تو کہے گا اَمِنْ۔

جو احسان کی طرف گیا ہے اس نے کہا: یہ مَنِّ عَلَيْهِ سے مشتق ہے، جب وہ اس سے امر کا صیغہ بنائے گا تو دونوں نونوں کو ظاہر



کرے گا کیونکہ یہ مضاعف ہے تو اس نے کہا: اُمْنُنْ حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے شیاطین کو مسخر کیا گیا جس کے حق میں آپ چاہیں اسے آزاد کر دیں اور چھوڑ دیں اور جس کے بارے میں چاہیں آپ اسے روک رکھیں؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کی تعبیر یہ ہے اپنی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہو حقوق زوجیت ادا کرو اور جس کے بارے میں چاہو اس کے ساتھ حقوق زوجیت سے رکے رہو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ۖ يَعْنِي أَمَّا هُمُ الَّذِينَ هُمْ فِي الدُّنْيَا فِي الْأَنْعَامِ كَمَا هِيَ تَوَاسُّ لِيَوْمِ الْآخِرَةِ فِي قُرْبَةٍ أَوْ لَوْ تَنِي كِي بَهْتَرِينَ جَلَّهٖ هُوَ كِي۔

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّيُؤُوبَ ۖ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۖ  
أَرْغَضَ بِرَجُلِكَ ۖ هَذَا مُعْتَسِلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۖ وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ  
مَعَهُمْ رَاحَةً مِّنَّا وَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ

”اور یاد فرمائیے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (اللہ!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مار دیا یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے۔ اور پینے کے لیے اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے۔“

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّيُؤُوبَ ۖ يٰ نَبِيَّ كَرِيمٍ صَلَّيْهِمُ كُوْحَمُ دِيَا جَارِہَا ہے کہ مشکلات میں صبر پر ان کی اقتدا کریں ایوب یہ عبدنا سے بدل ہے۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۖ عیسیٰ بن عمر نے ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ قراء نے کہا: قراء نے بِنُصْبٍ پر اتفاق کیا ہے یعنی نون مضموم اور صاد ساکن ہے شد نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کے بعد مناقض ہے اور وہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نے کہا: قراء نے اس پر اجماع کیا اس کے بعد یہ حکایت کی کہ قراء نے یزید بن قعقاع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اسے بِنُصْبٍ پڑھا ہے اور ابو جعفر کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، ابو جعفر نے بِنُصْبٍ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور دوسرے قراء نے اسی طرح بیان کیا ہے؛ حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے جہاں تک بِنُصْبٍ کا تعلق ہے یہ عاصم جحدری اور یعقوب حضری کی قراءت ہے؛ حضرت حسن بصری سے بھی یہی قراءت مروی ہے بِنُصْبٍ ابو جعفر سے بھی مروی ہے۔ اکثر نحو یوں کے نزدیک یہ سب نَصْب کے معنی میں ہیں نَصْب اور نَصَب، حُزْن اور حُزْن کی طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نَصْب، نَصَب کی جمع ہو جس طرح وَثْن کی جمع دُثْن آتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نَصْب، نَصَب کے معنی میں ہو اس سے ضمہ حذف ہے جہاں تک وَ مَا ذُہِمْ عَلَى النَّصْبِ (المائدہ: 3) کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاب کی جمع ہے۔ ابو عبید اور دوسرے علماء نے کہا: نَصْب کا معنی شر اور آزمائش ہے اور نَصَب کا معنی تھکاوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہی ہے، اس آیت سے مراد ہے شیطان جو وسوسہ لاحق کرتا ہے اس نے مجھے وہی پہنچایا ہے

کوئی اور چیز اس نے مجھے لاحق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نصب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے بدن کو لاحق ہو اور عذاب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے مال کو لاحق ہو اس میں حقیقت سے بعید بات ہے۔

مفسرین نے کہا: ایوب رومی تھے یہ بٹنیہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی؛ یہ واقعی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کے لیے چن لیا ان کے پاس مال اور اولاد کی کثرت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے والے تھے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہمدردی کرتے، نیک، رحم دل تھے۔ تین افراد کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا۔ دنوں میں ایک دن ابلیس کے لیے ساتویں آسمان میں ٹھہرنے کا موقع بنا ابلیس اپنی عادت کے مطابق وہاں بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا یا اے کہا گیا: کیا تو میرے بندے ایوب پر کوئی قدرت رکھتا ہے؟ ابلیس نے عرض کی اے میرے رب! میں اس پر کس طرح قادر ہو سکتا ہوں جبکہ تو نے اسے مال اور عافیت کے ساتھ آزمائش میں ڈال رکھا ہے اگر تو نے آزمائش اور فقر کے ذریعے آزمائے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کر رکھا ہے وہ اس سے واپس لے لے تو وہ اپنی حالت سے بدل جائے گا اور تیری اطاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے اہل اور مال پر تسلط دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن آسمان سے نیچے اتر اس نے جنوں میں سے سرکش جنوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سب کچھ بتایا، ان میں سے ایک نے کہا: میں ایک بگولہ بنوں گا جس میں آگ ہوگی تو میں اس کا مال ہلاک کر دوں گا وہ حضرت ایوب کی خدمت میں مال کے منتظم کی صورت میں آیا اور اس کے مال پر جو کچھ واقع ہوا تھا وہ سب بتایا تو حضرت ایوب نے کہا: الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہی مال عطا کیا ہے اور اسی نے مال روک لیا ہے۔ پھر وہ آپ کے اس محل میں آیا جہاں آپ کے گھروالے اور آپ کی اولاد تھی اس نے محل کو اطراف سے اٹھایا اور اسے آپ کے اہل و اولاد پر دے مارا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا تو حضرت ایوب نے مٹی اپنے سر پر ڈالی ابلیس آسمان کی طرف چڑھا تو حضرت ایوب علیہ السلام کی توبہ اس سے سبقت لے جا چکی تھی۔

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس کے بدن پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے اس کے بدن پر مسلط کیا مگر اس کی زبان، اس کے دل اور اس کی آنکھ پر تسلط عطا نہیں کیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر ایک پھونک ماری جس کی وجہ سے آپ کا جسم جل گیا تو آپ کے جسم میں سے نکل آئے آپ نے انہیں اپنے ناخنوں سے رگڑا یہاں تک کہ ان سے خون نکلنے لگا پھر ٹھیکری کے ساتھ ملا تو آپ کا گوشت گر گیا اسی موقع پر کہا تھا: مَسْنَى الشَّيْطَانِ پیٹ کے اندر تک کوئی بیماری نہ پہنچی کیونکہ نفس کی بقاء پیٹ کے اندر وئی حصہ سے ہوا کرتی ہے آپ کھاتے اور پیتے آپ تین سال تک اسی طرح رہے جب حضرت ایوب علیہ السلام اس پر غالب آ گئے تو وہ آپ کی بیوی کے پاس آیا انسانوں میں سے خوبصورت ترین اور معزز ترین فرد کی صورت میں آیا اس نے آپ کی بیوی سے کہا: میں زمین کا معبود ہوں، میں نے ہی تیرے خاوند کے ساتھ کیا جو کچھ کیا اگر تو مجھے ایک سجدہ کر دے تو میں اس کے اہل اور اس کا مال اس کی طرف لوٹا دوں گا جبکہ وہ سب میرے پاس ہیں اسی شیطان نے وہ تمام چیزیں ایک وادی میں آپ کی بیوی کے سامنے کر دیں اس عورت نے وہ تمام باتیں حضرت

ایوب کو بتائیں تو حضرت ایوب نے قسم اٹھائی اگر وہ صحت مند ہوئے تو ضرور اس بیوی کو ماریں گے۔ مفسرین نے ان کی آزمائش کے سبب، اپنے رب کی طرف مراجعت، اس مصیبت سے چھٹکارا جو مصیبت ان پر واقع ہوئی تھی اور وہ تین افراد جو آپ پر ایمان لائے جنہوں نے آپ کو اس سے منع کیا تھا اور آپ پر اعتراض کیا تھا پر طویل گفتگو کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک مظلوم نے آپ سے مدد طلب کی تھی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کی مدد نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک دن آپ نے لوگوں کو کھانے پر بلایا تو آپ نے ایک فقیر کو داخل ہونے سے روک دیا اس وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ ایک بادشاہ سے برسر پیکار تھے جبکہ آپ کے ریوڑ اس کی مملکت میں تھے تو اس ریوڑ کی وجہ سے اس کے ساتھ غزوہ کو ترک کر کے اس کے ساتھ نرمی کی تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ آپ کی بیوی سے مرض کے پھیل جانے سے دور رہتے وہ کہتے: ہم عدوی سے ڈرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی بیوی سے نفرت کرتے اسی وجہ سے فرمایا: مَسْنَى الشَّيْطَانِ آپ کی بیوی لیا بنت یعقوب تھی۔ حضرت ایوب، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں تھے ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ایوب کی بیوی رحمہ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام تھی: ان دونوں قولوں کو طبری نے ذکر کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مفسرین نے جو یہ کہا کہ ابلیس کا سال میں ایک دن ساتویں آسمان میں بیٹھنے کی جگہ تھی تو یہ قول باطل ہے کیونکہ شیطان کو زمین کی طرف لعنت اور ناراضگی کے ساتھ اتارا گیا تو وہ محل رضا کی طرف کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ انبیاء کے مقامات میں کیسے گھوم پھر سکتا تھا؟ وہ آسمانوں کو پھاڑتا تو انبیاء کی منازل کی طرف ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوتا اور حضرت خلیل کی جگہ جا کر ٹھہرتا بے شک یہ بہت بڑی غلطی ہے اور جہالت کی پیداوار ہے۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے مال اور اس کی اولاد پر تسلط عطا کر دیا ہے یہ قدرت میں ممکن ہے لیکن اس قصہ میں بعید ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ شیطان نے آپ کے جسم میں پھونک ماری جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان کے جسم پر غلبہ دیا یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید بات ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو پیدا فرمائے جبکہ شیطان کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو یہاں تک کہ شیطان کی اس بات سے آنکھ ٹھنڈی ہو کہ اسے انبیاء کے اموال، ان کے اہل اور ان کی ذاتوں میں قدرت حاصل ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ شیطان نے آپ کی زوجہ سے یہ بات کی کہ وہ زمین کا الہ ہے اگر تو اللہ کا ذکر چھوڑ دے اور تو مجھے سجدہ کرے تو میں اسے درست کر دوں گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو اور تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر وہ تم میں سے کسی کے سامنے آئے جبکہ اس انسان کو درد ہو اور شیطان سے یہ بات کرے تو اس کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا کہ اس کا زمین میں ایک خدا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ شیطان کو سجدہ کرے اور شیطان اسے مصیبت سے عافیت دلائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کی زوجہ اس سے شک میں مبتلا ہو؟ اگرچہ وہ دیہاتی بیوی ہو یا کم عقل بربری عورت ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔

جہاں تک شیطان کے اس معاملہ کا تعلق ہے کہ اس نے حضرت ایوب کی بیوی کے لیے اموال اور ان کے اہل کو ایک

وادی میں مثالی صورت میں پیش کیے ابلیس کسی حال میں بھی اس پر قادر نہیں نہ ہی وہ جادو کے طریقہ پر ایسا کر سکتا ہے ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسی جنس سے تھا۔ اگر یہ تصور کیا جائے تو آپ کی بیوی پہچان جاتی کہ یہ جادو ہے جس طرح ہم جان لیتے ہیں جبکہ وہ ہماری بنسبت اس بارے میں زیادہ پہچان رکھتی تھی کیونکہ جادو، اس کے بارے میں گفتگو، لوگوں کے درمیان اس کے جاری ہونے اور اس کی تصویر کشی سے کوئی زمانہ آج تک خالی نہیں رہا۔

قاضی نے کہا: جس چیز نے ان اقوال پر جری کر دیا ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں زیادہ گفتگو کی وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **إِذْ نَادَىٰ رَبُّهُ أَلَيْسَ لِي بِمُسْنَى الشَّيْطَانُ بِئُصْبٍ وَعَذَابٍ** ⑤ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شیطان کے مس کرنے کی شکایت کی تو انہوں نے اپنی رائے سے ان چیزوں کو ملا دیا جن اقوال کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جبکہ معاملہ اس طرح کا نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے جبکہ تمام افعال اچھے ہوں یا برے ہوں ایمان ہو یا کفر، اطاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ان کے خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں اور ان کے علاوہ چیزوں کی تخلیق میں بھی کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں لیکن شرک ذکر میں اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا اگرچہ خلق میں اسی سے موجود ہے یہ بطور ادب ہے جس کی بطور ادب ہمیں تعلیم دی گئی اور بطور حمد جو ہمیں سکھایا گیا نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد اسی معنی میں ہے: **وَالْخَيْرُ لِي بِدِينِكَ وَالشَّمْسُ لِي بِكَ**۔ اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے: **وَإِذَا مَرَّضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ** ⑥ (الشعراء) نوجوان نے حضرت کلیم سے یہ کہا تھا: **وَمَا أُنْسِيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ** (الکہف: 63)

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ ایک مظلوم نے مدد طلب کی تو آپ نے اس کی مدد نہ کی کون ہمارے لیے اس قول کی صحت کو ثابت کرے گا یہ امر اس سے خالی نہ ہوگا کہ آپ اس کی مدد پر قادر تھے تو کسی کے لیے بھی اس کو ترک کرنا حلال نہیں پس اس پر ملامت کی جائے گی کہ انہوں نے نافرمانی کی جبکہ حضرت ایوب علیہ السلام اس سے منزہ تھے یا وہ مدد کرنے سے عاجز تھے تو پھر اس وجہ سے ان پر کوئی قدغن نہ ہوئی اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ آپ نے فقیر کو داخل ہونے سے روکا تھا اگر آپ کو علم ہوتا تو یہ ان کے بارے میں کہنا باطل ہے اگر جانتے ہی نہ تھے تو ان پر کوئی قدغن نہیں۔

جہاں تک یہ کہنا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی وجہ سے کافر بادشاہ سے نرمی کی تھی تو تو داہن کا لفظ نہ کہہ بلکہ داری کا لفظ کہہ۔ کافر اور ظالم کو نفس اور مال سے مال کے ذریعے دور کرنا جائز ہے ہاں اچھی گفتگو سے ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

ابن عربی قاضی ابوبکر نے کہا: حضرت ایوب کے بارے میں کچھ ثابت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دو آیات میں جو خبر دی ہے: **وَإِلْيَٰهٖ أُنۢبِیُّوا ۚ وَهُوَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ** (الانبیاء: 83) دوسری سورت میں ہے: **أَلَيْسَ لِي بِمُسْنَى الشَّيْطَانُ بِئُصْبٍ وَعَذَابٍ** ⑤

جہاں تک نبی کریم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ سے کوئی چیز صحیح سند کے ثابت نہیں مگر یہ قول ملتا ہے بینا ایوب یغتسل **إِذْ خَرَّ عَلَیْهِ رِجُلٌ مِّنْ جِرَادٍ مِّنْ ذَهَبٍ** (1)۔



جب حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں آپ سے نہ قرآن اور نہ حدیث سے کوئی چیز ثابت ہے مگر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ کون ہے جو سامع تک اپنی خبر پہنچا دیتا ہے یا کس زبان سے اس نے یہ بات سنی ہے۔ علماء کے نزدیک اسرائیلی روایات قطعی طور پر ترک کر دی گئی ہیں ان کی تحریروں سے اپنی نظر کو دور رکھو اور ان کو سننے سے اپنے کانوں کو بند رکھو کیونکہ اسرائیلیات تجھے صرف خیال عطا کریں گی اور تیرے دل میں سوائے فساد کے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں گی۔

صحیح میں ہے جبکہ الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے سوال کرتے ہو جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے نبی پر نازل کی گئی یہ اللہ تعالیٰ کی خبریں دینے میں سے سب سے نئی ہے تم اسے خالص پڑھتے ہو اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں اس نے تمہارے سامنے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تبدیلی کی ہے اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھیں اور کہا: هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (البقرہ: 79) تمہارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے سے نہیں روکتا نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان میں سے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو تم پر نازل ہوا جبکہ موطا کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو عجیب جانا کہ حضرت عمر تورات کی قراءت کر رہے تھے۔

أُرْغَضَ بِرُجْلِكَ، رُكْضَ سے مراد ہے پاؤں سے دھکیلنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رُكْضَ الدَّابَّةِ وَرُكْضَ ثَوْبَةٍ بِرُجْلِهِ اس نے جانور کو پاؤں مارا۔ اس نے کپڑے کو اپنے پاؤں سے پرے کیا۔ مبرد نے کہا: رُكْضَ کا معنی حرکت دینا ہے اسی وجہ سے اسمعی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے رُكْضَتُ الدَّابَّةِ یہ نہیں کہا جاتا: رُكْضَتُہی کیونکہ رُكْضَ کا معنی ہے سوار کا اپنی ٹانگوں کو حرکت دینا۔ اس سواری کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے یہ کہا: رُكْضَتُ الدَّابَّةِ فَرُكْضَتُ جس طرح یہ جملہ ہے جَبَرْتُ الْعِظَمَ فَجَبَرُوا حَزَنَتَهُ فَحَزِنَ میں نے سواری کو حرکت دی تو اس نے حرکت کی میں نے ہڈی کو جوڑا تو وہ جڑ گئی، میں نے اسے غمگین کیا تو وہ غمگین ہو گیا؛ کلام میں اضافہ ہے یعنی ہم نے کہا: أُرْكَضَ یہ کسائی کا قول ہے۔

هَذَا مُغْتَسَلٌ بِأَيْدٍ وَشَرَابٌ ① یہ اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت عطا کر دی۔ حضرت ایوب نے پاؤں مارا تو اسکی وجہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو آپ نے اس سے غسل کیا تو ظاہر سے بیماری چلی گئی پھر آپ نے اس سے پانی پیا تو باطن سے بھی بیماری رفع ہو گئی۔ قتادہ نے کہا: یہ دونوں شام کی سرزمین میں دو چشمے ہیں جس سرزمین کو جابہ کہتے ہیں آپ نے ان میں سے ایک سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر سے بیماری کو دور کر دیا اور دوسرے چشمے سے پانی پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن سے بیماری کو دور کر دیا (1)؛ اسی کی مثل حضرت حسن بصری اور مقاتل سے مروی ہے کہ مقاتل نے کہا: گرم چشمہ پھوٹ پڑا آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا تو صحیح و سالم وہاں سے نکلے پھر دوسرا چشمہ پھوٹا تو آپ نے اس سے میٹھا پانی پیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ آپ کے جسم میں جو بھی بیماری ہے وہ جھڑ جائے۔

مغتسل سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے؛ یہ قہمی نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں غسل کیا جاتا ہے۔ مقاتل کا قول ہے جوہری نے کہا: اغتسلت بالماء، غسول اس پانی کو کہتے ہیں جس پانی سے غسل کیا جاتا ہے اسی طرح مغتسل بھی وہ پانی ہے جس کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے مغسل اور مغسل مردوں کے غسل کی جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع مغاسل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کتنا عرصہ آزمائش میں مبتلا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام نے سات سال تک بیماری پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک قید میں رہے مختصر کو عذاب دیا گیا اور سات سال تک اسے درندوں میں محبوس کیا گیا؛ یہ ابو نعیم نے ذکر کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: دس سال تک آپ کی بیماری رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آٹھ سال تک آپ کی بیماری رہی؛ اسے حضرت انس نے مرفوع نقل کیا ہے جسے ماوردی نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسے ابن مبارک نے ذکر کیا ہے۔ یونس بن یزید، عقیل سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام اور انہیں جو آزمائش آئی اس کا ذکر کیا اور یہ ذکر کیا کہ آزمائش جو آپ کو پہنچی تھی وہ اٹھارہ سال تک رہی، قشیری نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ عرصہ چالیس سال تھا۔  
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ اس کے بارے گفتگو سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ رحمة سے مراد نعمت ہے؛ یہ دانشمندیوں کے لیے عبرت ہے۔

وَاِذَا يَدُكَ ضَعْفًا ضَرْبُ بَطْنٍ وَلَا تَحْنُثْ ۚ اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗ اَوْدَابٌ ۝

”اور حکم ملا پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا بڑا خوبوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ۔“  
اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے بارے میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے اس کے سبب کے بارے میں چار اقوال ہیں: (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے کہ ابلیس ایک طبیب کی صورت میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج معالجہ کے لیے اسے دعوت دی تو ابلیس نے کہا: میں اس کا اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب وہ صحت مند ہو جائے تو وہ یہ کہے: تو نے مجھے شفا دی ہے، اس کے سوا میں اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا بیوی نے کہا: ٹھیک ہے بیوی نے اس بارے میں حضرت ایوب علیہ السلام

سے مشورہ کیا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ میں ضرور اسے ماروں گا فرمایا: تو ہلاک ہو وہ تو شیطان تھا۔

2۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا: پہلے جتنی روٹیاں وہ لاتی تھی اس سے زائد وہ روٹیاں لائی تو آپ کو اس کی خیانت کا خوف ہوا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ وہ ضرور اسے ماریں گے۔

3۔ جو یحییٰ بن سلام اور دوسرے علماء نے کہا ہے: شیطان نے اسے گمراہ کیا کہ وہ حضرت ایوب کو مجبور کرے کہ وہ ایک بکری کا بچہ اس کی عبادت کے طور پر ذبح کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے، بیوی نے اس کا ذکر ان سے کیا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ اگر وہ صحت مند ہو گئے تو اسے سو کوڑے ماریں گے۔

4۔ اس نے اپنی مینڈھیاں دو روٹیوں کے عوض بیچیں جب اس نے کوئی چیز نہ پائی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس لے جائے حضرت ایوب علیہ السلام جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو وہ ان مینڈھیوں کا سہارا لیتے اسی وجہ سے آپ نے اس کو مارنے کی قسم اٹھائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی تو اسے حکم دیا کہ ایک گھٹالیں اور اس کے ساتھ ماریں۔ آپ نے چھوٹی ٹہنیاں لیں ان کی تعداد سو پوری کی اور اسے ایک ہی دفعہ مارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضغث سے مراد گھاس کا مٹھا ہے جس میں تر اور خشک تنکے ملے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ٹہنی جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ آیت اس بات کو ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے غلطی کی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کھجوروں کے گچھے سے ماریں؛ یہ حدود میں جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ وہ حد ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو نہ ماریں اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو مارے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **وَاصْرِبْهُنَّ فَضَرْبًا غَيْرُ مُبَرَّجٍ** جس طرح سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے: کہا یہ حکم عام ہے یا صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ یہ حکم صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ مہدوی نے عطاء بن ابی رباح سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم باقی ہے جب کسی نے سوشاخوں کے ساتھ ایک ہی دفعہ مارا تو وہ آدمی بری ہو جائے گا؛ امام شافعی نے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے؛ اسی کی مثل ایک اپاج کے بارے میں حکم دیا جس سے ایک لونڈی حاملہ ہو گئی تھی اور آپ نے حکم دیا کہ آپ شاخوں کا چمھا ماریں جس میں چھوٹی سوشاخیں ہوں وہ ایک ہی دفعہ ماریں۔

تیسری نے کہا: عطا سے کہا گیا کیا آج بھی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا: قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر اس لیے تاکہ آج اس پر عمل کیا جائے اور اسکی پیروی کی جائے۔ ابن عربی نے کہا: عطا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص حکم تھا۔ ابو زید نے ابن قاسم سے وہ امام مالک سے روایت نقل کرتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اس نے ان کو جمع کیا اور پھر ایک ہی دفعہ اسے مارا تو وہ بری نہ ہوگا۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: امام مالک

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے لیکن جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرَعًا وَمِنْهَا جَا (المائدہ: 48) یہ حکم ہماری شریعت کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ولید بن عقبہ کو ایسی چھڑی سے مارا جس کی دو شاخیں تھیں اسے چالیس ضربیں لگائیں امام مالک نے اس کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی: فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً (النور: 2) یہ اصحاب الروای کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں گفتگو کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدلال کیا ہے اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب سے وہ یونس سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہوا یہاں تک کہ بہت ہی کمزور ہو گیا وہ محض ہڈی پر چڑا ہی رہ گیا کسی کی لونڈی اس کے پاس آئی اس کے دل میں لونڈی کے لیے میلان پیدا ہوا اور اس سے اپنی خواہش پوری کر بیٹھا جب اس کی قوم کے افراد اس کے پاس آئے تاکہ اس کی عیادت کریں تو اس مریض نے انہیں سب واقعہ بیان کر دیا اور کہا: میرے لیے حضور ﷺ سے فتویٰ طلب کرو میں نے ایک لونڈی سے خواہش پوری کی ہے جو میرے پاس داخل ہوئی تھی انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا انہوں نے عرض کی: ہم نے کسی میں ایسی تکلیف نہیں دیکھی جو اس کو لاحق ہے اگر ہم اسے آپ کے پاس اٹھا کر لائیں تو اس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جائیں گی وہ محض ہڈیوں پر چڑا ہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ سو چھوٹی شاخیں لائیں اور ایک ہی دفعہ اسے ماریں۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا میں فلاں کو سو کوڑے ماروں گا یا سو ضربیں لگاؤں گا اس نے ضربا شدید کا ذکر نہیں کیا اور دل میں اس کی نیت بھی نہ کی تو اس کے لیے وہی ضرب کافی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ حانث نہ ہوگا۔

ابن منذر نے کہا: جب ایک آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اور اس نے اسے ہلکے ہلکے کوڑے مارے تو وہ قسم سے بری ہو جائے گا: یہ امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے کہا: ضرب وہی ہے جو درد دے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَلَا تَخْنُثْ یہ ارشاد اس عمل پر دلیل ہے کہ قسم میں استثناء حکم کو ختم نہیں کرتی اگرچہ وہ مترانہ ہی کیوں نہ ہو اس کے بارے میں بحث سورہ مائدہ میں گذر چکی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَنْثٌ لِّي يَبِينَنِي يَخْنُثُ جب اس نے قسم کو پورا نہ کیا ہو کو فیوں کے نزدیک داؤد زائدہ ہے کلام یوں ہے فاضرب لا تخنث۔

**مسئلہ نمبر 5۔** ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاَصْرِبْ بِهِ وَلَا تَخْنُثْ دو وجہوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے (1): (1) ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا اس میں صرف قسم سے بری ہونا اور قسم توڑنا تھا (2) ان سے نذر صادر ہوئی تھی قسم صادر نہ ہوئی تھی۔ جب نذر معین ہو تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: ہر



نذر میں کفارہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام جب آٹھ سال تک مصیبت میں رہے جس طرح ابن شہاب کی روایت میں ہے تو آپ کے دو صحابہ نے کہا: تحقیق آپ نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے میرا گمان نہیں کسی کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا تم کیوں کہتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گذرتا جو ایک دوسرے کی مدد کرتے تو ہر ایک قسم اٹھاتا یا جماعت کے پاس سے گذرتا جو آپس میں مدد کر رہے ہوتے، میں ان کی قسموں کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا تا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہو وہ اس کا ذکر کرتا ہے یا ذکر نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ۔ تو آپ نے اپنے رب کے حضور یہ ندا کی: اَیُّ مَسْنَى الطُّرِّ وَأَنْتَ اَسْرَحَمُ التَّرْحِیْنِ ۝ (الانبیاء) اور حدیث کا ذکر کیا یہ حدیث تھی یہ فائدہ پہنچاتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ میں کفارہ تھا جس نے بغیر اجازت کے کفارہ ادا کیا تو اس نے اس کی طرف سے فریضہ ادا کیا اور دوسرے سے کفارہ ساقط ہو گیا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** بعض جاہل زاہدوں اور صوفیوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جو یہ ارشاد فرمایا: اُسْرَحَمُ الطُّرِّ اَسْرَحَمُ اس میں رقص کا جواز ہے۔ ابو فرج نے کہا: یہ تو غیر ذمہ دارانہ استدلال ہے کیونکہ اگر آپ کو پاؤں مارنے کا حکم خوشی سے ہوتا تو اس میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا آپ کو پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ پانی نکلے۔

ابن عقیل نے کہا: وہ آدمی جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کے بارے میں کہاں دلالت موجود ہے کہ جب مصیبت رفع ہو تو وہ زمین پر اپنا پاؤں مارے تا کہ پانی کا چشمہ ابل پڑے کہ یہ رقص کا اعجاز ہے اگر یہ جائز ہو کہ پاؤں کو حرکت دینا یہ اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے صادر ہوا اَصْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرہ: 60) تو اس میں یہ دلالت ہوتی کہ دشمن کو شاخوں سے مارا جائے ہم شرع کے ساتھ اس کھیل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض کوتاہ اندیشوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: اَنْتَ مَقِيٌّ وَاَنَا مِنْكَ تُوْ آپ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت جعفر سے فرمایا: اَشْبَهْتَ خُلُقِيَّ وَخُلُقِيَّ تُوْ وہ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت زید سے فرمایا: اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا تُوْ وہ ایک ٹانگ پر چلے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے جبکہ نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ رہے تھے اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ”جمل“ کا تعلق ہے یہ چال کی ایک نوع ہے جو خوشی کے موقع پر اپنائی جاتی ہے یہ چال اور رقص کہاں۔ اسی طرح حبشیوں کا ”زفن“ یہ بھی چال کی ایک صورت ہے جو جنگ کے موقع پر اپنائی جاتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** اِنَّآ وَجَدْنَاهُ صَٰہِرًا یعنی ہم نے اسے آزمائش میں صابر پایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗٓ اَوَْابٌ ۝ وہ توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اور مطیع ہیں۔ سفیان سے ان دو افراد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک کو آزمایا گیا تو اس نے صبر کیا دوسرے پر انعام کیا گیا اس نے شکر کیا تو فرمایا: دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے دونوں بندوں کی تعریف کی ہے ان میں سے ایک صابر تھا اور دوسرا شاکر تھا دونوں پر ایک جیسی تعریف کی حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف میں کہا: نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں کہا گیا: نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝۔

میں کہتا ہوں: صاحب القوت نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس فقیر کی غنی پر فضیلت کا ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو کی جس کے ذریعے اپنی کلام کو قوی کیا ہم نے اس کا ذکر کتاب منہج العباد و محجة السالکین و الزہاد میں کیا ہے ان پر یہ امر مخفی رہا کہ آزمائش سے قبل اور اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام غنی انبیاء میں سے تھے آپ کا امتحان آپ کے مال اور اولاد کے چلے جانے اور جسم میں پڑی بیماری کی صورت میں ہوا تھا اسی طرح دوسرے انبیاء نے بھی صبر کیا جو بھی ان پر امتحان آیا اور انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام جس کیفیت میں امتحان میں داخل ہوئے اس کیفیت میں اس سے نکلے نہ ان کی حالت بدلی اور نہ ہی ان کی گفتگو بدلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام معنی مقصود میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے وہ تبدیلی کا نہ ہوتا تھا جس میں بعض لوگ بعض پر فضیلت رکھتے ہیں اس اعتبار سے غنی شاکر اور فقیر صابر برابر ہیں بات اسی طرح ہے جس طرح سفیان نے کہی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن شہاب نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نکلے جب وہ اپنی حاجت کے لیے اس کی طرف نکلا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنا پاؤں زمین کی طرف مارو، یہ ٹھنڈا پانی ہے اور مشروب ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا گوشت، بال اور جلد خوبصورت ترین انداز میں لوٹادی پھر اس پانی کو پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں جو درد یا کمزوری تھی اس کو دور کر دیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان کے لیے سفید کپڑے اتارے ایک کو آپ نے تہبند بنایا اور دوسری کو چادر بنایا پھر چلتے ہوئے اپنے گھر کی طرف آئے اور بیوی پر آنے میں دیر کی وہ بیوی آئی یہاں تک کہ آپ کو ملی جبکہ وہ آپ کو پہچان نہیں رہی تھی اس نے آپ کو سلام کیا پوچھا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے: کیا تو نے اس آزمائش میں پڑے آدمی کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ بیوی نے کہا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی کو تجھ سے بڑھ کر اس سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ تندرست تھے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک گھٹا لیا اور بیوی کو مارا۔ ابن شہاب نے گمان کیا ہے: وہ گھٹا تمامہ بوٹی کا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل اور ان کی مثل ان کی طرف لوٹا دیئے ایک بادل آیا وہ اس جگہ سونے کے ساتھ برسا جہاں گندم صاف کی جاتی یہاں تک کہ اس جگہ کو بھر دیا ایک دوسرا بادل اسی جگہ کی طرف آیا جہاں جو صاف کیے جاتے اور قحطانیہ (چنے کی قسم کے دانے) صاف کیے جاتے وہ چاندی کے ساتھ برسا یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔

وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولٰٓئِیْنِ وَ الْاَبْصٰرِ ۝ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالَصُوْذِکْرِ الدّٰرِیْنِ ۝ وَ اِنّٰہُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْاَخْیَارِ ۝

”اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی، اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے تھے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبدنا پڑھا ہے یہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن عیینہ نے عمرو سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ مجاہد، حمید ابن محیصن اور ابن کثیر کی قراءت ہے اس قراءت کی بنا پر ابراہیم، عبدنا سے بدل ہوگا اور اسحاق و یعقوب اس پر معطوف ہونگے اس صورت میں ابراہیم اور مابعد اس کا بدل ہونگے۔

عربی لغت کے مطابق اس کی شرح یہ ہوگی جب تو کہے: رایت اصحابنا زیدا و عمروا و خالداتوا اس صورت میں زید، عمرو، خالد بدل ہونگے وہی اصحاب ہیں جب تو کہے: رایت صاحبنا زیدا عمروا و خالداتوا صرف زید بدل ہوگا عمرو اور خالد کا عطف صاحبنا پر ہوگا وہ مصاحبت میں داخل نہیں مگر اس کے علاوہ دلیل سے، مگر اسے یہ علم ہے و اسحاق و یعقوب عبودیت میں داخل ہیں۔

جس نے یہ کہا تھا کہ ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں اس نے اسی آیت سے استدلال کیا جس طرح ہم نے اپنی کتاب الأعلام بمولد النبی علیہ السلام میں ذکر کیا ہے؛ یہی قول صحیح ہے۔  
أُولَ الْأَيُّوْمِ وَالْأَبْصَارِ نحاس نے کہا: جہاں تک الابصار کا تعلق ہے اس کی تاویل پر توافق ہے کہ یہاں بصائر سے مراد دین اور علم میں بصیرتیں ہیں جہاں تک الْأَيُّوْمِ کا تعلق ہے تو اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ اہل تفسیر کہتے ہیں: اس سے مراد قوت ہے ایک قوم کہتی ہے: الْأَيُّوْمِ یہ یس کی جمع ہے جس سے مراد نعمت ہے وہ نعمتوں والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ انعام و احسان کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے احسان کیا اور بھلائی کو آگے بھیجا، یہ طبری کا نقطہ نظر ہے۔

وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ⑤ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ادناس سے پاک کیا اور اپنی رسالت کے لیے پسند کیا مصطفین یہ مصطفیٰ کی جمع ہے اصل میں مصطفیٰ تھا۔ سورہ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ۔ آیت 132۔ اختیار یہ خیر کی جمع ہے۔

اعمش، عبدالوارث، حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے اولی الایدیا کے بغیر پڑھا ہے یہ وقف اور وصل کی صورت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وہ قوی تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی جماعت کی قراءت کے مطابق ہو اور یا تخفیف کے طور پر حذف ہو۔

إِنَّا آخَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةِ كَرَمِ الدَّارِ ⑥ عام قراء کی قراءت بخالصۃ تنوین کی صورت میں ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا اختیار ہے۔ نافع، شیبہ، ابو جعفر اور ہشام نے ابن عامر سے بخالصۃ ذکر الدار اضافت کی صورت میں پڑھا ہے جس

نے خالصۃً پر تنوین پڑھی ہے اس نے ذکر الی الدار کو بدل بنایا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: اِنَّا اٰخْلَصْنَا هُمْ بِاَنْ يَذْكُرُوا الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ہم نے انہیں خالص کیا کہ وہ دار آخرت کو یاد کریں، اس کے لیے تیاری کریں، اس میں رغبت کریں اور لوگوں میں رغبت دلائیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ خالصۃً، خلص کا مصدر ہو ذکر الی دفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ فاعل ہے معنی ہوگا ہم نے انہیں خالص کیا یعنی میں نے ان کے لیے دار آخرت کے ذکر کو خالص کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ خالصۃً، اخلصت کا مصدر ہو تا زیادتی حذف ہوگئی اس صورت میں ذکر الی محل نصب میں ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی بان اخلصوا ذکر الی الدار۔

دار سے مراد دنیا لینا بھی جائز ہے معنی یہ ہوگا وہ دنیا سے نصیحت حاصل کریں اس میں زہد اپنائیں تاکہ ان کے لیے اچھی تعریف خالص ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ (مریم: 50) یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد دار آخرت ہو اور مخلوق کو یاد دلا کر نصیحت کی گئی جس نے خالصہ کو الدار کی طرف مضاف کیا ہے تو اس صورت میں یہ الا خلاص کے معنی میں مصدر ہے الذکر مفعول بہ ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے اور خالصہ یہ مصدر ہے خلوص کے معنی میں ہے یعنی میں نے ان کے لیے دار کا ذکر خالص کر دیا۔ دار سے مراد دنیا ہو یا آخرت ہو جس طرح پہلے گزرا ہے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہوگا وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں وہ اس میں رغبت رکھتے ہیں اور دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے ہم نے ان کے لیے جنت کا ذکر کیا۔

وَ اذْكُرْ اِسْمَاعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكُفْلِ ۝ وَ كُلُّ مِّنْ الْاٰخِيَارِ ۝ هٰذَا ذِكْرٌ ۝ وَ اِنَّ  
لِّلْمُتَّقِيْنَ لِحُسْنِ مَّآبٍ ۝ جَنَّتٍ عَدْنٍ مُّفْتَحَةٌ لَّهُمْ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا  
يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِقَآكِهِمْ كَثِيْرَةً وَّ شَرَابٍ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قُصْرٰتُ الظَّرْفِ اَشْرَابٌ ۝  
هٰذَا مَآثُوْرُ الْعٰدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهُ مِنْ نِّفَادٍ ۝

”اور یاد فرمائیے: اسماعیل، یسع، اور ذی الکفل کو یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں یہ نصیحت ہے، اور بے شک پر ہیزگاروں کے لیے عمدہ ٹھکانہ ہے، سدا بہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم مثل (حوریں) ہوں گی یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روز حساب (تمہیں ملے گا)۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔“

حضرت یسع کا ذکر سورۃ الانعام اور ذی الکفل کا ذکر سورۃ الانبیاء میں گذر چکا ہے ان میں سے ہر ایک کو نبوت کے لیے چنا گیا ہے۔ دنیا میں یہ ان کا ذکر جمیل ہے اور ایسا شرف ہے جس کے ساتھ دنیا میں ان کا ذکر کیا جاتا رہے گا دنیا میں اس ذکر کے ساتھ ساتھ قیامت میں اچھا ٹھکانہ ہے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی جُنتِ عَدْنٍ۔ لغت میں عدن کا معنی ٹھہرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عدن بالمكان جب وہ مقیم ہو۔



حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہتے ہیں جس کے ارد گرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر پانچ ہزار دھاری دار یعنی چادریں ہیں اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر نبی، صدیق اور شہید۔ مفتحة ترکیب کلام میں حال بن رہا ہے۔

الْأَبْوَابُ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ زجاج نے تقدیر کلام یوں کی ہے مفتحة لهم الأبواب منها فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے مفتحة لهم ابواب یعنی ابواب پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ فراء نے اس قراءت کو بھی جائز قرار دیا ہے مُفْتَحَةٌ لَهُمُ الْأَبْوَابُ یعنی الابواب کو نصب دی ہے۔ فراء نے کہا: اصل میں مفتحة الابواب ہے پھر تنوین لایا اور الابواب کو نصب دی۔

فراء اور سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

وَنَأْخُذُ بَعْدَهُ بِذِنَابٍ عَيْشٍ أَجَبَ الظَّهْرَ لَيْسَ لَهُ سَنَامٌ

ہم اس کے بعد زندگی کی دموں کو پکڑنے والے ہو گئے کمزوری کی وجہ سے جس کی کہان نہیں۔

یہاں مفتحة فرمایا مفتوحة نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حکم کے ساتھ کھولا گیا ہے ہاتھ لگانے سے وہ نہیں کھلے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یوں کہا جاتا ہے انفتحي فتنتخ، انغلقی فتغلق (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کے لیے دروازے کھولیں گے۔

مُتَّكِئِينَ فِيهَا یہ حال ہے جسے عامل پر مقدم کر دیا گیا ہے عامل يَذْعُونَ ہے یعنی وہ جنات میں طلب کرتے ہوں گے، جبکہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے، رنگارنگ پھل اور کثیر مشروب کیونکہ کلام دلالت کر رہی ہے اس لیے کثیر کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قُصُورُ الطَّرَفِ ایسی بیویاں ہوں گی جو اپنی نظریں خاوندوں تک محدود رکھتی ہیں کسی اور طرف نظر نہیں کرتیں سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ أَشْرَابٌ ⑤ ہم عمران کی عمریں ایسی ہوں گی گویا سب ایک ہی دن میں پیدا ہوئی ہیں وہ حسن، جوانی میں برابر ہیں اور تینتیس سال کی ہوں گی۔

اتراب، ترب کی جمع ہے یہ قاصرات کی صفت ہے کیونکہ قاصرات کمرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ الف لام اس پر داخل ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

مِنَ الْقَاصِرَاتِ الطَّرَفِ لَوْدَبٌ مُّخَوِّلٌ مِّنَ الذَّرِّ فَوْقَ الْإِثْبِ مِنْهَا لَأَثَرًا

وہ جھکی نظروں والی ہیں اگر ایک باریک چوٹی ان کی قمیص کے اوپر سے گزرے تو وہ بھی اثر چھوڑ جاتی ہے۔

هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ⑥ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے ما وعدون أيها المومنون یعنی اے مومنو! یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ابن کثیر، ابن محیسن، ابو عمرو اور یعقوب نے

اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1)؛ یہ سلمیٰ کی قراءت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآپٍ ۝۱۰ پس یہ خبر ہے لِيَوْمِ الْحِسَابِ میں لام، فی کے معنی میں ہے۔ اُشی نے کہا:

السَّهِينِينَ مَالَهُمْ لِيَوْمِ السَّوَاءِ حَتَّى إِذَا أَفَاقَ أَفَاقُوا

وہ ذلیل و رسوا ہیں برے زمانے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں جب زمانہ کو افاقہ ہوتا ہے تو انہیں افاقہ ہوتا ہے۔

اس شعر میں لام، فی کے معنی میں ہے۔

إِنَّ هَذَا الرِّزْقُ مَالُهُ مِنْ تَفَادٍ ۝۱۱ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جنت کی نعمتیں ہمیشہ ہونگی ختم نہ ہونگی جس طرح فرمایا:

عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْدُوذٍ ۝۱۲ (ہود) فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝۱۳ (التین)

هَذَا ۝۱۴ وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَآپٍ ۝۱۵ جَهَنَّمَ ۝۱۶ يَصْلَوْنَهَا ۝۱۷ فَيُسَّ إِلَيْهَا ۝۱۸ هَذَا ۝۱۹ فَلْيَذُوقُوا حَيْمٌ وَغَسَاقٌ ۝۲۰ وَآخِرُ مِنْ شَكْلَةٍ ۝۲۱ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ ۝۲۲ مَعَكُمْ ۝۲۳ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۝۲۴ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۲۵ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ ۝۲۶ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۝۲۷ أَنْتُمْ قَدْ مَشُوءَ لَنَا ۝۲۸ فَيُسَّ الْقَرَارُ ۝۲۹ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ ۝۳۰ عَذَابًا بَاضِعًا فِي النَّارِ ۝۳۱

”یہ تو پرہیزگاروں کے لیے ہے اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانہ ہوگا یعنی جہنم وہ داخل ہوں گے اس میں تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہوگا۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہیے کہ وہ اسے چکھیں اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب، یہ دوسری فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے: ظالمو! تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے یہی آگے کیا اس عذاب کے لیے، سو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس بد بخت نے آگے کیا ہے ہمارے لیے یہ عذاب پس بڑھادے اس کا عذاب دو گنا آگ میں۔“

جب متقین کا ذکر کیا تو سرکشوں کے انجام کا بھی ذکر کیا۔ زجاج نے کہا: هَذَا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے الامر هذا ایل وجہ سے هَذَا پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: هَذَا پر وقف اچھا ہے پھر تَوَّاءَ لِلظَّالِمِينَ سے کلام کا آغاز کرے گا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

مَآپٍ ۝۱۵ سے مراد لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف وہ لوٹیں گے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی: جَهَنَّمَ ۝۱۶ يَصْلَوْنَهَا ۝۱۷ فَيُسَّ إِلَيْهَا ۝۱۸ انہوں نے جو اپنے لیے ٹھکانہ تیار کیا ہے وہ کتنا برا ہے یا یہ بستران کے لیے کتنا برا ہے اسی سے بچنے کا ٹکھوڑا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے بنس موضع المهاد۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ جس کی صفت بیان کی گئی ہے وہ ان متقین کے لیے ہے پھر فرمایا کہ سرکشوں کے لیے لوٹنے کی بری جگہ ہے، تو اس صورت میں لُذًا پر وقف کیا جائے گا۔

هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَبِيمٌ وَعَسَاقٌ ۝ هَذَا مَبْتَدَا هُوْنِ كِي حَيْثِيْت سَعْل رَفْع ميْن هِي اس كِي خبر حَبِيم هِي كَلَام ميْن تَقْدِيم وِتَاخِير هِي تَقْدِير كَلَام يِه هِي هَذَا حَبِيم وِعَسَاق فليذوقوه، فَلْيَذُوقُوهُ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ هَذَا مَبْتَدَا هُوْنِ كِي حَيْثِيْت سَعْل مَرْفُوع هُو اور فَلْيَذُوقُوهُ خبر ہو فعل پر فاء اس لیے آئی ہے کیونکہ هَذَا ميْن الذی کا معنی پایا جاتا ہے اس صورت ميْن فَلْيَذُوقُوهُ پر عطف کیا جائے گا اور حَبِيم کو اس تقدیر کی بنا پر رفع دیا جائے گا هَذَا حَبِيم۔

نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو الأمر هَذَا حَبِيم اور عَسَاق کو جب تو خبر نہ بنائے تو ان دونوں کا رفع اس تقدیر پر ہوگا ہو حَبِيم وِعَسَاق فراء نے اس تعبیر کی بنا پر دونوں کو رفع دیا ہے۔ منہ حَبِيم و منہ عَسَاق اور یہ شعر پڑھا:

حَتَّى إِذَا مَا أَضَاءَ الضُّبْحُ فِي غَلَسٍ وَغُودِرَ الْبَقْلُ مَلُوجِي وَمَحْصُودُ  
جب تاریکی ميْن صبح روشن ہوئی سبزیوں کو چھوڑ دیا گیا ان ميْن سے کچھ لپٹی ہوئی تھیں اور کچھ کٹی ہوئی تھیں۔  
محل استدلال ملوی و محصود ہے اصل ميْن منہ ملوی اور منہ محصود تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لَهَا مَتَاعٌ وَاعْوَانٌ غَدَاؤُنْ بِهِ قِشْبٌ وَغَرْبٌ إِذَا مَا أُفْرَغَ انْحَسَفَا

یہ بھی جائز ہے کہ هَذَا محل نصب ميْن ہو اور فعل مضمر ہو جس کی تفسیر فَلْيَذُوقُوهُ بیان کرتا ہے اور حَبِيمٌ وِعَسَاقٌ سے تو نئی کلام شروع کرے گا تقدیر کلام یوں ہوگی الأمر حَبِيم وِعَسَاق۔

اہل مدینہ، اہل بصرہ اور بعض کوفیوں کے نزدیک عَسَاق ميْن قراءت سین کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی نے عَسَاق تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ انفش کے قول ميْن دونوں لغتیں ایک ہی معنی ميْن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی مختلف ہے جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت ميْن یہ محض اسم ہوگا جیسے عذاب، جواب، صواب، جس نے اسے مصدر پڑھا ہے اس نے کہا: یہ اصل ميْن اسم مبالغہ ہے جو مبالغہ کے طریقہ پر فعال کی طرف نقل کیا گیا ہے جیسے ضراب، قتال۔ یہ غسق یغسق سے فعال کے وزن پر ہے اس سے اسم فاعل عَسَاق اور غاسق کے وزن پر آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ٹھنڈک ہے جو انہیں اپنی ٹھنڈک کے ساتھ خوفزدہ کرے گی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایسی برف ہے جس کی ٹھنڈک انتہاء کو پہنچی ہوئی ہوگی (1)۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ اپنی سردی کے ساتھ اسی طرح جلائے گی جس طرح حیم اپنی گرمی کے ساتھ جلائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: گاڑھی پیپ ہوگی اگر اس ميْن کوئی چیز مشرق ميْن گرے تو جو مغرب ميْن ہوگا وہ اس کی وجہ سے بدبودار ہو جائے گا اگر اس ميْن سے کوئی چیز مغرب ميْن گرے تو جو مشرق ميْن ہیں اس سے بدبودار ہو جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جو بدکاروں کی شرمگاہوں

سے اور کافروں کے گوشتوں اور ان کی جلدوں سے کچ لہو اور پیپ میں سے بدبودار چیز نکلے گی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ جہنیموں کا چرمن ہے، یہ قول لغت کے زیادہ مشابہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَسَقَ الْجَرَمُ يَغْسِقُ غَسَقًا يَهْ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس سے زیادہ پانی نکلے۔ شاعر نے کہا:

إِذَا مَا تَذَكَّرْتُ الْحَيَاةَ وَطَيْبَهَا      إِلَى جَرَى دَمْعٍ مِنَ اللَّيْلِ غَاسِقُ

جب میں نے زندگی اور اس کی اچھائی کو ظاہر کیا تو آنکھ سے ٹھنڈا آنسو بہہ پڑا۔

یہ کہا جاتا ہے لیل غاسق کیونکہ وہ دن سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: غساق سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی آنکھوں اور آنسوؤں سے بہے جسے وہ حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے ساتھ پیتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: حمیم سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جو جہنم کے حوضوں میں جمع ہونگے جسے وہ پیئیں گے۔ صدید اسے کہتے ہیں جو ان کے چمڑوں سے نکلے گی۔ اس قول کو اختیار کرنے کی بنا پر غساق سیال کی طرح ہوگا۔ کعب نے کہا: غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں بچھو اور سانپ وغیرہ کا زہر اس کی طرف بہتا رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ظلمت اور سواد سے ماخوذ ہے، غسق سے مراد رات کی تاریکی کا آغاز ہے قد غسق الليل اس وقت کہتے ہیں جب وہ تاریک ہو جائے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَوْ أَنَّ دُلُومَنَ غَسَقَ يَهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَانْتَنَ أَهْلُ الدُّنْيَا أَوْ غَسَقَ كَأَيِّكَ دُولُ دُنْيَا مِثْلَ بَهَا يَجَايَ تَوْدُنْيَا دَالِے بَدُودَارِ هُوَ جَايَ كَيْسَ گے۔

میں کہتا ہوں: یہ پہلے اشتقاق کے زیادہ مناسب ہے جس طرح ہم نے بیان کیا مگر یہ احتمال موجود ہے کہ غساق بننے کے ساتھ سیاہ ہو جائے تو دونوں اشتقاق صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَآخِرُ مِنْ شَكْلَةٍ آذَوَاجٍ ⑤ ابو عمرو نے وَاخِرَ پڑھا ہے یہ آخری کی جمع ہے جس طرح کُبْرَى کی جمع کُبَرَاتُ ہے۔ باقی قراء نے اسے وَاخِرَ مفرد مذکر پڑھا ہے ابو عمرو نے وَاخِرَ کا انکار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آذَوَاجٍ جمع کی خبر واحد سے نہیں لگائی جاتی۔ عاصم مجہوری نے وَاخِرَ کا انکار کیا ہے اگر یہ وَاخِرَ ہوتا تو کلام یوں ہوتی مَن شَكْلَهَا دُونِ اَمْرٍ لَازِمٌ نَہِیْ دُونِ قِرَاءَتِیْ صَحِیْحٌ ہوں وَاخِرَ ہو تو معنی یہ ہوگا حمیم اور غساق کے سوا دوسرا عذاب۔

مِنْ شَكْلَةٍ قَادَہ نے کہا: اسی کی مثل حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ زمہریر ہے وَآخِرُ مَرْفُوعٌ ہے (1) کیونکہ یہ مبتدا ہے آذَوَاجٍ یہ دوسرا مبتدا ہے مِنْ شَكْلَةٍ یہ اس کی خبر ہے اور جملہ (آخِر) کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ وَآخِرُ مبتدا ہو اور اس کی خبر مضمون ہو جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے هَذَا قَلِيلٌ وَقُوَّةٌ حَمِيمٌ وَغَسَاقٌ ⑤ کیونکہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ انہیں کے لیے ہے گویا یہ کلام کی دلہم آخر تو اس صورت میں مِنْ شَكْلَةٍ آذَوَاجٍ، آخِرُ کی صفت ہوگی پس مبتدا صفت کے ساتھ خاص ہو جائے گا آذَوَاجٍ ظرف کے ساتھ مرفوع ہے۔ جس نے وَآخِرُ پڑھا اس نے ارادہ کیا عذاب کی اور قسموں کا، جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا اور زمہریر کا ارادہ کیا تو زمہریر کی کئی جنسیں بنائیں تو اسے جمع ذکر کیا کیونکہ جنس مختلف ہیں یا ان سے ہر جز کو



زمہریر بنا دیا پھر اس کی جمع بنائی جس طرح عربوں نے کہا: شابت مفارقه یاء جمع کا صیغہ ہے کیونکہ کلام میں جمع کے جواز پر دلالت موجود ہے کیونکہ زمہریر جو سردی کی انتہاء کو کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جمع کے مقابل ہے: هَذَا فَلْيَذُقُوا حَيْثُمْ وَغَسَّاقِي ۝ شَكْلَةٍ مِّنْ ضَمِيرٍ جَائِزٍ ہے کہ وہ حمیم یا غساق کی طرف لوٹے یا اس معنی کی طرف لوٹے جو ہم نے وَ اخْرُ مِنْ شَكْلَةٍ میں ذکر کیے ہیں آخر کو جب جمع کے صیغہ کی حیثیت سے پڑھیں گے تو یہ مبتدا ہونے کی حیثیت میں مبتدا ہوگا مِنْ شَكْلَةٍ اس کی صفت ہوگا اس میں ضمیر مذکر ہے جو مبتدا کی طرف لوٹی ہے اور اَزْوَاجٍ مبتدا کی خبر ہے یہ جائز نہیں کہ اس تقدیر پر اسے محمول کیا جائے وَلَهُمْ اخْرُ مِنْ شَكْلَةٍ اس کی صفت ہو اور ازواج ظرف کے ساتھ مرفوع ہے جس طرح یہ افراد میں جائز ہے کیونکہ جب ازواج مرفوع ہو تو صفت میں کوئی ضمیر نہ ہوگی؛ یہ ابوعلی نے کہا۔ اَزْوَاجٍ کا معنی عذاب کی اصناف و الوان ہیں۔ یعقوب نے کہا: جب شکل شین کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مثل ہوگا اور جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسی عورت ہوگا جو اچھی گفتگو کرنے والی، اچھے مزاج اور بہیت والی ہوگی۔

هَذَا قَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قائدین جہنم میں داخل ہوں گے (1) پھر ان کے بعد ان کے پیروکار داخل ہونگے تو خازن، سرداروں کو کہیں گے: یہ تمہارے پیروکار ہیں۔ قوج کا معنی جماعت ہے مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں تو سردار کہیں گے: ان کی منازل آگ میں خوشگوار نہ ہوں گی۔ الرحب کا معنی وسعت ہے اسی سے رجة المسجد ہے یعنی مسجد کا صحن۔ یہ دعا کے لیے لفظ استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے نصب دی جاتی ہے نابغہ نے کہا:

لَا مَرْحَبًا بِغَدٍ وَلَا أَهْلًا بِهِ إِنْ كَانَ تَفْرِيقُ الْأَحِبَّةِ فِي غَدٍ

کل کو نہ مرحبا ہے اور نہ ہی اہلاد سہلا ہے اگر کل دوستوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے۔

ابو عبید نے کہا: عرب کہتے ہیں لا مرحبا بک۔ نہ تیرے لیے زمین خوشگوار ہوئی اور نہ ہی وسیع ہوئی۔

إِنَّهُمْ صَالُوا النَّاسِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائدین کا قول ہے؛ یہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں جس طرح ہم نے انہیں جہنم میں داخل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملائکہ کا قول ہے یہ ان کے قول هَذَا قَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ اور قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ کے ساتھ متصل ہے؛ یہ تبعین کا قول ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ پہلی جماعت مشرکین کے سردار اور بدر کے روز انہیں کھانا کھلانے والوں کی ہوگی، دوسری جماعت بدر میں ان کی اتباع کرنے والوں کی ہوگی۔ آیت کا ظاہر اس پر دل ہے کہ یہ ہر تابع اور متبوع کو عام ہے۔

أَنْتُمْ قَدْ مُتُّمُوهُ لَنَا یعنی تم نے ہمیں عصیان کی طرف دعوت دی فَيُخَسِّسُ الْقَرَأُ ہمارا اور تمہارا ٹھکانہ کتنا برا ہے قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا أَپِروکاروں نے کہا: فراء نے کہا: جس نے ہمارے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا اور اس کی سنت قائم کی۔ دوسرے علماء نے کہا: جس نے ہمارے حق میں عذاب کو مقدر کیا کہ ہمیں معاصی کی طرف دعوت دی فَيُذَكِّرُ عَذَابًا ضَعُفًا

فی الناس ① یعنی ان کے حق میں اس وجہ سے بھی عذاب مقدر ہے کہ انہوں نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا تو اس طرح ان کے حق میں یہ دگنا ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: عَذَابًا ضَعُفًا سے مراد چھوٹے بڑے سانپ ہیں (1) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا تَهَاقُؤْا لَّاۤءِۤ اَصْلُوۡنَا فَاَتٰہُمْ عَذَابًا ضَعُفًا مِّنَ النَّاسِ (الاعراف: 38)

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّہُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ② اَتَّخَذُوۡنَہُمْ سِحْرٰیۤ اَمْ رَاٰہُمْ اِلَّا بَصَاصًا ③ اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقُّ تَخَاصُّمِ اَہْلِ النَّاسِ ④

”اور کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آرہے یہاں وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔“

وَقَالُوا یعنی مشرکین کے اکابر نے کہا: کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم شریر شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ اشرار سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لیتے۔ ابو جہل کہے گا: بلال کہاں ہے، صہیب اور عمار کہاں ہے؟ وہ فردوس میں ہونگے۔ ابو جہل پر تعجب ہے وہ بیچارہ مسکین، اس کا بیٹا حضرت عکرمہ مسلمان ہو گیا اسکی بیٹی جو یہ مسلمان ہو گئی اس کی ماں مسلمان ہو گئی اور اس کا بھائی مسلمان ہو گیا جبکہ اس نے کفر کیا۔ شاعر نے کہا:

وَنَوْرًا اَضَاءَ الْاَرْضَ شَرْقًا وَ مَغْرِبًا      وَ مَوْضِعًا رَجُلٍ مِنْہُ اَسْوَدُ مُظْلِمٌ

وہ نور جس نے زمین کے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور میرے قدم کی جگہ اس سے تاریک و سیاہ ہے۔

اَتَّخَذُوۡنَہُمْ سِحْرٰیۤ مجاہد نے کہا: ہم نے دنیا میں ان کا مذاق اڑایا تو ہم نے غلطی کی اَمْ رَاٰہُمْ اِلَّا بَصَاصًا ③ یا ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں تو ہم ان کا مکان نہیں جانتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، انہوں نے صحابہ کا مذاق اڑایا اور دنیا میں ان کی آنکھیں ان سے پھر گئی تھیں کیونکہ وہ انہیں حقیر خیال کرتے تھے (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْ رَاٰہُمْ اِلَّا بَصَاصًا کا معنی ہے کیا وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں ہم انہیں دیکھتے نہیں ابن کثیر، اعمش، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی قن الا شراہ ② اَتَّخَذُوۡنَہُمْ پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ وصلی کو حذف کرتے تھے۔ ابو جعفر، شبیب، نافع، عاصم اور ابن عامر اتخذناہم پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ استفہام کا ہمزہ قطعی پڑھتے اور ہمزہ وصل ساقط ہو گیا کیونکہ اب اس سے استغناء ثابت ہو چکی ہے جس نے الف کے حذف کے ساتھ پڑھا تو وہ الا شراہ پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اتخذناہم حال ہے۔ نحاس اور سمستانی نے کہا: یہ رجال کی صفت ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ لغت نہ تو ماضی کا صیغہ ہوتا ہے نہ ہی مستقبل کا صیغہ ہوتا ہے۔

جس نے اتخذناہم ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے اس نے الا شراہ پر وقف کیا۔ فراء نے کہا: یہاں استفہام تو بیخ اور

تعجب کے لیے ہے جب تو اتنا خدا ہم کو استفہام کے ساتھ پڑھے تو امتسویہ کے لیے ہوگا جب تو استفہام کے بغیر پڑھے تو یہ بل کے معنی میں ہوگا۔ ابو جعفر، نافع، شیبہ، مفضل، ہبیرہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ اور کسائی نے سخنا پڑھا ہے باقی نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے کہا: جس نے اس کو کسرہ دیا اس نے اسے ہزء سے بنایا ہے اور جس نے اس کو ضمہ دیا اس کا معنی تسخیر کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۖ لَحَقُّ، إِنَّ کی خبر ہے اور تَخَاصُمُ یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگا ہو تخاصم یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذلک سے بدل ہو معنی ہوگا جہنمیوں کا جہنم میں جھگڑا حق ہے جس طرح یہ قول: لَا مَرْجَاءَ لَكُمْ اور اس جیسے دوسرے اقوال۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَ مَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَوُّا عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَآئِكَةِ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِنَّ يُوحَىٰ إِلَى الْإِلَآءِ أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

”اے حبیب! آپ فرمائیے: میں تو فقط ڈرانے والا ہوں اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بخشنے والا ہے۔ فرمائیے: یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو، مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں۔“

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَ مَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ کا معنی معبود ہے اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ پر رفع صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اگر تو پہلے کو نصب دے تو اسے بھی نصب دے گا پہلے کو رفع اور مابعد کو مدح کے طور پر نصب دینا بھی جائز ہے الْعَزِيزُ کا معنی محفوظ ہے جس کی کوئی مثل نہ ہو الْغَفَّارُ سے مراد جو مخلوقات کے گناہوں کو بخشنے والا ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَوُّا عَظِيمٌ ۝ اے محمد! انہیں کہو حساب، ثواب اور عقاب کے بارے میں جو تمہیں ڈرا رہا ہوں یہ عظیم الشان خبر ہے مناسب نہیں کہ اسے ہلکا جانا جائے؛ یہ قتادہ نے معنی کیا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۝ (النبا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جس نے تمہیں اس کے بارے میں آگاہ کیا ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبأ عظیم سے مراد عظیم منفعت ہے۔

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَآئِكَةِ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ ملا علی سے مراد ملائکہ ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی

کے قول کے مطابق فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ کو تخلیق کیا گیا فرشتوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا (البقرة: 30) ابلیس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے واقعات کی خبر دی اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا نبی کریم ﷺ کی صداقت پر معجزہ قائم ہے انہیں کیا ہو گیا کہ قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے ہیں جبکہ وہ تدبر کر کے آپ کی صداقت کو پہچان سکتے تھے اسی وجہ سے اس قول کو، اس قول: قُلْ هُوَ نَبِيُّ اعْظِيمٍ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ جوڑا ہے۔ دوسرا قول جسے ابواشہب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے رب! نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! ﷺ فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں پوچھا: کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: جماعت کے لیے قدموں پر چل کر جانا، سخت سردی میں اچھی طرح وضو کرنا اور نماز کے بعد مساجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا، پوچھا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی سلام کو عام کرنا، کھانا کھانا، رات کے وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (1)۔ امام ترمذی سے اسی معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث غریب ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2) ہم نے اسے مکمل طور پر کتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں تحریر کیا ہے اور ہم نے اس کے اشکال کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ سورہ یس میں مساجد کی طرف چلنے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے قدم سیات کا کفارہ بنتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں یَخْتَصِمُونَ میں ضمیر دونوں فرقوں کے لیے ہے اس سے مراد ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جس نے یہ کہا وہ ایسے معبود ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملا اعلیٰ سے مراد قریش ہیں ان کے اختصام سے مراد ان کا رازداری سے جھگڑا کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا۔

اِنْ يُّؤْتِ حَىٰ اِلَآ اَنْتَا اَنْتَ الَّذِي تُمَيِّنُ ۝ میری طرف انداز کی وحی کی جاتی۔ ابو جعفر بن قعقاع نے اسے الانسا پڑھا ہے کیونکہ وحی بھی ایک قول ہے گویا کہا: میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ جس نے ہمزہ کو فتحہ دیا اس نے اسے محل رفع میں رکھا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ فراء نے کہا: گویا آپ نے کہا میری طرف انداز کے سوا وحی نہیں کی گئی۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ انسا محل نصب میں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدٰتٍ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجَعُوْنَ ۝ اِلَآ اِبْلِیْسَ ۝ اِسْتَكْبَرُوْا ۝ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝



”اے حبیب! یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے خاص روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔“

اِذْ كَاتَلَتْ يَخْتَصِمُونَ کے ساتھ ہے معنی یہ ہے جب وہ جھگڑ رہے تھے تو مجھے ملا اعلیٰ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اِذْ قَالَ یہ اِذْ يَخْتَصِمُونَ سے بدل ہے يَخْتَصِمُونَ محذوف کے متعلق ہے کیونکہ معنی ہے جب ملا اعلیٰ والے جھگڑ رہے تھے تو مجھے ان کی گفتگو کا کچھ علم نہ تھا اِذْ اَسْوَيْتُهُ اذایہ ماضی کے فعل کو مستقبل کی طرف پھیر دیتا ہے کیونکہ یہ حروف شرط کے مشابہ ہے اس کا جواب حرف شرط کے جواب جیسا ہوتا ہے یعنی جب میں نے اسے پیدا کیا مِنْ ثَرَاوُجِی سے مراد ایسی روح ہے جس کا میں مالک ہوں میرے سوا کوئی اس کا مالک نہیں یہ اضافت کا معنی ہے سورۃ النساء آیت 171 میں وَرُؤُوحٌ مِّنْهُ کے ضمن میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

سُجَّدِیْنَ ⑤ حال کی حیثیت سے منصوب ہے یہ اسلام کا سجدہ تھا سجدہ عبادت نہ تھا۔ سورۃ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجِعُونَ ⑥ انہوں نے حکم کی اطاعت کی اور اس کے سامنے عاجزی کرتے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے سجدہ کیا اِلَّا ابْلَیْسَ ابلیس جہالت کی بنا پر سجدہ سے رک گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ استکبار کے طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رکنا کفر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے امر سے استکبار کیا تھا اس لیے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ سورۃ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ يَا ابْلَیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیْدَیْ ۙ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ⑦ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۙ خَلَقْتَنیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ⑧ قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَٰجِعٌ ۙ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ⑨ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُونَ ⑩ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۙ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ⑪ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا اُغْوِیْئُهُمْ اَجْعِلْ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِیْنَ ⑫

”ارشاد ہوا: اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے، کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ (گستاخ) بولا: میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (اے بے حیا!) نکل جا! تو جنت سے بے شک تو پھنکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر میری لعنت برے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا: اگر یہی اٹل فیصلہ ہے تو میرے رب مجھے مہلت دیجئے روز حشر تک۔ جواب ملا: بے شک تو مہلت دیے

جانے والوں میں سے ہے یہ مہلت مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا: تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا۔“

مَا مَنَعَكَ کس نے تجھے حکم بجالانے سے پھیر دیا اور اس سے روک دیا کہ تو سجدہ کرے لِمَا خَلَقْتُ بَيِّنَاتٍ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا مقصود حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت کا اظہار کا تھا اگرچہ وہ ہر شے کا خالق ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف روح، بیت، ناقہ اور مساجد کو مضاف کیا لوگوں سے اسی طریقہ سے خطاب کیا جس طرح لوگ اپنے معمولات میں آگاہ تھے کیونکہ مخلوقات میں سے رئیس اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا مگر اس شے کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں بھی ید کا ذکر اسی معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا یہاں ید کا ذکر تاکید کے لیے اور زائد ہے اس کا معنی ہے لِمَا خَلَقْتُ اَنَّهُ جِسْرُ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ (الرحمن: 27) اس سے مراد بقی ربک ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ید کے ذکر میں یہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ نعمت، قوت اور قدرت کے معنی میں نہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ید سے مراد قدرت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مالی بهذا الامر ید اس کام کو بجالانے کی مجھ میں طاقت نہیں و مالی بالحمل الثقیل ید ان اس بوجھ کو اٹھانے میں میری طاقت نہیں، اس معنی پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ بالاجماع پیدا کرنا قدرت کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تَحَنَّنْتُ مِنْ عَفَاءِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ دَلِيلُ الْجِبَالِ الزَّاسِيَاتِ يَدَانِ

میں نے عفو سے یہ تکلیفیں اٹھائیں جن کو اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہ تھی اور نہ ہی مضبوط پہاڑوں کو طاقت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِمَا خَلَقْتُ بَيِّنَاتٍ کا معنی ہے جسے میں نے واسطہ کے بغیر پیدا کیا کہا: تو نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا یا تو اپنے رب پر تکبر کرنے والوں میں سے ہے۔ محمد بن صالح، شبلی سے وہ ابن کثیر اور اہل مکہ سے بیدی استکبرت الف موصولہ کے ساتھ جملہ خبریہ کے طور پر پڑھا اَمْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ اَمْ تَكْتُمُونَ اَمْ تَكْتُمُونَ اَمْ تَكْتُمُونَ (ہود: 13) ہے جس نے ہمزہ استفہام پڑھا ہے تو اس کے نزدیک اَمْ متصل ہوگا اور اس کا مابعد ہمزہ کے مابعد کا معاون ہوگا ہمزہ استفہام تقدیر و توئیخ کے لیے ہوگا یعنی جب تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا جانا یا تو اس قوم سے ہے جو تکبر کرتے ہیں تو تو نے بھی اس وجہ سے تکبر کیا۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ فَرَأَى نَارَ عَذَابٍ اَوْ اَشْرَ مِنْهُ اَصْلَ يَهِي بِهٖ مَكْرُ كَثْرَتِ اسْتِعْمَالِ كِي وَجِهٍ سِے ہمزہ حذف ہو گیا۔

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ اس نے آگ کو مٹی پر فضیلت دی جبکہ یہ اس کی جانب سے جہالت تھی کیونکہ جواہر ایک دوسرے کی ہم جنس ہیں۔ اس نے قیاس کیا تو اس نے قیاس میں خطا کی۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

تو جنت سے نکل جا اور تو شہا پچوں سے رجم کیا جانے والا ہے تیرے لیے میری رحمت سے دوری قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ اس نے کیونکہ کفر پر اصرار کیا اس لیے اس امر کی وضاحت کی کیونکہ لعنت تو اس روز منقطع ہو جاتی ہے پھر جب جہنم میں اسے داخل کر دیا جائے گا تو اس کے حق میں لعنت کا ثابت ہونا ظاہر ہو جائے گا قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠﴾ ملعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے موت نہ آئے تو اس کی گزارش قبول نہ کی گئی یہ وہ دن ہے جس میں مخلوق کو موت لاحق ہوگی اس کے ساتھ نرمی کرتے ہوئے اسے مہلت دی گئی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١١﴾ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سبب دھتکارا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائی کہ وہ شہوات کو مزین کرنے اور ان پر شبہات وارد کرنے کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرے گا لَأُغْوِيَنَّهُمْ کا معنی ہے میں انہیں معاصی کی طرف بلاؤں گا جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ وسوسہ کے سوا کسی چیز پر رسائی نہیں رکھتا اگر وہ وسوسہ نہ کرتا تو وہ کسی کی زندگی میں فساد نہیں ڈال سکتا تھا مگر اسی کے لیے ایسا کر سکتا ہے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اسی وجہ سے فرمایا: إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٢﴾ یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کو تو نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر دیا ہے اور جس کو تو نے مجھ سے محفوظ کر دیا ہے۔ سورۃ الحجر میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿١٣﴾ لَا مَلَكَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

أَجْمَعِينَ ﴿١٤﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿١٥﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا

ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ وَلَتَعْلَمَنَّ نَبَأَ الْبَعْدِ حِينَ ۚ

”فرمایا: تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں، میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ آپ فرمائیے: میں نہیں مانگتا تم سے کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے۔ اور (اے کفار) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد۔“

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ﴿١٣﴾ یہ اہل حرمین، اہل بصرہ اور کسائی کی قراءت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عاصم، اعمش اور حمزہ نے پہلے لفظ الحق کو رفع دیا۔ فراء نے اس میں جر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اختلاف نہیں کہ وہ أَقُولُ کی وجہ سے منصوب ہے اور پہلے کو نصب اغراء کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فَاتَّبِعُوا الْحَقَّ وَاسْتَمِعُوا الْحَقَّ دوسرا لفظ الحق اس وجہ سے منصوب ہے کیونکہ قول کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ أَجِبِ الْحَقَّ کے معنی میں ہے۔ ابوعلی نے کہا: پہلا الحق فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يَحِقُّ اللَّهُ الْحَقُّ يَا يَهُدَىٰ قِسْمٌ كِي وَجْهٌ سَعِ مَنْصُوبٌ ہے اور حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: اللَّهُ لَا فَعْلَنَ مَعْنَىٰ هُوَ كَمَا فَرَمَا: حَقٌّ كِي قِسْمٌ! اللَّهُ تَعَالَىٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی وَالْحَقُّ أَقُولُ یہ جملہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان ہے یہ قصہ تاکید کے لیے آیا ہے جب لفظ الحق کو فعل

مضمر کے ساتھ منصوب بنایا جائے گا تو لَا مُلْكُ قِسْم کے ارادہ پر کلام ہوگی۔

فراء اور ابو عبید نے الحق کو حقا کے معنی میں کرتے ہوئے منصوب ذکر کیا ہے یہ تعبیر نحو یوں کی ایک جماعت کے نزدیک غلط ہوگی یہ کہنا جائز نہیں زید الا ضربین کیونکہ لام کا مابعد ماقبل سے الگ ہوتا ہے اس لیے مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا دونوں کے قول کے مطابق لَا مُلْكُ جَہَنَّم حَقًّا۔ جس نے لفظ الحق کو مرفوع پڑھا تو اس نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فَاِنَّ الْحَقَّ يَا الْحَقَّ مَنِي۔ دونوں نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یہ ہو هذا الحق۔

سیبو یہ اور فراء کے مذہب کے مطابق تیسرا قول ہے: حق یہ ہے کہ جہنم کو بھر دوں گا، مجرور پڑھنے کی صورت میں دو قول ہیں! یہ ابن سبیع اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے (1) حرف قسم محذوف ہے: یہ فراء کا قول ہے جس طرح وہ کہا کرتے: اِنَّهٗ عَزَّوَجَلَّ لَا فَعْلَن سَبُو یہ نے اس جیسی صورت کے جواز کا قول کیا ہے۔ ابو العباس نے اس میں غلطی کی ہے وہ جر کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ حروف جار کو مضمر نہیں کیا جاتا (2) دوسرا قول یہ ہے کہ فاء، واو قسم کا بدل ہے جس طرح انہوں نے یہ شعر ذکر کیا:

فَمِثْلِكَ حُبْلَى قَدْ طَرَقَتْ وَمُرْضِعُ

یہاں محل استدلال مشك ہے۔

لَا مُلْكُ جَہَنَّمُ مِثْلِكَ، مِثْلِكَ سے مراد تیری ذات اور تیری اولاد ہے وَمِثْنُ تَبَعِكَ سے مراد بنی آدم ہے قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وحی کی تبلیغ پر کسی انعام کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وحی کے ذکر کی تبلیغ کے بعد علیہ کی ضمیر اس کے لیے ذکر کی ایک قول یہ کیا گیا عَلَیْہِ کی ضمیر اُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا کی طرف لوٹ رہی ہے وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ نہ میں تکلیف کرتا ہوں اور جس کا مجھے حکم نہیں دیا جاتا میں اسے اندازہ نہیں کہتا مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جس سے کسی ایسی چیز کے بارے سوال کیا جائے جس کا وہ علم نہ رکھتا ہو وہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور وہ تکلف سے کام نہ لے کیونکہ اس کا کہنا لا اعلم یہ بھی علم ہے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِّلْمُتَكَلِّفِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ يَنَازِعُ مِنْ فَوْقِهِ وَيَتَعَاطَى مَا لَا يَنَالُ وَيَقُولُ مَا لَا يَعْلَمُ (1) متکلف کی تین علامتیں ہیں وہ اپنے برتر سے جھگڑا کرتا ہے وہ ایسی چیز کا لین دین کرتا ہے جو پاتا نہیں اور وہ کہتا ہے جو نہیں جانتا ہے۔

دارقطنی کی سند سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے آپ رات کو چلتے رہے صحابہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے حوض کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: اے حوض والے! آج رات تیرے حوض پر درندے آئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”اے حوض والے! اسے نہ بتانا یہ تکلف کرنے والا ہے۔ ان درندوں کے لیے وہ ہے جو انہوں نے پی لیا اور ہمارے لیے وہ ہے جو باقی ہے وہ



مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے۔

موطا میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایک قافلہ میں نکلے ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر وارد ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے وارد ہوتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا، ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ سورہ فرقان میں پانیوں کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ⑩ ہو ضمیر سے مراد قرآن ہے، عالمین سے مراد جن اور انسان ہیں وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ⑪ ہ ضمیر سے مراد ذکر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی وہ حق ہے (1)۔

بَعْدَ حِينٍ قتادہ نے کہا: موت کے بعد۔ زجاج نے بھی یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابن زید نے کہا: یوم قیامت۔ فراء نے کہا: موت کے بعد موت سے پہلے۔ جب مسلمانوں کی تلواریں تمہیں اپنی گرفت میں لے لیں گی تو تمہارے لیے اس قول کی حقیقت ظاہر ہوگی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ سدی نے کہا: حین سے مراد یوم بدر ہے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اے انسان! موت کے وقت یقینی خبر تیرے پاس پہنچے گی (2)۔ عکرمہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ قسم اٹھائی لیصنعن کذا الی حین فرمایا: بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک نہیں کر سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ⑩ اور بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُؤْتِي أَمْكَلًا حِينٍ بِأُذُنٍ رَئِيهَا (ابراہیم: 25) گاہے نکلنے سے کھجور کاٹنے تک چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ اور سورہ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔

## سورۃ الزمر

﴿سورة الزمر مكية ٥٩﴾ ﴿مكة عاقلها ٨﴾

اسے سورہ غرغ کہتے ہیں۔ وہب بن منبہ نے کہا: جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا جو اسکی مخلوق میں ہے، اسے پہچانے تو وہ سورہ غرغ کو پڑھے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء، اور جابر بن زید کے قول میں مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مگردو آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں (1) اللہ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ (2) قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ۔ دوسرے علماء نے کہا: مگر سات آیات مدنی ہیں قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ یہ وحشی اور اس کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ زمر اور بنی اسرائیل کی تلاوت کے بغیر نہیں سویا کرتے تھے (2)۔ یہ پھر آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بہتر آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَنَهُ ۚ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

”اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز اور حکیم ہے۔ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو، خبردار! صرف اللہ کے لیے ہے دین خالص۔ اور جنہوں نے بنا لیے اس کے سوا اور والی اور (کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں، بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو جن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 113

2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جامع فی فضل جابر القرآن، جلد 2، صفحہ 114۔ ایضاً، حدیث نمبر 3327، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک ہے سب سے زبردست۔“

تَنْزِيلُ كُورْفِ، مبتدا کی وجہ سے دیا گیا اس کی خبر مِنْ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ① ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس حیثیت سے مرفوع ہو ہذا تنزیل یہ فراء نے کہا۔ کسائی اور فراء نے تنزیل منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے اتبعوا و اقراء و اتنزیل الكتاب۔ فراء نے کہا: یہ اغراء کی حیثیت میں منصوب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (النساء: 24) تقدیر کلام ہے الزموا کتاب اللہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ مکتوب ہے۔

یہ کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے حق سے مراد صدق ہے یعنی یہ باطل اور مذاق نہیں۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** مخلصا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو موحد بننے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ التّٰیِّدِیْنُ سے مراد اطاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عبادت ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ التّٰیِّدِیْنُ الْخَالِصُ سے مراد ہے جس میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! سُنِّیْہِیْم میں کسی شے کو صدقہ کرتا ہوں اور میں کوئی عمل کرتا ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی تعریف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي مَحْتَدِيْدَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ شَيْئًا شُوْرَكَ فِيْهِ اِسْ ذَاتِ كِي قَسَمِ جَسْ كَقَبْضَةِ قَدْرَتِ مِيْ مُحَمَّدٍ كِي جَانِ هِيْ! اللّٰهُ تَعَالٰی كِي اِيْ سِيْ حِيْزٍ كُو قَبُوْلٍ نِّهِيْ فَرَمَاتَا جَسْ مِيْ شِرَاكَتِ كِي كُنِيْ هُو، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اَلَا لِلّٰهِ التّٰیِّدِیْنُ الْخَالِصُ یہ وضاحت سورہ بقرہ، سورہ النساء اور سورہ الکہف میں مفصل گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن عربی نے کہا: یہ آیت اس بارے میں دلیل ہے کہ ہر عمل میں نیت واجب ہے ان اعمال میں سب سے عظیم وضو ہے جو ایمان کا جز ہے (1) جبکہ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے دونوں کہتے ہیں: وضو نیت کے بغیر بھی کفایت کر جاتا ہے۔ نیت کے بغیر نہ وہ ایمان کی شرط بنتا ہے اور نہ ہی ناخنوں اور بالوں سے خطائیں نکلتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ اولیاء سے مراد بت ہیں اس کی خبر مخدوف ہے وہ قالوا ہے قتادہ نے کہا: جب انہیں کہا جاتا: مَنْ رَبُّكُمْ وَ خَالِقُكُمْ (2) تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا خالق کون ہے؟ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے کس نے پانی نازل کیا؟ سب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ انہیں کہا جاتا: تمہاری بتوں کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ وہ کہتے ہیں: تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کریں (3)۔ کبھی نے کہا: اس کلام کا

جواب سورۃ الاحقاف میں ہے: فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِي اَتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا لِلهِ (الاحقاف: 28) زلفی سے مراد قربت ہے تاکہ وہ ہمیں اس کے قریب کر دیں۔ زلفی مصدر کے حکم میں ہے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قراءت میں والذین اتخذوا من دونه اولیاء قالوا نعبدہم الا لیتقربونا الی اللہ زلفی۔ حضرت ابی کی قراءت میں والذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبدکم الا لیتقربونا الی اللہ زلفی، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے کہا: اس میں حکایت واضح ہے۔ اِنَّ اللہَ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ قِیَامَتِ کَے روز اللہ تعالیٰ اہل ادیان میں فیصلہ فرمائے گا ہر ایک جس کا مستحق ہوگا اسے جزا دے گا۔ اِنَّ اللہَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ کَذِبٌ کَفَّارٌ ۝ جس کے بارے میں پہلے ہی کفر کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس دین کی ہدایت نہیں پائے گا، جس پر وہ راضی ہے وہ دین اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ: 3) اس آیت میں قدر یہ اور دوسرے مکاتب فکر کا رد ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

لَوْ اَرَادَ اللہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ ۚ اَگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو یہ نام دیتا تو اللہ تعالیٰ یہ امر ان کے سپرد نہ کرتا سُبْحٰنَہُ ۚ ۛ اللہ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اولاد سے پاکی بیان کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُکْوِّرُ اللَّیْلَ عَلَی النَّہَارِ ۚ وَ یُکْوِّرُ النَّہَارَ عَلَی  
الَّیْلِ ۚ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ کُلٌّ یَجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ ۛ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝  
خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْہَا زَوْجَہَا ۚ وَ اَنْزَلَ لَکُم مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمَنِیَّةً  
اَزْوَاجًا ۚ یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنٍ اُمَہْتِکُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٍ ثَلٰثٍ ۚ ذٰلِکُمْ اللہُ  
رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ۚ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ ۚ فَآلِیْ تُصَرِّفُوْنَ ۝

”اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے مقررہ معیاد تک، غور سے سنو وہی عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا تمہیں فرد واحد سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پیدا کیے تمہارے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے، وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں ایک حالت سے دوسری حالت میں اندھیروں میں، یہ قدرت والا اللہ تمہارا رب ہے اس کی حکومت ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو۔“

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وہ کامل طور پر قادر ہے وہ بیوی اور اولاد سے مستغنی ہے جو اس طرح ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ عبادت کیے جانے میں یکتا ہو نہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے ذریعے اس امر پر متنبہ کیا کہ اسے حق حاصل ہے کہ لوگوں سے جو چاہے خدمت لے جبکہ اس نے اس طرح کیا بھی۔



يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ وَيَكُونُ النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ ضحاک نے کہا: اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے اور اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے یہ تعبیر لغت میں تکویر کے معنی میں منحصر ہے جس سے مراد ہے ایک شے کو دوسری پر ڈالنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کَوِّرُ الْمَتَاعِ اس نے کچھ سامان دوسرے سامان پر ڈال دیا، اسی سے کَوِّرُ الْعِمَامَةِ ہے یعنی اس نے پگڑی لپیٹی۔ اس آیت کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے کہا: جو حصہ رات سے کم ہوتا ہے وہ دن میں داخل ہو جاتا ہے اور جو حصہ دن سے کم ہوتا ہے وہ رات میں داخل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ (لقمان: 29) کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ سے مراد ہے کہ رات دن پر چھا جاتی ہے (1) یہاں تک کہ دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور دن رات پر چھا جاتا ہے تو اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا کا بھی یہی مطلب ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ بَدْوٍ کے منافع کے لیے طلوع و غروب کے ساتھ سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ان میں سے ہر ایک اپنے فلک میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے گی وہ یوم قیامت ہے جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اجل مسمیٰ سے مراد وہ وقت ہے جس میں سورج اور چاند کا سفر ان منازل پر اختتام پذیر ہوتا ہے جو غروب اور طلوع کے لیے ترتیب دی گئی ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ دونوں اپنی بعیدی منزل تک چلتے ہیں پھر دونوں قریبی منازل کی طرف لوٹتے ہیں وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس کی وضاحت سورہ یس میں گزر چکی ہے۔

أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ⑤ الا تنبیہ کے لیے ہے یعنی متنبہ ہو جاؤ میں غالب ہوں اور اپنی رحمت کے ساتھ مخلوق کے گناہوں کو چھپانے والا ہوں۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ - نَفْسٍ وَاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا ذُرُوجَهَا اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ تناسل کا عمل جاری ہو۔ اعراف اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمِينَةَ أَزْوَاجٍ - أَزْوَاجٍ کی خبر نزول کے ساتھ دی کیونکہ یہ نباتات سے پیدا ہوتے ہیں اور نباتات اس پانی سے ہوتی ہیں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اسے ہی تدریج کہتے ہیں اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا (الاعراف: 26) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے أَنْزَلَ پیدا کرنے کے معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی پیدا کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان چوپاؤں کو جنت میں پیدا کیا پھر انہیں زمین کی طرف اتارا جس طرح اس ارشاد میں فرمایا: وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ (الحديد: 25) کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اترے تو ان کے ساتھ ہی لوہا اتارا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تمہیں عطا فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیدا کرنے کو انزال قرار دیا کیونکہ پیدائش ایسے امر کے ساتھ ہوتی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے معنی ہوگا تمہارے لیے یہ چیزیں نازل ہونے والے امر کے ساتھ پیدا کیں۔ قتادہ نے کہا: اونٹ میں سے دو، گائے میں سے دو، بکری میں سے دو، اور

بھیڑ میں سے دو ان میں سے ایک جوڑا ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

يَخْلُقْكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ قَدَّاهُ اور سدی نے کہا: پہلے نطفہ، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا پھر ہڈی پھر گوشت۔ ابن زید نے کہا: پہلے آباء کی پشتوں پھر تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد باپ کی پشت، پھر ماں کے پیٹ پھر وضع حمل کے بعد پیدائش؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ اس سے مراد پیٹ کی ظلمت، رحم کی ظلمت اور جھلی کی ظلمت ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ابن جبیر نے کہا: جھلی کی ظلمت، رحم کی ظلمت، اور رات کی ظلمت؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باپ کے پشت کی تاریکی، عورت کے بطن کی تاریکی اور رحم کی تاریکی؛ یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے یعنی تاریکی اسے نہیں روک سکتی جس طرح مخلوق کو روک دیتی ہے ذَلِكُمُ اللَّهُ وہ یہی ہے جس نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا وہ تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کہاں پھرے جارہے ہو؟ حمزہ نے اسے اُمَّهَاتِكُمْ پڑھا ہے یعنی ہمزہ اور میم دونوں مکسور ہیں۔ کسائی نے ہمزہ مکسور اور میم کو مفتوح پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ مضموم اور میم کو مفتوح پڑھا۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

”اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بے شک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے تمہارے لیے، اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے سینے کے رازوں کو“۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ یہ کلام شرط و جزا پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (الاسراء: 65) اور جس طرح فرمایا: عینا یشرب بہا عباد اللہ یہ تعبیر ان علماء کے نزدیک ہے جو رضا اور ارادہ میں فرق نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کفر سے راضی نہیں ہوتا اگرچہ اس کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے کافر نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں ہوتا اور اسے پسند بھی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ایسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ ابلیس پر راضی نہیں پس ارادہ رضا سے مختلف ہے؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ یعنی تمہارے شکر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ تَشْكُرُوا اس پر دلالت کرتا ہے۔ سورہ بقرہ اور دوسری سورتوں میں شکر کے بارے میں بحث گزر چکی ہے یرضی کا معنی بدلہ دینا اور تعریف کرنا ہے، اس صورت میں رضا سے مراد یا تو ثواب ہوگا تو اس صورت میں فعل کی صفت ہوگا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم: 7) یا اس سے مراد اس کی ثنا ہے تو اس صورت میں وہ ذات کی صفت ہوگا۔ ابو جعفر، ابو عمر، شیبہ، اور ہبیرہ نے عاصم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے دیرضہ پڑھا یعنی ہاء کو ساکن پڑھا۔ ابن ذکوان، ابن کثیر، ابن محیسن، کسائی اور ورش نے نافع سے ضمہ کے اشباع کے ساتھ قراءت نقل کی ہے باقی قراء نے اس میں اختلاف کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمِنْ هُوَ قَانِثٌ أَنَا ۚ أَلَيْلٌ سَاجِدًا وَقَا بِمَا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةً رَبِّهِ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

”اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف اس وقت پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لیے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بناتا ہے اللہ کے ہم مثل تاکہ بہکا دے اس کی راہ سے، (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمائیے لطف اٹھالے اپنے کفر سے تھوڑے دن، بے شک تو دوزخیوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص عبادت میں صرف کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے بائیں ہمہ ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی آپ پوچھیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل البتہ عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔“

الْإِنْسَانَ سے مراد کافر ہے ضُرٌّ سے مراد فقر اور آزمائش میں سختی ہے مُنِيبًا إِلَيْهِ یعنی اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے، اس کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس شدت کو زائل کرنے میں مدد چاہتے ہوئے خَوَّلَهُ اسے عطا کی اور اسے مالک بنایا، یہ جملہ بولا کہا جاتا ہے: خَوَّلَكَ اللَّهُ الشَّيْءَ اللَّهُ تَعَالَىٰ نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا۔ ابو عمرو بن علاء یہ شعر پڑھا کرتا:

هَذَاكَ إِنْ يُسْتَحْوُ لَوْ النَّالَ يُخَوَّلُوا (1)





بہتر ہے جس نے امن کو مشدد پڑھا ہے معنی ہوگا وہ نافرمان جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ بہتر ہے یا وہ جو عبادت کرتا رہا پس وہ جملہ جو امکا معادل ہے وہ مخدوف ہے اصل کلام یوں تھی امر من ایک میم کو دوسری میم میں مدغم کر دیا۔ نحاس نے کہا: امر، بل کے معنی میں ہے اور من الذی کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: امر الذی هو قانت افضل من ذکر۔

قانت میں چار تو جہیں ہیں: (1) اس کا معنی مطیع ہے (1)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے (2) اپنی نماز میں خشوع کرنے والا؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے (3) نماز میں قیام کرنے والا؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (4) اپنے رب سے دعا کرنے والا (2)؛ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول سب کو جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ”قرآن کریم میں جہاں بھی قنوت کا ذکر ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: ”لما قیام“۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے اس سے مراد لمبا قیام اور قرآن کی قراءت ہے۔ مجاہد نے کہا: قنوت سے مراد لمبا رکوع اور آنکھ کو جھکانا۔ علماء جب نماز میں کھڑے ہوتے تو آنکھوں کو جھکا کر رکھتے خضوع کا اظہار کرتے، نماز میں کسی اور کی طرف توجہ نہ دیتے، فضول عمل نہ کرتے اور امور دنیا میں سے کسی چیز کا ذکر نہ کرتے مگر بھول کر۔

نحاس نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ قنوت کا معنی اطاعت ہے۔ اس کی تعبیر میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے یہ سب اشیاء اطاعت میں داخل ہیں اور طاعت سے جو بڑھ کر ہیں وہ بھی جس طرح حضرت نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا: اٹھو نماز پڑھو، میں نماز پڑھنے کے لیے اٹھا جبکہ میرے جسم پر بوسیدہ کپڑے تھے آپ نے مجھے بلایا آپ نے مجھے فرمایا: بتاؤ اگر میں تجھے کسی کام کے لیے بھیجوں کیا تو اسی طرح چلا جائے گا؟ میں نے عرض کی: میں زیب وزینت کا اہتمام کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ اس شان کے لائق ہے کہ تو اس کے لیے زیب وزینت کا اہتمام کرے۔

یہاں قانت کی تعیین میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ضحاک آپ سے روایت کرتے ہیں: اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت صہیب، حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اس حال پر ہو۔

اناء التیل حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد اس کی ساعتیں ہیں پہلی، درمیانی اور آخری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اناء التیل سے مراد رات کا درمیانی حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر وقوف کو آسان کر دے تو وہ رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ (سے امید رکھے کہ وہ) اسے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے دیکھے جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔ ایک قول یہ

کیا گیا ہے: اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے۔

يُخَذُّرُ الْآخِرَةَ سَعِيدٌ بِنِ جَبْرِ قَالَ: وَهُوَ آخِرَتُكَ عَذَابٍ مِنْ دُرَّتِهِ وَيَزْجُو رَحْمَةً رَبِّهِ يَعْنِي وَهُوَ جَنَّةٌ كَيْ نِعَمَاتٍ  
كِي اُميد ركھتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت حسن بھری سے کسی ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو نافرمانیوں میں بہت آگے  
بڑھ جاتا ہے اور امید بھی رکھتا ہے فرمایا: وہ تمنا کرنے والا ہے۔ جس نے أَقْبَنُ هُوَ قَانِتٌ کوندا کے معنی میں لیا ہے تو وہ رَحْمَةٌ  
رَبِّہ پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ متصل ہے مگر  
اس صورت میں کہ کلام میں حذف مقدر کیا جائے یہ زیادہ آسان ہے جس طرح وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

زجاج نے کہا: جس طرح علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مطیع اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے علماء نے کہا: جو علم رکھتے ہیں وہی اپنے علم سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں رہا وہ شخص جو اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ جاہل کے قائم مقام ہوئے۔ بے شک مومنوں میں سے اصحاب عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ لِعِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۖ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

”آپ فرمائیے: اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے، اور (یاد کرو) ان کے لیے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک صلہ ہے، اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے، مصائب و آلام میں صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

اے محمد! سفینہٴ کیم میرے مومن بندوں سے کہہ دو: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو! تَقُوا میں تاء واؤ کا بدل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

لَا تَزِنُ أَوْ تَزِنُ أَهْلًا مِنْ هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً حَسَنَةً أُولَىٰ مِنْ مَرَادِ طَاعَتِ اللَّهِ وَدَوْرِهِ مِنْ ثَوَابِ هَبْ- اِيك قول  
 يه كيا گيا ه: معني ه جنهون نه دنيا مي نكي كي ان كه لي دنيا مي نكي هه تو يه آخرت كه ثواب سه زياده هه (1)- دنيا  
 مي زائد حسن سه مراد صحت، عافيت، كاميابي اور غنيمت هه- قشيري نه كهبا: پهلا قول زياده صحيح هه كيونكه كافر نه دنيا وي  
 نعمتيں تو حاصل كي هيں-

میں کہتا ہوں: کافر کے ساتھ مومن بھی دنیاوی نعمتیں حاصل کرتا ہے جب وہ ان نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے تو اس کے لیے جنت میں زائد نعمتیں دی جاتی ہیں۔ دنیا میں نعمت اچھی تعریف اور آخرت میں جزا ہے (2)۔

وَأَنطِئِ النَّوْءَ وَاسْعِدْهُ ثُمَّ اسْمِعْ سَوَاهِدَهُ لَوْ أَنَّهُ رَاقِبٌ لَّفَهِىَ قَوْلَهُ كَلَّا إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

نعمتوں میں رغبت دلائی ہے جس طرح فرمایا: وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ (آل عمران: 133)

جنت کو بعض اوقات ارض کہہ دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَالُوا الْحَسْبُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَهُ

وَأَوْصَانَا الْأَرْضَ نَنْبُؤًا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ (الزمر: 74)

پہلا قول زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ یہ ہجرت کا حکم ہے یعنی تم مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تمہیں امن ہو۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال ہے وسعت ارض سے مراد رزق کی وسعت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق زمین سے ہی عطا کرتا ہے تو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا رزق وسیع ہے؛ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کی وسعت کو احسان جتلانے کے انداز میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ تم مہنگے علاقہ سے سستے علاقے کی طرف چلے جاؤ جس طرح حضرت سفیان ثوری نے کہا: تو وہاں رہ، جہاں ایک درہم سے روٹیوں کا تھیلا بھر لے۔

إِثْمَانِيُو فِي الصِّيُؤُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑤ بغیر اندازے کے انہیں پورا اجر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انہیں زیادہ ثواب دیا جائے گا کیونکہ اگر ان کو عمل کے مطابق عطا کیا جائے تو یہ حساب کے مطابق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِغَيْرِ حِسَابٍ کا معنی ہے بغیر مطالبہ کے انہیں اجر دیا جائے گا جس طرح دنیاوی نعمتوں کے بارے میں مطالبہ کیا جاتا ہے۔

الصِّيُؤُونَ سے یہاں مراد روزے دار ہیں، اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خبر دی گئی ہے الصوم لی دأنا أجزی بہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا دیتا ہوں۔ علماء نے کہا: ہر اجر کا کیل اور وزن کیا جاتا ہے مگر روزہ اس کا اجر دونوں ہاتھوں سے بغیر حساب کے دیا جاتا ہے (1)؛ حضرت علی شیر خدا سے بھی یہی مروی ہے۔ مالک بن انس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: إِثْمَانِيُو فِي الصِّيُؤُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد دنیا کے مصائب اور اخزان پر صبر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جس نے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس سے منع کیا گیا تھا اس کو چھوڑ دیا تو اس کے اجر کی کوئی مقدار نہیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہاں کوئی چیمانہ اور ترازو نہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا: ”ترازو گاڑھے جائیں گے صدقہ کرنے والوں کو لایا جائے گا تو ترازوؤں سے انہیں پورا اجر دیا جائے گا (2) اسی طرح نماز اور حج کا معاملہ ہے مصیبت کے شکار لوگوں کو لایا جائے گا نہ ان کے لیے ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے لیے دیوان کھولا جائے گا ان کے لیے اجر بغیر حساب کے انڈیلا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِثْمَانِيُو فِي الصِّيُؤُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یہاں تک کہ دنیا میں سلامتی سے رہنے والے آرزو کریں گے کہ ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جائیں اس آرزو کی وجہ مصائب کا شکار لوگوں کی فضیلت ہوگی۔“

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”فرائض کو ادا کر تو لوگوں میں سے زیادہ عبادت گزار ہو جائے گا تجھ پر قناعت کرنا لازم ہے تو لوگوں میں سے سب سے غنی ہو جائے گا

اے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرہ بلوی کہتے ہیں اہل بلاء کو بلایا جائے گا ان کے لیے ترازو نصب نہیں کیا جائے گا ان کے دیوان کو نہیں پھیلایا جائے گا ان پر اجر انڈیلا جائے گا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَآ يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لفظ صابر کے ساتھ مدح کی جاتی ہے یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو نافرمانیوں سے صبر کرے جب تو یہ ارادہ کرے کہ اس نے مصیبت پر صبر کیا ہے تو کہے گا: صابر علی کذا؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ۝ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۚ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَكَ ۚ لِيَعْبُدَا فَاتَّقُونِ ۝

”فرمائیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ آپ فرمائیے: میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے: اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو بس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا، نیز فرما دیجئے: اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھائے میں ڈالے گئے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، سنو یہی پہلا کھلا گھانا ہے۔ ان (بدبختوں) کے لیے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی شعلے۔ اس عذاب الیم سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔“

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ سورت کے آغاز میں یہ آرزو پٹکا ہے وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝ یعنی اس امت کا پہلا مسلمان ہوں بات حقیقت میں ایسے ہی تھے کیونکہ آپ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے آباء کے دین کی مخالفت کی، بتوں سے لاتعلق ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے اور اس پر ایمان لائے اور اسی امر کی طرف دعوت دی لِأَنْ أَكُونَ میں لام زائد ہے؛ یہ جر جانی اور دوسرے علماء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ لام اجل ہے اس کلام میں حذف ہے یعنی مجھے عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان بنوں۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ اس سے مراد یوم قیامت کا عذاب ہے۔ یہ اس وقت کہا جب ان کی قوم نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی دعوت دی؛ یہ اکثر اہل تفسیر نے کہا: ابو حمزہ ثمالی اور ابن مسیب نے کہا: یہ آیت اللہ



تعالیٰ کے فرمان لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: 2) کے ساتھ منسوخ ہے، یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کی مغفرت سے قبل کے لیے تھی۔

قُلِ اللَّهُ أَعْبُدُ لَفْظِ اسمِ جلالت پر نصب أَعْبُدُ کی وجہ سے ہے۔ دین سے مراد اطاعت اور عبادت ہے فَاَعْبُدُوا يہ امر تہدید کے لیے ہے یہ وعید و توبیخ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (فصلت: 40) ایک قول یہ کہا گیا ہے: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِمَّنْ هُمْ بَنِي مَرْثِيٍّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں بیوی پیدا کی جب وہ جہنم میں داخل ہوا تو اس نے اپنی ذات کا اور اپنے اہل کا نقصان کیا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عمل کیا تو اس کے لیے وہ منزل اور اہل ہو گئے مگر جو اس کے لیے اس سے پہلے تھا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (المومنون)

لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ان کے جو نیچے ہیں انہیں ظلل کا نام دیا کیونکہ وہ اپنے سے نیچے والوں کو سایہ دیتے ہیں یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 40) اور يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (العنكبوت: 55) کی مثل ہے ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عِبَادَةُ سے مراد اس کے اولیاء ہیں لِيَعْبَادُوا فَاتَّقُونِ (1) اے میرے اولیاء! مجھ سے ڈرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومن اور کافر میں عام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ (1) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ (2)

”اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور دل سے جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے لیے مژدہ ہے مژدہ سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشور ہیں۔“

انفش نے کہا: طاغوت جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد مونث ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ معنی ہے وہ طاغوت سے دور ہے وہ اس سے ایک طرف ہے انہوں نے طاغوت کی عبادت نہ کی۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد شیطان ہے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: اس سے مراد بت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کابن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

یہ عجی نام ہے جس طرح طالوت، جالوت، ہاروت اور ماروت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربی نام ہے یہ طغیان سے مشتق ہے ان محل نصب میں ہے طاغوت سے بدل ہے، تقدیر کلام یہ ہے والذین اجتنبوا عبادۃ الطاغوت۔

وَأَنبَأُوا إِلَى اللَّهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف رجوع کیا لَہُمُ الْبُشْرَى دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں انہیں جنت کی بشارت ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان شخصیات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے انہیں اپنے ایمان کی خبر دی تو وہ ایمان لے آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَبِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو اچھی اور بری بات سنتے ہیں پھر اچھی بات کا ذکر کرتے ہیں اور قبیح چیز سے رک جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور غیر قرآن کی اتباع کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سنتے ہیں اور ان میں سے احسن یعنی محکم کی اتباع کرتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عزیمت اور رخصت کو سنتے ہیں وہ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عقوبت اور عفو کو سنتے ہیں اور عفو کو اپناتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہترین قول اس کا ہے جس نے اس آیت کا مصداق ان لوگوں کو بنایا ہے جو اسلام سے قبل توحید کا اقرار کرتے تھے یعنی یہ کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

عبدالرحمن بن زید نے کہا: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے دور جاہلیت میں طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا ان تک جو بات پہنچی تھی اس میں سے احسن کی اتباع کی اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ سَبِيلَهُ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی طرف ہدایت دی جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھایا۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ

”بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں حریص تھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے حق میں شفاعت سبقت لے جا چکی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ابولہب، اس کی اولاد اور خاندان کے وہ افراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے أَفَأَنْتَ میں ہمزہ کو تاکید کے لیے مکسور ذکر کیا ہے کیونکہ کلام بہت طویل ہو گئی ہے۔ سیبویہ نے اللہ تعالیٰ

کے فرمان: اَيُّعِدُّكُمْ اَنْتُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنْتُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٥٠﴾ (المومنون) کے بارے میں یہی بات کہی ہے جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

معنی ہے کیا جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے کیا تو اس کو بچانے والا ہے؟ یہ کلام شرط اور اس کے جواب پر مشتمل ہے اسے استفہام کے ساتھ پڑھا گیا ہے تاکہ توقیف و تقدیر پر دلالت کرے۔

فراء نے کہا: اس کا معنی ہے جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے تو اس کو بچائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہوئی اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ يَنْجُو مِنْهُ اس کا مابعد جملہ مستانفہ ہے اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ دُوسری جگہ فرمایا: حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ کیونکہ فعل جب پہلے ہو اور فعل اور جس اسم کی اس کے ساتھ صفت بیان کی جارہی ہو کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہو تو اس میں تذکیر و تانیث جائز ہوتی ہے کیونکہ یہاں تانیث حقیقی نہیں بلکہ کلمہ، کلام اور قول کے معنی میں ہے مراد ہوگا اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ قَوْلُ الْعَذَابِ۔

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ عُرفٌ مِّنْ فَوْقَها عُرفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ وَعَدَا اللَّهُ ۚ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْوَعْدَ ﴿٥١﴾

”البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں جس کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا۔“

جب یہ بیان کیا کہ کفار کے لیے آگ کے اوپر اور نیچے سے سائے ہونگے اب یہ بیان کیا کہ متقین کے لیے بالا خانوں پر بالا خانے ہیں کیونکہ جنت کے کئی درجات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ لکن یہاں استدراکیہ نہیں ہے کیونکہ نفی نہیں آئی جس طرح یہ قول ہے: ما رأیت زید الکن عمرا اس میں نفی موجود ہے بلکہ یہ ایک قصہ کو ترک کر کے دوسرے قصہ کی طرف منتقل ہونے کے لیے ہے: و قصہ پہلے کے مخالف ہوتا ہے جس طرح تیرا قول ہے جائنی زید لکن عمرو لم یأت۔

عُرفٌ مَّبْنِيَّةٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ بالا خانے زبرجد اور یاقوت کے بنے ہوئے ہونگے تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ یعنی یہ نہر بہت کے اسباب کو جامع ہوں گے وَعَدَا اللَّهُ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ لَهُمْ عُرفٌ کا معنی ہے وعدہم اللہ ذلک وعدا اس پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے ذلک وعدا اللہ۔

لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْوَعْدَ ﴿٥١﴾ میعاد سے مراد ہے جو دونوں جماعتوں سے وعدہ کیا گیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعٌ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا  
مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ فَتَرَهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا  
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾





ہے جس کے دل میں مرض ہے تو وہ اسی طرح خشک ہو جائے گا جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بیان فرمائی ہے یعنی جس طرح سبز نباتات متغیر ہو جاتی ہے اور وہ زرد ہو جاتی ہے اسی طرح دنیا اپنی رونق کے بعد ماند پڑ جاتی ہے۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۖ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ  
مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ①

”بھلا وہ سعادت مند کشادہ فرمایا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیے ہوئے نور پر ہے، پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔“

شرح کا معنی کھولنا اور وسیع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا یہاں تک کہ وہ اس میں مثبت ہو گیا (1)۔ سدی نے کہا: اس کے سینہ کو اسلام کے ساتھ وسیع کر دیا کیونکہ اس پر وہ خوش ہوا اور اس سے اطمینان ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ جائز ہے کہ یہ شرح اسلام کے بعد ہو پہلی تعبیر کی صورت میں یہ جائز ہے کہ شرح اسلام سے قبل ہو۔  
فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ وہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہے جس طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اس حذف پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: جب دل سخت ہو جائے تو کہا جاتا ہے: قسا القلب اسی طرح عتا اور عسا اس کے قریب قریب ہیں قلب قاس ایسا دل جو سخت ہو جو نرم نہ ہو۔ مفسرین نے کہا: أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ سے مراد حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ نقاش نے یہ بیان کیا کہ اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ مقاتل اور کلبی سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آیت ان تمام افراد کے لیے عام ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان تخلیق فرما کر کھلا کر دیا۔  
مرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہا ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اس کے سینہ کو کیسے کھول دیا؟ فرمایا: ”جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے (2)“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: الإناابة إلى دار الخلود والتجاني عن دار الغرور والإستعداد للموت قبل نزوله جنت کی طرف متوجہ ہونا، دنیا سے پہلو تہی کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین خصلتوں کا ذکر کیا اس میں کوئی شک نہیں جس میں یہ خصلتیں ہوں تو وہ کامل ایمان والا ہے کیونکہ انابہ سے مراد نیکی کے اعمال ہیں کیونکہ جنت نیک اعمال کی جزا کے طور پر بنائی گئی ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مواقع پر کیسے اس کا ذکر کیا پھر اس کے بعد فرمایا: جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ② (الواقعہ) پس جنت اعمال کی جزا ہے جب بندہ نیکی کے کاموں میں منہمک ہو جاتا ہے تو یہی اس کا دار خلود کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جب دنیا سے اس کی حرص ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اس کی طلب

سے غافل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہیں تو وہ اسی پر اکتفا کر لیتا ہے اور قانع ہو جاتا ہے پس وہ دنیا سے پہلو تہی کر لیتا ہے جب وہ اپنے امور کو تقویٰ کے ساتھ پختہ کر لیتا ہے تو وہ ہر امر میں غور و فکر کرنے والا ہوتا ہے وہ ادب کو کام میں لاتا ہے، پختگی سے کام کرتا ہے، احتیاط سے کام لیتا ہے، اس چیز سے بچتا ہے جو اسے شک میں ڈالے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے شک میں نہ ڈالیں، تو تحقیق اس نے موت کے لیے تیاری کر لی یہ ظاہر میں اس کی علامات ہیں کیونکہ وہ موت کو دیکھتا ہے اور دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دنیا کو دار غرور دیکھتا ہے یہ رویت اسے اس لیے حاصل ہوتی ہے کیونکہ نور اس کے دل میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلنَّفْسِۖةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اِيك قول یہ کیا گیا: اس سے مراد ابولہب اور اس کی اولاد ہے مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے مراد ہے کہ ان کے دلوں کی سختی قرآن سننے سے بڑھ جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مِّنْ، عن کے معنی میں ہے معنی ہوگا اللہ کا ذکر قبول کرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قال الله تعالى أطلبوا الحوائج من السعاء فلأن جعلت فيهم رحمتي ولا تطلبوها من القاسية قلوبهم فلأن جعلت فيهم سخطي الله تعالى کا فرمان ہے اپنی ضروریات سخی لوگوں سے طلب کیا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی رحمت رکھ دی ہے تم اپنی حاجت سخت دل لوگوں سے نہ مانگا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی ناراضگی رکھ دی ہے۔

مالک بن دینار نے کہا: کسی بندے کو سخت دلی سے بڑھ کر بڑی سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ کسی قول پر ناراض نہیں ہوتا مگر ان کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي<sup>٢</sup> تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ  
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ<sup>٣</sup> ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ<sup>٤</sup> ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ  
يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ<sup>٥</sup> وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ<sup>٦</sup>

”اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے پڑھنے سے بدن ان کے جوڑتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ کی ہدایت ہے راہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** أَحْسَنَ الْحَدِيثِ سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جب یہ ارشاد فرمایا: فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ تو اس امر کی وضاحت کی کہ جس کو سنا جاتا ہے اس میں سے سب سے بہترین چیز وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ قرآن ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمارے سامنے بیان فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا (1) **اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ** صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں نصیحت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: **أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِنِ كَلِمَاتِ اللَّهِ** (الحمدید: 16)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام اکتاہٹ کا شکار ہوئے تو انہوں نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حدیث اسے کہتے ہیں جسے محدث بیان کرتا ہے قرآن کو حدیث کا نام دیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ اور اپنی قوم کو یہ بیان کیا کرتے تھے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ** (الاعراف) **أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ** (النجم) **إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا** (الکہف) **وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا** (النساء) **فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ** (القلم: 44)

تفسیری نے کہا: ایک قوم نے وہم کیا ہے کہ حدیث حدوث سے نکلا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کا کلام حادث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ** (الانبیاء: 2) میں لفظ حدیث کا ارادہ نہیں کرتا جبکہ انہوں نے کہا حدوث یہ تلاوت کی طرف لوٹتا ہے متلو کی طرف نہیں لوٹتا تو یہ مذکور کے ساتھ ذکر کیا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں۔

**كَلِمَاتٍ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ** سے بدل کے طور پر منصوب ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس سے حال ہو **مُتَشَابِهًا** حسن اور حکمت میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اس میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: آیات اور حروف میں اس کا بعض، بعض کے مشابہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان کتابوں کے مشابہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر نازل کی گئیں کیونکہ یہ امر، نبی، ترغیب اور ترہیب کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگرچہ یہ ان سب کو اعم ہے اور سب سے بڑھ کر عاجز کرنے والی ہے پھر اس کی صفت بیان کی اور فرمایا: **مُتَشَابِهًا** اس میں قصے، وعظ اور احکام کو بار بار ذکر کیا جاتا ہے اس کی تلاوت بار بار کی جاتی ہے مگر اکتایا نہیں جاتا۔

**تَقْشَعُ** اس میں جو وعید ہے اس سے خوف کی وجہ سے ان کی جلدیں مضطرب اور متحرک ہو جاتی ہیں **ثُمَّ تَلْدُنَ** **جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ** ائی ذکری اللہ آیت رحمت کے موقع پر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ پر عمل اور اس کی تصدیق کے لیے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **ذُكِرَ** اللہ سے مراد اسلام ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر جب قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور ان کی جلدیں کانپنے لگتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے ان سے عرض کی: آج کل کچھ ایسے لوگ ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے تو انہوں نے کہا **أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**۔

سعید بن عبد الرحمن ثمالی نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اہل قرآن میں سے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو گرا ہوا تھا آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا: جب اس پر قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر پڑتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور نہیں گرتے تھے پھر فرمایا: شیطان ان کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا یہ عمل نہ تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا: حضرت ابن سیرین کے ہاں ان لوگوں کا ذکر ہوا جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ گر پڑتے ہیں فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان یہ چیز فیصلہ کرنے والی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مکان کی چھت پر اپنے دونوں قدم نیچے پھیلا کر بیٹھے پھر اس پر ابتدا سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دے تو وہ سچا ہے۔

ابو عمران جونی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص کو پھاڑ دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی: قمیص والے کو کہہ دو وہ اپنی قمیص نہ پھاڑے میں فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا وہ اپنے دل کو میرے لیے کھولے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** زید بن اسلم نے کہا: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تلاوت کی جبکہ ان کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی موجود تھے ان کے دل نرم پڑ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دل کی نرمی کے وقت دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ رحمت ہے“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب مومن کی جلد اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتی ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح بوسیدہ درخت سے اس کے اوراق جھڑ جاتے ہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی بندے کی جلد نہیں کانپتی مگر اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دیتا ہے“ (1)۔

شہر بن حوشب نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: انسان کے دل میں خوف شاخوں کے جلنے کی طرح ہے کیا تو کچلی نہیں پاتا؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کیونکہ اس موقع پر دعا قبول ہوتی ہے۔

ثابت بنانی سے مروی ہے فلاں نے کہا: میں جانتا ہوں کب میری دعا قبول ہوتی ہے؟ لوگوں نے پوچھا: تجھے اس کا کیسے علم ہوتا ہے؟ کہا: جب میری جلد میں کچلی طاری ہوتی ہے، میرے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور میری آنکھیں بہہ پڑتی ہیں یہ وہ وقت ہوتا ہے جب میری دعا قبول ہوتی ہے۔ یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے اِقْشَعَزَ جِلْدُ الرَّجُلِ اِقْشَعَرَارًا فَهُوَ مَقْشَعَرٌ اس کی جمع قشاعر ہے تو اس کی میم حذف کر دی جاتی ہے کیونکہ یہ زائدہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اَخَذَتْهُ قَشَعْرِيَّةٌ امراؤ القیس نے کہا:

فَبِئْسَ أَكْبَدُ لَيْلَ الشَّامِ وَالْقَلْبُ مِنْ خَشْيَةِ مُقْشَعِرٍ



میں نے تمام رات بڑی تکلیف میں گزاری جبکہ دل خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن جب بہت ہی ذی شان اور بلیغ ہے جب وہ اس کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتے تو اس کی عظمت کی بنا پر اس کے حسن سے تعجب کی خاطر اور اس میں جو کچھ ہے اس سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ان کی جلدوں میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **لَوْ أَنزَلْنَاهُ الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ** (الحشر: 21) تضرع یہ اقصیٰ درجہ کے قریب قریب ہے خشوع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قریب ہے **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** لیں قلب کا معنی اس کی نرمی، طمانیت اور اس کا سکون ہے۔

ذٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ اسم اشارہ سے مراد قرآن ہے قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو عقاب کا خوف اور ثواب کی جو امید عطا کی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے **وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ** یعنی اللہ تعالیٰ جسے بے یار و مددگار چھوڑ دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں یہ آیت قدر یہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔ یہ تمام بحث کئی مواقع پر مفصل گزر چکی ہے الحمد للہ۔

ابن کثیر اور ابن محیسن نے کہا: دونوں مواقع پر ہاء پر یاء کے ساتھ وقف کیا ہے اور باقی قراء نے یاء کے بغیر وقف کیا ہے۔

**أَفَمَنْ يَتَّقِ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ**

**تَكْسِبُونَ** ۝ **كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتْلُهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ** ۝

**فَإِذَا قَهَمُ اللَّهُ الْخَزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ** ۝

”بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روز قیامت وہ کتابدہ نصیب ہوگا اور کہا جائے گا ظالموں کو: اب چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ جان لیتے۔“

**أَفَمَنْ يَتَّقِ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ** عطا اور ابن زید نے کہا: اس کے ہاتھ جکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا اس کے جسم میں سے جسے سب سے پہلے آگ مس کرے گی وہ اس کا منہ ہوگا۔ مجاہد نے کہا: اسے منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا (1)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کافر ہے اسے آگ میں پھینکا جائے گا اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ جکڑے ہوئے ہونگے اس کی گردن پر کبریت کی بڑی چٹان ہوگی جس طرح بڑا پہاڑ ہوتا ہے پتھر میں آگ بھڑک اٹھے گی جبکہ وہ اس کی گردن میں معلق ہوگا اس کی گرمی اس کی گردن پر پہنچے گی وہ طوقوں کی وجہ سے آگ کو چہرے سے دور نہ کر سکے گا۔ خبر مخدوف ہے۔ انفس نے کہا تقدیر کلام یہ ہوگی **أَفَمَنْ يَتَّقِ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ أَفْضَلُ أَمْ مِنْ سَعْدٍ**۔ جس طرح یہ ارشاد ہے:

افمن يدعى في النار خير من ياتي آمنا يوم القيامة۔

وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ خازن کفار کو کہیں گے: ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾ یعنی اپنے معاصی کی جزا اُوچکھو۔ اس کی مثل ہذا مَا كُنْتُمْ لَا تُفْسِدُونَ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٥١﴾ (التوبہ)

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٢﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ باری میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مبرد نے کہا: کسی عضو کو چیز لگتی ہے اس کے بارے میں کہتے قد ذاقہ یعنی وہ اس عضو تک اسی طرح پہنچی جس طرح مٹھاس اور کڑواہٹ چکھنے والے کو پہنچتی ہے کہا: خزی کا لفظ مکروہ کے لیے اور خزیۃ کا لفظ استحياء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٥٣﴾

وَلَقَدْ صَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٤﴾ قُرْآنًا

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥٥﴾

”اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن حکیم میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ اور

ہم نے دیا ہے انہیں قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ وہ اللہ سے ڈریں۔“

یعنی ہر ایسی مثال بیان کی ہے جس کے لوگ محتاج ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا فَرَّ طَائِفًا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 38) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہم نے سابقہ امتوں کی ہلاکت کا جو ذکر کیا ہے وہ ان کے لیے مثال ہے ممکن ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ انفس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فِي هَذَا الْقُرْآنِ معروف ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: عَرَبِيًّا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے قُرْآنًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: مودت بزید رجلا صالحا تو تیرا قول صالحا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: عَرَبِيًّا حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور قُرْآنًا تاکید ہے۔ غَيْرَ ذِي عِوَجٍ مٹھاس نے کہا: ضحاک نے جو کہا وہ سب سے احسن ہے۔ کہا: اس میں اختلاف نہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ غیر مخلوق ہے۔ مہدوی نے اسے ذکر کیا۔ ثعلبی نے جو ذکر کیا ہے اس میں ہے یہی سدی کا قول ہے، حضرت عثمان بن زید نے کہا: اس میں کوئی تضاد نہیں۔ مجاہد نے کہا: اس میں التباس نہیں (1)۔ بکر بن عبد اللہ مزنی نے کہا: اس میں کوئی غلطی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی شک نہیں؛ یہ سدی کا قول ہے جس کا ذکر مہدوی نے کیا ہے کہا:

وَقَدْ أَتَاكَ يَقِينٌ غَيْرُ ذِي عِوَجٍ مِنَ الْإِلَهِ وَقَوْلٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ (2)

تیرے پاس اللہ کی طرف سے قرآن آچکا ہے جس میں کوئی شک نہیں اور ایسا قول آچکا جس میں کوئی جھوٹ نہیں ممکن ہے

وہ کفر اور جھوٹ سے بچیں۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ ۖ هَلْ

يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

”بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بد خو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔“

کسائی نے کہا رَجُلًا کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ مَثَلًا کی تفسیر و وضاحت ہے اگر تو چاہے تو حرف جر کے حذف کے ساتھ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی ضرب اللہ مثلا برجل۔

فراء نے کہا: مُتَشَكِّسُونَ کا معنی ہے مختلفون یعنی مختلف۔ مبرد نے کہا: اس کا معنی ہے سخت ترش۔ یہ شَكْسُ يَشْكُسُ شَكْسًا فَهُوَ شَكْسٌ سے مشتق ہے جس طرح عَسَا يَعْسُ عَسًا فَهُوَ عَسٍ ہے یہ کہا جاتا ہے: رَجُلٌ شَكْسٌ، شَرِشٌ، فَرِشٌ، ضَبِشٌ یہ بھی کہا جاتا ہے: رَجُلٌ ضَبِشٌ وَضَبِيشٌ۔ اس کا معنی ہے بد خلق سخت مزاج ہونا، یہ جوہری نے کہا ہے۔ زمخشری نے کہا: التَشَاكُسُ اور التَشَاخُسُ کا معنی اختلاف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تَشَاكُسَتْ أحوالہ و تَشَاخُسَتْ أَسنانہ اس کے احوال مختلف ہو گئے اور اس کے دانت بے ترتیب ہو گئے یہ جملہ کہا جاتا ہے: شَاكُسَنِي فلان یعنی اس نے میرے حق میں بخل سے کام لیا۔ جوہری نے کہا: رَجُلٌ شَكْسٌ سخت اخلاق والا۔ راجز نے کہا:

شَكْسٌ عُبُوشٌ عُنْبُسٌ غَدَاؤُرٌ

محل استدلال شکس ہے۔

یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے قوم شَكْسٌ جس طرح رَجُلٌ صَدَقٌ اور قوم صَدَقٌ ہے۔

شَكْسٌ شَكَّاسَةٌ بھی استعمال ہوتا ہے۔ فراء نے حکایت بیان کی ہے رَجُلٌ شَكْسٌ۔ یہ قیاس ہے یہ اس آدمی کے لیے ضرب المثل ہے جس نے کثیر معبودوں کی عبادت کی۔

وَ رَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ جو ایک آقا کا خالص غلام ہو یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتا ہے۔ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں، یعنی وہ غلام جو جماعت کی خدمت کرتا ہے جو اس کی ملکیت میں شریک ہیں ان کے اخلاق مختلف ہیں، نیتیں متضاد ہیں اسے کوئی آدمی نہیں ملتا مگر اسے کھینچتا ہے اور اس سے خدمت لیتا ہے وہ ان سے مشقت، تکلیف اور عظیم مصیبت پاتا ہے اس کے باوجود کسی کو بھی اپنی خدمت کے ساتھ راضی نہیں کر پاتا کیونکہ اس کے ذمہ بہت ہی زیادہ حقوق ہیں۔ وہ غلام جو ایک آقا کی خدمت کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا جب وہ اس کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کا قدردان ہوگا اور جب وہ لغزش کرے گا تو مالک اس کی لغزش سے درگزر کرے گا تو ان دونوں میں سے کون زیادہ تھکاوٹ اٹھاتا ہے اور کون زیادہ ہدایت پر ہے۔

اہل کوفہ اور اہل مدینہ نے اسے وَرَجُلًا سَلَمًا پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حضرت حسن بصری، غاصم جمد ری، ابو عمرو، ابن کثیر اور یعقوب نے وَرَجُلًا سَلَمًا پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس میں تفسیر صحیح ہے کہا: سالم خالص، مشترک کی ضد ہے اور سلم، حرب (جنگ) کی ضد ہے یہاں جنگ کا کوئی موقع نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ استدلال لازم نہیں کیونکہ جب لفظ کے دو معنی ہوں تو اسے ان میں سے اولیٰ پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ سلم، حرب کی ضد ہے اس کا کوئی اور موقع ہوتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح تیرے لیے یہ کہا جاتا ہے: فِي هَذَا الْمَنْزِلِ شِرْكَاءُ فَصَارَ سَلَامًا اس گھر میں شریک ہوتے تھے پس یہ تیرے لیے خالص ہو چکا ہے، سالم میں بھی اس پر وہی چیز لازم ہوگی جو اس نے غیر پر لازم کیا ہے کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ثَمَنُ سَالِمٍ یعنی اس میں کوئی بیماری نہیں۔ دونوں قراتیں حسن ہیں آئمہ نے ان کو پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اہل مدینہ کی قراءت سَلَمًا کو پسند کیا ہے کہا: اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، ابو العالیہ اور نصر نے سَلَمًا پڑھا ہے سَلَمًا اور سَلَمًا دونوں مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوئی رَجُلًا ذَا سَلَمٍ مضاف کو حذف کر دیا مَثَلًا تمیز کی حیثیت سے صفت ہے معنی ہوگا کیا ان دونوں کی صفات اور حالات برابر ہوں گے، تمیز میں واحد پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ جنس کو بیان کرنا مقصود ہے۔ الحمد للہ۔ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے کہ اس کی اتباع کرتے۔

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿١٠﴾ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابٌ تَلْوُونَ ﴿١١﴾

”بے شک آپ نے بھی دنیا سے انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر تم سب روز حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے۔“

ابن محسن، ابن ابی عہدہ، عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے اسے إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ پڑھا ہے یہ اچھی قراءت ہے؛ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی یہی قراءت کی ہے اس قسم کا الف شاذ قراتوں میں حذف کر دیا جاتا ہے مائت زمانہ مستقبل میں کلام عرب میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح جو مریض ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: إِنَّهُ لَمَارِضٌ مِنْ هَذَا الطَّعَامِ۔

حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی نے مَيِّتٌ پڑھا ہے یہ لم یَمُتْ و سیموت سے مشتق ہے المَيِّتُ جب تخفیف کے ساتھ پڑھیں اس سے مراد وہ شخص ہو جس سے روح الگ ہو جائے اسی وجہ سے یہاں اس میں تخفیف نہیں کی گئی۔ قتادہ نے کہا: نبی کریم ﷺ کو آپ کی ذات اور تمہیں تمہاری ذاتوں کی موت کی خبر دی گئی۔

ثابت بنانی نے کہا: ایک آدمی صلہ بن اشیم کو اس کے بھائی کی موت کی خبر دینے کے لیے گیا تو اسے کھانا کھاتے ہوئے پایا صلہ بن اشیم نے اسے کہا: قریب ہو اور کھانا کھاؤ مجھے میرے بھائی کی موت کی خبر بہت عرصہ پہلے دی گئی آنے والے نے کہا: وہ کیسے جبکہ میں تیرے پاس پہلا خبر لانے والا ہوں۔ صلہ بن اشیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی موت کی خبر دے دی ہے اور یہ پڑھا: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿١٠﴾ (۱) یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کی



موت اور ان کی موت کی خبر دی۔

اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں: (1) آخرت سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے (2) عمل پر برا بیخنتہ کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا (3) موت کی تمہید کے طور پر اس کا ذکر کیا (4) آپ کی موت میں اختلاف نہ کریں جس طرح پہلی امتوں نے دوسروں کی موت میں اختلاف کیا یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انکار کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے (5) تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر سے آگاہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مخلوق کو برابر رکھا ہے جبکہ دوسرے معاملات میں باہم فضیلت موجود ہے تاکہ تسلی زیادہ ہو جائے اور حسرت کم ہو جائے۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٥﴾ اس سے مراد کافر اور مومن، ظالم اور مظلوم کا جھگڑا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: حدیث میں اس کا طویل ذکر ہے خصوصیت قیامت کے روز اس حد تک جا پہنچے گی کہ روح اور جسم آپس میں جھگڑا کریں گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو معاملات ہمارے درمیان ہوتے رہے خصوصی گناہوں کے ساتھ کیا ان کے بارے میں ہمارے ساتھ تکرار کیا جائے گا؟ فرمایا: ہاں تمہارے ساتھ تکرار کیا جائے گا یہاں تک کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک معاملہ سخت ہے (1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے کچھ وقت گزارا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٥﴾ ہم کہتے: ہم کیسے جھگڑیں گے جبکہ ہمارا نبی ایک ہے اور ہمارا دین ایک ہے یہاں تک کہ ہم نے بعض کوتلواریوں کے ساتھ بعض کی گردنیں اڑاتے دیکھا تو مجھے علم ہو گیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم کہا کرتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے تو یہ جھگڑا کیسا۔ جب جنگ صفین کا موقع آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملہ کیا تو ہم نے کہا: ہاں وہ یہی ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہنے لگے: ہمارے درمیان ہماری خصومت کیا ہوگی؟ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو صحابہ نے کہا: یہی ہمارے درمیان خصومت ہوگی۔ ایک قول کیا گیا ہے: ان کے تنحاصم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فیصلہ طلب کرنا ہے ظالم کی نیکیوں سے اس کے ظلم کے برابر حق لیا جائے گا اور جس کے لیے حق ثابت ہو اس کو دے دیا جائے گا یہ حکم تمام مظالم کے بارے میں ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: ہمارے درمیان مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم نہ ہو اور سامان نہ ہو، فرمایا: ”میری امت میں سے مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزوں اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا وہ آئے گا کہ اس نے اس کو گالیاں دی ہوں گی اس پر تہمت لگائی ہوگی اس کا مال کھایا ہوگا، اس

کا خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا اس کو اس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائے گا اور دوسرے کو اس کی نیکیوں سے دیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں واجبات ادا کرنے سے پہلے ختم ہو گئیں تو مظلوم کی برائیاں لی جائیں گی اور ظالم پر پھینک دی جائیں گی پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا“ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے سورہ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس آدمی کا کسی پر عزت یا کسی اور حوالے سے کوئی ظلم ہو تو آج ہی اس سے معافی لے لے اس سے پہلے کہ اس کے پاس کوئی دینار اور درہم نہ رہے اگر اس کا کوئی عمل صالح ہو گیا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہو گئی تو مظلوم کے گناہ لیے جائیں گے اور ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے“ (1)۔ حدیث مسند یہی ہے ”سب سے پہلے خصومات دنیا میں ہوں گی“۔ ہم نے تمام بحث ”لہد کرۃ“ میں ذکر کر دی ہے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ  
مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝  
لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ  
الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَ لَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

”پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا، کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ انہیں ملے گا جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے، یہ صلہ ہے محسنوں کا تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں انکے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اس آدمی سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے اور یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد اور شریک ہے اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اَلَيْسَ میں ہمزہ استفہام تقریری ہے یعنی کیا جہنم انکار کرنے والوں کے لیے ٹھکانہ نہیں یہ شوی باللسکان سے مشتق ہے جب وہ وہیں ٹھہرے اس کا قصد ثواء، ثویثا آتا ہے جس طرح مضی فعل کا مصدر ہے مَضَاءُ اور مُضِيًّا آتا ہے اگر یہ اثوا سے مشتق ہوتا تو مُشْوٰی ہوتا یہ اس بات پر دال ہے کہ شوی ہی فصیح لغت ہے۔ ابو عبید نے اَشْوٰی نقل کیا ہے، اَشْوٰی کا قول ذکر کیا:

أَشْوٰی وَقَصْرَ لَيْثَةً لَّيْثَوَدًا وَمَضَى وَأَخْلَفَ مِنْ قَتِيلَةٍ مَّوْعِدًا

محل استدلال اشوی ہے۔

اسمعی صرف شوی کو ہی جانتا ہے اور شعر کو روایت کرتا ہے کہ اڑی استفہام کے طریقہ پر ہے اشویت غیری متعدی ہوتا

ہے اور وہ متعدی نہیں۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٢٠﴾۔ وَالَّذِي مَبْتَدَا هُوَ فِي حَيْثِيَّتِهِ فِي مَحَلِّ رَفْعٍ فِي هِيَ  
اس کی خبر اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ہے الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے  
کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ بِهِ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجاہد نے  
کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں۔ سدی نے کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ سے مراد جبریل امین  
اور الذی صدق بہ سے مراد مومن ہیں (1)، اس پر استدلال اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ سے کیا۔

نخعی اور مجاہد نے کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ سے مراد مومن ہیں جو قیامت کے روز قرآن کے ساتھ آئیں  
گے اور کہیں گے: یہ ہے وہ چیز جو تم نے ہمیں عطا کی اس میں جو کچھ ہے ہم نے اس کی پیروی کی اس تعبیر کی صورت میں الَّذِي  
جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح من جمع میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسم کی طوالت کی وجہ سے اس کے آخر سے نون  
حذف ہے۔ شعبی نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ واحد ہے اور کہا: الَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اسی وجہ  
سے اس کی خبر جماعت ہے جس طرح جس آدمی کی تعظیم مقصود ہے اس کے لیے کہا جاتا ہے: هُوَ فَعَلُوا، زِيدُوا فَعَلُوا کَذَا کَذَا۔  
ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر آدمی کے حق میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور  
دوسرے علماء نے کہا: طبری نے اسے پسند کیا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ یہ  
قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے ابوصالح کوئی کی قراءت وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ ہے یعنی صدق مخفف ہے یعنی اس  
کے بدلے میں سچ بولا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سچ کا اظہار کیا۔ سورہ بقرہ میں الَّذِي کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ یہ  
واحد اور جمع دونوں طرح ہوتا ہے۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی جنت میں نعمتوں میں سے جو چاہیں گے وہ ہونگی جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لَكَ  
اِکْرَامٌ عِنْدِي یعنی میری طرف سے تجھے اکرام پہنچے گا ذٰلِكَ جَزَاُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢١﴾ یعنی دنیا میں ثنا اور آخرت میں ثواب ہوگا۔  
لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ یعنی صدقوا۔ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔ انہوں نے صدقہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمادے،  
سُوَّ الَّذِي عَمِلُوا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عزتوں سے نوازیں گے اور اسلام سے قبل جو عمل وہ کرتے رہے اس پر اللہ تعالیٰ ان کا  
مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جو وہ دنیا میں اعمال حسنہ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجر عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۚ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ  
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ  
ذِي انْتِقَامٍ ﴿٢٢﴾

”کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے (یقیناً کافی ہے) اور وہ نادان ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں

سے جو اللہ کے رسول ہیں اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ - کاف سے یاء حذف کر دی گئی ہے کیونکہ یاء خود بھی ساکن ہے اور اس کے بعد تنوین بھی ساکن ہے اصل تو یہ تھا کہ وقف میں یاء کو حذف نہ کیا جاتا کیونکہ تنوین زائل ہے مگر اسے حذف کر دیا گیا ہے تاکہ علم ہو کہ فصل میں بھی یہی صورتحال ہے عربوں میں ایسے بھی ہیں کہ وقف کی صورت میں بھی یاء کو باقی رکھتے ہیں وجہ اس کی اصل کو ملحوظ رکھنا ہے وہ کہتے ہیں: کافی عام قراء کی قراءت عبدا ہے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کی ذات مشرکین کی وعید اور ان کے مکر کے لیے کافی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے عبادہ پڑھا ہے (1) وہ انبیاء ہیں یا انبیاء اور مومن ہیں۔ ابو عبید نے جمع کے صیغہ کی قراءت کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ قول ہے وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ یہ بھی احتمال ہے العبد لفظ جنس ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (العصر) اس تاویل کی بنا پر پہلی قراءت دوسری قراءت کی طرف راجع ہے کفایت بتوں کے شر کے لیے ہے کیونکہ مشرکین مومنوں کو بتوں کے سامنے ڈرایا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ (الانعام: 81) جرحانی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے اور کافر بندے کو ثواب دے کر اور عقاب دے کر کافی ہے۔

وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی مضرت سے خبردار کیا تھا، انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان معبودوں کے ذکر سے نہیں رکھیں گے تو یہ تجھے پاگل کر دیں گے یا تجھے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت خالد بن ولید عزی بت کی طرف گئے تاکہ اسے کلہاڑے کے ساتھ توڑ دیں اس کے خادم نے آپ کو کہا: اے خالد! میں تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں کیونکہ اس میں ایسی طاقت ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حضرت خالد عزی بت کی طرف بڑھے اور اس کی ناک توڑ دی یہاں تک کہ کلہاڑے سے اسے توڑ دیا ان کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کوڑا نانی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوڑا نانا تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انہیں بھیجا تھا آیت میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اپنے لشکروں کی زیادتی اور قوت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوڑا نانا کرتے تھے جس طرح ارشاد فرمایا أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَبِيحٌ مُنتَهُوٌّ (القمr)

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (1) اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ (2) یعنی جو اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھے یا اس کے رسولوں سے دشمنی رکھے کیا اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا نہیں۔

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيَّهِ أَوْ أَرَادَنِي



بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُنْسِكٌ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۚ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٠﴾  
 قُلْ لِقَوْمٍ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ  
 يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٢﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ  
 فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٦٣﴾

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمان اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرمائیے: پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہتا ہے تو کیا وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو فرما دیجئے: مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔ فرمائیے: اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا پس تم ضرور جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔ اے حبیب! ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے حق کے ساتھ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو بہکتا ہے تو وہ بہکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لیے اور آپ ان بد بختوں کے ذمہ دار نہیں۔“

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان سے پوچھیں لَيَقُولُنَّ یہ امر واضح کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اقرار کیا کرتے تھے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جب اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے تو وہ تجھے اپنے ان معبودوں سے کیسے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جبکہ تو اس کا رسول ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور آسمانوں و زمین کو پیدا کیا۔

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جب انہوں نے یہ اعتراف کر لیا ہے تو اب ان سے کہو: مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا یہ بت تکلیف کو رفع کر دیں گے اور اگر وہ مجھے رحمت سے نوازا نا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا وہ کسی ایسی چیز کو دور نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہو لیکن وہ شفاعت کریں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ انکے جواب کو ترک کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے یعنی وہ کہیں گے: نہ وہ کسی مصیبت کو دور کر سکتے ہیں اور نہ رحمت کو روک سکتے ہیں تو پس آپ کہیں: مجھے میرا اللہ کافی ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ نافع، ابن کثیر اور عاصم کے علاوہ کوفیوں نے کاشفات خضرہ پڑھا ہے۔ ابو عمرو، شیبہ اور حضرت حسن کی قراءت میں معروف اور عاصم سے یہی مروی ہے ہل هن کاشفات خضرہ اور مسکات رحمۃ اصل کے اعتبار سے اس پر تنوین پڑھی ہے؛ یہی ابو عبید اور ابو حاتم کی قراءت ہے کیونکہ یہ اسم فاعل ہے جو استقبال کے معنی میں ہے جب بات صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہے تو تنوین زیادہ مناسب ہے۔

شاعر نے کہا:

الضاربون عُتِرُوا عَنْ بِيوتهم بالليل يوم عُتِرَ ظالمٌ عادى

محل استدلال عتیراً ہے وہ رات کے وقت عمیر کو اپنے گھروں سے ہی مارنے والے ہیں عمیر کا دن ظالم اور زیادتی کرنے والا ہے۔ اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اس میں تنوین جائز نہیں ہوتی تنوین کو حذف کر دیا گیا۔ جب تنوین کو حذف کر دیا گیا تو دو اسموں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہی تو دوسرے اسم کو اضافت کی وجہ سے جردی گئی کلام عرب میں تنوین کا حذف بہت زیادہ ہے 'موجود ہے اور اچھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَذِيَّا لِّلْمَغْنَمَةِ (المائدہ: 95) محل استدلال بالغ ہے۔ فرمایا: انا مرسلو الناقة محل استدلال مرسلو ہے سیبویہ نے کہا: اس کی مثل غیر محلی الصيد ہے سیبویہ نے کہا:

هل أنت باعث دينارٍ لحاجتنا

کیا تو ہماری ضرورت کے لیے دینار بھیجنے والا ہے۔ محل استدلال باعث ہے۔  
تابع نے کہا:

أحكمكم كحكم فتاة العبي إذ نظرت إلى حباير شرايع واردة الشد

اس کا معنی وارد الشد ہے، تنوین کو حذف کر دیا گیا۔

قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ تَمَّ ابْنِي جَكَ كَامُ كَرُو فِي ابْنِي جَكَ بِرَعْمَلِ كَرْنِ وَالَاهُوں لَعْنِي اس جَهْتِ بِرَجُو  
میرے بس میں ہے۔

ابو بکر نے مکاتکم پڑھا۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

يُخْزِيهِ اَسْ دُنْيَا فِي ذَلِيلٍ وَرَسُوَا كَرُو دِيَا بِهَوَا كُور تَلُوَا رَ كَ سَا تَهْ هَ اُو رَا خَرْتِ فِي دَا مَ عِ عَذَابِ وَا قَعِ هَوَا كُ.

اِنَّ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِا وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ  
بِوَكِيلٍ ۝ اس کے بارے میں گفتگو کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کی روہیں حالت

نیند میں، پھر روک دیتا ہے ان روہوں کو موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روہوں کو مقررہ

میعاد تک، بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ان کی عمروں کے ختم ہونے پر نفوس کو قبض کر لیتا ہے وَالَّتِي لَمْ

تَمُتْ فِي مَنَامِهَا اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے جسموں میں روہوں کے باقی رکھنے کے ساتھ

تصرف سے انہیں روک دیتا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْآخِرَىٰ یعنی وہ نفوس جو سوئے ہوتے ہیں انہیں موت کے وقت تک آزاد چھوڑ دیتا ہے؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے وہ نفوس جو نیند میں نہیں مرتے ان کی عمروں کے ختم ہونے پر ان کو قبض کر لیتا ہے۔ کہا: بعض اوقات قبض کرنا اس کی نیند ہی ہوا کرتی ہے تو اس صورت میں تقدیر کلام اس صورت میں ہوگی والقی لم تمت وفاتها نومها۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے مفسرین نے کہا: زندوں اور مردوں کی رو میں نیند کی حالت میں ملتی ہیں اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان سب کے اجسام میں رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور زندوں کی روحوں کو انکی طرف بھیج دیتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو قبض کرتا ہے جب وہ مر جاتے ہیں (1) اور زندوں کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب وہ سو جاتے ہیں وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ متعارف ہوں یُرْسِلُ کا معنی ہے وہ انہیں واپس کرتا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: سونے والے کا نفس جبکہ وہ آسمان میں ہوتا ہے ابھی اسے اس کے جسم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا تو وہ سچی خوابیں ہوتی ہیں اور جس چیز کو ان کے بھیجنے کے بعد اور جسموں میں قرار پکڑنے سے پہلے دیکھتا ہے وہ شیطان القا کرتا ہے اور باطل ان میں خیال ڈالتے ہیں تو وہ جھوٹے خواب ہیں۔

ابن زید نے کہا: نیند وفات ہے اور موت بھی وفات ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح تمہیں موت دی جاتی ہے اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح تمہیں اٹھایا جائے گا“ (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نیند موت کا بھائی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ﷺ کیا جنتی سوئیں گے؟ فرمایا: لا النوم أخو الموت والجنة لا موت فیہا، نہیں نیند موت کا بھائی ہے اور جنت میں کوئی موت نہیں؛ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان میں نفس اور روح ہے دونوں کے درمیان سورج کی شعاع جیسا تعلق ہے نفس کے ساتھ سمجھ اور تمیز ہوتی ہے اور روح کے ساتھ سانس کی حرکت ہوتی ہے جب بندہ سوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا؛ یہ ابن انباری اور زجاج کا قول ہے۔ قشیری ابو نصر نے کہا: یہ بات حقیقت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں نفس مقبوض ایک ہی چیز ہے اسی وجہ سے فرمایا: فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْآخِرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى پس اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں یعنی نیند اور حالت موت میں روح کو ہی قبض کرتا ہے جسے حالت نیند میں قبض کرتا ہے تو اس کا معنی ہے اسے بھانپ لیتا ہے یعنی تصرف سے اسے روک دیتا ہے گویا وہ بھی ایسی چیز

ہے جس پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور جسے موت کی حالت میں قبض کرتا ہے تو اسے روک لیتا ہے اور قیامت تک اسے نہیں چھوڑتا۔  
وَيُزِيلُ الْأُخْرَىٰ جَوْشَرَ الْأُولَىٰ تَحِيًّا وَهُوَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ اس کو زائل کر دیتا ہے تو وہ لوٹ آتا ہے جس طرح وہ پہلے تھا نفس کی حالت  
نیند میں وفات حس کو زائل کرنے، غفلت کو پیدا کرنے اور ادراک کے محل میں آفت کو پیدا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور  
حالت نیند میں وفات سے مراد موت پیدا کرنا اور کلی طور پر حس کو ختم کرنا ہوتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَطْعُ عَلَيْهَا الْمَوْتُ يَعْنِي اس  
میں ادراک پیدا نہیں کرتا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں موت پیدا کر دی ہوتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت کی وجہ سے لوگوں نے نفس اور روح میں اختلاف کیا ہے، کیا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا یہ  
دو چیزیں ہیں جیسے ہم نے ذکر کیا ہے؟ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں اسی پر صحیح آثار دلالت کرتے ہیں جس  
طرح ہم اس باب میں ذکر کریں گے۔

اسی ضمن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے جبکہ ان کی  
آنکھ کھلی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے انکی آنکھ کو بند کر دیا پھر فرمایا: الرُّوحُ إِذَا قَبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ رُوحٌ جَبَّ قَبْضُهَا جَانِبًا  
ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ  
إِذَا مَاتَ شَخْصَ بَصُرُهُ كَمَا تَمُوتُ الْإِنْسَانُ كَوْنِهِمْ دِيكْهُتْ جَبَّ وَهُوَ مَرْتَابٌ تَوَاسَّ كِي أَنْكُحَ كُحْلُ جَانِبًا هُ فَرَمَا يَا: ”يَا اس لِيْے ہوتا ہے کیونکہ  
اس وقت نظر نفس کا پیچھا کرتی ہے“ دونوں روایات کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب بندہ نیک ہوتا ہے تو ملائکہ حاضر ہوتے  
ہیں وہ کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! نکلو جب وہ پاکیزہ جسم میں ہوتا ہے تو نکل جبکہ تو تعریف کی گئی ہے تجھے روح و ریحان کی  
بشارت ہو تجھے راضی رب کی بشارت ہو وہ غصہ میں نہیں، اسے لگا تا رہے بات کی جاتی ہے یہاں تک کہ اسے آسمان کی طرف  
لے جایا جاتا ہے“ اس کی سند صحیح ہے؛ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔  
صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ”جب فرشتے کسی شخص کی روح کو نکالتے ہیں تو اسے دو  
فرشتے وصول کر لیتے ہیں جو اسے اوپر کی طرف لے جاتے ہیں۔“

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادی والی حدیث (جس میں حضرت بلال کو ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ نماز کے لیے  
صحابہ کو بیدار کریں) میں کہا: یا رسول اللہ! میرے نفس کو اسی ذات نے اپنی گرفت میں لے لیا جس ذات نے آپ کے نفس کو  
اپنی گرفت میں لے لیا۔ زید بن مسلم کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے مقابل یہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ  
نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو انہیں ہماری طرف اس وقت کے علاوہ وقت میں لوٹا دیتا۔“

**مسئلہ نمبر 3۔** اس میں صحیح یہ قول ہے کہ ایک لطیف جسم ہے اجسام محسوسہ کے ساتھ چنگل مارے ہوئے ہے اسے کھینچا  
جاتا ہے اور اسے نکالا جاتا ہے اسے کفن میں لپیٹا جاتا ہے اور اسے کفن میں داخل کیا جاتا ہے اسے ہی آسمان کی طرف لے  
جایا جاتا ہے اسے موت نہیں آتی وہ فنا نہیں ہوتا یہ پاکیزہ خوشبو اور خبیث خوشبو والا ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی



حدیث میں ہے یہ اجسام کی صفات ہیں اعراض کی صفت نہیں ہم نے اس بارے میں تمام اخبار کتاب التذکرہ باحول الموق والددار الآخرة میں ذکر کی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝** (واقعہ) اس سے مراد نفس ہے جب وہ جسم سے نکلتا ہے یہ جسم کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَأْخُذْ دَاخِلَةَ إِزَارَةٍ فَلْيَنْفُضْ بِهَا فِرَاشَهُ وَلْيَسْمِ اللَّهَ فَإِنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا خَلْفَهُ بَعْدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَضْطَجِعَ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَنِ وَلْيَقْلُ سُبْحَانَكَ رَبِّي وَضَعْتَ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكَتَ نَفْسِي فَاغْفِرْ لَهَا (1)۔** جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کا ارادہ کرے تو وہ تہبند کے اندر کا حصہ لے اور اس کے ساتھ اپنے بستر کو جھاڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کون اس کا نائب رہا جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹے اور کہے: اے میرے رب! تو پاک ہے میں نے اپنا پہلو رکھ دیا ہے اور تجھی کے سہارے میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میرے نفس کو روک لے تو اسے بخش دے۔

بخاری، ابن ماجہ اور ترمذی نے فاغفر لہا کی جگہ فارحمہا کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ الفاظ بھی ذکر کیے اگر تو اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما جن چیزوں سے تو اپنے صالح بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ الفاظ زائد ذکر کیے ہیں: جب وہ بیدار ہو تو کہے: اس ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے میرے جسم کو عافیت عطا فرمائی میری روح کو میری طرف لوٹا دیا اور اپنے ذکر کا مجھے اذن دیا۔

امام بخاری نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سوتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر کہتے: **اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أُمُوتْ وَأُحْيَا اے میرے اللہ! تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں۔** جب وہ بیدار ہوتے تو کہتے: **الحمد لله الذي احيانا بعد ما أماتنا واليه النشور (2)** اس اللہ کی تمام تر تعریفیں ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا کی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

**فَيُؤَسِّسُكَ الْتِّي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ** یہ عام قراءت ہے فعل معروف ہے اور الموت پر نصب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر موت کا فیصلہ کر دیا؛ یہ ابو حاتم اور ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ آیت کے شروع میں **اللَّهُ يَتَوَكَّلُ إِلَّا نَفْسٌ** پس وہ ہی نفس پر فیصلہ فرماتا ہے۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے اسے **قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ** پڑھا ہے یعنی فعل مجہول۔ نحاس نے کہا: معنی ایک ہے مگر پہلی قراءت زیادہ واضح اور سیاق کلام کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے **وَيُؤَسِّلُ** انہوں نے اسے ویوسل نہیں پڑھا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، الوہیت میں منفرد ہونے، جو چاہے کرنے، زندگی دینے اور موت عطا کرنے پر تنبیہ ہے اس ذات کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہیں۔

**إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ** یعنی میت اور سونے والے کا نفس قبض کرنے اور سونے والے نفس کو چھوڑ دینے اور میت کے نفس کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الغلاء، جلد 2، صفحہ 936

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر المیت والاستعداد لہ، صفحہ 324

روک لینے میں کئی نشانیاں ہیں۔

اصمعی نے کہا میں نے معتمر کو کہتے ہوئے سنا: انسان کی روح کاتے ہوئے دھاگے کے بندل کی طرح ہے روح کو چھوڑا جاتا ہے وہ جاتی ہے پھر اسے لپیٹا جاتا ہے تو وہ آتی ہے اور جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے حالت نیند میں روح کا کچھ حصہ چھوڑا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ بدن میں ہوتا ہے اس کا جو حصہ جسم سے نکلتا ہے اس کے ساتھ اس کا مخفی اتصال موجود ہوتا ہے انسان جب بیدار ہوتا ہے تو روح کا وہ حصہ جو پھیل چکا تھا جسم میں موجود اکثر حصہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ لوٹ آتی ہے، اس کے علاوہ بھی بات کی گئی۔ سبحان میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۝ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۚ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَإِذَا ذُكِّرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۚ وَإِذَا ذُكِّرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝

”کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی، پوچھیے: اگرچہ وہ مزعومہ سفارشی کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمائیے: سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے آسمان اور زمین کی پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔“

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ بلکہ انہوں نے اپنے بتوں کو شفیع بنا لیا ہے۔ کلام میں ایسی چیز ہے جو لم کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تقدیر کلام یوں ہے لَمْ يَتَّفَعُوا لِيَكُنْ انہوں نے اپنے معبودوں کو شفیع بنا لیا ہے قُلْ أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا اے محمد! انہیں کہو کیا تم انہیں شفیع بناتے ہو اگرچہ یہ شفاعت میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی یہ عقل رکھتے ہیں کیونکہ یہ جمادات ہیں: یہ استفہام انکاری ہے۔ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا یہ اس میں بیان ہے کہ شفاعت صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ: 255) یعنی اس کی شفاعت کے بغیر کوئی شافع نہیں اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ (الانبیاء: 28) جَمِيعًا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جَمِيعًا دو یا اس سے زائد افراد کے لیے ہوتا ہے جبکہ شفاعت تو واحد ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شفاعت مصدر ہے اور مصدر دو اور جمیع افراد کا معنی دیتا ہے

وَخَدَّ ۚ خلیل کے نزدیک مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے اور یونس کے نزدیک حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مبرد نے کہا: اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ کا معنی ہے منقبض ہونا: یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی

ہے نفرت کرنا، تکبر کرنا، کفر کرنا اور نافرمانی کرنا۔ مؤرج نے کہا: اس کا معنی ہے انکار کرنا۔ اشمئزاز کا اصل معنی نفور اور ازورار ہے یعنی نفرت کرنا اور ناپسند کرنا۔

عمر بن مکتوم نے کہا:

إِذَا عَصَى الثَّقَافُ بِهَا أَشْمَازُثَ وَوَلَّثَهُمْ عَشَوَزَنَةً زَبُونًا

اور زید نے کہا: اشمئزاز الرجل کا معنی ہے وہ خوف سے گھبرا گیا مشرکوں سے جب کہا جاتا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور کفر کرتے۔

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ⑤ یعنی جب بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چہروں سے خوشی اور مسرت عیاں ہوتی ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِيمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ⑥ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ⑦ وَبَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ⑧ وَبَدَّ اللَّهُ لَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑨

”آپ عرض کیجیے: اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! اے جاننے والے غیب اور شہادت کے! تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا ان میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کریں اسے میرے عذاب کے عوض، قیامت کے دن اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادی ہے اور مضاف ہے اسی طرح عَلِيمَ الْغَيْبِ بھی ہے۔ یہ وہی کے نزدیک اس کا نعت ہونا جائز نہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے نماز کا آغاز کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ رات کو اٹھتے تو نماز کا آغاز ان الفاظ سے کرتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات و الارض عالم الغیب و الشهادة انت تحكم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اے اللہ! جبریل میکائیل و اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا

کرنے والے! اے غیب و شہادت کو جاننے والے! تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا جَهْوَثًا بُولِیٰ اَوْ شَرَكًا کَرِیٰ اِگر وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب فدیہ دے دیں۔ یہ بحث سورہ آل عمران اور سورہ الرعد میں گزر چکی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝ اسی معنی میں وہ روایت کی گئی ہے جسے منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہا: انہوں نے ایسے اعمال کیے انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ نیکیاں ہیں جبکہ وہ برائیاں تھیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ایسے اعمال کیے انہوں نے گمان کیا تھا کہ وہ موت سے قبل اس برے عمل سے توبہ کر لیں گے تو توبہ کرنے سے پہلے موت نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا جبکہ وہ گمان کیا کرتے تھے کہ وہ توبہ سے نجات پا جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے یہ وہم کیا تھا کہ انہیں توبہ کے بغیر ہی بخش دیا جائے گا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ ظاہر ہوا جس کا وہ گمان نہیں رکھتے تھے، یعنی انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

سفیان ثوری نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے، ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے یہ ان کی آیت اور ان کا قصہ ہے۔ عکرمہ بن عمار نے کہا: محمد بن منکر نے موت کے وقت بڑی جزع و فزع کی آپ سے کہا گیا: یہ جزع و فزع کیسی ہے؟ کہا: میں اللہ تعالیٰ کی ایک آیت سے ڈرتا ہوں وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝ میں ڈرتا ہوں کہ میرے لیے وہ چیز ظاہر ہو جس کا میں گمان نہیں رکھتا تھا۔ ان کے لیے کفر و معاصی کا عقاب ظاہر ہوا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کا احاطہ کر لیا۔

فَاِذَا مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْاِنْسَانِ ضَرْبًا غَآثًا ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ ۚ  
بَلْ هٰی فِتْنَةٌ وَّلٰکِنَّا کَثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ قَدْ قَالَتِہَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ فَمَا اَغْنٰی  
عَنْہُمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ فَاَصَابَہُمْ سَیِّآتٌ مَّا کَسَبُوْا ۚ وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ ہٰٓؤُلَآءِ  
سَیُصِیْبُہُمْ سَیِّآتٌ مَّا کَسَبُوْا ۚ وَمَا ہُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ اَوَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ  
الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

”پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی طرف سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (فضل) کے باعث (اے غافل! یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کہی تھی یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال و دولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس جو برے کام انہوں نے کیے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا، اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب



اپنی بد اعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے)، یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے۔“

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت حذیفہ بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ قتادہ نے کہا: علیؑ یعنی میرے نزدیک کمائی کی کئی صورتیں تھیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ علیؑ کا معنی ہے (1) اس خیر کی وجہ سے جو میرے پاس تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیؑ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس علم کی بنا پر جو میری فضیلت کے بارے میں موجود تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: علیؑ کا معنی ہے اس علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ مجھے علم تھا کہ جب دنیا میں عطا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا مقام و مرتبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی جو نعمتیں تجھے دی گئی ہیں وہ آزمائش ہیں جس کے ساتھ تجھے آزمایا جائے گا۔ فراء نے کہا: یہاں ہی ضمیر مونث ذکر کی گئی ہے کیونکہ فتنہ کا لفظ مونث ہے اگر یہ ہو فتنہ ہوتا تب بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بل أعطیتہ فتنۃ بلکہ اسے جو میں نے عطا کیا ہے وہ آزمائش ہے۔

قَدْ قَالَهَا هَا ضَمِيرُ اس لیے ذکر کی کیونکہ کلمہ مونث ہے اَلَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس سے مراد کفار ہیں جس طرح قارون وغیرہ جب اس نے یہ کہا تھا: اِنَّمَا اُوْتِيْتُهُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِي (القصص: 78)

فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ ⑤ مانا یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی اولاد اور اموال نے کچھ نفع نہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے ان کے اموال نے انہیں کس چیز کا نفع دیا قاصابہم سببات ما کسبوا یعنی ان کے اعمال کی برائیوں کی جزا۔ سیئہ کی جزا کو بھی سیئہ کہتے ہیں وَالَّذِينَ ظَلَمُوا یعنی جنہوں نے اس امت میں شرک کیا تو انہیں بھوک اور تلوار کی صورت میں اعمال کی سزا ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں نہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائیں گے اور نہ ہی ان کے سابقین نے انہیں ناپید پایا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ مومن کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ وہی آیات میں تدبر کرتا ہے اور ان سے نفع حاصل کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت بعض اوقات خفیہ تدبیر اور استدراج ہوا کرتا ہے اور اس میں کمی رفعت اور عظمت شان ہوا کرتی ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑦ وَ اَنْبِیُّوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَ اسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُوْنَ ⑧ وَ اتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ



يَا أَيُّكُمُ الْعَذَابُ بَعَثَهُ؟ أَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحَسِّرُنِي عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ بَلَىٰ قَدْ جَاءَ ثُكَّالًا بَيْتِي فَكَذَّبْتُ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتُ وَكُنْتُ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۝ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت کو لکھا پھر اسے ہشام کی طرف بھیج دیا، ہشام نے کہا: جب خط میرے پاس پہنچا تو میں اسے لے کر ذی طوی کی طرف نکلا میں نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی سمجھ عطا فرما دے تو میں پہچان گیا کہ یہ آیت میرے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے میں لوٹا اپنے اونٹ پر بیٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے تو بہت زیادہ قتل کیے انہوں نے بدکاری کی تو بہت زیادہ بدکاری کی (1) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا: جس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے کیا آپ ہمیں بتائیں گے کہ ہمارے لیے تو بہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ۔ امام بخاری نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے وہ سورہ فرقان میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتا ہے کہ جس نے بتوں کی پوجا کی اور جس نے ایسے نفس کو قتل کیا جس کا قتل کرنا حرام تھا اسے نہیں بخشا جائے گا تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام قبول کریں جبکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبودوں کی عبادت کی اور ہم نے ایسے نفوس کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے عبادت کے معاملہ میں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور انہیں خوف تھا کہ ان کی توبہ ان گناہوں کی وجہ سے قبول نہ ہوگی جو دور جاہلیت میں ان سے ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا: یہ آیت وحشی کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اس نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اسلام قبول نہیں کرے گا۔ ابن جریج نے عطاء سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وحشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے پناہ مانگنے کے لیے آیا ہوں مجھے پناہ دیجئے تاکہ میں اللہ کا کلام سنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں یہ پسند کرتا تھا کہ میں تجھے پناہ کے بغیر دیکھوں مگر جب تو پناہ چاہتے ہوئے آگیا ہے تو تو میری پناہ میں ہے یہاں تک کہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے۔“ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، میں نے اس نفس کو قتل کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اور میں نے بدکاری کی کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل فرمائی: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ

إِلَهَا آخَرًا وَلَا يَفْقَهُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزُنُونَ (الفرقان: 68) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ آیت تلاوت کی اس نے عرض کی: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں ممکن ہے میں کوئی نیک عمل نہ کر سکوں میں آپ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: 48) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور اس پر آیت کی تلاوت کی اس نے عرض کی: ممکن ہے میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں وہ نہ چاہے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (الزمر: 53) اس نے عرض کی: اب میں کوئی شرط نہیں دیکھتا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا اسے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ غفور رحیم ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ہے إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا لِمَنْ يَشَاءُ۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ دونوں قراتیں تفسیر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی پہچان کرادی ہے جن کو وہ بخشنا چاہتا ہے وہ توبہ کرنے والا ہے یا جس نے گناہ صغیرہ تو کیا اور اس کا گناہ کبیرہ نہ تھا اور اس پر راہنمائی کی کہ وہ مابعد کلام سے تائب ہونے کا ارادہ کرتا ہے وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ تائب کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اس پر یہ آیت ولالت کرتی ہے وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (ظہ: 82) یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت سے بڑھ کر کوئی وسعت والی آیت نہیں قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ یہ بحث سورت سبحان (الاسراء) میں گزر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت یہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا رد کیا ہے اور کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (الرعد: 6) ہے سورۃ الرعد میں یہ بات گزر چکی ہے اسے ولا تقنطوا یعنی نون کے فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے: سورۃ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ یعنی اطاعت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آؤ جب اس امر کی وضاحت کی کہ جس نے شرک سے توبہ کی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اب توبہ اور اس کی بارگاہ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔ انابہ کا معنی ہے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔

وَأَسْأَلُ اللَّهَ اس کے سامنے خضوع کا اظہار کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ قَبْلَ اس کے کہ دنیا میں عذاب آجائے لَكُمْ لَا تُنصَرُونَ ⑤ پھر تمہیں اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1- جامع الترمذی، باب دس سورۃ زمر، حدیث نمبر 3161، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من السعادة أن يطيل الله عمر المذنب في الطاعة ويؤزقه الإنابة وإن من الشقاوة أن يعمل المرء يعجب بعمله (1) یہ سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کی عمر کو لمبا کرے اور اسے انابت (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع) کی توفیق دے اور شقاوت میں سے یہ بھی ہے کہ انسان عمل کرے اور اپنے عمل پر عجب کا اظہار کرے۔

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اور یہ سب کا سب حسن ہے حضرت حسن بصری نے جو کہا اس کا معنی ہے اس کی اطاعت کو لازم پکڑو اور اس کی معصیت سے اجتناب کرو (2)۔ سدی نے کہا: احسن سے مراد وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد محکمت ہیں اور متشابہ کا علم اس کے عالم کے سپرد کر دو کہا: اللہ تعالیٰ نے کئی کتابیں نازل کیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن حکیم کو نازل کیا اور اس کی اتباع کا حکم دیا: یہی احسن ہے اور وہ معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ احسن ہے کیونکہ یہ تمام کتابوں کے لیے نسخ اور ان پر غالب ہے تمام کتابیں منسوخ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عفو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عفو اور قصاص میں اختیار دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو جس کا علم دیا جبکہ وہ قرآن نہیں ہے پس وہ حسن ہے اور جو قرآن آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے وہ احسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سابقہ امتوں کی جو خبریں نازل کی ہیں وہ احسن ہیں۔

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحْسِنُ الْعَمَلُ، ان محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے كراهة أن تقول كوفيوں کے نزدیک یہ تقدیر ہے لئلا تقول بصریوں کے نزدیک حذر أن تقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أن تقول نفس کیونکہ اس سے نفوس میں سے بعض نفوس ہیں وہ کافر کا نفس ہے۔ یہ جائز ہے اس سے مراد وہ نفس ہو جو نفس میں سے ممتاز ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کفر میں شدید جھگڑا کرتا ہے یا اسے عظیم عقاب دیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد کثرت ہو؛ جس طرح اعشی نے کہا: وَرَبِّ بَقِيعٍ لَوْ هَتَفْتُ بِجَوَارِ أَتَانِ كَرِيمٍ يَنْفُضُ الرَّأْسَ مُغْضَبًا (3)

یہاں کریم سے مراد معززین کی جماعتیں ہیں یہاں ایک کریم مراد نہیں جس طرح یہ ہے رب بدد قطعت، رب بطل قارعت ان دو مثالوں میں بھی کثرت کا ہی ارادہ ہے یا حسرتا اصل میں یا حسرتی تھا یا ء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یہ حرف خفیف ہے اور آواز کو لمبا کرنے کے ساتھ استغاثہ میں زیادہ موثر ہے بعض اوقات اس کے آخر میں ہاء لاحق کر دیتے ہیں۔ فراء نے شعر پڑھا ہے:

يَا مَرْحَبًا بِحَارِ نَاجِيَةٍ إِذَا أَتَى قَرْبَتُهُ لِسَانِيَةٍ

محل استدلال مرحباہ ہے۔

بعض اوقات وہ الف کے بعد یا ء کو لاحق کر دیتے ہیں تاکہ وہ اضافت پر دلالت کرے۔ ابو جعفر نے بھی اسے اسی طرح

پڑھا ہے یا حسرتا ی حسرت سے مراد شرمندگی ہے۔

عَلَى مَا فَرَّ طَلْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ حضرت حسن بھری نے کہا: فِي جَنْبِ اللَّهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اللہ عزوجل کے ذکر میں کہا یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنا۔

ابو عبید نے کہا: فِي جَنْبِ اللَّهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثواب میں۔ فراء نے کہا: جنب سے مراد قرب اور پڑوس ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان یعیس فی جنب فلان یعنی فلاں، فلاں کے پڑوس یا پناہ میں رہتا ہے اسی سے الصاحب بالجنب ہے یعنی میں نے اس کے جوار اور قرب کی طلب میں یعنی جنت کی طلب میں کوتاہی کی ہے۔ زجاج نے کہا: یعنی میں نے اس راستہ میں کوتاہی کی جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت دی۔ عرب کسی شے کی طرف جانے والے راستہ کو جنب کہتے ہیں، تو کہتا ہے: تجرعت فی جنبک غصصا یہاں فِي جَنْبِ کا معنی تیرے لیے تیرے سبب سے اور تیری رضا کی خاطر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي جَنْبِ اللَّهِ سے مراد ہے اس جانب میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی طرف لے جاتی ہے عرب جانب کو جنب کہتے ہیں۔

شاعر نے کہا:

النَّاسُ جَنْبٌ وَالْأُمُيُؤُ جَنْبٌ

یعنی لوگ ایک جانب میں ہیں اور امیر دوسری جانب میں ہے۔

ابن عرفہ نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ترک کر دیا یہ جملہ کہا جاتا ہے ما فعلت ذلک فی جنب حاجتی۔ یعنی میں نے یہ کام اپنی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا؛ کثیر نے کہا:

الْأَسْتَحْيَيْنَ اللَّهَ فِي جَنْبِ عَاشِقٍ (2)

کیا تو عاشق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔

مجاہد نے بھی اسی طرح کہا یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ضائع کر دیا (3)۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”کوئی آدمی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا، نہ چلنے والی جگہ چلا اور نہ کسی بستر پر لیٹا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا مگر قیامت کے روز وہ اس پر حسرت میں ہوگا۔“ ابوداؤد نے اس معنی کی روایت نقل کی ہے ابراہیم تیمی نے کہا: قیامت کے روز حسرتوں میں سے ایک یہ ہوگی کہ انسان اپنے اس مال کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا قیامت کے روز غیر کے میزان میں دیکھے گا جس کا دوسرا فرد وارث بنا تھا اور اس میں حق کے مطابق عمل کیا تو عمل کرنے والے کے لیے اجر ہوگا اور دوسرے پر بوجھ ہوگا۔ اور حسرتوں میں سے ایک حسرت یہ بھی ہوگی کہ ایک بندہ اپنے غلام کو دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عطا کیا تھا وہ مقام و مرتبہ میں مالک سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا یا ایک آدمی کو دیکھے گا جسے وہ دنیا میں نابینا پہچانتا تھا اب قیامت کے روز وہ بینا ہے اور وہ خود نابینا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ لَمَنِ السَّخِرِينَ ⑤ یعنی تو نہیں ہے مگر دنیا میں قرآن، رسول اور اللہ کے اولیاء سے استہزاء کرنے والوں

میں سے (1)۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضائع کیا یہاں تک کہ اس نے اطاعت گزاروں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اِنْ كُنْتُ حَالٌ هُوَ فِي حَيْثِيَّتِهِ مَسْنُوبٌ هُوَ كَمَا كُنتُ فِي حَيْثِيَّتِهِ مَسْنُوبٌ ہوتا ہے: میں نے کوتاہی کی جبکہ میں مذاق کرنے والا تھا یعنی میں نے مذاق اڑانے کی حالت میں کوتاہی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نہیں تھا مگر مذاق، کھیل اور باطل میں یعنی میری سب کاوش غیر اللہ کی عبادت میں تھیں۔

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٠﴾ یا یہ نفس کہے گا: کاش! اللہ تعالیٰ میری راہنمائی اپنے دین کی طرف کرتا تو میں شرک اور معاصی سے بچنے والوں میں سے ہوتا یہ قول ”اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں ہدایت یافتہ ہو جاتا“ سچا قول ہے یہ مشرکین کے اس استدلال کے قریب ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں دی ہے: سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْلَا إِشْرَائُ اللَّهِ مَا أَشْرَكْنَا (الانعام: 148) یہ کلمہ حق ہے جس کے ساتھ باطل کا ارادہ کیا گیا جس طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ایک خارجی نے کہا: لاحکم اللہ۔

أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرْهًا فَاكُونُ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥١﴾ یعنی جب وہی نفس عذاب دیکھے گا تو وہ کہے گا: کاش! میرے لیے دوبارہ لوٹنا ہوتا فاکون تمنی کے جواب کے طور پر منصوب ہے اگر تو چاہے تو یہ کراہۃ پر معطوف ہو کیونکہ اس کا معنی ہے اَنْ اُکثر جس طرح شاعر نے کہا:

لَلْبَيْسِ عِبَادَةٌ وَتَقَرُّ عَيْنِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ لُبْسِ الشُّفُوفِ

فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَمَا لَكَ مِنْهَا غَيْرُ ذِكْرِي وَخَشْيَةٍ وَتَسْأَلُ عَنْ رُكْبَانِهَا أَيْنَ يَكُونُوا (2)

یہاں وتَسْأَلُ کو نصب الذکر کی محل کی وجہ سے ہے کیونکہ کلام کا معنی ہے فَمَا لَكَ مِنْهَا اِلَّا ان تذکر یہی صورت حال للبس عبادۃ و تقراء میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے لان البس عبادۃ و تقراء ابو صالح نے کہا: بنی اسرائیل کے ایک عالم نے رقعہ پایا کہ ایک آدمی طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جہنمی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے ایک آدمی طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں عمل پیرا رہتا ہے پھر وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جنتی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اس نے کہا: میں کس وجہ سے اپنے آپ کو تھکاؤں اس نے عمل ترک کر دیا اور فسق و معصیت میں شروع ہو گیا ابلیس نے اسے کہا: تیری عمر طویل ہے تو دنیا سے لطف اندوز ہو لے پھر تو بہ کر لینا وہ فسق میں شروع ہو گیا اور اپنا مال فجور میں خرچ کرنے لگا موت کا فرشتہ اس کے پاس اس حالت میں آیا جبکہ وہ لذیذ ترین عمل میں مصروف تھا تو اس نے کہا: ہائے میرا افسوس! جو میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی میری عمر شیطان کی اطاعت میں گزر گئی اس نے اس وقت شرمندگی کا اظہار کیا جس وقت شرمندگی اسے نفع دینے والی نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر قرآن میں نازل کی۔ قتادہ نے کہا: اس کی کئی صنفیں ہیں ان میں سے ایک صنف نے کہا: يُحْصَرُ عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِي





ساتھ نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا، اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ آپ فرمائیے: اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔“

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ اِنَّ كَايَہ حال اس وجہ سے ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی نے گھیر رکھا ہے۔ اخفش نے کہا: تَرَى، وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ میں عامل نہیں کیونکہ وہ مبتدا اور خبر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تَرَى سے مراد روية بصرا لیا جائے تو یہ جملہ حال ہوگا اگر روية قلب مراد ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہوگا (1)۔

الْيَسَّ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ① رسول اللہ ﷺ نے کبر کے معنی کی وضاحت کی فرمایا: سفہ الحق وغص الناس حق کی ناقدری کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کی حقارت بیان کرنا۔ سورہ بقرہ اور دوسری آیات میں یہ بحث گزر چکی ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: يحش المتكبرون يوم القيامة كالذر يلحقهم الصغار حتى يوثق بهم إلى سحن جهنم متكبرون كوقيامت کے روز کیڑیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا انہیں حقارت لاحق ہوگی یہاں تک کہ انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا (2)۔

وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا اَسَ يُنَجِّي بھی پڑھا گیا ہے یعنی جو شرک اور نافرمانیوں سے بچتے رہیں بِمَفَازٍ تَهُم مَفَاذَ کا واحد کا صیغہ ہے عام قراءت یہی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ کوفیوں نے بمفاز اتهم پڑھا ہے (3)۔ یہ جائز ہے جس طرح تو کہتا ہے بسعاد اتهم اس آیت کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی کی حدیث میں ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اس کا عمل بھی اٹھائے گا مومن کا عمل اس کے ساتھ خوبصورت ترین اور عمدہ ترین خوشبو کے ساتھ ہوگا جب کبھی بھی رعب یا خوف ہوگا تو وہ اس آدمی کو کہے گا: تو خوفزدہ نہ ہو تو اس سے مراد نہیں اور نہ ہی تو اس سے مقصود ہے، جب یہ بات کافی دفعہ ہو چکی ہوگی تو وہ کہے گا: تو کتنا ہی خوبصورت ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: تو مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا نیک عمل ہوں تو نے میرے بوجھل ہونے کے باوجود اٹھائے رکھا اللہ کی قسم! اب میں تجھے اٹھاؤں گا اور تیرا دفاع کروں گا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازٍ تَهُم لَا يَسْتَكْبِرُونَ ②۔

وکیل سے مراد نگہبان اور امور بجالانے والا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اس کا واحد مقلید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا واحد مقلاد ہے اکثر اس میں اقلید استعمال ہوتا ہے۔ مقلید سے مراد چابیاں ہیں: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: آسمان کے خزانوں سے مراد بارش ہے اور

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء في صفة اوان الحوض، حدیث نمبر 2416، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 140

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 539

زمین کے خزانوں سے مراد نباتات ہیں اس میں ایک اور لغت اقلید ہے اسی تعبیر کی بنا پر اس کی واحد اقلید ہے۔ جوہری نے کہا: اقلید سے مراد چابی ہے مقلد کا معنی بھی چابی ہے جس طرح منجل ہے بعض اوقات اس کے ساتھ گھاس کو بانا جاتا ہے جس طرح قت (صحرائی بوٹی) کو بانا جاتا ہے جب اس سے رسی بنائی جائے اس کی جمع مقالید ہے اقلد البحر علی خلق کشید یعنی سمندر نے انہیں غرق کر دیا گویا اس نے ان پر دروازہ بند کر دیا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کسی نے بھی مجھے سے اس بارے میں نہیں پوچھا وہ لا إله إلا الله، الله أكبر، سبحان الله وبحمده، أستغفر الله، لا حول ولا قوة إلا بالله العظیم هو الأول والآخر والظاهر والباطن یحیی ویمیت بیدۃ الخیر وھو علی کل شیء قدیر ہے (2) ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا: ”جس نے صبح اور شام کے وقت دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) اس کی ابلیس سے حفاظت کرے گا (2) بارہ ہزار فرشتے اس کے پاس حاضر ہوں گے (3) اسے ایک قطار اجر دیا جائے گا (4) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا (5) اللہ تعالیٰ حور عین سے اس کی شادی کرے گا (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا جتنا اجر اس آدمی کو دیا جائے گا جس نے قرآن، تورات، انجیل اور زبور پڑھی ہوگی اس کے لیے مزید اس آدمی جیسا اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا ہوگا جس کا حج اور عمرہ قبول ہوگا اگر وہ اس رات فوت ہو جائے تو وہ شہید کی موت مرے گا۔“

حارث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مقالید کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا فرمایا: ”اے علی! تو نے عظیم مقالید کے بارے میں سوال کیا (3) جب تو صبح کرے یا شام کرے تو تو کہے: لا إله إلا الله، الله أكبر، سبحان الله، الحمد لله، أستغفر الله لا حول ولا قوة إلا بالله الأول والآخر والظاهر والباطن له الملك وله الحمد بیدۃ الخیر وھو علی کل شیء قدیر جس نے صبح کے وقت انہیں دس بار کہا اور جس نے شام کے وقت دس بار کہا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) شیطان اور اس کے لشکروں سے اسے محفوظ رکھے گا انہیں اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں ہوگا (2) اسے جنت میں ایک قطار دیا جائے گا جو ترازو میں احد پہاڑ سے بڑھ کر ہوگا (3) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا جسے نیک لوگ ہی حاصل کریں گے (4) اللہ تعالیٰ اس کی شادی حور عین سے فرمائے گا (5) اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں جو ان کلمات کو ان کے حق میں ”رق منشور“ میں لکھتے ہیں اور قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دیں گے (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا گویا اس نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کی قراءت کی ہے اور اس آدمی کی طرح اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا جس کا حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اگر وہ اس دن، اس رات یا اس مہینے میں فوت ہو گیا تو وہ شہید کے طور پر لکھا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقالید سے مراد اطاعت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ألقی إلى فلان بالمقالید یعنی اس نے اسے جس بھی امر

کا حکم دیا اس میں اس نے اطاعت کی۔ آیت کا معنی یہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے سب اس کی اطاعت کرتے ہیں۔  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٠﴾ آیات سے مراد قرآن، دلائل اور دلالات ہیں اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

قُلْ أَغْفِرُ لِلَّهِ تَأْمُرُوْنِيْٓ اَعْبُدُ يٰہ اس وقت ہوا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس امر کی دعوت دی جس پر وہ قائم تھے یعنی بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے انہوں نے کہا: یہ تیرے آباء کا دین ہے غیور پر نسب اعباد فعل کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اعباد غیر اللہ فیما تا مروننی یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی بناء پر تَأْمُرُوْنِيْٓ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی اَتَا مروننی بغیر اللہ اعبدا کیونکہ ان مقدرہ ہے اور ان اور فعل مصدر ہیں یہ غیور سے بدل ہے تقدیر کلام یہ ہے اَتَا مروننی بعبادة غیر اللہ۔

نافع نے تَاْمُرُوْنِيْ پڑھا ہے یعنی ایک نون مخففہ اور یاء کو فتح دیا ہے (1) ابن عامر نے تَاْمُرُوْنِيْ اپنے اصل پر پڑھا ہے باقی قراء نے ایک نون مشددہ پڑھا ہے جس میں ادغام کا قاعدہ جاری ہے؛ ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ مصحف عثمانی میں اسی طرح ہے۔ نافع نے اسے دوسرے نون کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے محذوف دوسرا نون ہوگا کیونکہ تکرار اور ثقل اسی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ پہلے کا حذف جائز ہی نہیں کیونکہ وہ تورفع کی علامت ہے۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت اتحاجونی میں گزر چکی ہے اَعْبُدُ اصل میں ان اعبدا تھا جب ان کو حذف کر دیا گیا تو اسے رفع دیا گیا یہ کسائی کا قول ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَلَا أَتٰیْہَذَا الزَّاجِرِیْ اَحْضَرُ الْوَعٰی

محل استدلال احضَرُ الوعی ہے اصل میں اُن احضَرَا تھا۔ اس توجیہ کی صحیح دلیل اس کی قراءت ہے جس نے اسے اعبدا منصوب پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ اُوْحِیْ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَیْنُ اَشْرَکْتَ لَیَحْطَبَنَّ عَمَلُکَ

وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿١١﴾ بَلِ اللّٰهُ فَاَعْبُدُوْا کُنْ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿١٢﴾

”اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے۔“

وَلَقَدْ اُوْحِیْ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَیْنُ اَشْرَکْتَ لَیَحْطَبَنَّ عَمَلُکَ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوئی لقد اوحی الیک لئن اشرکت و اوحی الی الذین من قبلک کذلک ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اپنے طریقہ پر ہے۔ مقاتل نے کہا: یعنی آپ کی طرف اور آپ سے قبل انبیاء کی طرف توحید کی وحی کی گئی اور توحید محذوف ہے پھر فرمایا: لئن

اشراکت یا محمد۔ اے محمد! سنئے! اگر آپ شرک کریں لَيَحْطَطَنَّ عَمَلُكَ تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے یہ خاص نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ شرک نہیں کرتے اور آپ سے شرک واقع نہیں ہوتا۔ احباط کا معنی باطل کرنا اور فاسد کرنا ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے ارتداد کیا تو اس کو سابقہ اطاعتیں نفع نہ دیں گی لیکن ارتداد کے ساتھ اعمال کا برباد ہونا کفر پر وفات کے ساتھ مشروط ہے اسی وجہ سے فرمایا: مَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ دَهُوَ كَافِرٍ فَادْلُكْ حَبْطُ أَعْمَالِهِمْ یہاں مطلق، مقید پر محمول ہے اسی وجہ سے ہم نے کہا: جس نے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس پر فرض حج کا اعادہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے، امام مالک کے نزدیک اس پر حج واجب ہے اس پر گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

بَلَى اللَّهُ فَاغْبُذْ نَحَاسَ نے کہا: میری کتاب میں ابواسحاق سے یہ تحریر ہے کہ لفظ اللہ اسم جلالت منصوب ہے جس کا عامل اعبد ہے اس مسئلہ میں بصریوں اور کوفیوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ نَحَاسَ نے کہا: فراء نے کہا یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے: یہ مہدوی نے کسائی سے حکایت بیان کی ہے۔ جہاں تک زجاج کا تعلق ہے زجاج نے کہا: یہ مجازات کے لیے ہے۔ انفس نے کہا: یہ زائدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَاغْبُذْ کا معنی فَوْجِدْ ہے اس کی وحدانیت بیان کرو۔ دوسرے علماء نے کہا: بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور مشرکین کے برعکس اس کے انعامات کا شکر بجالاؤ۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمُوتُ  
مَطْوِيَّتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ⑩  
مَنْ فِي السَّمُوتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ⑪

”اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا کہ بے ہوش نہ ہوں پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے اور جگمگاٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔“

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ مبرد نے کہا: انہیں اللہ تعالیٰ کی جس طرح عظمت بجالانا تھی ایسی عظمت بجانہ لائے یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان عظیم القدر نَحَاسَ نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر معنی ہوگا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی



عبادت کے ساتھ دوسرے معبودان باطلہ کی عبادت کی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک اور خالق ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ تعظیم نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عظمت کا ذکر کیا وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کی کہ یہ کسی عضو کے ساتھ ہو فرمایا: سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٩١﴾ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور مخلوقات کو ایک انگلی پر روکتا ہے پھر فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں (1) پھر فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّى قَدِرَ بِهِ (الانعام: 91) کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین کو قبض کرے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟“ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتیؓ سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ کے بارے میں پوچھا کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ اس روز لوگ کہاں ہوں گے (2)؟ فرمایا: جہنم کے پل پر، ایک روایت میں ہے کہ ”اے عائشہ! صراط پر“ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ، ویقبض اللہ الارض سے مراد اس کی قدرت اور تمام مخلوقات کا احاطہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما فلان الا فی قبضتی وہ اس سے مراد لیتے ہیں اشیاء اس کی ملک اور قدرت میں ہیں بعض اوقات قبض اور طے کا معنی کسی شے کو فنا کرنا اور ختم کرنا ہوتا ہے وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد تمام زمین قیامت کے روز تباہ و برباد ہونے والی ہے۔ الارض سے مراد ساتوں زمینیں ہیں اس کی دو شہادتیں ہیں۔ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا کیونکہ یہ موقع تفخیم کا ہے اور وہ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سے مراد کسی کدو کاوش سے لپیٹنا نہیں اس سے مراد فنا اور تباہ ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: قد انطوى عنا ما كنا فيه وجاءنا غيرة، انطوى عنادہر کا معنی ہے یعنی زمانہ ہم سے گزر گیا ہے۔ لفظ یمین، کلام عرب میں کبھی قدرت اور ملک کے معنی میں ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء: 3) سے مراد ملک ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا خَدَّائُوْهُ بِالْاَيْمَانِ ﴿٩٢﴾ (الحاقۃ) یعنی ہم نے اس کی قوت اور قدرت گرفت میں لے لی۔ فراء اور مبرد نے کہا: یمین کا معنی قوت اور قدرت ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

اِذَا مَا رَاَيْتُ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةٌ بِالْيَمِينِ

جب کبھی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا گیا تو عرابہ نے اسے قوت سے پکڑ لیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ زمر، جلد 2، صفحہ 156۔ ایضاً، حدیث نمبر 3162، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، صفحہ 157۔ ایضاً، حدیث نمبر 3164-3165، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک اور شاعر نے کہا:

وَلَمَّا رَأَيْتُ الشَّمْسَ أَشْرَقَ نُورُهَا تَنَادَلْتُ مِنْهَا حَاجَتِي بِسَمِينِ  
جب میں نے سورج کو دیکھا کہ اس کا نور روشن ہے تو میں نے اس سے اپنی حاجت کو بڑی قوت سے لے لیا۔

قَتَلْتُ شَنِيعًا ثُمَّ فَارَانًا بَعْدَهُ دَكَانَ عَلَى الْآيَاتِ غَيَّرَ أَمِينِ  
یہاں قیامت کو خصوصاً ذکر کیا اگرچہ اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے کیونکہ قیامت کے روز تمام دعوے ختم ہو جائیں گے جس طرح فرمایا: وَالْأَمْرُ يَوْمَ لِلَّهِ ۝ (الانفطار: 19) مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ (فاتحہ: 4) جس طرح سورت فاتحہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اسی وجہ سے حدیث طیبہ میں فرمایا: ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ ابْنُ مَلِكِ الْأَرْضِ (1) پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ہم نے ”التذکرہ“ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ثم یطوی الارض بشمالہ میں شمال کے ذکر پر گفتگو کی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝  
زمین کو قبض کرنے اور آسمان کو لپٹنے کے درمیان صور پھونکا جائے گا یہ دو نفخے ہونگے ان میں سے پہلے نفخے کے موقع پر مخلوقات مرجائے گی اور دوسرے نفخے کے موقع پر وہ زندہ ہونگے بحث سورہ نمل اور انعام میں گزر چکی ہے۔ جو صور پھونکے گا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہونگے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ساتھ حضرت جبریل امین ہونگے جس طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے، صور پھونکنے والوں کے ہاتھوں میں دو سینک ہیں وہ نظر لگائے ہوئے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے (2)۔ اسے ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابوداؤد کی کتاب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صور پھونکنے والے کا ذکر کیا اور کہا: اس کی دائیں جانب حضرت جبریل امین اور بائیں جانب حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں (3)۔

جو لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شہداء ہونگے جو عرش کے ارد گرد اپنی تلواریں گلے میں لٹکائے ہوئے ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے جس کا ذکر قشیری نے کیا اور حضرت عبداللہ کی حدیث ہے جسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرات جبریل امین، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ (الزمر: 68) تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ کون لوگ ہیں جن کی استثناء اللہ تعالیٰ نے کی ہے؟ فرمایا: وہ حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، ذکر البعث، صفحہ 326

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض اللہ الارض، جلد 2، صفحہ 965

3۔ سنن ابی داؤد، الحروف والقرات، باب القرات، جلد 2، صفحہ 199

فرمائے گا: اے ملک الموت! میری مخلوق میں سے کون باقی ہے جبکہ وہ خوب جانتا ہے؟ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! جبریل، میکائیل اور اسرافیل اور تیرا ضعیف بندہ ملک الموت باقی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اسرافیل اور میکائیل کی روح قبض کر لے تو وہ دونوں مر کر گر پڑیں گے جس طرح وہ پہاڑ ہوں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے ملک الموت! تو بھی مرجا، تو وہ بھی مرجائے گا۔ اللہ تعالیٰ جبریل امین سے فرمائے گا: اے جبریل! کون باقی ہے؟ تو وہ عرض کرے گا: تو برکتوں والا ہے تو بلند ہے اے صاحب جلال و اکرام! تیری ذات باقی ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے جبکہ جبریل مرنے والا فانی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے جبریل! تیری موت ضروری ہے، وہ سجدہ میں گر پڑے گا وہ اپنے پروں کو پھڑپھڑا رہا ہوگا: وہ کہے گا اے میرے رب! تو پاک ہے تو برکتوں والا ہے تو بلند و بالا ہے اے صاحب جلال و اکرام! نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جبریل امین کی تخلیق حضرت میکائیل علیہ السلام کی تخلیق پر یوں فضیلت رکھتی ہے جس طرح بڑے پہاڑ کو چھوٹے ٹیلے پر فضیلت ہوا کرتی ہے“ اے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

اسے نحاس نے بھی ذکر کیا ہے کہ محمد بن اسحاق، یزید رقاشی، سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ **إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** کا مصداق حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حاملین عرش، ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام ہیں اس حدیث میں ہے: ان میں موت میں سب سے آخر حضرت جبریل علیہ السلام ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو شہداء کے متعلق ہے وہ اصح ہے جس طرح سورہ نمل میں گزر چکا ہے ضحاک نے کہا: مستثنیٰ رضوان حور، مالک اور زبانیہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنمیوں کے بچھو اور اس کے سانپ ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ اہل آسمان اور اہل زمین میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا مگر اسے موت کا ذائقہ چکھائے گا (1)۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ مستثنیٰ کو خوب جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ** میں مستثنیٰ وہ ہیں جو فتح اولیٰ سے پہلے مر گئے یعنی اہل آسمان اور اہل زمین مر جائیں گے مگر جن کو پہلے ہی موت آ چکی ہے کیونکہ وہ مردہ تھے۔

صحیحین اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ طیبہ کے بازار میں یہ کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر انتخاب کے ساتھ فضیلت دی (2)۔ ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے تھپڑ مارا کہا: تو یہ بات کرتا ہے جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ** ⑤ میں سب سے پہلے اپنا سراٹھاؤں گا تو میں اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہونگا جو عرش کے ایک پائے کو پکڑے ہوئے میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اپنا سر مجھ سے پہلے اٹھایا یا وہ ان افراد میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے جس نے یہ کہا: میں حضرت یونس بن متی علیہ

السلام سے بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا“ (1)۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے استثناء کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شہداء پر محمول کیا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زندہ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ صعقہ عقل کے زوال کی صورت میں ہو زندگی کے زوال کی صورت میں نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ موت کی صورت میں ہو یہ کوئی بعید نہیں کہ یہ موت اور حیات کی صورت میں ہو ان میں سے ہر ایک کو عقل جائز قرار دیتی ہے اس کا وقوع خبر صادق پر موقوف ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث میں آیا ہے فرمایا: ”مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگوں پر صعقہ طاری ہوگا میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جو اس سے افاقہ پائے گا کیا دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہونگے میں نہیں جانتا کہ کیا وہ ان لوگوں میں سے ہونگے جن پر صعقہ طاری ہوا تو مجھ سے قبل انہیں افاقہ ہوا یا اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ کو مستثنیٰ کیا“ اسے امام مسلم نے نقل کیا اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے ”افاقہ“ یہ غشی اور زوال عقل سے ہوا کرتا ہے نہ کہ موت کے بعد زندگی کو لوٹانے کی صورت میں ہوا کرتا ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿١٠﴾ تو اچانک اہل زمین اور اہل آسمان کے مردے زندہ ہونگے جنہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ان کے بدن کی روئیں ان کی طرف لوٹادی جائیں گی وہ انھیں گے کہ دیکھیں انہیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونگے وہ اس حشر کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نظر، انتظار کے معنی میں ہوگی یعنی ان کے ساتھ جو معاملہ کیا جانے والا ہے اس کا انتظار کریں گے۔ کسائی نے قیام کو نصب دینا بھی جائز قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے فاذا زید جالساً (محل استدلال جالساً ہے)۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١﴾ وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾

”اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور دوسرے گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر رتی بھر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں۔“

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا اس کے اشراق سے مراد اس کا روشن ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اشرقت الشمس۔ جب سورج روشن ہو جائے و اشرقت الشمس جب وہ طلوع ہو جائے اور بِنُورِ رَبِّهَا کا معنی ہے بعدل ربھا یعنی نور کا معنی عدل ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بھری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ سخاک نے نور کا معنی حکم کیا ہے، معنی ایک ہی ہے یعنی زمین

1۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر البعث، حدیث 4263۔ جامع ترمذی، باب دمن سورہ زمر، حدیث 3168، نسیاء القرآن پبلی کیشنز۔

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 135



اللہ تعالیٰ کے عدل اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لیے روشن ہوگی ظلم تاریکیاں ہیں اور عدل نور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نور پیدا کرے گا جو روئے زمین پر پڑے گا تو اس کی وجہ سے زمین روشن ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں جس نور کا ذکر ہے اس سے مراد سورج اور چاند کا نور نہیں ہے بلکہ ایسا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا جس کے ساتھ زمین روشن ہو جائے گی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے: اس روز زمین چاندی کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لیے جلوہ گر ہوگا اس صورت میں معنی ہوگا کہ زمین ایسے نور سے روشن ہوگی جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے نور کو اپنی ذات کے ساتھ مضاف کیا ہے جس طرح ملک کو مالک کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس کی رات نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر نے اسے یوں پڑھا ہے واشتقت الارض جبکہ فعل مجہول ہے (1) یہ قراءت تفسیر کی بناء پر ہے یہاں کچھ لوگ گمراہ ہو گئے انہوں نے یہ وہم کیا کہ اللہ تعالیٰ نور کی جنس اور محسوس روشنی سے ہے جبکہ وہ محسوسات کی مشابہت سے بالا ہے جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کو منور کرنے والا ہے خلق و انشاء کے اعتبار سے تمام نور اس کی طرف منسوب ہیں۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِهَا اس حدیث مرفوع کی وضاحت کرتا ہے جو کثیر صحیح سندوں سے مروی ہے: تنظرون إلى الله عز وجل لاتضامون في رؤية (2) اسے چار انداز سے روایت کیا گیا ہے لا تضامون، لاتضارون، لاتضامون، لاتضارون۔ لاتضامون کا معنی ہے انہیں کوئی ظلم لاحق نہیں ہوگا جس طرح تمہیں دنیا میں لاحق ہوتا تھا جب بادشاہوں کو دیکھا جاتا تو لاتضارون تمہیں کوئی تکلیف لاحق نہ ہوگی لاتضامون۔ تم ایک دوسرے کو نہ ملو کے دیکھنے کے لیے اس سے پوچھو۔ لاتضارون تم میں سے بعض بعض کے مخالف نہ ہونگے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ضارۃ مضارۃ و ضرارۃ۔ یعنی اس کی مخالفت کی۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد کتاب اور وہ صحیفے ہیں جس میں انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں انسان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوتا ہے وَ جَاءَتْ بِالْأَنْبِيَاءِ انبیاء کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا وَالشُّهَدَاءُ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے دوسری امتوں پر گواہی دیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: 143) ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ کس نے دین کا دفاع کیا: یہ سدی کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ کراما کا تبین ہیں جو لوگوں کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں

گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ (ق) سائق اسے حساب کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور شہید اس پر گواہی دے گا اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان پر مقرر ہے جس کی وضاحت سورہ قاف میں آئیگی وَ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ ۝ حق سے مراد سچائی اور عدل ہے وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور ان کی برائیوں پر اضافہ نہ کیا جائے گا ماحصلت سے مراد خیر یا شر ہے وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ یعنی وہ دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اسے کسی کتاب اور شاہد کی کوئی ضرورت نہیں اس کے باوجود اتمام حجت کے لیے کتابیں اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔

وَسَيُنَادِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَبَحَثُوا أَبْوَابَهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُوكُم لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝

”اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ درگروہ وہ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے جہنم کے پہرے دار: کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سنا تے تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے، کہیں گے: بیشک آئے تھے لیکن مثبت ہو چکا تھا لوح محفوظ میں عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا: داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے پس کتنا برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا۔“

وَسَيُنَادِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ یہ اس امر کی وضاحت ہے کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کافر کو آگ کی طرف اور مومن کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا زُمَرًا کا معنی جماعتیں ہیں اس کا واحد زُمرة ہے جس طرح ظلمۃ اور غرافۃ ہے۔ اخفش اور ابو عبیدہ نے کہا: زمر کا معنی متفرق جماعتیں ہیں جن میں سے بعض بعض کے پیچھے ہوتی ہیں شاعر نے کہا:

وَتَرَى النَّاسَ إِلَىٰ مَنَازِلِهِ زُمَرًا تَتَنَابَهُ بَعْدَ زُمَرٍ

تو دیکھے گا لوگ اس کے گھر کی طرف جماعتوں کی صورت میں پے درپے آتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حَتَّىٰ اخْزَأَلَتْ زُمَرٌ بَعْدَ زُمَرٍ

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ زمر کا معنی ہے آواز کے ساتھ اسے دور کرنا اور جھڑکنا جس طرح زمرہ کی آواز ہوتی ہے فتحت ابو ابہا یہ اذکار کا جواب ہے، یہ کل سات دروازے ہیں سورہ حجر میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

خَرْنُهَا اس کی واحد خازن ہے جس طرح سادن کی جمع سد نہ ہوتی ہے یہ بات انہیں دھمکانے اور شرمندہ کرنے کے لیے ہوگی اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ ایتِ رَاٰیْتُمْ سے مراد انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں یٰۤاٰیُّنَا مَوْءِدُكُمْ جو تمہیں خبردار کرتے تھے قَالُوْا بَلٰی یعنی انہوں نے کہا: تحقیق ہمارے پاس آچکی ہے، یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے کہ ان کے خلاف دلیل قائم ہو چکی ہے وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ⑤ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا مُلْكُكُمْ جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اَجْمَعَيْنِ ⑥ (السجدہ) انہیں کہا جائے گا: جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے دروازوں کے بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ وہب نے کہا: جہنم کے داروغے آگ کے ہنٹروں کے ساتھ ان کا سامنا کریں گے اور اپنے ہنٹروں کے ساتھ انہیں دھکا دیں گے وہ ایک ہی دھکے کے ساتھ ربیعہ اور مضر کی تعداد کے برابر انہیں آگ میں پھینک دیں گے یہ متکبروں کا کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مَثْوٰی الْمُتَكَبِّرِيْنَ کے بارے میں بھی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

وَسَيُتْلٰی اِلَيْهِمْ اَنْتَقُوا اَرَبَّكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمْرًا ۙ حَتّٰی اِذَا جَاۤءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا  
وَقَالَ لَهُمْ خَرَ نُّهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ④ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ  
الَّذِیْ صَدَقْنَا وَعٰدَاۤءُ وَاَوْرَاشَنَا اِلَّا رٰضٍ نَّتَبَوْا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ  
اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ⑤ وَتَرٰی الْمَلٰٓئِكَةَ حَٰقِقِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ  
رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑥

”اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے عمر بھر اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ درگروہ حتی کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہونگے تو کہیں گے انہیں جنت کے می فظ: تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اور وہ (خوش بخت) کہیں گے: ساری تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس پاک زمین کا اب ہم بھریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے ارد گرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ، اور کہا جائے گا: سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے۔“

وَسَيُتْلٰی اِلٰیہِمْ ذٰلِکَ وَ اِلٰی جَهَنَّمَ زُمْرًا ۙ زَمْرًا سے مراد شہداء، زہداء، علماء، قراء اور دوسرے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور اس کی اطاعت کے مطابق عمل کرتے رہے دونوں فریقوں کے بارے میں فرمایا: وَسَيُتْلٰی یعنی ایک ہی لفظ ذکر کیا جہنم کو ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں رسوائی اور ذلت کے ساتھ دھتکارا جہاں طرح قیدیوں اور سلطان کے خلاف خروج کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جب انہیں قید کرنے کے لیے اور قتل رہنے کے لیے ہانکا جاتا ہے اور جنتیوں کو

ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ساریوں کو کرامت اور رضوان کے گھر کی طرف لے جایا جاتا ہے کیونکہ انہیں سوار کر کے ہی لے جایا جاتا ہے جس طرح اس آدمی کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے جس کی عزت اور تکریم مقصود ہو جس طرح بادشاہ کی خدمت میں جب وفود کو پیش کیا جاتا ہے دونوں طرح کے لے جانے میں کتنا فرق ہے۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا أَيْكَ قَوْلٍ یہ کیا گیا ہے: واؤ یہاں عطف کے لیے ہے جملے کا عطف جملہ پر ہے جواب محذوف ہے۔ مبرد نے کہا: وہ سعادت مند ہوئے اور جنت کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے، کلام عرب میں جواب کا حذف بلیغ ہے:

فَلَوْ أَنَّهَا نَفْسٌ تَبُوتُ جَبِيعةً وَلَكِنَّهَا نَفْسٌ تَسَاقُطُ أَنْفُسًا

کاش وہ ایسا نفس ہوتا جو ایک ہی بار نہ نکل جاتا لیکن وہ ایسا نفس ہے جو کئی نفسوں کی طرح نکلتا ہے۔

یہاں لو کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے لکان ارواح۔ زجاج نے کہا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا کا معنی ہے وہ اس میں داخل ہوئے۔ یہ پہلے معنی کے قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ زائدہ ہے: یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے جبکہ بصریوں کے نزدیک یہ غلط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ کی زیادتی اس امر پر دلیل ہے کہ دروازے ان کے آنے سے پہلے ہی کھول دیئے جاتے ہیں مقصود ان کی تعظیم ہے تقدیر کلام یہ ہے حتیٰ إذا جاءوها وأبوابها مفتحة اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: جَنَّتٍ عَدْنٍ مَّفْتَحَةٌ لَهُمُ الْأَبْوَابُ ⑤ (ص) اہل نار کے قصہ میں واؤ حذف ہے کیونکہ وہ جہنم کے پاس کھڑے رہے اور ان کے کھڑے رہنے کے بعد دروازے کھولے گئے مقصود انہیں ذلیل و رسوا کرنا ہے اور انہیں خوف زدہ کرنا تھا؛ مہدوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہی معنی نحاس نے بھی اس سے قبل بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: دوسرے سوق میں واؤ کو ذکر کیا گیا اور پہلے سوق میں واؤ ذکر نہیں کی گئی اس بارے میں کچھ علماء نے ایسی گفتگو کی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں کسی اور اہل علم نے اس سے پہلے گفتگو کی ہو وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا اس کلام کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ وہ بند تھے اور جب جنتیوں کے بارے میں فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا اس کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ یہ واؤ ثنائیہ ہے کیونکہ قریش کی عادت تھی وہ ایک سے گنتی شروع کرتے وہ کہتے پانچ، چھ، سات اور آٹھ۔ جب وہ سات پر پہنچتے تو کہتے اور آٹھ، یہ ابو بکر بن عیاش کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَخَّرَ هَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَنِيَّةٍ آيَاتٍ (الحاقة: 7) فرمایا أَلَتَّأَيُّونَ الْعِبْدُونَ (التوبة: 112) پھر آٹھویں صفت کے بارے میں فرمایا: وَالظَّالِمُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبة: 112) فرمایا: وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُم (الكهف: 22) فرمایا: ثَابِتٌ وَابْنُ كَامَرٍ ⑥ (التحریم) سورہ براءۃ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے اور سورہ کہف میں بھی گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: جس نے یہ کہا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس نے اس سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما منكم من أحد يتوضأ فيُبَدِّلُ أو فَيُسَبِّغُ الوضوء (1)، پھر کہا أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله، لا فتحت له أبواب الجنة الثانية يدخل من أيها



شاء پھر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس سے چاہے وہ اس میں داخل ہو، اسے امام مسلم اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس میں کہا: فتح له أبواب الجنة ثمانية أبواب يوم القيامة (1) اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یعنی قیامت کے روز آٹھ دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس میں من زائد ہے یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے بڑھ کر ہیں ہم نے اس کا ذکر کتاب ”التذکرہ“ میں کیا ہے اس کی تعداد تیرہ ہے ہم نے وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دروازے کتنے بڑے اور کتنے وسیع ہیں جس طرح حدیث میں یہ وارد ہوا جو آدمی اس کا ارادہ کرے تو وہاں سے آگاہی حاصل کر لے۔

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِّمْ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ اِيَكُ قول یہ کیا گیا ہے: یہ واو ملغا ہے تقدیر کلام اس کی یہ ہے حَقِّي اِذَا جَاؤُهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا تَمَّ بِرُسُلَاتِي دُنْيَا فِيهَا يَاسُ كَازِمٌ رَہے۔ مجاہد نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نیک عمل کرتے رہے۔ نقاش نے یہ بیان کیا ہے جبکہ معنی ایک ہی ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے جہنم کے پل کو طے کر لیا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیا گیا تو ان کے ایک دوسرے پر دنیا میں جو مظالم تھے ان کا قصاص لیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ مہذب ہو گئے اور ان کو پاکیزہ بنادیا گیا تو رضوان اور ان کے ساتھیوں نے کہا: سَلِّمْ عَلَيْكُمْ یہاں سلام، تحیہ کے معنی میں ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے قنطرہ والی اس حدیث کو اپنی جامع میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مومن آگ جہنم سے چھٹکارا پائیں گے تو انہیں جہنم اور جنت کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا تو ان کے ایک دوسرے پر مظالم کا قصاص لیا جائے گا جو مظالم ان کے درمیان دنیا میں ہوئے تھے یہاں تک کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی اس ذات کی قسم جس کی قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ہر کوئی جنت میں اپنے گھر کی طرف جانے میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا جتنا وہ دنیا میں اپنے گھر کی طرف جانے میں ہدایت یافتہ ہوگا“ (3)۔

نقاش نے بیان کیا: جنت کے دروازے پر ایک درخت ہے اس کے تنے سے دو چشمے نکلتے ہیں مومن ان میں سے ایک سے پینیں گے تو ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے (4) یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسَقْمُهُمْ رَأْبُهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (دہر) پھر دوسرے چشمہ سے وہ غسل کریں گے اس سے ان کے چمڑے پاکیزہ ہو جائیں گے اسی موقع پر جہنم کے داروغے ان سے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، فیہا یقال بعد الوضوء، جلد 1، صفحہ 9۔ ایضاً، حدیث نمبر 50، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، القصاص، یوم القیمۃ، جلد 2، صفحہ 967

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

کہیں گے: سَلَّمَ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا خِلَابِئِنَّ ۝ یہ معنی حضرت علی شیر خدا علیہ السلام سے مروی ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَهُ ۝ یعنی جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو کہیں گے۔

وَأَوْرَثْنَا الْأَرْضَ، الارض سے مراد جنت کی سر زمین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بے شک وہ اس زمین کے وارث بنے جو جہنمیوں کی ہوتی اگر وہ ایمان لاتے؛ یہ ابو العالیہ، ابوصالح، قتادہ، سدی اور اکثر مفسرین نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دنیا کی زمین ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنتیوں کا قول ہے یعنی یہ کتنا اچھا ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے معنی ہے محسنوں کو جو ثواب دیا گیا ہے وہ کتنا اچھا ہے۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۝ اے محمد! سُبِّحَ اللہ آپ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ اس روز عرش کو گھیرے ہوئے ہونگے وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے وہ اس سے لذت حاصل کر رہے ہونگے نہ کہ عبادت کی غرض سے ایسا کریں گے یعنی وہ اپنے رب کا شکر بجالاتے ہوئے عرش کے ارد گرد نماز پڑھ رہے ہونگے حافون سے مراد ہے کسی شے کی جانب اور طرف کو پکڑ لینا۔ انخفش نے کہا: اس کا واحد حاف ہے۔ فراء نے کہا: اس کا کوئی واحد نہیں ان کے لیے اسم واقع نہیں ہوتا مگر جب وہ جمع ہوں حول کے لفظ پر من داخل ہوا ہے کیونکہ حول ظرف ہے اور فعل ظرف کی طرف حرف جار اور حرف جار کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔ انخفش نے کہا: من زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حافین حول العرش یہ تیرے اس قول کی طرح ہے ما جاعنی من احد، من تاکید یہ ہے۔ ثعلبی نے کہا: عرب تسبیح میں کبھی باء داخل کرتے ہیں اور کبھی اسے حذف کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: سبوح بحمد ربك، سبوح حمد اللہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُبِّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ۝ (الاعلیٰ)

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ ۝ جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ گواہیوں کے ساتھ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ مومن کہیں گے: اس اللہ کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اپنی نعمتوں اور احسان سے نوازا اور جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ان کے خلاف ہماری مدد کی۔ قتادہ نے اس آیت کی وضاحت میں کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے آغاز کا ذکر الحمد اللہ سے کیا فرمایا: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام: 1) اور اس کا اختتام بھی الحمد پر کیا فرمایا: وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اس کی اقتداء ضروری ہے ہر امر کا آغاز بھی حمد سے اور اس کا اختتام بھی حمد سے ہونا چاہیے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ ملائکہ کے قول سے ہے۔ تو اس صورت میں فرشتوں کی اللہ تعالیٰ کے لیے حمد اس کے عدل اور فیصلہ پر ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورہ زمر کا آخری حصہ پڑھا تو منبر نے دو دفعہ حرکت کی۔

## سورہ غافر

﴿ابحاثا ۸۵﴾ ﴿سُورَةُ الْاٰمِیْمِیْنَ مَكِّيَّةٌ ۱۰﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ عَاقِلًا ۹﴾

یہ سورہ مومن ہے اسے سورہ طول بھی کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری، عطاء، عکرمہ اور حضرت جابر نے کہا: یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ وَ سَيُخْرِجُ مُحَمَّدًا سَابِقًا مَدِيْنَةَ طَيْبَةَ فِي نَازِلٍ هُوَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: مگر اس کی دو آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰیَاتِ اللّٰهِ اور اس کے بعد والی آیت ہے۔ وہ پچاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیاسی آیات ہیں۔ مسند دارمی میں ہے کہ جعفر بن عون، مسعر سے وہ سعد بن ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں حوامیم کو عرائس کا نام دیا جاتا ہے یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں حم ہے انہیں قرآن کی دہنیں کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحوامیم دیبا جہ القرآن حم سورتیں قرآن کی دیبا جہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ جوہری اور ابو عبیدہ نے کہا: آل حم قرآن میں سورتیں ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آل حم سورتیں قرآن کا دیبا جہ ہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے آل فلان، آل فلان گویا تمام سورتیں حم کی طرف منسوب ہیں؛ کمیت نے کہا:

وَجَدْنَا لَكُمْ فِيْ اَلِ حَامِيْمٍ اٰیَةً

ہم نے تمہارے لیے آل حمیم میں ایک آیت پائی۔

ابو عبیدہ نے کہا: اموی نے اسے زاء کے ساتھ روایت کیا ہے، ابو عمرو اسے راء کے ساتھ روایت کرتا تھا۔ عام لوگوں کا قول ہے: الحوامیم، کلام عرب میں سے نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: الحوامیم قرآن میں سورتیں ہیں جن میں قیاس جاری نہیں ہوتا اور یہ مصرعہ پڑھا:

و بِالْحَوَامِيْمِ التِّيْ قَدْ سُبِّحَتْ

کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ ان کی جمع ذوات حم سے بیان کی جائے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر شے کا پھل ہوتا ہے اور قرآن کا پھل حم سورتیں ہیں، یہ خوبصورت باغ ہیں سرسبز و شاداب ہیں قریب قریب ہیں جو یہ پسند کرے کہ جنت کے باغوں میں چرے پھرے تو وہ حم سورتوں کو پڑھے“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قرآن میں حم سورتیں اس طرح ہیں جس طرح کپڑوں میں دھاری دار چادریں ہوتی ہیں“ (2)۔ دونوں کا ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: حجاج بن محمد نے ابو مسرر سے وہ محمد بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے خواب میں دیکھا

سات خوبصورت آراستہ لونڈیاں ہیں اس نے پوچھا: تم کس کے لیے ہو؟ اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے، تو انہوں نے جواب دیا: ہم اس کے لیے ہیں جو تم سورتوں کو پڑھتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمَّ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْعَلِیْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ  
شَدِيدِ الْعِقَابِ ۝ ذِي الطَّوْلِ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ إِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِیْ آيَاتِ  
اللّٰهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْزُرُ كَ تَقْلُبُهُمْ فِی الْبِلَادِ ۝

”حامیم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ قبول فرمانے والا، سخت سزا دینے والا، فضل و کرم فرمانے والا ہے، نہیں کوئی معبود اس کے سوا، اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ نہیں تنازع کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا بڑے کروفر سے آنا جانا مختلف شہروں میں۔“

حَمَّ ۝ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ نکرہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حَمَّ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے یہ تیرے رب کے خزانوں کی چابیاں ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الواحم اور یہ حَمْن کے حروف ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے آغاز ہیں۔ عطا خراسانی نے کہا: حاء اللہ تعالیٰ کے اسماء حمید، حنان، حلیم اور حکیم کا آغاز ہے میم اس کے اسم ملک، معید، منان، متکبر اور مصور کا آغاز ہے اس کے اوپر روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت انس نے روایت کی: ایک اعرابی نے پوچھا: حم کیا ہے؟ ہم اپنی زبان میں اس کا معنی نہیں پہچانتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ اسماء کے آغاز اور سورتوں کے فواتح ہیں۔“ ضحاک اور کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہونا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا گویا حم کے تہجی کی طرف اشارہ کا ارادہ کیا کیونکہ یہ حَمَّ ہو جاتا ہے جب حاء پر پیش اور میم کو مشدد پڑھا جائے یعنی فیصلہ کیا گیا اور وہ واقع ہو گیا۔ کعب بن مالک نے کہا:

فَلَمَّا تَلَّاقَيْنَاهُمْ دَدَارَتْ بِنَا الرَّحَى وَلَيْسَ لِأَمْرِحَتِهِ اللّٰهُ مَذْفَعُ (1)

جب ہم ان سے ملے اور مصائب کی چکی ہم پر گھومی اللہ تعالیٰ جس امر کا قصد کرے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ حم امر اللہ کا معنی ہے اللہ کا امر قریب ہو گیا؛ جس طرح شاعر نے کہا:



قَدَحْتُمْ يَوْمِي فَسَتْ قَوْمٌ

میرا دن قریب ہو گیا تو قوم کو خوشی ہوئی۔

اسی معنی میں حمی (بخار) ہے کیونکہ یہ موت کے قریب کر دیتا ہے معنی مراد ہے اس کی مدد اس کے اولیاء کے قریب آگئی اور اس کا انتقام اس کے دشمنوں کے قریب آگیا جس طرح یوم بدر کو ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد حروف ہجاء ہیں۔ جری نے کہا: اسی وجہ سے انہیں ساکن پڑھا جاتا ہے تو یہ حروف تہجی ہوئے جب اس کے ساتھ کسی شے کا نام رکھا جائے گا تو انہیں اعراب دیا جائے گا تو کہے گا: قراءت حم تو اسے نصب دے گا۔

عیسیٰ بن عمر ثقفی نے حم میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت اس کا معنی ہوگا میں حم پڑھتا ہوں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس پر زبر پڑھتے ہیں۔ ابن ابی اسحاق اور ابو سال نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے امالہ اور کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے یا قسم کے طریقہ پر اسے مجرور پڑھا۔ ابو جعفر نے حاء کو میم سے الگ کر کے پڑھا ہے باقی قراء نے وصل کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح حم، عسق ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر، حمزہ، کسائی، خلف اور ابن ذکوان نے حاء میں امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو سے دو لفظوں کے درمیان مروی ہے: یہ نافع، ابو جعفر اور شبیبہ کی قراءت ہے جبکہ باقی نے فتح کے ساتھ اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ یہ مبتدا ہے اور خبر مِنْ اللّٰهِ الْعَزِيزِ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تَنْزِيلُ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے ہذا تنزیل الكتاب یہ بھی جائز ہے کہ حم مبتدا ہو اور تنزیل اس کی خبر ہو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا یہ منقول نہیں اور نہ ہی اس کو جھٹلانا جائز ہے۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ الثَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ۔ فراء نے کہا: اسے معرفہ کی لغت کی طرح بنا دیا ہے جبکہ یہ نکرہ ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بدل کے طور پر مجرور ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں کلام کی تحقیق اور تلخیص یہ ہے غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ الثَّوْبِ میں جائز یہ ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اس شرط پر کہ اسم کے صیغے ماضی کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نعت ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مستقبل اور حال کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نکرہ ہوں گے، یہ جائز نہیں کہ اس کی تعبیر بنا پر یہ نعت ہوں لیکن بدل ہونے کے اعتبار سے مجرور ہوں گے حال ہونے کی حیثیت سے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے جہاں تک شَدِيدِ الْعِقَابِ کا تعلق ہے تو وہ نکرہ ہے اس کو بدل کی حیثیت سے مجرور پڑھنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اس کے لیے وہ غَافِرِ الذَّنْبِ (گناہوں کو بخشنے والا) ہے اور جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اس کے لیے قَابِلِ الثَّوْبِ ہے اور جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہیں کہا اس کے لیے شَدِيدِ الْعِقَابِ ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت معصب بن زبیر کے ایسے خیمہ میں ایسی جگہ تھا جہاں سے جانور نہیں گزرتے تھے میں نے کہا حَمْ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ کو شروع کیا ایک آدمی میرے پاس سے ایک چوپائے پر سوار ہو کر گزرا جب میں نے غَافِرِ الذَّنْبِ پڑھا اس نے کہا: کہو یا غافر الذنب! اغفر لی ذنبی اے گناہوں کو بخشنے والے! مجھ کو بخش

دے میں نے کہا: قَابِلُ الثَّوْبِ تو اس نے کہا: کہو! یا قَابِلُ التَّوْبِ! تَقْبَلُ تَوْبَتِي اے توبہ کو قبول کرنے والے! میری توبہ قبول فرما۔ جب میں نے کہا: شَدِيدُ الْعِقَابِ اس نے کہا: کہو یا شَدِيدُ الْعِقَابِ! اعْف عَنِّي اے سخت عذاب والے! مجھے معاف فرما دے جب میں نے کہا: ذِي الطَّوْلِ اس نے کہا: کہو یا ذِي الطَّوْلِ! طَلْعِي بِخَيْرِ اے فضل و احسان کرنے والے! مجھ پر بھلائی کے ساتھ فضل و احسان فرما۔ میں اس کی طرف اٹھا تو میری نظر سب کر لی گئی میں دائیں بائیں متوجہ ہوا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ اہل اشارہ نے کہا: غَافِرُ الذَّنْبِ فَضْلُ بے قَابِلِ الثَّوْبِ وعدہ ہے شَدِيدُ الْعِقَابِ عدل ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ إِلَيْهَا الْمَصِيرُ ۝ فرد ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو شام کے علاقہ کاربنے والا تھا وہ بڑا قوی اور بہادر تھا آپ سے عرض کی گئی: وہ تو لگا تار شراب پیتا رہتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتب سے فرمایا: لکھو عمر کی جانب سے فلاں کی طرف، تجھ پر سلام ہو میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ غَافِرُ الذَّنْبِ وَقَابِلُ الثَّوْبِ شَدِيدُ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ إِلَيْهَا الْمَصِيرُ ۝ پھر خط پر مہر لگائی اور اپنے قاصد سے فرمایا: تو خط اسے نہ دینا مگر جب شور مچا رہا ہو، پھر آپ نے اپنے پاس بیٹھے لوگوں سے کہا: اس کے حق میں توبہ کی دعا کرو۔ جب اس آدمی کے پاس خط پہنچا تو وہ اسے پڑھنے لگا اور وہ کہتا: میرے رب نے مجھ سے بخشش کا وعدہ کیا ہے اور اپنے عقاب سے مجھے ڈرایا، وہ اسے لگا تار دہراتا رہا یہاں تک کہ رونے لگا پھر اس نے شراب کو چھوڑا تو اچھی طرح چھوڑا اور اس کی توبہ بہت اچھی ہوئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس کی خبر پہنچی فرمایا: اس طرح کیا کرو جب تم کسی کو دیکھو کہ اس سے لغزش ہوگئی ہے تو اس کی راہنمائی کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے تم اس کے خلاف شیاطین کے مددگار نہ بنو (1) التوب اس میں یہ جائز ہے کہ یہ تابیتوب کا مصدر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ توبہ کی جمع ہے جس طرح دُؤْمَةٌ سے دُؤْمَرٌ، عِزْمَةٌ سے عِزْمَجٌ آتی ہے اسی معنی میں یہ قول ہے:

فَيَخْبُو سَاعَةً وَيَهْبُ سَاعًا

محل استدلال ساعة اور ساعا ہے وہ کسی لمحہ دنگی چال چلتا ہے اور کبھی تیز قدموں سے چلتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ التوب، توبہ کے معنی میں ہو۔ ابوالعباس نے کہا: میرے دل میں جو خیال آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ مصدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس فعل کو قبول فرماتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: قال قولا جب یہ جمع کا صیغہ ہو تو اس کا معنی ہوگا بہت زیادہ کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

ذِي الطَّوْلِ یہ بدل یا صفت کے طور پر محل جر میں ہے کیونکہ یہ معرفہ ہے۔ طول کا اصل معنی انعام اور فضل ہے اسی معنی میں یہ دعا کی جاتی ہے: اللھم طل علینا یعنی اے اللہ! ہم پر انعام فرما اور فضل فرما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ذِي الطَّوْلِ کا معنی ہے نعمتوں والا۔ مجاہد نے کہا: معنی غنا اور وسعت والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ذِي الْكَوْلِ یعنی جولا ۛ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہیں کہتا اس سے غنی ہے۔ عکرمہ نے کہا: ذِي الطَّوْلِ کا معنی ہے احسان والا (2)۔ جوہری نے

کہا: طول کا معنی احسان ہے، اسی معنی میں یہ قول کیا جاتا ہے: طَال عَلَيْهِ وَتَطَوَّلَ عَلَيْهِ۔ جب اس پر احسان کرے۔ محمد بن کعب نے کہا: ذِي الطَّوْلِ کا معنی ہے فضل و احسان فرمانے والا (1)۔ ماوردی نے کہا: مَنْ اور تَفَضَّلَ میں فرق یہ ہے کہ مَنْ کا معنی ہے گناہ سے بخشنا اور تَفَضَّلَ کا معنی ہے غیر مستحق پر احسان کرنا (2)۔ طَوَّلَ، طَوَّلَ سے ماخوذ ہے گویا وہ غیر پر احسان کرنے کے لیے طویل ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے انعام کی مدت طویل ہو گئی۔ الْمَصْنُوعُ کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کی مہر لگا دی ہے مراد ہے باطل کے ذریعے جھگڑا کرنا، اللہ تعالیٰ کی آیات میں طعن کرنا، حق کو رسوا کرنے کا ارادہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دینا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاجِدُوا بِالْبَاطِلِ لِيُذْهِبَ اللَّهُ الْفُتُورَ۔ جہاں تک آیات میں اس وجہ سے جدال کرنا تا کہ التباس کو واضح کیا جائے، اس کی پیچیدگی کو حل کیا جائے، اس کے معانی کے استنباط میں علماء کا بحث و تمحیص کرنا اور کج رولوگوں کا رد کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت بڑا جہاد ہے۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَیْبَةٍ مِّمَّنْ گزر چکی ہے (بقرہ: 258)

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ٩

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد اور قصد کیا ہر امت نے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کر لیں اور جھگڑتے رہے اس کے ساتھ ناحق تاکہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو پس میں نے پکڑ لیا، پس کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ کفار پر وہ دوزخی ہیں۔ جو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے عرش کو اور جو عرش کے ارد گرد حلقہ زن ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لیے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو اپنی رحمت و علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں عذاب جہنم سے۔ اے ہمارے رب! داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے، بے شک تو ہی سب سے زبردست اور حکمت والا ہے، اور بچالے انہیں سزاؤں سے، اور جس کو تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر، اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔“

گَدَّ بَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُوحٍ جماعت کے مونث ہونے کے اعتبار سے فعل مونث ذکر کیا یعنی گَدَّ بَتْ الرسل۔ وَالْأَحْزَابُ  
وَمِنْ بَعْدِهِمْ یعنی وہ قومیں جنہوں نے انبیاء کو جھٹلانے میں اجتماعیت کو اپنایا جس طرح قوم عاد اور قوم ثمود اور ان کے بعد جو  
قومیں ہوئیں۔

لَبِياً خُذُوهُ یعنی نبی کو مجبوس کر دیں اور اسے اذیتیں دیں۔ قتادہ اور سدی نے کہا: وہ اسے قتل کر دیں (1)۔ اخذ کا لفظ ہلاک کرنے کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٠٠﴾ (الحج) عرب اسیر کو اخیند کہتے ہیں کیونکہ وہ قتل کے لیے ماسور ہوتا ہے۔ قطرب نے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا:

فَلَا تَأْخُذُونِ ۖ تَقْتُلُونِ ۚ فَكَمْ مِّنْ آخِذٍ يَهُوىٰ حُلُوْدِی (2)

اگر تم مجھے پکڑو گے تو تم مجھے قتل کرو گے اور کتنے ہی پکڑنے والے میری دائمی زندگی کو چاہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے رسول کو کب پکڑا (3) اس کے بارے میں دو قول ہیں: (1) جب اس رسول نے انہیں دعوت دی (2) جب ان پر عذاب نازل ہوا۔

لِيَذْجُصُوا بِالْحَقِّ یعنی اس کے ذریعے وہ حق کو زائل کر دیں، اسی معنی میں یہ لفظ بولا جاتا ہے مکان دحض ایسی جگہ جو پھسلاہٹ والی ہو۔ باطل کو داحض بھی کہتے ہیں، کیونکہ وہ پھسل جاتا ہے اور زائل ہو جاتا ہے ایک جگہ قرار نہیں پاتا۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: انہوں نے شرک کر کے انبیاء کے ساتھ مجاولہ کیا تا کہ اس کے ذریعے ایمان کو باطل کر دیں انہیں عذاب نے



پکڑ لیا تو جھٹلانے والی قوموں کے لیے میرا عذاب کیسا تھا (1)، کہا: انہوں نے اسے حق نہیں پایا۔

وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ لِعٰمِيٍّ وَّاجِبٌ هُوَ كُنِيَ يٰهٗ حَقٌّ سَ مَا خُوذَ هٗ كِيُوْنَكَ حَقٌّ بَهِ لَازِمٌ هُوَتَا هٗ كَلِمَتٌ سَرِيْكَ يٰهٗ عَامِ قِرَاةً هٗ يٰعَنِيْ وَاحِدٌ كَا صِيْغَ هٗ۔ نافع اور ابن عامر نے اسے کلمات جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

عَلَىٰ الذِّنِّ كَفَرُوا۟ اِنَّهُمْ اَخْفَشَ نے کہا: اصل میں لانہم اور بانہم تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ کو کسرہ دیتے ہوئے انہم پڑھا جائے اَصْحَابُ النَّارِ یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا گفتگو مکمل ہوئی، پھر نئے سرے سے کلام شروع ہوئی اَلَّذِيْنَ يَخْبِطُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يٰهٗ روایت کی جاتی ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے ایسے ہیں کہ ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑنے والے ہیں وہ سر جھکائے ہوئے ہیں وہ اپنی نظریں اٹھائے ہوئے نہیں وہ ملائکہ میں سے سب سے اشرف اور افضل ہیں (2)۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح و شام حالمین عرش کو سلام پیش کریں مقصود تمام فرشتوں پر ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے عرش کو ہزموٹی سے پیدا کیا ہے اس کے پائیوں میں سے دو پائیوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کو اسی ہزار سال لگتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کے ارد گرد فرشتوں کی ستر ہزار صفیں ہیں جو عرش کا طواف کرتے ہیں وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہہ رہے ہوتے ہیں ان کے پیچھے ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں جو کھڑے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوتے ہیں وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ اکبر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہیں ان کے پیچھے ایک لاکھ صفیں ہیں جنہوں نے اپنے دائیں ہاتھ بائیں ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے جن کے الفاظ کے ساتھ دوسرا تسبیح نہیں کر رہا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے العرش پڑھا ہے۔ زمخشری نے ان تمام چیزوں کو ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ذکر کے ساتھ متصل ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، کیونکہ اَلَّذِيْنَ يَخْبِطُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ کا معنی ہے وہ اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کفار کہتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مفسرین کے اقوال یہ ہیں کہ عرش ایک چار پائی ہے، ایک عظیم جسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے فرشتوں کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا اور ان پر لازم کیا کہ وہ عرش کی تعظیم بجالائیں اور اس کا طواف کریں جس طرح زمین میں ایک گھر بنایا اور انسانوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور نماز میں قبلہ رو ہوں۔

ابن طہمان، موسیٰ بن عقبہ سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھے اجازت دی گئی ہے کہ حالمین عرش فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا ذکر کروں کہ اس کے کانوں کی لوؤں سے لے کر اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہے (3)؛ یہ بیہقی نے ذکر کیا سورہ بقرہ

کی آیت الکرسی میں عرش کا ذکر ہو چکا ہے کہ یہ سب سے عظیم مخلوق ہے۔

ثور بن یزید، خالد بن معدان سے وہ کعب الاحبار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کبھی بھی مجھ سے بڑی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا تو وہ لرز نے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سانپ کا طوق پہنایا سانپ کے ستر ہزار بازو ہیں ایک بازو میں ستر ہزار پر ہیں ہر پر میں ستر ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ ستر ہزار زبانیں ہیں ہر روز ہر منہ سے، بارش کے قطرات کے برابر، درختوں کے پتوں کے برابر، سنگریزوں اور مٹی کی تعداد برابر، دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر فرشتوں کی تعداد کے برابر تسبیح نکلتی ہے سانپ عرش کے ساتھ لپٹا ہوا ہے۔ عرش سانپ کے نصف کے برابر ہے سانپ اس عرش کے ساتھ لپٹا ہوا (1) ہے۔ مجاہد نے کہا: ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں نور کا حجاب ہے، ظلمت کا حجاب ہے نور کا حجاب ہے اور ظلمت کا حجاب ہے۔

وہ کہتے ہیں: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا یعنی تیری رحمت اور علم ہر شے کو وسیع ہے جب فعل کو رحمت اور علم سے نقل کیا گیا تو یہ دونوں تفسیر کے طور پر منصوب ہوئے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا یعنی جنہوں نے شرک اور معاصی سے توبہ کی انہیں بخش دے سَبِّحْكَ سے مراد دین اسلام ہے وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ عذاب جہنم کو ان سے دور کر دے یہاں تک کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ ابراہیم نخعی نے کہا: اصحاب عبد اللہ کہا کرتے تھے ملائکہ ابن کواء سے بہتر ہیں وہ اہل زمین کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں جبکہ ابن کواء ان کے بارے میں کفر کی گواہی دیتا ہے۔ ابراہیم نے کہا: وہ کہا کرتے تھے وہ اہل قبلہ سے استغفار کو نہیں روکتے۔ مطرف بن عبد اللہ نے کہا: ہم نے اللہ کے بندوں کے سب سے مخلص فرشتے پائے ہیں اور ہم نے اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ دھوکہ کرنے والے شیاطین پائے ہیں اور اس آیت کی تلاوت کی۔ یحییٰ بن معاذ رازی نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اسے خوب سمجھو، عالم میں کوئی جنت نہیں جس کی اس سے امید کی جاتی ہو بیشک ایک فرشتہ اگر اللہ تعالیٰ سے تمام مؤمنین کے لیے مغفرت کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے تو پھر کیا حال ہوگا جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مومنوں کے لیے استغفار کر رہے ہوں۔ خلف بن ہشام بزار قاری نے کہا: میں سلیم بن عیسیٰ کو قرآن سنایا کرتا تھا جب میں اس آیت پر پہنچا تو رونے لگے پھر فرمایا: اے خلف! مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنا معزز ہے وہ اپنے بستر پر سویا ہوا ہے جبکہ فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے فرمایا: جنات عدن کیا ہے؟ اس نے کہا: جنت میں سونے کے محلات ہیں جن میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور عادل امام داخل ہوں گے اَلَّتِي وَادَّخُلْهُمْ التِّي محل نصب میں ہے جو جنات کی صفت ہے وَمَنْ صَلَحَ مِنْ محل نصب میں ہے اس کا عطف ہم پر ہے جو وَادَّخُلْهُمْ میں ہے وَمَنْ صَلَحَ یعنی ایمان کے ساتھ صالح ہو گئے۔

1۔ یہ روایات اسرائیلیات پر مبنی ہیں جن کی محنت کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔

مِنْ آبَائِهِمْ وَآزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ سورہ رعد میں اس آیت کی مثل گزر چکی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ایک آدمی جنت میں داخل ہوگا عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے باپ، دادا اور میری ماں کہاں ہے؟ میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد اور میری بیویاں کہاں ہیں؟ تو کہا جائے گا: انہوں نے تیرے عمل جیسا عمل نہیں کیا تھا، تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کرتا تھا، تو اسے کہا جائے گا: انہیں جنت میں داخل کر دو پھر یہ آیت تلاوت کی اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَآزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ آیت کے قریب یہ آیت ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور: 21)

وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ قتادہ نے کہا: انہیں ان چیزوں سے بچا جو انہیں تکلیف دیتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں گناہوں کے عذاب سے بچا یہ وقاہ اللہ یقیہ وقایۃ سے امر ہے یعنی اس کی حفاظت کر فقد راحۃ یعنی جنت میں داخل کر کے ان پر قوم نے رحم فرمایا، وہ عظیم نجات ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَشْنَتَيْنِ وَ أَحْيَيْتَنَا أَشْنَتَيْنِ فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ يُشْرَكَ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝

”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندادی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کھاتے ہیں اپنے گناہوں کا سو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر و بزرگ ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ اخفش نے کہا: لِمَقْتُ میں لام ابتدائیہ ہے جو یُنَادُونَ کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے يقال لهم ندا بھی ایک قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے انہیں کہا جائے گا: لِمَقْتُ اللَّهِ إياكم فی الدنيا اکبر من مقت بعضکم بعضا یوم القیمة دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی اس سے بڑھ کر ہوگی جو قیامت کے روز تمہاری ایک دوسرے سے ناراضگی ہوگی کیونکہ ان میں سے بعض بعض سے قیادت کے روز دشمنی کریں گے

اور ناراضگی کا اظہار کریں گے اس موقع پر وہ مطیع و فرمانبردار بنیں گے عاجزی کریں گے اور جہنم سے نکلنے کا مطالبہ کریں گے۔ کلبی نے کہا: جہنمیوں میں سے ہر ایک انسان اپنے آپ سے کہے گا: اے نفس! میں تجھ سے ناراض ہوں ملائکہ انہیں کہیں گے جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے: جب تم دنیا میں تھے جبکہ تمہاری طرف رسول مبعوث کیے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی آج تمہاری اپنے نفسوں سے ناراضگی سے بڑھ کر تھی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں ان کی کتاب دی جائے گی جب وہ اپنی برائیوں کو دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہوں گے تو انہیں ندا دی جائے گی دنیا میں تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے، آج تمہاری اپنی ذاتوں سے جو ناراضگی ہے اس سے بڑھ کر تھی: یہ مجاہد نے معنی بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے اس سے بڑھ کر تھی جو تم اپنی ذاتوں سے ناراضگی کا اظہار کر رہے ہو جب تم نے جہنم کی آگ کو دیکھا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے ناراض ہوئے؟ اس میں دو وجوہ ہیں: (1) انہوں نے اپنے نفوس کو گناہ کی جگہ رکھا جو اس کا محل ہے جس سے ناراض ہوا جاتا ہے (2) جب وہ اس حالت تک جا پہنچے جن سے خواہش نفس زائل ہو گئی اور انہیں علم ہو گیا کہ ان کے نفوس نے ہی انہیں نافرمانیوں میں رکھا تو وہ اس پر ناراض ہوئے۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: جب جہنمی اس چیز سے مایوس ہو گئے جو جہنم کے دروازوں کے پاس تھی تو مالک نے انہیں کہا تم اسی میں رہو گے، جس کا ذکر بعد میں آئے گا تو ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اے ساتھیو! تم پر عذاب اور آزمائش نازل ہو چکی ہے جسے تم دیکھتے ہو آؤ ہم صبر کریں ممکن ہے صبر ہمیں کچھ نفع دے جس طرح اہل طاعت نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کیا۔ جب انہوں نے صبر کیا تو صبر نے انہیں نفع دیا پس سب نے صبر پر اتفاق کیا انہوں نے صبر کیا تو ان کا صبر ان پر طویل ہو گیا پھر انہوں نے جزع فزع شروع کر دی اور یوں ندا کی: سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرٌ غَنَّا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ۝ (ابراہیم) محیص کا معنی پناہ گاہ ہے اس موقع پر ابلیس نے کہا: إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۚ فَلَا تَلُمُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ مَا أَنَا بِبَصِيرٍ خُتُّمَ وَمَا أَنْتُمْ بِبَصِيرٍ ۚ (ابراہیم: 22) اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَا أَشْرَکْتُ مِنْ قَبْلُ (ابراہیم: 22) جب انہوں نے شیطان کا قول سنا تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہو گئے تو انہیں یوں ندا کی گئی: لَقَدْ كَذَبَ اللَّهُ أَكْثَرُ مِنْ مَّقْتُلِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا الْاِثْنَيْنِ وَأَخْيَرْنَا الْاِثْنَيْنِ فَاعْتَزُّوا بِمَا بَدَلْنَا فَبَدَّلَ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝ تو ان کا رد اس طرح کیا گیا: ذَلِكُمْ بَآئِنٌ إِذَا دَعَى اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ يُشْرِكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا۔

قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا الْاِثْنَيْنِ اہل تاویل نے اس کی کئی تعبیریں کی ہیں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور ضحاک نے کہا: وہ اپنے آباء کی پشتوں میں مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی پھر انہیں دنیا میں وہ دعوت دی (1) جس



کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں پھر انہیں بعث اور قیامت کے لیے دوبارہ زندہ کیا یہی دوزندگیاں اور دو موتیں ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان: **كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُبْيِئْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ** (البقرہ: 28) میں یہی مراد ہے۔

سدی نے کہا: انہیں دنیا میں موت دی گئی پھر سوال و جواب کے لیے قبروں میں انہیں زندہ کیا گیا پھر انہیں موت دی گئی پھر انہیں آخرت میں زندہ کیا گیا (1)، یہ تعبیر اس لیے کی گئی کیونکہ عرف میں نطفہ پر میت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ علماء نے اس آیت سے قبر میں سوال کے اثبات کا استدلال کیا ہے اگر ثواب صرف روح کو ہونا ہوتا جسم کو نہ ہونا ہوتا تو زندہ کرنے اور مارنے کا کیا معنی تھا۔ جو لوگ آخرت کے احکام صرف ارواح تک محدود رکھتے ہیں اسے نہ موت آتی ہے نہ اس میں تغیر واقع ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خراب ہوتی ہے وہ بذات خود زندہ ہے اسے موت، غشی اور فنا لاحق نہیں ہوتی ابن زید نے **رَبَّنَا اَمْتَنَّا** **اِثْنَيْنِ** کے بارے میں کہا: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں پیدا کیا انہیں نکالا، انہیں زندہ کیا اور ان سے وعدہ لیا پھر انہیں موت دی پھر انہیں دنیا میں زندہ کیا پھر انہیں موت دی۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

**فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا** انہوں نے اس وقت اعتراف کیا جب اعتراف انہیں نفع نہیں دیتا تھا وہ اس وقت شرمندہ ہوئے جب شرمندگی انہیں کوئی نفع نہ دیتی تھی **فَهَلْ اِلٰى خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ** ⑩ کیا ہمیں دنیا کی طرف لوٹا یا جائے گا تاکہ ہم آپ کی اطاعت کے مطابق عمل کریں، اس کی آیات یہ ہیں **هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ** ⑪ (الشوری) **فَاَنْجَعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا** (السجدة: 12) **يَكِيْتَتَانِ** ⑫ (الانعام: 27)

**ذَلِكُمْ بِاَنَّهُ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ**۔ **ذَلِكُمْ** محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے **الامر ذلکم** یا تقدیر کلام یہ ہوئی **ذلکم العذاب الذی اتم فیہ بکفرکم** کلام میں اس کی تقدیر متروک ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ لوٹنے کی کوئی راہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا تو تم نے اس امر کا انکار کر دیا کہ الوہیت صرف اس کے لیے ہوا اگر کوئی مشرک اس کے ساتھ شرک کرتا ہے تو تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور اس کے قول پر ایمان لاتے ہو۔ ثعلبی نے کہا: میں نے ایک عالم کو کہتے ہوئے سنا: اگر دنیا کی طرف لوٹائے جانے کے بعد بھی اس کے ساتھ شرک کیا جائے تو تم شرک کی تصدیق کرتے ہو اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: **وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ** (الانعام: 28)۔ **فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ** ⑬ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ ان کی کوئی بیوی یا اولاد ہو۔

**هُوَ الَّذِیْ يُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُنَزِّلُ لَکُم مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا** ⑭ **وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یَّذُنُّ** ⑮ **فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَہٗ الدِّیْنَ وَ لَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ** ⑯ **رَافِعِیْ** **الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ** ⑰ **یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لَیُبْیِّنَ** **یَوْمَ التَّلَاقِ** ⑱ **یَوْمَ هُمْ بَرْزُوْنَ** ⑲ **لَا یَخْفٰی عَلٰی اللّٰهِ مِنْہُمْ شَیْءٌ** ⑳ **لِّمَنِ الْمُلْکُ**

الْيَوْمَ ۚ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

”وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے، تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار۔ بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے، وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے، کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ تعالیٰ کی جو واحد اور قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا، ذرا ظلم نہیں ہوگا آج، بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔“

آیتہ سے مراد اس کی توحید اور قدرت کے دلائل ہیں۔ یہاں آیات کو ظاہر کرنا اور رزق کے نازل کرنے کو جمع کیا کیونکہ آیات کے ساتھ ادیان کا قوام ہوتا ہے اور رزق کے ساتھ ابدان کا قوام ہوتا ہے یہ آیات جو آسمان اور زمین ہیں اور ان کے درمیان جو کچھ ہیں اور ان میں سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل، بخارات، نہریں، چشمے، پہاڑ، درخت اور ہلاک ہونے والی قوم کے آثار ہیں۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ۝ ان آیات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کرتا مگر جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت سے مراد اطاعت ہے اگرچہ کافر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ناپسند کریں تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔  
رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ۔ ذو العرش مبتدا کے مضمحل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ انخفش نے کہا: مدح کی بنا پر نصب دینا بھی جائز ہے رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ کا معنی ہے بلند صفات والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی اور سعید بن جبیر نے کہا: سات آسمانوں کو بلند کرنے والا (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: جنت میں اپنے اولیاء کے درجہ کو بلند کرنے والا، اس صورت میں رفیع، رافع کے معنی میں ہوگا یعنی فاعل کے معنی میں ہے، پہلے قول کی بنا پر صفات ذات مراد ہوگی معنی ہوگا اس سے قدر و منزلت میں بڑھ کر کوئی نہیں وہی مدح و ثنا کے درجات کا مستحق ہے۔ یہی درجات اس کی اصناف اور ابواب ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی ان کا مستحق نہیں؛ یہ حلیمی کا قول ہے ہم نے اس کا ذکر ”الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنى“ میں کیا ہے۔ الحمد للہ۔ ذُو الْعَرْشِ وہ عرش کا خالق اور مالک ہے وہ عرش کا محتاج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ثُلَّ عرش فلاں یعنی اس کا مالک اور غلبہ زائل ہو گیا جبکہ اللہ تعالیٰ ذُو الْعَرْشِ ہے معنی ہے اس کی حکومت اور سلطنت قائم و ثابت ہے ہم نے اس کی وضاحت



جواب دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہوگا، کیونکہ یہ اس وقت فرمائے گا جس وقت کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، تو وہ خود ہی جواب دے گا (1)، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لِّنَفْسٍ مِّنْ مَّوَدَّةٍ** ①۔

نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سے صحیح ترین ابو وائل کی روایت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لوگوں کو چاندی کی مثل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی گئی ہوگی، ایک منادی کو ندا کرنے کا حکم ہوگا جو اعلان کرے گا: **لِمَنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** تو مومن و کافر سب بندے کہیں گے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لِّنَفْسٍ مِّنْ مَّوَدَّةٍ** ② مومن خوشی اور لذت حاصل کرتے ہوئے یہ کہیں گے اور کافر غم، عاجزی اور اطاعت کے طور پر کہیں گے۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یہ سوال ہو اور مخلوق موجود نہ ہو تو یہ امر بعید ہے کیونکہ اس میں تو کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے وہ قول صحیح ہے یہ قول قیاس اور تاویل سے اخذ نہیں کیا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے کیونکہ مقصود بادشاہت میں انفرادیت کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ مدعیوں کے دعوے، انتساب کرنے والوں کے انتساب ختم ہو چکے ہیں کیونکہ ہر بادشاہ اور اس کا ملک، ہر متکبر اور اس کا ملک جا چکا ان کے نسب اور دعویٰ ختم ہو چکے ہیں۔ اسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ زمین کو لپیٹ لیا جائے گا روہیں قبض کر لی جائیں گی اور آسمان بھی لپیٹ لیے جائیں گے: **اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مَلِكِ الْاَرْضِ** (2) میں بادشاہ ہوں اور زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جس طرح حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر کی حدیث میں گزر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ زمین کو بائیں ہاتھ اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا: پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں جبار کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان: **لِمَنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** یہ دنیا کے زمانہ کا انقطاع ہے اس کے بعد دوبارہ اٹھانا اور نشر ہوگا۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ ارشاد دو نفخوں کے درمیان ہوگا جب مخلوقات فنا ہو جائیں گی اور خالق باقی رہے گا وہ اپنی ذات کے سوا نہ کوئی مالک اور نہ کوئی مملوک دیکھے گا (3) اسے کوئی جواب نہ دے گا کیونکہ تمام مخلوق مردہ ہوگی تو وہ خود ہی جواب دے گا وہ ارشاد فرمائے گا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لِّنَفْسٍ مِّنْ مَّوَدَّةٍ** کیونکہ وہ خود ہی باقی ہے اور اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا وہ کہے گا: **لِمَنَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ** تو جنتی اسے جواب دیں گے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لِّنَفْسٍ مِّنْ مَّوَدَّةٍ** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے: یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے (4)۔

**اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ** انہیں یہ کہا جائے گا جب وہ اللہ وحدہ لا شریک کے لیے بادشاہت کا اقرار کر لیں گے یعنی ہر نفس نے خیر اور شر میں سے جو کچھ عمل کیا ہوگا اسے آج جزا دی جائے گی **لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ** ہر ایک نے جو عمل کیا ہوگا اس کے بدلہ میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

**اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ** ③ اسے تفکر اور گننے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی جس طرح حساب کرنے والے کرتے ہیں کیونکہ وہ

2- صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض اللہ الارض، جلد 2، صفحہ 965

4- تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 157

1- تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 405

3- تفسیر المادری، جلد 5، صفحہ 148



ایسا عالم ہے جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی تو وہ کسی کی جزا میں تاخیر نہیں کرتا اس لیے کہ وہ کسی اور کو جزا دینے میں مشغول ہوتا ہے جس طرح وہ ایک ساعت میں سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ساعت میں سب کا محاسبہ کرے گا۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”ابھی نصف النہار کا وقت نہیں ہوگا کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں قیلولہ کریں گے۔“

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَزْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُظُمِينَ ۖ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَيٍّ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۖ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۖ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۖ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۖ ذَلِك بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ

”اور آپ ڈرائے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے میں اٹک جائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے، نہ ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ، اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے وہ قوت کے لحاظ سے بھی طاقتور تھے اور زمین میں چھوڑے ہوئے آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کے باعث، اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لیے کہ لے کر آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے ہر بات سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے، بے شک وہ بڑا طاقتور سخت سزا دینے والا ہے۔“

یَوْمَ الْأَزْفَةِ سے مراد یوم قیامت ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ وہ قریب ہے کیونکہ ہر وہ امر جو وقوع پذیر ہونے والا ہو وہ قریب ہی ہوا کرتا ہے اُذِ فلان یعنی فلاں قریب ہو اس کا مضارع یأُذِ اُذِ اُذِ کے وزن پر آتا ہے۔ نابغہ نے کہا:

أُذِ الثَّرْحُلُ غَيْرُ أَنْ رِكَابَنَا لَنَا نَزْلٌ بِرَحَائِنَا وَكَأَنَّ قَدِ

اس میں اُذِ کے لفظ کا قریب معنی ہے یعنی ہمارے کوچ کا وقت قریب آ گیا اس آیت کی مثل اُزِفَتِ الْأَزْفَةُ ۖ (النجم) ہے یعنی قیامت قریب آگئی، ایک شاعر کہتا ہے:

أَزِفَ الزَّحِيلُ وَلَيْسَ لِي مِنْ زَادٍ غَيْرُ الذُّنُوبِ لِشِقْوَتِي وَنَكَادِي

کوچ کا وقت قریب آ گیا میرے لیے میرے گناہوں کے سوا کوئی زاد نہیں یہ میری بدبختی اور محرومی کا باعث ہے۔  
إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَظْمَيْنِ۔ کاظمین حال ہے معنی پر محمول ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے دل غصے کی حالت میں گلے میں ہوں گے۔ فراء نے اس کو جائز قرار دیا کہ یہ تقدیر ہو وانذرهم کاظمین، کاظمین کو مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یوم الآذفة سے مراد موت کے حاضر ہونے کا دن ہے (1)؛ یہ قطرب کا قول ہے اسی طرح إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ سے مراد بھی موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے، پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ قتادہ نے کہا: خوف کی وجہ سے گلے میں انک جائے گا نہ یہ نکلے گا اور نہ ہی وہ اپنی جگہ واپس جائے گا (2) یہ قیامت کی گھبراہٹ کی خبر ہے جس طرح فرمایا وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب: 10) یوم کو الآذفة کی طرف مضاف کیا تقدیر کلام یوں ہوگی یوم القيامة أو يوم المجادلة۔

کوفیوں کے نزدیک یہ إضافة الشئ إلى نفسه کے باب سے ہے جس طرح مسجد الجامع، صلاة الاول۔ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَيٍّ، حیم کا معنی قریبی ہے جو نفع دے وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ① اور نہ کوئی ایسا شفیع ہے جو ان کے بارے میں شفاعت کرے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ مَوْجِدًا نَبِيًّا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے کلام یوں ہے يعلم الأعین الخائنة وہ خائن آنکھوں کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا ہو ایک عورت ان کے پاس سے گزرے وہ اس کی طرف نظریں بچا کر دیکھتا ہے۔ ان سے یہ بھی مراد ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو ایک عورت کی طرف دیکھتا ہے جب اس کے ساتھی اسے دیکھیں تو وہ اپنی نظریں جھکا لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا ہے کہ وہ آدمی پسند کرتا کہ اس کی بے پردگی کو دیکھے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس کی طرف نظریں بچا کر دیکھنا (3)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے ما رایت جبکہ اس نے دیکھا تھا یا رایت جبکہ اس نے نہیں دیکھا تھا۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آنکھ سے اشارہ کرنا ہے۔ سفیان نے کہا: اس سے مراد ایک نظر کے بعد دوسری نظر کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ معنی ہے اگر اس کے ساتھ خلوت کرتا تو اس کے ساتھ بدکاری کرتا یا نہ کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ سینے جس کو چھپائے ہوئے ہیں۔

جب عبد اللہ بن ابی سرح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا جبکہ اہل مکہ مطمئن ہو چکے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے امان طلب کی تھی رسول اللہ ﷺ طویل وقت تک خاموش رہے تھے پھر فرمایا: ”ہاں“۔ جب عبد اللہ بن ابی سرح چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے صحابہ سے فرمایا: ”میں خاموش نہیں ہوا تھا مگر اس لیے کہ تم میں سے کوئی ایک اٹھے اور اس کی گردن مار ڈالے“۔ ایک انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ

کر دیا تو فرمایا: "اللہ کا نبی خائن آنکھ والا نہیں ہوتا" وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ جَوَادِیْ مُحَارِمٍ سَے اپنی نظر کو جھکا کر رکھتا ہے اور جو ان کی طرف دیکھتا ہے اور جو آدمی موقع ملنے پر فواحش کا ارادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ان کو جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بَشٰیءٍ، مِنْ دُوْنِهٖ سَے مراد بت ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے کیونکہ وہ کسی چیز کو نہیں جانتے اس پر قادر نہیں اور اس کے مالک نہیں۔ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے: یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ مسلک ہے۔ نافع، شیبہ اور ہشام نے تدعون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ ہوزائد ہے اور فاصلہ کے لیے آئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور اس کا مابعد خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا فَيَنْظُرُوْا جَزْم کے محل میں ہے اس کا عطف یَسِيْرُوْا پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو کیونکہ یہ جواب ہے تثنیہ اور جمع میں جزم اور نصب ایک ہی ہے کَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْعَاقِبَةِ، كَانَ کا اسم ہے اور اس کی خبر کیف ہے وَاِیَّیْ جَر میں ہے لفظ پر عطف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اس کے رفع اور جر کی حالت ایک ہی ہے کیونکہ یاء حذف ہو جاتی ہے اور کسرہ اس پر دلالت کرتا ہے کئی مواقع پر اس آیت کے معنی میں گفتگو گزر چکی ہے پس اس نے اعادہ سے ہمیں غنی کر دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِآیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سِحْرٌ کَذٰبٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ۝ وَ مَا کِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلِیَدْعُرْ رَبَّهٗ ۝ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنِکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَ قَالَ مُوْسٰی اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ مِنْ کُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا یُوْثِقُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝

”بے شک بھیجا ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ، فرعون ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا: قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو، اور نہیں کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں۔ اور فرعون نے جھنجھلا کر کہا: مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو اپنی مدد کے لیے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِآیٰتِنَا یٰ نون نشانیاں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں گزر چکا ہے: وَلَقَدْ اَتٰنَا مُوْسٰی

تَسْمَعُ آيَاتِ بَيْتٍ (الاسراء: 101) ان کی تعیین بھی گزر چکی ہے: وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اس سے مراد واضح حجت ہے، سلطان یہ مذکر اور مونث دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد تورات ہے اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هٰاُمْنَ وَ قٰاِرُوْنَ ان کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی تدبیر کا دار و مدار انہیں افراد پر تھا فرعون بادشاہ تھا، ہامان وزیر تھا اور قارون اموال اور خزانوں والا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے ان دونوں کے ساتھ جمع کر دیا کفر اور تکذیب میں اس کا عمل ان دونوں کے اعمال جیسا تھا فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰاِبٌ ۝ جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے معجزات کو جادو پر محمول کر دیا۔

[illegible]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ اِقْتُلْ فِعْل مجزوم ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے وَلْيَدْعُ مجزوم ہے کیونکہ وہ امر ہے ذَرُونِي مجزوم نہیں اگرچہ امر ہے لیکن اس کا لفظ مجزوم کا لفظ ہے جبکہ وہ مبنی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرعون کو کہا گیا ہم ڈرتے ہیں کہ وہ تیرے خلاف بددعا کریں تو اس کی دعا قبول ہو جائے تو اس نے کہا: وہ اپنے رب کو بلائے یعنی وہ اپنے رب کا جو ذکر کرتا ہے وہ تمہیں خوفزدہ نہ کرے کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں میں تمہارا بڑا رب ہوں اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ میں تو صرف اسی سے ڈرتا ہوں کہ تم جو میری عبادت کرتے ہو وہ اسے اپنے رب کی طرف نہ پھیر دے اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ فُسَادًا ⑩ اگر وہ تمہارے دین کو تبدیل کر سکے تو وہ زمین میں ضرور فساد برپا کر دے گا یعنی اس کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف واقع ہو جائے گا۔ کوفیوں کی قراءت ہے اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ یعنی یا کوفتہ اور الفساد کو رفع۔ کوفیوں کے مصاحف میں اسی طرح ہے اور الف کے ساتھ ہے؛ ابو عبیدہ بھی اسی طرف گئے ہیں کہا: اس میں حرف زائدہ ہے اس میں فصل ہے اور او، واؤ کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا حاذق نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ او واؤ کے معنی میں ہو کیونکہ اس میں وضعی معنی کا بطلان ہوتا ہے اگر یہ جائز ہو کہ او، واؤ کے معنی میں ہو تو یہاں استدلال کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیونکہ واؤ کا معنی ہے میں دونوں امروں سے خوف کھاتا ہوں او کا معنی ہے دونوں میں سے ایک سے ڈرتا ہوں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا اگر یہ امر اس کے لیے مشکل ہو گیا تو وہ زمین



میں فساد کو ظاہر کر دے گا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ جِبْرِيلُ قَالَ فَرعونَ نے آپ کو قتل سے دھمکایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝۱۸

”اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپاے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے: میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے، اسے اپنے حال پر رہنے دو اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہوا (اور تم نے) (انکو) گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب اس کا جس نے تم سے وعدہ کیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَقَالَ رَجُلٌ مُُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ نے ذکر کیا ہے اس آدمی کا نام حبیب تھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام شمعان تھا۔ سہیلی نے کہا: یہ سب صحیح قول ہے۔ تاریخ طبری میں ہے اس کا نام فیر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل تھا؛ ثعلبی نے یہ قول حضرت ابن عباس اور اکثر علماء سے ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اس کا حبیب یا شمعان تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام خزیمہ یا حزقیل تھا۔ یہ اختلاف ہے کہ وہ قبیلہ اسرائیلی تھا۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: یہ قبیلہ تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فرعون کا چچا زاد تھا (4)؛ یہ سدی کا قول ہے کہا: یہ وہی شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچا تھا اسی وجہ سے فرمایا: مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ قَالَ يُؤْتِي الْقُلُوبَ حِكْمًا (القصص: 20) یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آل فرعون میں اس کے فرعون کی بیوی اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا تھا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا اس نے کہا تھا: سردار تمہیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں (5)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: صدیقین، حبیب نجار جو آل یس کا مومن تھا آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا: کیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 162

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 407

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152

5۔ ایضاً

تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے تیسرا ابو بکر صدیق ہے یہ ان سب سے افضل ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ اپنی قوم کے مشرکوں پر تعجب نہ کریں اس آدمی کو فرعون کے ہاں بڑی وجاہت حاصل تھی اس لیے فرعون نے اس آدمی کے ساتھ کوئی برا رویہ نہ اپنایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی بنی اسرائیل میں سے تھا وہ اپنا ایمان آل فرعون سے چھپاتا تھا؛ سدی سے بھی یہی قول مروی ہے اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے وقال رجل مؤمن یکتُم ایمانہ من آل فرعون۔

جس نے اس آدمی کو قطبی بنایا تو اس کے نزدیک من اس مخدوف کے متعلق ہے جو رجل کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے وقال رجل مؤمن منسوب من آل فرعون یعنی وہ فرعون کے اہل اور قریبیوں میں سے تھا۔ جس نے اسے اسرائیلی قرار دیا ہے تو اس صورت میں من، یکتُم کے متعلق ہوگا یہ یکتُم کا مفعول ثانی ہوگا۔ قشیری نے کہا: جس نے اسے اسرائیلی قرار دیا ہے اس میں بعد ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کتُمہ امر کذا یہ نہیں کہا جاتا: کتُم منہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا یُکْتُمُونَ اللّٰہَ حَدِیثًا (النساء) نیز یہ بات بھی ہے فرعون بنی اسرائیل میں سے کسی سے اس قسم کا قول برداشت نہیں کرتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اَتَقْتُلُونَ رَاجُلًا اَنْ یَقُولَ رَبِّیَ اللّٰہُ یہاں ان سے پہلے لام مخدوف ہے یا من اجل یہ مخدوف ہے ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار مخدوف ہے وَقَدْ جَاءَ کُمْ بِالْبَیِّنَاتِ بینات سے مراد نو نشانیاں ہیں وَإِنْ یَکُ کَاذِبًا فَعَلِیْہِ کَذِبُہُ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور صداقت میں کوئی شک نہ تھا لیکن جو کچھ وہ کر رہے تھے اس سے روکنے میں اور اذیت سے دور کرنے میں نرمی چاہی۔ اگر یہ ان یکن ہوتا تو بھی یہ جائز تھا لیکن سیبویہ کے قول کے مطابق کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ سیبویہ کے قول کے مطابق یہ نون اعرابی ہے۔

یُضِیْبُکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُّ کُمْ اگر تمہیں ان وعیدوں میں سے ایک ہی آپہنچے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابو عبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُّ کُمْ کا معنی ہے کل الذی یعدکم یعنی بعض، کل کے معنی میں ہے۔ لبید کا شعر ذکر کیا:

تَرَکَ اَمِکْنَةُ اِذَا لَمْ اَرْضَہَا اَوْ یَرْتَبِطُ بَعْضُ النِّفْسِ حِمَامُہَا

جب میں راضی نہ ہوں تو میں کئی جگہوں کو چھوڑ دیتا ہوں یا ان کی موت تمام نفوس کو جکڑ لے۔

یہاں بھی بعض، کل کے معنی میں ہے کیونکہ بعض جب انہیں لاحق ہوگی تو لام محالہ کل کو لاحق ہوگی کیونکہ وہ وعید میں داخل ہے وعظ میں کلام میں نرمی پیدا کرنا ہوتا ہے ماوردی نے ذکر کیا بعض کا لفظ کل کی جگہ استعمال ہوتا ہے مقصود خطاب اور کلام میں وسعت ہوتی ہے (1)؛ جس طرح شاعر نے کہا:

قَدْ یُذَرِّکَ التَّائِیُّ بَعْضَ حَاجَتِہِ قَدِ یُکُونُ مَعَ السُّتَعَجِلِ الزَّلُّ

بعض اوقات سستی کرنے والا اپنی حاجت پالیتا ہے اور جلد باز سے لغزشیں ہو جاتی ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے انہیں عذاب کی کئی انواع سے خبردار کیا تھا ان میں سے ہر نوع ہلاک

کردینے والی تھی گویا انہیں اس چیز سے خبردار کیا کہ انہیں ان انواع میں سے کچھ لاحق ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں عذاب دنیا یا عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اگر وہ کفر کریں معنی یہ ہوگا تمہیں ان میں سے ایک عذاب لاحق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمہیں عذاب پہنچے گا وہ یہ دنیا میں کہتے تھے یہ بعض وعید ہے پھر آخرت میں اس کے مترادف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر کفر کریں تو عذاب کا وعدہ کیا اور اگر ایمان لائیں تو ثواب کا وعدہ کیا جب انہوں نے کفر کیا تو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس کا بعض انہیں پہنچا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ جو اپنی ذات پر اسراف کرنے والا تھا كَذَّابٌ ۝ اپنے رب پر جھوٹ بولنے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے، یہ مومن کے قول میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے عناد میں اسراف کرنے والا ہے كَذَّابٌ وہ اپنے دعویٰ میں کذاب ہے، اس سے فرعون کی طرف اشارہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** يَكْتُمُ اِيْمَانَهُ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: بعض نے یہ گمان کیا کہ مکلف جب اپنے ایمان کو چھپائے زبان سے اس کا اظہار نہ کرے تو وہ محض اپنے اعتقاد کی وجہ سے مومن نہ ہوگا (1)۔ امام مالک نے کہا: ایک آدمی جب اپنے دل سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کرتا ہے اور اپنی زبان سے طلاق نہ کہے تو طلاق اسے لازم ہو جائے گی جس طرح وہ اپنے دل کے اعتقاد کے ساتھ مومن اور کافر ہو جاتا ہے ایمان کا مدار دل پر ہے حقیقت میں معاملہ اسی طرح ہے لیکن علی الاطلاق ایسا نہیں ہم نے اس کی وضاحت اصول فقہ میں بیان کر دی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مکلف جب اپنے دل سے کفر کا ارادہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ اپنی زبان سے اظہار نہ کرے مگر جب وہ اپنے دل سے ایمان کی نیت کرے تو وہ کسی حال میں بھی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ زبان سے اس کا اظہار کرے تقیہ اور خوف اس بات سے مانع نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اس چیز کا اظہار کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات ہیں۔ تقیہ اس چیز سے مانع ہوتا ہے جسے غیر کو سنائے ایمان کی یہ شرط نہیں کہ کسی اور کو وہ سنائے غیر کا سماع اس لیے شرط ہے کہ وہ اپنا اور مال کا دفاع کرے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** بخاری اور مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت نقل کی کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے وہ واقعہ سناؤ (2) جس میں مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت ترین رویہ اپنایا ہو کہا: اسی اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں موجود تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا پکڑا آپ کا کپڑا گردن میں لپیٹا اور سختی سے آپ کا گلا دبایا حضرت ابوبکر صدیق آئے اس کا کندھا پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو دور کیا فرمایا: کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بیانات لایا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

ترمذی حکیم نے ”نوادراصول“ (3) میں جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل

2۔ صحیح بخاری، کتاب الفضائل، فضائل ابی بکر، جلد 1، صفحہ 20-519

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1659

3۔ نوادر الاصول، صفحہ 45-244

کرتے ہیں کہ قریش ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد اکٹھے ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ایک آتا آپ کو مارتا اور یہ آتا آپ کو دھکے دیتا اس روز نبی کریم ﷺ نے مدد چاہی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے آپ ﷺ کی مدد نہ کی آپ کی دو مینڈھیاں تھیں آپ آگے بڑھے اس کو مارتے اور دوسرے کو پرے ہٹاتے اور بلند آواز سے کہتے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اللہ کی قسم! وہ رسول ہیں اس دن حضرت ابوبکر صدیق کی ایک مینڈھی کٹ گئی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ابوبکر کا وہ دن آل فرعون کے مومن سے بہتر تھا، آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی تعریف کی یہ ابوبکر صدیق ہیں جس نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اپنے مال اور جان کو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول اس آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا۔ آپ نے اس کے ابتدائی مرحلہ کا ارادہ کیا تھا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اور اسے نہ چھپایا ورنہ قرآن اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ آل فرعون کے مومن نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کی وضاحت آنے والی ہے۔

”نوادرا اصول“ (1) میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے لوگوں نے حضرت اسماء سے پوچھا: وہ کون سا تکلیف دہ امر ہے جو تم نے دیکھا جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے اپنایا؟ حضرت اسماء نے کہا: مشرک مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ وہ کیا کچھ ان کے معبودوں کے بارے میں کہتے ہیں ابھی وہ اسی طرح تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے سب اٹھ کھڑے ہوئے جب وہ آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تو آپ ان کی تصدیق کرتے انہوں نے کہا: کیا تو ہمارے معبودوں کے بارے میں یہ نہیں کہتا؟ فرمایا: کیوں نہیں، تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے ایک خبر دینے والا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ سے کہا: اپنے ساتھی تک پہنچو۔ وہ ہمارے پاس سے نکلے جبکہ ان کی مینڈیاں تھیں وہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ وہ کہہ رہے تھے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے میناں لایا ہے؟ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہماری طرف لوٹے آپ اپنی مینڈھیوں میں سے کسی کو ہاتھ نہ لگاتے مگر وہ آپ کے ساتھ ہی آجاتی آپ کہتے: تبارکت یا ذا الجلال والإکرام: اکرام اکرام۔

لِقَوْمٍ لَّكَ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَلْهَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝



قَالَ الَّذِي آمَنَ لِقَوْمِ إِيَّيَّ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۖ مِثْلَ دَابِ  
قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعِبَادِ ۖ وَ  
لِقَوْمِ إِيَّيَّ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۖ يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ ۚ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ  
مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ

”اے میری قوم! (مانا) آج حکومت تمہاری ہے نیز تمہیں غلبہ حاصل ہے اس ملک میں لیکن مجھے یہ بتاؤ  
کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے۔ (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا: میں تو تمہیں وہی  
مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف اور  
کہنے لگا وہی ایمان والا: اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی کہیں پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن  
نہ آجائے جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے اور اللہ نہیں چاہتا  
بندوں پر ظلم کرے۔ اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے جس روز تم  
بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا اور جسے گمراہ  
کردے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

لِقَوْمِ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْلَ الْقَائِلِ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ قبطی تھا اسی وجہ  
سے اس نے انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اس نے کہا: لِقَوْمِ تَاكَا اس کے وعظ کو قبول کرنے کے قریب ہو جائیں آج  
حکومت تمہاری ہے اس لیے تم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ ظَهْرَيْنِ فِي الْأَرْضِ یعنی غالب۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے  
منسوب ہے یعنی تمہارے غلبہ کی حالت میں یہاں ارض سے مراد ارض مصر ہے؛ یہ سدی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اسی  
طرح فرمایا: وَكَذَلِكَ مَكْنًا يُوَسِّفُ فِي الْأَرْضِ (یوسف: 56) مصر کے علاقہ میں فَسَنُ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا  
(المومن: 29) باس سے مراد عذاب ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خبردار کرنا مقصود تھا اگرچہ حضرت موسیٰ سچے ہوں اس نے  
نصیحت کی اور خبردار کیا تو فرعون کو ان کی دلیل کے غلبہ کا علم ہو گیا تو اس نے کہا: مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ۔ عبدالرحمن بن زید بن  
اسلم نے کہا: میں تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جو میں بہتر خیال کرتا ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے  
سے منع کرنے میں صحیح راستہ کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہوں (1)۔

وَلِقَوْمِ إِيَّيَّ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۖ وعظ اور تخویف میں زیادتی کی اور اپنے ایمان کی وضاحت کی یا تو اس لیے  
یہ کہا کہ اپنے نفس کو قتل ہونے پر تیار کر رہے تھے یا یہ اعتماد تھا کہ وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے  
سچے قول کی وجہ سے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

عام قراءات التناد ہے وال مخفف ہے وہ یوم قیامت ہے۔ امیہ بن ابی صلت نے کہا:  
وَبَثَّ الْخَلْقَ فِيهَا إِذْ دَحَاهَا فَهُمْ سُكَّانُهَا حَتَّى التَّنَادُ (1)

جب اس زمین کو پھیلا دیا تو اس میں مخلوق کو پھیلا دیا وہ قیامت تک اس کے رہائشی ہیں۔

اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو بلائیں گے اصحاب اعراف ایسے لوگوں کو بلائیں گے جن کو وہ چہروں سے پہچانتے ہوں گے اصحاب جنت اصحاب النار کو آواز دیں گے: أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا (الاعراف: 44) اور جہنمی اصحاب جنت کو ندا کریں گے: أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ (الاعراف: 50) ایک منادی کرنے والا بد بختی اور سعادت کے حوالے سے اعلان کرے گا خبردار! فلان بن فلان ایسی بد بختی کے ساتھ بد بخت ہوا جس کے بعد وہ کبھی بھی سعادت مند نہ ہوگا خبردار فلان بن فلان ایسی سعادت کے ساتھ سعادت مند ہوا ہے جس کے بعد وہ بد بخت نہیں ہوگا یہ اعمال کے وزن کے بعد ہوگا ملائکہ جنتیوں کو ندا کریں: أَنْ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُتَمَتُّ بِهَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الاعراف)

جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت ندا کی جائے گی: اے جنتیو! یہ ہمیشہ کی زندگی ہے اب موت نہیں اے جہنمیو! یہ ہمیشہ کی زندگی ہے اب موت نہیں۔ اس ندا کے علاوہ ہر قوم کو اپنے امام کے ساتھ ندا کی جائے گی۔ حضرت حسن بصری، ابن سمیع، یعقوب، ابن کثیر اور مجاہد نے التناد وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یا کو ثابت رکھنے کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور عکرمہ نے یوم التناد دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے بعض اہل عربیہ نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ یہ ند، یند سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسی طرف بھاگتا چلا جائے جس طرف اس کا منہ ہو۔ کہا: قیامت میں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کی قراءت اچھی ہے جبکہ اس کا معنی یوم تنافر ہے۔ ضحاک نے کہا: جب وہ جہنم کی آواز کو نہیں گے تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے وہ زمین کے جس حصہ میں آئیں گے وہ فرشتوں کی صفیں پائیں گے تو اسی جگہ کی طرف لوٹ جائیں گے جہاں سے آئے تھے (2) یہی یوم التناد اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِيَمْعَشَرَ الْجِئْنَ وَالْإِنْسِ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الرحمن: 33) سے مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا (الحاقة: 17) ابن مبارک نے اس کے معنی کا ذکر کیا۔ عبدالرحمن بن یزید بن جابر، عبدالجبار بن عبداللہ بن سلمان نے آیت: إِنْ أَحَافَ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ (يَوْمَ تُولَوْنَ مُذْ بَرِئِينَ) ان کی آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر آنکھیں خون کے ساتھ انہیں جواب دیں گی تو وہ روئیں گے یہاں تک کہ خون ختم ہو جائے گا پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ جواب دیں گی کہا: ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر بھیجا جائے گا تو وہ منہ پھیر لیں گے پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ پیپ ختم ہو جائے گی ان کی آنکھیں اتنی گہری ہو جائیں گی جس طرح مٹی میں شق ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس وقت ہوگا جب حضرت اسرافیل فزع کا نغمہ پھونکیں گے: اے علی بن معبد، طبری اور دوسرے علماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے

ذکر کیا ہے اس میں ہے زمین اس کشتی کی مانند ہوگی جو سمندر میں ہوتی ہے جسے موجیں تھپڑے مارتی ہیں لوگ اس پر کانپنے لگیں گے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ اپنے حملوں کو گرا دیں گی بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین بھاگتے ہوئے اڑ رہے ہوں گے فرشتے انہیں ملیں گے ان کے منہ پر ماریں گے جبکہ ایک دوسرے کو ندا کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مراد ہے: **يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝** ہم نے اس کا ذکر کتاب ”التذکرہ“ میں کیا وہاں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

علی بن نصر نے ابو عمرو سے وصل کی صورت میں خاص طور پر التناد دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمر نے عبدالوارث سے وصل کی صورت میں خاص کر یاء کا اضافہ کیا ہے: یہ ورش کا مذہب ہے۔ ابو عمر سے دونوں حالت میں اس کا حذف مشہور ہے۔ ورش اور ابن کثیر کے علاوہ سب نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے **يَوْمَ التَّنَادِ** اس لیے نام دیا گیا کیونکہ کافر اسی دن اپنے لیے ویل، ثبور اور حسرت کو پکارے گا: یہ ابن صریح نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یوں ہے **إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے **يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ** یہ **يَوْمَ التَّنَادِ** سے بدل ہے۔

**وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝** یعنی اللہ تعالیٰ جس کے دل میں گمراہی پیدا کر دے تو اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (1) اس کے قائل کے بارے میں دو قول ہیں: (1) حضرت موسیٰ علیہ السلام (2) آل فرعون کا مومن: یہی زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنَنْبِئَنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ رَاسُولِهِ ۚ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝** **الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝**

”(اے میری قوم!) بے شک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ علیہا السلام) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آتے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا یونہی گمراہ کرتا ہے انہیں جو جھگڑتے رہتے اللہ کی آیتوں میں کسی معقول دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو یہ طریقہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش دل پر“۔

**وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ

کیا گیا ہے: یہ آل فرعون کے مومن کی نصیحت کا کلمہ ہے انہیں یاد دلایا کہ وہ انبیاء پر پہلے بھی سرکشی کرتے آتے ہیں یہ ارادہ کیا کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ان کے پاس بیانات لائے: **ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** (یوسف) ابن جریج نے کہا: اس سے مراد حضرت یوسف بن یعقوب ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں قبطیوں کی طرف بھیجا تھا جبکہ بادشاہ فوت ہو چکا تھا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوا، بیانات سے مراد خواب ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یوسف بن افرائیم ہیں۔ حضرت یوسف بن یعقوب ان کے درمیان بیس سال تک نبی کی حیثیت سے مقیم رہے نقاش نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جنوں میں سے ایک رسول بھیجا جسے یوسف کہا جاتا ہے (2)۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون حضرت یوسف کا ہی فرعون تھا اسے طویل عمر دی گئی تھی (3)۔ دوسرے علماء کہتے ہیں وہ کوئی اور تھا۔ نحاس نے کہا: آیت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ وہی فرعون تھا کیونکہ جب نبی بیانات لایا ان کے لیے جو اس کے ساتھ ہیں اور ان کے لیے جو ان کے بعد ہیں تو وہ ان سب کے پاس لایا تو سب پر لازم ہے کہ وہ ان کی وجہ سے اس کی تصدیق کریں۔

**فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْآجَاءِ كُمْ بِهِ** یعنی تمہارے اسلاف شک میں تھے **حَتّٰى اِذَا هَلَكَ قُلُوبُكُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِہٖ رَاسُوْلًا** یعنی جو رسالت کا دعویٰ کرے **كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ اَسْوَءَ الْاَشْيَاءِ كَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** اس گمراہی کی طرح۔ **يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْسِفٌ** سے مراد مشرک ہے **مُزْتَابٌ** جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شک کرے۔

**الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** یعنی غالب دلائل۔ **بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ** بغیر حجت اور برہان کے **الَّذِيْنَ** یہ من سے بدل ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتا ہے **الَّذِيْنَ** محل نصب میں ہے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام ہم الذین ہے، یا یہ مبتدا ہو اور خبر کبر **مَقْتًا** ہو پھر کہا گیا: یہ آل فرعون کے مومن کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب کا آغاز ہے **مَقْتًا** بیان کے طور پر منصوب ہے یعنی کبر **جَدَّالِہُمْ** مقتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **كَبُرَتْ كَلِمَةً (الکہف: 5)** مقت اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا ان کی مذمت کرنا، اللہ تعالیٰ کا انہیں اپنی رحمتوں سے دور کرنا اور ان پر عذاب کو نازل کرنا۔

**كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ** جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان جھڑا کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگائی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ہدایت کو سمجھتا ہی نہیں اور حق کو قبول نہیں کرتا۔ عام قراءت **عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ** ہے یعنی قاب، متکبر کی طرف مضاف ہے: ابو حاتم اور ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے **كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبٍ عَلٰی كُلِّ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ** دوسرا کل حذف کر دیا گیا کیونکہ اس سے پہلے وہ گزر چکا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے جب کل کو حذف نہ کیا جائے تو معنی درست نہیں رہتا کیونکہ اس کا معنی بنتا ہے کہ وہ اس کے تمام دل پر مہر لگا دیتا ہے معنی اس طرح نہیں معنی اس کا یہ ہے کہ وہ متکبرین جبارین کے دلوں میں سے ایک ایک



دل پر مہر لگا دیتا ہے ابوداؤد کا قول بھی کل کے حذف پر دلالت کرتا ہے:

أَكَلْتُ أَمْرِي تَحْسِبِينَ أَمْرًا دَنَارٌ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا

کیا تو ہر انسان کو انسان گمان کرتا ہے اور یہ آگ جو رات کو روشن ہوتی ہے تو اسے ضیافت کی آگ سمجھتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی قراءت میں علی قلب کل متکبر ہے یہ قراءت تفسیر اور اضافت کی بنا پر ہے۔ اور عمرو، ابن محیصن اور ابن ذکوان نے اہل شام سے قلب نقل کیا ہے کہ متکبر قلب کی صفت ہے، قلب سے مراد پوری ذات ہے کیونکہ دل تکبر کرتا ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ فِي الْجَسَدِ لِبُضْغَةً إِذَا صَلَحَتِ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتِ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (1) بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے خبردار! وہ دل ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَا مَنِ ابْنِى صِرًا حَالِجِيَّ أَبْلُغْ الْأَسْبَابَ ۝١٦٠

فَاظْلِمِ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّى لَأُظُنُّهُ كَاذِبًا ۝١٦١ وَكَذَلِكَ زَيْنٌ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ ۝١٦٢

صَدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۝١٦٣ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝١٦٤

”اور فرعون نے کہا: اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل اس پر چڑھ کر میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جہانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے، اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل۔ اور روک دیا گیا اسے راہ راست سے، اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے۔“

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهَا مَنِ ابْنِى صِرًا حَالِجِيَّ أَبْلُغْ الْأَسْبَابَ ۝١٦٠ میں اثر انداز ہوگا تو اسے خیال گزرا کہ وہ اس چیز کا امتحان لے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو حید کا پیغام لائے ہیں اگر اس کا درست ہونا واضح ہو گیا تو وہ ان سے مخفی نہیں رکھے گا اگر وہ درست نہ ہو تو وہ انہیں ان کے دین پر پختہ رکھے گا اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ محل بنائے۔ سورہ قصص میں اس کا ذکر گزر چکا۔

لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝١٦٠ الْأَسْبَابُ السَّمَوَاتِ ۝١٦١ الْأَسْبَابُ السَّمَوَاتِ پہلے الْأَسْبَابُ سے بدل ہے۔ قتادہ، زہری، سدی اور خفش کے قول کے مطابق اسباب السماء سے مراد اس کے دروازے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا:

وَمَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنْتَلِئُهُ وَلَوْ زَامَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلْمٍ (2)

جو موتوں کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ اسے پالیتی ہیں اگرچہ آسمان کے دروازوں کا سیڑھی کے ذریعے قصد کرے۔

ابوصالح نے کہا: أَسْبَابُ السَّمَوَاتِ سے مراد اس کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ امور ہیں جن کے وسیلہ سے آسمان مضبوط ہوتے ہیں۔ اسباب کو عظمت شان کے لیے مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ جب کسی چیز کو مبہم ذکر کیا جائے

پھر اس کی وضاحت کی جائے تو یہ اس کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاطْلَعُوا إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ فِي اس کے الہ کی طرف جھانکنے والے کی نظر سے دیکھوں۔ اس نے گمان کیا تھا کہ وہ ایسا جسم ہے جسے مکان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ فرعون الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ اسے ایسی جگہ بیٹھ کر ثابت کیا جاسکتا ہے جہاں سے کسی کی نگرانی کی جاسکے عام قراءت فَاَطْلَعُوا ہے اس کا عطف اَبْلُغْ پر ہے۔ اعرج، سلمیٰ، عیسیٰ اور حفص نے فاطمہ کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: تَعْلَقُ کے جواب میں فاء کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: نصب کا معنی رفع کے معنی کے خلاف ہے کیونکہ نصب کا معنی ہے جب میں اسباب تک پہنچوں گا میں مطلع ہو جاؤں گا، رفع کا معنی ہے میں اسباب تک پہنچوں پھر اس کے بعد اس کی اطلاع پاؤں مگر تم، فاء کی نسبت تراخی میں شدید ہے۔

وَإِنِّي لَا أَظُنُّهُ كَاذِبًا میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہ میرے سوا جو کسی کے الہ کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں وہ جھوٹا ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ محض علت کو ختم کرنے کے لیے کر رہا ہوں یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں شک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظن، یقین کے معنی میں ہے یعنی میں یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے میں جو کچھ کہتا ہوں یہ شبہ کو زائل کرنے کے لیے کہتا ہوں۔

وَكَذَلِكَ زَيْنٌ لِّفِرْعَوْنَ سَوْءٌ عَلَيْهِ جس طرح فرعون نے یہ بات کی اور اسے شک ہوا شیطان نے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا مراد شرک اور جھٹلانا ہے۔

وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ یہ کوفیوں کی قراءت ہے وَصَدَّ مجہول ہے؛ یہ ابو عبیدہ اور ابو حاتم کا پسندیدہ قول ہے۔ وصد کی قراءت بھی جائز ہے دال کے کسرہ کو صاد کی طرف نقل کر دیا؛ یہ یحییٰ بن وثاب اور علقمہ کی قراءت ہے۔ ابن ابی اسحاق اور عبد الرحمن بن بکرہ نے وصد عن السبیل قراءت کی ہے یعنی رفع اور تنوین کے ساتھ قراءت کی ہے باقی قراءت نے وصد یعنی فرعون نے لوگوں کو صراط مستقیم سے روکا۔ تَبَاطُپ کا معنی خسران اور گمراہی ہے اسی سے تَبَتُّ يَدَايِي لَهَبٍ (لہب: 1) وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ (ہود) ایک جگہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے مینار کو گرا دیا وہ خود اور اس کی قوم ہلاک ہو گئی جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ لِقَوْمِهِ اتَّبِعُونِ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۖ لِقَوْمِ إِنَّمَا هِذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۚ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۖ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشِىَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَلِقَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَىٰ وَتَدْعُونَنِي إِلَى الْقَارِئِ ۖ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۚ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۖ لَا جَرَمَ أَنَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَّرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٣١﴾

فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۖ وَأَفْوضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٢﴾

”اور کہنے لگا تھا جو ایمان لایا تھا: اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو چند (روزہ) لطف اندوزی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب۔ اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلا تے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلا تے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں آج تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو۔“

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُونِ ۖ آلَ فِرْعَوْنَ كُفُّوا عَنْهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي سَبِيلِ الْغِيَاثِ ﴿٣٣﴾ یعنی ہدایت کے راستہ کی طرف، اس سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ حضرت معاذ بن جبل نے اسے الرِّشَاد پڑھا ہے جبکہ اکثر عربوں کے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ باب افعال سے یوں فعل ذکر کیا جاتا ہے اُرْشِدُ يُرْشِدُ۔ افعال سے فعال کا وزن نہیں ہوتا یہ ثلاثی سے وزن آتا ہے جب تو ربائی سے کثرت کا ارادہ کرتا ہے تو تو مفعول کہتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ رِشَاد، يُرْشِدُ کے معنی میں ہونہ کہ یہ وہ اس سے مشتق ہو لیکن جس طرح یہ کہا جاتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے معنی میں ہے مگر اس سے مشتق نہیں مانا جاتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ رِشَاد یہ رِشْد يُرْشِدُ سے ہو جس کا معنی صاحب رِشَاد ہو۔ جس طرح کسی نے کہا:

كَلِّبْنِي لَهُمْ يَا أَمِينَةَ نَاصِبِ

زمخشری نے کہا: اے الرِّشَاد بھی پڑھا گیا ہے یہ فعال کا وزن ہے یہ رِشْد سے مشتق ہے جس طرح علامہ، علم سے مشتق ہے یا یہ رِشْد سے مشتق ہو جس طرح عباد ہوتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشْد سے مشتق ہے جس طرح جبار، اجبر سے مشتق ہے یہ اس طرح نہیں کیونکہ افعال سے فعال چند کلمات سے ہی آتا ہے جس طرح دران، شَار، قَضَار اور جِتَار ان قلیل کلمات پر قیاس صحیح نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رِشْد کی طرف منسوب ہو جس طرح عوارج اور ہتات ہے اس میں فعل کی طرف نہیں دیکھا جاتا مصحف میں اِثْبَعُونَ یاء کے

بغیر ہے یعقوب اور ابن کثیر نے وصل اور وقف میں یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو اور نافع نے وقف میں اسے حذف کیا ہے اور وصل میں اسے ثابت رکھا ہے مگر ورش نے اسے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

لِقَوْمِ اٰثِمٰهٖذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَّاعٌ ۝ یعنی تھوڑا سا اس سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے پھر یہ دنیا منقطع ہو جاتی ہے اور زائل ہو جاتی ہے ۝ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ یعنی آخرت قرار اور ہمیشگی کا گھر ہے۔ دار آخرت سے مراد جنت اور دوزخ ہے کیونکہ یہ دونوں فانی نہیں اس ارشاد کے ساتھ اس کی وضاحت کی مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً جَسَ نَے شرک کیا مِثْلَهَا سے مراد عذاب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عمل صالح سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جبکہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ اور انبیاء کی تصدیق کرنے والا ہو يَدْخُلُوْنَ یہ مجہول کا صیغہ ہے؛ یہ ابن کثیر، ابن محصین، ابو عمرو، یعقوب اور ابو بکر کی عاصم سے روایت ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی يَدْخُلُوْنَ۔

وَلِيَقْضُوْا مَالِيْ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوٰى نَجَاتٍ سے مراد ایمان کا راستہ ہے جو جنتیوں تک پہنچانے والا ہے وَتَدْعُوْنَنِيْ اِلَى النَّارِ اس میں اس امر کی وضاحت کی کہ فرعون نے جو کہا تھا: وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۔ یہ وہ گمراہی کا راستہ تھا جس کا انجام جہنم ہے انہوں نے آپ کو فرعون کی اتباع کی دعوت دی تھی اسی وجہ سے کہا: تَدْعُوْنَنِيْ اِلَّا كُفْرًا بِاللّٰهِ وَاُشْرًا بِمَا مَالِيْ فِيْهِ عَلَمٌ اس سے مراد فرعون ہے۔ اور میں تمہیں عزیز و غفار کی طرف دعوت دیتا ہوں لَا جَرَمَ اس کے بارے میں اُنْفَلُوْا پہلے گزر چکی ہے اس کا معنی ہے حقا، ان ما اس میں ما، الذی کے معنی میں ہے لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ زَجَاجَ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے (1) لیس له استجابہ دعوة تنفع اس کے لیے دعوت کی قبولیت نہیں جو نفع دے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کی ایسی دعوت نہیں جو اس کے لیے الوہیت کو ثابت کرے۔

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ کلبی نے کہا: اس کے لیے دنیا و آخرت میں کوئی شفاعت نہیں، فرعون پہلے بتوں کی عبادت کی طرف بلاتا تھا پھر لوگوں کو گائے کی پوجا کی دعوت دی جب تک وہ زندہ ہوتی اس کی عبادت کی جاتی جب وہ بوڑھی ہو جاتی تو اسے ذبح کرنے کا حکم دے دیتا پھر دوسری گائے لے آتا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ جب اس پر طویل زمانہ گزر چکا تو کہا: میں تمہارا بڑا رب ہوں۔

وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ قتادہ اور ابن سیرین نے کہا: مسرفین سے مراد مشرک ہیں (2)۔ مجاہد اور شعبی نے کہا: اس سے مراد سفہاء اور ناحق خون بہانے والے ہیں۔ مکرّم نے کہا: مراد جبار اور متکبر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔ اس کی تعبیر میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں یہ ان سب سے جامع ہے۔ اُن جتنے بھی مواقع پر آیا ہے وہاں یہ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار ساقط ہے۔ سیبویہ نے خلیل سے یہ قول نقل کیا ہے کہ لَا جَرَمَ کلام کا رد ہے اور ان کا محل رفع میں ہونا بھی جائز ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی وجب انی ماتدعونى اليه یعنی جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ثابت ہے گویا فرمایا: جس امر کی طرف تم دعوت دیتے ہو اس کا بطلان، اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور



مصرفین کا اصحاب نار میں سے ہونا ثابت ہے۔

فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولَ لَكُمْ یہ دھمکی اور وعید ہے اور ما کا الذی کے معنی میں ہونا بھی جائز ہے یعنی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر یہ ہو جو میں نے تمہیں کہا ہے جب تم پر عذاب واقع ہوگا اس وقت تم میرا قول یاد کرو گے۔

وَأَفَوْضَ أَخْبَرَنِي إِلَى اللَّهِ میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ مومن پہاڑ کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہ اسے پکڑنے پر قادر نہ ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، زیادہ ظاہر یہی ہے کہ بات کہنے والا آل فرعون کا مومن تھا (1)، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

فَوَقَّعَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَّامَكُرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ⑤ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ⑥

”پس بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونوں کو سخت عذاب میں۔“

فَوَقَّعَهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَّامَكُرُوا اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا عذاب کی جو انواع انہوں نے آپ کو پہنچانے کا مکر کیا تھا انہوں نے اسے تلاش کیا اور نہ پایا کیونکہ اس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ قبلی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اسرائیل کے ساتھ نجات دی، اس تعبیر کی بنا پر ہاء ضمیر آل فرعون کے مومن کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوگی جس طرح یہ اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ⑤ کسائی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے حَاقٌ يَحِيقُ حَيْقًا وْحَيْقًا یعنی کوئی چیز نازل ہو اور لازم ہو پھر عذاب کی وضاحت کی اور فرمایا: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا اس میں چھ وجوہ ہیں: یہ مرفوع ہو اور سوء سے بدل ہو یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو النار علیہا یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو۔ فراء نے کہا: یہ ضمیر عائد کی وجہ سے مرفوع ہو تقدیر کلام یوں ہو النار علیہا یعرضون رفع میں یہ چار وجوہ ہیں۔ فراء نے اس میں نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے مابعد ضمیر عائد ہے اور اس سے ماقبل وہ چیز ہے جس کے ساتھ یہ متصل ہے۔ اخفش نے الْعَذَابِ سے بدل کے طور پر جر کو جائز قرار دیا ہے۔ جہور نے کہا ہے یہ پیشی برزخ میں ہے۔

بعض علماء نے النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا سے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے جب تک دنیا قائم ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا: مجاہد، عکرمہ، مقاتل اور محمد بن کعب نے اسی طرح کا قول کیا ہے سب نے کہا: یہ آیت دنیا میں عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عذاب آخرت کے بارے میں فرمایا: وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ

العذاب ⑤ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث طیبہ میں ہے: ”آل فرعون اور جو ان کی مثل کافر ہیں ان کی روحوں کو صبح اور شام کے وقت آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں کہا جاتا ہے: یہ تمہارا گھر ہے۔“ ان سے یہ بھی مروی ہے: ”ان کی روحوں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں وہ ہر روز صبح اور شام کے وقت دو دفعہ جہنم پر جاتے ہیں“ یہی ان کی پیشی ہے۔ شعبہ نے یعلیٰ بن عطا سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے میمون بن مہران کو کہتے ہوئے سنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صبح کے وقت یہ اعلان کرتے: الحمد للہ ہم نے صبح کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا جب شام ہوتی تو اعلان کرتے الحمد للہ ہم نے شام کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا: کوئی بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہ سنا مگر آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا۔

صخر بن جویریہ، نافع سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کافر جب فوت ہوتا ہے تو اسے صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا جب مومن فوت ہوتا تو اس کی روح صبح و شام جنت پر پیش کی جاتی ہے۔“ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو صبح اور شام کو اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہو تو جنتی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جہنمی ہو تو جہنمی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تجھے دوبارہ اٹھائے گا“ (1)۔

فراء نے کہا: غداۃ اور عشیہ یہ اس دنیا کے اعتبار سے ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا: غُدُوًّا وَعَشِيًّا یہ دنیا کے ایام کے اعتبار سے ہے۔ حماد بن محمد فزاری نے کہا: ایک آدمی نے اوزاعی سے کہا ہم پرندے دیکھتے ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں جو مغرب کی سمت کو جاتے ہیں وہ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں وہ فوج در فوج ہوتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا جب پھلا پہر ہوتا ہے تو اسی کی مثل سیاہ پرندے لوٹتے ہیں فرمایا: یہی وہ پرندے ہیں جن کی پوٹوں میں آل فرعون کی روحوں ہیں جنہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ ان کے پر جل چکے ہوتے ہیں اور وہ سیاہ ہو جاتے ہیں رات کے وقت ان کے سفید پر اگتے ہیں پھر وہ صبح کرتے ہیں تو انہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب تک دنیا رہے گی ان کا یہ معمول رہے گا جب قیامت ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَدْخُلُوا الِ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ⑥۔ اَشَدَّ الْعَذَابِ سے مراد ہادیہ ہے۔ اوزاعی نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے وہ چھبیس لاکھ ہیں غُدُوًّا اصل میں مصدر ہے مجازاً اسے ظرف بنایا گیا ہے وَعَشِيًّا کا اس پر عطف کیا گیا ہے گفتگو یہاں مکمل ہوئی پھر تونئی کلام شروع کرے گا وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ یَوْمَ كُونُ نَصَبٌ اَدْخُلُوا کے قول سے دی گئی ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ یُعْرَضُونَ کی وجہ سے منصوب ہو معنی ہوگا دنیا میں انہیں آگ پر پیش کیا جائے گا وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ اس پر وقف نہ کیا جائے گا۔

نافع، المل مدینہ، حمزہ اور کسائی نے ادخلوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے اور خاء مکسور ہے یہ ادخل سے مشتق ہے؛ یہ ابو عبید

کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ انہیں جہنم میں داخل کریں اس کی دلیل اَلْثَّامُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا ہے باقی قراء نے اسے اُدخلوا پڑھا ہے یہ دخل سے مشتق ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: اے آل فرعون! شدید ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہا: پہلی قراءت کے مطابق آل مفعول اول ہے اور اشد مفعول ثانی ہے یہاں حرف جار حذف ہے دوسری قراءت میں یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادی مضاف ہے اور آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے دین اور مذہب پر تھے۔ وہ لوگ جو اس کے مذہب اور دین پر تھے ان کا عذاب شدید ترین تھا تو اس کے اپنے عذاب کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے: ”بے شک بندہ جو مومن کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے مومن کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے حضرت یحییٰ بن زکریا ہیں وہ مومن کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں، مومن کی حیثیت سے زندہ رہے اور مومن کی حیثیت سے فوت ہوئے اور ایک بندہ کافر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کافر کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے ایک فرعون ہے کافر کی حیثیت سے پیدا ہوا، کافر کی حیثیت سے زندہ رہا اور کافر کی حیثیت سے مرا“۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔

قراء نے آیت میں تقدیم و تاخیر کا قاعدہ جاری کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے اَدْخُلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ اَلْثَّامُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا عرض آخر میں رکھا یہ نقطہ نظر اس کے خلاف ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ کلام کو اس کے سیاق پر رکھتے ہیں، جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِذْ يَتَحَاوُّنَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعْفُو الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا هَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝۱۰ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝۱۱ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِحِزْبٍ جَهَنَّمَ اِذْ عُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝۱۲ قَالُوْا اَوَلَمْ تَكُنْ تَاْتِيْكُمْ رُّسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ قَالُوْا بَلٰى ۚ قَالُوْا فَاذْعُوْا ۚ وَمَا دُعُو الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۳

”اور کتنا ہوش رہا سماں ہوگا جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ (میں بھن) رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما دے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، وہ کہیں گے بے شک! داروغے کہیں





امام ترمذی اور دوسرے محدثین حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ بھوک ان کے ہم پلہ ہو جائے گی جس عذاب میں وہ مبتلا ہو جائیں گے (1) وہ مدد طلب کریں گے تو انکی ضریح کے ساتھ مدد کی جائے گی نہ وہ جسم کو مونا کرے گا اور نہ بھوک سے نفع دے گا وہ اسے کھائیں گے وہ انہیں کچھ نفع نہ دے گا وہ مدد طلب کریں گے تو ان کی مدد ایسے کھانے سے کی جائے گی جو گلے میں اٹک جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان کے گلے اٹک جائیں گے وہ یاد کریں گے کہ وہ گلے میں رکاوٹ کو پانی سے ختم کرتے تھے وہ مشروب طلب کریں گے تو ٹکڑوں کے ساتھ کھولتا ہوا پانی ان کی طرف بلند کیا جائے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے مونہوں کے قریب ہوگا تو وہ انہیں جلا دے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کی انتڑیوں اور جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا اس کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ وہ فرشتوں سے مدد طلب کریں گے وہ کہیں گے: اذْعُوا رَبَّكُمْ يَحْقِفُ عَنْآيُ مَا مِنْ الْعَذَابِ ۝ فرشتے انہیں جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۚ قَالُوا اَبْلَىٰ ۚ قَالُوا اَفَاذْعُوا ۚ وَمَا ذُعُوا الْكَافِرِينَ ۚ اِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ ضلال کا معنی گھانا اور ہلاکت ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝  
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِيْنَ مَعْنٰ رٰثُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝  
اَتَيْنَا مُوسٰى الْهُدٰى وَ اَوْرَثْنَا بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هٰدِىْ وَ ذِكْرٰى  
لِّاَوَّلِ الْاَلْبَابِ ۝

”بے شک ہم اب بھی مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی ان کی دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے، اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے دوزخ کا بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو نور ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لیے۔“

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا رُسُلَنَا کے ضمہ کو اس کے ثقل کی وجہ سے حذف کرنا جائز ہے تو کہا جائے گا: رُسُلَنَا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اسم موصول محل نصب میں ہے اس کا عطف الرسل پر ہے اس سے مراد وہ مومن ہیں جس نے وعظ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسل اور مومنین میں عام ہے۔ ابو العالیہ کے قول کے مطابق ان کی مدد سے مراد ان کے دلائل کو غلبہ دینا اور ان کو کامیابی دینا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔ سدی نے کہا: کسی قوم نے کسی نبی کو قتل نہیں کیا یا ایسی قوم کو قتل نہیں کیا جو مومن تھے (3) اور حق کی طرف دعوت دے رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ ان پر ایسے آدمی کو مسلط کر دیتا ہے جو ان سے انتقام لیتا ہے تو وہ سب رحمت سے دور کیے گئے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة جہنم، ما جاء من صفة الطعام، جلد 2، صفحہ 82

3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 161

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 160

ہوتے ہیں اگر چہ قتل ہی کیے جائیں۔

وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝ قیامت کے روز وہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ زید بن اسلم نے کہا: اشہاد چار ہیں فرشتے، انبیاء، مومن اور جسم (1)۔ مجاہد اور سدی نے کہا: اشہاد سے مراد ملائکہ ہیں جو انبیاء کے بارے میں یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے پیغام حق پہنچایا اور امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ملائکہ اور انبیاء ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْأَشْهَادُ شہید کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے۔ زجاج نے کہا: الاشہاد، شاہد کی جمع ہے جس طرح اصحاب، صاحب کی جمع ہے (4)۔ نحاس نے کہا: فاعل کے وزن کی جمع افضل کے وزن پر نہیں آتی اور نہ ہی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے مگر جو الفاظ اس بارے میں مسوع ہیں انہیں اس طرح ادا کیا جائے گا جس طرح انہیں سنا گیا اس میں حروف زائد کو حذف کر دیا گیا ہے۔ انفس اور فراء نے دیوم تقوم الاشہاد فعل کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جمع مونث ہوتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے محدثین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ”جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے جہنم کی آگ کو دور کرے پھر یہ آیت تلاوت کی۔“ إِنْ أَنْتُمْ نَصَرْتُمْ رَسُولَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا نَبِيَّ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے یہ روایت مروی ہے: ”جس نے کسی مومن کی ایسے منافق کے مقابلہ میں حمایت کی جو منافق مومن کی غیبت کیا کرتا تھا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو آگ سے اس کو بچائے گا۔ جس نے کسی مسلمان کا ذکر کسی ایسی چیز کے ساتھ کیا جو اس کے لیے عیب کا باعث تھا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ جو کچھ اس نے کہا تھا اس سے نقل کیا جائے گا“ (5)۔ يَوْمَ يَهْدِي اللَّهُ الْبَصِيرَةَ لِكُلِّ شَيْءٍ لَّهُمْ أَجْرٌ أَوْ هُمْ فِي شَرٍّ مِمَّا فَعَلْتُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے اور سَوْءُ الدَّارِ سے مراد جہنم ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ يَهْدِي فِي دُنْيَا وَآخِرَتِ فِي رُسُلِ لَدُنَّا ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنْ شَرِّ الْبَصِيرَةِ ۝ عطا فرمائی۔ تورات کو ہدیٰ کہا گیا کیونکہ تورات میں ہدایت اور نور ہے قرآن حکیم میں ہے إِنْ أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فَفِيهَا هُدًى وَ نُورٌ (المائدہ: 44)

وَأَوْشَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ الْكِتَابَ ۝ کتاب سے مراد تورات ہے یعنی ہم نے تورات کو ان کی میراث بنایا ہے ہدیٰ یہ الْكِتَابَ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اصل میں مومدی ہو یعنی ذلک الكتاب اور اصحاب عقول کے لیے نصیحت ہے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۚ إِنَّ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرًا مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 161

2- ایضاً، جلد 5، صفحہ 160

3- ایضاً

4- ایضاً، جلد 5، صفحہ 161

5- سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، الرجل ندب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، حدیث نمبر 4230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَكْبَرَ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ ۖ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

”پس (اے محبوب!) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں) پر بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہیے اپنی کوتاہیوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو پا نہیں سکیں گے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے بے شک وہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ بے شک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کو پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور (اسی طرح) مومن نیکو کار اور بدکار یکساں نہیں، تم بہت کم غور کرتے ہو۔ یقیناً قیامت آکر رہے گی ذرا شک نہیں اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے۔“

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ اے محمد! ﷺ مشرکین کی اذیتوں پر صبر کیجئے جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا جو آپ سے پہلے تھے تیری مدد اور تیری جانب سے غلبہ کا وعدہ حق ہے جس طرح تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مدد کی۔ کلبی نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے وَاسْتَغْفِرْ لَذُنُوبِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں لذنب امتک ہے مضاف حذف کر دیا گیا ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لذنب نفسک ہے جو صغائر کو انبیاء کے لیے جائز سمجھتا ہے جس نے کہا: صغیرہ بھی انبیاء کے لیے جائز نہیں یہ نبی کریم ﷺ کو دعا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس طرح فرمایا: وَاتِمَّا مَا وَعَدْنَا (آل عمران: 194) اس کا فائدہ یہ ہے کہ درجات زیادہ ہو جائیں اور دعا بعد لوگوں کے لیے سنت ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی بخشش طلب کریں جو نبوت سے قبل آپ سے صادر ہوئے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٣﴾ اس سے فجر کی نماز اور عصر کی نماز مراد ہے (1)۔ حضرت حسن بصری، اور قتادہ نے کہا۔ ایک قول یہ ہے: اس سے مراد وہ نماز ہے جو پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے قبل مکہ میں پڑھی جاتی تھی دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے جسے ماوردی نے ذکر کیا ہے (2): یہ ان آیات میں سے ہے جس کا حکم منسوخ ہے بِحَمْدِ رَبِّكَ اس کا شکر بجالانا اور اس کی ثناء کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے

مراد نماز میں اور نماز کے باہر بھی تسبیح پر دوام اختیار کرو تا کہ اس کے ذریعے جلد مدد چاہنے سے مشرف ہو جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ بَشَكٍّ وَهَلْ لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهٌ يُجَادِلُ عَنْكُمْ فِي الْأَيَاتِ الَّتِي أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَنْ تَكُونَ مِنْ خَسِرِينَ  
ان کے سینوں میں کبر ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں کبر ہی ہے وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے والے نہیں۔ زجاج نے کلام میں حذف تسلیم کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے ماہم ببالدغی إرادتهم فیہ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے وہ اپنے کبر کو پانے والے نہیں اس میں حذف نہیں کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جنہوں نے یہ اے قائم کی اگر انہوں نے نبی کریم ﷺ کی اتباع کی تو ان کی بلندی میں کمی واقع ہو جائے گی اور ان کے حالات خراب ہو جائیں گے جب وہ آپ کی تابعداری نہیں کریں گے تو وہ بلند مقام پائیں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ جس بلندی کی امید رکھتے تھے جھٹلانے کی صورت میں اس بلندی تک نہیں پہنچ پائیں گے مراد مشرک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہودی ہیں، آیت مدنی ہے جس طرح سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے معنی اس کا یہ بتا ہے اگر وہ حضرت محمد ﷺ سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دجال عنقریب ظاہر ہوگا اور ملک ہماری طرف لوٹا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ نہریں چلیں گی جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے تو وہ ایسا کبر ہے جس تک وہ پہنچ سکیں گے تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی: یہ ابوالعالیہ اور دوسرے علماء نے بات کی ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ وہ نکلے گا اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے سوا تمام علاقوں کو روندے گا ہم نے کتاب ”التذکرہ“ میں اس کا مفصل ذکر کر دیا ہے وہ یہودی ہے اس کا نام صاف ہے اس کی کنیت ابو یوسف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہر وہ شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کا انکار کرے: یہ اچھی تعبیر ہے کیونکہ یہ عام ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں عظمت ہے وہ اسے پانے والے نہیں معنی ایک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کبر سے مراد بڑا امر ہے یعنی وہ نبوت کا مطالبہ کرتے ہیں یا بڑے امور کو طلب کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ آپ تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی قتل وغیرہ۔ وہ اس کو پانے والے نہیں یا آپ کا دین مکمل ہونے سے قبل آپ کی موت کی آرزو کرتے ہیں جبکہ وہ اس کو پانے والے نہیں۔

فَأَسْتَعِذُّ بِاللَّهِ  
آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق کفار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفر اور کبر جیسی جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⑤۔ وہ سمیع و بصیر ہے إِنَّهُ هُوَ میں ضمیر فصل ہے یہ مبتدا ہوگی اور اس کا مابعد خبر ہوگی اور جملہ ان کی خبر ہوگا جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ  
یہ مبتدا اور خبر ہے: یہ ابوالعالیہ کا قول ہے یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق دجال کی تخلیق سے بڑھ کر ہے جب یہودیوں نے اس کی عظمت بیان کی (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے یعنی وہ دونوں انسانوں کو دوبارہ تخلیق کرنے سے بڑھ کر ہیں تو انہوں نے کیوں یہ اعتقاد رکھا کہ



میں اس سے عاجز ہوں۔

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ يَعْلَمُونَ كَمَا مَفْعُولٌ بِهِ ذَلِكْ هِيَ لَكِنْ أَكْثَرُ لَوْ كَأَسَ نَهِيں جَانَتِ۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ يَعْنِي مَوْسَىٰ وَكَافِرٌ، كَمَرَاهُ وَأَمَّا هِدَايَتُ يَافِتَ بَرَابَرِ نَهِيں هُو سَكْتِ۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا تُسَيِّئُ جَوَاحِظُ أَعْمَالٍ كَرْتَا هِيَ وَهَ بَرَابَرِ نَهِيں هُو سَكْتِ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ عَام قِرَاءَتِ يَاءِ كِ سَا تَه هِيَ؛ أَبُو عُبَيْدٍ وَأَبُو حَاتِمٍ نِ اسے پَسَنَدِ كِیَا كِیونكہ اس سے قَبْلُ اور مَابَعْدِ غَايِبِ كِ صِيغِ هِيں۔ كُفِیوں نِ تَاءِ كِ سَا تَه خُطَابِ كَا صِيغِ پڑھا هِے۔

إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَيِّئُ يَه لَام تَا كِيدِ هِيَ جَوَانِ كِ خَبَرِ پَر دَاخِلِ هِيَ اس كَا اَصْلِ طَرِيقِ تَوِیْ هِے كِه كَلَامِ كِ شَرْعِ مِیں هُو كِیونكہ یِه جملہ كِ تَا كِيدِ كِ لَیْے آتا هِے مگر اسے اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا هِے سَبَوِیْہِ نِ بھِی اسی طَرَحِ كہا هِے تَو كہتا هِے: إِنَّ عَمْرَ الْخَارِجِ عَمْرُو جَانِے والا هِے۔ اسے اپنی جگہ سے موخر كِیَا گیا هِے تَا كِه لَام مَفْتُوحِ اور اَن دُونوں جَمْعِ نِے هُو جَا مِیں كِیونكہ یِه دُونوں اِیكِ هِی مَعْنِ دِیتے هِیں اسی طَرَحِ بَصْرِیوں كِ زَوْدِیكِ اَن كُو جَمْعِ نَهِيں كِیَا جاتا۔ هِشَامِ نِ اس كُو جَا زَقَرَّارِ دِیا هِے كِه اَن اَن زَيْدًا مَنطَلَقِ حَقِّ اَكْر تَوْحَقِّ كِ لَفْظِ كُو حَذْفِ كَر دِے تَو مِیں كِی كِیونكہ جَانَتَا كِه جِس نِے كہا هُو كِه یِه جَا زِ هِے جَتْنَا مِیں عِلْمِ رَكْهَتَا هُوں؛ یِه نَحَاسِ كَا قَوْلِ هِے۔

لَا رَيْبَ فِيهَا اس میں کوئی شک نہیں وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ یعنی وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے اس سے اطاعت شعار اور گناہگار کے درمیان جو فرق ہے واضح ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۖ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ ﴿٥٣﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصَرًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٥٤﴾ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآلِي تَوْفُكُونَ ﴿٥٥﴾ كَذَلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٥٦﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ ۖ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٧﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٨﴾

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ اللہ ہی ہے جس نے بنائی تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام کرو اور (بنایا ہے) دن کو روشن، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (و کرم)

کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں) کا شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بجز اس کے پس کیسے راہ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بد نصیبوں) کا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی، حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ایسی خوبیوں والا اللہ تمہارا پروردگار ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”دعا ہی عبادت ہے (1)“ پھر اس آیت وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝ تلاوت کی۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ دعا ہی عبادت ہے؛ اکثر مفسرین نے اسی طرح کہا معنی یہ ہے تم میری وحدانیت کو بیان کرو اور میری عبادت کرو میں تمہاری عبادت کروں گا اور میں تمہیں بخش دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ذکر دعا اور سوال ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کو اپنی حاجت کا سوال اپنے رب سے کرنا چاہیے یہاں تک کہ اس کی جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے تو اس کا سوال بھی اپنے رب سے کرے“ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: دعا سے مراد گناہوں کا ترک کرنا ہے۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ کعب الاحبار نے کہا: اس امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں کہ ان سے قبل نبی کے سوا کسی امت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں جب کسی نبی کو بھیجا جاتا تو اسے کہا جاتا تو اپنی امت پر شاہد ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بارے میں فرمایا: لَتَتْلُوْنَا شَهَادَةً عَلَی النَّاسِ (بقرہ: 143) نبی کو کہا جاتا تھا: لیس علیک فی الدین من حرج اور اس امت کو کہا گیا وَمَا جَعَلْ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) ایک نبی کو کہا جاتا تھا مجھ سے دعا کر میں تیری دعا کو قبول کروں گا جبکہ اس امت سے فرمایا گیا: ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔

میں کہتا ہوں: اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کی جاسکتی، ایک مرفوع حدیث ہے جسے لیث، شہر بن حوشب وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جیسی مجھ سے قبل انبیاء کو دی گئیں اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے: مجھ سے دعا مانگ میں تیری دعا قبول کروں گا اور اس امت کے بارے میں فرمایا: مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ بقرہ، جلد 2، صفحہ 121

2۔ جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، حدیث نمبر 3294، منیاء القرآن پبلی کیشنز

گا، اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث کرتا تو ارشاد فرماتا: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور اس امت کے لیے فرمایا: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا تو اسے اپنی قوم پر گواہ بناتا اور اس امت کو لوگوں پر گواہ بنایا۔ اسے ترمذی حکیم نے ”نوادرا الاصول“ میں ذکر کیا ہے۔

خالد بن ربیع کہا کرتے تھے: اس امت کی عجیب شان ہے اس امت کو کہا گیا: اِذْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ انہیں دعا کا حکم دیا اور قبول کرنے کا وعدہ کیا دونوں کے درمیان کوئی شرط نہیں۔ ایک قائل نے اسے کہا: اس کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (البقرہ: 25) یہاں شرط ذکر کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس: 2) اس میں عمل کی شرط نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اس میں شرط ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِذْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں کوئی شرط نہیں۔ امتی گھبراہٹ میں ضرورتوں کے وقت اپنے انبیاء کی طرف جاتے تھے یہاں تک کہ انبیاء ان کے حق میں سوال کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مطلق ہے جبکہ سورہ بقرہ میں مقید ہے جو بحث پہلے گزر چکی ہے یعنی اَسْتَجِبْ لَكُمْ ان شئت۔ اگر میں چاہوں گا تو تمہاری دعا قبول کروں گا جس طرح ارشاد فرمایا: فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ (انعام: 41) بعض اوقات دعا کی قبولیت عین مطلوب کے علاوہ میں ہوتی ہے جس کی وضاحت سورہ بقرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے وہاں ہی اس میں غور کر لو۔ ابن کثیر، ابن حبیب، روایں نے یعقوب سے، عیاش نے ابو عمرو سے ابو بکر اور مفضل نے عاصم سے قراءت نقل کی ہے کہ سَيَذْخُلُوْنَ یہ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے داخرین کا معنی ہے وہ حقیر و ذلیل ہوں گے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لَتَسْكُنُوا فِيْهِ اس میں جعل، خلق کے معنی میں ہے جب جعل، خلق کے معنی میں ہو اور جب وہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو عرب ان میں فرق کرتے ہیں جب یہ خلق کے معنی میں ہو تو اس وقت یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور جب یہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو اس وقت یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا (الزخرف: 3) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَاللَّيْلُ مُبْصَرًا یعنی دن کو روشن بنایا تا کہ تم اس دن میں اپنی ضروریات کو دیکھو اور اپنی معاش کی طلب میں چل پھر سکو اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ① وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کا شکر بجا نہیں لاتے۔

ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلالت کو واضح کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قَآلَیْ تُوْفِّكُوْنَ ② جب تمہارے لیے دلائل واضح ہو چکے ہیں تو تم ایمان سے کیسے پھرتے ہو یعنی جس طرح دلیل کے قائم ہونے کے باوجود تم حق سے پھرتے ہو اسی طرح ان لوگوں کو حق سے پھیر دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ قَرَارًا تَعْرِفُ اور دلیل کی تاکید میں زیادتی کی، زمین کو تمہاری زندگی اور تمہاری موت کے بعد ٹھکانہ بنا دیا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً، کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہیں بہترین صورت میں پیدا کیا۔ ابورزین اشہب عقیلی نے صَوَّرَكُمْ پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: صُور میں صُور بھی ایک قراءت ہے یہ صُورۃ کی جمع ہے اس شعر کو اس لغت پر پڑھا جاتا ہے وہ لونڈیوں کی تعریف کرتا ہے:

أَشْبَهْنَ مِنْ بَقَرِ الْخُلَصَاءِ أَغْنَيْنَهَا وَهُنَّ أَحْسَنُ مِنْ صِیْرَانِهَا صُورًا

محل استدلال صُور ہے صیران یہ صُور یا صُور کی جمع ہے یہ گائیوں کا ریوڑ ہے صُور کا معنی کستوری کا برتن بھی ہے شاعر نے دونوں کو اس شعر میں جمع کیا:

إِذَا نَعَّ الصُّوَارُ ذَكَرْتُ لَيْلِي وَأَذْكُرُهَا إِذَا نَفَحَ الصُّوَارُ

جب گائیوں کا ایک ریوڑ ظاہر ہوتا ہے تو میں لیلیٰ کو یاد کرتا ہوں اور جب کستوری کا برتن مہکے تو تو اسے یاد کر۔

الصیار بھی اس میں ایک لغت ہے۔

وَرَأَوْكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ اس کے بارے میں بھی گفتگو پہلے گزر چکی ہے ھُوَ الْحَيُّ وہ باقی رہنے والا ہے مرے گانہیں لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ دین سے مراد اطاعت و عبادت ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فراء نے کہا: یہ جملہ خبریہ ہے اور اس میں فعل امر مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ادعوہ واحد وہ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو وہ کہے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (1)

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ھُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لِيَتَّكُنُوا أَشْيُوخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَن يُتَوَلَّى مِنْ قَبْلُ وَلِيَتَّبِعُوا أَجْلًا مَّسِيٍّ وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ھُوَ الَّذِي يُعْطِي وَيُيَسِّرُ ۖ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

”آپ فرمادیجئے: مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا (میں ان کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں) جب آگنی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سر تسلیم خم کر دوں رب العالمین کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر تمہیں زندہ رکھا تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی



اور (یہ سارا نظام اس لیے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تاکہ (تم اپنے رب کی عظمتوں کو) سمجھنے لگ جاؤ۔ وہی ہے جو جلاتا ہے مارتا ہے پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَعْمَلُ مُحَمَّدًا صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ کہہ دیجئے مجھے اس اللہ نے منع کیا ہے جو حی و قیوم ہے اور لا الہ الا غیدہ ہے کہ میں کسی اور کی عبادت کروں لَمَّا جَاءَنِي الْهَيْئَةُ مِنْ رَبِّي یہاں بینات سے مراد توحید کے دلائل ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عاجزی کا اظہار کروں رب العالمین کے لیے۔ مشرکین نے نبی کریم صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی تو آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ یہ کہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا یہاں طفل بمعنی اطفال ہے یہ بحث پہلے گزر چکی ہے ثُمَّ لِيَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ یہ وہ حالت ہے جس میں قوت مجتمع ہو جاتی ہے اور عقل مکمل ہو جاتی ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ وضاحت گزر چکی ہے۔

ثُمَّ لِيَتَّخِذُوا شُيُوعًا، شیوخا میں شین کے ضمہ کے ساتھ۔ نافع، ابن محیسن، حفص، ہشام، یعقوب اور ابو عمرو نے اپنے اصل پر پڑھا ہے کیونکہ یہ فعل کی جمع ہے جس طرح قلب کی جمع قلوب ہے اور راس کی جمع رؤس آتی ہے باقی قراء نے یاء کی رعایت کرتے ہوئے شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے دونوں جمع کثرت کے صیغے ہیں بہت تھوڑی تعداد میں اشیاء کا وزن آتا ہے جو اصل میں اشیاء تھا جس طرح فلس کی جمع افلس ہے مگر یاء میں حرکت ثقیل ہے اسے شیخا واحد بھی پڑھا گیا ہے جس طرح طفلا۔ یعنی تم میں سے ہر ایک۔ واحد پر اقتصار کیا گیا ہے کیونکہ غرض جنس کا بیان ہے۔ صحاح میں ہے شیخ کی جمع شیوخ، اشیاء، شِیْخَة، شِیْخَان، مشیخۃ، مشایخ اور مشیوخاء آتی ہے عورت کے لیے شِیْخۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے عبید نے کہا: کَانَهَا شِیْخَةً رَقُوبٌ گویا وہ نگاہ رکھنے والی بڑھیا ہے۔

یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے شاخ الرجل یَشِیْخُ شِیْخًا یہ اپنے اصل پر حرکت کے ساتھ ہے شیخوخۃ۔ اصل میں یاء متحرک ہے تو اسے کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کلام میں مفعول کا وزن نہیں شِیْخٌ، تشییخا۔ یعنی وہ بوڑھا ہو گیا۔ و شیختہ۔ میں نے اس کی تکریم کی خاطر اس کو شیخ کے طور پر بلایا۔ شیخ کی تصغیر شِیْخٌ ہے شِیْخٌ شین کے کسرہ کے ساتھ ہے تو شونخ نہ کہہ۔ نحاس نے کہا: اگر شاعر مجبور ہو تو اس کے لیے شیخ کہنا جائز ہے جس طرح عین اور اعین ہے کیونکہ عین میں حسن ہے کیونکہ یہ مونث ہے۔ شیخ اسے کہتے ہیں جس کی عمر چالیس سال سے بڑھ جائے۔

وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَلَّى مِنْ قَبْلُ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قبل اس کے کہ وہ بوڑھا ہو جائے یا ان احوال سے قبل جب وہ ماں کے پیٹ سے ناکمل بچہ کی حیثیت سے نکلے وَلِيَتَّبِعُوا أَجَلًا مُسَمًّى۔ مجاہد نے کہا: موت تو سب کے لیے ہے اور فعل میں لام عاقبت کا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ اس کا مفعول ذلک ہے پس تم جانو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ الَّذِي يُخَيِّ وَيُؤَيِّتُ تنبیہ میں اضافہ کیا یعنی وہی ذات ہے جو زندہ کرنے اور موت دینے پر قادر ہے فَإِذَا قُضِيَ

اَمْرًا یعنی جب وہ کسی عمل کو کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے فرماتا ہے کُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۰﴾ بن عامر نے جواب امر کے طور پر یوں  
نفس دی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا  
بِالْكِتٰبِ وَبِمَا اَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِذَا لَاحِلٌ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ  
وَالسَّلٰسِلُ ۖ يُسْحَبُوْنَ ﴿۱۳﴾ فِي الْحَبِيْمِ ۖ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا  
كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۵﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوْا مِنْ قَبْلُ  
شَيْئًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكَافِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ  
الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۱۷﴾ اُدْخِلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ  
مَثْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي  
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاَلَيْسَا يَزْجَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ  
مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۚ وَمَا كَانَ لِرُسُوْلٍ اَنْ يَّاتِيَ  
بَاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنٰلِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۰﴾

”کیا تم نہیں دیکھتے ان نادانوں کی طرف جو گھڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں، یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔  
جن لوگوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا انہیں (اپنی تکذیب  
کا انجام) معلوم ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے  
جایا جائے گا کھولتے ہوئے پانی میں پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے پھر پوچھا جائے گا ان  
سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے اللہ کے سوا؟ (بھد یا س) کہیں گے: وہ تو گم ہو گئے ہم سے  
بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے، اس سے پہلے اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو۔ یہ سزا (اور رسوائی)  
بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے آپس میں (اپنے عارضی اقتدار پر) ناحق اور بدلہ ہے اس کا جو  
تم (اپنے فانی اموال و املاک پر) اترا یا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں  
ہمیشہ رہنے والے ہو پس یہ بہت برا ٹھکانہ ہے تکبر و غرور کرنے والوں کا۔ (اے حبیب!) آپ ان کی نازیبا  
حرکتوں پر صبر فرمائیے اللہ کا وعدہ سچا ہے سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ان سے وعدہ  
کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھالیں (یہ بچ نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف لوٹائے  
جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور  
ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی

نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر پس جب آجائے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائے گا حق (وانصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں سراسر گھائے میں رہیں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ ۖ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٣٥﴾ ابن زید نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبَيَّأْنَا سَلَكَنَاهُمْ مَّا سَلَكْنَا أَكْثَرُ مَفْصَرِينَ نے کہا: یہ آیت قدریہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی تو میں نہیں جانتا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی؟ ابو قبیل نے کہا: میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہی ایمان والوں سے مجادلہ کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہانی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی“ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ إِذَا غُلِّلَ فِي أَغْنَاقِهِمْ یعنی عنقریب انہیں علم ہو جائے گا کہ جس عقیدہ کو انہوں نے اپنا رکھا تھا اس میں وہ باطل ہیں جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے جکڑ دیے جائیں گے۔ تیسری نے کہا: اگر جہنم کے طوقوں میں سے ایک طوق پہاڑ پر رکھا جائے تو اسے ریزہ ریزہ کر دے گا یہاں تک کہ سیاہ پانی تک پہنچ جائے گا۔

السِّلْسِلُ عام قراءت رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف الَّا غُلِّلَ پر ہے ابو حاتم نے کہا: يُسْحَبُونَ اس قراءت کی بنا پر جملہ مستانفہ ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے إِذَا غُلِّلَ فِي أَغْنَاقِهِمْ وَالسِّلْسِلُ مسحوبین حضرت ابن عباس، ابو جوزاء، عکرمہ اور حضرت ابن مسعود نے السِّلْسِلُ کو منصوب پڑھا ہے اور يُسْحَبُونَ کو یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس قراءت کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی یسحبون السلاسل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اسے کھینچیں گے تو یہ ان پر بہت سخت ہوگا بعض سے یہ السلاسل جر کی صورت میں مروی ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ معنی پر محمول ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہیں؛ یہ فراء نے کہا: زجاج نے کہا: جس نے وَالسِّلْسِلُ يُسْحَبُونَ جر کی صورت میں پڑھا ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے زنجیروں میں انہیں گھسیٹا جائے گا۔ ابن انباری نے کہا: اس معنی کی بنا پر جر جائز نہیں کیونکہ جب تو یہ کہے زید فی الدار تو یہ اچھا نہیں کہ توفی کو مضر کر دے اور تو کہے زید الدار لیکن معنی کے اعتبار سے جر دینا جائز ہے کیونکہ ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہوگی تو سلاسل کو عطف کی وجہ سے جر دینا جائز ہے کیونکہ اغلال جر کی تاویل میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: خاصم عبد اللہ زید العاقلین تو تو العاقلین کو نصب دے دونوں کو رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ دونوں میں سے جب ایک اپنے ساتھی سے مخالفت کرے تو اس کا ساتھی بھی اس سے مخالفت کرے گا؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

قَدْ سَأَلَمَ الْحَيَاتِ مِنْهُ الْقَدَمَا الْأَفْعَوَانَ الشُّجَاعَ الشَّجْعَا

الافعوان کو نصب، حیات کی اتباع میں دی گئی جب انہوں نے قدم سے صلح کر لی تو قدم نے بھی ان سے صلح کر لی۔ جو آدمی السلاسل کو نصب دے گا یا اس کو جر دے گا تو وہ اس پر وقف نہیں کرے گا۔ حمیم اسے کہتے ہیں جو گرمی میں اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد کھولتی ہوئی پیپ ہے۔

لَمْ فِي الثَّامِرِ يُسْجَرُونَ ۝ یعنی اس آگ میں پھینکا جائے گا تو وہ اس کے لیے ایندھن ہوں گے، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے سجرت، التنور میں نے تنور کو روشن کیا، سجرتہ۔ میں نے اسے بھر دیا۔ اسی سے وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝ (الطور) ہے یعنی بھرا ہوا سمندر۔ اس تعبیر کی صورت میں معنی یہ ہوگا ان کے ساتھ جہنم بھر جائے گی۔ شاعر ایک پہاڑی بکرے کی تعریف کرتا ہے:

إِذَا شَاءَ طَاعَ مَسْجُورَةً تَرَى حَوْلَهَا التَّبَعِ وَالسِّمْسِمَ

جب وہ چاہتا ہے تو بھرے ہوئے چشمے پر جا پہنچتا ہے تو اس چشمے کے ارد گرد نبج کے درخت اور تل کے پودے دیکھے گا۔  
 ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اٰتَيْنَا مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ يَهْتَدُونَ كَلَامِ شَرْمندہ کرنے کے لیے ہے قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا يَعْنِي ہلاک ہو گئے اور ہم سے دور چلے گئے اور ہمیں عذاب میں چھوڑ دیا یہ ضل الماء فی الدین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پانی دودھ میں چھپ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس طرح ہو گئے کہ ہم انہیں نہیں پاتے بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا یعنی ایسی چیز جو نہ دیکھتی ہے، نہ سنتی ہے، نہ تکلیف دیتی ہے اور نہ نفع دیتی ہے یہ بتوں کی عبادت کا انکار نہیں بلکہ یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ بتوں کی جو عبادت کرتے رہے وہ باطل تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكَافِرِيْنَ ﴿٧﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں گمراہی کو تخلیق کیا اسی طرح ہر کافر کے بارے میں یہی کرتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ اسم اشارہ کا مشار الیہ عذاب ہے یعنی یہی وہ عذاب ہے کہ تم نا فرمانیاں کرتے خوش ہوا کرتے تھے۔ یہ بات انہیں شرمندہ کرنے کے لیے کہی جائے گی مراد یہ ہے کہ تمہیں یہ چیز اس لیے پہنچی ہے کہ دنیا میں معصیت، کثرت مال، کثرت خدام اور تابعداروں کی زیادتی اور صحت پر خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان باتوں پر ان کی خوشی سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے رسولوں سے کہا ہم جانتے ہیں کہ ہم کو نہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی ہمیں عذاب دیا جائے گا۔ مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُّسْلِمُهُم بِالْبَيْتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن: 83) میں یہی کچھ کہا ہے۔

ہمّا کُنْتُمْ تَمَوْحُونَ ﴿۱۰﴾ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ اس کے بدلہ میں ہے جو تم اترایا کرتے تھے ”سبحان“ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ضحاک نے کہا: فرح کا معنی خوش ہونا ہے مرح کا معنی سرکشی کرنا ہے۔ خالد، ثور سے انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللہَ یُبْغِضُ الْبِذْخِیْنَ الْفَرَحِیْنَ وَیُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ وَیُبْغِضُ اَہْلَ بَیْتِ لَاحِیْنٍ وَیُبْغِضُ کُلَّ حَبِیرٍ سَمِیْنٍ (1) بے شک اللہ تعالیٰ متکبروں اور خوش ہونے والوں سے بغض رکھتا ہے اور ہر غمگین دل والے سے محبت کرتا ہے، غیبت کرنے والوں سے بغض رکھتا ہے اور ایسے علم سے بغض رکھتا ہے جو اپنا علم دوسرے لوگوں کو نہیں بتاتا۔

اہل بیت لحمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیبت کے ذریعے لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں خبر کمین سے مراد وہ ہے جو بہت بڑا عالم ہو اور لوگوں کو اس علم سے آگاہ نہ کرے یعنی جس کے پاس علم وافر ہو اور لوگوں کو اس سے فائدہ نہ پہنچائے؛ یہ ماوردی



نے ذکر کیا ہے۔ لحدین کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے وہ بہت زیادہ گوشت کھاتے ہوں اسی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اتقوا هذه المجازر فإن لها ضراوة كضراوة الخمر گوشت کھانے کی عادت سے بچو اس میں ایسی عادت ہے جس طرح شراب کی عادت ہوا کرتی ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے، پہلا سفیان ثوری کا قول ہے اَدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی انہیں یہ بات کہی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ (الحجر: 44)

قَاصِدِرَانِ وَعَدَا اللّٰهُ حَقٌّ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے لیے ہے۔ ہم تیرے لیے ان سے انتقام ضرور لیں گے اس دنیا میں اور آخرت میں قَاصِدِرَانِ يَتَّكَ شَرْطُكَ شرط کی وجہ سے محل جزم میں ہے ”ما“ تاکید کی وجہ سے زائدہ ہے اسی طرح نون بھی تاکید کے لیے ہے جزم زائل ہوگئی اور فعل مبنی پر فتح ہو گیا۔ اَوْ تَتَّقُوْنَ قَيْتُكَ اس کا اس پر عطف ہے قَالَيْنَا يُزْجَعُونَ یہ شرط کا جواب ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ان سے قبل رسولوں نے تکلیفیں پائی ہیں مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ یعنی ہم نے ان کی خبریں تمہیں بتائیں اور انہوں نے اپنی قوموں سے جو کچھ حاصل کیا وہ تمہیں بتایا وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاتِيَ بِآيَةٍ اَوْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ یعنی کوئی رسول بھی اپنی جانب سے کوئی آیت نہیں لایا تھا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ لَعَنَّا جِب ان کے عذاب کا مقررہ وقت آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اس میں تاخیر اس لیے ہو رہی ہے تاکہ وہ لوگ اسلام لے آئیں جن کے اسلام لانے کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور اسی طرح جو ان کی پشتوں میں ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ غزوہ بدر میں قتل کی طرف اشارہ ہے قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۝ مبطلون سے مراد ہے جو باطل اور شرک کی اتباع کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَكْلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَّ لِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَيُرِيْكُمْ آيَاتِهِ ۝ فَاَمَّا اٰيَاتُ اللّٰهِ تُشْكِرُونَ ۝

”اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینے میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے۔“

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ ابواسحاق زجاج نے کہا: انعام سے مراد یہاں اونٹ ہیں لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَكْلُوْنَ ۝ جن علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا منع ہے اور اونٹ کا گوشت کھانا مباح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انعام کے بارے میں فرمایا: وَمِنْهَا تَكْلُوْنَ اور گھوڑوں کے بارے میں فرمایا: وَالْحَيْلُ وَالْهَيْالُ وَالْحَمِيرُ لِتَرْكَبُوهَا (النحل: 8) ان کے کھانے کی اباحت کا ذکر نہیں کیا۔ سورہ نحل میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اونٹ کے بالوں، اون، بکری کے بالوں، دودھ، مکھن، گھی اور پنیر وغیرہ میں تمہارے لیے منافع ہے و

لَتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ يَعْنِي يَهْجُو بوجھ اٹھاتے ہیں اور دور دراز سفروں پر لے جاتے ہیں۔ سورہ نحل میں مفصل بحث گذر چکی ہے اب اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَعَلَيْهَا يُعْشَىٰ فِيهَا نِسْتٌ مِّنْ لِّمَاجِدِ الْمَلَائِكَةِ اَوْ عَلٰی الْفُلْكِ اور سمندر میں کشتیوں پر تُحْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِمْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٦١﴾، تَذَكَّرُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ کلمہ استفہام کلام کے شروع میں آتا ہے اس لیے اس میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اگر فعل کے ساتھ ایسی ضمیر ہو جو اسی کی طرف لوٹے تو اس میں رفع پسندیدہ ہے اگر استفہام ہمزہ یا اہل کی صورت میں ہو اور ان کے بعد کوئی اسم، اس کے بعد فعل ہو جس کے ساتھ ایسی ضمیر ملے ہو جو اس اسم کی طرف لوٹے تو نصب دینا پسندیدہ ہوگا معنی یہ بنے گا جبکہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں تو تم دوبارہ اٹھانے پر اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٦٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿٦٥﴾

”کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آ جاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں ہنرمند تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے کفر کیا اور نافرمان رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخر کار) گھیر لیا انہیں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے: ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب یہ دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے۔“

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٢﴾ یعنی عمارات، اموال، اولاد اور پیروکاروں نے انہیں کچھ

نفع نہ دیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: دلت بفلان إليك یعنی میں نے اسے تیرے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔ اس تاویل کی بنا پر مانا فیہ ہے یعنی اس چیز نے انہیں کوئی نفع نہ دیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے یعنی جب وہ ہلاک ہوئے تو کسی چیز نے انہیں نفع نہ دیا۔ اکثر غیر منصرف ہے کیونکہ وہ فعل کے وزن پر ہے کو فیوں کا خیال ہے کہ ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہو تو اسے منصرف پڑھنا جائز ہے مگر افعول من کذا منصرف نہیں ہوگا کیونکہ اسے شعر اور کسی دوسری صورت میں منصرف پڑھنا جائز نہیں جب اس کے ساتھ من ہو۔ ابو العباس نے کہا: اگر من منصرف ہونے سے مانع ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ یہ نہ کہا جائے: مردت بخیر منك وشر منك و من عمرو۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنَّا سے مراد واضح آیات ہیں فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اس کے معنی میں تین قول ہیں: مجاہد نے کہا: بے شک اس علم کی وجہ سے خوش تھے جو ان کے پاس موجود تھا وہ کہتے ہم ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہ نہ ہمیں عذاب دیا جائیگا اور نہ ہی ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کے پاس جو دنیوی علم تھا اس پر وہ خوش تھے جس طرح اس آیت میں ہے يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الروم: 7) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو خوش ہوئے وہ سوال کرتے تھے جب ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ کافروں کو ہلاک کرنے والا ہے اور رسولوں اور مومنوں کو نجات دینے والا ہے تو رسول مومنوں کی نجات سے آگاہی حاصل کرنے کی بنا پر خوش ہوئے وَحَاقَ بِهِمْ بِهِم سے مراد وہ کفار ہیں مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ یعنی جو رسل ان کے پاس لائے ان کا ان کفار نے استہزاء اڑایا تو اس کے عقاب نے ان کا احاطہ کر لیا۔

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا جب انہوں نے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ یعنی ہم ان بتوں کا انکار کرنے والے ہیں جنہیں ہم نے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا۔ فَلَمَّ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِنَّمَا تَنفَعُهُمْ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ سُنَّتِ اللّٰهُ، سنۃ مصدر ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں سَنَّ يَسْنُ سُنَّةً سنۃ سنۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار میں یہ ضابطہ نافذ کر دیا ہے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ایمان انہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ سورۃ النساء اور سورۃ یونس میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ عذاب دیکھنے اور علم ضروری کے حصول کے بعد تو بہ قبول نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے اہل مکہ! کفار کو ہلاک کرنے کا جو ضابطہ ہے اس سے ڈرو سُنَّتِ اللّٰهُ یہ تحذیر و اغراء کے طور پر منصوب ہے۔

وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ زجاج نے کہا: وہ اس سے قبل خسارے میں تھے مگر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو ہمارے لیے ان کا خسارہ واضح ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے فَلَمَّ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِنَّمَا تَنفَعُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا، وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ جس طرح تمام کافروں میں ہماری سنت ہے پس سنۃ کا لفظ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام امتوں میں ضابطہ ہے۔

## سورہ فصلت

﴿مکہ ۵۲﴾ ﴿سورہ فصلت ۲۱﴾ ﴿مکہ ۵۲﴾ ﴿مکہ ۵۲﴾

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی چون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پچپن آیات ہیں۔  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمْدٌ ۙ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ كَتَبْتُ فُصِّلْتُ اِیْتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ  
یَعْلَمُوْنَ ۝ بِشِیْرًا وَنَذِیْرًا ۙ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا  
قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْمَثٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ وَفِیْ اِذَانِنَا وَقُرْ وَّ مِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ  
فَاَعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَا ۝

”ح۔ میم۔ اتارا گیا (یہ قرآن) رحمن و رحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم و فہم رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا (ہر وقت) خبردار کرنے والا ہے بائیں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور (ان ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔“

حَمْدٌ ۙ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اس کا رفع هذا کے مضمحل ہونے کی بنا پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کَتَبْتُ یہ تَنْزِيلٌ سے بدل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ تَنْزِيلٌ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حَمْدٌ کی تقدیر یہ ہے ہذا حَمْدٌ جس طرح تو کہتا ہے: باب کذا اصل میں ہو باب کذا تھا پس حَمْدٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں یہ ہو تھا تَنْزِيلٌ دوسرا مبتدا ہے اور کَتَبْتُ اس کی خبر ہے فُصِّلْتُ اِیْتُهُ یعنی ان کی وضاحت و تفسیر بیان کر دی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اس کے حرام سے اس کے حلال کو اور اس کی معصیت سے اس کی اطاعت کو واضح کر دیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وعدہ اور وعید کو بیان کر دیا گیا۔ سفیان نے کہا: ثواب اور عقاب کو بیان کر دیا گیا ہے (۱)۔ اسے فَصَّلْتُ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ان آیات نے حق اور باطل میں فرق کر دیا ہے یا ان آیات میں سے بعض اپنے معانی میں اختلاف کی وجہ سے دوسری آیات سے مختلف ہیں۔ تیسرا قول فصل من الہدٰی سے مشتق ہے یعنی وہ ملک سے دور ہے۔



قُرْآنًا عَرَبِيًّا اس کے منصوب ہونے کی کئی وجوہ ہیں: انخش نے کہا: یہ مدح کی حیثیت میں منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اذکر قرآنًا عربیًّا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوبارہ وہی فعل ہے یعنی فصلنا قرآنًا عربیًّا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی آیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اس حال میں کہ وہ قرآن عربی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فصلت کا فعل آیات کے ساتھ مشغول ہو گیا یہاں تک کہ وہ نائب فاعل ہو گیا تو قُرْآنًا اس کا بیان ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے منصوب اس لیے پڑھا گیا ہے کہ اسے ماقبل کلام سے الگ کیا گیا ہے۔

لَقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ① ضحاک نے کہا: قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ تورات اور انجیل میں وہ ایک الہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لغت عربی کو جانتے ہیں اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں اگر یہ عربی زبان میں نہ ہوتا تو اسے نہ جانتے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے یہ قریش کو عاجز کرنے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے ہے کہ قرآن معجزہ ہے بِشِيرًا وَنَذِيرًا یہ دونوں آیات سے حال ہیں اور اس میں عامل فصلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قرآن کی لغتیں ہیں بِشِيرًا یہ اولیاء اللہ کے لیے ہے اور نَذِيرًا یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے ہے اسے بشیر و نذیر بھی پڑھا گیا ہے یہ کتاب کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ② یعنی اکثر اہل مکہ نے اعراض کیا تو ایسا سننا نہیں سنتے کہ وہ اس سے نفع اٹھائیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ ریان بن حرمہ نے کہا کہ قریش کے سرداروں اور ابو جہل نے کہا: ہم پر حضرت محمد ﷺ کا معاملہ ملتبس ہو گیا ہے اگر تم کوئی ایسا آدمی تلاش کرتے جو شعر، کہانت اور جادو کو جانتا ہو تا وہ حضرت محمد ﷺ سے کلام کرے پھر اس کے معاملہ کی ہمارے سامنے وضاحت کرے (2)۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے کہانت، شعر اور جادو کو سنا ہے میں اس کے بارے میں اتنا علم رکھتا ہوں اگر معاملہ ایسا ہو تو مجھ سے مخفی نہیں رہے گا، انہوں نے کہا: ان کے پاس جادو اور ان سے بات کرو۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! ﷺ تو بہتر ہے یا قصی بن کلاب؟ تو بہتر ہے یا ہاشم؟ تو بہتر ہے یا عبد المطلب؟ تو بہتر ہے یا عبد اللہ؟ تو کس وجہ سے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے؟ ہمارے آباء کو گمراہ قرار دیتا ہے؟ ہمارے دانشمند لوگوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے؟ اور ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے؟ اگر تو ریاست چاہتا ہے تو ہم اپنے سارے جھنڈے تیرے سپرد کر دیتے ہیں جب تک تو زندہ رہے گا تو ہمارا سردار ہوگا، اگر تو شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم قریش کی بچیوں میں سے دس عورتوں سے تیری شادی کر دیتے ہیں جن سے تو چاہتا ہے، اگر تو مال کی خواہش رکھتا ہے تو ہم تیرے لیے مال جمع کر دیتے ہیں جس سے تو اور تیرے بعد والے غنی ہو جائیں گے، اگر یہ سب کچھ جن کے سایہ کی وجہ سے ہے جو تجھ پر غالب آچکا ہے تو ہم تیرا علاج کروانے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم تیرے

بارے میں اس پر غالب آجائیں۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے۔ جب وہ گفتگو سے فارغ ہوا فرمایا: ”اے ابو ولید! تو فارغ ہو گیا ہے؟“ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ”اے بھتیجے سنا ہے؟“ اس نے کہا: سنا ہوں۔ پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کَتَبْتُ فُضِّلْتُ اِیْتُهُ قُرْاٰنَا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بِشَیْرٍ اَوْ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْثَرِ مَمَاتٍ دَعَوْنَا اِلَیْهِ وَفِیْ اَذَانِنَا وَقُرْاٰنٌ مِّنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ اِنَّا عَلِیْمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوحٰی اِلَیَّ اَنْتَ اِلٰهٌ اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْا اِلَیْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۚ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ قُلْ اَیُّكُمْ لَکُمْ فُرُؤْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ۚ ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَکَ فِیْهَا وَقَدَرَفِیْهَا اَقْوَامًا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۚ سَوَآءٌ لِّلنَّاسِ یَلٰیْنِ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا اَتٰیْنَا طَآءِعِیْنِ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمَوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَّ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرًا ۚ وَزِیْنًا السَّمَآءِ الدُّنْیَا بِصَافِحٍ ۚ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ قَاۤنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صِیْغَةً مِّثْلَ صِیْغَةِ عَادٍ وَثَمُوْدَ ۝ تَوْعْبَةً اَجْمَلٍ پڑا اور اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا اور آپ کو اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ خاموش ہو جائیں، وہ گھر لوٹ آیا اور قریش کے پاس نہ گیا۔ ابو جہل اس کے پاس آیا پوچھا: کیا تو نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے؟ یا اس کا کھانا تجھے اچھا لگا ہے؟ تو عتبہ غضبناک ہو گیا اور قسم اٹھائی کہ وہ محمد سے کبھی بھی ملاقات نہیں کرے گا پھر کہا: اللہ کی قسم! تم جانتے ہو میں قریش سے سب سے زیادہ مالدار ہوں لیکن جب میں نے اس پر واقعہ بیان کیا تو انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، نہ کہانت ہے اور نہ ہی جادو ہے، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا تھا وہ اس پر تلاوت کیا صِیْغَةً عَادٍ وَثَمُوْدَ ۝ تو میں نے اس کا منہ روکا اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ وہ رک جائے۔ تم خوب جانتے ہو کہ جب وہ کچھ کہتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا، اللہ کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا جنی صاعقہ نازل ہوگا نبی کریم ﷺ نے پڑھا حم فصلت یہاں تک کہ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا جبکہ عتبہ توجہ سے سن رہا تھا اس نے پشت کے پیچھے سے ہاتھوں پر سہارا لیا ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے قراءت کو ختم کیا تو اسے کہا: ابو ولید! تو نے وہ سن لیا ہے جو میں نے تجھ پر پڑھا ہے اب تو جو چاہے کر۔ عتبہ قریش کی مجلس میں ان کے پاس گیا انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید تمہارے پاس اس چہرے سے آ رہا ہے جس چہرے سے گیا نہیں تھا پھر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ابو ولید کیا چھوڑ آئے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں محمد سے ایسا کلام سن آیا ہوں جیسا کلام میں نے کبھی بھی کسی سے نہیں سنا تھا، اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں اور نہ ہی وہ کہانت ہے اس مسئلہ میں میری اطاعت کرو اور میرے کہنے پر اس کے ہاتھ معاملہ کرو محمد اور اس کے معاملہ کو چھوڑ دو اس سے الگ تھلگ ہو جاؤ اللہ کی قسم! میں نے جو اس کا کلام سنا ہے اس کی شان ہے اگر عرب اس تک رسائی حاصل کر لیں تو تم غیروں کے ہاتھوں اسے کافی ہو گے اگر وہ بادشاہ یا نبی ہو تو تم اس کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہے، اس کا شرف تمہارا شرف ہے انہوں نے کہا: دور ہو جا اے ابو ولید! محمد نے تجھ پر جادو کر دیا

ہے۔ ابو ولید نے کہا: یہ میری رائے ہے تم جو چاہو کرو۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكْمَثٍ مِّمَّا تَذْكُرُنَا اِلَيْهِ، اکنہ، کنان کی جمع ہے جس کا معنی ڈھکنا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے: مجاہد نے کہا: کنان دل کے لیے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیر کے لیے جنہ (جو تیر پر چڑھا دیا جائے) ہوتا ہے (1)۔ وَفِيْ اِذَا نَبَا وَقُرَّ هَمَارے کانوں میں گرانی ہے، تیرا کلام ہمارے کانوں میں داخل نہیں ہوتا، ہمارے دل فہم سے پردہ میں ہیں وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے یعنی دین میں اختلاف ہے کیونکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتے جبکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے، یہ معنی فراء اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پردہ جو قبول کرنے کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابو جہل نے اپنا سر کپڑے سے ڈھانپا اور کہا: اے محمد! (ﷺ) ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے، یہ بات اس نے مذاق کے انداز میں کی: یہ بات نقاش نے کی اور زمخشری نے اسے ذکر کیا۔ یہاں حجاب سے مراد کپڑا ہے۔

فَاعْمَلْ اِنَّمَا عَلَيْكَ ⑤ یعنی ہماری ہلاکت کا اہتمام کرو ہم تیری ہلاکت کا اہتمام کرنے والے ہیں (2)؛ یہ کلی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: تو اپنے اس الہ کے لیے سرگرم عمل رہ جس نے تجھے بھیجا ہے اور ہم اپنے معبودوں کے لیے کام کرتے رہیں گے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیرا دین جو تقاضا کرتا ہے وہ کر اور ہم وہ کریں گے جو ہمارا دین تقاضا کرے گا۔ پانچویں قول کا بھی احتمال ہے اپنی آخرت کے لیے کام کرو ہم اپنی دنیا کے لیے کام کریں گے (3)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوا اِلَيْهِ  
وَاسْتَغْفِرُوْهُ ⑥ وَيَلْ لِلْمُشْرِكِيْنَ ⑦ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ  
هُمْ كَفٰرُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑨

”آپ فرمائیے: میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے، اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے منکر ہیں بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا۔“

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں انسان ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یٰٰحٰی اِلٰی یعنی فرشتوں کے ذریعے آسمانوں سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (4)۔

اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود ایک ہے اس پر ایمان لاؤ اور دعا کرتے وقت اور سوال کرتے وقت اس کی طرف متوجہ ہو وَاسْتَغْفِرُوْهُ اپنے شرک پر مغفرت طلب کرو۔





حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے (1)؛ مقاتل نے کہا: اس میں نقص نہیں ہوگا اسی سے منون کا لفظ ہے کیونکہ موت انسان کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔ زہیر نے کہا:

فَضْلُ الْجِيَادِ عَلَى الْخَيْلِ الْبَطَاءِ فَلَا يُعْطَى بِذَلِكَ مَمْنُونًا وَلَا تَزِقًا

جوہری نے کہا: اس کا معنی کاٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کا معنی نقص ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَّهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ۔ لبید نے کہا:

غُبْنُ كَوَاسِبٍ لَا يُسْنُ طَعَامُهَا

مجاہد نے کہا: اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی احسان نہیں جتلا یا جائیگا۔ سدی نے کہا: یہ آیت اپاہج، مریضوں اور بوڑھوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اطاعت بجالانے سے کمزور ہوئے تو ان کے لیے اتنا اجر لکھا جاتا رہے گا جتنا اجر ان کے لیے اس وقت لکھا جاتا تھا جب وہ عمل کیا کرتے تھے۔

قُلْ أَنتُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ  
ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا  
أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَاءً لِّلَّسَّاءِ يَلِينُ ۝ ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ  
فَقَالَ لَهَا وَ لِلْأَرْضِ انثَبَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا أَتَيْنَا طَآءِثًا ۝ فَقَضَاهُنَّ  
سَبْعَ سَبَاطٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا  
بِهَاصِبٍ ۚ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

”آپ ان سے پوچھیے: کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لیے مد مقابل وہ تورب العالمین ہے (اس کا مد مقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے ہی بنائے ہیں زمین میں گڑھے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دیں ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کے لیے) چار دنوں میں (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لیے۔۔۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آ جاؤ تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے خوشی سے یا مجبوراً، دونوں نے عرض کی: ہم خوشی خوشی (دست بدست) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال، اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سارا نظام سب سے عالم سب کچھ جاننے والے (خدا کا) ہے۔“

قُلْ أَنتُمْ تَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ، ائنکم دو ہمزوں کے ساتھ ہے دوسرا ہمزہ بین بین ہے اور دو ہمزوں کے درمیان الف ہے اس کا معنی شرمندہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا تا کہ انہیں شرمندہ کیا جائے اور ان کے فعل پر تعجب کا اظہار کیا جائے معنی ہے تم کیوں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ یَوْمَئِذٍ سے مراد اتوار اور سوموار ہے اَنَدَاذَا کا معنی اضداد اور شریک ہیں وَجَعَلَ فِيهَا هَا ضَمِير سے مراد زمین ہے، دو اسی سے مراد پہاڑ ہیں۔ وہب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اسے پانی پر پھیلا دیا جبریل امین سے فرمایا: اے جبریل! اسے ایک جگہ ٹھہرا دو حضرت جبریل امین اترے اسے ایک جگہ روکا تو ہوا میں حضرت جبریل امین پر غالب آگئیں عرض کی: اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے میں تو اس میں مغلوب ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا۔

وَبَرَكَ فِيهَا يَعْنِي اس زمین میں جو منافع پیدا کیے۔ سدی نے کہا: اس میں درخت اگائے وَ قَدْ رَفِيهَا آقْوَاتُهَا سدی اور حسن بصری نے کہا: اہل زمین کے رزق اور ان کے مصالح مقرر فرمائے (1)۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس میں نہریں، درخت اور چوپائے منگل اور بدھ کو پیدا فرمائے۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وَ قَدْ رَفِيهَا آقْوَاتُهَا سے مراد ہے اس میں اس کے مکینوں کے رزق اور جو لوگوں کی معیشت کے مناسب چیزیں تھیں وہ پیدا کیں یعنی تجارت، درخت اور منافع ایک شہر میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو دوسرے شہر میں پیدا نہ کیں تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں سے تجارت کریں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کریں۔ عکرمہ نے کہا: یہاں تک کہ بعض ممالک ہیں وہ سونے کو نمک کے برابر خریدتے ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: وہ سابری (بڑھیا کھجور) سابور سے، بڑی چادریں ری سے اور دھاری دار چادریں یمن سے لیتے ہیں۔

فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ يَعْنِي چار دنوں کی تکمیل میں، اس کی مثل ایک قائل کا قول ہے: خَرَجْتُ مِنَ الْبَصَرَةِ إِلَى بَغْدَادٍ فِي عَشْرَةِ أَيَّامٍ وَالْكَوْفَةِ فِي خَمْسَةِ عَشْرِ يَوْمًا (2) یعنی پندرہویں دن کے مکمل ہونے پر میں کوفہ پہنچا؛ یہ معنی ابن انباری اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

سَوَاءٌ لِلنَّسَاءِ يَلْمِئْنَ ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: معنی ہے مکمل چار دنوں میں (3)۔ فراء نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے اس نے ان میں ان کی روزیاں پیدا کیں جن کا حصول محتاجوں کے لیے یکساں ہے: یہ قول طبری نے پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور یعقوب حضرمی نے پڑھا سواء للسان اللین ابن قینقاع سے سواء مرفوع ہے نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے جو استواء کے معنی میں ہے یعنی استوت استواء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے جر، ایام یا اربعة کی صفت کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہے فی اربعة ایام مستویۃ تامۃ۔ رفع مبتدا کے اعتبار سے ہے اور خبر للنساء یلمین ہے یا اس تقدیر کی بنا پر مرفوع ہے ہذا سواء للسان اللین۔ اہل معانی نے کہا: معنی ہے وہ سالمین اور غیر سالمین کے لیے برابر ہے یعنی زمین اور زمین میں جو کچھ ہے وہ برابر ہے اس کے لیے جو سوال کرے اور اس کے لیے جو سوال نہ کرے اور وہ عطا فرماتا ہے جو سوال کرے اور جو سوال نہ کرے۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ ۚ يَعْنِي آسَمَانِ كِي تَخْلُقُ كَا ارَادَه كِيَا اور اس كے درست كرنے كا قصد كيا۔ اكثر اقوال كے مطابق استواء افعال كى صفت هے اس پر الله تعالى كا يه فرمان دلالت كرتا هے: ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ (البقرة: 29) اس كے بارے ميں بحث كذا رچكى هے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضيهما سے روايت نقل كى هے: ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ يعْنِي اس كا امر آسمان كى طرف بلند هوا؛ يه حضرت حسن بصرى كا قول هے۔ جس نے يه كها يه صفة ذاتيه زائده هے اس نے كها: ازل ميں اپنى صفات كا قصد كيا ثم كا لفظ ذكر كيا تو آسمان كو دُخَان كى صفت سے حالت كثافت منتقل كيا يه دھواں پانى كے سانس لينے سے پيدا هوتا تھا جس طرح سورة بقره ميں حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے منقول هے۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۚ يَعْنِي ميں نے تم دونوں سے جو منافع اور مصالح پيدا كئے تھے ان كو لے آؤ اور ميرى مخلوق كے ليے نكالو۔ حضرت ابن عباس رضيهما نے كها: الله تعالى نے آسمان سے فرمايا اپنے سورج، اپنے چاند اور اپنے ستاروں كو طلوع كرو اور اپنى هوائیں اور بادل جارى كرو اور زمين سے فرمايا: اپنے درياؤں كو جارى كرو، اپنے درخت اور پھلوں كو نكالو راضى هو كرا يا مجبور هو كر۔ دونوں نے جواب ديا: هم انہیں خوشى خوشى لے آئے ہيں۔ كلام ميں حذف هے تقدير كلام يه هے اَتَيْنَا أَمْرًا، طًا بِعَيْنٍ۔ ايك قول يه كيا كيا هے: اس امر سے مراد تسخير هے يعْنِي تم دونوں هو جاؤ تو وہ هو گئے جس طرح الله تعالى كا فرمان هے: اِئْتَا قَوْلُنَا لَشَيْءٍ ۚ اِذَا آاَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُولَ لَهُ لَنْ فَيَكُونُ ۝ (النحل) اس تعبير كى بنا پر يه ارشاد الله تعالى نے ان كى تخلق سے پہلے كيا ان دونوں كو جو ارشاد فرمايا اس كى دو توجيہيں ہيں: (1) يه ايسا قول هے جس كا تكلم هوا۔ (2) يه الله تعالى كى جانب سے قدرت هے جو ان دونوں كے حق ميں ظاھر هوئى تو مقصد كو پانے ميں يه كلام كے قائم مقام هو گئى؛ يه ماوردى نے ذكر كيا هے۔ قَالَتَا اَتَيْنَا طًا بِعَيْنٍ ۝ اس ميں بھى دو توجيہيں ہيں: (1) جب انہوں نے اطاعت كى اور جواب ديا تو دونوں سے اطاعت ظاھر هو گئى تو يه اطاعت ان كے قول كے قائم مقام هو گئى؛ اسي معنى ميں راجز كا قول هے:

امْتَلَأَ الْحَوْضُ وَقَالَ قَطْنِي مَهْلًا رَوَيْدًا قَدْ مَلَأَتْ بَطْنِي

حوض بھر كيا اور كها: ميرے ليے كافى هے مہلت دو اور ميں نے اپنا پيٹ پھر ليا هے۔

يعْنِي اس ميں يه امر ظاھر هو كيا هے، اس نے قول نہيں كيا اكثر اہل علم لوگوں كى رائے هے الله تعالى نے دونوں ميں كلام كو پيدا كيا تو دونوں نے اس طرح كلام كى جس طرح الله تعالى نے ارادہ كيا تھا۔ ابو نصر سلكسى نے كها: وہ كعبه مشرفہ كى جگہ سے گويا هوئى اور آسمان كى جو جگہ اس كے مقابل هے وہ وہاں سے گويا هوئى تو الله تعالى نے اس ميں اپنا حرم ركھ ديا (1)۔ فرمايا: طًا بِعَيْنٍ، طاعتين نہيں فرمايا، لفظ كا اعتبار كرتے ہوئے اور نہ طاعات كها معنى كا اعتبار كرتے ہوئے كيونكه دونوں كئى آسمان اور زمين ہيں كيونكه خبر ان دونوں ميں جو كچھ هے ان كے بارے ميں دى جا رہى ے۔

ايك قول يه كيا كيا هے: جب ان كى صفت قول اور جواب دينے سے لگائى گئى جو ذوالعقول كى صفات ہيں تو ضمير ميں بھى انہیں ذوى العقول كے قائم مقام ركھا كيا اس كى مثل رَأَيْتُمْ لِي سَجْدِينَ ۝ (يوسف) يه بحث پہلے كذا رچكى هے۔ حديث طيبہ

میں ہے: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اگر میں آسمان اور زمین کو جب یہ کہوں: اُتیا طوعا او کرھا تو وہ تیری نافرمانی کریں تو تو ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ فرمایا: میں اپنے جانوروں میں سے ایک جانور کو حکم دوں گا تو وہ ان دونوں کو نگل جائے گا عرض کی: اے میرے رب! وہ دابہ (جانور) کہاں ہے؟ فرمایا: میری چراگا ہوں میں سے ایک چراگاہ میں عرض کی: وہ چراگاہ کہاں ہے؟ فرمایا: میرے علم میں۔“۔ اے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ نے اُتیا مد اور فتح کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَتَيْنَاكَ بِعَيْنٍ مَعْنٰی ہے تم دونوں اپنی جانب سے اطاعت پیش کرو۔ دونوں نے کہا: ہم نے خوشی خوشی اطاعت کی تو دونوں مفعول حذف کر دیئے گئے۔ اور یہ بھی جائز ہے اور یہ بہتر بھی ہے کہ اَتَيْنَا فاعلنا کما وزن ہو تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ جس نے اَتَيْنَا پڑھا ہے تو معنی ہوگا جو کچھ ہم میں تھا ہم اسے لے آئے جس طرح اس کی وضاحت کئی مقامات پر گذر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

فَقَضَّيْنَهُنَّ سَبْعَ سَبْوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ انہیں مکمل کیا اور ان سے فارغ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے انہیں پختہ کیا جس طرح کہا:

وَعَلَيْهِمَا مَسْرُودٌ تَانٍ قَضَاهُمَا دَاوُدُ اَوْ صَنَعُ السَّوَابِغِ تُبْعُ

ان دونوں پر زبر ہیں جنہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے پختہ بنایا ہے۔

فِي يَوْمَيْنِ ان چار ایام کے علاوہ جن میں زمین کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (یونس: 3) جس طرح اس کی وضاحت سورۃ اعراف میں گذر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن ہزار سال کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزیوں کو پیدا کیا دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو اتوار اور سوموار میں پیدا کیا منگل اور بدھ میں اس کی روزیوں کو مقرر کیا، آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کو پیدا کیا اور جمعہ کے روز آخری ساعت میں جلدی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی گھڑی میں قیامت برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور بھی پیدا کیا ہے وہ جمعہ کے دن سے ڈرتا ہے مگر انسان اور جن نہیں ڈرتے، علماء تفسیر کا یہی نقطہ نظر ہے مگر امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز پیدا کیا (1)“ ہم نے اس کی سند کے بارے میں سورۃ الانعام میں گفتگو کی ہے۔

وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا فَتَدَّہ اور سدی نے کہا: اس میں اس کا سورج، اس کا چاند، اس کے ستارے اور افلاک پیدا کیے اور ہر آسمان میں اس کی مخلوق یعنی فرشتے اور اس میں اس کی مخلوق یعنی سمندر، اولوں اور برفوں کے پہاڑ پیدا کیے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں یہ گھر کعبہ کے مقابلہ میں ہے جو گھر آسمان دنیا میں ہے وہ بیت معمور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَاءٍ





کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا عَنْ مُحَمَّدٍ ﷺ أَفْكَارَ قَرِيشَ إِيْمَانٍ مِنْ أَعْرَاضٍ كَرِيسٍ جَسَ كِي طَرَفٍ تَمَّ دَعْوَتِ دِيْتِ هُوَ فَقُلْ أُنْذِرْتُكُمْ ضُغَّةً وَمَثْلَ ضُغَّةٍ عَادٍ وَشُدَّ ۝ یعنی ہم نے ڈرایا ہلاکت سے جس طرح عاد اور ثمود کی ہلاکت تھی اِذْ جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَنِي آيَدِيهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ یعنی ان کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا اور ان سے قبل قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا اِلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اللّٰهَ اَنْ مَحَلْ نَصَبٍ مِیْ هِے کیونکہ حرف جر حذف ہے اصل میں کلام یوں تھی بالاعتقاد۔ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَا نُنْزِلَ مَلَكًا یعنی رسولوں کی جگہ فرشتے مبعوث کرتا قَالُوا يَا هَآءَا تُرْسِلُكُمْ بِهِ كُفْرًا ۝ یعنی انذار اور تبشیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کی طرف سے استہزاء ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ ان کی طرف رسول مبعوث ہوئے اس کی بعد انکار اور عناد ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ اَمْرُضُ اَنْهَوْں نِے اللّٰه كِے بِنْدُوں حَضْرَتِ هُوْد اور مومِنُوں پَر تَكْبَرُ كِیَا۔ قَالُوا مَن اَشَدُّ مِثَاقُوَّةً جَبْ اَنْهِيں عَذَابِ كِ: جَمَكِي دِي تُو اَنْهَوْں نِے اِپْنِے جَسْمُوں كِي وَجْه سے دھوك كِهَیَا اَنْهَوْں نِے كِهَآ: هَم اِپْنِي قُوْت كِي زِيَادَتِي كِي وَجْه سے اِپْنِے اُپ سے عَذَابِ دُور كَرْنِے پَر قَادِر هِيں اِس كِي وَجْه يِه تَهِي كِه وَه لِبْجِے جَسْمُوں وَا لَے اور مَوْنُے تَهے۔ سورَہ اَعْرَافِ مِیْ بَحْثِ كُذْرِ چَكِي هِے۔ حَضْرَتِ اِبْنِ عَبَاس بَیْهِنْدِهَمَا سے مَرُوِي هِے كِه اِنْ مِیْں سے طَوِيل تَرِيْن سُوْهَاتِهْهُ اور چھوٹَا سَاْهْهُ هَاتِهْهُ كَا هُوْتَا تَهَا اللّٰه تَعَالٰی نِے اِنْ كَارِ ذَكْرَتِے هُوئے اَرْشَادِ فرمایَا: اَوَّلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً، قُوَّة كَا مَعْنٰی قُدْرَتِ هِے جَب بِنْدِہ اللّٰه تَعَالٰی كِے قُدْرَتِ دِيْنِے سے قَادِر هُوْتَا هِے تُو اللّٰه تَعَالٰی زِيَادِہ قَادِر هِے وَ كَانُوْا بِاٰيَاتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ وَه هَمَارِے مَعْجَزَاتِ كَا اِنْكَار كَرْتِے تَهے۔

فَاَمْرُ سَلْنَا عَلَيْهِمْ بِاِيْحَا صَرَ صَرَا يِه صَاعِقَہ كِي تَفْسِيْر هِے جُو اللّٰه تَعَالٰی نِے اِنْ پَر بَهِيْمِي تَهِي اِيسِي هُوَا جُو سَخْتِ تُھْنْدِي تَهِي آوَا زِ شَدِيْد اور تِيْز چَل رِي تَهِي۔ يِه كِهَآ جَاتَا هِے: اَصْل مِیْں صَر رَتَهَا جُو صَر سے مُشْتَق هِے جَس كَا مَعْنٰی تُھْنْدِك هِے دَر مِيَانِي رَا، كُو فَعْل كِے فَا، كَلْم سے بَدَل دِيَا جَس طَرَح اِنْ كَا قَوْل هِے كِه كَبُوْا اَصْل مِیْں كَبُوْا تَهَا۔ تَجَفَّفُ الشُّوبِ اَصْل مِیْں تَجَفَّفُ الشُّوبِ هِے۔ اَبُو عَبِيْد نِے كِهَآ: صَر صَرَا كَا مَعْنٰی هِے سَخْتِ آندَمِي، عَكْرَمَہ اور سَعِيْد بِنِ جَبِيْر نِے كِهَآ: سَخْتِ سَرْد۔ قَطْرَبِ نِے اَبُو حَطِيْہ كَا قَوْل ذَكْر كِیَا:

الطَّعْمُونَ إِذَا هَبَّتْ بَصْرَ صَرَقَ وَالْحَامِلُونَ إِذَا اسْتَوْدُوا عَلَى النَّاسِ (1)

جَب سَخْتِ تُھْنْدِي هُوَا كِيں چَلْتِي هِيں تُو وَه لُوگوں كُو كِهَآ نَا كِهَآ تِے هِيں۔ اور وَه جَهْنْدِے اُٹھَانِے وَا لَے هِيں جَب لُوگوں پَر سَرْدَار بَنَآ يَا جَا ئَے۔

مُجَاهِد نِے كِهَآ: سَخْتِ زَهْرِيْلِي (2)۔ مَعْمَر نِے قَادِہ سے رَوَايَتِ نَقْل كِي هِے اِس كَا مَعْنٰی تُھْنْدِي هِے: يِه عَطَا نِے كِهَآ: كِيُونكِه صَر صَر يِه صَر سے مَآخُذِ هِے كَلَامِ عَرَبِ مِیْں صَر سے مَرَادِ مَرْدِ هِے:

رُكْبَنٌ لِي يَوْمَ رِيحٍ دَمْرٍ

ان پر سواری کی جاتی ہے سخت ہوا اور سردی میں۔

سدی نے کہا: سخت آواز (1)۔ اسی سے صر القلم والباب، یصر صیرا۔ جب قلم اور دروازہ آواز نکالے یہ جملہ کہا جاتا ہے: درہم صرّی وصرّی۔ جس کی آواز ہو جب اس کی چھان بین کی جائے۔ ابن سکیت نے کہا: صر صر جائز ہے کہ وہ صر سے ہو جس کا معنی ٹھنڈک ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صریر الباب سے مشتق ہو اور الصرّاء سے مشتق ہو جس کا معنی صبح ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: فَأَقْبَلَتْ أَمْرًا تَهُ فِي صَرَّاءٍ (الذاریات: 29) صرصر، عراق میں ایک نہر کا نام ہے۔

فِي أَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ منہوں دنوں میں: یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ سوال کے آخر میں ایک بدھ سے لے کر اگلے بدھ تک تھے یہی مراد ہیں سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمْنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا (الحاقہ: 7) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کسی قوم کو عذاب نہیں دیا گیا مگر بدھ کے روز ہی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَحْسَاتٍ کا معنی ٹھنڈے ہیں؛ نقاش نے یہ بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پے در پے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: سخت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غبار والا؛ یہ ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے: اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

قَدْ اغْتَدَى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ لِلصَّيْدِ فِي يَوْمٍ قَلِيلِ النَّحْسِ (3)

وہ سورج کے طلوع ہونے سے قبل شکار کے لیے ایسے دن میں جا پہنچا جس میں غبار کم تھا۔

ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تین سالوں تک ان سے بارش کو روک رکھا اور ہوائیں بارش کے بغیر ان پر خوب چلیں ان میں سے ایک جماعت مکہ مکرمہ کی طرف نکلی تاکہ وہاں بندوں کے لیے دعا کریں۔ اس زمانہ میں جب لوگوں کو کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ مکہ مکرمہ میں آکر اللہ تعالیٰ سے کشادگی کو طلب کرتے ان کا مطالبہ اللہ تعالیٰ سے بیت اللہ شریف کے پاس مکہ مکرمہ میں ہوتا وہ مسلمان ہوتے یا کافر ہوتے، مکہ مکرمہ میں کثیر لوگ جمع ہوتے جن کے دین مختلف ہوتے ہر ایک مکہ مکرمہ کی تعظیم کرتا وہ اس کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مرتبہ کو پہچانتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اور تیمی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ ان پر بارش کو نازل کرتا ہے اور زیادہ ہواؤں کو روک لیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے اور سخت ہواؤں کو ان پر مسلط کرتا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے نَحْسَاتٍ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے نحوست والے، جو قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نحس مصدر ہے وہ یہ ہے فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُّسْتَوٍ (القمر) اگر یہ صفت ہوتا تو یوم کا لفظ اس کی طرف مضاف نہ ہوتا، ابو عمرو اپنی قراءت پر اسی آیت سے استدلال کیا کرتا تھا: ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ ابو عبید نے دوسری قراءت کو پسند کیا ہے کہا: ابو عمرو کی حجت صحیح نہیں کیونکہ اس نے یوم کے لفظ کو نحس کی طرف مضاف کیا ہے اور اس کی حاء کو ساکن کیا یہ دلیل تب ہوتی اگر یوم کو تنوین دی جاتی اور اس کی صفت لگائی جاتی اور اسے ساکن کیا جاتا اور وہ کہتا: فی یوم نحس یہ قراءت کسی نے بھی نہیں کی

جس کو ہم جانتے ہوں۔ مہدوی نے کہا: نخس میں اسکان ہی سنا گیا ہے۔

جوہری نے کہا: فی یوہ نخس میں اسے صفت کے طور پر پڑھا گیا ہے جبکہ اضافت بہت زیادہ اور عمدہ ہے قد نخس الشئ فهو نخس شاعر نے کہا:

أبدل جزاما ولخما أن إختهم طيًا وبهراء قوم نصرهم نخس

جزام اور لخم کو خبر پہنچا دو ان کے بھائی طی اور براء ایسی قوم ہیں جن کی مدد غبار والے دن نے کی۔

اسی معنی میں ہے آیا و نخسات ہے۔

لئذ یقُم تَا کہ ہم ان کو چکھائیں۔ عَذَابُ الْخُزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یعنی بانجھ ہوا کے ساتھ وَلْعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى آخرت کا عذاب بڑا اور شدید ہوگا۔

وَأَمَّا شَوْدُ فَهَدَيْنَهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَى عَلَى الْهُدَى فَأَخَذَتْهُمْ صِعْقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

”باقی رہے شمو تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس

عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو

نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے۔“

وَأَمَّا شَوْدُ فَهَدَيْنَهُمْ یعنی ہم نے ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے

علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور دوسرے علماء نے اما شمو نصب کہ ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَى عَلَى الْهُدَى انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا۔ ابو العالیہ نے کہا: انہوں نے وضاحت پر اندھے پن کو پسند کیا۔ سدی نے کہا: معصیت کو اطاعت پر پسند کیا (1)۔

فَأَخَذَتْهُمْ صِعْقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ، الھون ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے۔ ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن معر جو کنانہ اور اسد سے تعلق رکھتا تھا۔ اہانہ اس کو حقیر و خفیف جانا اس کا اسم ہوان اور مہانہ ہے۔ صاعقہ کو عذاب

کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ صاعقہ کہتے ہیں ہلاک کرنے والی چیز کو۔ گویا فرمایا: مہلک العذاب یعنی ایسا عذاب جو مہلک ہے ہون اگرچہ مصدر ہے اس کا معنی اہانہ ہے اور اہانہ کا معنی عذاب ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی

صفت بنا دیا جائے گویا کہا: صاعقۃ الھون وہ تیرے اس قول کی طرح ہے: عندی علم الیقین اور عندی العلم الیقین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہون، دون کی طرح ایک اسم ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: عذاب ہون یعنی ایسا عذاب جو ذلیل کرنے والا ہے جس

طرح فرمایا: مَا لِهَؤُلَاءِ الْعَذَابِ الْهُونِ ۝ (سبا) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسے عذاب کا صاعقہ جو ذلت والا ہے ہما کانوا



يَكْسِبُونَ ۝ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔  
وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا يَتْلُو صَالِحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور جو ایمان لائے تھے یعنی ہم نے انہیں کفار سے ممتاز کر دیا ان پر  
وہ عذاب نازل نہ ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا، اے محمد! منیٰ علیہم ہم تیری قوم کے مومنوں اور ان کے کافروں کے ساتھ یہی  
معاملہ کریں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا مَاجَأُ وَهَاشَهِدَ  
عَلَيْهِمْ سَبْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَقَالُوا لِمَ لَمْ  
شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۚ قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ  
وَالْيَهُ تَرْجِعُونَ ۝

”اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھر وہ  
گرو ہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے تو (حساب  
شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس  
کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے، تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں  
دی۔ وہ کہیں گے: (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی  
نے تمہیں پیدا کیا تا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔“

نافع نے نحشانون کے ساتھ پڑھا ہے اور اعداء کو نصب دی ہے باقی قراء نے يُحْشَرُ یا مضموم کے ساتھ پڑھا ہے  
أَعْدَاءُ مرفوع ہے دونوں کا معنی واضح ہے۔ أَعْدَاءُ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے امر کی  
مخالفت کی فَهُمْ يُوزَعُونَ انہیں ہانکا جائے گا اور جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: پہلوں کو انکے آخری  
افراد پر روک لیا جائیگا یہاں تک کہ وہ جمع ہو جائیں گے۔ ابواحوص نے کہا: جب تعداد مکمل ہو جائے گی تو جرم کے اعتبار سے  
سب سے بڑے پھر اس کے بعد بڑے کا آغاز کیا جائے گا یُوزَعُونَ کے بارے میں گفتگو سورہ النحل میں مفصل گزر چکی ہے۔  
حَتَّىٰ إِذَا مَاجَأُ وَهَاشَهِدَ عَلَيْهِمْ سَبْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا مَاجَأُ مازائدہ  
ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ چمڑے بذات خود ان پر گواہی دیں گے۔ سدی اور عبید اللہ بن ابی جعفر اور فراء نے کہا:  
جلود سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ ایک ادیب نے عامر بن جؤ یہ کا شعر پڑھا:

المرء یسعی للسلامة والسلامة حسبہ

أو سالم من قد تشیی جلدہا وایض رأسہ

وَقَالُوا لِمَ لَمْ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۚ تمہاری جانب سے جھڑا کیا کرتے تھے تو قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ

الَّذِي أَلْهَىٰ كُلَّ شَيْءٍ أَنَّهُمْ نَبَهُوا: اس اللہ تعالیٰ نے ہمیں گویا کیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا: جب انہوں نے خطاب کیا اور انہیں خطاب کیا گیا تو انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی پہلے تم نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر زندگی پیدا کر دی جو اس پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ چمڑے اور دوسرے اعضاء کو گویا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام کا آغاز ہے۔

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱﴾ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے تو آپ ہنسے، پوچھا گیا: ”کیا تم جانتے ہو میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟“ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: ”بندے کے اپنے رب سے خطاب کی وجہ سے ہنسا ہوں۔ بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ وہ عرض کرتا ہے: میں اپنے خلاف کسی کو گواہ بننے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تیری ذات تیرے خلاف گواہ ہوگی اور کرانا کا تین تیرے خلاف گواہ کافی ہوں گے فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء کو کہا جائیگا: تم بولو، تو وہ اس کے اعمال کے بارے میں گفتگو کریں گے پھر اسکے اور اس کی گفتگو کے درمیان رکاوٹ ختم کر دی جائے گی تو وہ کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو، میں اس لیے تمہاری حفاظت کیا کرتا تھا“ (۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے پھر کہا جائیگا: ”اب ہم اپنا گواہ تیرے خلاف پیش کرتے ہیں وہ دل میں سوچے گا کون میرے خلاف گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کی ران، اس کے گوشت اور ہڈیوں سے کہا جائیگا: بول، اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں گفتگو کریں گی یہ اس لیے ہوگا کیونکہ اس نے بکثرت گناہ کیے ہوں گے وہ منافق ہوگا اور یہی وہ شخص ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا (۲)“ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ ۖ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱﴾ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲﴾ فَإِنْ يَصِيرُوا فَا لَأَسْرِمُوهُمْ ۖ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۳﴾ وَ قَبِضْنَا لَهُمْ قُرْآنًا ۖ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمِّ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿۴﴾

”اور تم چھپا نہیں سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو

جو تم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں یا نہ کریں آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا۔ اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے وہ سب (اگلے اور پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرْزُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ یہ جائز ہے کہ یہ اعضاء کا ان کے لیے قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا قول ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس تین افراد جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی۔ ان کے دلوں میں فہم کم تھا اور پیٹوں کی چربی بہت زیادہ تھی ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ جو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: اگر ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم خفیہ طریقہ سے بات کریں تو وہ نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: جب ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے پھر جب ہم مخفی طریقہ سے بات کریں گے تب بھی وہ سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1): وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرْزُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے کہا: بیت اللہ شریف کے پاس تین آدمی اکٹھے ہوئے پھر حرف حرف اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہناد، ابو معاویہ سے وہ اعمش سے وہ عمارہ بن عمیر سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہا حضرت عبداللہ نے کہا: میں اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کے پردوں سے چھپائے ہوئے تھا کہ تین افراد آئے ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے اور دانش کم تھی ایک قریشی اور دو اس کے داماد ثقفی یا ایک ثقفی اور دو اس کے داماد قریشی تھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی جس کو میں نہ سمجھ سکا ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب ہم اپنی آوازیں بلند کریں تو وہ سن لیتا ہے اور جب ہم اپنی آوازوں کو بلند نہ کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ ہماری گفتگو سے کچھ سنتا ہے تو وہ تمام کچھ سن لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرْزُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ⑤ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَادَكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ⑥ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: ثقفی عبدیاللیل تھا اور اسکے داماد ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔

تَسْتَرْزُونَ کا اکثر علماء کے نزدیک معنی ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی جسے اپنے نفوس سے چھپاتے ہو کہ اعضاء تمہارے

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وذلکم ظنکم، جلد 2، صفحہ 713

2- جامع الترمذی، باب من سورۃ حم السجدہ، حدیث نمبر 3171-3172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خلاف گواہی نہ دیں کیونکہ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے نفس سے کوئی عمل چھپا سکے پس استغناء، معصیت کو ترک کرنے کے معنی میں ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: استتار، اتقاء کے معنی میں ہے یعنی تم دنیا میں تقویٰ اختیار کرنے والے نہیں کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف کوئی گواہی دیں گے تو تم اس شہادت کے خوف سے معاصی کو ترک کر دو؛ یہ معنی مجاہد نے بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ یعنی تم گمان نہیں رکھتے کہ وہ کہے میں نے حق کو سنا اور میں نے یاد نہیں رکھا اور میں نے وہ بات سنی جو معاصی میں سے تھی اور سنا جائز نہ تھی وَلَا أَبْصَارُ كُمْ یعنی وہ کہیں: میں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھا اور میں نے عبرت حاصل نہ کی اور میں نے ایسی چیز کو دیکھا جو جائز نہ تھی وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ لیکن تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کو نہیں جانتا جنہیں تم جانتے ہو پس تم اس بات پر جھگڑتے ہو یہاں تک کہ تمہارے اعضاء تمہارے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔

بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم ﷺ سے اُن تَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ کی تفسیر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں ”قیامت کے روز تمہیں بلایا جائیگا تمہارے مونہوں میں فدام (جانور کے منہ پر ایسی چیز چڑھانا کہ وہ چر نہ سکے) چڑھایا گیا ہوگا انسان کے اعمال کے بارے میں سب سے پہلے جو چیز وضاحت کرے گی وہ اس کی ران اور ہتھیلی ہوگی“۔ عبد اللہ بن عبد الاعلیٰ شامی نے کہا اور خوب کہا:

الْعُزْرُ يَنْقُصُ وَالذُّنُوبُ تَزِيدُ وَتُقَالُ عَشْرَاتُ الْفَتَى فَيَعُودُ  
هَلْ يَسْتَطِيعُ جُحُودَ ذَنْبٍ وَاحِدٍ رَجُلٌ جَوَارِحُهُ عَلَيْهِ شُهُودُ  
وَالْبَرُّ يَسَالُ عَنْ سِنِيهِ فَيَسْتَهِي تَقْلِيلَهَا وَعَنِ السَّمَاتِ يَجِيدُ

عمر کم ہو رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں نو جوان کی لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور واپس لوٹتا ہے۔ کیا کوئی انسان کسی ایک گناہ کے انکار کی طاقت رکھتا ہے جبکہ اعضاء اس پر گواہ ہیں۔ انسان سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ کمی کی خواہش کرتا ہے اور موت سے پہلو تہی کرتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار، نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: ”کوئی دن جو انسان پر آتا ہے نہیں ہے مگر وہ اعلان کرتا ہے اے انسان! میں نئی مخلوق ہوں جو کچھ تو کرے گا میں کل تیرے خلاف اس پر گواہ ہوں گا مجھ میں اچھا عمل کر میں کل تیرے حق میں گواہی دوں گا اگر میں ایک دفعہ گنہ گار گیا تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا اور رات بھی اسی طرح کہتی ہے (1)“۔ ابو نعیم حافظ نے اسے ذکر کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ”الند کرۃ“ میں زمیں، راتوں، دنوں اور مال کی شہادت کے بارے میں کیا ہے۔ محمد بن بشیر نے کہا اور خوب کہا:

مَضَى أَمْسُكَ الْأَفْنَى شَهِيدًا مَعْدَلًا وَيَوْمَكَ هَذَا بِالْفِعَالِ شَهِيدٌ



فَإِنْ تَكَ بِالْأَمْسِ اقْتَرَفْتَ إِسَاءَةً فَثَنْ بِإِحْسَانٍ وَأَنْتَ حَسِيدٌ  
وَلَا تُتْرَجِ فِعْلَ الْخَيْرِ مِنْكَ إِلَى غَدٍ لَعَلَّ غَدًا يَأْتِي وَأَنْتَ فَقِيرٌ

تیرا قریبی کل گزر گیا جو ایسا گواہ ہے جس کو عادل قرار دیا گیا ہے تیرا یہ دن اعمال پر گواہی دینے والا ہے اگر تو نے گزشتہ کل برا عمل کیا ہے تو دو گنا احسان کر جبکہ تو، محمود ہے۔ اچھے عمل کو کل تک موخر نہ کر ممکن ہے کل آئے اور تو نہ ہو۔

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ لِعَنِ تَمْهِيں ہلاک کردے اور تمہیں جہنم میں داخل کردے، قتادہ نے کہا: یہاں ظن کا لفظ علم کے معنی میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يَبُوتُ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يَحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ فَإِنْ قَوْمًا أَسَاءُوا وَالظَّنَّ بِرَبِّهِمْ فَأَهْلَكُمُ تَمَّ مِیں سے کوئی آدمی نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوا اگر کوئی قوم اپنے رب کے بارے میں سوء ظن رکھے تو وہ انہیں ہلاک کردے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ کا یہی مطلب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا: کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں آرزوؤں نے غافل کر دیا ہے (1) یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلے تو ان کے لیے کوئی نیکی نہ تھی ان میں سے ایک کہتا ہے: میں اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں اور وہ جھوٹ بولتا ہے اگر وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا تو حسن عمل کرتا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی۔ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ لِعَنِ تَمْهِيں ۝ قتادہ نے کہا: جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ وہ مرے تو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو تو وہ ایسا کرے کیونکہ گمان دو طرح کے ہیں ایک ظن نجات دیتا ہے اور ایک ظن ہلاک کرتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بدکاریاں کرتے رہے تھے اور ان سے توبہ نہ کرتے تھے، وہ مغفرت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے یہاں تک کہ وہ دنیا سے مفلس کی حیثیت سے نکلے پھر اس آیت کو پڑھا: وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَأَيْتُمْ لِعَنِ تَمْهِيں ۝

فَإِنْ يُصِيبُكَ أَفَالَتَا مَشْوَى لَّهُمْ أَگروہ دنیا میں جہنمیوں کے اعمال پر صبر کرتے رہے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ (بقرہ) جس طرح یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَإِنْ يَسْتَعْجِبُوكَ أَگروہ دنیا میں رضا الہی کے طالب ہوتے جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہوں تو انہیں اللہ کی رضا نصیب نہیں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ جہنم میں صبر کریں یا وہ جزع فزع کریں تو جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں جزع پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَإِنْ يَسْتَعْجِبُوكَ كِیونکہ مستعجب جزع کرتا ہے اور مستعجب اسے کہتے ہیں جس کی جزع قبول ہو، نابغہ نے کہا:

فَإِنْ أَكْ مَظْلُومًا فَعَبْدٌ ظَلَمْتَهُ وَإِنْ تَكَ ذَاعْتَبَى فَبِشَلِّكَ يُعْتَبَى

اگر میں مظلوم ہوں تو ایسا بندہ ہوں جس پر تو نے ظلم کیا اگر تو رضا والا ہے تو تیری مثل ہی ناراضگی کا سبب دور کرتا ہے۔

یعنی تیری مثل ہی وہ ذات ہے جو صالحیت کو قبول کرتی ہے اور مراجعت کو قبول کرتی ہے جب اس سے اس کا سوال کیا جائے۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ہے محبت سے خطاب کرنا اور ناراضگی کا ذکر کرنا تو کہتا ہے: عاتبتہ معاتبۃ۔ میں نے اس سے ناراضگی اور محبت کے ساتھ اظہار کیا یہ کہا جاتا ہے: بینہم اعتوبۃ یتعاتبون بھا۔ یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: اذا تعاتبوا اصدق ما بینہم العتاب اعتبنی فلان، جب وہ ناراضگی سے میری خوشی کی طرف لوٹا۔ اس سے اسم عتبی آتا ہے اس سے مراد جس پر عتاب کیا جا رہا تھا وہ اس امر کی طرف لوٹا جس سے عتاب کرنے والا راضی ہوتا ہے۔ استعتب اور اعتب کا معنی ایک ہی ہے۔ استعتب کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے رضا مندی کا مطالبہ کیا تو کہتا ہے: استعتبتہ فاعتبنی میں نے اسے راضی کرنا چاہا تو اس نے مجھے راضی کر دیا۔ وَ اِنْ يَسْتَعْتِبُوْا مَعْنٰی ہے انہوں نے رضا کو طلب کیا تو اس طلب نے انہیں کچھ نفع نہ دیا بلکہ ان کے لیے جہنم ضروری ہے۔ تفاسیر میں یہ معنی لکھا ہوا ہے اگر وہ اپنے رب سے بخشش کے طالب ہوں گے تو وہ بخشے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے (1)۔ عبید بن عمیر اور ابو العالیہ نے اسے پڑھا اِنْ يَسْتَعْتِبُوْا یہ مجھول کا صیغہ ہے۔ فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی طرف لوٹا دے تب بھی وہ اس کی اطاعت والے عمل نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے کہ وہ بد بخت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: 28) یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلب نے کہا: جب وہ ناراض ہو تو کہا جاتا ہے اعتبہ جب وہ راضی ہو تو کہتے ہیں اعتب (2)۔

وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ نَفَاسٍ نے کہا: ہم نے ان کے لیے شیاطین کو تیار کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان پر ایسے شیاطین مسلط کر دیے ہیں جو ان کے ہاں معاصی کو مزین کر کے پیش کرتے ہیں یہ جنوں، شیاطین اور انسانوں میں سے قرناء ہوں گے یہ کہا جاتا ہے: قیض اللہ فلانا بفلان۔ وہ اس کے پاس اسے لایا اور اس نے اس کے لیے قصد کیا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق کو مقرر کیا جس طرح میں اسے طلب کرتا تھا قیض کا معنی بدل دینا ہے اسی سے مقایضہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قايض الرجل مقايضة یعنی میں نے اس کے ساتھ سامان کے ساتھ مبادلہ کیا۔

فَزَيَّنَّا لَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ، مَا يَشْتَهُونَ سے مراد امور دنیا ہیں ان شیاطین نے اسے ان کے لیے مزین کیا یہاں تک کہ اسے آخرت پر ترجیح دی و مَا خَلَقْنَاهُمْ اِنْ كُنْتُمْ اَعْبَادُ رَبِّكُمْ اِلَّا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ کی موت کے بعد مزین کیا اور انہیں امور آخرت کی تکذیب کی طرف دعوت دی: یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ یعنی جہنم میں فَزَيَّنَّا لَهُمْ دُنْيَا میں ان کے اعمال کو مزین کیا معنی ہے ہم نے ان پر مقرر کیا کہ ایسا ہوگا اور ہم نے ان کے خلاف اس کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اقران کا محتاج کر دیا یعنی ہم نے فقیر کو غنی کا محتاج کر دیا تاکہ وہ اس سے لے اور غنی کو فقیر کا محتاج کر دیا تاکہ وہ اس سے مدد لے تو ان میں سے بعض نے بعض کے لیے معاصی کو مزین کیا و مَا خَلَقْنَاهُمْ اِلَّا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ پر نہیں بلکہ معنی ہے انہوں نے آخرت کو ان سے بھلا دیا، اس میں اضمار ہے۔ حضرت ابن عباس

نبیؐ نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد ہے ان کا امور آخرت کو جھٹلانا اور وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے دنیا میں رغبت دلانا۔ زجاج نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد ہے جو انہوں نے اعمال کیے (1) وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے انہوں نے جن اعمال کا ارادہ کیا۔ مجاہد کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے گناہ کیے اور وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد جو ان کے بعد عمل کیا جاتا رہا۔

وَحَقٌّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ ان پر عذاب ثابت ہو گیا جو عذاب ان سے قبل امتوں پر ثابت ہوا تھا جو کافر ہوئے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْ، مع کے معنی میں ہے معنی ہو گا وہ کافر امتوں کے ساتھ داخل ہوں گے جو ان سے قبل ہوئیں ایسے امور میں جن میں وہ داخل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْ أُمَمٍ، فی جملۃ اُمم کے معنی میں ہے اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

إِنْ تَكُ عَنْ أَحْسَنِ الصَّنِيعَةِ مَا فُوكَا فِى آخِرِينَ قَدْ أَفَكُوا

شاعر یہ ارادہ کرتا ہے تو آخرین کے زمرہ میں ہے تو کوئی اکیلا نہیں۔ فِيْ أُمَمٍ محل نصب میں ہے عَلَيْهِمْ کی ضمیر سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حق علیہم القول کائناتین فی جملۃ اُمم۔

إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ⑤ دنیا میں اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے اور قیامت کے روز اپنی ذاتوں اور اہل میں خسارہ اٹھانے والے تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْعَوْا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُونَ ⑥

فَلَنَذِقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْوَأَ الَّذِي كَانُوا

يَعْمَلُونَ ⑦ ذَلِكَ جَزَاءُ عَادَ إِذْ آتَاهُمُ النَّارُ لَمْ يَكُنْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ⑧ جَزَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ

بِأَيْتِنَا يَجْعَلُونَ ⑨ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذِينَ أَضَلَّنَا مِنَ الْجِنِّ

وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُمَاتُحْتَ أَقْدَامَنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْآسَفِينَ ⑩

”اور کہنے لگے وہ کافر: مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم اس

طرح غالب آ جاؤ۔ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب کا مزہ اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس

(نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ، ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ

ٹھہرنے کا گھر ہے، یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے:

اے ہمارے رب ہمیں دکھا وہ دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں

روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے۔“

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالْغَوْا فِيهِ جَبَّ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي قَوْمٍ هُودٍ، قَوْمٍ صَالِحٍ اور دوسرے لوگوں کے کفر کا ذکر کیا تو قریش کے مشرکین کے بارے میں خبر دی اور یہ بتایا کہ انہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور کہا: لَا تَسْمَعُوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا تَسْمَعُوا کا معنی ہے تم اطاعت نہ کرو یہ جملہ کہا جاتا ہے: سَمِعْتُ لَكَ، یعنی میں نے تیری اطاعت کی وَالْغَوْا فِيهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو جہل نے کہا جب حضرت محمد ﷺ قرآن پڑھیں تو اس کے سامنے چیخنا چلانا شروع کر دیا کرو تا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے نہ سمجھا جاسکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قرآن نے انہیں عاجز کر دیا تھا تو اس وقت انہوں نے کہا: مجاہد نے کہا: شور مچانے، سیٹیاں بجانے اور گفتگو میں خلط ملط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لغو ہو جائے (1)۔

ضحاک نے کہا: زیادہ گفتگو کیا کرو تا کہ جو کچھ وہ کہیں وہ خلط ملط ہو جائے۔ ابو العالیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہے: اس میں عیب لگاؤ۔

لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ ممکن ہے تم محمد ﷺ کی قراءت پر غالب آ جاؤ نہ وہ لوگوں پر غالب آ یگا اور نہ وہ دلوں کو مائل کرے گا۔

یعنی بن عمر محمد ری، ابن ابی اسحاق، ابو حیوہ اور بکر بن حبیب سہمی نے اسے دالغوا پڑھا ہے یہ لغایلغو کی ایک لغت ہے۔ جماعت کی قراءت لغی یندغی مہدوی نے کہا: وَالْغَوْا فِيهِ کا معنی ہے اس کا سامنا ایسی کلام سے کرو جو سمجھ نہ آتی ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے لغوت، الغود الی لغی، یندغی۔ یہ تین لغتیں ہیں۔ لغو کا معنی سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ لغوا سے کہتے ہیں جس کی حقیقت کا علم نہ ہو۔

فَلَنذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا يَهْبِطُ فِيهِ النَّارُ ﴿٦﴾ پہلے گذر چکی ہے کہ ذوق محسوس ہوا کرتا ہے۔ عذاب شدید کا معنی یہ ہے جو پے در پے ہو منقطع نہ ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد تمام اجزاء میں عذاب ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْرَٰءَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ یعنی ہم آخرت میں ان کے ان برے اعمال کی جزا دیں گے جو عمل وہ دنیا میں کرتے رہے۔ اور اعمال میں سے سب سے برا شرک ہے۔

ذٰلِكَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ النَّارُ یعنی وہ عذاب شدید اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی جزا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت النَّار سے کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے ذلک جزاء اعداء اللہ النار دار الخلود پڑھا ہے دار کو النار سے تعبیر کیا یہی آیت کا معنی ہے ذلک مبتدا ہے اور جزاء اس کی خبر ہے النار، جزا سے بدل ہے یا مضمحل مبتدا کی خبر ہے اور جملہ پہلے جملہ کے بیان کے محل میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَذِهِ نَارُ جَهَنَّمَ خَلِقُوهَا مِن مَّاءٍ مُّسَلَّمٍ ﴿٨﴾ اسے ماضی کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا مراد مستقبل ہے مَرَاتِنًا آسَرْنَا الَّذِينَ أَصْلَنَّا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، الذین سے مراد ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا؛ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے اس قول کی تائید حدیث مرفوعہ کرتی ہے مَا مِنْ مُّسْلِمٍ



يُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كَفْلٌ مِنْ ذَنْبِهِ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (1) جو مسلمان بھی ظلم کسی کو قتل کرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے گناہ کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے قتل کیا تھا۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِينَ اسْمُ مَوْصُولٍ تَثْنِيَهُ ذَكَرَ كَرِيًا هُوَ مَرَادُ جَنْسٍ هُوَ كَيْونَكَ دُونِ جَنْسِيْنَ مُخْتَلَفٍ هِيَ۔ نَجْعَلُهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَ نَامِنَ الْأَسْفَلِيْنَ ⑤ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تا کہ ان سے شفا حاصل کریں کہ انہیں اپنے قدموں کے نیچے رکھیں الْأَسْفَلِيْنَ سے مراد ہے کہ وہ سب سے نیچے گڑھے میں ہوں۔ انہوں نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ اس کے لیے عذاب کو کئی گنا کر دے جو جن وانس میں سے ان کی گمراہی کا سبب بنا تھا۔ ابن محیسن اور سوسی نے ابو عمرو، ابن عامر، ابو بکر اور مفضل نے اسے اذنا پڑھا ہے یعنی راء ساکن ہے۔ ابو عمرو نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے باقی نے کسرہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ سورہ اعراف میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ⑥ نَحْنُ أَوْلَىٰكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ⑦ نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ⑧

”بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دینی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ مہربانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے۔“

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا عَطَايَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اس کی وجہ یہ بنی کی مشرکین نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں تو انہوں نے استقامت کا مظاہرہ نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا رب وحدہ لا شریک ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو آپ نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کی إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فرمایا: ”لوگوں نے یہ کہا پھر ان میں سے اکثر نے کفر کیا جو اس پر مر گیا تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔“ کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اس آیت کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق،

1۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، ما جاء في الدال، جلد 2، صفحہ 92

2۔ ایضاً، باب ما جاء الدال على الخير كفاعله، حدیث نمبر 2597، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ سجدہ، جلد 2، صفحہ 157

حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم سے معنی مروی ہے۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ مجھے اسلام میں ایک ایسی نصیحت کریں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں (1)۔ فرمایا: ”کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کا اظہار کر“۔ ترمذی نے اس کا اضافہ کیا ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جس چیز کے بارے میں آپ مجھ پر زیادہ خوف کھاتے ہیں وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی فرمایا: ”یہ“ (2) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ لَمْ اسْتَقَامُوا کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا۔ اسود بن بلال نے ان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: تم ان دو آیات کے بارے میں کیا کہتے ہو اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اٰیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ انہوں نے جواب دیا: انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور گناہ نہ کیے اور اپنے ایمان کو خطا کے ساتھ خلط ملط نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اسے ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو اس کا معنی نہیں ہے قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا مراد ہے وہ کسی اور الہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اٰیْمَانَهُمْ (الانعام: 82) انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے طریقہ پر قائم رہے پھر انہوں نے لومڑی کے مکر جیسے مکر نہ کیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے پھر انہوں نے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے فرائض ادا کیے۔ تابعین کے اقوال بھی اسی معنی میں ہیں۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر پر مستقیم رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا (3)۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت پر مستقیم رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ سفیان ثوری نے کہا: اس کے موافق عمل کیا۔ ربیع نے کہا: انہوں نے ماسوی اللہ سے اعراض کیا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: فانی دنیا میں زہد اختیار کیا اور باقی (آخرت) میں رغبت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے مخفی طریقہ سے استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح اقرار میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے فعل میں اسی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح قول میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے کہا: رب کعبہ کی قسم! وہ میری امت ہیں۔ امام ابن فورک نے کہا: اس میں سین، طلب کی سین ہے جس طرح استسعی میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جامع اوصاف الاسلام، جلد 1، صفحہ 48

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417

2۔ جامع الترمذی، باب ما جاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر 2334، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سوال کیا کہ وہ انہیں دین پر ثابت رکھے۔ حضرت حسن بصری جب اس آیت کو پڑھا کرتے تو کہتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما (1)۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ ان اقوال میں مفہوم باہم ملا ہوا ہے ان کی تلخیص یہ ہے عقیدہ قول اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعتدال سے کام لو اور اس پر ہمیشگی اختیار کرو۔

تَنْزِيلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ ابن زید اور مجاہد نے کہا: یہ موت کے وقت ہوگا (2)۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: جب وہ اپنی قبروں سے بعثت کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آخرت میں فرشتوں کی جانب سے ان کے لیے بشارت ہوگی۔ وکیع اور ابن زید نے کہا: بشارت تین مقامات پر ہوگی موت، قبر اور دوبارہ اٹھانے کے وقت (3)۔

أَلَّا تَخَافُوا اصل میں بالاعتقاد تھا تو حرف جار کو حذف کر دیا گیا۔ مجاہد نے کہا موت سے نہ ڈرو۔ وَلَا تَحْزَنُوا اپنی اولاد پر غم نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ان پر نائب ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: اپنے ثواب کے رد کا خوف نہ کرو کیونکہ وہ مقبول ہے، اپنے گناہوں کا غم نہ کرو کیونکہ میں انہیں تمہارے حق میں بخشنے والا ہوں۔ عکرمہ نے کہا: آنے والے وقت کا خوف نہ کرو اور اپنے گناہوں پر غمگین نہ ہو۔

نَحْنُ أَوْلَىٰكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ یہ بات انہیں فرشتے کہیں گے جو بشارت لے کر ان پر نازل ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جب قیامت کا دن ہوگا تو کہیں گے: ہم تم سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تمہیں جنت میں داخل کر دیں۔ سدی نے کہا: ہم دنیا میں تمہارے اعمال کے محافظ تھے اور آخرت میں تمہارے دوست ہوں گے (4)۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہو کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی اور مولیٰ ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ أَنْفُسُكُمْ یعنی لذت والی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٥﴾ جو تم سوال کرتے ہو اور جس کی تم تمنا کرتے ہو نُزُلًا سے مراد رزق اور ضیافت ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے انزلناہ نزلا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نازل کی جمع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لکم ماتدعون نازلین، تَدْعُونَ میں جو ضمیر مرفوع ہے اس سے حال ہے یا لکم میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعِلَّ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٦﴾ وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ إِذْ قُمَ بِالَّذِينَ هِيَ أَحْسَنُ فَأَذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٧﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُوحَظٍ عَظِيمٌ ﴿٨﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ

## إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ③

”اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس نیکی سے کرو جو بہتر ہے ناگہاں وہ شخص تیرے اور اس کے درمیان میں عداوت یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان خصائل حمیدہ کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور اے سننے والے! اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ، یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا جَنُوبًا لِّمَنِ الْقَوْلُ فِي شَرِّ مَا بَدَأَ يُذَكِّرُ ④  
انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے معنی ہے قرآن سے بہتر کون سا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے والے سے بہتر قول میں کون اچھا ہو سکتا ہے؟ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ ابن سیرین، سدی، ابن زید اور حسن بصری نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے (1)۔ حضرت حسن بصری جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ حبیب اللہ ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور لوگوں کو ایسے امر کی طرف دعوت دی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔  
حضرت عائشہ صدیقہ، عکرمہ، قیس بن ابی حاتم اور مجاہد نے کہا: یہ آیت موزنوں کے حق میں نازل ہوئی۔ فضیل بن رفیرہ نے کہا: میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب کا موزن تھا مجھے عاصم بن ہبیرہ نے کہا: جب تو آذان کہے اور تو کہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، تو کہہ میں مسلمانوں میں سے ہوں پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ابن عربی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آذان مدنی ہے آذان آیت میں معنی کے اعتبار سے داخل ہو جائے گی نہ یہ کہ یہ قول کے وقت مقصود تھی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوں گے جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس وقت کہا جب ملعون لوگوں نے آپ ﷺ کے گلے کو دبایا: اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ (غافر: 28) یہ آیت ان تمام کلاموں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جن میں توحید اور ایمان کا ذکر ہو۔

میں کہتا ہوں: تیسرا قول ہے یہ سب سے اچھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت ہر اس آدمی میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی (2)۔ قیس بن ابی حاتم نے یہی کہا ہے کہا: یہ ہر مومن کے بارے میں نازل ہوئی وَعَمِلَ صَالِحًا کا معنی ہے آذان اور اقامت کے درمیان نماز۔ ابو امامہ نے کہا: آپ نے آذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ عکرمہ نے کہا: وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد ہے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ کلبی نے کہا: فرائض ادا کیے (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے اچھی تعبیر ہے جبکہ وہ محارم سے اجتناب اور مستحب امور کو کثرت سے بجالائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر



جانتا ہے وَقَالَ اِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ابن عربی نے کہا: جو بحث پہلے گزر چکی ہے (1) وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں اسلام مراد ہے لیکن جب قول اور تلوار کے ساتھ دعوت اعتقاد اور غلبہ کے لیے ہوتی ہے اور عمل ریاء اور اخلاص کے لیے ہو سکتا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وضاحت ضروری ہے ان سب میں اعتقاد اللہ کے لیے ہے اور عمل اس کی رضا کی خاطر ہے۔

مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ** ۛ اسے یہ نہیں فرمایا کہ کہے: ان شاء اللہ۔ اس میں اس آدمی کا رد ہے جو یہ کہتا ہے: أنا مسلم ان شاء اللہ۔

**وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ** فراء نے کہا : لازائدہ ہے کلام یوں ہے ولا تستوی الحسنۃ والسیئۃ اور یہ شعر پڑھا :

ما كان يَرْضَى رسولُ الله فَعَلَهُمْ والطَّيِّبانِ أبو بكرٍ ولا عمرُ

رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر دونوں پاکیزہ ہستیاں ان کے عمل پر راضی نہ تھے۔ شعر میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا ارادہ کیا یعنی توحید جس پر آپ ہیں اور شرک جس پر مشرک ہیں برابر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنة لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے اور سیدہ شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنة سے مراد طاعت ہے اور سیدہ سے مراد شرک ہے بعینہ یہ پہلا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنة سے مراد عفو و درگزر ہے اور سیدہ سے مراد انتقام ہے۔ ضحاک نے کہا: حسنة سے مراد علم ہے اور سیدہ سے مراد فحش ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حسنة سے مراد آل رسول سے محبت ہے اور سیدہ سے مراد ان سے بغض ہے (2)۔

اِذْفَعُ بِالْأَيْتِي هِيَ اَحْسَنُ آیت سیف کی وجہ سے یہ منسوخ ہے اور اس میں سے مستحب باقی ہے وہ حسن معاشرت، برداشت کرنا اور چشم پوشی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آدمی تیرے ساتھ جہل سازی کرتا ہے اپنے حلم کے ساتھ اس کے جہل کو دور کرے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: مراد ایسا آدمی ہے جو دوسرے کو گالی دیتا ہے دوسرا کہتا ہے: اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے، اسی طرح ایک اثر مروی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات ایک ایسے آدمی سے کہی جس سے آپ نے اس قسم کی اذیت پائی تھی۔

مجاہد نے کہا: بِالنَّيِّ هِيَ أَحْسَنُ سے مراد یہ ہے سلام کہنا جب وہ اپنے دشمن سے ملے؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک تیسرا قول ہے جو قاضی ابوبکر بن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے (3) جو مصافحہ ہے ایک اثر میں ہے تصافحوا ینذهب الغل (4) باہم مصافحہ کیا کرو کیونہ جاتا رہتا ہے۔ امام مالک مصافحہ کی رائے نہ رکھتے تھے آپ کی سفیان کے ساتھ ملاقات ہوئی اور مصافحہ کے بارے میں گفتگو کی۔ سفیان نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر طیار سے اس وقت مصافحہ کیا تھا جب آپ حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ حکم خاص ہے۔ سفیان نے ان سے کہا: جو چیز رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہے وہ ہمارے لیے بھی خاص ہے جو آپ کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے، مصافحہ ثابت ہے اس

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

1۔ احکام القرآن لابن العمری، جلد 4، صفحہ 1662

4- مؤطا امام مالك، كتاب الجامع، ما جاء في الهجرة، ص 7-708

3- احكام القرآن لابن العربي، جلد 4، صفحہ 1663

کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

قادر نے روایت کی ہے کہا میں نے حضرت انس سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں مصافحہ کا معمول تھا (1)؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایک اثر ہے: محبت کا کمال ہاتھ پکڑنا ہے۔ محمد بن اسحاق (جو امام مقدم ہے) زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھے جبکہ جسم پر پورا لباس نہ تھا اللہ کی قسم! میں نے اس سے قبل اور اس کے بعد آپ کو بے لباس نہ دیکھا رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ معافقہ کیا اور اسے بوسہ دیا (2)۔

میں کہتا ہوں: امام مالک سے مصافحہ کا جواز مروی ہے یہی علماء کی جماعت کا نقطہ نظر ہے۔ سورہ یوسف میں یہ بحث گذر چکی ہے وہاں ہم نے حضرت براء کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے وجہ دونوں میں محبت اور خلوص ہوا کرتی ہے تو ان کے گناہ ان دونوں کے درمیان گرا دیے جاتے ہیں“ (3)۔

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی قریبی دوست۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچایا کرتا پہلے وہ دشمن تھا بعد میں رشتہ مصاہرت کی وجہ سے دوست بن گیا پھر وہ اسلام لے آیا۔ اسلام میں ولی اور قرابت میں حمیم بن گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو اس پر صبر اور درگزر کا حکم دیا: یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (4)۔ پہلا قول ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے حکم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غضب کے وقت صبر، جہل کے وقت حلم، زیادتی کے وقت عفو کا حکم دیا جب لوگ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اس کے دشمن کو زیر کر دیتا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی شیر خدا کے غلام قنبر کو گالی دی حضرت علی شیر خدا نے اپنے غلام کو آواز دی: اے قنبر! اپنے گالی دینے والے کو چھوڑ دو، اس سے بے نیاز ہو جا رہا تجھ سے راضی ہوگا شیطان ناراض ہوگا اور تو اپنے گالی دینے والے کو مزادے گا احمق کو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں کہ اس کو جواب نہ دیا جائے انہوں نے یہ اشعار ذکر کیے:

وَلَنَكْفُ عَنْ شَتْمِ النَّصِيمِ تَكْرُمًا أَهْزَلَهُ مِنْ شَتِيهِ حِينَ يُشْتَمُّ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ما جامع فی المصافحہ، جلد 2، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاستیذان، ما جامع فی المصافحہ، جلد 2، صفحہ 97-98

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المصافحہ، جلد 2، صفحہ 352

شرافت کی بنا پر کمینے آدمی کو گالی پر جواب نہ دینا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے نسبت اس کے کہ گالی کے وقت اسے گالی دی جائے۔

ایک اور نے کہا:

وَمَا شَيْءٌ أَحَبُّ إِلَى سَفِيهِ إِذَا سَبَّ الْكَرِيمَ مِنَ الْجَوَابِ  
مُتَارَكَةٌ السَّفِيهِ بَلَا جَوَابٍ أَشَدُّ عَلَى السَّفِيهِ مِنَ السَّبَابِ  
بے وقوف کے لیے جو سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں جب وہ جو کریم کو گالی دے۔ جواب کے بغیر سَفِيہ کو چھوڑ دینا سَفِيہ  
بے وقوف کے لیے گالی دینے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

محمود وراق نے کہا:

سَأَلِمْ نَفْسِي الشَّفْعَ عَنْ كُلِّ مَذْنِبٍ وَإِنْ كَثُرَتْ مِنْهُ لَدُنِّي الْجَرَائِمُ  
میں ہر گناہگار سے درگزر کرنا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں اگرچہ اس کے جرائم میرے ہاں بہت زیادہ ہو جائیں۔  
فَمَا النَّاسُ إِلَّا وَاحِدٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ شَرِيفٌ وَمَشْرُوفٌ وَمِثْلٌ مُقَادِمٌ  
فَأَمَّا الَّذِي فَوْقَ فَأَعْرِفُ قَدْرَهُ وَأَتَّبِعُ فِيهِ الْحَقَّ وَالْحَقُّ لَازِمٌ  
لوگ تینوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے شریف، کمینہ اور مد مقابل جو مجھ سے بلند مرتبہ ہے میں اس کی قدر و منزلت کو  
پہچانتا ہوں اور میں اس کے بارے میں حق کی اتباع کرتا ہوں اور حق لازم ہے۔

وَأَمَّا الَّذِي دُونِي فَإِنْ قَالَ صُنْتُ عَنْ إِجَابَتِهِ عِرْضِي وَإِنْ لَأَمَ لَأَيْتُمُ  
جو مجھ سے مرتبہ میں کم ہے اگر وہ کچھ بات کرے تو میں اپنی عزت کو اس کا جواب دینے سے محفوظ رکھتا ہوں اگرچہ ملامت  
کرنے والا ملامت کرے۔

وَأَمَّا الَّذِي مِثْلِي فَإِنْ زَلَّ أَوْهَفَا تَفَضَّلْتُ إِنْ الْفَضْلَ بِالْحِلْمِ حَاكِمٌ  
جو مرتبہ میں میری مثل ہے اگر وہ لغزش کرے تو میں بڑائی کا اظہار کروں بے شک فضیلت کا فیصلہ حلم کے ساتھ ہی ہونے  
والا ہوتا ہے۔

وَمَا يُكَلِّفُهَا هَاضِمٌ مِمَّنْ مَعَزَزَ فَعَلَ أَوْ عَلَى خَصْلَتٍ هِيَ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَاجْتَنَبُوا جَوَاحِشَ لِي كَرَّ أَوْ رَازِيَةً بَرْدَاشَتِ كَرَّ صَبْرٍ  
کرتے ہیں وَمَا يُكَلِّفُهَا إِلَّا دُؤُوحًا عَظِيمًا ⑤ عَظِيمٌ سے مراد بھلائی میں سے وافر حصہ ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول  
ہے (1): قتادہ اور مجاہد نے کہا: حَظٌّ عَظِيمٌ سے مراد جنت ہے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حظ جنت کے بغیر کبھی بھی عظیم  
نہیں ہوتا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُكَلِّفُهَا میں ضمیر سے مراد جنت ہے یعنی جنت صرف صابر لوگ ہی پاتے ہیں۔ معنی  
قریب قریب ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٥٠﴾ فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَوْنَ ﴿٥١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُخِي الْمَوْتِ ۚ إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٢﴾

”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی مت سجدہ کرو سورج اور چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ تکبر کرتے رہیں تو ان کی قسمت پس وہ فرشتے جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ کسی وقت خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں ان پر بارش کا پانی تو جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے، بے شک وہ قادر مطلق ہے جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کا بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

آیتوں سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یہ بحث کنی مواقع پر گذر چکی ہے۔ پھر ان دونوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا اگرچہ یہ دونوں عظیم مخلوق ہیں لیکن ان میں یہ فضیلت ان کی حالت کی وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ عبادت کے مستحق بن جائیں کیونکہ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو نیست و نابود کر دے یا ان کے نور کو ختم کر دے۔

وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے انہیں صورت عطا کی اور انہیں مسخر کیا ضمیر سورج، چاند، رات اور دن کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خاص کر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ تثنیہ بھی جمع ہوا کرتا ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر آیات کے معنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ضمیر کو مونث ذکر کیا ہے جمع مذکر ہونے کی بنا پر اس میں مذکر و مونث کے اعتبار سے تغلیب کا قاعدہ جاری نہیں کیا کیونکہ یہ ایسے اسماء ہیں جو ذوالعقول ہیں۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا یعنی کفار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ اسم موصول سے مراد ملائکہ ہیں يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَوْنَ ﴿٥١﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں اکتاتے۔ زبیر نے کہا: سَنَنْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعْشُ شَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَالَكَ يَسَامٍ میں زندگی کے امور سے اکتا گیا اور جو آدمی اسی سال کا ہو جائے۔ تیرا باپ نہ رہے۔ وہ اکتا جاتا ہے۔

**مسئلہ:** یہ آیت بلا اختلاف آیہ سجدہ ہے سجود کے محل کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کا



محلِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاكَ تَعْبُدُونَ ﴿٢٠﴾ ہے کیونکہ یہ امر کے ساتھ متصل ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء  
تَعْبُدُونَ پر سجدہ کرتے تھے۔ ابن وہب اور امام شافعی نے کہا: اس کا محل وَهُمْ لَا يَسْتَوُونَ ہے کیونکہ یہی کلام کا تمہ، عبادت  
اور اطاعت کی غایت ہے امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما: يَسْتَوُونَ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔  
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں میں سے آخری پر سجدہ کرو۔ مسروق، ابو عبد الرحمن سلمی، ابراہیم نخعی، ابوصالح، یحییٰ بن  
وثاب، طلحہ، زبید یمانی، حسن بصری اور ابن سیرین سے اسی طرح مروی ہے۔ ابو داؤد، قتادہ اور بکر بن عبد اللہ يَسْتَوُونَ پر سجدہ  
کیا کرتے تھے (1)۔ ابن عربی نے کہا: امر قریب ہے (2)۔

**مسئلہ:** ابن خويز منداد نے ذکر کیا ہے یہ آیت چاند گرہن اور سورج گرہن والی نماز کو متضمن ہے کیونکہ عرب کہا کرتے تھے: سورج اور چاند کو گرہن عظیم آدمی کی وفات سے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ کسوف پڑھی ہے۔

میں کہتا ہوں: صلاۃ کسوف صحاح بخاری و مسلم وغیرہما میں ثابت ہے اس نماز کی کیفیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کیونکہ آثار مختلف ہیں صحیح مسلم میں جو کچھ ہے وہ تیرے لیے کافی ہے اس باب میں وہی بہترین ہے، اللہ تعالیٰ صحیح کی توفیق دینے والا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْتَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً ۖ فَخَسَّوْا أَعْيُنَكُمْ عَنْهَا وَإِذَا يُرَادُ السَّمَاءُ كُفِّرَتْ سَحَابًا مِثْلَ الْبُقْعَةِ الْمَصْنُوعَةِ ۚ فَاذْكُرُوا الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

رمادُ كُكْخِلِ الْعَيْنِ لَا يَأْخُذُ أَبِينَهُ وَتُؤَيِّ كَجِذْمِ الْحَوْضِ أَثْلَمُ خَاشِعٌ  
الْأَرْضُ خَاشِعَةٌ سے مراد ایسی مٹی ہے جو فصل نہ اگائے بلکہ خاشعۃ سے مراد ایسی زمین ہے جس کی کوئی منزل نہ ہو اسی  
طرح مکان خاشع ہے۔

فَإِذَا أَنْزَلْنَاهَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَغُلَّتْ (3)، یہ مجاہد کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے:  
 اهتزاز انسان یعنی انسان نے حرکت کی اسی معنی میں یہ قول ہے:

تراہِ گَنْصَلِ السِّیْفِ یَهْتَزُّ لِّلْیَدِی ۖ تو اسے دیکھے گا کہ وہ تلوار کے پھل کی طرح سخاوت کے لیے جھومتا ہے۔  
وَرَبَّتْ وہ پھول جاتی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے یعنی اپنی موت کے بعد نباتات سے اوپر کو اٹھ آتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر  
کلام میں تقدیم و تاخیر ہے ربت و اهتزاز، اهتزاز اور ربو بعض اوقات زمین سے نکلنے سے پہلے ہوتا ہے اور بعض اوقات سطح  
زمین کی طرف نکلنے کے بعد ہوتا ہے اس کے ربو سے مراد اس کا بلند ہونا ہے بلند جگہ کو ربوۃ اور راہیۃ کہتے ہیں نبات ظاہر  
ہونے کے لیے حرکت کرتی ہے پھر طولاً اور عرضاً اس کا جسم بڑا ہو جاتا ہے۔ ابو جعفر اور خالد نے دربات پڑھا ہے اس کا معنی  
عظیم الجثہ ہونا ہے، یہ رہینۃ سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بارش سے خوش ہوئی اور نبات سے پھول گئی زمین جب

1- تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 419      2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 184      3- احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1664

نبات سے پھنتی ہے تو شک کے ساتھ اس کی صفت بیان کی جاتی ہے اس کی صفت استبشار سے لگانا بھی جائز ہے کہ رہو اور  
 امتیاز ایک ہی چیز ہے یہ نبات کے نکلنے کی حالت ہے۔ سورہ حج میں یہ معنی گذر چکا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۚ أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ  
 يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ  
 كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ  
 يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۚ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ  
 لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ ۚ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝

”بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو  
 کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئینا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم  
 وہ کرو جو تمہاری مرضی، یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خود دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو  
 ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا تو (وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بے شک وہ بڑی عزت  
 (حرمت) والی کتاب ہے اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اتری  
 ہوئی ہے بڑے حکمت والے سب خوبیاں سرائے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر  
 وہی جو کچھ کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بے شک آپ کا پروردگار اہل ایمان کے لیے بہت بخشنے والا  
 اور (مکرمین کے لیے) دردناک عذاب دینے والا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا یعنی ہمارے دلائل میں حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ایک طرف جھکنا اور صراط  
 مستقیم کو چھوڑنا ہے اسی سے قبر میں لحد ہے کیونکہ اسے قبر سے ایک طرف بنایا گیا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: الحد فی دین اللہ یعنی  
 اس سے ایک طرف ہو گیا لحد اس میں ایک لغت ہے یہ کلام بھی انہیں کے متعلق ہے جنہوں نے کہا: لَا تَسْمَعُوا لَهُذَا الْقُرْآنِ  
 وَالْعَوَافِيہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیات میں الحاد کیا اور حق سے ایک طرف جھک گئے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی  
 جانب سے نہیں ہے وہ شعر ہے یا جادو ہے۔ آیات سے مراد قرآن کی آیات ہیں۔ مجاہد نے کہا: يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا سے مراد  
 ہے وہ قرآن کی تلاوت کے موقع پر شور کرنے، لغو اور غناء کرنے کے ساتھ الحاد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی کلام کو تبدیل کرنا اور بے موقع اسے رکھنا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ ہماری  
 آیات میں جھوٹ بولتے ہیں (1)۔ سدی نے کہا: وہ دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ شرک کرتے ہیں اور  
 جھوٹ بولتے ہیں، سب معنی قریب قریب ہیں۔

مقاتل نے کہا: یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات سے مراد معجزات ہیں، یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے کیونکہ قرآن حکیم معجز ہے۔

أَفَمَنْ يُتْلَىٰ فِي النَّارِ کہا: وہ جسے منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کے نزدیک وہ ابو جہل ہے حَیْرٌ أَمْ مِّنْ يَأْتِيهِمْ أَمْنًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنْ يَأْتِي سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مومنین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے جسے آگ میں پھینکا جائے گا اس سے مراد کافر ہے جو قیامت کے روز امن سے آئے گا وہ مومن ہے۔ یہ ابن بحر کا قول ہے (1)۔

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ جاننے کے بعد کہ وہ برابر نہیں ہو سکتے تو تمہارے لیے جزاء لازمی ہے اِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑤ یہ تہدید کے ساتھ وعید اور وعدہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ كُنْ لَّهٗمْ تَجَآءُزٌ كُلُّهُمْ تمام کے اقوال میں یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں احکام ہیں جن کی انہیں ضرورت ہے خبر مخدوف ہے تقدیر کلام ہالکون او معذبون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خبر اولیٰک یُنَادُوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ⑥ درمیان میں مَا يُقَالُ لَكَ جملہ معترضہ ہے پھر ذکر کی طرف کلام کو لوٹا یا اور فرمایا وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبًا پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ یُنَادُوْنَ پہلا قول پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: نحو یوں کے نزدیک سب اقوال درست ہیں جنکا میں علم رکھتا ہوں۔ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ⑦ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے ایک قول یہ مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عزیز کا معنی کریم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غالب کیا ہے باطل اس میں راہ نہیں پاسکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کی عظمت شان کا اظہار کیا جائے اور اس میں کوئی لغو عمل نہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اس چیز سے محفوظ ہے کہ شیطان اس میں تبدیلی کرے: یہ سدی کا قول ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: یہ شیطان اور باطل سے محفوظ ہے۔ سدی نے کہا: یہ غیر مخلوق ہے اس کی کوئی مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عزیز کا معنی ہے اس سے ممتنع ہے کہ لوگ اس قسم کی کلام کریں (3)۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ جو اس سے قبل نازل ہوا وہ اس کی تکذیب نہیں کرتا اور نہ اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہوگی جو اسے باطل اور منسوخ کر دے: یہ کلبی کا قول ہے۔ سدی اور قتادہ نے کہا: اس کے پاس شیطان نہیں آتا وہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں تبدیلی کرے نہ اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کمی کر سکتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس میں تکذیب داخل نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج نے کہا: اس میں باطل نہیں آ سکتا جو ان چیزوں میں

جن کی زمانہ گزشتہ کے اعتبار سے خبر دی اور نہ ہی اس میں جن کی زمانہ آئندہ کے اعتبار سے خبر دی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: **مَنْ بَدَّلَ يَدَيْهِ** سے مراد اللہ تعالیٰ اور **مَنْ خَلَفَهُ** سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور حضرت محمد ﷺ ہیں **تَنْزِيلُ مَنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ** ⑤ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی مخلوق میں حکیم اور محمود ہے۔ قتادہ نے کہا اپنے امر میں حکیم اور اپنی مخلوق میں محمود ہے (2)۔

**مَا يُقَالُ لَكَ اذِيتَ** اور تکذیب میں سے جو بات کی جاتی ہے **اِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرَّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ** اس میں اپنے نبی کو تسلی دینا مقصود ہے **اِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ** ⑥ تجھے اور تیرے صحابہ کو بخشنے والا ہے **ذُو عِقَابٍ اِلَيْهِمْ** ⑦ تیرے دشمنوں کے لیے دردناک عذاب دینے والا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو جو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **وَلَقَدْ اَوْحٰى اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ** (الزمر: 65) یعنی آپ انہیں دعوت نہ دیں مگر اسی کی طرف جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں اس لیے وہ آپ کا انکار کرتے ہیں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استفہام ہے تقدیر کلام ہے: ای شیئ یقال لك الا ما قيل للرسول من قبلك۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اِنَّ رَبَّكَ نَبِيٌّ** کلام ہے اس سے قبل کلام مکمل ہے جب خبر مضمحل ہو، ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام **مَا يُقَالُ لَكَ** کے ساتھ متصل ہے **اِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ** ⑥ **وَذُو عِقَابٍ اِلَيْهِمْ** ⑦ یعنی آپ ﷺ کو انداز اور تبشیر کا حکم دیا گیا ہے۔

**وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا اَعْجَبِيَّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهُ ؕ اَعَجَبِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْهُدٰى وَشَفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَقُرْ ؕ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمٰى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادُوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝۱**

”اور بالفرض ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں کیا (اچھا ہے) کتاب عجمی اور نبی عربی۔ آپ فرمائیے: یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر ہر حال میں مشتہر رہتا ہے، انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** **وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا اَعْجَبِيًّا** یعنی یہ عربی لغت میں نہ ہوتا **لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهُ** یعنی اس کی آیات ہماری زبان میں کیوں نہ بیان کی گئیں کیونکہ ہم عرب ہیں ہم عجمی زبان کو تو نہیں سمجھتے تو یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اعجاز کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے کیونکہ نظم و نثر کے اعتبار سے وہ کلام کی اقسام کو خوب جانتے تھے۔ جب وہ اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے تو یہ سب سے قوی دلیل بن گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اگر یہ عجمی



زبان میں ہوتا تو کہتے ہمیں اس زبان کا علم نہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جب یہ بات ثابت ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ قرآن عربی ہے اور یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے یہ عجمی زبان میں نازل نہیں ہوا اور جب اسے کسی اور زبان میں نقل کیا جائے گا وہ قرآن نہ ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** عَزَّ أَجَبٌ وَعَزَّ ابُو بَكْرٍ، حمزہ، کسائی نے اسے اعجمی و عربی دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ عجمی اسے کہتے ہیں جو عربی نہ ہو خواہ فصیح ہو یا نہ ہو عجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہیں ہوتا وہ عربی ہو یا عجمی ہو۔ اعجم، فصیح کی ضد ہے وہ وہ ہوتا ہے جو اپنے کلام کی وضاحت نہیں کر سکتا حیوان جو غیر ناطق ہے اسے اعجم کہتے ہیں اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: صَلَاةُ النَّهَارِ عَجَسَاءُ اس میں قراءت بلند آواز سے نہیں کی جاتی۔ اعجم کی طرف نسبت زیادہ موکد ہے کیونکہ عجمی کی طرف نسبت بیان میں زیادہ موکد ہے معنی ہوگا کیا قرآن عجمی اور نبی عربی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ حضرت حسن بصری، ابوالعالیہ، نصر بن عاصم، مغیرہ اور ہشام نے ابن عامر سے اعجمی ایک حمزہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا اس کی آیات کو کیوں بیان نہیں کیا گیا ان میں سے کوئی عربی تھا تو وہ عربی سمجھ لیتا اور کوئی عجمی تھا تو وہ عجمی سمجھ لیتا۔

سعید بن جبیر نے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے کہا: قرآن عجمی اور عربی کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات عجمی ہوتیں اور بعض عربی ہوتیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی قرآن حکیم میں ہر لغت سے کچھ نہ کچھ نازل کیا گیا ہے ان میں سچیل بھی ہے یہ فارسی ہے اس کی اصل سنگ گل ہے یعنی مٹی اور پتھر۔ اسی سے ایک لفظ فردوس ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے اسی طرح قسطاس ہے۔ اہل حجاز، ابو عمرو، ابن ذکوان اور حفص نے استفہام کے انداز میں پڑھا ہے مگر انہوں نے اپنے اصول کے مطابق حمزہ کو لین کر کے پڑھا ہے صحیح قراءت استفہام کی قراءت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَشَفَّاءُ اللَّهِ تَعَالَى نے یہ بتایا کہ قرآن شک، ریب اور درد سے ہدایت اور شفا ہے ہر اس آدمی کے لیے جو اس پر ایمان لایا۔

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْءَانِهِمْ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَشَفَّاءُ اللَّهِ تَعَالَى نے یہ بتایا کہ قرآن شک، ریب اور درد سے ہدایت اور شفا ہے ہر اس آدمی کے لیے جو اس پر ایمان لایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ اور سلیمان بن قتہ نے اسے دھو علیہم عیم میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کے لیے وہ واضح نہیں ابو عبید نے پہلی قراءت کو پسند کیا کیونکہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ پہلا قول ہے: هُدًى وَشَفَّاءُ اگر یہ ہاد اور شاف ہوتا تو عی میں کسرہ عمدہ ہوتا تا کہ یہ نعت ہوتا تقدیر کلام یہ بنتی ہے جو ایمان نہیں رکھتے قبول کو ترک کرنے میں ان کے قائم مقام ہیں جن کے کانوں میں نقل ہے اور قرآن ان پر عسی والا ہے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَقُرْءَانِهِ ان پر عسی ہے۔

أُولَئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۖ يَهْتَفُونَ بِهٖ هَٰذَا هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَشَفَّاءُ اللَّهِ تَعَالَى نے حکایت

بیان کی ہے کہ جو آدمی سمجھتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تسمع من قریب اور جو نہیں سمجھتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تنادی من بعید گویا اسے دور سے ندا دی جاتی ہے تو وہ آواز کو نہیں سنتا اور اسے نہیں سمجھتا۔ ضحاک نے کہا: قیامت کے روز انہیں قبیح ترین نام سے بلایا جائے گا مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ یہ ان کے لیے شدید ترین ہوگا مقصد انہیں شرمندہ کرنا اور ذلیل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے قرآن میں تدبر نہیں کیا تو وہ اُٹھی اور اصم کی طرح ہوگا تو اسے دور کے مکان سے ندا کی جاتی ہے بلانے والے کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تو وہ نہیں سنتا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور مجاہد نے کہا: وہ ان کے دلوں سے دور ہے (1)۔ تفسیر میں ہے گویا انہیں آسمان سے ندا کی جاتی ہے تو وہ اسے نہیں سنتے؛ نقاش نے یہ معنی بیان کیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝۳۱ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۖ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝۳۲

”اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات طے نہ ہوئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور بے شک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

الْكِتَابَ سے مراد تورات ہے فَاخْتَلَفَ فِيهِ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا۔ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی آپ کی قوم جو آپ کی کتاب میں اختلاف کرتی ہے وہ آپ کو غمگین نہ کرے جو آپ سے قبل انبیاء ہو گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ یعنی انہیں مہلت دینے کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے عذاب کے جلدی آنے کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ وہ قرآن کے بارے میں سخت شک میں مبتلا ہیں۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کلبی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے عذاب کو قیامت تک موخر نہ کرتا تو انہیں عذاب آچکا ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے ساتھ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عذاب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی صلیبوں سے مومن نکلنے والے تھے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ یہ کلام شرط اور جواب ہے، اسی طرح یہ کلام ہے وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا منہ تعالیٰ نہ اس کی اطاعت سے مستغنی ہے پس جو اطاعت کرے اس کے لیے ثواب ہے اور جو برائی کرے عقاب اسی پر ہوگا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے تھوڑے اور زیادہ ظلم سے نفی کی۔ جب مبالغہ کی نفی ہوئی تو غیر کی بھی نفی ہو گئی اس کی

دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا** (یونس: 44) عادل ثقہ، ائمہ ثبات نے زاہد عادل سے امین ارض سے وہ امین السماء سے وہ رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا تم باہم ظلم نہ کیا کرو نیز وہ حکیم و مالک ہے مالک اپنی مملوکہ چیز میں جو تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ شَرَاتٍ مِّنْ أَكْبَامِهَا وَمَا تَحِصِلُ مِنْ أَثَرِ

وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ آيُنْ شُرَكَائِي ۚ قَالُوا اذْنُكَ ۚ مَا مِنَّا مِنْ

شَهِيدٌ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنَّوْا أَنَّهُمْ مِنْ مَّحْصِينَ ۝۴۸

”اسی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر، اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا، اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔“

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی کب وہ قائم ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: اے محمد! اگر تو نبی ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ زَائِدَةٍ ہے، مراد ہے جو اس کا پھل نکلتا ہے قِنْ أَكْمَامِهَا اپنے برتنوں سے۔ اکمام پھلوں کے برتن ہوتے ہیں اس کی واحد کمة ہے یہ مال اور دوسری چیزوں کا برتن ہوتا ہے اسی وجہ سے گاہے کے چھلکے کو کمة کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کمة، کفتری اس وقت ہوتا ہے جو ابھی پھٹنا نہ ہو جب وہ پھٹ جائے تو وہ کمة نہیں ہوتا۔ سورۃ الرحمن میں اس کی مزید وضاحت آئیگی۔ نافع، ابن عامر اور حفص نے جمع کا صیغہ مِنْ ثَمَرَاتٍ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ پڑھا ہے مراد جمع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا تَخْضَلُ مِنْ أُنْثَىٰ یہاں بھی جمع مراد ہے فرماتا ہے: قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس طرح پھلوں اور بچوں کے جننے کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ مُشْرِكِينَ كُفَرًا كَرِهَ اللَّهُ لِعِبَادِهِ سُوءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
 اے ہیں اور سفارش کریں گے وہ کہاں ہیں؟ قَالُوا اتُّوُّا نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی احتمال  
 ہے کہ مراد عابد اور معبود سب ہیں اِنَّكَ ہم نے تجھے سنایا اور تجھے آگاہ کیا کہا جاتا ہے اذن يؤذن جب وہ آگاہ کرے، کہا:  
 اَذْنَتْنَا بِبَنِيهَا اَسْمَاءُ اسماء نے اپنے بیٹوں کے بارے میں ہمیں آگاہ کیا۔

مَا مَنَّا مِنْ شَهِيدٍ ۝ ہم تجھے آگاہ کرتے ہیں ہمارے پاس کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کی گواہی دے کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ جب انہوں نے قیامت کو دیکھا تو انہوں نے بتوں سے براءت کا اظہار کیا اور بتوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا، جس طرح یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ دُنْيَا فِي جَنِّ كِيَا كَرْتِي تَحْتِي وَه سَب اِن سِي كَم هُو جَا كِي س كِي اور اُنِي سِي قِي سِي هُو جَا كِي كَا كِي آ كِي سِي فَرَار كِي كُو كِي صُورَت نِي سِي يِهَا مَاحَرَف هِي اَسْم نِي سِي اِس وَجِه سِي ظَن نِي سِي اِس مِي سِي عَمَل نِي سِي كِيَا اور فَعْل كُو مَلْعَا كَر دِيَا هِي تَقْدِير كَلَام يِه هُو كِي وَظَنُوا اَنَّهُم مَالِهِم مِّن مَّحِيصٍ وَلَا مَهْرَبَ يِه جَمْلَه كِيَا جَا تَا هِي حَاص، يَحِيص حِيصَا وَ مَحِيصَا جَب وَه بَهَا كِي جَا كِي۔

اِيك قول يِه كِيَا كِيَا هِي كِي يِهَا ظَن، غَالِب رَا كِي كِي مَعْنِي مِي سِي اسْتِعْمَال هُو تَا هِي اِس مِي سِي اُنِي سِي كُو كِي شَك نِي سِي كِي وَه جَهَنْمِي هِي لِيَكِن وَه يِه طَمَع كَرْتِي هِي كِي اِس سِي نَظَل جَا كِي سِي كِي، يِه كُو كِي بَعِيد نِي سِي كِي اِن كَا ظَن اور رَجَا اِن كِي مَایُوس هُو نِي سِي تَك رِهِي۔

لَا يَسْتُمُّ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۚ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَسْتَوْسِقُنَّ ۖ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرِّ آءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِيُ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْخُسْرَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا عَذَابًا ۚ وَ لَنُذِيقَهُنَّ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۖ وَإِذَا آنَعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأٰ بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۖ

”نِي سِي اَكْتَا تَا اِنْسَان بَهْلَا كِي كِي دَعَا كَرْنِي سِي اور اَكْرَا سِي كُو كِي تَكْلِيْف پِي نَبِيْحِي هِي تُو بَا لَكُل مَایُوس اور نَا اَمِيد هُو جَا تَا هِي۔ اور اَكْرَا كَر هَم چَكْھَا كِي سِي اِس رَحْمَت اِنِي جَانِب سِي اِس تَكْلِيْف كِي بَعْد جُو اِس پِي نَبِيْحِي هِي تُو كِهْتَا هِي: مِي اِس كَا سَتَحَقُّ هُو س اور مِي نِي سِي خِيَال كَر تَا كِي قِيَامَت بَر پَا هُو كِي اور اَكْرَا مِي لُو نَا يَا كِيَا اِنِي رُب كِي طَرَف تُو يَقِيْنَا مِيرِي لِي سِي اِس كِي پَاس بِي اَكْرَام هِي اَكْرَام هُو كَا (يِه اَحَقُّ كِيَا سُو ج رِهِي هِي) هَم تُو آ كَا ه كَرِي سِي كِي كَا فُرُو س كُو جُو كَر تُو ت اِنهُو س نِي كِي اور هَم ضَرُور چَكْھَا كِي سِي كِي اُنِي سِي سَخْت عَذَاب۔ اور جَب هَم اِحْسَان فَرَمَاتِي هِي اِنْسَان پَر تُو وَه (تَكْبَر سِي) مَنَه پِي هِير لِي تَا هِي اور پِي هُو تِي كَر نِي لَكْتَا هِي اور جَب اِس تَكْلِيْف پِي نَبِيْحِي هِي تُو لِي سِي چُوڑِي دَعَا كِي سِي كَر نِي لَكْتَا هِي۔“

لَا يَسْتُمُّ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ بَهْلَا كِي كِي دَعَا كَرْنِي سِي نِي سِي اَكْتَا تَا۔ يِهَا خِيَر سِي مَرَاد مَال، صَحْت، غَلْبَه اور عَزَّت هِي۔ سَدِي نِي كِيَا: يِهَا اِنْسَان سِي مَرَاد كَا فَر هِي (1)۔ اِيك قول يِه كِيَا كِيَا هِي: وَلِيْد بِن مَغِيْرَه هِي۔ اِيك قول يِه كِيَا كِيَا هِي: عَتَبَه اور شِيْبَه جُو رَبِيْعَه كِي بِيْنِي تَحْتِي اور وَلِيْد بِن خَلْف۔ عِبْدَاللّٰه كِي قِرَاءَت مِي لَایِسَامُ الْإِنْسَان مِّن دُعَاءِ السَّال هِي۔

وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ شَر سِي مَرَاد فُقْر اور مَرَض هِي، اَكْرَا سِي فُقْر اور مَرَض پِي نَبِيْحِي هِي وَه اللّٰه تَعَالٰی كِي رَحْمَت سِي مَایُوس هُو جَا تَا هِي۔ اِيك قول يِه كِيَا كِيَا هِي: فَيَسْتَوْسِقُنَّ دَعَا كِي قَبُولِيْت كِي حَوَالِي سِي اور قُنُوط اِنِي رُب كِي بَارِي سِي سُو ظَن كِي حَوَالِي سِي ذَكْر كِيَا اِيك قول يِه كِيَا كِيَا هِي: فَيَسْتَوْسِقُنَّ سِي مَرَاد هِي كِي اِس جُو تَكْلِيْف لَاحَقُّ هِي اِس كِي زَاكِل هُو نِي سِي مَایُوس هِي اور



قنوط اس معنی میں ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہمیشہ رہے گی۔ معنی قریب قریب ہے۔

وَلَيْنَ أَذَقْنَهُ رَاحَةً مِّمَّا يِهَابُ رَحْمَتِ سَيِّدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ ضراء سے مراد تکلیف، بیماری، سختی، اور فقر ہے لَيْقُولَنَّ هَذَا لِيْ يَهَابُ رَحْمَتِ سَيِّدِهِ کہ جس کا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق بن چکا ہوں کیونکہ وہ میرے لیے عمل پر راضی ہو چکا ہے تو وہ نعمت کو حتیٰ اور اللہ تعالیٰ پر واجب خیال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَذَا لِيْ کا معنی ہے یہ میرے پاس ہے۔ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَيْنَ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَلْخُسْفَىٰ حَسْبِيَ مِنْهُ مَا لَا يَأْتِي الْغُفَىٰ۔ حضرت حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو آرزوئیں ہوں گی جہاں تک دنیاوی آرزو کا تعلق ہے وہ کہے گا: لَيْنَ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَأُورَثُ خَيْرًا مِّمَّا كُنْتُ أُورَثُ۔ دُورِ الْآخِرَةِ کا تعلق ہے وہ کہے گا: لَيْسَتْ بِيْ دُنْيَا وَلَا آخِرَةُ دُنْيَا۔ (الانعام) اور يَلِيَّتِي كُنْتُ تُرَبًّا (النبا) کا معنی شدید ہے۔

وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ انْصَارَ سِرًّا أَوْ عَلَانِيَةً فَلْيُكْفِرْ يَوْمَ الْوَعْدِ۔ اس سے مراد عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں جنہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور اس سے دور ہوئے نَابِجَانِيْم کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو بلند جانا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر تکبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَابِجَانِيْم کا معنی دور ہونا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نَابِجَانِيْم وَنَابِجَانِيْم نَابِجَانِيْم۔ میں اس سے دور ہوا اُنَابِجَانِيْم فَاَتَانِيْم میں نے اسے دور کیا تو وہ دور ہو گیا۔ تناء وا۔ وہ دور ہو گئے منتای۔ دور جگہ۔ نابغہ نے کہا:

فَبَانَكَ كَاللَّيْلِ الَّذِي هُوَ مُذَرِّي وَإِنْ خِلْتُ أَنَّ الْمُنْتَأَى عَنْكَ وَاسِعٌ

تورات کی طرح ہے جو مجھے پانے والی ہے اگرچہ میں خیال کرتا تھا کہ تجھ سے دوری بہت وسیع ہے۔ یزید بن قعقاع نے اسے ناء بجانبہ پڑھا ہے یعنی ہمزہ سے پہلے الف ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ناع سے مشتق ہو جب وہ اٹھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ قلب کیا گیا ہو معنی پہلے والا ہی ہے وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُودًا عَرِيضًا (جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ دعائیں کرتا ہے۔ عرب طول اور عرض کا لفظ کثرت کے معنی میں استعمال کرتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اطلال فلان فی الکلام واعرَض فی الدعاء؛ جب وہ گفتگو اور دعا کثرت سے کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ تضرع کرنے والا اور مدد طلب کرنے والا ہے۔ کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور خوشحالی میں اسے نہیں پہچانتا۔

قُلْ أَسَاءَ بَيِّنَاتٍ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ أَضَلِّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقِ بَعِيْبٍ (سُورَةُ الْاِنْفِاقِ) وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (أَلَا إِنَّهُمْ فِي مَرِيقَةٍ مِنَ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ)

”آپ فرمائیے: (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت زیادہ دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے، کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔“

قُلْ أَمَرَ يُتْلَىٰ اے محمد! سنو! یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو زیادہ گمراہ کون ہے تم سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں کیونکہ تمہاری دشمنی بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مِمَّنْ ضَمِيرَ اِسِي كِتَابِ كِي طَرَفِ لُوثِ رَہِي هے جس كا ذكر اس فرمان ميں هے: اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ (المومنون: 49) پہلا معنی زيادہ واضح هے۔ يه حضرت ابن عباس رضيهما كا قول هے۔

سُورَتُهُمْ اَيَّتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ ہماری وحدانیت اور ہماری قدرت کی نشانیاں سابقہ امتوں کی منازل کی بربادی میں ہیں اور ان کی ذاتوں یعنی جو انہیں آزمائشیں اور امراض لاحق ہوتی ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْاَفَاقِ سے مراد آسمان کی نشانیاں اور فِي اَنْفُسِهِمْ سے مراد زمین کے حادثات ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: فِي الْاَفَاقِ سے مراد بستیوں کی فتوحات ہیں (2)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فتوحات کو اپنے رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد خلفاء اور آفاق دنیا میں اس کے دین کے مددگاروں کے لیے فتوحات کو مشرق و مغرب کے علاقوں کو عموماً اور مغرب کے علاقوں کو خصوصاً آسان کر دیا کیونکہ یہ ایسی فتوحات ہیں جو ان سے قبل زمین کے کسی حاکم کے لیے آسان نہ ہوئیں اس طرح جابر حکمرانوں، فارس کے کسری تھوڑے لشکر کو کثیر لشکر پر فتح دینا، کمزوروں کو قوی لوگوں پر غلبہ دینا اور ان سے ایسے امور کا صادر کرنا جو عام معمول سے ہٹ کر تھے سب صادر ہوئے فِي اَنْفُسِهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے: (3) یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یہ منہال بن عمرو اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: فِي الْاَفَاقِ سے مراد قوموں میں واقعات اور فِي اَنْفُسِهِمْ سے مراد غزوہ بدر کا واقعہ ہے (4)۔ عطا اور ابن زید نے یہ بھی کہا ہے کہ فِي الْاَفَاقِ سے مراد آسمانوں اور زمین کے قطر ہیں یعنی سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوائیں، بارشیں، کڑک، بجلی، صواعق، نبات، درخت، پہاڑ، سمندر وغیرہ (5)۔ صحاح میں ہے: آفاق سے مراد اطراف ہیں اس کا واحد اَفَقٌ اور اَفَقٌ ہے جس طرح عُسْرٌ اور عُسْرٌ ہے رَجُلٌ اَفَقٌ یعنی ہمزہ اور فا، مفتوح ہے جب وہ زمین کے آفاق سے ہو: یہ ابونصر نے حکایت بیان کی ہے۔ بعض کہتے ہیں اَفَقٌ جو ہری کے علاوہ کسی اور نے یہ شعر پڑھا:

اَخَذْنَا بِاَفَاقِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ لَنَا قَمَرَاهَا وَالشُّجُومُ الطَّوَالِغُ (6)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے افق اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں ہمارے لیے اس کے دونوں چاند اور روشن ستارے ہیں۔

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 189

2۔ ایضاً

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106

6۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 136

5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 72

4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 106

فِي أَنْفُسِهِمْ يَهْدِي صُنْعَتِ اور بدیع حکمت میں سے ہے یہاں تک کہ براز اور بول کے راستے اس میں شامل ہیں کیونکہ انسان ایک محل سے کھاتا پیتا ہے اور وہ کھانا پینا دو الگ الگ جگہوں سے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور حکمت میں بداعت اس کی آنکھوں میں نمایاں ہوتی ہے دونوں پانی کا ایک قطرہ ہیں وہ ان دونوں کے ساتھ زمین سے آسمان تک دیکھتا ہے جس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں بداعت کا اظہار ہے جن کے ساتھ انسان مختلف آوازوں میں فرق کرتا ہے اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی بداعت کی امثلہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي أَنْفُسِهِمْ وہ نطفہ تھا اس کے علاوہ اس کے احوال میں جو انتقال ہے جس طرح سورہ مومنوں میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے عنقریب تم وہ فتنے اور غیب کی خبریں دیکھو گے جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبریں دی ہیں۔ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمُ الْآيَاتُ الْحَقُّ اس میں چار وجوہ ہیں: (1) وہ قرآن ہے (2) اسلام جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں (3) اللہ تعالیٰ جو مظاہر انہیں دکھاتا ہے اور جو کرتا ہے وہ حق ہے (4) محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی رسول برحق ہیں۔

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ، بریک محل رفع میں ہے کیونکہ یہ يَكْفِ کا فاعل ہے اِنَّهٗ، ربك سے بدل ہے اگر محل سے بدل بنائیں تو یہ مرفوع ہوگا اگر لفظ سے بدل بنائیں تو یہ مجرور ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام کے حذف کے ساتھ منصوب ہو معنی ہوگا کیا تیرا رب انہیں کافی نہیں ہوگا جس توحید پر اس نے ان کی راہنمائی کی ہے، کیونکہ وہ ہر شے پر شہید ہے جب وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس پر جزا دے گا۔ یہ قول کیا گیا ہے: کیا تیرا رب کفار کو سزا دینے میں کافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! ﷺ کیا تیرا رب کافی نہیں کہ وہ کفار کے اعمال پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا تیرا رب گواہ کافی نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ کافی نہیں کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے۔ یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی حضور ہے کیا تیرا رب ہر چیز کے پاس حاضر ہونے کے اعتبار سے کافی نہیں۔

إِلَّا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ، مریۃ کا معنی شک ہے مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ آخرت میں اپنے رب کی ملاقات سے۔ سدی نے کہا: بحث سے۔ خبردار! وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں مبتلا ہیں (1) اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے؛ سدی نے یہ قول کیا۔ کلبی نے کہا: اس کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے (2)۔ خطاب نے کہا: اس کی قدرت تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہی ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے، یہ ہم نشیر طور پر وعید کے ضمن میں آتا ہے اس کا حقیقی معنی ہر شے کا احاطہ کرنا ہے جس کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے یہ اصل میں مُحِيط تھا یا کی حرکت حاء کی طرف نقل کردی تو یاء ساکن ہو گئی اسی سے یہ کہا جاتا ہے: أَحَاطَ يُحِيطُ إِحَاطَةً وَحِيطَةً۔ اسی سے حائط الدار (گھر کی دیوار) ہے حائط الخیل بفلان یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس آدمی کو ہر جانب سے گھیر لیا جائے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَأَحْصِطْ بِشَمِيرَةٍ (کہف: 42) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

## سورۃ الشوریٰ

﴿سُورَةُ الشُّورَىٰ مَكِّيَّةٌ ۚ اٰیَاتُهَا ٥٣﴾ ﴿سُورَةُ الشُّورَىٰ مَكِّيَّةٌ ۚ اٰیَاتُهَا ٥٣﴾ ﴿سُورَةُ الشُّورَىٰ مَكِّيَّةٌ ۚ اٰیَاتُهَا ٥٣﴾

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور جابر کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: مگر چار آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں: قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی الی آخرہ۔ یہ ترین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمْدٌ ۙ عَسَقٌ ۙ كَذٰلِكَ يُوحٰی اِلَیْكَ وَاِلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ

الْحَكِیْمُ ۙ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۙ

”حامیم، عین، سین، قاف اسی طرح (کے مطالب نفسیہ) وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں)

کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہی سب سے اعلیٰ اور عظمت والا ہے۔“

حَمْدٌ ۙ عَسَقٌ ۙ عبدالمؤمن نے کہا: میں نے حسین بن فضل سے پوچھا حَمْدٌ کو عَسَقٌ سے کیوں الگ کیا گیا ہے جبکہ

کھيحص، المر اور المص کو الگ الگ نہیں کیا گیا (2)۔ فرمایا: کیونکہ حَمْدٌ عَسَقٌ سورتوں کے درمیان ہے جن میں سے پہلی

حَمْدٌ ہے تو یہ ماقبل اور مابعد کے نظائر پر جاری ہوئی گویا حَمْدٌ مبتدا ہے اور عَسَقٌ خبر ہے اور اس کی اخوات جن کو اکٹھے لکھا گیا

ہے وہ ایک آیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حروف معجمہ سب کے سب ایک معنی میں ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بیان بنیاد اور

کلام کا قاعدہ ہے؛ یہ جرجانی نے ذکر کیا حَمْدٌ۔ عَسَقٌ کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے اور کھيحص کو متصل لکھا گیا ہے کیونکہ کلام

یہ کی گئی ہے حَمْدٌ سے مراد ہے مہما ہو کائن۔ جو ہو کر رہنے والا ہے اس کا قصد کر لیا گیا ہے انہوں نے فرق کیا ہے جس میں

فعل مقدر ہوتا ہے یا فعل مقدر نہیں ہوتا پھر اگر اسے الگ الگ کر دیا جاتا اور اسے متصل لکھا جاتا تو بھی جائز تھا۔ حضرت ابن

مسعود، حضرت ابن عباس کی قراءت میں حم سق ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ذریعے

فتنوں کو پہچانا کرتے تھے۔ ارطاة بن منذر نے کہا: ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی جبکہ ان کے پاس

حضرت حذیفہ بن یمان موجود تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان حم عسق کی تفسیر کے بارے میں بتائیے، تو آپ نے اس سے

اعراض کیا یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ اپنے سوال کو دہرایا تو پھر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اعراض کیا،

حضرت حذیفہ بن یمان نے کہا: میں تجھے اس کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما



نے اس کی تفسیر بیان کرنے سے کیوں اجتناب کیا! یہ آیت اہل بیت کے ایک فرد کے بارے میں نازل ہوئی جسے عبداللہ اور عبداللہ کہا جائے گا وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا پر فروکش ہوگا اس پر دو شہر بسائے گا دریا دونوں کو الگ الگ کر دے گا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور حکومت کے ختم ہونے کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ رات کے وقت ایک آگ بھیجے گا تو وہ شہر صبح کے وقت تاریک سیاہ ہو جائے گا وہ سب کا سب جل جائے گا گو یا وہ اس جگہ شہر تھا ہی نہیں۔ اس کی مالک صبح کے وقت متعجب ہوگی یہ سب کچھ کیسے الٹ ہو گیا وہ دن ابھی روشن ہی ہوگا یہاں تک کہ اس میں ہر جابر سرکش جمع ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اور انہیں سب کو دھنسا دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حُمَّ ۙ عَسَقَ (1) یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور فتنہ و قضا جس کا قصد کر لیا گیا ہے حُمَّ ۙ ع۔ عد لامنہ اس کی جانب سے عدل۔ س، سیکون عنقریب ہوگا۔ ق، واقعا ان دو شہروں میں واقع ہوگا۔

اس تفسیر کی مثل وہ روایت ہے جو جریر بن عبداللہ بجلي نے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”دجلہ اور دجلیل، قطر بل اور صراہ کے درمیان ایک شہر آباد کیا جائے گا جس میں زمین کے جابر حکمران جمع ہوں گے وہ زمین جس میں خزانے جمع کیے جائیں گے وہ اپنے مکینوں کے ساتھ زمین میں دھنس جائیں گے وہ زمین میں اس عمدہ کیل سے جلدی جائیں گے جو نرم زمین میں جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عین کے بغیر حم سق پڑھا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں یہ اسی طرح ہے؛ یہ طبری نے بیان کیا ہے۔ نافع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے: حال سکے حلم سے، میم، اس کی مجد سے، عین اس کے علم سے، سین اس کی سنا سے اور قاف اس کی قدرت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اٹھائی ہے۔

محمد بن کعب سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم، اپنی مجد، اپنی علو، اپنی سنا اور اپنی قدرت کی قسم اٹھائی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دے گا جو خلوص دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی پناہ چاہتا ہے۔

جعفر بن محمد اور سعید بن جبیر نے کہا: حاء، رحمن سے، میم مجید سے، عین علیم سے، سین قدوس سے اور قاف قاصر سے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے فواتح ہیں۔ عبداللہ بن بریدہ نے کہا: یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو دنیا کو محیط ہے۔ قشیری نے ذکر کیا جبکہ الفاظ ثعلبی کے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کے چہرے پر پریشانی پہچانی جاسکتی تھی۔ آپ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ﷺ کس چیز نے آپ کو غمگین کیا؟ فرمایا: ”مجھے ان امتحانات کے بارے میں بتایا گیا ہے جو میری امت میں واقع ہوں گے یعنی زمین میں دھنسا، پتھروں کی بارش کرنا، آگ جو انہیں جمع کرے گی، ہوا جو انہیں سمندر میں پھینک دے گی، پے در پے آیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دجال کا نکلنا“ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم ﷺ کی شان کے متعلق ہے حاء سے مراد آپ کا حوض جس پر ہر کوئی وارد ہوگا، میم سے مراد آپ کی وسیع حکومت، عین سے مراد موجود عزت، سین سے مراد وہ بلندی جس کی گواہی دی جائے گی، قاف سے

مراد مقام محمود میں آپ کا کھڑا ہونا اور کرامت و بزرگی کے مقام پر اپنے مالک و معبود کے قریب ہونا۔  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی صاحب کتاب نبی نہیں مگر اس کی طرف وحی کی گئی **حَمَّ** عَسَق۔ اسی وجہ سے فرمایا: **يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ** (1)۔ مہدوی نے کہا: حدیث میں آیا ہے کہ **حَمَّ** عَسَق کا معنی ہے متقدمین انبیاء کی طرف وحی کی گئی۔ ابن حصین، ابن کثیر اور مجاہد نے پڑھا یوحی۔ کہ یہ فعل مجہول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جار مجرور محل رفع میں ہے کیونکہ یہ فاعل کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسکا نائب فاعل مضمحل ہو یعنی آپ کی طرف قرآن وحی کیا جاتا ہے جسے یہ سورت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تو لفظ اللہ فعل مضمحل کے ساتھ مرفوع ہوگا تقدیر کلام یہ ہوئی: اللہ تعالیٰ تیری طرف وحی کرتا ہے جس طرح ابن عامر اور ابو بکر کی قراءت ہے یسبح لہ فیہا بالغدو والآصال رجال یعنی لوگ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

لِيُبْنِكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ بِخُصُومَةٍ وَأَشْعَثُ مَتْنٌ طَوَّحْتَهُ الطَّوَائِحَ (2)

کہا: لِيُبْنِكَ يَزِيدُ۔ پھر اس کی وضاحت کی من ینبغی أن ینبغیہ۔ معنی ہے اسے ضارع رلاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو اور خبر محذوف ہو گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے یا کلام مبتدا کے مضمحل ہونے کے اعتبار سے ہے السوحی اللہ یا یہ مبتدا ہے اور خبر العزیز الحکیم ہے باقی قراء نے **يُوحَىٰ إِلَيْكَ** حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اسم اللہ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے رفع دیا **لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** ۱۰ **وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ** ۱۱ اس کی وضاحت کئی مقامات پر گذر چکی ہے۔

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطُّنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ

لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

”قریب ہے کہ (جلال الہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لیے، من لو یقینا اللہ ہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

تَكَادُ السَّمَوَاتُ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے۔ نافع، ابن وثاب اور کسائی نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے **يَتَّقَطُّنَ**۔ نافع اور دوسرے قراء نے یاء، تاء اور طاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ عام قراءت ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر، مفضل، ابو عبید نے ینفطرن انفطار کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ** ۱۰ (الانفطار) سورہ مریم میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَطُّنَ یعنی آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان اس آسمان کے اوپر سے پھٹ جائے گا جو اس کے قریب ہے (3)۔ ضحاک نے کہا: **يَتَّقَطُّنَ** وہ آسمان اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال سے اپنے اوپر سے لپٹ جائیں گے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **فَوْقِهِنَّ** سے مراد زمینوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے لپٹ جاتے اگر وہ ان چیزوں سے ہوتے جو عقل رکھتے ہیں۔

وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي ان چیزوں سے پاکی بیان کرتا ہے جو اس کے وصف میں جائز نہیں اور جو اس کے جلال کے لائق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مشرکین کی جراتوں سے متعجب ہوتے ہیں اور تعجب کے موقع پر تسبیح کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی تسبیح ان چیزوں پر تعجب کا اظہار ہے جو وہ دیکھتے ہیں کہ مشرک اپنے کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے جس کو وہ دیکھتے ہیں (2)۔ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ کا معنی ہے ان کے رب کے امر سے: یہ سدی کا قول ہے۔

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ضحاک نے کہا: لِمَنْ فِي الْأَرْضِ سے مراد مومن ہیں: یہ سدی کا قول ہے اس کی وضاحت سورۃ المومن: وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا میں گذر چکی ہے یہاں ملائکہ سے مراد حاملین عرش (عرش کو اٹھانے والے) ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام فرشتے مراد ہیں۔ کلبی کے قول سے یہی ظاہر ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا کے ساتھ منسوخ ہے یہ جگہ مومنین کے لیے خاص ہے۔ مہدوی نے کہا: صحیح یہی ہے کہ وہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور مومنین کے لیے خاص ہے۔ ابوالحسن ماوردی نے کلبی سے یہ قول نکل کیا ہے کہ فرشتوں نے جب ان دونوں فرشتوں کو دیکھا جن کو آزمایا گیا اور زمین کی طرف انہیں بھیجا گیا تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ زہرہ کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے اور وہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف بھاگ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ دونوں فرشتوں نے حضرت ادریس علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ ان دونوں کے حق میں دعا کریں۔ فرشتوں نے اپنے رب کی حمد بیان کرنے کے ساتھ تسبیح بیان کی اور بنی آدم کے لیے مغفرت طلب کی (3)۔ ابوالحسن بن حصار نے کہا: بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا کہ یہ آیت ہاروت وماروت کے سبب نازل ہوئی ہے اور یہ، مومنوں کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس کے ساتھ منسوخ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ حاملین عرش تو مومنوں کے استغفار کے لیے خاص ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور فرشتے ہیں جو اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: فرشتوں کے اہل زمین کے لیے استغفار میں (4) دو قول ہیں: (1) گناہوں اور خطاؤں سے؛ مقاتل کے قول کا ظاہر یہی معنی ہے (2) ان کے لیے رزق اور خوشحالی کی طلب ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی زیادہ نمایاں ہے کیونکہ زمین کا فر اور غیر کو عام ہے مقاتل کے قول کے مطابق کافر اس میں داخل نہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے جسے عاصم احول نے ابو عثمان سے وہ سلمان سے نقل کرتے ہیں کہ بندہ جب خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اسے تنگ دستی آتی ہے فرشتے کہتے: وہ خوشحالی کے دور میں اللہ کا ذکر کرتا اب اسے تنگ دستی نے آلیا ہے تو وہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کمزور آدمی سے معروف آواز ہے اور جب وہ خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے تکلیف نے آلیا تو فرشتے کہتے ہیں: انسان سے اجنبی سی آواز ہے وہ خوشحالی کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے مصیبت لاحق ہوئی تو وہ اس کے لیے بخشش طلب نہیں کرتے۔ یہ تعبیر اس امر پر دلالت کرتی

ہے کہ یہ آیت کریمہ اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا ذکر خوشحالی اور تنگدستی میں کیا کرتا تھا تو یہ آیت اہل زمین سے یعنی مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے استغفار سے ارادہ طلب علم اور طلب غفران لیا ہو ان اللہ یُسَبِّحُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكْتَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِي ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ (فاطر) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ  
إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلُمِهِمْ (الرعد: 6)

یہاں استغفار سے مراد ان کے بارے میں علم کرنا اور انتقام میں جندی نہ کرنا ہے تو یہ حکم ہو گیا (1)؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔ مطرف نے کہا: ہم نے اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے مخلص فرشتے پائے ہیں اور اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ دھوکہ کرنے والے شیطانوں کو پایا ہے (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

آلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ڈرایا اور عظمت شان کو بیان کیا اور آخر میں مہربانی کا ذکر کیا اور بشارت دی۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِیْظٌ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

”اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور دوست اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔“

أَوْلِيَاءَ سے مراد بت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں حَفِیْظٌ عَلَيْهِمْ وہ ان کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے تاکہ ان اعمال پر انہیں بدلہ دے وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے، حدیث طیبہ میں ہے: أَطَلْتَ السَّمَاءَ وَحُتَّى لَهَا أَنْ تَبْطَأَ (3) آسمان اپنے مکینوں کے بوجھ کی وجہ سے آواز نکالنے لگا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوتاہی نہیں کرتے اور یہ کفار اس کے ساتھ شرک کرتے تھے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ

الْجُمُعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝

”اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعے اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے ہونے کے دن سے جس کی آمد پر کچھ شبہ نہیں (اس دن) ایک فریق جنت اور دوسرا بھڑکتی آگ میں ہوگا۔“

جس طرح ہم نے آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف ان معانی کو وحی کیا اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن وحی کیا ہم نے اسے لغت عرب میں بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ پر قرآن عربی آپ کی قوم کی

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 193

1- تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 209

3- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الحزن والہکاء، جلد 1، صفحہ 319



زبان میں نازل کیا جس طرح ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں پیغام دے کر بھیجا۔ معنی ایک ہی ہے۔  
 أُمَّ الْقُرَى سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ کو ام القریٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین اسی کے نیچے سے پھیلائی گئی ہے وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی باقی مخلوق۔ وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ یوم الجمع سے مراد یوم قیامت ہے لَا تَرِيبَ فِيهِ اس میں کوئی شک نہیں فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝ یہ مبتدا خبر ہے۔ کسائی نے نصب کو جائز قرار دیا ہے تقدیر کلام یوں ہے لتنذر فریقانی الجنة و فریقانی السعیر۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۖ وَالظَّالِمُونَ

مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں،

اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔“

ضحاک نے کہا: أُمَّةً وَاحِدَةً سے مراد ہے ایک دین والے، یعنی سب گمراہ یا سب ہدایت یافتہ۔ حضرت انس بن

مالک نے کہا: رحمت سے مراد اسلام ہے وَالظَّالِمُونَ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے (1) اس کی خبر مابعد مَا لَهُمْ مِنْ

وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ ہے نصیر کا عطف لفظ پر ہے اسے لا نصیر پڑھنا بھی جائز ہے اس صورت میں اس کا عطف محل پر ہوگا اور

من زائد ہوگا۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ۝

”کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور زندہ کرتا ہے

مردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

ام یہاں بل کے معنی میں ہے۔ اولیاء سے مراد بت ہیں۔ اے محمد! اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تیرا اور تیرے پیروکاروں کا

ولی ہے اس کے سوا کوئی ولی نہیں وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ سے مراد بعث بعد الموت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے جبکہ اس

کے سوا کوئی کسی شے پر قادر نہیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَ

إِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

”اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو یہی اللہ میرا رب

ہے اور اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“

اس میں رسول اللہ ﷺ کو مومنین کے لیے فرمان کی حکایت ہے یعنی اہل کتاب میں اور شرکین میں سے کفار دین کے معاملہ میں تم سے اختلاف کریں تو انہیں کہو: اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، تمہارے سپرد نہیں اس نے فیصلہ کر دیا کہ دین تو اسلام ہی ہے اور شریعت کے امور اللہ تعالیٰ کے بیان سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں (1)۔

ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ يَعْنِيْ جِوَانِ صِفَاتٍ مِّنْ مَّوصُوفٍ هُوَ هِيَ مِيرَارِبٌ يَكْتَابُ هُوَ۔ اس میں انکار ہے یعنی اے محمد! انہیں کہو وہ ذات جو مردوں کو زندہ کرتی ہے وہی اللہ ہے اور جو مختلف امور میں فیصلہ کرنے والا ہے وہی میرارِب ہے اسی پر میں نے اعتماد کیا اور اسی کی طرف میں لوٹنے والا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ

اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ ○

”وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اسی نے بنائے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے اور موشیوں سے بھی جوڑے بنائے وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ، نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ یہ لفظ اللہ کی صفت ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا تقدیر کلام یہ ہے ہو فاطر۔ ندا کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور علیہ کی ضمیر سے بدل کے طریقہ پر جردینا بھی جائز ہے۔ فاطر کا معنی مبدع اور خالق ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ازواج کا معنی عورتیں ہیں یہاں مِّنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا۔ مجاہد نے کہا: معنی نسل کے بعد نسل ہے (2)۔  
وَ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یعنی آٹھ جوڑے جن کا ذکر سورہ انعام میں گذر چکا ہے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری اور ان کے جوڑے۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ تمہیں رحم میں پیدا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بطن ہے۔ فراء اور ابن کیسان نے کہا: فِيْهِ میں ف، باء کے معنی میں ہے اسی طرح زجاج نے کہا: يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ کا معنی ہے وہ تمہیں اس کے ذریعے زیادہ کرتا ہے یعنی تمہیں زیادہ کرتا ہے کہ تمہاری اس نے بیویاں بنادیں کیونکہ بیویاں نسل کا سبب بنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْهِ میں ضمیر جعل کے لیے ہے اس پر جعل دلالت کرتا ہے گویا فرمایا وہ تمہیں جعل میں پیدا کرتا ہے اور تمہیں زیادہ کرتا ہے۔

ابن قتیبہ نے کہا: فِيْهِ میں ضمیر زوج کے لیے ہے یعنی وہ تمہیں عورتوں کے بطن میں پیدا کرتا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْهِ میں ضمیر سے مراد رحم ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ رحم مونث ہے اور اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ ○ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف زائد تاکید کے لیے ہے یعنی اس کی مثل کوئی

چیز نہیں۔ شاعر نے کہا:

و صالیات ککنا یوثقین (1)

یہاں کاف کو کاف پر داخل کیا گیا مقصود تشبیہ میں تاکید بیان کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مثل تاکید کے لیے زائد ہے، یہ ثعلب کا قول ہے لیس کھوشی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا (البقرہ: 137)** یہاں بھی مثل زائد ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں **فان آمنوا بما آمنتم به فقد اهتدوا** اور بن حجر نے کہا:

وقشئ كمثل جذوع النخيل يغشامهم مطر منهم (2)

کتنے ہی مقتول ہیں جو کھجور کے تنوں کی طرح ہیں جنہیں موسلا دھار بارش نے ڈھانپ رکھا ہے۔

شعر میں اصل کجذوع تھا۔ یہاں سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی، ملکوت، اسماء حسنی، صفات کی بلندی میں اپنی مخلوقات میں سے کسی شے بھی مشابہ نہیں جہاں تک ان اسماء کا تعلق ہے جن کو شرع نے خالق اور مخلوق دونوں کے لیے ذکر کیا ہے تو معنی حقیقی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں کیونکہ قدیم ذات کی صفات مخلوق کی صفات سے مختلف ہیں کیونکہ مخلوقات کی صفات اغراض و اعراض سے جدا نہیں ہوتیں جبکہ اللہ تعالیٰ غرض و عرض سے پاک ہے بلکہ وہ ہمیشہ اپنی صفات و اسماء کے ساتھ رہتا ہے جس طرح ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کی ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** کافی ہے۔ بعض علماء محققین نے فرمایا: توحید کا مطلب ہے ایسی ذات کو ثابت کرنا جو کسی ذات کے مشابہ نہ ہو اور نہ ہی وہ صفات سے معطل ہو۔ واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زائد بیان کیا ہے اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے اسم جیسا کوئی اسم نہیں، اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں مگر لفظ میں موافقت ہو سکتی ہے ذات قدیمہ اس سے بالا ہے کہ اس کی صفت حادث ہو جس طرح یہ محال ہے کہ حادث ذات کی کوئی صفت قدیم ہو: یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

”اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے

چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)، بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اس کی وضاحت سورہ زمر میں گذر چکی ہے۔ نحاس نے کہا: جو چابیوں کا مالک

ہوتا ہے وہ خزانوں کا بھی مالک ہوتا ہے (3)۔ مفتاح کو اقلید کہتے ہیں اس کی جمع خلاف قیاس آتی ہے جس طرح حسن کی جمع

خلاف قیاس محاسن آتی ہے یَبْسُطُ الزُّدِّي۔ اس کی بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الشُّرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى إِلِهِهِ مَنْ يُنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى لَفُضِّ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ۝

”اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اس دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا، اس میں بہت گراں گذرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلا تے ہیں، اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہ بنے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (صحیح) علم یہ (تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا، اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے۔“

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ وہ ذات پاک جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اس نے تمہارے لیے وہ دین مقرر فرمایا جو قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ علیہم السلام کے لیے مقرر فرمایا تھا پھر اس کی وضاحت اپنے اس ارشاد سے بیان کی اَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے رسولوں، کتابوں، یوم جزا اور باقی ماندہ تمام امور جنگو بجالانے سے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے پر ایمان لانا ہے۔ اور شرعی احکام جو امتوں کی مصلحتوں پر قائم ہیں اس طرح وارد نہیں ہوئے وہ مختلف اور متفاوت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ: 48) اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔

شرع کا معنی ہے راستوں کو واضح کرنا قد شرع لهم يشرع شريعاني سن سنت قائم کی، واضح کیا۔ شارع سے مراد راستہ ہے قد شرع السبيل جب وہ ایسے راستے پر ہو جو آگے کھلتا ہو۔ و شرعت الابل۔ جب تو اونٹ کو گھاٹ پر جانے کا موقع دے شرعت الاديہ۔ جب تو اس کا چمڑا اتارے۔ یعقوب نے کہا: میں نے ام الحارس بکریہ کو کہتے ہوئے سنا شرعت فی هذا



الامور شرعاً یعنی میں اس میں گھس گیا۔

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ ان محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وَالَّذِي وَصَّى بِهِ نوحًا أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ اس تعبیر کی بنا پر عیسیٰ پر وقف کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان محل نصب میں ہے اس نے اقامت دین کو تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بہ کی ہاء ضمیر سے بدل ہے گویا فرمایا: بہ اَقِيمُوا الدِّينَ ان دو تعبیروں کی بنا پر عیسیٰ پر وقف کرنا جائز نہیں یہ بھی جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو جیسے اِنْ اَمْشَوْا (ص: 6) میں ہے اس صورت میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: حدیث صحیح میں ثابت ہے (1) کہ نبی کریم ﷺ نے شفاعت کبیر والی مشہور حدیث میں کہا: ”بلکہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ عرض کریں گے: آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا“ یہ صحیح ہے اس میں کوئی اشکال نہیں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام صرف نبی ہی تھے آپ کے لیے فرائض معین ہوئے نہ محارم کا حکم دیا گیا، بعض امور کے بارے میں صرف تنبیہ تھی، معاش کی ضرورت تک معاملہ کو محدود رکھا گیا تھا، حیات و بقا کے کچھ معاملات کو اپنانے کا حکم تھا اور معاملہ حضرت نوح علیہ السلام تک آپہنچا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماؤں، بیٹیوں، اور بہنوں کی حرمت کے ساتھ مبعوث کیا کچھ واجبات ان پر لازم کیے، دیانات میں آداب کو واضح کیا یہ امر رسولوں کے ساتھ موکد ہوتا رہا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یکے بعد دیگرے اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کے ساتھ پختہ ہوتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اختتام بہترین امت جو ہماری امت ہے پر کیا۔ اس کا ذکر تمام رسولوں سے معزز ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر ہوا معنی ہوگا اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک دین کی وصیت کی یعنی اصول جن میں شریعت مختلف نہیں ہوتی وہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، صدق، عہد کو پورا کرنا، امانت ادا کرنا، صلہ رحمی، کفر، قتل، زنا اور مخلوقات کو اذیت پہنچانے کی حرمت کیسی بھی صورت ہو، حیوانات پر ظلم کرنا کسی بھی طریقہ سے ہو، ذلت و پستی کے امور میں داخل ہونے کی حرمت، جو امور مروت کو ختم کر دیں ان کی حرمت یہ سب امور مشروع تھے ان میں سب دین ایک دین اور سب ملتیں ایک ملت ہیں، انبیاء کی زبانوں سے ان امور میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ ان کی قومیں اور زمانے مختلف تھے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مقصود ہے: اَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ یعنی اسے قائم رکھو اس سے مراد دائمی محفوظ ہے اس میں سے کسی قسم کا اختلاف نہ کرو کیونکہ ان امور میں کوئی اختلاف اور اضطراب نہیں۔ مخلوقات میں سے کچھ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جس نے اس کو توڑا۔ فَمَنْ مَّكَّثَ فَاَتَمَّ يَمُوتْ عَلَى نَفْسِهِ (فتح: 10) ان چیزوں کے علاوہ میں شریعتوں میں چند امور میں اختلاف ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا، مصلحت نے جس کا تقاضا کیا اور حکمت نے مختلف زمانوں میں امتوں پر ان کے رکھنے کو لازم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے تاکید کی حکم دیا (1) وہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا اقرار کرے یہی وہ دین ہے جو ان کے لیے مشروع کیا گیا، یہی قول واسطی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ یہی بکلی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: حلال کو حلال قرار دینا اور حرام کو حرام قرار دینا (2)۔ حکم نے کہا: ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو حرام قرار دینا۔ قاضی نے جو ذکر کیا ہے وہ ان تمام اقوال کو جامع ہے اور اس سے زائد بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ شریعتوں والے ہیں۔

کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مشرکوں پر بہت بھاری ہے مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں یعنی توحید اپنانا اور بتوں کو چھوڑنا۔ قتادہ نے کہا: مشرکین پر یہ بہت عظیم ہے ان پر شدید ترین لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت ہے اس کے ساتھ ابلیس اور اس کے لشکر تک پڑ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی کو پسند کیا کہ وہ اس کی مدد کرے اسے بلند کرے اور جو اس کا مقابلہ کرے اس پر اسے غالب کرے (3)۔

اللَّهُ يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ اختیار کرتا ہے۔ اجتباء کا معنی اختیار ہے یعنی توحید کے لیے جسے چاہتا ہے اپنا تا ہے وَيَهْدِي إِلَى إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ۝ اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنے دین کے لیے چن لیتا ہے وَمَا تَفَرَّقُوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: واؤ سے مراد قریش ہیں إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ علم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، قریش یہ آرزو کرتے تھے کہ ان کی طرف نبی مبعوث کیا جائے اس کی دلیل سورۃ فاطر 42 میں یہ ارشاد ہے: وَ أَقْسُوا لِلَّهِ جَهْدًا أَيَّمَانِهِمْ لِإِيْنٍ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ۔ اس میں نذیر سے مراد نبی ہے سورہ بقرہ میں ہے فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ (89) اس کی وضاحت وہاں گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ ضمیر سے مراد متقدمین انبیاء ہیں کیونکہ جب ان کا زمانہ طویل ہو گیا تو انہوں نے باہم اختلاف کیا کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: واؤ ضمیر سے مراد اہل کتاب ہیں اس کی دلیل سورۃ منفلکین کی آیت ہے وَمَا تَفَرَّقُوا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (البینہ) مشرکوں نے کہا: اسے نبوت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟ یہودیوں نے اس وقت حسد کیا جب آپ کو مبعوث کر دیا گیا، نصاریٰ کی بھی یہی صورتحال ہے بَعَثْنَا بَيْنَهُمْ وَرِیَاسَةً کو طلب کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے پر بغاوت کرتے تھے ان کا یہ تفرقہ بیان اور حج میں کوتاہی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ بغاوت، ظلم اور دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے تھا وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ ان لوگوں سے عذاب کو موخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (قمر: 46) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ وقت ہے جس میں ان پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے تَقْضَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی نزول عذاب کے ساتھ مومنوں اور کافروں میں فیصلہ کر دیا جاتا وَ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ اسم موصول سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ مِنْ بَعْدِهِمْ حق میں اختلاف کرنے والوں کے بعد۔ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٌ ۝ انبیاء نے



اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: خطاب یہودیوں کو ہے یعنی ہمارے لیے ہمارا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین ہے، کہا: پھر اس ارشاد کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبہ: 29)

مجاہد نے کہا: لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ کا معنی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خصوصیت نہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم منسوخ نہیں کیونکہ براہین ظاہر ہو چکیں اور دلائل قائم ہو چکے اب عناد کے سوا کوئی چیز باقی نہیں اور عناد کے بعد کوئی حجت اور جدال نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ معنی کرنا بھی جائز ہے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ تمہارے خلاف دلیل قائم کی جائے اور تم سے جنگ کی جائے پھر اسے منسوخ کر دیا گیا جس طرح تحویل قبلہ سے پہلے کوئی کہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو پھر لوگوں کو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ جائز ہے کہ یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَرَادَهُ كَيَاوُزَ إِلَیْهِ الْهَاصِیُّ ⑤ جب ہم اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور ہر ایک کو اسی کے مطابق جزا دی جائیگی جس پر وہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنی دعوت اور دین سے قریش کے دین کی طرف پلٹ آئیں شرط انہوں نے یہ لگائی کہ ولید آپ کو اپنا نصف مال دے دے گا اور شیبہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ سے کر دے گا (2)۔

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ⑥

”اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے سخت عذاب ہے۔“

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ مُشْرِكِينَ کی طرف رجوع کیا۔ مجاہد نے کہا: لوگوں کے اسلام لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دین میں حجت بازیاں کرتے ہیں۔ کہا: ان لوگوں نے وہم کیا کہ جاہلیت لوٹ آئے گی (3)۔ قتادہ نے کہا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں حجت بازیاں کرتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں (4)، ان کی حجت بازی ان کا یہ قول تھا: ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے ہے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، وہ اپنی فضیلت کا تصور رکھتے تھے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور انبیاء کی اولاد ہیں مشرکین کہتے ہیں اَمْی الْقَرِیْقَیْنِ حَیْرٌ مَقَامًا وَآحْسَنُ نَدْبًا ⑦ (مریم) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے لیے کوئی ثبات نہیں اس شے کی طرح جو اپنی جگہ سے پھسل جاتی ہے لہ میں ہاء ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے بعد اس کے محمد ﷺ کی دعا قبول کی جا چکی تھی جیسے اہل بدر اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کی تھی یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے دَحَضَتْ حُجَّةَ



دُحُوضًا وہ باطل ہوگئی ادحضہا اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا۔ ادحاض کا معنی پھسلانا ہے۔ مکان دَحْض و دَحْض ایسی جگہ جس پر پھسلن ہو۔ دَحَضَتْ رَجُلُهُ تَدَحُّض دَحْضًا اس کا پاؤں پھسل گیا دحضت الشمس عند کبد السماء سورج زائل ہو گیا وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مراد دنیا ہے یعنی دنیا میں آپ پر غضب ہوگا وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ⑤ اس سے مراد ہے آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ⑥ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ⑦

”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور نازل کیا ہے میزان کو اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔“

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ قرآن اور باقی کتب منزلہ ہیں۔ بِالْحَقِّ حق سے مراد صدق ہے وَالْمِيزَانَ سے مراد عدل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے (1)۔ عدل کو میزان کہتے ہیں کیونکہ میزان انصاف اور عدل کا آلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد وہ ہے جو کتاب میں واضح کیا گیا ہے جس پر عمل کرنا انسان پر واجب ہے۔ قتادہ نے کہا: میزان سے مامور اور منہی میں عدل کرنا ہے (2)۔ یہ تمام اقوام معنی میں قریب قریب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اطاعت پر ثواب کے ساتھ جزا دینا اور معصیت پر عقاب سے جزا دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد ترازو ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان سے نازل کیا اور لوگوں کو اس کے ساتھ وزن کرنے کی تعلیم دی تاکہ لوگوں میں باہم ظلم اور حقوق میں کمی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید: 25)

مجاہد نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے انزل السیزان کا معنی ہے مخلوق کو الہام کیا کہ اس کو کام میں لائیں (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ میزان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ⑥ قیامت کے وقت کے بارے میں آپ کو آگاہ نہ کیا کتاب اللہ پر عمل، عدل، برابری اور شرائع پر عمل کرنے پر براہِ یقینہ کیا قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں محاسبہ اور اعمال کا وزن ہو جس نے ان احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا اس کو پورا پورا عطا کرے گا اور جس نے اس میں کمی کی ہوگی اس کے حق میں کمی کرے گا۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ⑦ ممکن ہے قیامت آپ کے قریب ہو جبکہ آپ اپنی دانش سے اس کو نہ جانیں۔ یہاں قریب فرمایا ہے قریبہ نہیں فرمایا کیونکہ اس کی تائید غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ وقت کی طرح ہے (4)؛ یہ زجاج کا قول ہے معنی ہے ممکن ہے بعث یا قیامت کا آنا قریب ہو۔ کسائی نے کہا: قریب صفت ہے جس کے ساتھ مذکر، مونث اور ایسی جمع کی صفت لگائی

جاتی ہے جو معنا جمع ہو اور لفظ واحد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ** (اعراف) شاعر نے کہا:

کنا قریبا والدیار بعیدۃ

ہم قریب تھے اور گھر دور تھے۔ محل استدلال قریبا ہے۔

**يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ**

**أَنَّهَا الْحَقُّ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِينَ يُبَايِعُونَ فِي السَّاعَةِ لَعْنُ صَلِّ بِعِيدٍ** (۱)

”جدی مچاتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق وہ بڑی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“

**يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا** وہ یہ کلام استہزاء کے طور پر کرتے، ان کا گمان یہ تھا کہ قیامت واقع نہ ہوگی یا کمزور لوگوں کو وہم دلاتے تھے کہ وہ واقع نہ ہوگی **مُشْفِقُونَ مِنْهَا** وہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اطاعت میں جس طرح انہیں کوشش کرنی چاہیے اس میں انہوں نے کوتاہی کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرمان ہے: **وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ أُنْهَمُ إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَمْ يَجْعَلُونَ** (۱) (مومنون) **وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ** یعنی اس میں کوئی شک نہیں۔

**لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِينَ يُبَايِعُونَ فِي السَّاعَةِ** وہ قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں اور اس میں مخالفت کرتے ہیں **لَعْنُ صَلِّ بِعِيدٍ** (۱) وہ حق اور عبرت کے راستہ سے بہت بعید ہیں کیونکہ اگر وہ سوچ و بچار کرتے تو وہ یہ جان لیتے کہ جس ذات پاک نے انہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ وہ پہنچے جہاں تک پہنچے تو وہ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں دوبارہ اٹھائے۔

**اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ** (۱)

”اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہی قوی اور زبردست ہے۔“

**اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان پر شفیق ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ ان کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیک اور فاجر کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے کیونکہ ان کے معاصی کی وجہ سے وہ بھوکوں نہیں مرتے۔ قرطبی نے کہا: وہ پیشی اور محاسبہ کے موقع پر شفقت فرمانے والا ہے۔ کہا:

غذا عند مولى الخلق للخلق موقف يسائلهم فيه الجليل ويلطف

قیامت کے روز مخلوق نے خالق کے ہاں کھڑا ہوتا ہے، اس روز اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا اور مہربانی فرمائے گا۔ جعفر بن محمد بن علی بن حسین نے کہا: رزق میں دو طریقوں سے مہربانی فرماتا ہے: (1) اس نے تیرا رزق پاکیزہ چیزوں سے بنایا ہے (2) اس نے رزق تجھے ایک ہی دفعہ نہیں دے دیا کہ تو اس میں فضول خرچی کر دے۔ حسین بن فضل نے کہا: قرآن میں اس کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے، اس کی تفسیر اور تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ جنید نے کہا: وہ اپنے اولیاء پر

مہربانی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اسے پہچان لیتے ہیں اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر مہربانی فرماتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے۔ محمد بن علی کتانی نے کہا: لَطِيفٌ سے مراد اس کے بندوں سے جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے جب وہ مخلوق سے مایوس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر توجہ فرماتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث طیبہ میں آیا ہے ”اللہ تعالیٰ بوسیدہ قبروں کی طرف جھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان کے آثار مٹ گئے اور ان کی صورتیں محو ہو گئیں اور ان پر عذاب باقی ہے جبکہ میں لطیف ہوں اور أرحم الراحمین ہوں، ان سے عذاب میں تخفیف کر دو، تو ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے“ (1)۔ ابو علی ثقفی رضی اللہ عنہ نے کہا:

أمر بأفناء القبور كَأَنِّي أخوفنة والشوب فيه نحيف

ومن شق فاه الله قَدَر رزاقه وربى بمن يلجأ إليه لطيف

میں قبرستانوں سے گذرتا ہوں گویا میں سمجھدار ہوں جبکہ کپڑا اس میں کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا منہ کھولتا ہے اس کا رزق مقرر کر دیتا ہے اور جو اس کی پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں جو اپنے بندوں کے مناقب کو عام کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو چھپاتا ہے اسی تعبیر میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: يا من أظهر الجليل وستر القبيح اے وہ ذات پاک! جو جمیل کو ظاہر کرتی ہے اور قبیح امر کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں کہ قلیل کو قبول کرے اور عظیم چیز کو خرچ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کرے اور مشکل کو آسان کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے عدل سے ڈرا جاتا ہے اور اس کے فضل سے امید رکھی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے بندے پر ہمت سے بڑھ کر نعمت کرتا ہے اور طاقت سے بڑھ کر اطاعت کی توفیق دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا (ابراہیم: 34) وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان: 20) وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء: 28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جو خدمت پر مدد کرتا ہے اور زیادہ مدد کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے جو اس کی نافرمانی کرے اس کو جلدی سزا نہیں دیتا اور جو اس سے امید رکھے اسے خائب و خاسر نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے سائل کو خالی نہیں لوٹاتا اور امید رکھنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لغزش کرتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس پر رحم فرماتا ہے جو اپنے آپ پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو عارفین کے دلوں میں مشاہدہ کا چراغ روشن کرتی ہے اور صراطِ مستقیم کو اس کا منہاج بنادیتی ہے اور اپنے نیکی کے بادلوں سے ان کے لیے موسلا دھار بارش برساتی ہے۔ سورۃ الانعام میں ابوالعالیہ اور جنید کا قول گذر چکا ہے ہم نے یہ سب باتیں الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں لطیف اسم کے ضمن میں ذکر کر دی ہیں۔ الحمد للہ۔

يَزِدُّكَ مِنْ نِشَاءٍ جَسَّهَ چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، کسی قوم کو مال میں فضیلت دینے میں حکمت ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے محتاج رہیں جس طرح ارشاد فرمایا: لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَخِرِيًّا (زحرف: 32) یہ بندوں پر مہربانی ہے، یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے ذریعے غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کے ساتھ امتحان میں ڈالا جائے جس طرح ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ (فرقان: 20) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝

”جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم اپنے فضل و کرم سے اس کی کھیتی کو اور بڑھادیں گے اور جو شخص خواہشمند ہو صرف دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔“

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ حَرْث سے مراد عمل اور کسب ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: تو دنیا کے لیے تگ و دو کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مرجانا ہے (1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارث کہتے ہیں معنی ہے ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا اللَّهُ تَعَالَىٰ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ حَرْث سے مراد عمل اور کسب ہے وہ اس کے ذریعہ دنیا کی ریاست چاہتا ہے ممنوعات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے ہم اسے رزق سے محروم نہیں کرتے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مِمَّا مَذْهُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ (بنی اسرائیل)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ کا معنی ہے ہم اسے عبادت کی توفیق دیتے ہیں اور ہم اسے ان پر آسان کر دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَرْثَ الْآخِرَةِ سے مراد اطاعت ہے یعنی جس نے اطاعت کی اس کے لیے ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ کا معنی ہے ہم اسے دنیا، آخرت کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت جہاد کے بارے میں ہے یعنی جس نے جہاد کے ساتھ آخرت کا ارادہ کیا اسے ثواب دیا جائے گا جس نے اپنے جہاد سے غنیمت کا ارادہ کیا تو اسے غنیمت دے دی جائے گی۔

قشیری نے کہا: آیت کافر کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ جسے دنیا میں وسیع رزق دیتا ہے یعنی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس سے دھوکہ میں مبتلا ہو کیونکہ دنیا باقی رہنے والی نہیں۔ قتادہ نے کہا: جو آخرت کی نیت کرتا ہے (2) اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی چیزیں بھی عطا فرماتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جس نے دنیا کی نیت کی اسے صرف دنیا میں عطا فرماتا ہے، یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ



ارشاد فرماتا ہے: جو آدمی آخرت کے لیے عمل کرتا ہے تو ہم اسکے عمل میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دنیا سے اسے وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو کچھ ہم نے اس کے لیے لکھا ہوتا ہے اور جو اپنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو ہم اس کے لیے آخرت میں صرف آگ کا ہی حصہ بنا دیتے ہیں اور دنیا سے وہی رزق پاتا ہے جو ہم نے اس کے لیے تقسیم کر رکھا ہوتا ہے جو اسے دیا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ ترجیح دے یا نہ دے۔

جوہر نے ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے: جو برابر سے ہوتا ہے وہ اپنے عمل صالح کے ساتھ آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو فاجر ہوا کرتا ہے وہ اپنے عمل حسن کے ساتھ دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اسے وہی دے دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ یہ منسوخ ہو گیا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ (اسرائیل: 18) صحیح یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث صحیح ثابت ہے لَا يَقْلُ أَحَدُكُمْ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنَّ شَيْئًا أَرَادْتُ أَنْ أَفْعَلَ بِهِ إِلَّا شَاءَ اللَّهُ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے، اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہے۔ قتادہ نے کہا: جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ تیرے سامنے اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ نسخ نہیں۔ ہم نے سورہ ہود میں اس امر کی وضاحت کی ہے یہ مطلق اور مقید کے باب سے ہے اور نسخ اخبار میں داخل نہیں ہوتا۔

**مسئلہ:** یہ آیت امام ابو حنیفہ کے اس قول کو باطل کرتی ہے (2): جس نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو کیا تو یہ وضو اس کے فرض کے قائم مقام ہو جائے گا کیونکہ وضو کی فرضیت آخرت کی کھیتی ہے اور ٹھنڈک حاصل کرنا امور دنیا سے ہے ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر داخل نہ ہوگا اس آیت کے ظاہر سے اس کی نیت اس کے قائم مقام نہ ہوگی: (☆) یہ ابن عربی کا قول ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ①

”کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کاچکا دیا گیا ہوتا اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ امِّمٌ زَانِدَةٌ هِيَ أَوْ هَمَزَةٌ تَقْرُبُ لِي هِيَ يَهِيَ اللَّهُ تَعَالَى كَ فَرْمَانِ: شَرَعُ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَعُ

1- صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب العزم علی الدعاء، جلد 2، صفحہ 342

2- احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1667

3- ائمہ احناف یہ کہتے ہیں کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی عطا کرنے والا بنایا ہے۔ قرآن حکیم میں وضو کو نیت کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا اگر ایک آدمی پانی استعمال کرتا ہے اور وضو کے ارکان و سنن بجا لاتا ہے تو اس کا وضو ہو جائے گا تاہم وضو میں نیت کرتا تو اس کے اعضاء کے گناہ زائل ہو جاتے۔

بہ نوحاً اور اللہ الذی اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْيُزَانَ کے ساتھ متعلق ہے۔ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے تھے کیا ان کے اپنے معبود ہیں جنہوں نے ان کے لیے شرک مشروع کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی جب یہ محال ہے تو اللہ تعالیٰ نے شرک کو مشروع نہیں کیا تو پھر تم کس طرح اس کو اپناتے ہو۔

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ اس سے مراد یوم قیامت ہے کیونکہ ارشاد فرمایا: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (قمر: 46) لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ دُنْيَا میں ہی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی ظالم کو جلدی عذاب دیتا اور اطاعت شعار کو ثواب دیتا۔ ظالمین سے مراد مشرک ہیں ان کے لیے دنیا میں قتل، قید اور مغلوب ہونا ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ ابن ہرمر نے کہا اُن ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف وَلَوْلَا کَلِمَةُ پر ہے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فاصلہ لولا کے جواب کے ساتھ جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اَنْجَلَ رفع میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی وجب اَنْ الظالمین لہم عذاب الیم اسی صورت میں یہ کلام ماقبل سے منقطع ہوگی جس طرح جب ان کے ہمزہ کے نیچے کسرہ پڑھا جائے۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاَقَعُ بِهِمْ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فِيْ رَاٰوَضٍ الْجَنَّتِ لَهُمْ مَا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَصْلُ الْكَبِيْرُ ۝

”آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے، یہی بڑا فضل ہے۔“

مُشْفِقِينَ کا معنی ڈرنے والے ہیں۔ مِمَّا كَسَبُوا جو کچھ انہوں نے کیا اس کی جزا۔ یہاں ظالمون سے مراد کافرون ہیں، کیونکہ مومن اور کافر کے درمیان تقسیم والی دلیل موجود ہے۔

وَاَقَعُ بِهِمْ ان پر نازل ہونے والا ہے رَاَوْضٍ سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں بہت زیادہ سرسبزی ہوتی ہے۔ سورہ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے لَّهُمْ مَا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی ان کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمتیں اور عظیم ثواب ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَصْلُ الْكَبِيْرُ ۝ اس کا وصف بیان نہیں کیا جاسکتا اور عقلیں اس کی صفت کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے کبیر کا لفظ استعمال کرے تو کون اس کا اندازہ لگائے گا؟

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهَ عِبَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ قُلْ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۚ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيْهَا حُسْنًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

”یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے ہیں۔“

آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس دعوت حق پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے، اور جو شخص کما تا ہے کوئی نیکی ہم دو بالا کریں گے اس کے لیے اس میں حسن، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قادر دان ہے۔“

ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهَ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، يُبَشِّرُكُمْ بِاَفْعَالٍ سَعٰدَةٍ لِّمَنْ اَعْمَلُ السَّعٰدَاتِ سَعٰدَةً  
 پڑھا گیا ہے اس میں حذف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس کی بشارت دیتا ہے تاکہ انہیں جلدی خوشنودی حاصل  
 ہو اور اطاعت میں وہ زیادہ شوق و محبت پائیں۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ مِمَّنْ رَزَقْنَاهُ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَكِيمٌ

**مسئلہ نمبر 1۔** قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجیے میں رسالت کی تبلیغ پر تم سے انعام کا سوال نہیں کرتا۔

زجاج نے کہا: إِلَّا الْمَوَدَّةَ مُسْتَثْنٰی ہے معنی یہ بنتا ہے میں تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا مگر یہ کہ تم میری قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو (1)۔ خطاب خاص طور پر قریش کے لیے تھا؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، ابو مالک، شعبی وغیرہ کا قول ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کے بارے میں لوگوں نے ہم سے بہت زیادہ سوال کیے تو ہم نے اس کے متعلق سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لکھ بھیجا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ جنا ہو یعنی (سب کے ساتھ نہال کی رشتہ داری تھی کسی کے ساتھ اپنی اور کسی کے ساتھ آباء و اجداد کی) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی یعنی جو رشتہ داری میرے اور تمہارے درمیان ہے تم اس کا لحاظ رکھو اور میری تصدیق کرو۔ یہاں الْقُرْبٰی سے مراد نہال کی رشتہ داری ہے گویا فرمایا: اگر تم میری اتباع نبوت کی وجہ سے نہیں کرتے تو رشتہ داری کا پاس رکھتے ہوئے ہی میری اتباع کرو۔ عکرمہ نے کہا: قریش نہالی رشتہ داری کا بڑا پاس کرتے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہوں نے اسے قطع کیا تو فرمایا: ”تم میرے ساتھ ایسی ہی صلہ رحمی کرو جس طرح تم کیا کرتے تھے“۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا لیکن میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

بخاری شریف میں طاؤس سے مروی ہے (2) وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان سے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى کے بارے میں پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا: قربی سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو نے بہت جلدی کی ہے قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری نہ ہو تو فرمایا: مگر یہ کہ تم رشتہ داری کی وجہ سے صلہ رحمی کرو؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قربی سے مراد نبی کریم ﷺ کی قرابت ہے، معنی ہے میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا (3) مگر یہ کہ تم میری قرابت اور اہل بیت اطہار سے محبت کرو جس طرح انہیں قریبی رشتہ داروں کی تعظیم کا حکم دیا؛ یہ قول علی بن

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 201 2- مجمع بخاری، کتاب التفسیر باب حم عسق، جلد 2، صفحہ 713 3- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202

حسین، عمرو بن شعیب اور سدی کا ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے ”جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے یہ وہ کون لوگ ہیں جن سے ہم محبت کریں؟ فرمایا: ”علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (1)“ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حسد کی شکایت کی فرمایا: ”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو ان چار میں چوتھا ہو جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے میں، تو، حسن اور حسین ہماری ازواج ہمارے دائیں اور بائیں ہوگی اور ہماری اولادیں ہماری بیویوں کے پیچھے ہوگی“ (2)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ان لوگوں پر جنت حرام کر دی گئی جس نے تیرے اہل بیت پر ظلم کیا، میری عترت کے بارے میں مجھے اذیت دی، جس نے عبدالمطلب کے خاندان میں سے کسی فرد کے ساتھ حسن سلوک کیا اس نے اسے بدلہ نہ دیا جب قیامت کے روز وہ مجھے ملے گا تو میں اسے بدلہ دوں گا“ (3)۔

حسن بصری اور قتادہ نے یہ کہا: معنی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی اطاعت اپنا کر اس کا قرب حاصل کریں (4)۔ اس صورت میں قربی، قربت کے معنی میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: قربۃ اور قربی ایک معنی میں ہیں جس طرح زلفۃ اور زلفی ہے۔

قزح بن سويد، ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فرما دیجئے جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس پر میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم باہم محبت کرو اور اطاعت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو“ (5)۔

منصور اور عوف نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ مراد ہے: وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کریں۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہ آیت منسوخ ہے، یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیا کرتے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ محبت کرنے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو انصار نے آپ کو پناہ دی اور آپ کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے انبیاء بھائیوں کے ساتھ لاحق کر دے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (شعراء) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (ص) اور اس ارشاد: أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَقَرْأِمْ رَأَيْتَ خَيْرٌ (مومنون: 72) اور اس ارشاد: أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرِمٍ مُّقْتَضُونَ (طور) کے ساتھ منسوخ ہوگئی: یہ ضحاک اور

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 220

1۔ تفسیر ابن عباس و مردیاتہ فی التفسیر، کتب السنۃ، جلد 2، صفحہ 780

4۔ تفسیر المادردی، جلد 5، صفحہ 202

3۔ ایضاً

5۔ المسد رک اللہ آم، کتاب التفسیر، توضیح معنی الا الودۃ فی القرین، جلد 2، صفحہ 82-81، 481، 796



حسین بن فضل کا نقطہ نظر ہے۔ جو میر نے ضحاک سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں ثعلبی نے کہا: یہ قوی نہیں جو آدمی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی اطاعت کے ساتھ، اس کے نبی کی محبت کے ساتھ اور اہل بیت کی محبت کے ساتھ والا امر منسوخ ہے اس کے قول کی قباحت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو آل محمد ﷺ کی محبت پر مرا وہ شہید کی حیثیت سے مرا، جو آدمی آل محمد ﷺ کی محبت میں مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے زائرین رحمت کے فرشتوں کو بنادے گا، جو آدمی آل محمد کے بغض پر مرا تو وہ قیامت کے روز یوں آئیکا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے، جو آدمی آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا، جو میرے آل بیت کے بغض پر مرا تو میری شفاعت میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں۔“

میں کہتا ہوں: اس روایت کو زحشری نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی طویل نقل کیا ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو آل محمد کی محبت پر مرا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا اور جو آل محمد کی محبت پر فوت ہوا تو مومن کی حیثیت سے فوت ہوا جبکہ وہ کامل ایمان والا ہوگا خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا ملک الموت پھر منکر و نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے خبردار! جو آل محمد کی محبت میں مرا اسے جنت کی طرف یوں لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو اس کے خاوند کے گھر لے جایا جاتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر میں دو دروازے جنت کی طرف کھول دیئے جاتے ہیں خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیات گاہ بنادیتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ سنت اور جماعت پر مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ قیامت کے روز یوں آئیکا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ کافر کی حیثیت سے مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا“ (1)۔ نحاس نے کہا: عکرمہ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ کہا: قریش صلہ رحمی کیا کرتے تھے جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو انہوں نے قطع رحمی کی۔ فرمایا: ”میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو میری قرابت کی حفاظت کرو اور مجھے نہ جھٹلاؤ۔“

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس کا قول جو بخاری میں ہے امام شعبی نے بھی ان سے یہی قول نقل کیا ہے یہ کوئی منسوخ نہیں۔ نحاس نے کہا حضرت حسن بصری کا قول حسن ہے اس کی صحت پر یہ حدیث مسند دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جسے احمد بن محمد از دی، ربیع بن سلیمان مرادی سے وہ اسد بن موسیٰ سے وہ قزحہ بن یزید بصری سے وہ عبد اللہ بن ابی نیح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو کچھ بینات اور ہدایات میں تمہیں پہنچاتا ہوں اس پر میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کرو“ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ واضح امر ہے آپ سے قبل انبیاء نے بھی یہی بات کہی تھی: اِنْ اٰجُرِيْ اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ (سبا: 47)

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے



ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔“

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا، ام میں میم زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے اِيقُولُونَ افترى کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوری: 15) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (شوری: 17) بیان کو مکمل کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَاَوْضَمِّر سے مراد کفار قریش ہیں انہوں نے کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا ہے۔

فَاِنْ يَّشَاءِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ یہ شرط اور جواب ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مہر لگا دے گا اور تجھے قرآن بھلا دے گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تو اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یوں ہی معاملہ کرتا جس کی اس نے اس آیت میں خبر دی ہے۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل کو ان کی اذیتوں پر مضبوط کر دے ان کے قول سے آپ کے دل کو کوئی مشقت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیری دانش کو زائل کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تیرے دل میں خیال آئے کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے تو وہ تیرے دل پر مہر لگا دے (1)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کفار کے دلوں اور زبانوں پر مہر لگا دے اور جلدی عذاب میں مبتلا کر دے، خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور کفار مراد ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے، پھر کلام شروع کی اور فرمایا: وَيَمْنَعُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ ابن انباری نے کہا: يَخْتِمُ عَلٰی قَلْبِكَ۔ کسائی نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے کلام اس طرح ہے وَيَمْنَعُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ مصحف میں واو محذوف ہے (2) یہ کلام محل رفع میں ہے جس طرح ان آیات میں حذف ہے سَنَذِرُ الرّٰبَانَیَّةَ ۝ (علق) کیونکہ اس کا عطف يَخْتِمُ عَلٰی قَلْبِكَ پر ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا مکمل گفتگو ہے وَيَمْنَعُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ یہ ان لوگوں کے خلاف استدلال ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام حق کا انکار کرتے ہیں یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لاتے ہیں وہ باطل ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا جس طرح بہتان لگانے والوں کے بارے میں اس کی عادت ہے۔

وَيُحِیُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ حق سے مراد اسلام ہے یعنی اسلام کو قرآنی آیات کے ساتھ ثابت کرتا ہے اِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ یہ عام ہے یعنی بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حکم خاص ہے اس کا معنی ہے اگر تیرے دل میں یہ دوسوہ پیدا ہو کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور تیرے دل پر مہر لگا دے گا۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّیِّئَاتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝

”اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم

کرتے ہو۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آیت قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا نازل ہوئی کچھ لوگوں نے اپنے دلوں میں سوچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے بعد ہمیں اپنے قریبی رشتہ داروں کی اتباع پر برا بیچتے کر رہے ہیں جبریل امین نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگائی ہے تو یہ آیت اُمْرٌ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا نازل ہوئی تو ان لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور ہم توبہ کرتے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے اولیاء اور اہل اطاعت کی توبہ قبول فرماتا ہے، آیت عام ہے (2)۔ توبہ کے معنی اور اس کے احکام کے متعلق گفتگو گذر چکی ہے۔ سورہ براءت میں یہ لفظ گذر چکا ہے۔

وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ⑤ یعنی اسلام لانے سے قبل جو شرک کیا کرتا تھا اس کو معاف فرماتا ہے اور تم جو اچھایا برا عمل کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ حمزہ، کسائی، حفص اور خلف نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان شاگردوں کی قراءت ہے باقی نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ دو خبروں کے درمیان ہے پہلی خبر وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ اور دوسری يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ⑥

”اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کے حق سے بھی انہیں زیادہ اجر دیتا ہے اپنی مہربانی سے، اور کفار، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“

الَّذِينَ محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس آدمی کی عبادت قبول فرماتا ہے جس نے دل کے اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اپنے بدن کے ساتھ اطاعت کی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی عرضداشت کو قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے حق میں ایک دوسرے کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجاب اور استجاب کا ایک معنی ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ مومنوں کی ایک دوسرے کے حق میں شفاعت قبول فرماتا ہے وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ کا معنی ہے وہ ان کے بھائیوں کے حق میں سفارش قبول فرماتا ہے (3)۔ مبرد نے کہا: وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا کا معنی ہے وليستدع الذين آمنوا الاجابة باب استفعال کے معنی میں طلب پائی جاتی ہے الَّذِينَ محل رفع میں ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ⑦





موسم بہار کی پہلی بارش ہمارے اور بنی دودان کے درمیان نبع اور شوحط (دو قسم کے درخت) کو اگاتی ہے۔  
یعنی ان میں خوشحالی آئی تو انہوں نے بغاوت اور باہم ظلم کا ارادہ کیا یا یہ لفظ بغی سے مشتق ہے جس کا معنی تکبر و غرور ہے  
یعنی تاکہ وہ زمین میں تکبر کریں اور وہ غلبہ پانے اور فساد برپا کرنے کی کوشش کریں جو اس کبر کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يُشَاءُ وَهُوَ ان کے رزق اس مقدار میں نازل فرماتا ہے جتنا چاہتا ہے اور جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ مقال نے کہا: يُنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يُشَاءُ جسے چاہتا ہے غنی بنادیتا ہے اور جسے چاہتا ہے فقیر بنادیتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ہمارے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے افعال مصلحتوں سے خالی نہیں ہوں گے اگرچہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب نہیں۔ وہ اپنے بندے کے حال کو جانتا ہے کہ اگر وہ اس پر رزق کو وسیع کر دے تو یہ اسے فساد کی طرف لے جائے گا تو وہ مصلحت کے باعث اس سے دنیا لپیٹ لیتا ہے، یہ رزق کی کمی اس کی ذلت نہیں اور نہ ہی رزق کی وسعت فضیلت ہے اس نے کئی قوموں کو رزق کی فراوانی دی جبکہ اسے علم تھا کہ وہ اسے فساد میں استعمال کریں گے اگر وہ اس کے برعکس کرے تو یہ صلاح کے زیادہ قریب ہوگا مجموعی طور پر امر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں استصلاح کا نقطہ نظر لازم کرنا ممکن نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”جس نے میرے دوست کو ذلیل کیا اس نے مجھے دعوت مبارزت دی، میں اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں دوسروں سے زیادہ تیز ہوں میں ان کے لیے اس طرح غضبناک ہوتا ہوں جس طرح غضبناک شیر غصہ میں ہوتا ہے جس چیز کو میں کرنے والا ہوتا ہوں میں کسی میں بھی اتنا متردد نہیں ہوتا جتنا متردد اس مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے، میں اسے ناراض کرنا ناپسند کرتا ہوں اس کے بغیر کوئی چارہ کاہ نہیں ہوتا بندہ مومن کسی ذریعہ سے میرے قریب نہیں ہوتا جس قدر وہ فرائض کی بجا آوری کے ذریعے قریب ہوتا ہے بندہ مومن نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان اور ہاتھ اور تائید کرنے والا بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے عبادت کے ایک دروازے کا سوال کرتے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں اگر میں انہیں وہ دے دوں تو اس میں عجب داخل ہو جائے گا اور وہ چیز انہیں تباہ و برباد کر دے گی اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جسے غنا ہی درست کر سکتی ہے اگر میں اسے فقر و تنگدستی دوں تو فقر اسے تباہ و برباد کر دے اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں فقر ہی درست کر سکتا ہے اگر میں اسے غنی کر دوں تو غنا اسے فاسد کر دیتی ہے۔ میں اپنے بندوں میں سے بعض سے اعراض برتاؤں کیونکہ مجھے ان کے دلوں کا علم ہوتا ہے، کیونکہ میں علیم وخبیر ہوں“ (۱)۔ پھر حضرت انس نے دعا کی: اے میرے اللہ! میں تیرے ان مومن بندوں میں سے ہوں جنہیں غنا ہی درست رکھتی ہے اپنی رحمت کے ساتھ مجھے محتاج نہ کرنا۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْثٍ مَاقَظُوا وَيُنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١١﴾



تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ① (الأنحل) فراء نے کہا: یہاں مراد زمین میں پھیلائی جانے والی چیزیں ہیں نہ کہ وہ چیزیں جو آسمان میں ہیں جس طرح یہ فرمان ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ② (الرحمن) یہ نمکین سمندر سے نکلتے ہیں میٹھے سمندر سے نہیں نکلتے ہیں۔ ابو علی نے کہا: اس کی تقدیر یوں ہے جو ان میں سے ایک میں پھیلائیں، تو مضاف کو حذف کر دیا گیا يَخْرُجُ مِنْهُمَا یعنی من احدہما قیامت کے روز ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ③ وَمَا أَنْتُمْ

بِمُعْجزِيْنَ فِي الْأَرْضِ ④ وَمَالَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ⑤

”اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ کریم درگزر فرمادیتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو زمین میں اور نہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔“

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ نافع اور ابن عامر نے بسا کسبت فاء کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اے فاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اے پسند کیا ہے کیونکہ حرف اور اجر میں زیادتی ہے۔ مہدوی نے کہا: اگر تو یہ مقدر کرے کہ ما موصولہ ہے تو فاء کا حذف اور اس کا اثبات جائز ہے اور فاء کو ثابت رکھنا بہت اچھا ہے۔ اگر تو اسے شرطیہ کہے تو سیبویہ کے نزدیک اس کا حذف جائز نہیں۔ اخفش نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: إِنَّ أَطْعَمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَشُرُّ كُوفٍ ⑥ (الانعام) یہاں مصیبت سے مراد معاصی پر حدود ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری نے کہا: ضحاک نے کہا: کسی انسان نے قرآن سیکھا پھر اس کو بھول گیا تو یہ کسی گناہ کے ہی سبب ہوگا (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ پھر کہا: قرآن بھولنے سے بڑی مصیبت کونسی ہوگی؟ اے ابن مبارک نے عبد العزیز بن ابی رواد سے نقل کیا ہے۔ ابو عبید نے کہا: یہ ترک کرنے پر ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو تلاوت کرتا رہتا ہے وہ اس کے حفظ پر حریص ہوتا ہے مگر نسیان اس پر غالب آجاتا ہے تو یہ اس میں سے نہیں جو چیز اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن بھول جایا کرتے یہاں تک کہ آپ کو یاد دلایا جاتا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کی قراءت کو سنا تو فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر ہو اس نے مجھے ایسی آیات یاد دلائی ہیں جن کو میں فلاں فلاں سورت سے بھول گیا تھا“ (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما، الذی کے معنی میں ہے معنی ہے زمانہ گذشتہ میں جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کتاب اللہ میں سے زیادہ امید والی یہ آیت ہے جب وہ مصائب کے ساتھ مجھ سے خطاؤں کو بخش دیتا ہے اور بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تو کفارہ اور معافی کے بعد کیا رہ جاتا ہے (3) یہی چیز آپ نے

1- تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 424 2- صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نسیان القرآن وهل يقول كذا وكذا، جلد 2، صفحہ 753

3- ہادی علی الجلالین، جلد 4، صفحہ 35



ایک مرفوع حدیث میں بھی بیان کیا ہے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمہیں کتاب اللہ میں سے سب سے افضل آیت کے بارے میں آگاہ نہ کروں جس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کیا ہے وہ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ ہے فرمایا: ”اے علی! جو تمہیں بیماری، تکلیف یا آزمائش دنیا میں آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے کہ وہ آخرت میں تمہیں دوبارہ سزا دے اور دنیا میں جس گناہ کو اس نے معاف کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ حلم والا ہے کہ وہ معافی کے بعد اس پر سزا دے“ (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: جو رگ پھڑکتی ہے، جو لکڑی سے خراش آتی ہے اور جو انسان پتھر پر گرتا ہے تو یہ کسی نہ کسی گناہ کے باعث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ بخش دیتا ہے“ (2)۔

حضرت حسن بصری نے کہا: ہم عمران بن حصین کے پاس گئے تو ایک آدمی نے کہا: جو تکلیف میں تجھ میں دیکھ رہا ہوں میں اس کے بارے میں تم سے ضرور سوال کروں گا۔ عمران نے کہا: اے میرے بھائی! اس طرح نہ کہ اللہ کی قسم! میں درد کو پسند کرتا ہوں اور جو اسے پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے (3)، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ یہ میرے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے جو گناہ باقی بچے ہیں میرے رب نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ وہ تعداد میں بہت بڑھ کر ہیں۔

مرہ ہمدانی نے کہا: میں نے شریح کی ہتھیلی کی پشت پر ایک زخم دیکھا میں نے پوچھا: اے ابو امیہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ میرے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت زیادہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

ابن عون نے کہا: جب محمد بن سیرین پر قرض چڑھ جاتا تو اس وجہ سے وہ غمگین ہوتے فرماتے: میں اس غم کو پہچانتا ہوں یہ اس گناہ کی وجہ سے ہے جو میں نے چالیس سال پہلے کیا تھا۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: ابو سلیمان دارانی سے کہا گیا: ان عقلاء کو کیا ہو گیا ہے انہوں نے ان لوگوں سے ملامت کو زائل کر دیا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی؟

انہوں نے جواب دیا: کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث آزمائش میں ڈالا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝

عکرمہ نے کہا: انسان کو گرنے کی صورت میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس گناہ کے باعث ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے ساتھ بخشنے والا تھا یا وہ ایسا درجہ پائے جس درجہ تک اس مصیبت کو برداشت کیے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ایک روایت کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مرض کی: اے موسیٰ! علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء لا یزنی الزانی وهو مومن، روایت بالمعنی، حدیث نمبر 2550، نیل القرآن جلی نویشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 37

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 25-424

میرے حق میں ایک حاجت کا سوال کیجئے کہ وہ میری حاجت پوری فرمادے (1) جبکہ اللہ تعالیٰ اس حاجت کو بخوبی جانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کیا جب وہ نیچے آئے تو وہ اسی آدمی کے پاس تھے جسے درندے نے چیر پھاڑ دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! اس نے مجھ سے ایک ایسے درجے کا سوال کیا جس کے بارے میں مجھے علم تھا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے یہاں نہ پہنچ پائے گا تو میں نے اسے وہ تکلیف دی جسے تو دیکھ رہا ہے تاکہ میں اس درجہ کو پانے کے لیے اس مصیبت کو وسیلہ بنادوں۔ ابوسلیمان دارانی جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو کہتے: اس ذات کے لیے تمام پاکیزگیاں ہیں جو اس پر قادر ہے کہ آزمائش کے بغیر اس درجہ پر پہنچا دے لیکن وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: معنی میں اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (النساء: 123) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔۔۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ مومنین کے حق میں ہے جہاں تک کفر کا تعلق ہے اس کی سزا آخرت تک موخر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ کفار کو خطاب ہے جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو کہتے: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا بلکہ فرمایا: یہ ان کے کفر کی نحوست کی وجہ سے ہے جبکہ پہلی تعبیر زیادہ علماء نے کی، یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: یہ بات کہی جاتی تھی کہ تکلیف کی ساعتمیں خطاؤں کی ساعتمیں کو ختم کر دیتی ہیں (2) پھر اس میں دو قول ہیں: (1) یہ بالغوں کے بارے میں خاص ہے کہ ان کے حق میں عقوبت ہو اور بچوں کے حق میں یہ اجر کا ذریعہ ہو۔ (2) یہ عقوبت عام ہے بالغوں کے حق میں انکی ذاتوں کے حوالہ سے اور بچوں کے حق میں ان کی والدہ اور والد کے حوالہ سے ہے۔ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۖ یعنی بہت سے ایسے گناہوں کو بخش دیتا ہے جن پر حد و نہیں ہوتیں (3)؛ یہی حضرت بصری کے قول کا مقتضا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بہت سے گناہگاروں کو نہیں بخشتا یعنی ان پر جلدی عذاب نہیں دیتا۔ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ یعنی تم اللہ تعالیٰ کو فوت نہیں پاؤ گے یعنی تم بھی اسے عاجز نہیں پاؤ گے اور نہ ہی تم اسے تاجید پاؤ گے۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ اس کی بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔  
وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنَّ يَشَاءُ يُسْكِنَ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ مَوَاجِدَ  
عَلَى ظُهُرِهِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

”اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں سمندر کی پشت پر، بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے، شکر بجالانے والے کے لیے۔“

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ⑤ ان کی ان علامات میں سے جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے وہ ہمسدر میں چننے والی کشتیاں ہیں گویا وہ بڑے ہونے میں پہاڑ ہیں۔ اعلام کا معنی پہاڑ ہے جواری کی واحد جاریۃ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا لَنَاطِقُا الْمَاءَ حَمَلَتُكُمُ فِي الْجَارِيَةِ ⑥ (الحاقہ) اسے جاریہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ پانی میں چلتی ہے۔ جاریہ کا معنی نوجوان لڑکی بھی ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس میں نوجوانی کا پانی چلتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اعلام کا معنی محلات ہیں اس کا واحد علم ہے (1)، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں (2)۔ خلیل نے کہا: عربوں کے ہاں ہر بلند شے کو علم کہتے ہیں۔ خساء اپنے بھائی صخر کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتی ہے:

دَانَ صَخْرًا لَتَأْتِمُ الْهُدَاةُ بِهِ كَأَنَّهُ عِلْمٌ فِي رَأْسِهِ نَارٌ (3)

بے شک صخر کا راہنما بھی قصد کرتے ہیں گویا وہ ایسا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ ہے۔

اِنْ يَشَاءِ يُسْكِنِ الرِّيحَ اِہْلَ مَدِيْنَةٍ اِیسی طرح جمع کا صیغہ پڑھا ہے فَيُظِلُّنَّ رَاوَاكِدًا عَلٰی ظَهْرِ كَشْتِيَا سَمْعِدَرٍ پر ساکن رہتی ہیں وہ چلتی نہیں ہیں رَكَدَ الْمَاءُ رَكَوْدًا یعنی پانی ٹھہر گیا، اسی طرح ہوا اور کشتی ہے۔ سورج جب دوپہر کو ٹھہر جائے تو اس کے لیے بھی راکد کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو کسی جگہ ثابت ہو اسے راکد کہتے ہیں راکد المیزان جب وہ جھکنے سے رک جائے، مراکد ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں انسان اور دوسری چیزیں ٹھہرتی ہیں۔ قتادہ نے اسے فَيُظِلُّنَّ پہلے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح ضِلْتُ، اَضِلْتُ ہے اور لام کے فتح کے ساتھ بھی ہے: یہ قراءت مشہور ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑥ آیات سے مراد دلالات اور علامات ہیں یعنی جو آزمائش پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے۔ قطرب نے کہا: صابر و شاکر بندہ کتنا اچھا ہے جب اسے عطا کیا جائے تو شکر کرتا ہے اور جب اسے آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر کرتا ہے (4)۔ عون بن عبد اللہ نے کہا: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن پر انعام کیا جاتا ہے تو شکر نہیں کرتے اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو امتحان میں ڈالا جاتا ہے تو صبر نہیں کرتے۔

اَوْ يُؤْثِقُهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ⑦ وَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا مَا

لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ⑧

”یا اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور درگزر فرما دیا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور اس وقت جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔“

اَوْ يُؤْثِقُهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا اگر چاہے تو ہواؤں کو آندھیاں بنا دے اور کشتیوں کو تباہ کر دے یعنی ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کشتیوں والے افراد کو ہلاک کر دے۔

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۖ ان کشتیوں والے بہت سے افراد کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کشتیوں کے ساتھ انہیں غرق نہیں کرتا؛ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور انہیں ہلاکت سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتا ہے۔ قشیری نے کہا: عام قراءت وَيَعْفُ ہے اس میں اشکال ہے کیونکہ معنی ہے اگر چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے اور وہ کشتیاں ایک ہی جگہ ٹھہری رہیں اور ان کے سواروں کے گناہوں کے سبب انہیں تباہ کر دے اس صورت میں عطف کرنا اچھا نہیں کیونکہ اس صورت میں معنی بن جاتا ہے اگر چاہے تو معاف کر دے معنی یہ نہیں بلکہ معنی ہے بغیر مشیت کی شرط کے انہیں معاف کرنے کی خبر دینا ہے اس صورت میں مجزوم پر عطف لفظ کے اعتبار سے ہوگا معنی کے اعتبار سے نہیں ہوگا۔

وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِيصٍ ۝ اس کا مصداق کفار ہیں یعنی جب وہ سمندر کے بیچ میں ہوتے ہیں اور ہوائیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں یا کشتیاں کھڑی رہتی ہیں تو انہیں علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ ہی انہیں بچانے والا ہے، اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پس وہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص سے عبادت کریں۔ یہ بحث بھی کئی مقامات پر گذر چکی ہے۔ سمندر میں سفر کرنے کے بارے میں بحث سورہ بقرہ اور دوسرے مقامات پر گذر چکی ہے اس لیے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ نافع اور ابن عامر نے دی علم رفع کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ شرط و جزا کے بعد رفع استئناف کے طریقہ پر ہوگا جس طرح سورہ توبہ میں ہے وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ (14) پھر فرمایا: وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ (التوبہ: 15) رفع کے طور پر فرمایا، اس کی مثل کلام عربی میں ہے ان تاتنی آتک وینطلق عبد اللہ یا یہ مبتدا مخذوف کی خبر ہے اور نصب محض کلام پھیرنے کے اعتبار سے ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَنَّا يَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الضَّالِّينَ ۝ (آل عمران) جزم کی حالت سے نصب کی حالت کی طرف اسے پھیرا ہے مقصد تخفیف پیدا کرنا ہے کیونکہ پے در پے جزم ناپسندیدہ ہے جس طرح نابغہ کا قول ہے:

فَإِنْ يَهْلِكَ أَبُو قَابُوسَ يَهْلِكُ ربيعُ الناسِ والشهرُ الحرامُ

وَيُسِيكُ بَعْدَهُ بِذَنَابِ عَيْشٍ أَجَبَ الظُّهْرُ لَيْسَ لَهُ سَنَامٌ

اگر ابو قابوس ہلاک ہو گیا ہے تو لوگوں کا موسم بہار اور شہر حرام فوت ہو گیا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد وہ زندگی کی دنب کو ہی پکڑے گا جس کی کہاں کئی ہوئی ہے۔

یہ قراءت کے قول کا معنی ہے۔ اگر یعلم کو جزم دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ زجاج نے کہا: اُن کے مضمحل ہونے کی بنا پر اسے نصب دی جائے گی (1) کیونکہ اس سے قبل جزم ہے تو کہتا ہے: تصنعُ أصنعُ مثله وَاكْرَمَكَ۔ اگر تو چاہے تو تو کہہ سکتا ہے وَاكْرَمَكَ بعض مصاحف میں ولیعلم ہے یہ اس امر پر دال ہے کہ نصب معنی کی وجہ سے ہے کہ پہلا مصدر کے حکم میں ہے ویكون منه عفو وان یعلم۔ جب اسے اسم پر محمول کیا تو ان کو مضمحل کیا جس طرح تو کہتا ہے: ان تاتنی وتعطينی اکر ملک اور تو تو تعطينی کو نصب دیتا ہے تقدیر کلام یہ بنے گی ان یکن منکم اتیان وان تعطينی۔



مِنْ مَّحِيصٍ ⑤ کا معنی فرار اور بھاگنے کی جگہ ہے (1)؛ یہ قطرب نے کہا۔ سدی نے کہا: معنی ہے پناہ گاہ۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے (2)؛ خاص بہ البعید حیصۃ جب اونٹ نے اسے پھینک دیا اسی معنی میں ان کا قول ہے: فلان یحیص عن الحق فلاں حق سے مائل ہوتا ہے۔

فَمَا أَوْتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا  
عَلَىٰ مَا بِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ⑥

”پس جو کچھ تمہیں دیا گیا یہ دنیوی سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“

مِنْ شَيْءٍ سے مراد دنیا میں غنا اور خوشحالی ہے فَمَتَّاعُ یہ چند دنوں کا سامان ہے جو دن ختم ہو جائیں گے اس لیے مناسب نہیں کہ کوئی اس پر فخر کرے، خطاب مشرکوں کو ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى سے مراد اطاعت پر ثواب ہے لِلَّذِينَ آمَنُوا جنہوں نے تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا وَ عَلٰی مَا بِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ⑥ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے آپ کو ملامت کی۔ حدیث طیبہ میں آیا ہے ”انہوں نے اسی ہزار خرچ کیا۔“

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ⑦

”اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ اسم موصول محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف لِلَّذِينَ آمَنُوا پر ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ گناہ کبیرہ کے بارے میں بحث سورۃ النساء میں گذر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے کبیر الاثم پڑھا ہے اضافت کے وقت واحد سے بھی جمع کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) جس طرح حدیث طیبہ میں ہے مَنَعَتِ الْعِرَاقُ دَرَهْمًا وَ قَفِيزًا (3) محل استدلال درہم اور قفیز ہا ہے۔ باقی قراء نے یہاں اور سورۃ نجم میں جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَالْفَوَاحِشَ سدی نے کہا: اس سے مراد زنا ہے (4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: کَبِيرُ الْاِثْمِ سے مراد شرک ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہاں کَبِيرُ الْاِثْمِ سے مراد گناہ ہیں کہ جب کوئی ان سے اجتناب کرتا ہے تو چھوٹے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ فَوَاحِشُ بھی کبار میں داخل ہوتے ہیں لیکن یہ زیادہ فحش اور زیادہ شنیع ہو جاتے ہیں جس طرح قتل، زانی

کرنے کی نسبت اور بدکاری گناہ کی ترغیب دینے کی نسبت زیادہ قبیح ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فواحش اور کبائر دونوں کا معنی ایک ہے لفظ متعدد ہونے کی وجہ سے اسے مکرر ذکر کیا یعنی وہ نافرمانیوں سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ وہ کبائر اور فواحش ہیں۔ مقاتل نے کہا: فواحش سے مراد حد و کو واجب کرنے والے امور ہیں (1)۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿١٣٤﴾ یعنی وہ درگزر سے کام لیتے ہیں اور جس نے ان پر ظلم کیا ہوتا ہے ان سے حلم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت عمر کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں مکہ مکرمہ میں گالیاں دی گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب تمام مال خرچ کرنے پر لوگوں نے ان کی ملامت کی اور جب انہیں گالیاں دی گئیں تو انہوں نے حلم کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مال جمع ہوا تو آپ نے اللہ کی راہ میں تمام مال صدقہ کر دیا مسلمانوں نے انہیں ملامت کی اور کافروں نے ان پر غلط عمل کرنے کا الزام لگایا تو قیامت میں شئ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَلَئِنْ أَمْنُوا وَعَلَىٰ رَأْيِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿١٣٥﴾ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿١٣٦﴾ تک آیات نازل ہوئیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مشرکوں میں سے ایک آدمی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ محاسن اخلاق میں سے ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے پر شفقت کرتے ہیں اور جو جاہل ہوتا ہے اس سے درگزر کرتے ہیں، وہ عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ثواب اور عفو کا سوال کرتے ہیں کیونکہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران: 134) وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی تیری عزت سے کھیلے اور تو اس سے غصہ پر قابو پائے، کسی نے یہ شعر کہا:

إِنِّي عَفَوْتُ بِظَالِمِي ظَلَمِي وَوَهَبْتُ ذَاكَ لَهُ عَدُوِّ عَلَمِي

مَازَالَ يَظْلِمُنِي وَأَرْحَمُهُ حَتَّىٰ بَكَيْتُ لَهُ مِنَ الظُّلْمِ

میں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا میں نے سب کچھ جانتے ہوئے اسے یہ چیز ہبہ کی۔ وہ لگاتار مجھ پر ظلم کرتا رہا اور میں اس پر رحم کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے ظلم کی وجہ سے میں اس کے حق میں رویا۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٣٧﴾

”اور جو لوگ اپنے رب سے استجاب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ

معاف کر دیتے ہیں۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ عبدالرحمن بن زید نے کہا: اس سے مراد مدینہ طیبہ کے

انصار ہیں (1)، رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ایمان لانے کی جب انہیں دعوت دی گئی تو انہوں نے اس پر لبیک کہی جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل انہیں میں سے بارہ نقیب ان کی طرف روانہ کیے تھے۔

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ یعنی انہوں نے نماز کو اسکے اوقات میں شروط اور ہیتوں کے ساتھ ادا کیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وہ امور میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ شوری، شاورتہ کا مصدر ہے جس

طرح بشری اور ذکر وغیرہ نبی کریم ﷺ کے انصار مدینہ کے پاس آنے سے پہلے انصار کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتے تو وہ آپس میں مشورہ کرتے پھر اس پر عمل کرتے اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح کی (2)؛ یہ نقاش کا قول ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: وہ امور میں رائے کی اتباع کرتے ہیں اس لیے وہ اتفاق کرتے ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے

تو ان کے اتفاق کی وجہ سے ان کی مدح کی گئی (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کسی قوم نے کبھی بھی مشورہ نہیں کیا مگر انہیں

بہترین امر کی طرف ہدایت دی گئی (4)۔ سخاک نے کہا: جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے بارے میں سنا تو

آپس میں مشورہ کیا وہ مراد ہے اور ان کے نقیب ان کے پاس آئے یہاں تک کہ ان کی رائے حضرت ایوب کے گھر میں آپ

پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے پر متفق ہو گئی (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بھی ان پر کوئی امر ظاہر ہوتا تو وہ آپس میں

مشورہ کرتے ان میں سے بعض بعض کی خبر کو ترجیح نہ دیتے۔ ابن عربی نے کہا: مشورہ جماعت میں محبت پیدا کرتا ہے، عقلوں کو

پر کھنکھانے کا آلہ ہے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کا سبب ہے کسی قوم نے جب بھی مشورہ کیا وہ ہدایت پا گئے (6) ایک دانائے کہا:

إذا بلغ الرأي المشورة فاستعن برأى لبيب أو مشورة حازم

ولا تجعل النورى عليك غضاضة فإن الخوائى قوة للقوادم

جب رائے مشورہ تک جا پہنچے تو دانشمند کی رائے اور محتاط کے مشورہ سے مدد لے تو مشورہ اپنے لیے نقص نہ سمجھ بے شک

چھوٹے پر، بڑے پروں کی قوت ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امور میں مشورہ کی مدح کی ہے اس قوم کی مدح کے ساتھ جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ

جنگلوں کے متعلق امر میں اپنے صحابہ سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے یہ آراء میں بہت زیادہ ہوتا ہے آپ احکام میں صحابہ سے

مشورہ لیا کرتے تھے کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوتے وہ فرض ہوتے، مستحب ہوتے، مکروہ ہوتے، مباح

ہوتے یا حرام ہوتے، جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہم پر ترجیح دی ہے وہ احکام میں بھی مشورہ کیا کرتے

تھے اور کتاب و سنت سے ان کو مستنبط کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے سب سے پہلے جس معاملہ میں مشورہ کیا وہ خلافت کا

معاملہ تھا نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں واضح ارشاد فرمایا تھا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور انصار کے

درمیان معاملہ ہوا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اپنی دنیا کے لیے اسی پر راضی ہیں جس پر نبی کریم

سنتیہ پیغم ہمارے دین کے بارے میں راضی تھے۔ مرتدوں کے بارے میں صحابہ نے مشورہ کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا، صحابہ نے دادا اور اس کی میراث میں مشورہ کیا، شراب اور ان کی حد کے بارے میں مشورہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انہوں نے جنگوں کے بارے میں مشورہ کیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہر مزان سے بھی جنگوں کے بارے میں مشورہ کیا جب وہ مسلمان کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرمزان نے آپ سے عرض کی: اس جنگ اور اس جنگ میں مسلمانوں کے جو دشمن شریک ہیں ان کی مثال اس پرندے جیسی ہے جس کا ایک سر ہے اس کے دو بازو ہیں اور دو پاؤں ہیں اگر ایک بازو ٹوٹ جائے تو دونوں ٹانگیں، ایک بازو اور سر کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اگر دوسرا بازو بھی ٹوٹ جائے تو دونوں ٹانگیں اور سر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اگر سر کچل دیا جائے تو دونوں پاؤں اور دونوں بازو بھی ختم ہو جاتے ہیں، سر کسریٰ ہے، ایک بازو قیصر اور دوسرا بازو فارس ہے مسلمانوں کو حکم دو کسریٰ کی طرف نکلیں۔

ایک دانشمند نے کہا: میں نے کبھی بھی غلطی نہیں کی جب مجھے کوئی امر لاحق ہوتا تو میں اپنی قوم سے مشورہ کرتا میں وہی کرتا جو وہ رائے دیتے اگر میں صحیح نتیجہ تک جا پہنچتا تو وہ بھی صحیح نتیجہ تک پہنچتے اگر میں غلطی کرتا تو وہ بھی غلطی کرتے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** سورہ آل عمران آیت 159 میں شوریٰ کے احکام: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** میں گذر چکے ہیں۔ مشورہ برکت ہے مشورہ سے مراد شوریٰ ہے اسی طرح مشورہ ہے تو کہتا ہے: **شاورته في الأمر** واستشرتہ کا معنی ایک ہی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تمہارے امراء تم میں سے بہترین لوگ ہوں، تمہارے اغنیاء تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے امور باہم مشورہ سے ہوں تو تمہارے لیے سطح زمین، زمین کے بطن سے بہتر ہے جب تم میں سے امراء تم میں سے شریر ترین ہوں۔ تمہارے اغنیاء تم میں سے بخیل ترین لوگ ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے حق میں زمین کا بطن اس کی سطح سے بہتر ہے (1)“ یہ حدیث غریب ہے۔

**وَمَا تَزِدُّهُمْ يُنْفِقُونَ** ⑤ یعنی جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے صدقہ کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ⑥ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ⑦ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ⑧ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ⑨ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ⑩ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَبِغْيُؤُنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ⑪ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑫ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ ⑬ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ⑭

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء في النهي عن سب النبی، جلد 2، صفحہ 51۔ ایضاً حدیث نمبر 2192، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



”اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا مناسب بدلہ دیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں، بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد کرتے ہیں زمین میں ناحق یہی ہیں، جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو شخص ان مظالم پر صبر کرے اور طاقت کے باوجود معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

ان میں گیارہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ يَعْنِي مُشْرِكُونَ کی جانب سے ان پر زیادتی کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی وجہ یہ بنی کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بغاوت کی انہیں اذیتیں دیں اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نکلنے کی اجازت دی، زمین میں انہیں اختیار دیا اور جنہوں نے بغاوت کی تھی ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝۱۱۱ (الَّذِينَ أَخْرَجُوا) کا یہی مصداق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر باغی میں عام ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن یعنی جب انہیں ظالم کی جانب سے ظلم پہنچتا ہے تو وہ اس کے ظلم کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے اس میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اقامت حدود کی طرف اشارہ ہے۔

ابن عربی نے ذکر کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ظلم کی صورت میں مدد کا ذکر مدح کے انداز میں کیا ہے، ایک اور موقع پر جرم سے معافی کا ذکر مدح کے انداز میں کیا ہے تو یہ احتمال موجود ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو ختم کرنے والا ہے (1) اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ دو حالتوں کی طرف راجع ہو ان دونوں حالتوں میں سے ایک حالت یہ ہے کہ باغی اعلانیہ فحور کرنے والا ہے عام لوگوں میں بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہو اور چھوٹے بڑے کو اذیتیں دینے والا ہو تو ایسے شخص سے انتقام لینا افضل ہے اس کی مثل میں حضرت ابراہیم خنی نے فرمایا: وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفوس کو ذلیل کریں کہ فاسق ان پر جبری ہو جائیں۔

2۔ وہ امر جلد بازی میں ہو جائے یا اس سے واقع ہو جو لغزش کا اعتراف کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو یہاں معاف کرنا افضل ہے اسی کی مثل میں یہ آیات نازل ہوئیں وَأَنْ تَعْفُوا أَقْدَبُ لِنَفْسِي (البقرة: 237) اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَمَنْ تَصَدَّقْ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ (المائدة: 45) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور: 22)

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر بہت اچھی ہے۔ کہا: طبری نے احکام میں یہی ذکر کیا ہے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالَّذِينَ إِذَا

أَصَابَهُمُ الْغَيْثُ هُمْ يَنْتَظِرُونَ ①۔ اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ اس موقع پر انتقام لینا افضل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے اور نماز قائم کرنے کے ذکر کے ساتھ اسے ملایا ہے یہ اسی معنی پر محمول ہے (1) جو ابراہیم نخعی نے ذکر کیا ہے وہ مومنوں کے لیے اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کر دیں، فساق ان پر جری ہو جائیں یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جو حد سے تجاوز کرے اور اس پر اصرار کرے۔ وہ موقع جس میں معافی کا حکم دیا گیا ہے وہ اس وقت ہوگا جب جنایت کرنے والا شرمندہ ہو اور غلطی کا ازالہ کرنے والا ہو اس آیت کے بعد ارشاد فرمایا: وَلَمَّا اِنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ② یہ انتقام لینے کے مباح ہونے کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا حکم دیتا ہے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا: وَلَمَّا اِنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ لَوْ اَنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ③ یہ غیر مصر کے لیے بخشش پر محمول ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو بغی اور ظلم پر مصر ہوتا ہے تو اس سے انتقام لینا افضل ہوتا ہے کیونکہ اس سے ماقبل آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف باہم مدد کرتے ہیں یہاں تک کہ ظلم اپنے آپ سے دور کر لیتے ہیں (2)؛ اور اس کو دور کرتے ہیں یہ ابن بحر نے کہا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ عموم کی طرف لوٹتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً تَمْلُهَا عَمَاءُ ④ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دو قسمیں بنائی ہیں ایک قسم ہے جو ظالموں کو معاف کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ ان کے ذکر کا آغاز کیا وَ اِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ⑤ ایک قسم ایسی ہے جو ظالم سے انتقام لیتے ہیں پھر اس ارشاد وَ جَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً تَمْلُهَا عَمَاءُ کے ساتھ انتقام کی حد بیان کی۔ جو آدمی ان پر ظلم کرتا ہے وہ ظالم سے انتقام لیتے ہیں مگر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتے۔ مقاتل اور ہشام بن حنبل نے کہا: یہ حکم اس آدمی کے بارے میں ہے جس کو زخمی کیا گیا ہو زخمی کرنے والے سے قصاص لے کر انتقام لیا جائے گا (3)، جس نے سب و شتم کی ہے اس سے انتقام نہیں لیا جائے گا یہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور سفیان کا مذہب ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: ابن شبرمہ کہا کرتے تھے مکہ مکرمہ میں ہشام کی مثل کوئی نہیں۔ امام شافعی نے اس آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ انسان کو حق حاصل ہے کہ خائن کے مال سے اتنا مال لے لے جتنی خائن نے اس کے مال میں خیانت کی تھی جبکہ اسے بتانے کی ضرورت نہیں اس بارے میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے استدلال کیا جو حضور ﷺ نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے فرمایا تھا: ”تو اس کے مال سے اتنا لے لے جو تیرے اور تیرے بچے کے لیے کافی ہو“ (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت کے بغیر اسے مال لینے کی اجازت دی۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

ابن ابی شیح نے فرمایا: یہ زخم لگانے میں مقابلہ پر محمول ہے (5) جب کہے: اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے یا اس پر لعنت کرے جب وہ اسکی مثل کہے تو وہ تہمت کا مقابلہ تہمت سے اور جھوٹ کا مقابلہ جھوٹ سے نہ کرے۔

سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کی مدح کی جو ظلم کرنے والے سے اس قدر بدلہ لیتا ہے جبکہ وہ حد سے تجاوز نہیں

3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 207

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 206

5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 207

4۔ مجمع مسلم، کتاب الاقصیہ، باب قضیۃ ہند، جلد 2، صفحہ 75

کرتا اور جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے اتنا ہی ظلم کرتا ہے جس طرح عرب کیا کرتے تھے جزاکو سیئہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بدلہ اس عمل (ظلم) کے مقابلہ میں ہے پہلے نے مال اور بدن میں زیادتی کی اور یہ قصاص اسی کی مثل برا ہے (1)۔ یہ بحث سورہ بقرہ میں مفصل گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے قصاص کو ترک کیا اور اپنے اور ظالم کے درمیان معافی کے ساتھ مصالحت کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر اجر دے گا۔ مقاتل نے کہا: عفو اعمال صالحہ میں سے ہے۔ سورہ آل عمران میں اتنی بحث گزر چکی ہے جو اس میں کفایت کر جاتی ہے۔ الحمد للہ۔

ابو نعیم حافظ نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ”جب قیامت کا روز ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے انہیں کہا جائے گا: جنت کی طرف چلے جاؤ، فرشتے انہیں ملیں گے وہ پوچھیں گے: کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف جا رہے ہیں، فرشتے پوچھیں گے: حساب سے بھی پہلے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں۔ فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے: فضیلت والے۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہاری فضیلت کیا ہے؟ وہ فرمائیں گے: جب ہمارے ساتھ جہالت کا رویہ اپنایا جاتا تو ہم حلم کا مظاہرہ کرتے اور جب ہم پر ظلم کیا جاتا تو ہم صبر کرتے جب ہم پر زیادتی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے۔ فرشتے کہیں گے: جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا اجر کتنا ہی اچھا ہے“ اور حدیث کا ذکر کیا۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ⑤ جو ظلم کا آغاز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا (2)؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی قصاص میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے (3)۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَلَمَّا اِنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ جو مسلمان کافر سے بدلہ لے تو اس مسلمان پر ملامت کرنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ مسلمان کی اس وجہ سے تعریف کی جائے گی، اگر کوئی مسلمان ظالم سے بدلہ لے تو پھر بھی اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کافر سے انتقام لینا حتمی بات ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور معاف کر دینا مستحب ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** وَلَمَّا اِنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَاعَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ⑥ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ اپنا پورا پورا بدلہ لے۔ یہ تین قسموں میں منقسم ہے (1) وہ بدن میں قصاص ہو جس کا ایک آدمی مستحق ہوتا ہے اگر وہ زیادتی کے بغیر پورا پورا حق لیتا ہے اور حکام کے نزدیک اس کا حق ثابت ہوتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہ ہوگا لیکن امام اسے جھڑکے کیونکہ اس پر خون بہانے پر جرأت کا اظہار کرنا ہے اگر اس کا حق حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس میں اس پر کوئی حرج نہ ہوگا وہ ظاہر میں مطالبہ کرنے والا ہے اور اپنے فعل کے ساتھ مواخذہ کرنے والا ہے اور سزا دینے والا ہے۔ 2۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حد ہو کسی آدمی کا اس میں کوئی حق نہ ہو جس طرح حد زنا، چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا اگر یہ حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی اگر حاکم کے نزدیک وہ ثابت ہو تو انتظار کیا جائے گا اگر چوری میں کاٹنا

نی سزا ہو تو حد ساقط ہو جائیگی کیونکہ جس عضو کا کاٹنا لازم ہوا تھا وہ عضو زائل ہو چکا ہے اس پر اس بارے میں کوئی حق ثابت نہیں ہوا کیونکہ تعزیر ادب سکھانے کے لیے ہے، اگر اس آدمی کی سزا کوڑے مارنا ثابت ہو تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس نے تعدی کی ہے جبکہ اس کا محل باقی ہے تو وہ اس میں ماخوذ ہوگا۔ 3۔ مال میں اس کا حق ثابت ہو تو مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق پر غلبہ حاصل کرے یہاں تک کہ اگر وہ جانتا ہے تو اس مال تک رسائی حاصل کرے اگر وہ نہیں جانتا تو مہلت دی جائے اگر مطالبہ کی صورت میں مال تک پہنچنا ممکن ہو تو خفیہ طریقہ سے لینا جائز نہیں اگر مطالبہ کے ساتھ پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ جس پر حق لازم ہوتا ہے وہ انکاری ہے کوئی گواہ بھی نہیں جو گواہی دے تو خفیہ طریقہ سے مال لینے میں دو مذہب ہیں: (1) یہ جائز ہے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے (2) اس طرح لینا منع ہے؛ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے (1)۔

**مسئلہ نمبر 5۔** اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ ان لوگوں پر ملامت ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ان پر اپنی جانب سے حد سے تجاوز کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن جریج نے کہا: وہ ان پر شرک کے ذریعے ظلم کرتے ہیں جو ان کے دین کے مخالف ہے (2)۔

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وہ زمین میں ناحق نفوس اور اموال کے معاملہ میں فساد برپا کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: بغیہم سے مراد نافرمانیوں کے اعمال کرنا ہے (3)۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے قریش کے کفار جس کی امید رکھتے تھے یعنی مکہ میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ہو (4)۔ اس تعبیر کی بنا پر ابن زید نے کہا: یہ سب جہاد کے ساتھ منسوخ ہے، یہ مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔ قتادہ کا قول ہے: یہ عام ہے کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 7۔** ابن عربی نے کہا: یہ آیت سورہ براءۃ میں آیت کے مقابل ہے (5) وہ آیت یہ ہے مَا عَلَى الْمُخْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ (التوبہ: 91) جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والے پر ملامت کی نفی کی اسی طرح مظلوم جب بدلہ لے تو اس پر سے ملامت کی نفی کر دی دونوں قسموں کو مکمل کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** علماء نے ایسے حاکم کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو ایک بستی کے لوگوں پر معین مال لازم کرتا ہے جو مال ان سے لے گا وہ لوگ اپنے اموال کی مقدار کے مطابق اسے دیں گے کیا وہ آدمی جو اس مال کی ادائیگی سے چھٹکارا پاسکتا ہے اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے جب وہ اس سے چھٹکارا پاتا ہے تو حاکم باقی مکینوں سے پورا مال لیتا ہے جو اس نے ان پر لازم کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، یہ ہمارے علماء میں سے سخون کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں ایسا کر سکتا ہے اگر وہ چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر ہو؛ اسی طرف ابو جعفر احمد بن نصر داودی، مالکی گئے ہیں۔ امام مالک کا قول جو زکوٰۃ کا مال وصول کرنے والے کے بارے میں ہے اس کی تائید کرتا ہے: جو شریک افراد میں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 208

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 209

5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1670



سے ایک کے ریوز میں سے ایک بکری لیتا ہے سب میں نصاب نہیں تھا جس سے بکری لی گئی وہ اس پر ظلم ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کہا: سحنون سے جو روایت مروی ہے میں اسے اپنانے والا نہیں کیونکہ ظلم میں کوئی برابری نہیں کسی آدمی پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے آپ کو محض اس خوف سے ظلم میں داخل کر لے کہ کسی اور پر ظلم دو گنا ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ**۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ علماء نے تحلیل (کسی کے لیے کوئی چیز حلال قرار دینا، کسی کے لیے کوئی چیز جائز قرار دینا) میں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسیب سامان اور مال میں سے کوئی چیز کسی کے لیے حلال نہیں کرتے تھے سلیمان بن یسار اور محمد بن سیرین سامان تجارت اور مال میں سے ہر چیز جائز قرار دے دیتے تھے۔ امام مالک مال کو جائز قرار دے دیتے تھے سامان تجارت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ ابن قاسم اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے آپ سے سعید بن مسیب کے قول لا احلل احدا کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ میں نے عرض کی: اے ابا عبد اللہ! ایک آدمی دوسرے کو مال قرض دیتا ہے اور وہ مال ہلاک ہو جاتا ہے اب وہ اس کو ادا بھی نہیں کر سکتا؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ مال دینے والا مال لینے والے کے لیے مال حلال کر دے یہ میرے نزدیک افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (الزمر: 18)**

آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: ایک آدمی دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ فرمایا: میں اس کے لیے تحلیل کی رائے نہیں رکھتا یہ میرے نزدیک پہلے قول سے مختلف ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ** میری رائے نہیں کہ اس نے جو ظلم اس پر کیا ہے اسے اس پر حلال کر دے۔ ابن عربی نے کہا: اس مسئلہ میں تین قول ہیں: (1) کسی حال میں بھی اس کے لیے حلال نہ کرے، یہ سعید بن مسیب کا قول ہے (2) وہ اس کے لیے حلال کر دے؛ یہ محمد بن سیرین کا قول ہے (3) اگر مال ہو تو حلال کر دے، اگر ظلم ہو تو حلال نہ کرے؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا اسے حلال نہ کرے یہ صورت ایسی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کرنے کی طرح ہوگا، دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ اس کا حق ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ساقط کر دے جس طرح وہ قصاص اور سامان تجارت کا حق ساقط کر دیتا ہے۔

تیسرے قول کی دلیل جسے امام مالک نے پسند کیا ہے ایک آدمی تیرا حق ادا کرنے میں مغلوب ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ نرمی کی صورت یہ ہے کہ وہ مال اس کے لیے حلال کر دے اگر وہ ظالم ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ تو اسے نہ چھوڑے تاکہ ظالم لوگ دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں وراپنے قبیح افعال میں آزاد نہ ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں ابو یسر طویل کی حدیث ہے اس میں ہے کہ آپ نے اپنے مقروض سے کہا: باہر آ جاؤ میں جانتا ہوں تو کہاں چھپا ہوا ہے؟ مقروض باہر آ گیا آپ نے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس امر پر برا بیغوثہ کیا کہ تو مجھ سے چھپے؟ جواب دیا: اللہ کی

قسم! میں تجھ سے ذکر کروں گا اور تجھ سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اللہ کی قسم! میں ڈرتا ہوں کہ تجھ سے بات کروں اور جھوٹ بولوں اور میں تجھ سے وعدہ کروں اور تیرے ساتھ اسکی خلاف ورزی کروں تو صحابی رسول ہے، اللہ کی قسم! میں تنگ دست ہوں۔ پوچھا: تو نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی ہے؟ عرض کی: اللہ کی قسم! وہ صحیفہ لائے اور اس قرض کی تحریر کو مناد یا فرمایا: اگر تو قرض ادا کرنے کی صورت پائے تو ادا کر دینا بصورت دیگر تو آزاد ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ تو اس زندہ آدمی کے بارے میں ہے جس سے ادائیگی کی امید ہوتی ہے کیونکہ ذمہ سلامت ہے اور حیلہ سے طلب کرنے کی امید موجود ہے تو اس میت کا کیا عالم ہوگا جس سے حیلہ سے طلب کی کوئی صورت نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی ذمہ ہے (1)؟

**مسئلہ نمبر 10**۔ بعض علماء نے کہا: جس پر ظلم کیا گیا اور اس کا مال لے لیا گیا تو اس کا جو مال روکا گیا ہے اس کی موت تک اس کا ثواب ہے پھر ثواب اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گا یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہے گا کیونکہ وفات کے بعد مال وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ ابو جعفر داودی مالکی نے کہا: یہ نظر و فکر کے اعتبار سے صحیح ہے، اسی معنی میں یہ بھی ہے اگر ظالم مظلوم سے پہلے مر گیا اور اس نے کوئی چیز نہ چھوڑی جس کو وارث نہیں جانتا تھا تو مظلوم کا بوجھ ظالم کے وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا کیونکہ ظالم کی کوئی ایسی چیز باقی نہیں مظلوم کے ورثاء جس کے مستحق بنتے۔

**مسئلہ نمبر 11**۔ وَلَكِنْ صَدَرَوُا غَفْرًا یعنی جس نے تکلیف پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بدلہ نہ لیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مسلمان نے اس پر ظلم کیا ہو۔ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کو گالیاں دیں جس آدمی کو گالیاں دی گئیں وہ غصہ پی، ہاتھ اور اسے پسینہ آ رہا تھا وہ اپنا پسینہ صاف کر رہا تھا پھر وہ اٹھا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے اس آیت کو جانا اور سمجھا، جب جاہل لوگوں نے اسے ضائع کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معاف کرنا مستحب ہے بعض صورتوں میں معاملہ الٹ ہو جاتا ہے تو معافی کو ترک کرنا مستحب ہو جاتا ہے جس طرح بحث پہلے گزر چکی ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب سرکشی کی زیادتی کو روکنا اور تکلیف کے مادہ کو ختم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ سے بھی ایک روایت ایسی مروی ہے جو اسی معنی پر دال ہے روایت یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش نے حضور ﷺ کی موجودگی میں حضرت عائشہ صدیقہ بنت جحش کو برا بھلا کہا رسول اللہ ﷺ اسے روکا کرتے تو وہ نہ رکتیں (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ بنت جحش سے فرمایا: ”اس سے بدلہ لو“۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ معاصی سے صبر کرے اور برائیوں پر پردہ ڈالے۔

إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ یعنی یہ وہ امور ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان درست

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 71-1670

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، جلد 1، صفحہ 143

امور میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے۔ کبھی اور فرما نے ذکر کیا ہے: یہ آیت اور اس سے قبل کی تین آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں (1) کسی انصاری نے انہیں برا بھلا کہا تو آپ نے اسے جواب دیا پھر خاموشی اختیار کر لی۔ یہ آیات اس سورت کی مدنی آیات ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئیں یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی تھیں پھر جہاد والی آیات نے انہیں منسوخ کر دیا۔ یہ ابن زید کا قول ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ تفسیر ابن عباس میں ہے: وَلَمَّا انتَصَرْنَا بَعْدَ ظُلْمِهِمْ سے مراد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عبیدہ، حضرت علی اور تمام مہاجرین ہیں فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ۝ سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عبیدہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم ہیں۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابو جہل اور اسود اور تمام وہ مشرک ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ اس سے مراد ظلم اور کفر ہے أَلَيْسَ سے مراد دردناک عذاب ہے وَلَكِنْ صَبَرُوا وَعَفَّيْنَا اس سے مراد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت مصعب بن عمیر اور تمام بدری صحابہ ہیں إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ کیونکہ انہوں نے فدیہ کو قبول کیا اور تکلیفوں پر صبر کیا۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۚ

”اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی کارساز نہیں اس کے بعد، اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب دیکھیں گے عذاب تو پوچھیں گے: کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے۔“

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ جسے اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار چھوڑ دے فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهِ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور میں اعراض کیا جن امور کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت دی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور قربی میں محبت اور ان لوگوں نے دوبارہ اٹھائے جانے اور دنیا کے سامان کے قلیل ہونے میں آپ کی تصدیق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ جسے ان چیزوں سے گمراہ کر دے تو کوئی ہدایت دینے والا اسے ہدایت نہیں دیتا۔

وَتَرَى الظَّالِمِينَ یہاں ظالمین سے مراد کفار ہیں لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ عذاب سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے موت کے وقت عذاب کو دیکھا يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۚ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں دنیا کی طرف لوٹا یا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو ان کی عرضداشت قبول نہیں کی جائیگی۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعِينَ مِنَ الدَّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفٍ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخُسْرَىٰ عَلَى الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ

## الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝

”اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کیے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و در ماندہ ہوں گے ذلت کے باعث دیکھتے ہوں گے نکلیوں سے چوری چوری، اور کہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھائے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھائے میں ڈالا اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز، سن لو! ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے۔“

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا ۝ ہا ضمیر سے مراد آگ ہے کیونکہ یہی ان کا عذاب ہے اگر تو چاہے تو جہنم مراد لے لے اگر لفظ کی رعایت کی جاتی تو علیہ ہوتا پھر یہ کہا گیا: اس سے مراد سب مشرک ہیں جنہیں جہنم پر پیش کیا جائے گا (1) جب وہ اس کی طرف جائیں گے: یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد آل فرعون ہیں ان کی روحوں کو سیاہ پرندوں میں محبوس کیا جاتا ہے (2) جو صبح کے وقت جہنم پر آتے ہیں اور شام کو واپس پلٹتے ہیں یہی جہنم پر انکی پیشی ہے: یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عام مشرک ہیں ان کی قبروں میں ان کے گناہ پیش کیے جاتے ہیں اور وہ قبروں میں عذاب پر پیش کیے جاتے ہیں: ابو حجاج کے قول کا یہی معنی ہے (3)۔

خُشِعِينَ مِنَ الذَّلِيلِ ۝ بعض قراء نے خُشِعِينَ پر وقف کیا اور مِنَ الذَّلِيلِ، يَنْظُرُونَ کے متعلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خُشِعِينَ کے متعلق ہے۔ خشوع کا معنی تواضع و عاجزی ہے۔

يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۝ کا معنی ہے وہ اپنی نظروں کو پورا نہیں اٹھاتے کیونکہ وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہوتے ہیں۔ عرب ذلیل کی صفت غض الطرف سے کرتے ہیں جس طرح اس کے مقابل کے لیے حدید النظر سے صفت بیان کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: مِنَ طَرَفٍ خَفِيٍّ سے مراد ہے ذلیل (4)۔ وہ اپنے دلوں سے دیکھیں گے کیونکہ وہ اندھے اٹھائے جائیں گے عین قلب سے مراد طرف خفی ہے۔

قَادَهُ، سدی، قرطبی اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ خوف کی شدت کی وجہ سے نظریں چراتے ہیں (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ کمزور نظر سے دیکھتے ہیں۔ یونس نے کہا: من کا معنی باء ہے (6) تقدیر کلام یہ ہوگی يَنْظُرُونَ بطرف خفی یعنی ذلت اور خوف کی وجہ سے کمزور نظر سے دیکھتے ہیں اسی کی مثل اعمش سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ کملائی ہوئی کمزور نظر سے دیکھتے ہیں (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ عذاب کی اصناف کو دیکھتے ہیں تو پوری آنکھ سے دیکھنے سے ڈرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۝ مومن جب اس چیز کا مشاہدہ کریں گے جو کفار پر واقع ہوا تو جنت میں یہ کہیں گے: حقیقت میں خسارہ تو وہ ہے جس کی طرف یہ لوگ پہنچے ہیں انہوں نے

4۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 246

3۔ ایضاً

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 209

7۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 210

6۔ ایضاً

5۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 123



اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا ہے کیونکہ یہ داغی عذاب میں ہیں اور انہوں نے اپنے اہل میں بھی خسارہ اٹھایا ہے کیونکہ ان کے گھر والے اگر آگ میں ہوں گے تو ان کی وجہ سے انہیں کوئی نفع نہ ہوگا اگر اہل جنت میں ہوں گے تو اس کے اور ان کے درمیان رکاوٹ موجود ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل کے خسران سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ ایمان لاتے تو جنت میں ان کے اہل حور عین میں سے ہوتے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک گھر جنت میں ہے اور ایک گھر دوزخ میں ہے جب وہ مرتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے تو جنتی اس کے گھر کا وارث بن جاتا ہے (1) اللہ تعالیٰ کے فرمان: اُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (المومنون) کا یہی مطلب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسند دارمی میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی آدمی جسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ بہتر (72) بیویاں حور عین میں سے اور ستر (70) جہنمیوں کی میراث کے طور پر عطا فرماتا ہے ان میں سے ہر ایک کی شرمگاہ دل پسند ہوگی اور اس کا آلہ تناسل دہرہ نہیں ہوگا“ (2)۔

ہشام بن خالد نے کہا: من میراثہ من اهل النار سے مراد ایسے مرد ہیں جنہیں جہنم میں داخل کیا گیا تو جنتی ان کی عورتوں کے وارث ہو گئے جس طرح فرعون کی بیوی کے وارث ہو جائیں گے (3)۔

اَلَا اِنَّ الظَّالِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ (یعنی ایسا عذاب جو ختم نہ ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مومنوں کا قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ کلام ہو۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ اَوْلِيَاءٍ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيْلٍ (4)

”اور نہیں ہوں گے اس روز اس کے لیے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر، اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لیے بچنے کی کوئی راہ نہیں۔“

اَوْلِيَاءٍ سے مراد مددگار ہیں مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اس کے عذاب سے انہیں بچائیں و مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيْلٍ (جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ نہیں جس کے ذریعے وہ دنیا میں حق تک اور آخرت میں جنت تک پہنچ سکے کیونکہ ان پر نجات کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔

اَسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِیَ یَوْمٌ لَاْ مَرَدُّ لَہٗ مِنْ اللّٰهِ ۚ مَا لَکُمْ مِّنْ مَّجَآئِ  
یَوْمَیْہِمْ وَمَا لَکُمْ مِّنْ تَکْوِیْنٍ (5)

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب فی الزہد، صفحہ الجنت، جلد 332 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، باب فی صفۃ الجنة، حدیث 4327، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

” (لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آجائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں، نہ ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔“

اِسْتَجِیْبُوا لِیْرَتَّکُمْ اِس نے تمہیں ایمان اور اطاعت کی طرف جو دعوت دی ہے اس پر لبیک کہو: استجاب او جواب دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مَا لَکُمْ مِّنْ مُّلْجَا کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں ہوگی جو تمہیں عذاب سے نجات دے۔

وَمَا لَکُمْ مِّنْ تَکْوِیْنٍ ۝ کوئی مددگار نہیں جو تمہاری مدد کرے (1)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نکیر منکر کے معنی میں ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا تو اس روز تم کسی انکار کرنے والے کو نہ پاؤ گے؛ یہ ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے (2)۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان گناہوں کے انکار پر قادر نہ ہوں گے جن سے وہ آگاہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنْ تَکْوِیْنٍ سے مراد ہے تم پر جو عذاب نازل ہوگا اس کو تبدیل کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ نکیر اور انکار کا معنی ہے ناپسندیدہ چیز کو تبدیل کرنا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اٰمُرُ سَلٰتْکُمْ عَلَیْہُمْ حَفِیْظًا ۚ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۚ وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِثْلًا رَّحْمَةً فَرَحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ سَیْئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہُمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ۝

”پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا آپ کا فرض تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث تو شور مچانے لگتا ہے بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے۔“

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اگر انہوں نے ایمان سے اعراض کیا فَمَا اٰمُرُ سَلٰتْکُمْ عَلَیْہُمْ حَفِیْظًا یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا یہاں تک کہ آپ ان کا اعمال پر محاسبہ کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ جب تک وہ ایمان نہ لائیں آپ ان سے جدا نہ ہوں یعنی انہیں ایمان پر مجبور کرنا جو آپ کی ذمہ داری نہیں اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہے وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ یہاں انسان سے مراد کافر ہے وَمِثْلًا رَّحْمَةً رحمت سے مراد خوشحالی اور صحت ہے فَرَحَ بِهَا اس کی وجہ سے وہ اترانے لگتا ہے وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ سَیْئَةٌ اگر انہیں آزمائش اور سختی آتی ہے بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہُمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ ۝ یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے جو نعمتیں اس پر پہلے ہو چکی ہیں ان کی ناشکری کرنے والا ہے وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ یَهْبِ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَّا لَآ وَیْہِبُ

لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا نَافِعُونَ ۚ  
إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝

”اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے، بخشا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند اور ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں اور بنادیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ، بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** لِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ مبتدا اور خبر ہیں یَخْلُقُ مَا يَشَاءُ یعنی مخلوقات میں سے جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۖ ابو عبیدہ، ابو مالک، مجاہد، حسن اور ضحاک نے کہا (1): جن کے بارے میں چاہتا ہے انہیں مونث عطا کرتا ہے ان کے ساتھ مذکر نہیں ہوتے اور جن کے بارے میں چاہتا ہے مذکر عطا فرماتا ہے ان کے ساتھ مونث نہیں ہوتے ذکور پر الف لام داخل کیا اناث پر الف لام داخل نہیں کیا کیونکہ مذکر شرف والے ہیں پس الف لام تعریف کے ساتھ مذکروں کو ممتاز کیا۔

واعلمہ بن اسحاق نے کہا: عورت کی برکت میں سے یہ ہے (2) کہ اس کا ذکر مردوں سے پہلے کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ عورتوں سے ذکر شروع کیا اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا نَافِعُونَ نے کہا: عورت پہلے بچہ اور پھر بچی جنے، پھر وہ بچہ اور پھر بچی جنے (3)۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وہ جڑواں بچے اور بچی کو جنے یا انہیں مذکر اور مونث کی حیثیت میں جمع کر دے (4)۔ قتبی نے کہا: یہاں تزویج سے مراد بیٹوں اور بیٹیوں کو جمع کرنا ہے (5)، عرب کہتے ہیں: زوجت ابی۔ جب تو بڑوں اور چھوٹوں کو جمع کرے۔

وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا یعنی اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی یوں کہا جاتا ہے: رجل عقیم، امرأة عقیم۔ عقیمت المرأة تعقم عقمًا یہ بات اسی طرح ہے جس طرح حید بحد ہے عقیمت تعقم جس طرح عظم یعظم ہے اس کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے السنت العقیم ہے یعنی ایسا ملک جس میں رشتہ داریوں کو قتل اور تفرمانی کے ذریعے کاٹ دیا جاتا ہے کیونکہ ملک چھن جانے کا خوف ہوتا ہے ریح عقیم یعنی ایسی ہوا جو بادلوں اور درختوں میں ملا تھکا فریضہ سرانجام نہیں دیتی۔ یوم قیامت یوم عقیم ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی دن نہیں، یہ کہا جاتا ہے: نساء عقم وعقمہ۔ شاعر نے کہا:

عقم النساء فما یبدن شبیہ ان النساء بشبه عقم

عورتیں بانجھ ہو گئیں وہ اس کی مثل نہیں جنتیں عورتیں اس کی مثل لانے سے بانجھ ہیں۔

نقاش نے بیان کیا ہے: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی اگرچہ اس کا حکم عام ہے (6)۔ حضرت لوط علیہ السلام کو

3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 246

2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 43

1۔ تفسیر ابن جریر، جلد 5، صفحہ 211

6۔ ایضاً

5۔ ایضاً

4۔ تفسیر ابن جریر، جلد 5، صفحہ 211

صرف بیٹیاں عطا کی گئیں ان کے ساتھ بیٹے نہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں عطا کیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو کوئی اولاد نہ دی، اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسحاق بن بشر سے مروی ہے۔ اسحاق نے کہا: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی پھر یہ حکم عام رکھتی ہے یَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَّا ثَائِلُونَ حضرت لوط علیہ السلام، ان کا کوئی بچہ نہ تھا ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں یَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کوئی بچی نہ تھی بلکہ ان کے آٹھ بیٹے تھے اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَّا ثَائِلُونَ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْبًا یعنی حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذکر نہ کیا۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا یَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَّا ثَائِلُونَ کا مصداق حضرت لوط علیہ السلام ہیں انکی صرف بیٹیاں تھیں ان کا کوئی بیٹا نہ تھا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ کا مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کے بیٹے تھے ان کی کوئی بیٹی نہ تھی اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَّا ثَائِلُونَ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں حضرت حواء ہر بطن سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنا کرتی تھیں اس بطن کے مذکر کی دوسرے بطن کی مونث سے شادی کردی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں حرمت کے حکم کو قطعی طور پر نافذ کر دیا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے بھی تھے اور بیٹیاں بھی تھیں قاسم، طیب، طاہر اور عبد اللہ، زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ سب حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ اس تقدیر پر جو اس کی حکمت بالغہ اور مشیت نافذہ کے ساتھ متعلق ہے نظام چل رہا ہے تاکہ نسل باقی رہے مخلوقات بڑھتی رہے وعدہ پورا ہوتا رہے امر ثابت ہوتا رہے دنیا آباد ہوتی رہے جنت اور جہنم میں سے ہر ایک اپنا حصہ لے جو اس کو بھر دے اور کچھ حصہ باقی رہے حدیث طیبہ میں ہے کہ ”جہنم نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: قَطِ قَطِ۔ مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے جہاں تک جنت کا معاملہ ہے تو اس کا کچھ حصہ باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اور مخلوق پیدا فرمائے گا۔“

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عامہ اور قوت شدیدہ کی وجہ سے مخلوق کو ابتداء بغیر کسی چیز کے پیدا فرماتا ہے وہ اپنی عظیم مہربانی اور حکمت بالغہ کے ساتھ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا فرماتا ہے یہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ حاجات سے پاک ہے اور آفات سے سلامت ہے (1)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا فرمایا اور حضرت حواء کو آدم سے پیدا فرمایا اور دونوں سے مخلوق کو وحشی کے طور پر پیدا فرمایا: ”وہ حمل ہوتا ہے وہ جنین ہوتا ہے اس میں وضع حمل ہوتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچی پیدا ہوتی ہے“ صحیح میں اسی طرح ہے ”جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو بچا اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی کے غالب ہوتا ہے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے۔“



میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ بنی شہاب کی حدیث کا معنی ہے (1) اس کے الفاظ نہیں امام مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر کے واسطے سے ان سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: جب عورت کو احتلام ہو اور وہ پانی دیکھے تو کیا وہ غسل کرے گی؟ فرمایا: ”ہاں“ حضرت عائشہ صدیقہ بنی شہاب نے اس عورت سے فرمایا: تَرَبِّثْ يَدَاكَ وَأَلْتِ كَلِمَةَ تَعَجُّبٍ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ”اے چھوڑ دے مشابہت تو اسی وجہ سے ہوتی ہے جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو وہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔“

ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے مقتضا کے مطابق غلبہ مشابہت کا تقاضا کرتا ہے، حضرت ثوبان کی حدیث میں ہے (2) جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودی سے فرمایا: ”مرد کا پانی سفید اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے جب دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچی پیدا ہوتی ہے۔“

اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہوا کہ غلبہ مذکر اور مونث کا تقاضا کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ چچاؤں کے ساتھ مشابہت کے ساتھ اور مذکر ہونا اس صورت میں ہوگا جب مرد کا پانی غالب آجائے اسی طرح جب عورت کا پانی غالب آجائے تو ماموں کے ساتھ مشابہت اور مونث ہونا لازم آئے گا کیونکہ دونوں چیزیں ایک علت کا معلول ہیں معاملہ اسی طرح نہیں بلکہ اس کے خلاف بھی صورت موجود ہوتی ہے کیونکہ ہم یہ پاتے ہیں کہ مشابہت ماموں کے ساتھ ہوتی ہے اور بچہ ہوتا ہے اور چچاؤں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جبکہ بچی ہوتی ہے پس دونوں حدیثوں میں سے ایک کی تاویل متعین ہوگئی حدیث ثوبان کا جو معنی متعین ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غلبہ ہو تو یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے سابقنی فلان فسبقتہ فلاں نے میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں اس پر سبقت لے گیا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ (الواقعة) یعنی ہم مغلوب نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غلبہ کا معنی ہے علا علیہ اس قول کی تائید حدیث کرتی ہے ”جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو بچی پیدا ہوتی ہے“ (3)۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے ان احادیث کی بنا پر قاعدہ بنایا ہے کہا: ان دونوں پانیوں کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (1) مرد کا پانی پہلے نکلے۔ (2) عورت کا پانی پہلے نکلے۔ (3) مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو۔ (4) عورت کا پانی پہلے نکلے اور زیادہ ہو۔ تقسیم اسی طرح مکمل ہوتی ہے کہ مرد کا پانی پہلے نکلے پھر اس کے بعد عورت کا پانی نکلے اور عورت کا پانی زیادہ ہو یا اس کے برعکس ہو جب مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچہ ہوگا اور کثرت کی وجہ سے بچہ چچاؤں کے مشابہ ہوگا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب وجوب الغسل على امرأة يلهو به البني منها، جلد 1، صفحہ 146

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل والمرأة، جلد 1، صفحہ 146 3۔ احکام القرآن لابن العربي، جلد 4، صفحہ 1672

جب عورت کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچی ہوگی اور غلبہ کی وجہ سے مشابہت ماموؤں کے ساتھ ہوگی اگر مرد کا پانی پہلے نکلے لیکن جب عورت کا پانی نکلا تو وہ زیادہ تھا تو سبقت کی وجہ سے بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے پانی کی مشابہت سے بچہ ماموؤں کے مشابہ ہوگا، اگر عورت کا پانی پہلے نکلے لیکن جب مرد کا پانی نکلا تو وہ عورت کے پانی پر غالب آگیا تو بچی ہوگی کیونکہ عورت کا پانی پہلے نکلا تھا اور مشابہت چچاؤں کے ساتھ ہوئی کیونکہ مرد کا پانی غالب تھا کہا: اقسام کو اس طرح ترتیب دینے سے کلام درست ہو جاتی ہے، احادیث کے درمیان تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ تمام تر پاکیزگیاں خالق علیم کے لیے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ہمارے علماء نے کہا: نسل انسانی مذکر اور مونث کی حیثیت سے رواں دواں رہی یہاں تک کہ دور جاہلیت میں پہلا خلثی واقع ہوا اسے علم میراث کے ماہر اور ان کے معمر آدمی عامر بن ظرب کے سامنے پیش کیا گیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بارے میں کیا کہے اس نے ان سے مہلت مانگی۔ جب اس پر رات تاریک ہو گئی تو وہ بے کل ہو گیا وہ پہلو بدلتا رہا اس کے پاس ایک سوچ آتی اور ایک جاتی یہاں تک کہ اس کی خادمہ نے اس کی کیفیت کو عجیب جانا، پوچھا: کیا بات ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک معاملہ میرے پاس پیش کیا گیا ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اس وجہ سے جاگ رہا ہوں؟ خادمہ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک آدمی ہے جس کا ذکر اور فرج دونوں ہیں اس کا میراث میں کیا حال ہوگا؟ لونڈی نے اسے کہا: جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے اسی مناسبت سے اسے وراثت دے دو، عامر اسے سمجھ گیا اس نے صبح کی اور عامر نے اس کا حل پیش کر دیا وہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ یہی صورتحال تھی کہ اسلام آگیا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اس بارے میں فیصلہ کیا۔ کبھی نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ذکر اور فرج تھی تو کس اعتبار سے اسے ورثہ دیا جائے گا؟ فرمایا: ”جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے“ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی خدمت میں انصار کا ایک خلثی پیش کیا گیا تو فرمایا: جہاں سے اسے پہلے پیشاب آتا ہے اس اعتبار سے اسے وارث بناؤ“ محمد بن حنفیہ نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے، ابن مسیب، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ مزنی نے کہا: امام شافعی سے اسی طرح مروی ہے۔

ایک قوم کا نقطہ نظر یہ ہے: پیشاب کا کوئی اعتبار نہیں اگر دونوں سے پیشاب آئے تو امام ابو یوسف کا قول ہے اکثر پر حکم لگایا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کیا تو اس کا کیل کرے گا؟ امام شافعی کے مقلدین نے اکثریت پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ حضرت علی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی پسلیاں شمار کی جائیں گی (1) کیونکہ عورت کی پسلی مرد کی نسبت ایک زائد ہوتی ہے۔ میراث والی آیت میں علماء نے جو کچھ کہا ہے مفصل گذر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 4۔** قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: ایک قوم نے خلثی کے وجود کا انکار کیا (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے مونث، مذکر۔ ہم کہتے ہیں: یہ لغت سے ناواقفیت فصاحت سے کند ذہنی اور قدرت کی وسعت کی پہچان

سے کوتاہی کی بنا پر ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق ہے کیونکہ وہ وسعت والا اور علیم ہے جہاں تک قرآن کے ظاہر کا تعلق ہے وہ خفی کے وجود کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ** یہ عموم مدح ہے اس میں تخصیص جائز نہیں کیونکہ قدرت اس کا تقاضا کرتی ہے جہاں تک اس آیت **يَهْبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَّا نَا وَ يَهْبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الَّذِي كُوْنَا ۚ اَوْ يَزُوْجُهُمْ ذُكْرًا وَّاُنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا** کا تعلق ہے تو یہ موجودات میں غالب کی خبر دیتا ہے نادر کے ذکر سے سکوت فرمایا کیونکہ وہ کلام اول کے عموم کے تحت داخل ہے وجود اس کی گواہی دیتا ہے اور مشاہدہ منکر کی تکذیب کرتا ہے۔ رباط میں ہمارے ساتھ ابوسعید خلتی، امام شہید کے پاس پڑھتا تھا جو بلاد مغرب سے تعلق رکھتا تھا نہ اس کی داڑھی تھی اور نہ ہی پستان تھے اس کے پاس ایک لونڈی تھی تیرا رب اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے طویل سنگت کے باوجود حیا اس سے سوال کرنے سے مانع رہا، آج میرے دل میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کاش میں اس کے حال سے آگاہ ہو جاتا۔

**وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يَّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا**

**فَيُوْحِيْ بِاٰذِنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱**

”اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** **وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يَّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا** اس کا سبب یہ ہے (1) کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر آپ نبی ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اس کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اسکو دیکھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ اس طرح کریں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام ہرگز اس کو نہیں دیکھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی: یہ نقاش، واحدی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔“

**وَحْيًا** مجاہد نے کہا: یہ پھونکنا ہے اس کے دل میں پھونکا جاتا ہے (2) تو وہ الہام ہوتا ہے: اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفْثٌ فِیْ رُوْحِیْ اِنْ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتُ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رَزَقَهَا وَاَجْلَهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَحْمِلُوْا فِی الْطَلْبِ رُوْحَ الْقُدُسِ** نے میرے دل میں الہام کیا کہ ایک نفس ہرگز نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ اپنا مکمل رزق پائے گا اور اپنی مدت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلب اچھی کرو۔

**اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ** یا حجاب کے پیچھے سے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی۔ **اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا** جس طرح حضرت جبریل امین کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اِلَّا وَحْيًا** کا معنی ہے (3) ایسے خواب جنہیں وہ اپنی نیند میں دیکھتا

ہے: یہ محمد بن زبیر کا قول ہے اَوْ مِنْ ذَرَايِ حَبَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا زبیر نے کہا: رسول سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں (1) فَيُؤْتِيْهِمْ مَا يَشَاءُ یہ وحی جو رسل کی جانب سے ہوتی ہے یہ رسل یعنی فرشتوں کی جانب سے انبیاء کو خطاب ہوتا ہے جس کو انبیاء سنتے ہیں اور آنکھوں سے جسے دیکھتے ہیں، حضرت جبریل امین کی بھی یہی حالت تھی جب وہ وحی لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت جبریل امین ہر نبی کے پاس آتے رہے مگر حضرت جبریل امین کو حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ذکر یا علیہم السلام کے سوا کسی نے بھی نہیں دیکھا جہاں تک دوسرے انبیاء کا تعلق ہے تو ان کی طرف وحی نیند کی حالت میں الہام ہوا کرتا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا وَحْيًا سے مراد ہے جبریل امین کو بھیج کر اَوْ مِنْ ذَرَايِ حَبَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا جس طرح تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

زہری، شیبہ اور تافع نے اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُؤْتِيْهِمْ دُوْنُوْنَ فَعْلُوْنَ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے۔ رفع جملہ مستانفہ کے طور پر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ہویرسل ایک قول یہ کیا گیا ہے یرسل فعل حال ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الا حیا او مرسل جنہوں نے اسے نصب دی ہے انہوں نے فعل کو محل وحی پر معطوف کیا ہے تو اس کا معنی ہوگا کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو مگر یہ اس کی طرف وحی کرے یا رسول بھیجے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نصب حرف جار کے حذف کی وجہ سے ہو جو ان مضمرہ سے پہلے ہے اور وہ حال کے محل میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی اوبان یرسل رسولاً یہ جائز نہیں کہ اودیرسل منصوب فعل کا عطف اَنْ يَّكَلِّمَهُ پر ہو کیونکہ معنی میں فساد واقع ہوتا ہے کیونکہ معنی یہ بنتا ہے کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اسے بھیجے یا اس کی طرف رسول بھیجے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں رسول بنا کر بھیجے ہیں اور انسانوں کی طرف بھیجے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت سے اس آدمی نے استدلال کیا ہے جس کی رائے یہ ہے: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں آدمی سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس آدمی کی طرف قاصد بھیجا تو وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ آدمی بھیجنے والے کو بھی بعض اوقات اس آدمی کے ساتھ کلام کرنے والا ہی سمجھا جاتا ہے جس طرف اس نے آدمی بھیجا تھا مگر یہ صورت مختلف ہوگی کہ اس نے بالمشافہ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ابن منذر نے کہا: اس آدمی کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جو یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس کی طرف خط لکھا یا اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو ثوری نے کہا: رسول کلام نہیں ہے، امام شافعی نے کہا: اس کا حادث ہونا واضح نہیں ہوگا۔ امام نخعی نے کہا: خط کی صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ حادث ہو جائے گا۔ امام مالک نے کہا: وہ خط اور قاصد دونوں کی صورت میں حادث ہو جائے گا۔ ایک دفعہ کہا قاصد، خط سے آسان ہے۔ ابو عبید نے کہا: کلام، خط اور اشارہ



سے مختلف ہے۔ ابو ثور نے کہا: وہ خط کی صورت میں حانث نہیں ہوگا۔ ابن منذر نے کہا: وہ خط اور قاصد میں حانث نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں اور یہی امام مالک کا قول ہے ابو عمر نے کہا: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ کسی آدمی سے کلام نہیں کرے گا اس نے اسے جان بوجھ کر یا بھول کر سلام کیا یا ایک جماعت کو سلام کیا جبکہ وہ بھی ان میں موجود تھا امام مالک کے نزدیک تمام صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ اگر اس نے اس کی طرف قاصد بھیجا یا اسے سلام کیا جبکہ وہ حالت نماز میں تھا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: قاصد بھیجا تب بھی حانث ہو جائے گا مگر وہ بالمشافہ کی نیت کرے؛ یہ امام مالک اور ابن ماجہون کا قول ہے سورہ مریم کے آغاز میں یہ ہمارے علماء کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد للہ۔

وَ كَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا  
الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا تَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى  
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥١﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَا إِلَى  
اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٢﴾

”اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک (جانفزا) کلام اپنے حکم سے، نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے لیکن اے حبیب! ہم نے بنادیا اس کتاب کو سراپا نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جن کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے، اور بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے خوب سن لو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَ كَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا یعنی جس طرح ہم نے آپ سے قبل انبیاء کی طرف وحی کی اسی طرح آپ کی طرف وحی کی رُوحًا یعنی نبوت؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے (2)؛ اپنی جناب سے رحمت۔ سدی نے کہا: وحی (3)۔ کلبی نے کہا: کتاب (4)۔ ربیع نے کہا: اس سے مراد جبریل امین ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے (5)؛ یہ مالک بن دینار کا قول ہے۔ اسے روح کا نام دیا کیونکہ اس میں جہالت کی موت سے زندگی ہے روح کو اپنے امر کا حصہ بنانا اس معنی میں ہے اسے نازل کیا جس طرح چاہا اور جس پر چاہا یعنی جو نظم معجز ہے اور تالیف معجب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وَ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ (الاسراء: 85) تو قرآن پر محمول کیا جائے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الاسراء: 85) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ قرآن آپ پر کہاں سے آتا ہے؟ کہہ دیجئے: یہ اللہ کا امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے اس حال میں کہ یہ معجز ہے؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مالک بن دینار کہا کرتے تھے: اے اہل قرآن!

تمہارے دلوں میں قرآن نے کیا بویا ہے؟ بے شک قرآن دلوں کا موسم بہار ہے جس طرح بارش زمین کا موسم بہار ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مَا كُنْتُمْ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ یعنی تم ایمان کی طرف جانے والے راستہ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی سے پہلے آپ ایمان سے متصف نہیں تھے۔ قشیری نے کہا: یہ امر عقول کے مجوزات میں سے ہے اکثر علماء جس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر وہ بعثت سے پہلے اس پر ایمان لانے والا تھا یہ بھی عقل سے حکم لگانا ہے مگر یہ کہ قطعی دلیل سے امر ثابت ہو۔ قاضی ابوفضل عیاض نے کہا: نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے وہ نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے جاہل ہونے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک سے پاک تھے انبیاء سے اخبار و آثار اس امر کی مؤید ہیں کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے وہ اس نقص سے پاک ہی رہے بلکہ ان کی پیدائش تو حید و ایمان پر ہی ہوئی بلکہ معارف کے انوار کے اشراق اور الطاف سعادت کے نفحات پر ہوئی۔ جو آدمی ان کی ولادت سے لے کر ان کی بعثت تک کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس کو تسلیم کرتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے احوال سے معروف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا** (مریم)

مفسرین نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اللہ کا علم ان کے بچپن میں دے دیا گیا تھا۔ معمر نے کہا: اس وقت ان کی عمر دو سال یا تین سال تھی، بچوں نے ان سے کہا: تو کھیتا کیوں نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں کھیل کے لیے پیدا کیا گیا ہوں مُصَدِّقًا بِكَلِمَةِ رَبِّهِ (آل عمران: 39) کے بارے میں کہا: حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ ان کی عمر تین سال تھی حضرت یحییٰ نے گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تھے حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم کو کہا کرتی تھی: میرے بطن میں جو ہے وہ تیرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے سلام کی غرض سے سجدہ کرتے ہوئے پاتی ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو انہوں نے اپنی والدہ سے گفتگو کی اس پر اللہ تعالیٰ کا کلام واضح ہے **أَلَا تَحْزَنُ** (مریم: 24) اس کی قراءت کے مطابق جس نے من تحتہا کی قراءت کی ہے، اس کے قول کے مطابق جس نے کہا: ندا کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور پنگھوڑے میں ان کی کلام پر یہ نص بیان کی، فرمایا: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ** اَشْنَى الْكِتَابِ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (مریم) اور فرمایا: **فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ** وَ كَلَّمَا تَيْنَاهَا حُكْمًا وَعِلْمًا (الانبیاء: 79) حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے بارے میں کہا گیا جبکہ وہ بچے تھے۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے یہ فیصلہ انہوں نے رجم کی جانے والے عورت اور بچے کے بارے میں کیا تھا جس کی پیروی ان کے والد حضرت داؤد نے کی تھی۔

طبری نے یہ حکایت بیان کی ہے: جب ان کو حکومت ملی اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ جو واقعہ ہے وہ بھی اسی طرح ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑی جبکہ ابھی وہ بچے تھے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا مِن قَبْلُ** (الانبیاء: 51) کے بارے میں فرمایا: ہم نے

اسے ہدایت دی جبکہ اس کی عمر چھوٹی تھی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن عطاء نے کہا: اس کی پیدائش سے قبل ہی اس کو جن لیا گیا۔ بعض نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا میں نے ایسا کر لیا ہے یہ نہیں کہا میں ایسا کروں گا یہ ان کی ہدایت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا اور ان کا امتحان ہوا اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی، حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبح کی صورت میں امتحان سات سال کی عمر میں ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، چاند اور سورج سے جب استدلال کیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت آپ بچے تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِ هٰذَا (یوسف: 15)** اس کے علاوہ بھی اخبار موجود ہیں۔

سیرت نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی جب ولادت ہوئی تو آپ اپنے ہاتھ زمین پر پھیلانے ہوئے تھے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں کا بغض پیدا ہو گیا، شعر سے بغض پیدا ہو گیا دور جاہلیت کے لوگ جس قسم کے کام کرتے میں نے ان سے کسی شے کا ارادہ نہیں کیا مگر صرف دو دفعہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں دفعہ مجھے اس سے محفوظ رکھا پھر میں نے اس کا اعادہ نہ کیا“ (1)۔

پھر ان کے لیے امر پختہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی نوازشات پے در پے ان پر واقع ہوتی ہیں، معارف کے انوار ان میں روشن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہا تک جا پہنچتے ہیں یہ کسی تجربہ اور مشق کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَسَابَدَنَّمْ اَشَدَّ ءَاثِمًا وَاَسْتَوٰى اَتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (القصص: 14)**

قاضی نے کہا: تاریخ دانوں میں سے کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو نبوت عطا کی گئی ہو یا اسے منتخب کیا گیا ہو جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ اس نے اس سے قبل کفر اور شرک کیا ہو اس بارے میں جس پر انحصار کیا جاسکتا ہے وہ اخبار منقولہ ہیں بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس آدمی کا یہ طریقہ رہا ہو دل اس سے نفرت کرتے ہیں۔

قاضی نے کہا میں کہتا ہوں: قریش نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر ایسی بات کے ساتھ اعتراض کیا جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا، امتوں کے کفار نے اپنے انبیاء کو ہر اس چیز سے عار دلائی جو ان کے لیے ممکن تھا اور جس کو انہوں نے گھڑا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا یا راویوں نے ہمارے لیے اسے نقل کیا لیکن ہم یہ نہیں پاتے کہ ان میں سے کسی نے کسی نبی کو اس بات پر شرمندہ کیا ہو جس امر میں وہ اس کے ساتھ متفق تھا اب اس کو ترک کر دیا ہے اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ اعتراض کرنے میں جلدی کرتے اپنے معبود کو تبدیل کرنے پر اس کے خلاف استدلال کرتے وہ نبی انہیں جس چیز سے منع کرتا ہے جبکہ وہ خود

پہلے اس کی عبادت کرتے تھے اس معاملہ میں ان کا اسے شرمندہ کرنا یہ دلیل میں زیادہ خوفناک اور استدلال میں قطعی ہوتا اس کی نسبت کہ اس نے ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور ان معبودوں کو چھوڑ دیا جن کی ان کے آباء پرستش کیا کرتے تھے ان لوگوں کا اس نبی سے اعراض پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی راہ نہیں پائی تھی کیونکہ اگر کوئی بات ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اور وہ خاموش نہ رہتے جس طرح وہ تحویل قبلہ کے بارے میں خاموش نہ رہے انہوں نے کہا: مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا (البقرہ: 142) جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکایت بیان کی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی کیا وحی سے قبل کسی دین کے پیروکار تھے یا نہیں تھے؟ کچھ نے تو مطلق اس کا انکار کیا اور از روئے عقل کے اسے محال جانا انہوں نے کہا: جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ وہ تابع ہے اس کے لیے متبوع ہونا بعید ہے انہوں نے اس کی بنیاد حسن و قبح پر رکھی ہے۔

دوسری جماعت نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور کسی کا قطعی حکم نہ لگایا کیونکہ عقل ان دونوں میں سے کسی صورت کو محال قرار نہیں دیتی اور نہ ہی بطریق نقل ان میں سے کوئی صورت واضح ہے: یہ ابو معالی کا مذہب ہے۔

تیسری جماعت کا نقطہ نظر ہے: آپ پہلی شریعت کے پیروکار تھے اور اسی پر عامل تھے، پھر ان علماء نے تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ کا دین تمام سابقہ ادیان اور مل کے لیے ناسخ تھا کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی منسوخ دین پر عمل پیرا ہو۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اولاد تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء تھے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ وہ دینوں میں سے سب سے قدیمی دین ہے۔

معتزلہ کا کہنا ہے: لازماً آپ کسی دین کے پیروکار تھے مگر کون سا دین تھا یہ ہمیں معلوم نہیں۔ ہمارے ائمہ نے ان تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایسے اقوال ہیں جو متعارض ہیں ان میں کوئی قطعی دلیل نہیں اگرچہ عقل ان سب کو جائز قرار دیتی ہے جو بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک نبی کی طرف اس طرح منسوب نہیں تھے کہ وہ نسبت یہ تقاضا کرتی ہو کہ آپ اس کے امتی ہیں اور اس کی شریعت کے مخاطب ہیں بلکہ ان کی شریعت بذات خود مستقل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا آغاز ہوا آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بت کو سجدہ نہ کیا نہ بارش والی قسم میں حاضر ہوئے اور نہ خوشبو لگا کر قسم اٹھانے والوں میں حاضر ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے محفوظ و مامون رکھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے: عثمان بن ابی شیبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے (۱) کہ حضرت جابر نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے ساتھ ان کے مشاہد میں حاضر ہوتے آپ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: جاؤ یہاں تک کہ ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، تو دوسرے نے کہا: میں اس کے پیچھے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں جبکہ اس کا وقت بت کو سلام کرنے کا ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ان کے ساتھ ان کی جگہوں پر حاضر نہ ہوئے۔



اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس روایت پر سخت جرح قدح کی ہے کہا: یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے۔ دارقطنی نے کہا: عثمان کو سند میں وہم ہوا ہے، حدیث منکر ہے اس کی سند پر اتفاق نہیں اس وجہ سے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔

علماء کے نزدیک اس کے برعکس ثابت ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: بُغِضْتُ إِلَى الْأَصْنَامِ اور بحیرہ راہب کے قصہ میں آپ کا ارشاد: لَا تَسْأَلَنِي بِهَذَا فَوَاللَّهِ مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضُهُمَا اس پر دلیل ہے بحیرہ راہب نے جب شام میں آپ ﷺ سے ملاقات کی جبکہ اس سفر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ تھے اور ابھی بچے تھے اس نے آپ ﷺ میں نبوت کی علامات دیکھیں تو بطور امتحان کہا کہ لات اور عزی کی قسم اٹھاؤ تو آپ نے یہ جواب دیا تھا: ”مجھ سے ان کے بارے میں قسم کا سوال نہ کرو جتنا میں ان دونوں سے بغض رکھتا ہوں ایسا بغض میں کسی سے نہیں رکھتا“۔ بحیرا نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! جو میں تجھ سے پوچھوں گا تم ضرور اس کا جواب دو گے۔ فرمایا: ”جو چاہو سوال کرو“۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں یہی معروف ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نبوت کے اعلان سے قبل حج کے موقع پر مشرکین کی مخالفت کرتے وہ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے نبی کریم ﷺ عرفات میں وقوف کرتے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ (البقرة: 135) فرمایا: أَيْنَ اتَّبَعُ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ (نحل: 123) فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ (الشوری: 13) یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ شریعت کے پیروکار تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں شریعتوں میں اختلاف نہیں ہوتا جیسے توحید، اقامت دین۔ جس کی وضاحت کئی مواقع پر ہو چکی ہے۔ اس سورت میں شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 4۔** جب یہ بات واضح ہو گئی تو یہ بات جان لو کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ مَا كُنْتُمْ تَدْعُو مَّا الْكِتَابُ وَلَا الْإِنْيَانُ کی تعبیر کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس آیت میں ایمان کا معنی ایمان کے شرائع اور معالم ہیں؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس شرع کی تفصیل مراد ہیں یعنی ان کی تفصیل نہیں جانتے تھے۔ ایمان کے الفاظ کا اطلاق شرع کی تفصیل پر کرنا بھی جائز ہے؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وحی سے پہلے آپ ﷺ قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ آپ کیسے مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دیں؛ اسی کی مثل ابو العالیہ سے مروی ہے۔

ابو بکر قاضی نے کہا: یہاں ایمان سے مراد فرائض اور احکام ہیں، کہا: اس سے پہلے آپ توحید پر ایمان رکھنے والے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن سے پہلے آپ آگاہ نہ تھے احکام کے مکلف بنائے جانے کے ساتھ ایمان میں اضافہ ہوا۔ یہ چاروں اقوال قریب قریب ہیں۔

ابن خزیمہ نے کہا: ایمان سے مراد نماز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ (البقرة: 143)

مراد یہ ہے تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی ہے اس کو ضائع کرنے والا کوئی نہیں، لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی اہل ایمان کا جانتے تھے یہ کلام اس قبیل سے ہوگی جس میں مضاف حذف ہوتا ہے یعنی کون ایمان لائے گا، ابوطالب، حضرت عباس یا کوئی اور؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ پٹھوڑے میں تھے اور بلوغت سے قبل آپ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

ماوردی نے علی بن عیسیٰ سے اسی کی مثل روایت بیان کی ہے۔ اگر رسالت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر بلوغت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارا تم پر انعام نہ ہوتا تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر ہم آپ کو ہدایت نہ دیتے تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے، اس میں احتمال موجود ہے۔

اس ایمان میں دو وجوہ ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، اسے آپ بلوغت کے بعد اور نبوت سے پہلے جانتے تھے (2) دین اسلام، اسے آپ نبوت کے بعد جانتے تھے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے پیدائش سے لے کر بالغ ہونے تک جس طرح یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ یعنی آپ امی قوم سے تعلق رکھتے تھے وہ نہ کتاب کو جانتے اور نہ ہی ایمان کو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَمَا كُنْتُ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُهُ بِيَمِينِكَ إِذَا الْأُمُتَابُ الْمُبِطِلُونَ ﴿١٠٥﴾ (العنکبوت) یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٦﴾ (البقرہ: 105) ضحاک نے کہا: ضمیر غائب سے مراد ایمان ہے (2)۔ سدی نے کہا: مراد قرآن ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی ہے یعنی ہم نے اس وحی کو بنایا نور۔

نُورًا تَهْدِي بِهِ مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ شَأْنٍ، مَنِ ارْتَضَىٰ عَنْ شَيْءٍ لَّيْسَ بِهِ نَبُوءَةٌ لِّكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَسْتَ بِمُحَذِّزٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٧﴾ (البقرہ: 107) ضحاک نے کہا: ضمیر غائب سے مراد ایمان ہے (2)۔ سدی نے کہا: مراد قرآن ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی ہے یعنی ہم نے اس وحی کو بنایا نور۔

وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠٨﴾ (البقرہ: 108) ضحاک نے کہا: ضمیر غائب سے مراد ایمان ہے (2)۔ سدی نے کہا: مراد قرآن ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی ہے یعنی ہم نے اس وحی کو بنایا نور۔

عاصم اور حمدی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے حضرت ابی کی قراءت میں وَأَنَّكَ لَتَدْعُوهُ نَحَاسٌ نے کہا: یہ قراءت نہ کی جائیگی کیونکہ یہ مصاحف کے خلاف ہے اس قسم کے قول کو قائل کی جانب سے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ یہ تفسیر کے طور پر ہے جس طرح کہا: وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

دعوت دیتے ہیں۔

معمرنے قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ کی تفسیر میں یہ آیت ذکر کی وَلِلَّهِ قُودٌ  
هَٰذَا ۝ (الرعد)

صِرَاطِ اللہ یہ پہلے صراط سے بدل ہے جس طرح معرفہ نکرہ سے بدل ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اسلام ہے۔ حضرت نواس بن سمعان نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یعنی ملک، بندہ اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے  
اَلَا اِلٰى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْر ۝ دوبارہ اٹھانے اور جزا دینے کی وعید ہے۔ سہیل بن ابی جعد نے کہا: ایک مصحف جل گیا اس میں  
سے صرف اَلَا اِلٰى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْر ۝ باقی بچا۔ ایک مصحف غرق ہوا اس میں سے سب مٹ گیا صرف اَلَا اِلٰى اللّٰهِ تَصِيْرُ  
الْاُمُوْر ۝ باقی بچا۔ والحمد لله وحده۔

## سورة الزحرف

﴿سَبَّحْتَهَا ۱۹﴾ ﴿سُورَةُ الزَّحْرِفِ مَكِّيَّةٌ ٦٣﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ عَافَا ٤﴾

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے مقاتل نے کہا مگر یہ آیت مدنی ہے وَسُئِلَ مَنْ أَمْرًا سَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا۔ اس کی نواسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمِّ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

”ح۔ ميم۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں تاکہ تم اس کے مطالب کو سمجھو۔“

حَمِّ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَمِّ قسم ہے وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلْنَاهُ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَالْكِتَابِ کا جواب حَمِّ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے نزل واللہ، وجب واللہ تو اس نے الْكِتَابِ الْمُبِينِ پر وقف کیا ہے، جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلْنَاهُ کو بنایا ہے اس نے وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلْنَاهُ کا معنی ہے ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی۔ اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ (المائدہ: 103) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔

عَرَبِيًّا ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی (2)؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقاتل نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنایا جَعَلْنَاهُ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجیبوں کے لیے نہیں ہوگا (4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر عربیوں اور عجیبوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے



کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گذر چکی ہے۔

### وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِّ حَكِيمٌ ۝

”اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز۔“

وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ ۝ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن لوح محفوظ میں ہے لَدَيْنَا یعنی ہمارے پاس لَعَلِّ حَكِيمٌ ۝ یعنی بلند اور محکم۔ اس میں اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ (الواقعة) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝ (البروج) ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَإِنَّهُ سے مراد مخلوق کے اعمال یعنی ایمان، کفر، اطاعت اور معصیت لَعَلِّ وہ اس سے بلند ہے کہ اسے پایا جاسکے اور اس میں تبدیلی کی جاسکے حَكِيمٌ وہ نقص اور تغیر سے پاک ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اسے حکم دیا کہ جس کو پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے لکھے کتاب اس کے پاس ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔ حمزہ اور کسائی نے اُمِّ الْكِتَابِ کے حمزہ کو کسرہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

### أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۝

”کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔“

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ ۝ ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ ضحاک اور دیگر سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر سے مراد عذاب ہو یعنی کیا ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے اور تمہارے اسراف اور کفر پر تمہیں سزا نہ دیں گے؛ یہ مجاہد، ابوصالح اور سدی کا قول ہے (3)۔ عوفی نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے جبکہ تم نے وہ کچھ نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کیا تم قرآن کو جھٹلاتے ہو اور تمہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ سدی نے یہ بھی کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں فضول چھوڑ دیں گے اور ہم تمہیں حکم نہیں دیں گے اور ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے اور تمہیں حکم نہیں دیں گے اور تمہیں نہیں روکیں گے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا ہم قرآن نازل کرنے سے رک جائیں گے قبل اس کے کہ تم اس پر ایمان نہیں لائے ہو گے اور تم پر اسے نازل کریں گے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اٹھالیا جاتا جب اس امت کے لوگوں نے اس کا رد کیا تھا تو وہ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ اسے لوٹایا اور بار بار نازل کیا۔ کسائی نے کہا: ہم تم سے ذکر کو لپیٹ دیں گے نہ تمہیں نصیحت کی جائے گی اور نہ ہی تمہیں حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد تذکیر ہے گویا فرمایا: کیا تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ تم فضول خرچ قوم ہو۔ یہ تعبیر اس کے نزدیک ہے جس نے ان کے حمزہ کو فتح دیا ہے، جس نے اسے کسرہ

دیا ہے اس نے اسے شرط کے لیے بنایا ہے اور اس کا ماقبل اس کا جواب ہے کیونکہ یہ لفظوں میں عمل نہیں کرتا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَذٰلٰهُوَ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** (البقرۃ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے اس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے جس طرح تو کہتا ہے: **اَنْتَ ظَالِمٌ اِنْ فَعَلْتَ زَجَاجَ كَے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کی صورت میں حال کا معنی ہوگا کیونکہ کلام میں تقریر اور توخ کا معنی پایا جا رہا ہے صَفْحًا** کا معنی اعراض کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے **صَفْحًا عَنْ فُلَانٍ** جب تو نے اس کے گناہ سے درگزر کیا قد ضربت عنہ صفحا جب تو نے اس سے اعراض کیا اور اس کو ترک کر دیا۔ اس کا اصل معنی گردن کا پہلو ہے یہ کہا جاتا ہے: **اعرضت عنہ یعنی میں نے اس سے اپنی گردن کا پہلو پھیر لیا۔** شاعر نے کہا:

**صَفْحًا فَمَا تَلَقَاكَ اِلَّا بِخَيْلَةٍ فَمِنْ مَلٍّ مِنْهَا ذٰلِكَ الْوَصْلَ مَلَّتْ (1)**

وہ گردن کا پہلو پھیرنے والی ہے وہ تجھے بخیل کی حیثیت سے ہی ملے گی جو اس وصل سے اس سے اکتا جائے وہ اکتا جاتی ہے۔ **صَفْحًا** مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ **اَفْتَضِرُّبُ** کا معنی ہے **اَفْنَصَفَحَ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: **تقدیر کلام** یوں ہے **اَفْتَضِرُّبَ عَنْكُمْ** الذکر صافحین جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: **جاء فلان مشياً۔**

**مُسْرِفِيْنَ** کا معنی ہے مشرکین۔ ابو عبیدہ نے ان میں ہمزہ کے فتح کو اختیار کیا ہے: یہ ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم اور ابن عامر کی قراءت ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر پر عتاب کیا جو ان سے واقع ہوا اور ان کے عمل سے پہلے اسے جان لیا۔

**وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝**

”اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے پس ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا۔“

**وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝** یہاں کم خبر یہ ہے، یہاں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے معنی ہے ہم نے جو انبیاء بھیجے ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہے جس طرح فرمایا: **كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنَّتٍ وَ عُيُوْنٍ ۝** (الدخان) انہوں نے کتنے ہی زیادہ باغات اور چشمے چھوڑے۔

**وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَّبِيٍّ** یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے نبی کریم **سُبْحٰنَہٗ وَاَعْلٰیہٗ** کو تسلی دینا مقصود ہے۔ **فَاَهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا** یعنی ایسی قوم کو ہلاک کیا جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھی **مِنْهُمْ** میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے جو **اَفْتَضِرُّبُ عَنْكُمْ** الذکر صَفْحًا کے مخاطب ہے پہلے خطاب کیا اس کے بعد ضمیر ذکر کی **اَشَدَّ** یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مفعول ہے یعنی وہ لوگ جو بدن اور پیروکاروں کے اعتبار سے ان سے قوی تھے انہیں ہلاک کر دیا **وَ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝** یہاں مثل سے مراد عقوبت ہے: یہ قتادہ سے مروی ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **صفحة الاولین** سے مراد ہے ان کی خبر کہ انہیں

ان کے کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا؛ یہ نقاش اور مہدوی نے ذکر کیا ہے (1)۔ مثل کا معنی وصف اور خبر ہے۔

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝

”اور آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے: پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست سب کچھ جاننے والے نے۔“

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ ضمیر سے مراد مشرکین ہیں مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ خلق اور ایجاد کا اس کے لیے اقرار کیا پھر اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی یہ ان کی طرف سے جہالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گذر چکی ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

”جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور بنا دیے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔“

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا اللہ تعالیٰ نے کمال قدرت کے ساتھ اپنی صفت بیان کی یہ کلام نئی شروع ہو رہی ہے اپنے بارے میں خبر دی اگر یہ کفار کے قول کی خبر ہوتی تو کلام یوں ہوتی الذی جعل لنا الارض۔

مَهْدًا یعنی بستر اور بچھونا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ کو فیوں نے اسے مَهْدًا پڑھا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا یعنی زندگی کو اسباب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُبُلًا کا معنی ہے راستے تاکہ جہاں تم جانا چاہتے ہو ان میں چلو۔

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم اس کی مقدورات سے اس کی قدرت پر استدلال کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنے سفروں میں ہدایت پاؤ، یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو پہچانوں؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنی زندگی کے اسباب کی طرف راہنمائی پاؤ۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتَةً ۚ كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۝

”اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو یونہی تمہیں بھی قبروں سے نکالا جائے گا۔“

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر بغیر اندازہ کے نازل کیا گیا یہاں تک کہ انہیں غرق کر دیا بلکہ وہ اندازے سے نازل کیا گیا غرق کرنے والے طوفان کی صورت میں نہیں اور نہ ہی ضرورت سے کم یہاں تک کہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے زندگی کا سبب بن گیا (4)۔

فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتَةً یعنی ہم نے پانی کے ذریعے چھیل بستی کو زندہ کر دیا۔

كَذَلِكَ نُخَوِّجُونَ ۝ اسی طرح تمہیں قبور سے اٹھایا جائیگا کیونکہ جو ذات ہے آباد بستی کو آباد کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ سورہ اعراف میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور ابن ذکوان نے ابن عامر سے یخوِّجونَ قراءت نقل کی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجہول نقل کیا ہے۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝  
لَتَسْتَأْغِلَ ظُهُورُهُمْ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَنَ  
الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝

”اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنادیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم جم کر بیٹھوان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنادیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جوڑے پیدا کیے۔ سعید بن جبیر نے کہا: تمام قسم کی اصناف پیدا کیں (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جس نے موسم سرما، موسم گرما، رات، دن، آسمان، زمین، سورج، چاند، جنت اور جہنم کو پیدا کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیوانوں میں سے مذکر اور مؤنث پیدا کیے (3)؛ یہ ابن مسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نباتات کے جوڑے مراد ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأَنْتُمْ نَافِيَهُمَا مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ بَهِيمٍ ۝ (ق) مِنْ كُلِّ ذَوْجٍ كَوْفٍ ۝ (لقمان: 10) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایمان و کفر، نفع و نقصان، فقر و غنا اور صحت و بیماری ہیں جو انسان میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول تمام اقوال کو عام ہے اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو جامع ہے۔

وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ فُلْكَ س سے مراد کشتیاں ہیں وَالْأَنْعَامِ سے مراد اونٹ ہیں مَا تَرْكَبُونَ ۝ جن پر تم خشکی اور گرمی میں سواری کرتے ہو۔ لَتَسْتَأْغِلَ ظُهُورُهُمْ یہاں ضمیر ذکر کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا تَرْكَبُونَ کی طرف لوٹ رہا ہے: یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: ظُهُورُهُم کو واحد ضمیر کی طرف مضاف کیا ہے (4)، کیونکہ اس سے مراد جنس ہے ایک جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح ہمیشہ اور چند واحد ہونے کے باوجود جمع کے معنی میں ہوتے ہیں اسی وجہ سے ضمیر مذکر ذکر کی اور ظہور و جمع ذکر کیا تقدیر کلام یہ ہوگی علی ظہور هذا الجنس۔

**مسئلہ نمبر 2۔** سعید بن جبیر نے کہا: یہاں انعام سے مراد اونٹ اور گائے ہے (5)۔ ابو معاذ نے کہا: صرف اونٹ

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217

5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 217

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 218

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217



ہیں (1)؛ یہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اسی اثنا میں کہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا کہ گائے نے اس سے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا مجھے تو ہل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے (2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں، ابو بکر، اور عمر اس پر ایمان لائے“ جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ سورہ النحل کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 3۔** لَتَسْتَوِیْ اَعْلٰی ظُہُورِہَا اس سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور کشتیوں کے اندر بیٹھا جاتا ہے ان کشتیوں پر سوار نہیں ہو جاتا لیکن سورت کے آغاز میں ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ کشتی کے ظاہر کو اس کا باطن بنادیا جائے کیونکہ پانی کشتی کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس کا باطن ہی ظاہر بنادیا جائے گا، کیونکہ یہ باطن لوگوں کے لیے منکشف ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہی پشت ہوتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوِیْتُمْ عَلَیْہِ یعنی جس پر سواری کرتے ہو۔ نعمت کے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے کہ اس نے اس چیز کو ہمارے لیے خشکی اور تری میں مسخر کر دیا ہے وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا یعنی اس نے ہمارے لیے سواری کو مسخر کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے سُبْحٰنَ مَنْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا۔

وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِضِیْنَ ﴿۱۱﴾ یعنی ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی کا قول ہے (3)۔ اخفش اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے کہ مُقْرِضِیْنَ کا معنی ہے ضابطین ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قوت میں مماثل۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرن فلان جب وہ قوت میں اس کی مماثل ہو، یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان مقرن لفلان یعنی فلاں، فلاں کو قابو کرنے والا ہے، اسی معنی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں اقرنت کذا۔ اقرن لہ وہ اس پر قوی ہو گیا گویا وہ اس کا ہم مقابل ہو گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِضِیْنَ یعنی ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ قطرب نے عمرو بن معدیکرب کا شعر پڑھا:

لقد علم القبائل ما عقیل لنا فی النایبات بمقرنینا  
قبائل جان گئے ہیں عقیل حادثات زمانہ میں ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔  
ایک اور شاعر نے کہا:

رکبتم صغبتی اثرا و حینفا ولستم للضعاب بمعینینا

نیز مقرن اسے کہتے ہیں جس پر ضیاع غالب آجائے اس کے اونٹ ہوں یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور ان پر اس کا کوئی معاون نہ ہو یا وہ اونٹوں کو پانی پلائے اور انہیں کوئی ہنکانے والا نہ ہو۔ سکیت نے کہا: اس کی اصل میں دو قول ہیں: (1) یہ اقران سے ماخوذ

2۔ جامع ترمذی، کتاب النایب، مناقب ابی بکر و عمر، جلد 2، صفحہ 209

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 218

ہے یہ باب چلایا جاتا ہے اقرن یقرن اقراناً جب وہ طاقت رکھے اقرنت کذا جب تو اسے محکم بنائے گویا اسے پہاڑ میں بنایا، قرن سے مراد پہاڑ ہے اسے پختہ بنایا اور مضبوط کیا (2) یہ مقارنہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چال میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: قرنت کذا بکذا جب تو اسے اس کے ساتھ باندھ دے اور تو اسے اس کا ساتھی بنا دے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جب ہم سوار یوں پر سوار ہوں تو ہم کیا کہیں اور جب ہم کشتی پر سوار ہوں تو حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے ایک اور آیت میں اس کو بھی پہچان لیا ہے وہ یہ ارشاد ہے: وَقَالَ امْرُؤُاُفِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَہَا وَ مَرْسَہَا ۚ اِنَّ مَرَاتِيْ لَعَفْوٌ وَّاَنَا رَاجِيْمٌ ۝ (ہود) کتنے ہی جانوروں پر سوار لوگ ہیں کہ سواری سوار کے ساتھ لڑکھڑائی یا سرگرداں ہو گئی یا اس نے سوار کو نیچے گرا دیا یا سوار اس کی پشت سے نیچے گر گیا اور ہلاک ہو گیا، کتنے ہی کشتی میں سوار ہونے والے ہیں کشتی ان کے ساتھ ٹوٹ گئی تو سب غرق ہو گئے۔ جب سوار ہو یا ایک ممنوع امر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تلف کے اسباب میں سے چند اسباب کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ اس کی قضا سے بچنے والا نہیں وہ اپنے دل اور زبان سے اس کے ذکر کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ملاقات کے لیے اس طرح تیار ہو جائے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے والا ہو اور اس احتیاط کو بھی پیش نظر رکھے کہ اس کی یہ سواری اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے موت کے اسباب میں سے ہو اور وہ خود اس سے غافل ہو۔

سلیمان بن یسار نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ لوگ سفر میں تھے جب وہ سوار ہوئے تو کہتے: سُبْحَنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِئِیْنَ ۝ ان میں سے ایک آدمی تھا جو انتہائی کمزور سواری پر سوار تھا اونٹ میں سے رازم اسے کہتے ہیں جو زمین پر کھڑا رہتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کرتا یا یوں جملہ بولا جاتا ہے قدر نہ امت الناقة تزمد وتزمد رنہو ما در نہا ما وہ ٹھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے کھڑی ہو گئی وہ حرکت نہیں کرتی۔ صحاح میں جوہری نے یہ بات کہی ہے۔ اس آدمی نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو اس پر غالب ہوں اس اونٹنی نے اسے گرا دیا اور اسکی گردن ٹوٹ گئی۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک بدو اپنے قعود اونٹ (چرواہا ہر ضرورت کے لیے جس اونٹ کو استعمال کرتا ہو) پر سوار ہوا اس نے کہا: اسے قابو کرنے والا ہوں، وہ قعود اونٹ اسے لے کر دوڑ پڑا یہاں تک کہ اسے گرا دیا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی؛ پہلا واقعہ ماوردی اور دوسرا ابن علی نے ذکر کیا ہے۔ کہا: کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس دعا کو چھوڑے زبان سے اس کا ذکر واجب نہیں جب وہ سوار ہو تو یہ کہے اور سفر میں جب اسے یاد آ جائے سُبْحَنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِئِیْنَ ۝ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اہل اور مال میں تو ہی خلیفہ ہے، اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے واپس پلٹنے کے غم، کور کے بعد جو ر اہل و مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ العجور بعد الکود سے مراد ہے امور کے مجتمع ہونے کے بعد ان کا بکھر جانا۔

عمرو بن دینار نے کہا: میں ابو جعفر کے ساتھ ان کی زمین کی طرف نکلا جو باغ کی مثل تھی جسے مد رکہتے وہ ایک تند خوانٹ پر سوار ہوئے میں نے ان سے عرض کی: اے ابو جعفر! کیا تجھے ڈر نہیں کہ یہ تجھے گرا دے گا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: ”ہراونٹ کی کہان پر ایک شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کیا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر اس سے خدمت لو“ (1)۔ حضرت علی بن ربیعہ نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک روز سوار ہوئے جب آپ نے اپنا قدم رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: الحمد للہ پھر کہنا: سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿٢﴾ پھر تین بار کہا: الحمد للہ واللہ اکبر اللہم لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فاغفر لي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت پھر آپ ہنسے۔ میں نے ان سے پوچھا کس چیز نے تجھے ہنسا یا ہے؟ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا ہے پھر آپ ہنسے میں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس چیز نے آپ کو ہنسا یا ہے فرمایا: اس بندے کے قول پر تعجب کی وجہ سے جو کہتا ہے: اللہم لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فاغفر لي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت (2) وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ ابوداؤد طیالسی نے اسے اپنی مسند میں اور ابو عبد اللہ محمد بن خویزمنداد نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مختصر نقل کیا ہے، الفاظ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا قدم رکاب میں رکھتے تو فرماتے بسم اللہ جب اوپر بیٹھ جاتے تو فرماتے (3): الحمد للہ علی کل حال سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿٢﴾ جب تم کشتی اور چوپائے سے نیچے اترو تو کہو اللہم أنزلنا منزلاً مبارکاً وأنت خير المنزلين۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی سوار ہوا اور سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١﴾ نہ کہا شیطان اسے کہتا ہے: تو اسکے لیے نغمہ گا (4)۔ اگر وہ اچھی طرح نہ گاسکتا ہو تو اسے کہتا ہے: اپنی طرف سے بنالے! یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

جو آدمی اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: آج ہم گھوڑوں پر سیر کریں یا کشتی میں سیر کریں وہ سوار ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنے ساتھ شراب کے برتن اور آلات لہو و لعب اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ لگاتار اسے پیتے رہتے ہیں یہاں تک شراب سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے جبکہ وہ جانوروں کی پشتوں پر ہوتے ہیں یا کشتیوں کے اندر ہوتے ہیں جبکہ کشتیاں انہیں لے کر چل رہی ہوتی ہیں وہ صرف شیطان کا ذکر کرتے ہیں، وہ صرف اس کے حکم کو ہی مانتے ہیں، وہ ایسے لوگوں کے پاس کھڑا ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک حاکم سوار ہوا جبکہ وہ شراب پیتا تھا ایک شہر سے دوسرے شہر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اسے ہوش نہ آیا مگر جب وہ اپنے گھر پہنچ چکا تھا اسے سفر کا احساس تک نہ ہوا ایسے سواروں کے عمل اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو حکم دیا ہے ان کے درمیان کتنا بعد ہے (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1677

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 239

2۔ جامع ترمذی، کتاب فی الدعوات، باب ما یقول اذا رکب الناقة، جلد 2، صفحہ 182

5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 249

4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ﴿٥﴾

”اور بنادی ہے مشرکوں نے اس کے لیے اس کے بندوں سے اولاد، بے شک انسان کھانا شکر گزار ہے۔“

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا یہاں جزء، عدل کے معنی میں ہے یعنی مثل (1)۔ قتادہ سے مروی ہے: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ زجاج اور مبرد نے کہا: یہاں جزء سے مراد بیٹیاں ہیں۔ مومن ان کی جہالت پر متعجب ہوئے جب انہوں نے یہ اقرار کیا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک اور بچہ بنایا انہیں علم نہیں تھا کہ جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ قوت حاصل کرے یا اس سے انس حاصل کرے کیونکہ یہ نقص کی صفات میں سے ہے۔

ماوردی نے کہا: عربوں کے نزدیک جزء سے مراد بیٹیاں ہیں (2)۔ جب عورت بیٹیاں جنے تو عرب کہتے ہیں اجزأت السراة شاعر نے کہا:

إن أجزأت خرة يوما فلا عجب وقد تجزئ الحرة المذكار أحيانا (3)

اگر شریف عورت نے کسی روز بچی جنی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کئی مواقع پر وہ بچے بھی جن دیتی ہے۔

زمخشری نے کہا: عجیب و غریب تفاسیر میں سے یہ ہے کہ جزء کی تفسیر عورتوں سے کی جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ جزء کا لفظ لغت عرب میں عورتوں کے لیے آتا ہے (4) یہ عربوں پر جھوٹ ہے اور نئی وضع ہے انہوں نے اسی پر قناعت نہ کی یہاں تک کہ انہوں نے اس سے یہ فعل مشتق کر لیا اجزأت السراة پھر شعر بنا دیے:

إن أجزأت حرة يوما فلا عجب رُوِ جُثُها من بنات الأوس مُجَزَّة (5)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ کے ساتھ متصل ہے اگر تو ان سے آسمانوں اور زمین کے خالق کے بارے میں پوچھے تو وہ اس کا اعتراف کریں گے اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کا جز بنادیا ہے اور مخلوقات کی صفات سے اس کا وصف بیان کیا ہے مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا کا معنی ہے انہوں نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جز بنادیا جس طرح اولاد والد کا جز ہوا کرتی ہے۔ اسے جُزْءًا دوسموں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ﴿٥﴾ انسان سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے مُبِينٌ کا معنی ہے وہ کفر کو ظاہر کرتا ہے (6)۔

أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفُكُم بِالْبَنِينَ ﴿٦﴾

”کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں اپنے لیے اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ۔“

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219

6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 219

4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 241



أَمَّا اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ أَمْ فِي مِمِّ زَانِدٍ هَـ تَقْدِيرُ كَلَامٍ يَهْ كَيْفَ كَيْفَ اس نَ جَو پید اکیا هَ اس کو بیٹیاں بنا لیا هَ جس طرح تمہارا گمان هَ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لفظ استفہام کا هَ معنی تو بیخ هَ وَأَصْفُكُمْ بِالْبَنَاتِ ⑤ تمہیں بیٹوں کے لیے خاص کیا، یہ جملہ کہا جاتا هَ: اصفیتہ بكذا یعنی میں نے اس کو اس کے پیچھے لگایا۔ اصفیتہ التودیس نے اس کے لیے محبت کو خالص کیا۔ صافیتہ وتصافینا ہم نے خالص کیا۔ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کو منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو منتخب کیا جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو پسند کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک هَ کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اگر چہ جاہل یہ وہم کرے کہ اس نے اپنے لیے بیٹا منتخب کیا هَ۔ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کی طرف دو جنسوں میں ارفع جنس کو کیوں منسوب نہیں کیا انہوں نے اپنے لیے معزز جنس کو کیوں بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ادنیٰ درجے کی جنس کو منتخب کیا یہ اسی طرح هَ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان هَ: أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَى ⑥ تِلْكَ إِذْ أَوَّصَيْتُ لَكُمْ ⑦ (النجم)

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ⑧

”اور جب اطلاع دی جاتی هَ ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی هَ تو اس کا

چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا هَ اور اس کا دل غم سے بھر جاتا هَ۔“

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ⑧  
هَ: اس کی یہ صورت حال اس لیے ہوتی هَ کہ اس نے جو مثال بیان کی تھی وہ باطل ہو چکی هَ۔ ایک قول یہ کیا گیا هَ: اسے بچی کی جو بشارت دی گئی هَ اس کی یہ حالت ہو گئی هَ اس کی دلیل سورہ نحل میں موجود هَ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَى ⑧ ان کی حالت یہ هَ کہ جب ان میں سے ایک کو یہ کہا جاتا هَ کہ اس کی بچی پیدا ہوئی هَ تو وہ غمگین ہو جاتا هَ اور اس کا چہرہ غم سے اور افسوس سے سیاہ ہو جاتا هَ جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا هَ۔ ایک عرب کے بارے میں یہ مروی هَ کہ اس کی عورت نے بچی جنی تو اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا جس میں اس کی بیوی تھی تو اس عورت نے کہا:

مَا لَأَبِي حَزْزَةَ لَا يَأْتِينَا يَنْقُلُ فِي الْبَيْتِ الَّذِي يَلِينَا

غَضَبَانِ أَلَا نَدُّ الْبَنِينَ وَإِنَّا نَأْخُذُ مَا أُعْطِينَا (1)

ابو حزمہ کو کیا ہو گیا هَ وہ ہمارے پاس نہیں آتا اور اس گھر میں رہتا هَ جو ہمارے پڑوس میں هَ۔ وہ ناراض هَ کہ ہم بیٹوں کو کیوں نہیں جنتیں ہم تو وہی کچھ لیتی ہیں جو کچھ ہمیں عطا کیا گیا هَ۔

اسے مسودہ اور مسواد بھی پڑھا گیا هَ۔ جماعت کی قراءت کے مطابق وَجْهُهُ يَه ظَلَّ کا اسم هَ اور مُسْوَدًّا اس کی خبر هَ (۱۶)۔ یہ بھی جائز هَ کہ وَجْهُهُ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور مسودہ کو رفع اس لیے دیا جائے کہ یہ اس کی خبر ہو، ظَلَّ میں اس کا اسم ہو اور جملہ اس کی خبر ہو كَظِيمٌ کا معنی هَ غمگین (2)؛ یہ قارہ کا قول هَ۔ ایک قول یہ کیا گیا هَ: اس

معنی مکروب ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہے؛ یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے (1)، یہ سب کچھ اس کی مثل کے باطل ہونے اور دلیل کے باطل ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس نے اس امر کو جائز قرار دیا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بنیاں ہیں تو اس نے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کا مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ بچہ اپنے والد کی جنس اور اسکے مشابہ ہوا کرتا ہے جس آدمی کا چہرہ اس لیے سیاہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف اسے منسوب کیا جائے جو اس سے بھی جلیل الشان ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کرنا کیسا ہوگا؟ اس آیت کی وضاحت میں سورہ نحل میں ایسی بحث گزر چکی ہے جو کافی دشانی ہے۔

أَوْ مَنْ يُنشِؤُا فِي الْحُلِيِّ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ① وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ

هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَّاۤ اَشْهَدُ وَاَخْلَقْنٰهُمْ سَتَكْتُبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُوْنَ ②

”کیا وہ ایسی اولاد جنے گا جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعی واضح نہیں کر سکتی۔ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو جو خداوند رحمن کے بندے ہیں عورتیں، کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت، لکھ دی جائیگی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** أَوْ مَنْ يُنشِؤُا جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ جوان ہوتی ہے۔ نشوء کا معنی تربیت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشأ فی بنی فلاں نشأ و نشؤا۔ جب تو ان میں جوان ہو۔ نشؤ اور آنشؤ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، ابن وثاب، حفص، حمزہ، کسائی اور خلف نے یُنشأ پڑھا ہے جس کی تربیت کی جاتی ہے اور وہ بڑی ہوتی ہے زیورات میں؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس صورت میں اسناد اعلیٰ ہے باقی قراء نے اسے یُنشأ یا، کے فتح اور نون کو ساکن کرنے کے ساتھ پڑھا ہے؛ اسے ابو حاتم نے پسند کیا ہے وہ راسخ ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ نشأ میں اصل معنی بلند ہونا ہے، یہ مروی نے کہا ہے یُنشأ متعدی ہے اور یُنشأ لازم ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فِي الْحُلِيِّ یعنی زینت میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: وہ بچیاں ہیں ان کا لباس مردوں کے لباس سے مختلف ہے (2)۔ مجاہد نے کہا: عورتوں کو سونے اور ریشم کے استعمال کی اجازت دی گئی اور اس آیت کو پڑھا (3)۔ الکیا نے کہا: اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ عورتوں کے لیے زیورات استعمال کرنا جائز ہے اس پر اجماع منعقد ہے اس میں احادیث شمار سے باہر ہیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو کہا کرتے تھے: اے بیٹی! سونے کے زیورات پہننے سے بچو کیونکہ مجھے تیرے بارے میں آگ کا خوف آتا ہے۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ② جھگڑا میں اور حجت و دلیل پیش کرنے میں واضح کلام نہیں کر سکتی۔ قتادہ نے کہا: کسی عورت نے گفتگو کی جبکہ اس کے پاس دلیل بھی موجود ہو تو وہ اسے اپنے خلاف ہی استعمال کر لیتی ہے (4)۔ حضرت عبداللہ بن

1۔ تفسیر المادری، جلد 5، صفحہ 219 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 167 4۔ زاد المسیر، جلد 2، صفحہ 130

مسعود کے مصحف میں ہے وھو فی الکلام غید مبین آیت کا معنی ہے کیا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے جس کا یہ وصف ہو؟ یعنی ایسا کرنا جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیورات میں آراستہ ان کے وہ بت ہیں جن کو انہوں نے سونے اور چاندی سے ڈھالا اور انہیں زیور پہنائے (1)، یہ ابن زید اور ضحاک کا قول ہے۔ اس قول کی بنا پر اس کا معنی ہوگا وہ جواب سے خاموش ہیں من محل نصب میں ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس چیز کو بنایا جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہو اور خبر مضمّر ہو؛ یہ فراء کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کیا وہ چیز جو اس حالت پر ہو عبادت کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ لے کہ من محل جر میں ہے اسے کلام کے ابتدائی حصہ کی طرف پھیرا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہیا ضرب یا ما ہے جو اس آیت میں ہے مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ ان دونوں مواقع پر بدل بنانا ضعیف ہے کیونکہ ہمزہ استفہام بدل اور مبدل منہ کے درمیان حائل ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا كُوفِيُوا سَعِيدٌ ابْنِ جَبْرِ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اس میں اسناد اعلیٰ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول میں انہیں جھٹلایا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں وہ اس کی بیٹیاں نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے عباد الرحمن پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: میرے مصحف میں عبد الرحمن تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے مٹا دے اور اسے عباد الرحمن لکھ اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۱۹۴﴾ (الانبياء) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ (الاعراف: 194) باقی قراءت نے اسے عند الرحمن نون ساکنہ کے ساتھ پڑھا ہے ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے اس قراءت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ (الاعراف: 206) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ (الانبياء: 19) مقصود ان کے جھوٹ کو واضح کرنا اور ان کی جہالت کو بیان کرنا ہے کہ وہ اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ حکم لگاتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ عباد کے لفظ کا ذکر کر کے ان کی مدح ہے یعنی انہوں نے اس کی کیسے عبادت کی جو عبادت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے پھر انہوں نے کیسے حکم لگا دیا کہ وہ مؤنث ہیں جبکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہاں جعل قول اور حکم کے معنی میں ہے تو کہتا ہے: جعلت زیدا أعلم الناس یعنی میں نے اس پر سب سے بڑا عالم ہونے کا حکم لگا دیا۔

أَشْهَدُ وَأَخْلَقُهُمْ وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان پر مؤنث ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا اور کہا: تجھے کیسے علم ہوا کہ وہ مؤنث ہیں (2)؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے اپنے آباء سے سنا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اس قول میں جھوٹ نہیں بولا کہ وہ عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَتَكْتَبُ

شَہَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ① یعنی آخرت میں ان سے سوال کیا جائے گا۔ نافع نے اسے ادشہدوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ استنبہام ہمزہ مضموم پر داخل ہوا اس کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا مگر مسیبی سے ایک روایت مروی ہے کہ وہ اسے مد کے ساتھ پڑھتے تھے مفضل نے عاصم سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی روایت کی ہے باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ جو استنبہامیہ ہے قراءت کی ہے اَشْہِدُوا زہری نے اَشْہِدُوا خَلَقَهُمْ قراءت نقل کی ہے یعنی یہ جملہ خبریہ ہے سکتب عام قراءت ہے فعل مجہول ہے اور تاء مضموم ہے اور شَہَادَتُهُمْ مرفوع ہے۔ سلمیٰ، ابن سمیع اور ہبیرہ نے حفص سے سَنَکْتُبُ اور شہادتہم کو منصوب نقل کیا ہے کیونکہ فعل معروف ہے۔ ابورجاء سے سَنَکْتُبُ شہادتہم جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ②

”اور کفار کہتے ہیں کہ اگر چاہتا خداوند رحمن تو ہم انہیں نہ پوجتے انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔“

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ② پوچھا کرتے۔ یہ ان کی طرف سے قول تو صحیح تھا مگر باطل تھا ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہے اس کا ارادہ ثابت ہے اسی طرح اس کا علم بھی ثابت ہے اس کے ارادہ کے ساتھ استدلال کرنا ممکن نہیں اسی طرح معلوم کے خلاف بھی ممکن نہیں۔ مراد تحت قدرت ہے اگرچہ واقع نہ ہوا اگر وہ بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تو ہم جان جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی چیز کا ارادہ کیا جو ان سے حاصل ہوا۔ سورہ انعام میں یہ بحث گزر چکی ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا (انعام: 148) سورہ یس میں أَنْظِعْ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ (47)

مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ یہ کلام وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَّا كَاۡفِرُوۡنَ کی طرف لوٹائی جائے گی یعنی وہ یہ جو کہتے ہیں السلاۃ بنات اللہ کا انہیں کچھ علم نہیں (1)؛ یہ قتادہ، مقاتل اور کلبی کا قول ہے۔ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: اس سے مراد بت ہیں یعنی بتوں کی جو عبادت کرتے ہیں اس کا انہیں کچھ علم نہیں (2)۔ من زائدہ ہے۔

إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ② وہ اندازہ لگاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں غیر اللہ کی عبادت کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ان کے کلام کا بین السطور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا، ہم سے اس بات پر راضی ہوا، ہمیں اس چیز سے منع نہ کیا اور ہمیں جلدی سزا نہ دی۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ③

”کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔“

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَشْہِدُوا خَلَقَهُمْ کا معادل ہے معنی ہے کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یا ہم نے قرآن



سے پہلے کوئی کتاب انہیں عطا کی تھی جس نے انہیں اس امر کی دعوت دی تھی وہ اس کو پکڑے ہوئے ہیں وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿١٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا  
أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ  
أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿١٣﴾

”بلکہ وہ خود کہتے ہیں: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پر چل رہے تھے۔  
اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں  
نے: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔“  
اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** عَلَىٰ أُمَّةٍ مراد طریقہ اور مذہب ہے؛ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے (1)۔ حضرت عمر بن  
عبدالعزیز، مجاہد اور قتادہ اسے اُمتہ پڑھا کرتے تھے اور اُمتہ کا معنی طریقہ ہے۔ جوہری نے کہا: اُمتہ کا معنی نعمت ہے اور  
اُمتہ، اُمتہ کی بھی ایک لغت ہے اس سے مراد طریقہ اور دین ہے؛ یہ ابو عبیدہ سے مروی ہے۔ عدی بن زید نے نعمۃ کا معنی  
لیتے ہوئے کہا:

ثُمَّ بَعْدَ الْفَلَاحِ وَالْهُلْكِ وَالْأُمَّةِ وَارْتَهُمُ هُنَاكَ الْقُبُورَ كَامِيَابِي، بَادِشَاهَتٍ أَوْ نِعْمَتٍ كَعْدِ وَهَاهُنَا قُبُورٌ لِّمَنْ لَّمْ يَحْصِلِهَا  
چھپا لیا۔

یہ جوہری کے علاوہ سے مروی ہے۔ قتادہ اور عطیہ نے کہا: علی اُمتہ کا معنی ہے دین پر (2)۔ قیس بن خطیم کا قول اسی معنی  
میں مروی ہے:

كُنَّا عَلَىٰ أُمَّةٍ آبَائِنَا وَيُقْتَدَى الْآخِرَ بِالْأَوَّلِ

ہم اپنے آباء کے دین پر ہیں اور بعد والا پہلے کی اقتداء کر رہا ہے۔

جوہری نے کہا: اُمتہ کا معنی طریقہ اور دین ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلاں لا اُمتہ لہ فلاں کا کوئی دین نہیں، شاعر نے کہا:  
وہل یستوی ذوامۃ وکفور

کیا دین والا اور کافر برابر ہو سکتے ہیں۔

مجاہد اور قطرب نے کہا علی دین، علی ملۃ (3)۔، ین اور ملت پر۔ بعض مصاحف میں ہے قالوا اننا وجدنا آبائنا  
على ملۃ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں (4)۔ فراء سے مروی ہے: ملت پر، قبلہ پر۔ انفش نے کہا: استقامت پر۔ اور نابغہ  
کا شعر پڑھا:

خَلَفْتُ فَلَمْ أَتْرِكْ لِنَفْسِكَ رِبِيَّةً وَهَلْ تَأْتِيَنَّ ذَوَامَّةٌ وَهَوَ طَائِعٌ

میں نے قسم اٹھادی ہے اور میں نے تیرے نفس کے لیے کوئی شک نہیں چھوڑا کیا استقامت پر کاربند گناہگار ہو سکتا ہے جبکہ خوشی سے کام کر رہا ہو۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَإِنَّا عَلَىٰ أَثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ یعنی ہم ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں مقتدون کے الفاظ ہیں یعنی ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں معنی ایک ہی ہے۔ قتادہ نے کہا: ہم اقتدا کرتے ہیں (1)، ہم پیروی کرتے ہیں۔ اس میں تقلید کے ابطال پر دلیل ہے کیونکہ ان کی اپنے آباء کی تقلید پر مذمت کی گئی ہے اور اس پر مذمت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جس امر کی دعوت دی اس میں غور و فکر کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ اس بارے میں گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ، ابوسفیان، ابو جہل، عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے وہی بات کی جو ان سے قبل لوگوں نے بات کی تھی۔ مقصود نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حم السجدہ: 43) مترف سے مراد خوشحال آدمی ہے یہاں اس سے مراد بادشاہ اور جابر لوگ ہیں۔

قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۱﴾

”اس نبی نے فرمایا کہ اگر میں لے آؤں تمہارے پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو تب بھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے۔“

قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ دِينٌ قَدْ خَلَقْنَاكُمْ فِي دِينٍ مُّبِينٍ ﴿۱۲﴾

”یہ زیادہ درست اور ہدایت والی نہیں۔“

مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۱﴾ یعنی جس چیز کے ساتھ رسولوں کو مبعوث کیا گیا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لفظ جمع کا ہے کیونکہ ایک رسول کو جھٹلانا باقی رسولوں کو جھٹلانا ہے اسے قل وجنتکم اور قال وجنتکم پڑھا گیا ہے یعنی کیا تم اپنے آباء کی پیروی کرتے ہو اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا دین لایا ہوں جو تمہارے آباء کے دین سے زیادہ درست ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے آباء کے دین پر ثابت قدم ہیں ہم اس سے جدا نہ ہونگے اگرچہ تم ہمارے پاس وہ لاتے جو زیادہ صحیح ہو۔ تقلید کے بارے میں بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳﴾

”پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھو کیسا المناک انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔“

فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ ہم نے قتل اور قیدی بنانے کے ساتھ ان سے انتقام لیا قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُكُمْ ہے ابن مامر اور حفص نے

قال اولو پڑھا ہے یہ نذیر کی طرف سے خبر ہوگی یعنی اس نے ان لوگوں سے کہا تھا۔ ابو جعفر نے اسے قل اولو جٹنا کم نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے تو خطاب رسول اللہ ﷺ نے تمام رسولوں کی جانب سے کیا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لٰٓاِبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ اِنِّىۡۤ اَبْرَءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝۱۱ اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ  
فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝۱۲

”اور یاد کیجئے جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بے زار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری راہنمائی کرے گا۔“

وَ اِذْ قَالَ اٰنٰہیں یاد دلایئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: جن کی تمام عبادت کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔ براء کا لفظ واحد اور اس سے اوپر کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا نہ تشنیہ بنایا جاسکتا ہے نہ جمع اور نہ ہی اس کا مونث بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور صفت کی جگہ اسے رکھا گیا ہے یہ نہیں کہا جاتا: البراء ان، البراءون، کیونکہ معنی ذوالبراء اور ذوالبراء ہے۔ جوہری نے کہا: تَبْرَأْتُ مَنْ كَذَا، اَنَا مِنْهُ بَرَاءٌ وَ خَلَاءٌ مِنْهُ اس کا تشنیہ اور جمع نہیں بنائی جاتی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے جس طرح سَمِعَ سَمَاعًا جب تو کہے: اَنَا بَرِيٌّ مِنْهُ وَ خَلِيٌّ۔ اس کا تشنیہ، جمع اور مونث بنائی جائیگی اور تو جمع میں کہے گا: نَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ، جس طرح فقیہ کی جمع فقہاء آتی ہے اور براء بھی آتی ہے جس طرح کہیم کی جمع کرام آتی ہے ابراء بھی جمع آتی ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے اس کی جمع ابریاء بھی آتی ہے جس طرح نصیب کی جمع انصباء اور برئیون آتی ہے یوں کہا جاتا ہے: امراة بریئة، ہما بریئتان، هن بریئات، برایا اسی طرح یہ استعمال ہوتا ہے رجل بری و براء۔ جس طرح عجیب اور عجاب ہے البراء جب فتح کے ساتھ استعمال ہو تو یہ مہینے کی پہلی رات ہوتی ہے اسے یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ چاند سورج سے بری ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ یہ مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ انہوں نے اپنے معبودوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ کہا کرتے تھے اللہ ربنا اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہو یعنی لیکن جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے ہدایت دے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اپنی قوم کو تنبیہ کرنے کی غرض سے تھا کہ ہدایت اسکے رب کی جانب سے ہوتی ہے۔

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝۱۳

”اور آپ نے بنادیا کلمہ تو حید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً جَعَلَهَا میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ کی طرف لوٹ رہی ہے اور جَعَلَهَا میں ضمیر فاعل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مراد ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اور گفتگو کو آپ کے خاندان میں باقی رہنے والا بنادیا تو وہ آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہے یعنی وہ ورثہ در ورثہ غیر اللہ کی عبادت سے براءت کا اظہار کرتے رہے اور انہوں نے اس معاملہ میں ایک دوسرے کو وصیت کی۔ عقب اسے کہتے ہیں جو بعد میں آتا ہے۔ سدی نے کہا: اس

سے مراد حضرت محمد ﷺ کی اولاد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **فِي عَقِبِهِ** سے مراد ہے فی خلفہ کے بعد آنے والوں میں کلام میں (1)۔ تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فوائدہ سیہدین لعلہم یرجعون وجعلہا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یعنی انہیں بات کہی ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پلٹ آتے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: کلمہ سے مراد **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے (2)۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایسے افراد ہونگے جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے (3)۔ ضحاک نے کہا: کلمہ سے مراد ہے **لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ** (ہود: 26) (4)۔ عترمہ نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے (5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ** **لَمِنْ قَبْلُ** (الحج: 78) قرطبی نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی جو یہ تھی **يَبْنِي إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ** (بقرہ: 132) اسے ان کی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان: **أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ** (البقرہ) ہے اور یوں پڑھا **هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ** **لَمِنْ قَبْلُ** (الحج: 78) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد نبوت ہے۔ ابن عربی نے کہا: نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہے گی۔ توحید ان میں اصل ہے اور غیر اس کی تبع میں ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: نسلوں میں وہ کلمہ باقی رہا جو کئی زبانوں تک قائم رہا آپ کی دودعا کیں تھیں جو قبول ہوئیں: (1) **إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا** قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (البقرہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: ٹھیک ہے مگر ان میں سے جو ظالم ہوا اس کے لیے کوئی عہد نہیں (2) **وَاجْعَلْنِي وَبَنِيَّ أَنْ تَعْبُدُوا إِلَّا ضَمًّا** (ابراہیم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلی دعا یہ تھی **وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ** (الشعراء) ہر امت نے آپ کی تعظیم کی وہ آپ کی اولاد میں سے تھے یا غیروں میں سے تھے جو ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت سام یا حضرت نوح علیہ السلام میں آپ کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ابن عربی نے کہا: یہاں عقب کا ذکر معنی میں ملا ہوا ہے یہ ان چیزوں میں سے ہیں جو احکام میں داخل ہیں اور ان پر عمری (عمر بھر کے لیے کسی کو کوئی چیز نفع اٹھانے کے لیے دینا) محبوبوں کرنے کے احکام مرتب ہوتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أَتِيَا رَجُلًا عَمْرِي لَهُ وَلَعَقِبُهُ** یعنی وہ چیز اسی کی ہوگی جسے وہ چیز عطا کی گئی جس نے وہ چیز دی ہے اس کی طرف وہ نہ لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسے انداز میں چیز دی ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہے یہ گیارہ الفاظ میں وارد ہوتا ہے۔

1۔ ولد، جب اسے مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو مرد اور اس کی بیوی سے پایا جائے وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں لغت اور شرع کے اعتبار سے صرف مذکر کی اولاد مراد ہوگی اسی وجہ سے میراث معین بچے پر واقع ہوتی ہے اور معین کی مذکر اولاد پر واقع ہوتی ہے عورتوں کی اولاد پر واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ دوسری قوم سے بھی ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس لفظ کے



ساتھ قید میں داخل نہ ہونگے امام مالک کے مجموعہ اور اس کے علاوہ کتابوں میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک کا مذہب ہے اور آپ کے تمام متقدمین ساتھیوں کا بھی یہی نقطہ نظر ہے اس اجماع پر ان کی دلیل یہ ہے کہ بچیوں کی اولاد کے لیے کوئی ورثہ نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ** (النساء: 11)

علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ بچیوں کی اولاد بھی اولاد کے لفظ اور اعقاب میں داخل ہے وہ بھی احباس میں داخل ہوگی محسب کہتا ہے: جست علی ولدی او علی عقبی؛ ☆ یہ ابو عمر بن عبد البر اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے **حُزِمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ** (النساء: 23) انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو حرام کیا تو اجماع سے بیٹی کی بیٹی بھی حرام کر دی گئی تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بیٹی ہے اس لیے ضروری ہو گیا کہ یہ نواسی بھی اس کے باپ کے جس میں داخل ہو جب وہ اپنی اولاد اور عقب پر کوئی چیز محسوس کرتا ہے۔ یہ بحث سورہ الانعام میں مفصل گزر چکی ہے۔

2۔ دوسرا لفظ بنون ہے اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے: یہ میرے بیٹے کے لیے وقف ہے، تو یہ حکم معین بچے سے تجاوز نہ کرے گا اور نہ ہی اس سے متعدد افراد مراد لیے جائیں گے اگر اس نے ولد کی لفظ استعمال کیا تو وہ اس سے تجاوز ہوگا اور اولاد میں سے ہر فرد کے لیے حکم ثابت ہوگا اگر اس نے بنی کا لفظ ذکر کیا تو اس میں مذکر اور مونث سب شامل ہونگے، امام مالک نے فرمایا: جس نے اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں پر صدقہ کیا تو اس کی اپنی بیٹیاں اور پوتیاں سب اس میں شامل ہوں گی۔ عیسیٰ بن قاسم سے روایت نقل کی ہے اس آدمی کے بارے کہ جس نے اپنی بیٹیوں کے لیے کوئی چیز خاص کی تو اس کی نواسیاں بھی اس کی صلیبی بیٹیوں کے ساتھ ہونگی جس پر امام مالک کے ساتھیوں کی ایک جماعت متفق ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بنین (بیٹوں) میں داخل نہ ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کے بارے میں فرمایا جو آپ ﷺ کا نواسہ تھا: ”میرا یہ بیٹا سید ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان مصالحت کرائے“ ہم نے کہا: اس میں مجاز کا قاعدہ جاری ہوا ہے، سرور دو عالم ﷺ نے ان کی شرافت اور عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ نواسے کے بیٹا ہونے سے نفی کرنا بھی جائز ہے۔ ایک آدمی نواسے کے بارے میں کہہ سکتا ہے لیس بابنی۔ میرا بیٹا نہیں۔ اگر یہاں حقیقی معنی مراد ہوتا تو اس کی نفی کرنا جائز نہ ہوتا، کیونکہ حقائق کی مسببات سے نفی کرنا جائز نہیں ہوتی (1)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بچوں کو باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ماں کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: وہ ہاشمی ہیں ہلالی نہیں۔ اگرچہ ان کی ماں ہلالی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ استدلال صحیح نہیں بلکہ لغت کے اعتبار سے وہ ولد (بچہ) ہے اور حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ اس میں ولادت کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اہل علم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ نواسی بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **حُزِمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ** (النساء: 23) اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدُ وَسُلَيْمٰنُ وَأَيُّوبُ وَيُوسُفُ وَمُوسٰى وَهَارُونُ**

كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٦﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِيلَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧﴾ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ذریت میں شامل کیا جبکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد میں سے تھے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شاعر نے کہا:

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا بنوهن أبناء الرجال الأبعد

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے بعیدی مردوں کے بیٹے ہیں۔

انہیں کہا جائے گا: اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کے قول کا معنی ہے اس کے بیٹوں کی مذکور اولاد وہ افراد ہیں جن کا حکم وراثت اور نسب میں اس کے اپنے بیٹوں جیسا ہے اس کے نواسوں کا حکم اس معاملہ میں بیٹیوں کے حکم جیسا نہیں کیونکہ وہ غیر منسوب ہوتے ہیں تو یہ بتایا کہ حکم میں مختلف ہیں جبکہ نام میں اکٹھے ہیں۔ بچیوں کی اولاد سے ولد کے اسم کی نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ وہ ابن ہے بعض اوقات ایک آدمی اولاد کے بارے میں کہتا ہے: لیس ہو بابنی وہ میرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ میری اطاعت نہیں کرتا اور نہ ہی میرے حق کا خیال کرتا ہے وہ اس کے لیے ولد کے اسم کی نفی نہیں کرتا وہ اس سے حکم کی نفی کا ارادہ کرتا ہے۔

جس نے اس شعر سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو ولد نہیں کہتے تو اس نے معنی کو فاسد کر دیا اور اس کے فائدہ کو باطل کر دیا اور قائل کے قول کی ایسی تاویل کی جو درست نہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ عربی زبان میں بیٹے کی اولاد کو ابن کہا جائے اور بیٹی کی اولاد کو ابن نہ کہا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کا معنی جس سے ولد کا اسم مشتق ہے اس میں واضح اور قوی ہے کیونکہ بیٹی کی اولاد ولادت کے حقیقی معنی کی وجہ سے اس کی اولاد ہے اور بیٹے کی اولاد اس کی اولاد ہے کیونکہ یہ ولادت کا سبب بنا ہے۔ امام مالک نے بیٹیوں کی اولاد کو اس حصہ سے خارج نہیں کیا جب وہ کوئی چیز اپنی اولاد کے لیے مختص کرتا ہے کہ ولد کا اسم لغت میں ان پر واقع نہیں ہوتا آپ نے ان کو وراثت کے احکام پر قیاس کرتے ہوئے خارج کیا ہے۔ یہ بحث سورۃ انعام میں گذر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

3۔ ذریۃ۔ یہ لفظ ذرا اللہ الخلق سے ماخوذ ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٠﴾ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی جانب سے ان کی اولاد میں سے تھے ذریۃ کے لفظ کی تحقیق سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام میں گذر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

4۔ عقب۔ لغت میں اس کا معنی ہے کوئی شے جب کسی شے کے بعد ہو وہ اس کی جنس سے ہو یا اس اس کی جنس سے نہ ہو: (1)۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أعقب الله بخير یعنی اللہ تعالیٰ نے سختی کے بعد خوشحالی دی۔ أعقب الشيب لسواد۔ سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آئے۔ عَقَبَ يَعْقِبُ عَقْبًا اسی وجہ سے انسان کی اولاد کو اسکی عقب کہتے ہیں معقب من النساء۔ وہ عورت جو مؤنث کے بعد مذکر بنے اسی طرح ہمیشہ سلسلہ رہے۔ عقب الرجل۔ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جو اس کے بعد

رہے۔ عاقبہ سے مراد اولاد ہوتی ہے۔ یعقوب نے کہا: قرآن حکیم میں ہے وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ اِيك قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ تمام وارث عقب ہیں۔ عاقبہ سے مراد اولاد ہے اسی وجہ سے مجاہد نے یہاں تفسیر بیان کی ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں اس سے مراد ذریت ہے۔ ابن شہاب نے کہا: اس سے مراد بچے اور بچے کی اولاد ہے۔ دوسرے علماء نے وہ کہا جو سدی سے مروی ہے صحاح میں ہے: عقب ایڑی کو کہتے ہیں یہ مؤنث ہے عقب الرجل سے مراد اولاد اور اولاد کی اولاد ہے۔ اس میں دو لغتیں ہیں عقب اور عقب۔ یہ بھی مؤنث ہے۔ انخفش سے مروی ہے: عقب فلاں مکان ابیہ عاقبہ یعنی فلاں اپنے باپ کا نائب بنا یہ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَيْسَ لَوْفَعَتَهَا كَاذِبَةٌ (الواقعة) علماء کے نزدیک عقب اور ولد کے لفظ میں کوئی فرق نہیں۔ ذریۃ اور نسل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں ولد اور عقب کے قائم مقام ہیں۔ امام مالک کے مذہب کے مطابق بیٹیوں کی اولاد اس میں داخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سب ان دونوں میں داخل ہیں۔ ذریۃ کے بارے میں گفتگو یہاں اور سورہ الانعام میں گذر چکی ہے۔

5۔ نسلی۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہ ولدی اور ولد ولدی کے قول کی طرح ہے (1) اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہے ان کا داخل ہونا ضروری ہے کیونکہ نسل کا معنی نکلنا ہے بچیوں کی اولاد ایک اعتبار سے نکلی ہے ولم یقتن بہ ما یخصہ کما اقتن بقولہ عقبی ماتنا سلوا۔ اس کے ساتھ وہ مقترن نہیں ہوگا جو اسے خاص کرے جس طرح نسل عقبی کے ساتھ مقترن ہے۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: نسل، ولد اور عقب کے معنی میں ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں مگر اس صورت میں کہ صدقہ وقف کرنے والا یہ کہے نسلی و نسل نسلی جس طرح وہ یہ کہے: عقبی و عقب عقبی مگر جب وہ یہ کہے ولدی یا کہے عقبی تو اس میں بیٹیاں داخل نہ ہوں گی۔

6۔ آل۔ وہی اہل ہیں۔ یہ ساتواں لفظ ہے ابن قاسم نے کہا: یہ دونوں (آل اور اہل) برابر ہیں اس سے مراد عصابات، بھائی، بیٹیاں اور پھوپھیاں ہیں اس میں خالائیں داخل نہیں اس کا اصل معنی اجتماع ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: مکان اہل جب اس میں جماعت ہو یہ عصبہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جو عورتوں کی جانب سے قرابت میں داخل ہوتا ہے عصبہ اس سے مشتق ہوتا ہے یہ اہل سے خاص ہے حدیث افک میں ہے یا رسول اللہ اھلک ولا نعلم الا عید یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ کے اہل کے بارے میں بھلائی کا ہی علم رکھتے ہیں مراد حضرت عائشہ ہیں لیکن زوجہ آل میں داخل نہیں اس پر اجماع ہے اگرچہ یہی تاهل کی اصل ہے کیونکہ اس کا ثبوت یقینی نہیں کیونکہ اس کا ربط بعض اوقات تبدیل ہو جاتا ہے اور طلاق کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔ امام مالک نے کہا: آل محمد سے مراد ہر متقی ہے۔ یہ تعبیر اس باب سے متعلق ہے آپ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ایمان قرابت سے خاص ہے اس پر دعوت مشتمل ہوتی ہے اور آپ نے رحمت کا ارادہ کیا ہے۔ ابواسحاق توسی نے کہا: اہل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو والدین کی جانب سے ہو۔ اس نے اشتقاق کو پورا حق دیا اور عرف اور استعمال سے غفلت کا اظہار کیا۔ یہ معانی حقیقت پر مبنی ہیں یا ایسے عرف پر جو اطلاق کے وقت مستعمل ہونے پر مبنی ہیں یہ دو لفظ ہیں۔

8۔ قرابۃ۔ اس میں چار اقوال ہیں: (1) امام مالک نے محمد بن عبدوس کی کتاب میں کہا: اس سے مراد قریب ترین پھر قریب ترین ہیں، یہ اجتہاد کے قاعدہ کی بنا پر ہے اس میں بیٹیوں اور خالائوں کی اولاد شامل نہیں (2) باپ اور ماں کی جانب سے قریبی اس میں داخل ہیں، یہ علی بن زیاد نے کہا (3) اشہب نے کہا: مردوں اور عورتوں کی جانب سے ہر ذی رحم اس میں شامل ہے۔ (4) ابن کنانہ نے کہا: اس میں چچے، پھوپھیاں، خالو، خالائیں اور بھانجیاں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (الشوری: 23) کی تفسیر میں کہا: مگر یہ کہ تم اس رشتہ کو جو زوجہ جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ کہا: قریش کا کوئی خانوادہ نہیں تھا مگر اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری تھی۔ یہ قول اسے جامع ہے۔

9۔ العشیرہ۔ اسے حدیث صحیح جامع ہے اللہ تعالیٰ نے جب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۱۰﴾ (الشعراء) کو نازل کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خاندانوں کو دعوت دی جس طرح اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے وہ قریبی خاندان تھے۔ باقی مطلق عشیرہ کا قول پہلے گذر چکا ہے۔

10۔ قوم۔ اسے عصبات میں خصوصاً مردوں پر بولا جاتا ہے عورتیں اس میں شامل نہیں قوم مردوں اور عورتوں دونوں کو جامع ہے اگرچہ شاعر نے کہا:

وما ادری وسوف اخال ادری اقوم آل حصن أم نساء

لیکن یہ ارادہ کیا کہ جب آدمی مدد کے لیے اپنی قوم کو بلاتا ہے تو مرد مراد لیتا ہے اور جب حرمت کے لیے نہیں بلاتا ہے تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتی ہیں صفت اسے عام کرتی ہے اور قرینہ اسے خاص کرتا ہے۔

11۔ موالی۔ امام مالک نے کہا: اس میں اس کے اپنے موالی کے ساتھ اس کے باپ اور بیٹے کے موالی بھی داخل ہوتے ہیں۔ ابن وہب نے کہا: اس میں موالی کی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے اس میں ہر وہ فرد داخل ہوگا جو ولہ کی وجہ سے وارث بنتا ہے۔ یہ کلام کی فصول اور اصول ہیں جو قرآن کے ظاہر اور اس سنت کے ساتھ مربوط ہیں جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے، اس کی جزئیات کتاب المسائل میں ہیں۔

بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَأْسُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ  
الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۲﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ  
مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۱۳﴾ أَهُمُ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴿۱۴﴾ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ  
مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ  
بَعْضًا سَخِرِيًّا ﴿۱۵﴾ وَرَاحَتٌ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۶﴾

”بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ آگیا ان کے پاس حق اور کھول





وَمَا نَقْنَأُ بَعْضَهُمْ قُوًى بَعْضٍ دَرَجَاتٍ یعنی ہم نے ان میں باہم فضیلت رکھی کچھ صاحب فضل ہیں اور کچھ پر فضیلت حاصل ہے کچھ رئیس ہیں اور کچھ مخوم ہیں (1)۔ یہ مقالم کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آزادی اور غلامی میں باہم فضیلت دی بعض مالک ہیں اور بعض مملوک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غنا اور فقر میں باہم فضیلت دی ان میں سے بعض غنی اور بعض فقیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اعتبار سے فضیلت دی۔

لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا سدی اور ابن زید نے کہا: غلام اور خدام کے اعتبار سے باہم فضیلت دی (2)، اغنیاء فقراء کا تمسخر اڑاتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے معاش کا سبب ہیں۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: یعنی ان میں سے بعض کے مالک بن جائیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس سخریہ سے ماخوذ ہے جو استہزاء کے معنی میں ہے اور ہزئت منہ ربہ۔ ہر ایک جملہ کہا جاتا ہے اسم سخریہ ہے اسی طرح سُخْرٰی اور سُخْرٰی ہے تمام علماء نے سُخْرٰی میں سین کو ضمہ دیا ہے مگر ابن حصین اور مجاہد نے ضمہ نہیں دیا دونوں نے سُخْرٰی پڑھا ہے وَمَا حَمَلْتُ رَبِّكَ حَيًّا وَمَتَا يَجْمَعُونَ ۝ یعنی دنیا میں سے جو وہ جمع کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت اس سے افضل ہے پھر یہ کہا گیا ہے۔ رحمت سے مراد نبوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرائض کو مکمل ادا کرنا نوافل کی زیادتی سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ ان پر فضل و احسان کیا جاتا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو ان کو ان کے اعمال پر جزا دی جاتی ہے۔

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لَبُيُوتَهُمْ سُقُفًا مِّنْ فُضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿٣﴾

”اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ امت بن جائیں گے تو ہم بنادیتے ان کے لیے جو انکار کرتے ہیں رحمن کا ان کے مکانوں کے لیے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی)۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** علماء نے کہا: دنیا کی حقارت اور کم مرتبہ کا ذکر کیا وہ اس کی بارگاہ میں اتنی ذلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے گھروں اور ان کی زینوں کو سونے اور چاندی کا بنادیتا اگر دنیا کی محبت دونوں پر غالب نہ آجاتی اور یہ چیز کفر پر برا بیگشتہ نہ کرتی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر سارے لوگ اس وجہ سے کافر نہ ہو جاتے کہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور آخرت کو ترک کرتے ہیں تو ہم دنیا میں انہیں وہ عطا کرتے جو ہم نے بیان کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا ذلیل و رسوا ہے (4)؛ اکثر مفسرین کا یہی نقطہ نظر ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے اگر سارے لوگ دنیا کی طلب اور اسے آخرت پر ترجیح دینے کے اعتبار سے بس ایک جیسے نہ ہو جاتے تو جو رحمن کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کے گھروں کے چھت چاندی کے بنادیتے (5)۔ کسائی نے کہا: معنی ہے اگر کفار میں غنی اور فقیر نہ ہوتے

اور مسلمانوں میں اسی کی مثل نہ ہوتے تو ہم کفار کو دنیا دے دیتے، یہ اس کی ذلت و حقارت کی وجہ سے ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن کثیر اور ابو عمرو نے سَقْفَا پڑھا ہے یعنی سین کو مفتوح اور قاف کو ساکن پڑھا ہے یہ واحد کا صیغہ ہے اور اس کا معنی جمع کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر قیاس کرتے ہیں: فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ قَوَقِيهِمْ (النحل: 26) باقی قراء نے سین اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور صیغہ جمع کا ہے جس طرح رُحْن اور رُحْن ہے۔ ابو عبید نے کہا: ان میں تیسرا وزن نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سقیف کی جمع ہے جس طرح کثیب کی جمع کُثَب ہے رَغِف کی جمع رُغَف ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سقوف کی جمع ہے پس یہ جمع کی جمع ہوئی سقوف و سقوف، جس طرح فلس، فُلُوس۔ پھر انہوں نے فعولا بنایا گویا یہ اسم واحد ہے تو انہوں نے فَعْل کے وزن پر جمع بنا دیا۔

مجاہد سے مروی ہے: یہ سَقْفَا ہے یعنی قاف کو ساکن کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَيُبَيِّتُهُمْ میں لام، علی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدل ہے جس طرح تو کہتا ہے: فعلت هذا لزيد لكرامته اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَبْوِيهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (النساء: 11) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالْزُحُفِ لَيُبَيِّتُهُمْ۔

**مسئلہ نمبر 3۔** معارج اس سے مراد زینے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ یہ جمہور کا قول ہے اس کا واحد معراج ہے معراج کا معنی سیڑھی ہے اسی سے ليلة المعراج ہے اس کی جمع معارج اور معارج ہے جس طرح مفاتح اور مغاتیح دو لغتیں ہیں معارج یہ ابورجاء عطاردی اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے اس سے مراد سیڑھیاں ہیں۔ انخفش نے کہا: اُتِر تو چاہے تو اس کا واحد معرج اور معرج ہے جس طرح مرقاة ہے۔

عَلَيْهَا يَطْفَرُونَ ⑤ ھا ضمیر سے مراد معارج ہیں جن پر وہ چڑھتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظہرت علی البيت یعنی میں اس کی چھت پر چڑھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز پر بلند ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لیے نمایاں ہو جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ظہرت علی الشئ میں نے اسے جانا۔ ظہرت علی العدو۔ میں دشمن پر غالب آ گیا۔ نابغہ بن جعدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھا:

عَلَوْنَا السَّمَاءَ عَزَّةً وَمَهَابَةً وَأَنَا لَنَرْجُو فَوْقَ ذَلِكَ مَظْهَرًا (1)

ہم عزت اور ہیبت کے اعتبار سے آسمان پر چڑھ گئے بے شک ہم اس سے اوپر چڑھنے کی امید رکھتے ہیں۔

مظہر کا معنی مصعد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے (2) فرمایا: ”کہاں؟“ عرض کی: جنت کی طرف۔ فرمایا: ”ہاں انشاء اللہ“۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! دنیا نے اپنے مکینوں میں سے اکثر کو مائل کر لیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا بھی نہیں اگر اللہ تعالیٰ اس طرح کر دیتا تو کیا حال ہوتا (3)۔

**مسئلہ نمبر 4۔** بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ چھت پر بالائی منزل والے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چھت کو کمرے کا حصہ قرار دیا ہے جس طرح دروازوں کو اس کا حصہ قرار دیا ہے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ ابن

عربی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ بیت سے مراد صحن، دیوار، چھت اور دروازہ ہے جس کا وہ کمرہ ہوتا ہے اس کے لیے یہ اجزاء بھی ہوتے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا علو آسمان تک ہے (1)۔ سئل میں اختلاف ہے کچھ علماء نے کہا: سئل اسی کا ہوگا جس کا وہ کمرہ ہے اور ان میں سے بعض نے کہا: زمین کے بطن میں سے کوئی چیز اس کے لیے نہ ہوگی۔

ہمارے مذہب میں دو قول ہیں: اسرائیلی کی حدیث صحیح پہلے بیان کی جائیگی کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے ہاتھ گھر بیچا اس کی تعمیر کی اس میں سونے کا ایک گھڑا پایادہ اس گھرے کو بیچنے والے کے پاس لایا اس نے کہا: میں نے گھر خریدا تھا گھڑا نہیں خریدا تھا بیچنے والے نے کہا: گھر میں جو کچھ تھا اس کے ساتھ میں نے گھر بیچا تھا ان میں سے ہر ایک نے گھرے کو لینے سے انکار کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بچے کی شادی دوسرے کی بچی سے کر دے اور یہ مال ان دونوں کو دے دیا جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اوپر والا حصہ اور نچلے والا حصہ اسی کمرے والے کا ہے مگر اس صورت میں کہ وہ بیع کرتے وقت اسے خارج کر دیں جب ان دونوں میں سے ایک نے دونوں جگہوں میں سے ایک کو بیچا تو اس سے جو نفع اٹھایا جاتا ہے وہ اس کے لیے ہوگا اور باقی خریدنے والے کے لیے ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 5۔** بالائی منزل اور زیریں حصہ کے احکام:- جب بالائی حصہ اور نچلے والا حصہ دو افراد کی ملکیت میں ہوں نچلی منزل خراب ہو جائے یا اسکا مالک اس کے گرانے کا ارادہ کرے سحنون نے اشہب سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: جب زیریں منزل والا اسے گرانا چاہے یا بالائی منزل والا اس پر مسجد بنانا چاہے تو مجبوری کے بغیر زیریں منزل والا اسے نہ گرائے اس کا گرانا بالائی منزل والے کے مناسب ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ زیریں منزل کے گرانے سے بالائی منزل گر جائے بالائی منزل والے کو حق حاصل نہیں کہ بالائی منزل والا اوپر منزل بنائے جو اس سے پہلے نہ ہو مگر معمولی سی چیز جو زیریں منزل والے کو نقصان نہ دے۔

اگر بالائی منزل کی چھت میں سے ایک لکڑی ٹوٹ جائے تو وہ اس کی جگہ دوسری لکڑی رکھ لے جبکہ وہ پہلی لکڑی سے بھاری نہ ہو اور زیریں منزل پر ضرر کا خوف نہ ہو۔

اشہب نے کہا: گھر کا دروازہ زیریں منزل والے کا ذمہ ہے اگر زیریں منزل گر جائے تو اس کے مالک کو اس کے بنانے پر مجبور کیا جائے گا بالائی منزل والے پر لازم نہیں کہ وہ زیریں منزل تعمیر کرے اگر زیریں منزل والا تعمیر سے انکار کر دے تو اسے کہا جائے گا: اس کے ہاتھ بیچ دے جو اس کو بنائے۔

ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ زیریں منزل ایک آدمی کی ہے اور بالائی منزل دوسرے آدمی کی ہے زیریں منزل خراب ہو جاتی ہے تو اس کو درست کرنا زیریں منزل والے کے ذمہ ہے اس کے ذمہ یہ بھی ہے کہ بالائی منزل کو سہارا دے یہاں تک کہ وہ زیریں منزل کو درست کر لے۔

حضرت نعمان بن بشیر نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ”حدود اللہ پر قائم رہنے والا اور ان میں واقع



ہونے والا ان لوگوں کی مثل ہے جو ایک کشتی میں قرعہ اندازی کرتے ہیں ان میں سے بعض کو بالائی حصہ ملتا ہے اور ان میں سے بعض اسکا زیریں حصہ پاتے ہیں جو نچلے حصہ میں ہیں جب پانی لیتے ہیں تو اوپر والے لوگوں کے پاس سے گذرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے حصہ میں سے ایک سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو اذیت نہ دیں اگر اوپر والے انہیں چھوڑے رہیں اور جو وہ ارادہ کریں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں اگر اوپر والوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے (1)۔ یہ اس باب میں اصل ہے یہ امام مالک اور اشہب کی دلیل ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ نچلے حصہ والے کو حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسا نیا کام کرے جو اوپر والے کو نقصان پہنچاتا ہو اگر اس نے کوئی ایسا نیا کام کیا جس سے نقصان ہو تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے درست کرے بالائی منزل والے پر درست کرنے کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی اوپر والے کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نقصان پہنچانے والی چیز سے اسے روک دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پا جائیں گے“ ظالم کے علاوہ کسی کا ہاتھ پکڑنا جائز نہیں یا وہ امر ممنوع ہو کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو جائز ہی نہ ہو اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے سورۃ الانفال میں یہ بات گذر چکی ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ قرعہ جائز اور اس کا استعمال بھی جائز ہے سورہ آل عمران میں یہ بحث گذر چکی ہے، اس کے تمام مواقع پر غور کرو تو اسے واضح انداز میں پائے گا۔ الحمد للہ۔

وَلْيُبَيِّنْ لَهُمُ ابْوَابًا وَمُزَارًا عَلَيْهَا يَتَكُونُونَ ﴿١٨﴾ وَذُخْرًا ۖ وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتًّا  
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْآٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾

”اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری اور) پیلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں، اور آخرت کی عزت و کامیابی آپ کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

وَلْيُبَيِّنْ لَهُمُ ابْوَابًا یعنی ہم نے ان کے گھروں کے دروازے بنا دیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيُبَيِّنْ لَهُمُ ابْوَابًا، لِيَمْنُ يَتَكُونُوا بِالزَّحْمِ سے بدل اشتغال ہے یعنی چاندی کے دروازے۔ وَمُزَارًا اسی طرح پلنگ بھی چاندی کے سرد یہ سہیر کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسرہل کی جمع ہے اور اسرہل، سہیر کی جمع ہے پس سہار جمع کی جمع ہے۔

عَلَيْهَا يَتَكُونُونَ ﴿١٨﴾ اتکاء اور توکوں سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کا سہارا لینا، اسی سے اتَوَّكُوا عَلَيْهَا (طہ: 18) یعنی میں اس پر سہارا لیتا ہوں رجل تُكَاةٌ جس طرح هُنَّةٌ ہے بہت زیادہ سہارا لینے والا۔ اس سے اسم فاعل متکی ہے اسم ظرف متکا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: طعنه حتی اتكاه اس نے اسے نیزہ مارا یہاں تک کہ اسے سہارا لینے پر مجبور کر دیا یعنی اسے سہارا لینے والے کی طرح گرا دیا اسی طرح توکات علی العصا میں نے ڈنڈے کا سہارا لیا۔ تمام میں تاء کی اصل واو ہے اس کے ساتھ وہی کچھ کیا گیا جو اتزن اور اتعد کے ساتھ کیا گیا۔

وَذُخْرًا يٰهَا زَخْرَفٌ سَے مراد سونا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے اویکون لك بیت من زخرف یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ سامان ہے جو لوگ اپنے گھروں میں رکھتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد نقوش ہیں (3)، اس کا اصل معنی زینت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: زخرفت الدار۔ میں نے گھر کو مزین کیا تزخرف فلان۔ فلاں مزین ہوا۔ ذُخْرًا کو نصب اس لیے دی گئی کہ اسکی تعبیریوں ہے وجعلنا لهم مع ذلک زخرفا اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ان کے لیے زینت بنا دی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے معنی ہے ہم نے ان کے لیے چھت، دروازے، سونے اور چاندی کے پلنگ بنائے جب من کو حذف کیا تو کہا و ذُخْرًا تو اسے نصب دی گئی۔

وَإِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَتَّاعٌ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا عاصم، حمزہ اور ہشام نے ابن عامر سے انشید کے ساتھ پڑھا جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے یہ بحث بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ ابورجاء سے لٹا کے لام کو مکسور نقل کیا گیا ہے اس کے نزدیک ما، الذی کے معنی میں ہے اس کی ضمیر عائد مخدوف ہے تقدیر کلام یوں ہے اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ الذی هو متاع الحیاة الدنیا یہاں سے ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اسے حذف کیا گیا ہے اس کی قراءت کے مطابق جس نے قراءت کی مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَّا فَوْقَهَا (البقرة: 26) تَمَامًا عَلَى الَّذِیْ أَحْسَنَ (الانعام: 154) ابوالفتح نے کہا کہ اس قراءت کی بنا پر کل منصوب ہے کیونکہ اِنْ مَثَلَهُ سَے مخفف ہے جب اسے مخفف کر دیا جائے اور اس کا عمل باطل ہو جائے تو کلام کے آخر میں لام لازم ہوتا ہے تاکہ اس کے اور ان تافیہ میں فرق ہو جائے جو ما کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح اِنْ زید لقائم یہاں لام جارہ کے سوا کوئی لام نہیں۔

وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ یعنی جو متقی بننا ہے اور خوف کھاتا ہے اس کے لیے جنت ہے۔ کعب نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی نازل کتب میں سے بعض میں پاتا ہوں لَوْلَا اَنْ یَّخْزَنَ عِبْدِی الْمُؤْمِن لَکَلَّتْ رَاسُ عِبْدِی الْکَافِر بِالْاُکْکِلِ وَلَا یَتَصَدَّق وَلَا یَنْبِضُ مِنْهُ عَرَقٌ بَوجع اگر یہ نہ ہوتا کہ میرا مومن بندہ غمگین ہوگا تو میں اپنے کافر بندے کے سر پر تاج پہناتا اس کو سردرد نہ ہوتا اور نہ ہی درد کی وجہ سے اس کا پسینہ پھوٹتا۔

صحیح ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر ”دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے“ (4)۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو صنت الدنیا تعدل عند الله جناح بعوض ما سقى کافرا منها شربة ماء ”اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں پچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیتا“ (5)۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 5

2۔ لریضا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 225

4۔ صحیح مسلم، کتاب فی الزهد و الرقائق، باب الدنیا سجن المؤمن، جلد 2، صفحہ 407

5۔ جامع ترمذی، کتاب فی الزهد، باب ما جاء لی هو ان الدنیا علی الله، جلد 2، صفحہ 56

لوگوں نے یہ اشعار پرھے:

فلو كانت الدنيا جزاء لحسن  
لقد جاء فيها الأنبياء كرامة  
اگر دنیا محسن کی جزا ہوتی تو اس میں ظلم کی زندگی کا وجود ہی نہ ہوتا اس میں انبیاء کرامت کے باوجود بھوکے رہے اور  
چوپاؤں کے پیٹ سیر ہوئے۔  
ایک اور شاعر نے کہا:

تستع من الأيام إن كنت حازما  
فإنا لك فيها بين ناو وأمر  
تو اگر محتاط ہے تو ان ایام سے تھوڑا سا لطف اٹھالے بے شک تو اس میں روکنے والے اور حکم دینے والے کے درمیان ہے۔  
إذا أبقت الدنيا على السوء دينه  
فما فاتته فيها فليس بضائر  
جب دنیا انسان پر اس کا دین باقی رکھے تو جو چیز اس سے فوت ہوئی وہ اس کو نقصان دینے والی نہیں۔  
فلا تزن الدنيا جناح بعوضة  
ولا وزن رق من جناح لطائر  
دنیا کا وزن مچھر کے پر سے نہ کر اور نہ ہی پرندے کے بازو کے ایک پر سے۔  
فلم يرض بالدنيا ثوبا لحسن  
ولا رضى الدنيا عقا بالكافر  
وہ محسن کو دنیا کے ساتھ بدلہ دینے پر راضی نہیں اور نہ ہی کافر کو سزا دینے پر دنیا سے راضی ہے۔

وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۖ وَإِنَّهُمْ  
لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ  
يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ ۚ

”اور جو شخص دانستہ اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان اندھوں کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں یہاں تک کہ جب وہ اندھا ہمارے پاس آئے گا تو آنکھیں کھل جائیں گی کہے گا: کاش! میرے درمیان اور اے شیطان! تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو تو بہت برا سا قریں ہے۔“

وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۖ  
پڑھا ہے (1) اس کا معنی اندھا ہونا ہے اسی معنی میں ہے عشی یعشی عشا جب وہ اندھا ہو، رجل اعشى، امرأة عشواء جب وہ دیکھتا نہ ہو اس معنی میں اعشى کا قول ہے:

رأت رجلاً غائب الوافدين مختلف الخلق أعشى ضيرا

اس نے ایک ایسا آدمی دیکھا جس کے ساتھی جاچکے تھے شکل و صورت بڑی عجیب اور وہ اندھا تھا۔  
باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ عشا یعشو سے مشتق ہے جب اسے ایسا عارضہ لاحق ہو جو اندھے کو لاحق  
ہوتا ہے خلیل نے کہا: عشو سے مراد کمزور نظر دیکھنا (1)؛ اور یہ شعر پڑھا:

مَتَى تَأْتِيهِ تَغْشُو إِلَى ضَوْ نَارِهِ تَجِدُ خَيْرَ نَارٍ عِنْدَهَا خَيْرُ مَوْقِدٍ (2)

ایک اور شاعر نے کہا:

لَنَعَمَ الْفَقِي يَعْشُو إِلَى ضَوْ نَارِهِ إِذَا الرِّيحُ هَبَّتْ وَالْمَكَانُ جَدِيبٌ

وہ کتنا اچھا نوجوان ہے جو اپنی آگ کی روشنی کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے جاتا ہے جب کہ ہوا چل رہی ہے اور مکان چنیل ہے۔  
جوہری نے کہا: عشو الف مقصورہ کے ساتھ اعشی کا مصدر ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو رات کو نہیں دیکھ سکتا وہ صرف  
دن کو دیکھتا ہے اس کے یہ صیغے استعمال ہوتے ہیں امرأۃ عشاء، امرأتان عشاء وان۔ أعشاء اللہ فعشی یعشی عشی۔ ہما  
یعشیان وہ یہ نہیں کہتے یشموان۔ کیونکہ واؤ جب واحد کے صیغہ میں ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے یاء ہو جائے تو تشنہ کے صیغہ  
میں اپنی حالت پر رہتی ہے تعاشی۔ جب وہ اپنے بارے میں یہ ظاہر کرے کہ وہ اندھا ہے اعشی کا اسم منسوب اعشوی  
آتا ہے اور عشیہ کا اسم منسوب عشوی آتا ہے عشاء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سامنے نہ دیکھ سکے تو وہ بے ہنگم اپنے پاؤں ہر چیز  
پر مارتی ہے رکب فلان العشاء۔ جب وہ اپنے معاملہ میں سوچے سمجھے بغیر شروع ہو گیا۔ فلان خابط خبط عشاء فلاں  
آدمی اندھی اونٹنی کی طرح ٹامک ٹوٹیاں مار رہا ہے۔

یہ آیت سورت کے آغاز آفَضْرُبْ عَنْكُمْ الَّذِي كَرَّ صَفْحًا کے ساتھ متصل ہے یعنی ہم تمہارے لیے پے درپے ذکر کرتے  
ہیں جو آدمی اس ذکر سے اندھا بنا رہتا ہے کہ اس سے اعراض کرتا ہے اور گمراہوں اور باطل لوگوں کے اقوال کی طرف متوجہ  
ہوتا ہے تو اس کے کفر کی جزا کے طور پر ہم ایک شیطان اس پر مسلط کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔  
ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے جو حلال چیز سے اسے روکتا ہے اور حرام چیز پر اسے برا بیچتہ کرتا ہے اسے  
اطاعت سے منع کرتا ہے اور اسے معصیت کا حکم دیتا ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا  
گیا ہے: یہ آخرت میں سے ہوگا جب وہ اپنی قبر میں سے اٹھے گا؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے حدیث طیبہ میں ہے ”کافر  
جب اپنی قبر سے نکلتا ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ ہو لیتا ہے وہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں جہنم میں  
داخل ہو جاتے ہیں اور مومن کا ساتھی فرشتہ بنا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمادے گا“ یہ  
مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ شیطان دنیا اور آخرت میں اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ ابو ہشیم اور ازہری نے کہا: عشوت الی  
کذا۔ میں نے اس کا قصد کیا۔ عشوت عن کذا۔ میں نے اس سے اعراض کیا الی اور عن صلمہ کی وجہ سے معنی میں فرق ہوگا جس



طرح مِلْتُ إِلَيْهِ اور مِلْتُ عَنْهُ میں فرق ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے یَعِشْ یعنی وہ اعراض کرتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف نہیں۔ قرظی نے کہا: وہ اپنی کمر کو دہرا کرتا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبیدہ اور انخس نے کہا: اس کی آنکھ تاریک ہو جاتی ہے۔ عتبی نے اس کا انکار کیا ہے کہ عشوت، اعراضت کے معنی میں ہے کہا درست تعاشیت ہے یہ قول، ابو یثیم اور ازہری کا ہے تمام اہل علم نے یہی کہا ہے: سلمیٰ، ابن اسحاق، یعقوب اور عصمہ نے عاصم اور انخس سے یقیض پڑھا ہے کیونکہ الرَّحْمَن کا ذکر ہے معنی ہوگا رحمن اس کے لیے شیطان مسلط کر دیتا ہے باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نُقِضَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٥﴾ قرین کا معنی ساتھ رہنے والا اور ساتھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ شیطان سے کنایہ ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اعراض عن القرآن سے کنایہ ہے یعنی وہ شیطان کا قرین ہے وَ إِنَّهُمْ لَيَصُدُّوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ شياطين انہیں ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ وَمَنْ يَعِشْ فِي مَنْ جَمْع کے معنی میں ہے وَيَحْسَبُونَ وَأَوْضُمِير سے مراد کفار ہیں یعنی کفار گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ شياطين ہدایت یافتہ ہیں پس کفار ان کی اطاعت کرتے ہیں حَقِّي إِذَا جَاءَنَا فَعَلْ کا صیغہ واحد ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور حفص نے یہ پڑھا ہے یعنی جب کافر قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا، باقی قراء نے اسے جَاءَنَا تشنیہ کا صیغہ پڑھا ہے یعنی کافر اور اس کا ساتھی جب ہمارے پاس آئے گا دونوں کو ایک سلسلہ میں رکھا گیا ہے تو کافر کہے گا: يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی موسم سرما اور موسم گرما کا مشرق، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿٥﴾ (الرحمن) اسی کی مثل مقاتل کا قول ہے۔ واحد کے صیغہ کی قراءت اگرچہ اس کا ظاہر تو افراد کے معنی پر ہے تاہم معنی دونوں کے لیے ہے کیونکہ مابعد کلام سے اسے پہچان لیا گیا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

وَعَيْنُهَا حَذَرٌ بَذَرٌ شَقَّتْ مَا قِيَهَا مِنْ أَخْرٍ

محل استدلال عین ہے لفظ میں واحد ہے اور معنی میں تشنیہ کیونکہ ما قیہا اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقاتل نے کہا: کافر تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان اتنی دوری ہوتی جو سال کے طویل ترین اور مختصر ترین دن کے درمیان ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ۔ فراء نے کہا: مراد مشرق و مغرب ہے ان دونوں ہی سے ایک کے اسم کو غلبہ دیا جس طرح کہا جاتا ہے قمران، مراد سورج اور چاند ہوا کرتا ہے۔ عمران مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں بصرتان کوفہ اور بصرہ کے لیے۔ عصمان، صبح اور عصر کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أَخَذْنَا بِأَفَاقِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ لَنَا قَمَرَاهَا وَ النُّجُومُ الطَّوَالِمُ (1)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے آفاق کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے ہمارے پاس اس کا سورج اور چاند روشن

ستارے ہیں۔

ابو عبیدہ نے جریر کا شعر پڑھا:

ما كان يرضى رسول الله فعلهم والعُمران أبوبكر ولا عمر

ان کے عمل سے رسول اللہ ﷺ، عمران یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راضی نہیں۔

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا: قَدْ بَدَأَ مِنْ نَضْرِ الْخُبَيْبِينَ قَدِي

خُبَيْبِينَ سے مراد عبد اللہ اور مصعب ہے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے وہ ابو خبیب عبد اللہ تھے۔

فَبَشَّرَ الْقَوْمَ تَوَكَّنَا بِرَأْسَاتِهِمْ هِيَ كَيْونَكَ وَهِيَ آگ پر لے جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا: جب کافر کو اٹھایا جائے گا تو شیطان میں سے اس کے ساتھی کو ساتھ ملا دیا جائیگا وہ اس سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جہنم میں چلا جائے گا (1)۔

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝

”اور (یہ شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم دنیا میں ظلم کر رہے ہو تم سب اس عذاب میں حصہ دار ہو۔“

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ اذ، یوم سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے فرمائے گا: جب تم نے دنیا میں شرک کیا تو اس وقت تمہاری یہ گفتگو تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ وہ کافر کا قول ہے يَلِيَّتْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الشَّرِّ قَلِيلٌ یعنی آج تمہیں ندامت نفع نہ دے گی اَنْتُمْ میں ہمزہ مکسور ہے فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ یہ ابن عامر کی قراءت ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے یہ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ بنے گی لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ اشتداکم فی العذاب کیونکہ ہر ایک کے لیے اس کا وافر حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ جہنمیوں کو منع کر دیا گیا ہے کہ وہ غم کا اظہار کریں جس طرح مصیبت زدہ لوگ دنیا میں غم کا اظہار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے اظہار سے اہل دنیا راحت حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے لِي فِي الْبَلَاءِ وَالْمَصِيبَةِ أُسْوَةٌ۔ آزمائش اور مصیبت میں میں ایک نمونہ ہوں۔ اس طرح وہ غم سے سکون حاصل کرتا ہے جس طرح خساء نے کہا:

فَلَوْلَا كَثْرَةُ الْبَاكِينَ حَوْلِي عَلَى إِخْوَانِهِمْ لَقَتَلْتُ نَفْسِي

وَمَا يَكُونُ مِثْلُ أَخِي وَلَكِنْ أَعَزَّتْ نَفْسِي عَنْهُ بِالتَّأْسِي (2)

اگر میرے ارد گرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے نفس کو قتل کر دیتا وہ میرے بھائی جیسے بھائیوں پر نہیں روتے مگر اپنے نفس کو اس غم کے اظہار پر تسلی دیتی ہوں۔

جب آخرت میں غم کا اظہار انہیں کوئی نفع نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مشغول کر دے گا۔ مقاتل نے کہا: آج معذرت اور شرمندگی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی (3)، کیونکہ تمہارے ساتھی اور تم عذاب میں باہم شریک ہو جس طرح تم

کفر میں شریک ہو۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

”کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں۔“

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْى خطاب سرور دو عالم ﷺ کو ہے وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ یعنی یہ آپ کے لیے نہیں اس لیے اگر وہ کفر کرتے ہیں تو آپ کا سینہ تنگ نہ پڑے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے اس میں قدر یہ اور دوسرے افراد کے لیے رد ہے دل میں ہدایت، رشد اور گمراہی یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی تخلیق فرما دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔

فَأَمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ

مُقْتَدِرُونَ ۝

”پس اگر ہم لے جائیں آپ کو اس دار فانی سے تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا ہم آپ کو دکھا دیں گے

وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔“

فَأَمَّا نَذْهَبَنَّ اس سے مراد یہ لی ہم آپ کو مکہ مکرمہ سے قریش کی اذیت سے نکال کر لے جائیں فَإِنَّا مِنْهُمْ

مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ اس سے مراد تیری زندگی میں ان سے انتقام لینا ہے فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُونَ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ منظر بدر کے روز دکھایا: یہ اکثر مفسرین کا قول

ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: یہ مسلمانوں میں ہے اس سے مراد حضرت محمد ﷺ کے بعد فتنے ہیں (1) نَذْهَبَنَّ

بِكَ اسی پر ہم تجھے موت عطا کر دیں گے نبی کریم ﷺ کے بعد شدید انتقام واقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت بخشی اللہ

تعالیٰ آپ کو لے گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت میں نہیں دکھایا مگر وہی کچھ جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور انتقام

کو اس کے بعد رکھا کوئی نبی نہیں گذرا مگر اس کی امت میں انتقام اسے دکھایا گیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی امت جب آزمائش کو پانے والی تھی وہ آپ کو دکھائی گئی تو آپ ہمیشہ منقبض ہی

رہے آپ کھل کر نہ بنے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کو قبض کر لیتا ہے اور اس

نبی کو اس امت کے لیے فرط اور سلف بنا لیتا ہے اور جب کسی امت کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے جبکہ اس

کا نبی زندہ رہتا ہے تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب انہوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کے حکم کی نافرمانی کی۔“

فَأَسْتَسْبِكُ بِالَّذِي أُوْحِيَ إِلَيْكَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ

## وَلِقَوْمَكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝

”پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس قرآن کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزند ان اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی۔“

فَاسْتَمِمْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ۔ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ سے مراد قرآن حکیم ہے اگرچہ اس کو جھٹلایا جس نے جھٹلایا إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ اس کی رضا اور ثواب تک پہنچا دے گا وَإِنَّهُ لَنَبِّ كُذِّبَتْ لَكَ وَلِقَوْمَكَ یعنی قرآن تیرے لیے اور تیری قوم قریش کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ انکی لغت اور انہیں میں سے ایک فرد پر نازل ہوا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) یعنی تمہارے لیے شرف ہے قرآن حکیم قریش کی زبان میں نازل ہوا اور انہیں کو خطاب کیا پس تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں جو بھی ایمان لایا وہ ان کے خوشہ چیں ہوئے کیونکہ تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں کہ ان کی لغت کو اپنائیں یہاں تک کہ اس معنی پر آگاہی حاصل کریں جس کا امر، نئی اور خبر سے ارادہ کیا گیا ہے اس اعتبار سے قریش تمام اہل لغات پر شرف والے ہو گئے اسی وجہ سے انہیں عربی کہا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے لیے اور تیری امت کے لیے بیان ہے جس کے تم محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تذکرہ ہے جس کی مدد سے تم دین کا معاملہ سمجھتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَإِنَّهُ لَنَبِّ كُذِّبَتْ لَكَ وَلِقَوْمَكَ اس سے مراد خلافت ہے یہ قریش میں ہے غیروں میں نہ ہوگی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس مسئلہ میں لوگ قریش کے تابع ہیں لوگوں کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے تابع ہوں گے اور ان کے کافران کے کافروں کے تابع ہوں گے“ (1)۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد آدمی کا یہ قول ہے: مجھے میرے والد نے میرے باپ سے وہ ابن ابی مسلمہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت مالک بن انس سے روایت نقل کرتے ہیں: یہ ماوردی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا (2)۔ ابن عربی نے کہا: میں نے اسلام میں ایسا مرتبہ کسی کے لیے نہیں پایا مگر بغداد میں ایسا پایا (3) کیونکہ بنی تمیم وہاں یہ کہا کرتے تھے: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا اور سند رسول اللہ ﷺ تک چلائی اس طرح ان کی اقدار شرف والی ہو گئیں لوگوں نے ان کی شان کو عظیم خیال کیا اور خلافت نے انہیں تلاش کیا۔

میں نے مدینہ السلام میں ابو محمد رزق اللہ بن عبد الوہاب ابو فرج بن عبد العزیز بن حارث بن اسد بن لیث بن سلیمان بن اسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبد اللہ تمیمی کے دو بیٹوں کو دیکھا دونوں کہہ رہے تھے: ہم نے اپنے باپ رزق اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا یہ صیغہ ادا آخر تک چلتا رہا اور آخر میں کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے حنان و منان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا فرمایا: حنان اسے کہتے ہیں جو اس کی

1۔ مجمع مسلم، کتاب فی الامارہ، الناس تبع لقریش والخلافة فی قریش، جلد 2، صفحہ 119

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 227

3۔ احکام القرآن، ابن حجر، جلد 4، صفحہ 84-1683



طرف توجہ کرے جو اس سے اعراض کرے اور منان اسے کہتے ہیں جو سوال سے پہلے عطا کرے۔ جس نے یہ کہا تھا میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: وہ اکیس بن عبد اللہ ہے جو ان کا جد اعلیٰ تھا۔ زیادہ قوی یہ ہے وَإِنَّهُ لَكُلُّ لَكَ وَلِقَوْمِكَ سے مراد قرآن حکیم ہو کلام کا انحصار اسی پر ہے اور اس کی طرف رجوع ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ماوردی نے کہا: وَلِقَوْمِكَ میں دو قول ہیں (1) آپ کی امت میں سے جو آپ کی اتباع کرے (1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری سے اسے ذکر کیا ہے (2) مراد قریش ہیں (2)، کہا جاتا ہے: وہ کن سے ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے: عربوں میں سے۔ پوچھا جاتا ہے: کون سے عرب؟ تو جواب دیا جاتا ہے: قریش سے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ شرف عمل کرنے والے کے لیے ہے وہ قریش سے ہو یا غیر قریش سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر یہ یا غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا فرمایا: ”اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ دے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی نفع نہیں دے سکتا، اپنی ازواج سے بھی اسی کی مثل فرمایا، اپنی اولاد کو بھی اسی کی مثل فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے بنو ہاشم لوگوں میں سے اولیٰ نہیں میری امت میں سے بہترین نہیں میری امت میں سے بہترین متقین ہیں، موالی (جو غلام تھے یا جن کے ساتھ معاہدہ ہوا یا جو کسی قبیلہ کے سردار کے ہاتھ پر اسلام لائے) میری امت سے بہترین متقین ہیں تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو تم صاع کے کناروں سے بھرے پیانے زائد ماپ کی طرح ہو کسی ایک کو دوسرے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں کو اس امر سے رک جانا چاہیے کہ وہ جہنم کے کونکہ میں سے ایک کونکہ پر فخر کرتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ بھونرے سے بھی زیادہ شریر ہوں جو اپنی ناک سے بدبو پھینکتا ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا عیب اور آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے، مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے“ دونوں روایات طبری نے ذکر کی ہیں۔ سورہ حجرات میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝ تم سے ان نعمتوں پر شکر بجالانے کے بارے میں پوچھا جائے گا (3)؛ یہ مقاتل اور فراء کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا ہے اس کے بارے میں آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے باز پرس ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے اس بارے میں جو عمل کیا اس کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا: معنی قریب قریب ہے۔

وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ۝

”اور آپ پوچھے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند

کے علاوہ اور خدا تا کہ انکی پوجا کی جائے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی، مسجد اقصیٰ

سے مراد مسجد بیت المقدس ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد میں سے مرسلین کو بھیجا جبکہ جبریل امین نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے حضرت جبریل امین نے آذان کہی پھر نماز کے لیے اقامت کہی پھر کہا: اے محمد! ﷺ آگے بڑھو اور انہیں نماز پڑھاؤ، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے جبریل امین نے کہا: اے محمد! آپ سے قبل جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے ان سے پوچھئے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمن کے علاوہ اور الہ بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نہیں پوچھوں گا تو ہی کافی ہے“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ستر نبی تھے جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے آپ نے ان سے سوال نہ کیا کیونکہ آپ ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری روایت میں ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سات صفیں بنا کر نماز پڑھی مرسلین کی تین صفیں تھیں اور انبیاء کی چار صفیں تھیں رسول اللہ ﷺ کے متصل پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل اور ان کی بائیں جانب حضرت اسحاق پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام تھے پھر باقی ماندہ مرسلین تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور کہا: ”میرے رب نے میری طرف وحی کی کہ میں تم سے سوال کروں کیا تم میں سے کوئی ایسا رسول بھی بھیجا گیا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہو؟“ انہوں نے کہا: اے محمد! ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں وہ سب باطل ہے آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں آپ نے ہمیں جو امامت کرائی ہے اس سے یہ امر ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تیرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں“ (1)۔

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ سَأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ لیلة المعراج کو رسولوں سے ملے۔ ولید بن مسلم نے اس ارشاد کی وضاحت میں کہا: میں نے اس بارے میں خلید بن دعلج سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے بیان کیا کہا: معراج کی رات ان سے سوال کیا آپ انبیاء سے ملے حضرت آدم سے ملے اور جہنم کے خازن سے ملاقات کی۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہی صحیح ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر رُسُلِنَا سے پہلے مَنْ زَاَدْنَا مِنْهُمْ مبرداور علماء کی ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے تم سے قبل جو رسول بھیجے گئے ان کی امتوں سے پوچھو۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے وَ سَأَلْ الذِّیْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ رُسُلَنَا یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہے اس تعبیر کی بنا پر مَنْ زَاَدْنَا ہے: یہ مجاہد، سدی، ضحاک، قتادہ، حسن بصری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے (2) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھئے جو دو کتابوں یعنی تورات و انجیل والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! ﷺ ہم سے ان انبیاء کے بارے میں پوچھیں جو آپ سے قبل مبعوث کیے گئے عن کو حذف کر دیا گیا اور رُسُلِنَا پر وقف تام ہے پھر انکار کے طریقہ پر

استفہام سے ابتدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان رسولوں کے پیروکاروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا، تو یہاں سے مضاف محذوف ہے۔ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد ساری امت ہے۔

أَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ۝ آلہۃ کی خبر اس صیغہ کے ساتھ لگائی گئی جس صیغہ کے ساتھ ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے فرمایا یُعْبَدُونَ ۝، تعبد اور یعبدن نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک آلہۃ ذوالعقول کے قائم مقام ہیں تو ان کی خبر اسی طریقہ پر لگائی گئی جیسے ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے۔

سوال کے امر کا سبب یہ تھا کہ یہودیوں اور مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا: جو آپ لاتے ہیں وہ اس کے مخالف ہے جو آپ سے قبل انبیاء لائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ انبیاء سے سوال کریں (1) نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال کیا تو رسولوں نے جواب دیا ہمیں توحید کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا؛ یہ واقعی کا قول ہے۔

(2) نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال نہیں کیا تھا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یقین تھا یہاں تک کہ یہ حکایت بیان کی گئی کہ حضرت میکائیل نے حضرت جبریل امین سے پوچھا: کیا حضرت محمد ﷺ نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: حضرت محمد ﷺ کا ایمان اور یقین اس سے عظیم ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوال کریں (1)، یہ بحث دونوں روایات میں گزر چکی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَصْحَكُونَ ۝ وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۚ وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَقَالُوا يَا يَاهُ السَّحَرِ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقِيمُوا آلِيَّ مَلِكُ مُصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۚ وَلَا يَكَاذُ يَهُودُ ۝

”اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس آپ نے انہیں کہا: بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آجائیں۔ اور وہ بولے: اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔

پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور پکارا فرعون اپنی قوم میں اور کہنے لگا: اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔“

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا جَبَّالِ اللَّهِ تَعَالَىٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ وہ آپ کے دشمن سے انتقام لینے والا ہے اور انبیاء کی شہادت اور تمام کے اتفاق سے توحید پر دلیل قائم کر دی تو اس امر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے مؤکد کیا، فرعون نے جو تکذیب کی اور اس پر اور اس کی قوم پر غرق کی صورت میں جو عذاب آیا یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کے ساتھ بھیجا وہ نو معجزات تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا گیا اور اچھا انجام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں مقرر کیا گیا یہی صورت حال آپ ﷺ کی ہے۔

يُصْحَكُونَ ۝ کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں وہ اپنے پیروکاروں کو وہم دلاتے ہیں کہ وہ معجزات جادو اور وہم ہیں اور وہ بھی ان پر قادر ہیں۔

وَمَنْ يُهْمُ مِنْ آيَةِ الْإِلَهِ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بڑے معجزات میں سے تھے ان میں سے ہر ایک پہلے سے بڑا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا معجزہ علم کا تقاضا کرتا تھا اور دوسرا بھی علم کا تقاضا کرتا تھا تو دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملایا جاتا تو وضاحت میں اضافہ ہو جاتا۔ اخوت کا معنی مشا کلت اور مناسبت ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: هذه صاحبة هذه۔ یعنی دونوں معنی میں قریب ہیں۔

وَآخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ انہوں نے معجزات کو جھٹلایا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہیں وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ مِنَ الثَّمَرَاتِ (اعراف: 130) عذاب سے مراد طوفان، مکڑیاں، جوئیں اور مینڈک ہیں۔ یہ آخری آیات ان کے لیے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ شاید وہ کفر سے لوٹ آئیں۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهُ الشَّجَرِ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: اے جادوگر! انہوں نے اس طرح ندا کی جس طرح وہ پہلے عادت کے مطابق ندا کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ علماء کو سحرہ کا نام دیتے انہوں نے بطور تعظیم آپ کو اسی نام سے پکارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: يَا أَيُّهُ الشَّجَرِ، اے عالم! ساحر ان کے نزدیک عظیم ہوا کرتا وہ اس کی تعظیم بجالایا کرتے تھے سحر صفت ذم نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے وہ شخص جو اپنے سحر کی وجہ سے ہم پر غالب آ گیا ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ساحر تہ فسحر تہ یعنی میں سحر کی وجہ سے اس پر غالب آ گیا جس طرح عربوں کا قول ہے: خاصستہ فنصستہ یعنی میں خصومت کے ساتھ اس پر غالب آ گیا اسی طرح فاضلستہ فضلستہ ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ انہوں نے ساحر کا حقیقی معنی مراد لیا ہو اور گفتگو استفہام کے انداز میں کی ہو۔ آپ نے انہیں ملامت نہ کی ہو کیونکہ آپ ان کے ایمان لانے کی امید رکھتے تھے۔ ابن عامر، ابو حیوہ اور یحییٰ بن وثاب نے الف کو بغیر ہاء مضموم کے ساتھ است پڑھا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ ہاء کو ماقبل کے ساتھ ملادیا گیا اور یا کو وہ ضمہ لازم ہو گیا جو ندا، مفرد کی وجہ سے واجب تھا فراء نے یہ شعر پڑھا:



يَا أَيُّهَا الْقَلْبُ التَّجَوُّجُ النَّفْسِ أَفَقَ عَنِ الْبَيْضِ الْحَسَنِ الْلُغْسِ

محل استدلال یا ایہ ہے۔

ہا کا ضمہ یاء کے ضمہ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے۔ سورہ نور میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، یحییٰ اور کسائی نے ایہا الف کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ مصحف میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔

اِذْ عَمَلْنَا رَبَّكَ بِنَآءِ عَهْدِكَ يَعْنِي جِسْمِ عَهْدِكَ تَمَّ نَفْسُ خَبَرِي هِيَ كَمَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى نَفْسُ تَجْهَّ مِنْ وَعْدِهِ كَمَا أَنَّ اِئْتِ اِيْمَانِ لَا اِيْمَانِ تَوَالله تَعَالَى هَمَّ مِنْ اَسَ دَوْر كَرْدَے گا تَوَالله تَعَالَى مِنْ سَوَال كَيْفَ تَوَالله تَعَالَى هَمَّ مِنْ اَسَ تَكْلِيْف كُو دَوْر كَرْدَے اِنَّا لَمُهْتَدُونَ ⑤ کہ ہم آنے والے وقت میں ہدایت پا جائیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ يَعْنِي حَضْرَتِ مَوْسَى عَلَيْهِ السَّلَام نے دعا کی تَوَالله تَعَالَى نے ہم سے تَكْلِيْف كُو رَفْع كَر دِيَا اِذَا هُمْ يَنْتُظُونَ ⑥ یعنی وہ عہد جو انہوں نے اس بارے میں کیا تھا اس کو انہوں نے توڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّا لَمُهْتَدُونَ ⑤ انہوں نے اپنے بارے میں ايمان کی خبر دی جب ان سے عذاب دور ہو گیا تو وہ مرتد ہو گئے۔

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ اِيْكَ قَوْلُ يَه كَمَا اِيْكَ: جَبْ فِرْعَوْن نے اِنْ مَعْجَزَات كُو دِيكْھا تَوَالله تَعَالَى مِنْ خَوْفِ هُوَا كُو قَوْمِ حَضْرَتِ مَوْسَى عَلَيْهِ السَّلَام کی طرف مائل ہو جائیگی تَوَالله تَعَالَى نے کہا: نَادَى، قَالَ كُو مَعْنَى مِیْن ہِے (1)؛ يَه اَبُو مَالِك كَانَتْ نَظَرُ هِے۔ يَه بَھي جَا تَز ہِے کہ اس کے پاس قبطیوں کے سردار لوگ ہوں تَوَالله تَعَالَى کے درمیان آواز کو بلند کیا پھر وہ تمام قبطیوں میں اس بات کو عام کر دیں گویا اس طریقہ سے ان میں ندا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں ندا کرے، یہ ابن جریج كَانَتْ نَظَرُ هِے۔

قَالَ يَقْوَمُ الْيَسَّ لِيْ مُلْكُ وَصَرَّ يَعْنِي اِسَ بَارَے مِیْن مَجْھ سے کوئی جھگڑا نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے چالیس فرسخ کا ملک تھا، یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: يَهَاں مَلِك سے مراد اسکندر یہ ہے وَهَذَا اِلَّا تُهْرُ تُجْرِي مِنْ تَحْقِيقِ يَعْنِي نِيل کی نہریں۔ اِنْ كِي چَار بڑی نہریں تھیں نہر ملک، نہر طولان، نہر دمياط اور نہر تنيس۔ قَادَہ نے کہا: وَهَاں بَاغَات اور نہریں تھیں جو اس کے محل کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنْ تَحْقِيقِ سے مراد ہِے مِيرَا تَصْرَف اِن مِیْن نَافِذ ہِے اِن مِیْن كِسِي كَا كُوئی عَمَل دَخْل نَہِیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جَب وَہ اِس كِي لْكَام كَھِنِچْتَا تَو نِيل چلنے سے رُك جَا تَا۔ قَشِيرِي نے کہا: يَه بَھي جَا تَز ہِے کہ رُبُو بَيْت كُو مَدِي كُو ہاتھ پر خَارِقِ لِلْعَادَةِ مَوْر كَا ظَہُور مَرَاد ہِے كِيونكہ اَلْ كُو غَيْر سے تَمِيز كُو لِيے خَارِقِ لِلْعَادَةِ مَر كِي كُوئی ضَرُورَت نَہِیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهَذَا اِلَّا تُهْرُ تُجْرِي مِنْ تَحْقِيقِ سے مراد قَائِدِيْن، رُؤُسَاء اور جَبَا رَہ ہِیں جو اس کے جھنڈے کے نیچے چلا کرتے تھے؛ يَه ضَحَاك كَا قَوْل ہِے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْہَا ر سے مراد اَمْوَال ہِیں اِن كِي كَثْرَت اور ظَہُور كِي

بنا پر انہیں انہار سے تعبیر کیا ہے تَجْرِي مِنْ تَحْتِیْ میں انہیں ان افراد پر تقسیم کر دیتا ہوں جو میری اتباع کرتے ہیں کیونکہ ترغیب اور قدرت اموال میں ہوتی ہے انہار میں نہیں ہوتی۔

أَفَلَا تُبْصِرُونَ ⑤ کیا تم میری عظمت، قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری کو نہیں دیکھتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے وسائل رزق پر میری قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عجز کو نہیں دیکھتے وَهَذَا فِي مِثْلِ مَا فِي دَاوُدَ اس میں جائز ہو کہ عاطفہ ہو اور الَّا نُهَرُ کا عطف مُلْكُ وَصَرِّ پر ہو اور تَجْرِي حَال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ دَاوُدَ حالیہ ہو اور اسم اشارہ ہو اور الَّا نُهَرُ اسم اشارہ کی صفت ہو اور تَجْرِي مبتدا کی خبر ہو تَحْتِیْ کی یاء کو اہل مدینہ، بزی اور ابو عمرو نے فتح دیا ہے باقی قراء نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ رشید سے مروی ہے جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی تو کہا: میں یہ اپنے غلاموں میں سے سب سے خوبصورت کو دوں گا تو اس نے وہ خصب کو دے دیا وہ اسے وضو کرایا کرتا تھا، عبد اللہ بن طاہر سے مروی ہے کہ وہ اس کا والی بنا اور اس کی طرف نکلا جب اس نے اس شہر کو دیکھا اور اس پر اس کی نظر پڑی کہا: کیا یہ وہ بستی ہے جس پر فرعون نے فخر کیا تھا یہاں تک کہ اس نے کہا تَا أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَصَرِّ اللہ کی قسم! یہ تو اس سے کم درجہ کا ہے کہ میں اس میں داخل ہوں تو اس نے اپنی لگام موڑ لی۔

پھر اس کی حالت کی وضاحت کی اور کہا: أَمْ أَنَا خَيْرٌ ابو عبیدہ اور سدی نے کہا: امر یہاں بل کے معنی میں ہے (2)۔ یہ حرف عطف نہیں، اکثر مفسرین کا یہی قول ہے معنی ہے فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس سے بہتر ہوں قِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ یعنی اس کے لیے کوئی عزت نہیں وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث اپنی حاجات کے لیے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔

وَلَا يَكْذِبُونَ ⑥ یہ بات اس نے اس لیے کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس طرح سورہ طہ میں گذر چکا ہے۔ فراء نے کہا: امر میں دو وجوہ ہیں: اگر چاہے تو اسے استفہامیہ بنادے کیونکہ یہ ماقبل کلام کے ساتھ متصل ہے اگر چاہے تو اسے عاطفہ بنادے معطوف علیہ یہ کلام ہے أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَصَرِّ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائدہ ہے ابو زید نے عربوں سے روایت نقل کی ہے کہ وہ امر کو زائدہ قرار دیتے ہیں معنی ہوگا میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر ذلیل ہے۔ اخفش نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہوگا افلا تبصرون ام تبصرون۔

جس طرح شاعر نے کہا:

أَيَا قَلْبِيَّةَ الْوَعَسَاءِ بَيْنَ جُلَاجِلِ دَبِينِ الثَّقَا أَلَنْتِ أَمْ أَمْ سَالِمِ

مراد ہے کی تو اچھا ہے یا ام سالم اچھی ہے۔

پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: أَنَا خَيْرٌ خلیل اور سیبویہ نے کہا: أَفَلَا تُبْصِرُونَ ⑤ کا معنی ہے کیا تم دیکھنے والے ہو تو امر کے ساتھ تُبْصِرُونَ پر عطف کیا کیونکہ أَمْ أَنَا خَيْرٌ کا معنی ہے یا تم دیکھتے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں، اس کی

وجہ یہ ہے جب انہوں نے اسے کہا: انت خیر منہ فرعون کے نزدیک وہ دیکھنے والے اور بصیرت والے تھے۔ عیسیٰ ثقفی اور یعقوب حضرمی سے مروی ہے کہ وہ امر پر وقف کرتے تو اس بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی افلا تبصرون ام تبصرون تو دوسرا تبصرون حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے امر پر وقف کیا اس نے اسے زائدہ بنایا گویا اس نے أَفَلَا تُبْصِرُونَ پر وقف کیا۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک تبصرون پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ امر ماقبل سے اتصال کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے أَفَلَا تُبْصِرُونَ پر وقف ہے پھر اَمْرٌ اَنَاخِيْزُ سے نیا کلام ہے اس کا معنی ہے بل انا بلکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

بدت مثل قرن الشمس في روثق الضحى صورتها ام انت في العين امدح (1)

اس میں بھی معنی ہے بل انت امدح فراء نے ذکر کیا: ایک قاری نے پڑھا اما انا خیر اس کا معنی ہوگا کیا میں بہتر نہیں۔

مجاہد کے بارے میں مروی ہے وہ امر پر وقف کرتے پھر نئے سرے سے پڑھتے اَنَاخِيْزُ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَّهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٣٧﴾

”اگر یہ سچا نبی ہے تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے

قطار در قطار۔“

فَلَوْلَا یہ ہلا کے معنی میں ہے أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَّهَبٍ اس نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ اس وقت یہی معمول تھا اور معززین کا لباس تھا۔ حفص نے اسے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے جس طرح خسار کی جمع اخسرہ آتی ہے باقی قراء نے اسورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے حضرت ابن مسعود نے اسے اسادیر پڑھا ہے باقی قراء نے اسورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے یہ جمع کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسورۃ، اسوار کی جمع ہو جمع میں ہاء، یاء کے عوض میں لاحق کی گئی ہے؛ جس طرح زنادیق، زنادقہ، بطاریق بطارقہ کی جمع ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اساورۃ، اساور اور اسادیر کی واحد اسوار ہے یہ سوار میں ایک لغت ہے۔ مجاہد نے کہا: جب وہ کسی کو سردار بناتے تو اسے دو کنگن پہناتے اور گلے میں سونے کا ایک طوق ڈالتے۔ یہ اس کے سردار ہونے کی علامت ہوتی فرعون نے کہا: اگر یہ سچا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں پھینکے؟

أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٣٧﴾ یعنی پے درپے؛ یہ قتادہ کا قول ہے (2)۔ مجاہد نے کہا: وہ اکٹھے چلتے ہیں (3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو ان کی مخالفت کرتا اس کے خلاف انکی مدد کرتے معنی ہے اس کے ساتھ ملائکہ کیوں نہ ملائے گئے جن کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے رب کے پاس ہوتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ ملکر وہ تعداد میں زیادہ ہو جاتا اور اپنے امر و نہی میں انہیں کام میں لاتا یہ امر دلوں میں زیادہ ہیبت کا باعث ہوتا اس نے اپنی قوم کو وہم دلایا کہ اللہ کے رسل کے بارے میں مناسب یہی ہے کہ وہ جنگوں میں بادشاہوں کے رسول کی طرح ہوں اسے علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے

رسولوں کی آسمانی لشکروں سے مدد کی جاتی ہے ہر دانشمند آدمی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی جب کہ وہ یکہ و تنہا تھے اور فرعون کے پاس لشکروں کی تعداد بے شمار تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو مدد عصا اور ید بیضاء کے ساتھ کی ہے وہ اس سے زیادہ موثر تھی اس کی بنسبت کہ ان کے کنگن ہوتے یا ان کے مددگار فرشتے ہوتے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ ان کی سچائی پر دلیل ہوگی، یہ کبھی کا قول ہے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ معجزہ کافی ہوتا ہے یہ جائز تھا کہ فرشتوں کے آنے کے ساتھ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی جس طرح معجزات کے ظہور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی فرعون نے ملائکہ کا ذکر اس لیے کیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ذکر کرتے تھے کیونکہ جو آدمی فرشتوں کے خالق کو نہیں پہچانتا وہ ملائکہ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٦﴾

”یوں اس نے احمق بنادیا اپنی قوم کو سودہ اس کی پیروی کرنے لگے درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے۔“

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے اس نے اپنی قوم کو جاہل جانافاً طاعوۃ تو انہوں نے اپنی کم عقل کی وجہ سے اس کی اطاعت کی یہ جملہ کہا جاتا ہے: استخفه یعنی اسے جہالت پر برا بیختہ کیا اسی معنی میں ہے ولا يستخفنك الذین لا یوقنون ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے انہیں گفتگو کے ساتھ دھمکایا تو قوم نے جھٹلانے میں اس کی اطاعت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استخف قومہ۔ یعنی اس نے انہیں کم عقل پایا۔ یہ امر اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ ان پر اطاعت کرنا واجب تھا تو اس صورت میں اضمحار کی ضرورت ہوگی اس کی تقدیر کلام یہ ہے وجدھم خفاف العقول فدعاهم الی الغوایۃ فاطاعوہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اپنی قوم کو دھمکایا اور ان پر جبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی اتباع کی یہ کہا جاتا ہے: استخفه یہ استغفلہ کے برعکس ہے۔ استخف بہ اس کو ذلیل کیا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٦﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

فَلَمَّا أَسْفَوْا نَأْتَقْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٧﴾

”پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔“

فَلَمَّا أَسْفَوْا نَأْتَقْنَا مِنْهُمْ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ ہم پر غصے ہوا اور ہم پر غضبناک ہوا (2)۔ علی بن ابی طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ہم سے ناراض ہو گیا۔ ماوردی نے کہا: دونوں کا معنی مختلف ہے دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ سخط سے مراد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور غضب سے مراد انتقام کا ارادہ ہے قشیری نے کہا: یہاں اسف سے مراد غضب ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت کی جاتی ہے یا تو اس سے مراد سزا دینا ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ صفات ذات میں سے ایک صفت ہوگی یا عین سزا ہوگی تو اس صورت میں یہ صفات فعل میں سے ہوگی؛



ماوردی کے قول کا یہی معنی ہے۔ عمر بن ذر نے کہا: اے اللہ کی نافرمانی کرنے والو! اللہ تعالیٰ جو تم سے طویل وقت تک حلم کیے ہوئے ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس کی پکڑ سے ڈرو، کیونکہ اس نے ارشاد فرمایا: **فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** ایک قول یہ کیا گیا ہے **آسَفُونَا** وہ ہمارے رسولوں اور ہمارے مومن اولیاء پر غضبناک ہوئے جس طرح علماء اور بنی اسرائیل یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **يُؤْذُونَ اللَّهَ** (احزاب: 57) یحاربون اللہ مراد اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے رسول ہیں۔

**فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ** ﴿٥٦﴾

”اور بنادیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے۔“

**فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا** ہم نے قوم فرعون کو پیش رو بنایا۔ ابو عجلز نے کہا: یعنی جو ان جیسا عمل کرے ان کا پیش رو بنادیا اور جو ان جیسا عمل کرے اس کے لیے نمونہ بنادیا (1)۔ مجاہد نے کہا: **سَلَفًا** یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خبر دینے والا اور **مَثَلًا** یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبرت بنادیا (2)۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے آپ کی قوم کے کفار کے لیے قیادت کرنے والا بنادیا وہ جہنم کی طرف ان کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: جہنم کی طرف آگے جانے والا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت۔ سلف کا معنی آگے جانے والا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: **سَلَفٌ يَسْلُفُ سَلَفًا**، جس طرح طلب طلب طلبا ہے جس کا معنی آگے جانا اور گزرنا۔ سلف لہ عمل صالح یعنی آگے چلا گیا القوم السلاف۔ آگے جانے والے لوگ۔ سلف الرجل۔ آگے جانے والے آباء اس کی جمع اسلاف اور سلاف ہے عام قراءت **سَلَفًا** ہے یہ سالف کی جمع ہے جس طرح خادم کی جمع خدم ہے، راصد کی رصد ہے، حارس کی جمع حراس ہے۔

حمزہ اور کسائی کی قراءت **سَلَفًا** فراء نے کہا یہ سلیف کی جمع ہے جس طرح سہیو کی جمع سہار آتی ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ سلف کی جمع ہے جس طرح خشب کی جمع خشب۔ شہر کی جمع شہر آتی ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت ابو وائل، نخعی اور حمیر بن قیس نے اسے سلفا پڑھا ہے یہ اسفلہ کی جمع ہے یعنی گزر جانے والی جماعت۔ مورج اور نضر بن شميل نے کہا: **سَلَفًا** یہ سلف کی جمع ہے جس طرح غرافتہ کی جمع غراف اور طرفہ کی جمع طرف ظلمتہ کی جمع ظلم آتی ہے۔

**وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ** ﴿٥٧﴾

”اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے۔“

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَسُئِلَ مَنْ أَنرَأْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ** ﴿٥٧﴾ تو مشرکوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے ساتھ جوڑا اور کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم اسے اپنا الہ بنالیں جس طرح نصاری نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو الہ بنالیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد کا قول ہے قریش نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو عبد اللہ بن زبیری نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا تھا یہ مثال دینے والا عبد اللہ بن زبیری تھا جو اس نے حالت کفر میں مثال دی تھی جب قریش نے اس سے کہا: بے شک حضرت محمد ﷺ یہ تلاوت کرتے ہیں اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) اس نے کہا: اگر میں ان کے پاس حاضر ہوتا تو میں جواب دیتا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: تو انہیں کیا کہتا؟ اس نے کہا: میں انہیں کہتا: یہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ یہودی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں جہنم کا ایندھن ہیں؟ قریش اس کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد ﷺ اس کے سامنے لا جواب ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَصَّدُّوْنَ کا بھی یہی معنی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّثَالُ الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (انبیاء) اگر ابن زبیری آیت پر غور کرتا تو اس پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا تَعْبُدُوْنَ يٰۤاٰرَءَاۤءُ مَا يَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی نے اس سے مراد بت اور غیر ذوی العقول چیزیں لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت مسیح اور فرشتے مراد نہیں لیے اگرچہ ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ سورہ انبیاء کے آخر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا: ”اے قریش کی جماعت! اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو؟“ انہوں نے سوال کیا: کیا تو یہ گمان نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے اور نبی تھے اور عبد صالح تھے اگر بات اس طرح ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو تو ان کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وہ یوں آواز نکالتے ہیں جس طرح وہ اونٹ آواز نکالتا ہے جس پر بوجھ لاداجائے۔

نافع، ابن عامر اور کسائی نے یصدون صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے، یہ نغنی کا قول ہے اتی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح یغیرشون اور یعرشون۔ ینمون۔ اس کا معنی شور و غل ہے۔ جوہری نے کہا: صد اور یصد صدید، شور و غل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمہ کے ساتھ صدود سے مشتق ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی شور و غل کرنا ہے: یہ قطرب کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اگر یہ حق سے اعراض کرنے کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا آپ کی قوم حق سے اعراض کرتی ہے۔ فراء نے کہا: دونوں برابر ہیں صلہ من ہو یا عن ہو۔ ابن مسیب نے کہا: یصدون کا معنی شور و غل کرنا ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آوازیں بلند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنستے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس نے صاد کو ضمہ دیا ہے تو اس کا معنی ہوگا وہ اعراض کرتے ہیں تو معنی ہوگا وہ میلان کی وجہ سے اعراض کرتے ہیں یصدون کو من کے ساتھ متعدی نہیں کرتے جس نے صاد کو کسرہ دیا تو اس کا معنی ہے وہ شور و غل کرتے ہیں من، یصدون کے ساتھ متصل ہے معنی ہے وہ اسے سن کر شور و غل کرتے ہیں۔

وَقَالُوا أَلَهْتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۖ مَا صَرَبُوا لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٩٨﴾  
 ”اور کہتے ہیں: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لیے  
 درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں۔“

وَقَالُوا أَلَهْتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ یعنی کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا حضرت عیسیٰ؟ یہ سدی کا قول ہے کہا: انہوں نے نبی کریم  
 ﷺ سے جھگڑا کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں ہوگا تو ہم اس بات پر راضی ہیں  
 کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ ہوں (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو  
 نازل کیا إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿٩٩﴾ (انبیاء) قنادہ نے کہا: وہ اَمْرُ هُوَ سے حضرت محمد  
 ﷺ مراد لیا کرتے تھے (2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے اَلَهْتُنَا خَيْرًا مِّنْ هَٰذَا یہ قنادہ کے قول کی تائید کرتا ہے یہ  
 استفہام تقریری ہے کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ کوفیوں اور یعقوب نے جدلا پڑھا ہے یہ حال ہے جدلین کا معنی دے رہا ہے  
 یعنی انہوں نے آپ کے لیے یہ مثال بیان نہیں کی مگر جھگڑا مقصود تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98)  
 سے مراد وہ چیزیں ہیں جن بے جان چیزوں کو انہوں نے معبود بنا لیا تھا۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٩٩﴾ بلکہ وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہیں۔ صحیح ترمذی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے  
 کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر انہوں نے جھگڑا کیا (3)“ پھر رسول اللہ  
 ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی مَا صَرَبُوا لَكَ۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿١٠٠﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ  
 مِنْكُمْ مَّلَكًا فِي الْأَرْضِ خَلْقُونَ ﴿١٠١﴾

”نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنادیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل  
 کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنادیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے۔“  
 إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک بندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جس پر نبوت کا انعام کیا ہے اور  
 بنی اسرائیل کے لیے مثال بنادیا ہے یعنی ایک آیت اور عبرت بنادیا ہے جس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال  
 کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ معجزات عطا کیے وہ مردوں کو زندہ کرتے،  
 مادرزاد اندھوں، برص کے مریضوں اور تمام قسم کی امراض سے تندرست کر دیتے جبکہ ان کے زمانہ میں اس قسم کی شان کسی اور  
 کو نہ دی گئی جبکہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل بہترین مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے تھے جبکہ لوگ ان سے درجہ  
 میں کم تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منعم علیہ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی

ذات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ اِذَا جَاؤُا زَمِيْنًا يَدْعُوْنَ سُبْحَانَ الَّذِيْ فَرَقَ بَيْنَ الْيَحْيٰى وَالْمَيِّتِۙ وَلَئِنْ تَسْـَٔلُوْهُ عَنْ السَّاعَةِۖ قُلْ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۚ وَهِيَ آتٍۭ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے بناتے مَلَائِكَةً جو تمہارے خلیفہ ہوتے؛ یہ سدی کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد سے مروی ہے کہا: فرشتے جو تمہاری بجائے زمین کو آباد کرتے (1)۔ ازہری نے کہا: مِنْ بعض اوقات بدل کے لیے آتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورۃ براءت اور دوسری سورتوں میں بھی گذر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم چاہتے تو انسانوں میں سے فرشتے بنا دیتے اگرچہ یہ عادت نہیں ہے، جو اہر سب ایک ہی جنس ہیں، اختلاف اوصاف کی بنا پر ہے معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم زمین میں فرشتے بنا دیتے انہیں آسمانوں میں ٹھہرانا یہ ان کا شرف نہیں کہ ان کی عبادت کی جانے لگے اور انہیں کہا جانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یَخْلُقُونَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی نیابت کرتے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ الْلِسَاءَةَ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۖ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ١١ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ١٢

”اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان اس راہ سے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

وَاِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلْاَسَافَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہ قیامت کے قریب ہونے پر دلالت ہے یا اس کے ذریعے قیامت، اس کی ہولناکیوں اور احوال کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ نے یہی کہا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے وقوع سے تھوڑا پہلے انہیں آسمان سے نازل فرمائے گا جس طرح دجال کا ظاہر ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، قتادہ، مالک بن دینار اور ضحاک نے اسے دانه لعلم الساعة عین اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی نشانی ہے۔ مکرہ سے دو لاموں کے ساتھ للعلم مروی ہے۔ یہ مصاحف کے خلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملے تو سب نے قیامت کا ذکر کیا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کو شروع کیا اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ تھا پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو ان کے پاس بھی کوئی علم نہ تھا تو گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی گئی تو انہوں نے کہا: مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ وجہ کے بعد ہے جہاں تک وجہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اور دجال کے ظاہر ہونے کا ذکر کیا کہا: میں اتروں گا اور اسے قتل



کردوں گا اور حدیث کا ذکر کیا (1)۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے: اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم کو مبعوث کرے گا دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے پاس اتریں گے وہ حلہ زیب تن کیے ہوئے اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے سروں پر رکھے ہونگے جب اپنا سر نیچے جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سراو پراٹھائیں گے تو اس سے موتی گریں گے جو لوگو کی طرح ہونگے کافر کے لیے حلال نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے سانس کی ہوا پائے مگر جو پائے ہوگا وہ مرجائے گا اس کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک نظر پہنچے گی آپ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے لڈ کے دروازے پر پائیں گے اور اسے قتل کر دیں گے (2)۔

تعلبی، زمخشری اور دوسرے مفسرین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارض مقدس کے ایک ٹیلہ پر آسمان سے اتریں گے جس ٹیلہ کو افیق کہتے ہیں دو کپڑے زیب تن کیے ہونگے جو ہلکے سے زرد ہونگے ان کے سر کے بالوں کو تیل لگا ہوگا، ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ ہوگا امام ان کی امامت کروا رہا ہوگا امام پیچھے ہٹے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کریں گے اور اسی امام کے پیچھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر آپ خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، کنیسوں اور گرجوں کو برباد کر دیں گے، نصاریٰ کو قتل کریں گے مگر جو ایمان لے آیا“ (3)۔

خالد نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”انبیاء علانی بھائی ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے قریبی ہوں اس کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں وہ سب سے پہلے آسمان سے اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اسلام کے حق میں لوگوں سے جنگ کریں گے“ (4)۔

ماوردی نے کہا: ابن عیسیٰ نے ایک قوم سے یہ بیان کیا انہوں نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو لوگوں کو مکلف بنانے کا معاملہ اٹھالیا جائیگا تاکہ وہ اس زمانہ کی طرف رسول نہ ہوں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیں اور انہیں روکیں۔ یہ قول تین وجوہ سے مردود ہے: ان میں سے ایک حدیث بھی ہے، دوسری وجہ یہ ہے دنیا کی بقا امور کا مکلف ہونے کا تقاضا کرتی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے کی حیثیت میں اتریں گے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے امر صرف اسلام کی تائید اسلام کا حکم دینے اور اس کی طرف دعوت دینے تک محدود ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حضرت عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں گے وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائیگا اس پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جائیگا دشمنی، باہمی بغض اور حسد ختم ہو جائے گا ایک آدمی مال لینے کو دعوت دے گا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، فتنة الدجال وخراب عیسا بن مریم، صفحہ 309

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، ذکر الدجال، جلد 2، صفحہ 399 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 235 4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 235





مقاتل نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرح ہے: وَلَا جُنَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي هُوَ مَعَكُمْ (آل عمران: 50) یعنی انجیل میں وہ چیزیں حلال کرنے والا ہوں جن کو تورات میں حرام کر دیا گیا تھا جس طرح اونٹ کا گوشت، ہر حیوان کی چربی، ہفتہ کے روز پھلی کا شکار کرنا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ شُرَكَاءَ بِهِ يَخْشَى اللَّهَ تَعَالَى کی عبادت کرو جب: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ الہ ہو یا ابن الہ ہو۔

وَاطِيعُونَ یعنی توحید اور دوسرے امور کی طرف دعوت دیتا ہوں إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَذَا صِرَاطَ مُسْتَقِيمٍ ۝ اللہ تعالیٰ کی عبادت صراط مستقیم ہے اس کے سوا ٹیڑھا راستہ ہے اس پر چلنے والا حق تک پہنچنے والا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ قَوِيلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ إِلْيَمٍ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

”پھر اختلاف کرنے لگے (ان کے) گروہ آپس میں پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے دن سے۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آجائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو۔“

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ قتادہ نے کہا: یہاں من، ما کے معنی میں ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں (1) اس سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب ہیں انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی (1)؛ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے (2) نصاریٰ کی مختلف جماعتیں ہیں نسطوریہ، ملکیہ، یعاقبہ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا نسطوریہ نے کہا: وہ ابن اللہ ہیں۔ یعاقبہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ ملکیہ نے کہا: وہ تین میں سے تیسرا ہے، ان میں سے ایک اللہ ہے؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ سورہ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

قَوِيلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا انہوں نے کفر اور شرک کیا جس طرح سورہ مریم میں ہے مِنْ عَذَابِ يَوْمِ إِلْيَمٍ ۝ یعنی جس کا عذاب دردناک ہے اسی کی مثل لیل نائم ہے اس رات میں سویا جاتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ دَاوُضْمِيرٍ سے مراد احزاب ہیں یعنی وہ انتظار نہیں کرتے إِلَّا السَّاعَةَ سے مراد قیامت ہے أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً، بغتہ یعنی اچانک۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ کئی اور مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عرب کے مشرک صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں اس تعبیر کی بنا پر اضراب سے مراد وہ قبائل ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے خلاف اکٹھا کیا تھا اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا صَرَّفْتُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا کے ساتھ متصل ہے۔

الَّا جَلَاءُ يَوْمَ يَوْمٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝



”گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے بجز ان کے جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔“

الْأَخْلَآءُ يَوْمَئِذٍ مَّيْمُونٌ سے مراد یوم قیامت ہے بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی وہ دشمن ہیں جو ایک دوسرے سے دشمنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں إِلَّا الْمُتَّقِينَ ⑤ کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں دوست ہیں؛ یہ معنی حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی، عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی وہ دونوں دوست تھے (1) عقبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا تھا قریش نے کہا: عقبہ بن ابی معیط صابی ہو گیا۔ امیہ نے اس سے کہا: اگر تو محمد سے ملا اور تو نے اس کے منہ پر نہ تھوکا تو میرا تجھ سے ملنا حرام ہو گا۔ عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے قتل کی نذر مانی اور اسے غزوہ بدر کے موقع پر قتل کر دیا۔ امیہ معرکہ میں قتل ہو گیا انہیں کہ متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے دو مومن دوست تھے اور دو کافر دوست تھے دو مومنوں میں سے ایک مر گیا اس نے عرض کی: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکا کرتا تھا اور وہ مجھے خبر دیتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں، اے میرے رب! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا اسے اس طرح ہدایت دینا جس طرح اس نے مجھے ہدایت دی، اے عزت بخشا جس طرح اس نے مجھے عزت بخشی۔ جب اس کا مومن دوست فوت ہو گا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میں سے ہر ایک دوست اپنے ساتھی کی تعریف کرے گا ایک عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور مجھے برائی سے روکا کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وہ کتنا اچھا دوست ہے کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا ساتھی ہے۔ کہا: کافروں میں سے ایک مرے گا اور کہے گا: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اطاعت سے اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا اور مجھے نیکی سے روکتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں۔ اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا۔ اور اسے اسی طرح گمراہ کرنا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرنا جس طرح تو نے مجھے ذلیل و رسوا کیا ہے جب اس کا کافر دوست مرتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرماتا ہے: تم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے تیری نافرمانی اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا خیر سے منع کرتا تھا اور مجھے بتایا کرتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو اس پر عذاب دو گنا کر دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو کتنا برا ساتھی، بھائی اور دوست ہو گا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ساتھی پر لعنت کرے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت ہر مومن، متقی، کافر اور گمراہ کے بارے میں عام ہے۔

لِعِبَادٍ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ⑥

”اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم آج غمزدہ ہو گے۔“

مقاتل نے کہا اور اسے معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے: منادی کرنے والا کھلی جگہ اعلان کرے گا: اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں۔ کھلے میدان والے اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو منادی کرنے والا کہے گا: **الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِنَاوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ** ۱۱ تو مسلمانوں کے علاوہ تمام ادیان والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے۔ محاسبی نے رعایہ میں ذکر کیا ہے: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا ندا کرے گا: **لِيعْبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزُنُونَ** ۱۲ مخلوقات اپنے سروں کو اوپر اٹھائے گی وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بندے ہیں (۱)۔ پھر دوبارہ وہ ندا کرے گا **الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِنَاوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ** ۱۳ کفار اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور موحد اپنے سروں کو اٹھائے رکھیں گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: **الَّذِينَ آمَنُواوْ كَانُوا يَتَّقُونَ** ۱۴ (یونس) تو گناہ کبیرہ کرنے والے اپنا سر جھکائیں گے اور تقویٰ اختیار کرنے والے اپنے سر اٹھائے رکھیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خوف اور حزن کو زائل کر دیا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہوگا کیونکہ وہ معززین میں سے سب سے معزز ہے وہ اپنے ولی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور ہلاکت کے وقت اسے کسی کے سپرد نہیں کرتا۔ اسے **لِيعْبَادِ** پڑھا گیا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾

”یعنی وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش۔“

زجاج نے کہا: اَلَّذِيْنَ۔ عبادىٰ کی صفت کے طور پر محل نصب میں ہے کیونکہ عبادىٰ منادى مضاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے ہم الذین آمنوا یا ہے الذین آمنوا يقال لهم ادخلوا الجنة۔

ابوبکر اور زر بن حبیش نے یاعبادی پڑھا ہے یاء مفتوح ہے اور دونوں حالتوں میں ثابت ہے اسی وجہ سے نافع، ابن عامر، ابو عمر و اور رويس نے دونوں حالتوں میں یاء ساکنہ کو ثابت رکھا ہے باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے کیونکہ اہل شام اور اہل مدینہ کے مصاحف میں یاء ثابت ہے کسی اور مصحف میں یاء نہیں ہے۔

اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی نہیں کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ یا کہا جائے گا: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ یعنی جو دنیا میں مسلمان تھیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنوں میں سے جو تمہارے ساتھی ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حور عین میں سے جو تمہاری ازواج ہیں۔

تُحَبَّرُونَ ۝ تمہاری عزت کی جائیگی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی مقام و منزل کے اعتبار سے تم معزز

ہو گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں خوش کیا جائیگا اس سے مراد دل میں خوشی ہے۔ قتادہ نے کہا: تم پر انعام کیا جائے گا اس سے مراد بدن میں نعمت ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا اس سے مراد آنکھ میں خوشی ہے۔ ابن ابی کحج نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا یہاں عجب سے مراد اس چیز کا پانا ہے جو پسند ہو۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: اس سے مراد سماع کے ذریعے لذت حاصل کرنا ہے۔ سورہ روم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصُحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ  
الْأَعْيُنُ ۚ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۳۵

”گردش میں ہونگے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصُحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ یعنی ان کے لیے جنت میں کھانے اور مشروبات ہونگے جنہیں سونے اور چاندی کے تھالوں میں ان پر گھمایا جائے گا، یہاں کھانوں اور مشروبات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ تھالوں اور پیالوں کے گھمانے کا کوئی مطلب نہیں جب ان میں کھانے اور مشروبات نہ ہوں۔ صحاف میں سونے کا ذکر کیا جبکہ اکواب میں اس کے ذکر سے استغنا برتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالذِّكْرُ مِنَ اللَّهِ كَثِيرًا وَالذِّكْرُ (احزاب: 35)

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: لَا تَلْبِسُوا الْحَرِيرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوا فِي آتِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوا فِي صُحُفِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ (1)۔ ریشم اور دیباج کا لباس نہ پہنو اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو ان کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ سورہ الحج میں یہ گذر چکا ہے جس نے ان دونوں میں دنیا میں کھایا یا دنیا میں ریشم کا لباس پہنا اور توبہ نہ کی آخرت میں ہمیشہ کے لیے اس پر یہ چیزیں حرام کر دی جائیں گی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مفسرین نے کہا: جنت میں سب سے کم مرتبہ جنتی پر ستر ہزار غلام سونے کے پیالوں کے ساتھ گھومیں گے دن کا کھانا اسے پیش کیا جائیگا ہر ایک برتن میں ایسی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔ وہ اس کے آخر سے اسی طرح کھائے گا جس طرح پہلے سے کھاتا ہے آخری کو اسی طرح لذیذ پائے گا جس طرح پہلے کو لذیذ پاتا ہے اسکا بعض بعض کے مشابہ نہ ہوگا۔

وَأَكْوَابٍ یعنی اس پر پیالے گھمائے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنْبِيَةِ مِّنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ (الدھر: 15) ابن مبارک نے ذکر کیا ہے ہمیں معمر نے بیان کیا وہ ایک آدمی سے وہ ابو قلابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: اس کے پاس کھانا اور مشروب لایا جائے گا جب وہ ان کے آخر تک پہنچیں گے تو ان کے پاس شراب طہور لایا جائے

گا اس کے لیے ان کے پیٹ ضامر ہو جائیں گے ان کے جسموں سے مشک سے پاکیزہ خوشبو نکلے گی پھر یہ پڑھا شراباً کھوڑا ⑤ (دہر)

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جنتی اس میں کھائیں گے، اس میں پیئیں گے وہ تھوکیں گے نہیں وہ پیشاب نہیں کریں گے وہ براز نہیں کریں گے وہ ریشہ نہیں پھینکیں گے“ (1)۔ پوچھا: کھانے کا کیا بنے گا؟ کہا ”ڈکار اور مہک جس طرح کستوری کی مہک ہوتی ہے انہیں تسبیح، تحمید اور تکبیر کا الہام کیا جائے گا“ ایک روایت میں یلہمون التسبیح کی جگہ یلہمون النفس کے الفاظ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ آئمہ نے حضرت ام سلمہ کی حدیث نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے فرمایا: ”وہ آدمی جو سونے اور چاندی کے برتن سے پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ پیتا ہے (2)“ اور کہا: ”سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور اس کے پیالوں (برتنوں) میں نہ کھاؤ (3)“ یہ روایات حرمت کا تقاضا کرتی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

علماء نے اور مقاصد کے لیے ان کے استعمال کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ مردوں کے لیے کسی مقصد کے لیے انہیں استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا سونے اور ریشم کے بارے میں ارشاد ہے: ”یہ دونوں چیزیں میری امت کے مذکور افراد کے لیے حرام ہیں اور مؤنث افراد کے لیے حلال ہیں“ (4) ان میں کھانے پینے سے نہی ان کے استعمال کی حرمت پر دال ہے کیونکہ یہ بھی سامان کی ایک صورت ہے جو جائز نہیں اس کا اصل کھانا اور پینا ہے اس کی علت آخرت کے امر کو جلدی چاہنا ہے اس اعتبار سے اس میں کھانا پینا اور باقی ماندہ انتفاع کی جو صورتیں ہیں سب مراد ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے دنیا میں حصہ نہیں بنایا۔“

**مسئلہ نمبر 3**۔ ب برتن پر ان سے کلی کی گئی ہو یا برتن میں ان دونوں میں سے حلقہ ہو۔ امام مالک نے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس برتن میں پیا جائے، اسی طرح آئینہ ہو جس میں چاندی کا حلقہ ہو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا برتن تھا جس پر چاندی کی کلی کی گئی تھی اور کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اس برتن میں مشروب پلایا تھا۔ ابن سیرین نے کہا: اس میں لوہے کا حلقہ تھا تو حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس میں چاندی کا حلقہ لگوائیں تو حضرت ابو طلحہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کیا ہے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا تو حضرت انس نے اسے ترک کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ جب ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں تو ان کو جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ جس چیز کا استعمال جائز نہیں اس کو ذخیرہ کرنا بھی جائز نہیں ہوتا جس طرح بت اور ظنور (آلہ لبو) ہمارے علماء کی کتابوں میں ہے: جو آدمی کسی کا ایسا برتن

2۔ صحیح بخاری، کتاب الأشربة، ابیۃ الفضة، جلد 2، صفحہ 842

1۔ صحیح مسلم، کتاب الأشربة، ابیۃ الفضة، جلد 2، صفحہ 379

3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، تحریم الاستعمال الأتناء الذهب والفضۃ، جلد 2، صفحہ 189

4۔ سنن ابن ماجہ، باب لبس الحریر والذهب للنساء، حدیث نمبر 3584، ضیاء القرآن پبلی کیشنز



توڑے گا اس پر بازاری قیمت چٹی لازم ہوگی۔ یہ فاسد معنی ہے کیونکہ اس کا توڑنا واجب ہے تو اس وجہ سے اس قیمت کی کوئی ثمن (جو باہم بائع اور مشتری لگاتے ہیں) نہ ہوگی زکوٰۃ میں کسی حال میں اس کی قیمت جائز نہ ہوگی اس کے علاوہ میں اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائیگی۔

بِصَحَافٍ جو ہری نے کہا صحفہ، قصعہ کی طرح ہے اس کی جمع صحاف آتی ہے۔ کسائی نے کہا: پیالوں میں سے سب سے بڑا جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس افراد کو سیر کر دیتا ہے پھر صحفہ ہے جو پانچ آدمیوں کو سیر کر دیتا ہے پھر مسئلہ ہے جو دو یا تین افراد کو سیر کر دیتا ہے جو ایک آدمی کو سیر کر دیتا ہے صحیفہ کا معنی کتاب بھی ہے اس کی جمع صحف اور صحائف ہے۔

وَأَكْوَابٍ جو ہری نے کہا: کوب ایسے لوٹے کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہ ہو اس کی جمع اکواب ہے۔ شاعر نے کہا:

مُشْكِنًا تَصْفِقُ أَبْوَابُهُ يَسْعَى عَلَيْهِ الْعَبْدُ بِالْكُوبِ

وہ ٹیک لگائے ہوئے ہے اس کے دوازے کھلے ہیں اس پر غلام پیالے کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔

قادرہ نے کہا: کوب ایسے پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا چھوٹا اور دستہ بھی چھوٹا ہو اور ابریق اس پیالے کو کہتے ہیں جس کا سرا لمبا اور دستہ بھی لمبا ہو (1)۔ انخفش نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جس کی سنت نہیں ہوتی۔ قطرب نے کہا: اس سے مراد لوٹے ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی (2)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کے منہ گول ہوں۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ایسے برتن ہیں جن کی سنت نہیں ہوتی۔ ابن عزیز نے کہا: اکواب سے مراد ایسے لوٹے ہیں جن کا دستہ اور سنت نہیں ہوتی۔ اس کا واحد کوب ہے۔

میں کہتا ہوں: مجاہد اور سدی کے قول کا یہی معنی ہے، یہی اہل لغت کا مذہب ہے کہ جس کی سنت اور دستہ نہ ہو۔

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْإِنْفُسُ وَتَكْذِبُ عَنْهُ تَرْذِي نَسِيمَانِ بن برید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا عرض کی: یا رسول اللہ! میں گھوڑے میں گھوڑے ہیں (3)؟ فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے تو کیا تو نہیں چاہے گا کہ تو اس میں سرخ یا قوت کے گھوڑے پر سوار ہو وہ جنت میں تجھے لے کر اڑتا رہے جہاں تو چاہے“ کہا: ایک آدمی نے پوچھا عرض کی: یا رسول اللہ! میں گھوڑے میں گھوڑے ہیں (4)؟ کہا: نبی کریم ﷺ نے اسے اس کی مثل جواب نہ دیا جو آپ نے پہلے فرد کو جواب دیا تھا فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا تو وہاں تیرے لیے وہ کچھ ہوگا جو تیرا نفس چاہے گا اور تیری آنکھ پسند کرے گی۔“

اہل مدینہ، ابن عامر اور اہل شام نے اسے فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْإِنْفُسُ پڑھا ہے باقی قراء نے تَشْتَهِي الْإِنْفُسُ اصل میں یہ تَشْتَهِيهِ الْإِنْفُسُ ہے تو کہتا ہے: الذی ضربت زیداً اصل میں یہ الذی ضربتہ زید تھا وَتَكْذِبُ عَنْهُ تَرْذِي نَسِيمَانِ تو کہتا ہے: لَذَا الشَّيْءِ يَلْذُ لَذَا وَلَذَا ذَا، لَذَا ذَا الشَّيْءِ الذی یعنی ماضی میں عین کلمہ مکسور ہے اور مضارع میں مفتوح ہے مصدر لَذَا ذَا

ولذاذقة۔ یعنی میں نے اسے لذیذ پایا۔ التذذت به وتلذذت به، دونوں کا معنی ایک ہے یعنی جنت میں وہ کچھ ہوگا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی تو وہ خوبصورت منظر والا ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے لذت حاصل کریں گی جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: أسألك لذة النظر إلى وجهك۔

وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٠﴾ باقی رہیں گے، ہمیشہ رہیں گے کیونکہ یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو یہ رنج دیتا ہے۔

وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥١﴾

”اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنادیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔“

وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥١﴾ یہ بات کہی جائے گی یہ وہ جنت ہے جس کی صفت دنیا میں تمہارے لیے بیان کی جاتی تھی۔ ابن خالویہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف اشارہ تذلک سے اور جہنم کی طرف ہذا سے کیا ہے تاکہ جہنم سے ڈرائے اور اسم اشارہ قریب کے ساتھ اشارہ کر کے اس کو مؤکد ذکر کیا اسم اشارہ قریب کے ساتھ اسے یوں بیان کر دیا گیا جس طرح وہ چیز حاضر ہو جس کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥١﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے لیے جنت اور دوزخ پیدا کی ہے۔ کافر مسلمان کی جہنم کا وارث بنے گا اور مسلم کافر کی جنت کا وارث بنے گا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ (المؤمنون) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور سورۃ الاعراف میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥٣﴾

”تمہارے لیے بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)۔“

فَاكِهَةٌ کا لفظ معروف ہے اس کی جمع فواکہ ہے فاکہانہ سے کہتے ہیں جو پھل بیچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام پھل ہیں تر بھی اور خشک بھی، یعنی جنت میں کھانے اور پینے کے علاوہ کثیر پھل جن کو جنتی کھائیں گے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ﴿٥٤﴾ لَا يُفَقَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٥٥﴾ وَ

مَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٥٦﴾

”بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائیگا ان سے عذاب (یہ عذاب) اور وہ اس میں

آس توڑے بیٹھیں ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے

والے تھے۔“

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ﴿٥٤﴾ جب اہل جنت کے احوال کا ذکر کیا تو اہل جہنم کے احوال کا ذکر کیا تاکہ اطاعت شعار کی نافرمانی پر فضیلت کو بیان کرے۔ لَا يُفَقَّرُ عَنْهُمْ ان سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٥٥﴾ وہ رحمت سے مایوس ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہو گئے سکوت کا معنی ناامیدی ہے۔ سورۃ انعام

میں یہ بحث گزر چکی ہے وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ ہم نے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر شرک کا ارتکاب کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الظالمون کو مرفوع پڑھا جائے یہ مبتدا اور خبر ہو اور جملہ کان کی خبر ہو۔

وَنَادُوا إِلَيْكَ لِيَقْضَ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ مُّكْشُونَ ۝

”اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے۔“

وَنَادُوا إِلَيْكَ مالک جہنم کا خازن ہے اپنے غضب کے اظہار کے لیے اسے پیدا کیا جب وہ جہنم کو جھڑکے گا تو اس کا بعض بعض کو کھا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے یوں قراءت بیان کی ہے و نادوا یا مال یہ مصحف کے خلاف ہے۔ حضرت ابو درداء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے و نادوا یا مال قراءت کی یعنی خاص طور پر لام کے ساتھ، یعنی اسم میں ترخیم کا قاعدہ جاری کیا اور کاف کو حذف کر دیا۔ ترخیم کا معنی حذف ہے اسی سے ندا میں اسم میں ترخیم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے آخر سے ایک یا زیادہ حرف حذف کر دیے جائیں تو مالک میں کہے گا: یا مال۔ حارث میں کہے گا: یا حار۔ فاطمہ میں کہے گا: یا فاطم، عائشہ میں کہے گا: یا عائش، مروان میں کہے گا: یا مروان اسی طرح باقی کے اندر بھی یہی صورتحال ہوگی۔ کئی اشعار میں اسی طرح آیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ای قُلْ اور هلتم موجود ہے اسم مرخم کے آخر میں تیرے لیے دو صورتیں موجود ہیں (1) حذف سے پہلے آخری حرف کی جو حالت تھی اس پر اسے باقی رکھے (2) اسے مبنی بر ضمہ بنادے جس طرح یا زید گویا تو نے اسے کامل اسم کے قائم مقام رکھا ہے اور اس میں حذف کی رعایت نہیں کی۔ ابو بکر انباری نے ذکر کیا کہا محمد بن مروزی، محمد بن جوہر بن سعد ان ہے وہ حجاج سے وہ شعبہ سے وہ حکم بن عیینہ سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں: کہا ہم نہیں جانتے تھے کہ زخرف کیا ہے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ کی قراءت میں بیت من ذہب کے الفاظ پائے اور ہم و نَادُوا إِلَيْكَ کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور إِلَيْكَ کے بارے میں نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں پایا یا مال یعنی ترخیم کے طریقہ پر پایا۔ ابو بکر نے کہا اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ اس کی سند مقطوع ہے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مقبول نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ اس میں احتیاط کی جائے اور باطل کی اس سے نفی کی جائے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں صفوان بن یعلیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر پڑھتے ہوئے سنا: و نَادُوا إِلَيْكَ لِيَقْضَ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی کاف کو ثابت رکھا (1)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے خزان سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمَ الْعَذَابِ ۝ (غافر) تو ان کی عرضداشت رد کر دی گئی أَوَلَمْ تَكُنْ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا أَفَأَدْعُوا ۚ وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ (غافر) جب وہ خازنوں سے مایوس

ہو چکے تو انہوں نے مالک کو ندا کی وہ ان پر سردار تھا اور اس کی مجلس خازنوں کے وسط میں ہے اور پہل ہیں جن کے اوپر عذاب کے فرشتے گذرتے ہیں وہ جہنم کے بعید ترین حصہ کو یوں ہی دیکھتا ہے جس طرح اس کے قریب ترین حصہ کو دیکھتا ہے ان جہنمیوں نے عرض کی: **يُنَالِكُ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ** انہوں نے موت کا سوال کیا کہا مالک ان سے خاموش رہے گا انہیں اسی سال تک کوئی جواب نہ دے گا کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا مہینہ تیس دن کا ہوگا اور دن ان ہزار سالوں کے برابر ہوگا جسے تم شمار کرتے ہو پھر اسی (80) سال کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوگا اور کہے گا: **اِنَّكُمْ مُّكْشُوْنَ** ① اور حدیث کا ذکر کیا۔ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو درداء نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: ”وہ کہیں گے مالک کو بلاؤ وہ عرض کریں گے: اے مالک! تمہارا رب ہمیں موت ہی عطا کر دے تو اس نے جواب دیا تم اسی طرح رہو گے (1)“ اعمش نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا ہے ان کے بلانے اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عرض کریں گے تو مالک ایک ہزار سال تک انہیں جواب نہیں دے گا پھر وہ کہے گا: تم ہمیشہ اسی طرح رہو گے (2)۔ مجاہد اور نوف بکالی نے کہا: ان کی ندا اور اس کے جواب کے درمیان سو سال کا عرصہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: چالیس سال کا عرصہ ہوگا: یہ ابن مبارک نے ذکر کیا۔

**لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لَذِيْقُوْهُ** ②

”بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس دین حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔“

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مالک کا قول ہے یعنی تم جہنم میں ہی رہو گے کیونکہ دنیا میں تمہارے پاس حق لائے تو تم نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ آج ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہو یعنی ہم نے تمہارے لیے دلائل کو واضح کیا اور تمہاری جانب رسول بھیجے **وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں اکثر کل کے معنی میں ہے یہاں کثرت سے مراد رؤساء اور قائدین ہیں جہاں تک پیروکاروں کا تعلق ہے تو ان کا کوئی اثر نہ ہوگا **لَذِيْقُوْهُ** اسلام کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو کھٹوٹا پسند کرتے تھے۔

**أَمْ أَبْرَمُوا أَمْراً مَّا مِمْرُ مُمْرُونَ** ③

”اور اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔“

مقاتل نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی جب کفار نے دارالندوہ میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں تدبیر کی جب ان کا مشورہ اس بات پر اختتام کو پہنچا جو ابو جہل نے رائے پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی سامنے آئے تاکہ وہ آپ ﷺ کے قتل میں شریک ہو تو اس طرح قصاص کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان سب

1۔ جامع ترمذی، باب صفة الجہنم، ما جامع لصفة طعام اهل النار، جلد 2، صفحہ 82

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 239



سرداروں کو بدر کے واقعہ میں قتل کر دیا اَبْرَمُوَا کا معنی ہے انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا (1)۔ ابراہم کا معنی پختہ کرنا ہے ابرمت الشئ میں نے اسے پختہ کیا۔ ابراہم القتال، جب اسے باٹنے والا اچھی طرح باٹنے اس سے مراد دوسری دفعہ باٹنا ہوتا ہے پہلے کو کھیل کہتے ہیں جس طرح من سحیل و مبرم ہے آیت کا معنی ہے انہوں نے تدبیر کو پختہ کیا (2) ہم بھی ان کے لیے تدبیر کو پختہ کرنے والے ہیں، یہ ابن زید، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے یا انہوں نے تکذیب پر اتفاق کر لیا تو ہم دوبارہ اٹھانے کے ساتھ جزا پر پختہ عزم کیے ہوئے ہیں۔ کلبی نے کہا: یا انہوں نے معاملہ کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف عذاب کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ امر، بل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْرٌ اَبْرَمُوَا کا عطف اَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمٰنِ الْهَيْهَ يُعْبَدُونَ (3) پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحقیق ہم تمہارے پاس حق لائے تو تم نے نہ سنا یا سنا تو سہی مگر اعراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں ایسے امر کا فیصلہ کر لیا تھا جس کے ذریعے وہ عقاب سے امن میں ہو جاتے۔

اَمْرٌ يَحْسَبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۖ بَلٰی وَاَرْسَلْنَا اَلَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (4)

”کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی کو؟ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں۔“

اَمْرٌ يَحْسَبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ یعنی جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور باہم سرگوشیاں کر رہے ہیں بلی کیوں نہیں ہم سنتے اور جانتے ہیں وَاَرْسَلْنَا اَلَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (4) ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت ان تین افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت اللہ شریف اور اس کے پردوں کے درمیان تھے (3) ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب تم بلند آواز سے باتیں کرو تو وہ سنتا ہے اور جب تم رازداری سے باتیں کرو تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ تمہاری اعلانیہ گفتگو سنتا ہے تو پھر جب تم رازداری سے بات کرو تب بھی سنتا ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ سورہ فصلت میں یہی چیز حضرت ابن مسعود کی روایت میں گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنۡلَاۤ اَوَّلُ الْعٰلَمِیۡنَ (۵) سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ  
الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ (۶) فَذَرُوۡهُمْ یَخۡوۡضُوۡا وَ یَلْعَبُوۡا حَتّٰی یُلَاقُوۡا  
یَوْمَهُمُ الَّذِیۡ یُوعَدُوۡنَ (۷)

”آپ فرمائیے: (بفرض محال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (اے حبیب) آپ رہنے دیں انہیں کہ بے ہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل تماشہ کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان

کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

قُلْ إِنْ كَانَ لِلْمَآخُضِينَ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدَانِ ۝ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سدی نے یہ کہا: معنی ہے، رحمٰن کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہاں ان، ما کے معنی میں ہے۔ اس اعتبار سے کلام مکمل ہوگی پھر تو نئے سرے سے کلام شروع کرے گا فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدَانِ میں اہل مکہ میں سے پہلا موحّد ہوں کیونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ الْعَبْدَانِ پر وقف تام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! کہہ دو اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں ان میں سے سب سے پہلا ہوتا جو اس کی عبادت کرتا، لیکن یہ امر محال ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یہ اسی طرح ہے جس طرح تو اسے کہتا ہے جس سے تو مناظرہ کرتا ہے: جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ دلیل سے ثابت ہو گیا تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اس کا اعتقاد رکھے گا۔ یہ امر کو بعید جاننے میں مبالغہ کا اظہار ہے یعنی اس کے اعتقاد کی کوئی صورت نہیں یہ کلام میں نرمی کرنا ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: وَإِنَّا أَزْوَآئًا كَمْ لَعَلَّ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (سبا) اس تعبیر میں یہ معنی ہو گا میں اس بچے کا سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ کیونکہ بچے کی تعظیم اس کے والد کی تعظیم ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اگر رحمٰن کا بچہ ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو صرف اسی وحدہ لا شریک کی عبادت کرتا کیونکہ اس کا کوئی بچہ نہیں۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں پہلا وہ شخص ہوتا جو اس کی عبادت کرتا اس وجہ سے کہ اس کا بیٹا ہے لیکن یہ مناسب نہیں۔ مہدوی نے کہا: ان تمام اقوال کی بنا پر شرط کے لیے ہے یہ سب سے مناسب ہے، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ یہ جس کلام کے ساتھ متصل ہو اس بارے میں وہم ہوتا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں یہ متحقق نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ الْعَبْدَانِ، الْآتَفِينَ کے معنی میں ہے، میں ناپسند کرنے والوں میں سے پہلا ہوتا۔ بعض علماء نے کہا: اگر معنی یہ ہے تو قراءت یوں ہوگی العبدین ابو عبد الرحمن اور یحییٰ نے اسی طرح قراءت کی ہے فاننا اول العبدین یوں باب ذکر کیا جاتا ہے عبد یعبد عبد اجب وہ ناپسند کر لے اور غضبناک ہو اس سے اسم فاعل عَبْدَآءِ گا۔ اسم عبدہ، انفہ کی طرح ہے: یہ ابو زید سے مروی ہے۔ فرزدق نے کہا:

أُولَئِكَ أَهْلَاسِي فَجَنِّي بِشَلْهِمْ وَأَعْبُدُ أَنْ أَهْجُوَ كَلَيْتًا بَدَارِمِ

وہ میرے ساتھی ہیں میرے پاس ان کی مثل لے آؤ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے مقابلہ میں کلیب کی ہجو کرو۔ وہ یہ شعر بھی کہتا ہے:

أُولَئِكَ نَاسٌ إِنْ هَجَوْنِي هَجَوْتَهُمْ وَأَعْبُدُ أَنْ يَهْجُوَ كَلَيْتٌ بَدَارِمِ

وہ ایسے لوگ ہیں اگر وہ میری ہجو کریں تو میں ان کی ہجو کروں گا۔ اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ دارم کے بدلہ میں کلیب کی ہجو کی جائے۔

جوہری نے کہا: ابو عمرو نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدَانِ میں عابدین کا معنی ناپسند کرنا اور ناراض ہونا ہے (1)؛ یہ نسائی اور قتیبی کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے ان دونوں سے روایت کیا۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَأَنَا أَوَّلُ

الْعَبِيدُ - یہ عَبْدٌ یُعْبَدُ سے مشتق ہے یعنی ناپسند کرنے والوں میں سے میں پہلا ہوں گا۔ ابن عرفہ نے کہا: عبد یعبد کا اسم فاعل عَبْد آتا ہے بہت ہی کم اسے عابد کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم لغت میں قلیل استعمال ہونے والے اور شاذ استعمال ہونے والے مادہ کو ذکر نہیں کرتا بلکہ معنی ہے میں وہ پہلا شخص ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا کہ وہ واحد ہے اس کی کوئی اولاد نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند کے حرم میں داخل ہوئی اس عورت نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا اس کا ذکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَحَصْلُهُ وَفُضِّلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (احقاف: 15) ایک اور آیت میں فرمایا: وَفُضِّلُهُ فِي عَامَيْنِ (لقمان: 14) اللہ کی قسم! حضرت عثمان نے کوئی ناپسند نہ کیا کہ اس امر کی طرف لوٹیں (1)۔ عبد اللہ بن وہب نے کہا: معنی ہے انہوں نے اسے ناپسند نہ کیا۔ ابن اعرابی نے کہا: فَإِنَّا أَوَّلُ الْعَبِيدِ کا معنی ہے میں سب سے پہلا غضبناک ہونے والوں اور ناپسند کرنے والوں میں سے ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے میں تمہارے برعکس سب سے پہلا شخص ہوتا جو اس کی وحدانیت پر اس کی عبادت کرتا۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوتا۔ اور یہ حکایت کی عبدنی حقی۔ اس نے میرے حق کا انکار کیا۔ اہل کوفہ نے عاصم کے علاوہ ولد پڑھا ہے باقی قراء اور عاصم نے ولد پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے: سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ اللہ تعالیٰ نے ہر اس امر سے اپنی پاکی بیان کی ہے جو حادث ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ کلام بھی تقدیس و تنزیہ کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ان تمام چیزوں سے جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

فَذَرَهُمْ يَخْوَضُوا وَيَلْعَبُوا مراد کفار مکہ ہیں جب انہوں نے عذاب آخرت کو جھٹلایا یعنی وہ اپنے باطل میں ٹامک ٹویاں مارتے رہیں اور اپنی دنیا میں کھیلتے رہیں۔

حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ۝ یا تو اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت محکم ہے اسے دھمکی دینے کے اعتبار سے ذکر کیا گیا ہے۔ ابن محیسن، مجاہد، حمید، ابن قعقاع اور ابن سمیع نے اسے حَتَّى يُلَاقُوا پڑھا ہے (2) یعنی الف نہیں، یہاں، سورہ طور اور سورہ معارج میں قاف کو فتح دیا ہے جبکہ باقی قراء نے یلا قوا پڑھا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝

”اور وہی ایک، آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

ان کو جھٹلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی آسمان و زمین میں مستحق عبادت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے کہا: معنی ہے وہی ذات آسمان اور زمین میں معبود ہے یعنی دونوں میں اسی کی عبادت کی

جاتی ہے۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ نے یوں قراءت کی ہے وہو الذی فی السماء اللہ وفی الارض اللہ یہ مصحف کے خلاف ہے (1) اِلٰہ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ذات جو آسمان میں ہے وہ معبود ہے؛ یہ ابوعلی کا قول ہے۔ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے ضمیر کا حذف کرنا اچھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی، علی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا وَصَلَبْنٰکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طہ: 71) اس میں فی علی کے معنی میں ہے یعنی وہ آسمان اور زمین پر قادر ہے۔ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَتَبَرَّكَ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ  
وَإِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝

”اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور

اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

تَبَرَّكَ یہ برکت سے تقاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اس کے قیام کا وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے وَإِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ابن کثیر، حمزہ اور نسائی نے اسے والیہ یرجعون پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا۔ ابن محیسن، حمید، یعقوب اور ابن ابی اسحاق اپنے اصول کے مطابق علامت مضارع کو فتح اور باقی ضمہ دیتے ہیں۔

وَلَا یَسْلُکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

”اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا، ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ من محل جر میں ہے الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یعنی یہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے مگر اس کے حق میں جو حق کی گواہی دے اور علم و بصیرت پر ایمان لائے؛ یہ سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کہا: حق کی شہادت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من محل رفع میں ہے، یعنی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ مراد معبودان باطلہ ہیں۔ قتادہ کے قول میں ہے: معبود اپنے عبادت گزاروں کے حق میں شفاعت نہیں کر سکتے مگر وہ معبود جو حق کی گواہی دیں جیسے حضرت عزیر علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کیونکہ وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں (2)۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ جو انہوں نے گواہی دی اس کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ نصر بن حارث اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اگر (حضرت) محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تو ہم تو فرشتوں کے دوست ہوئے وہ فرشتے اس



کی بجائے ہمارے حق میں شفاعت کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملائکہ، بت، جن یا شیاطین ان کے حق میں شفاعت کریں گے، قیامت کے روز کسی کے حق میں کوئی شفاعت نہیں۔

إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یعنی مومنوں کے حق میں شفاعت کریں گے جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے کیا مراد ہے یعنی وہ یہ گواہی دے لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر یہ عبادت کرنے والے اس کے حق دار نہیں کہ کوئی ان کی شفاعت کرے مگر جو حق کی گواہی دے کیونکہ جو حق کی گواہی دے گا اس کے حق میں شفاعت کی جائے گی اور مشرک کے حق میں شفاعت نہیں کی جائے گی۔ الا یہ لیکن کے معنی میں ہے۔ مشرک شفاعت نہیں پائیں گے مگر شفاعت وہ پائے گا جو حق کی گواہی دے گا۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو، کیونکہ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ میں ملائکہ بھی شامل ہیں یوں کہا جاتا ہے: شفعتہ، شفعت لہ، جس طرح کلتہ، کلت لہ۔ سورہ بقرہ میں شفاعت کا معنی اور اس کا اشتقاق گذر چکا ہے تو اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے مراد ہے جس کے حق میں فرشتے گواہی دیں کہ وہ دنیا میں حق پر تھا جبکہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی ہے یا انہوں نے اسے ایمان کی حالت میں دیکھا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ یہ کلام دو معنوں پر دلالت کرتی ہے: (1) حق کے بارے میں سفارش نفع نہیں دیتی مگر جب علم ہو اور تقلید بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک مقالہ کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو۔ (2) حقوق اور دوسرے امور میں تمام شہادات کے لیے شرط یہ ہے کہ شاہد اس کے بارے میں آگاہ ہو، اس کی مثل نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: إِذَا رَأَيْتَ مِثْلَ الشَّمْسِ فَاشْهَدْ وَإِلَّا فَدَعْ (1) جب تو سورج کی طرح کسی امر کو دیکھے تو گواہی دے بصورت دیگر اسے چھوڑ دے۔

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۱۱﴾

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے، پھر کدھر یہ الٹے پھر رہے ہیں۔“

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ فَأَلَّى يُؤْفَكُونَ کیسے اس کی عبادت سے پلٹتے ہیں اور اس سے پھرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اس کے ساتھ اور دوسروں کو شریک کر لیا، وہ محض ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کی امید رکھتے ہیں۔ أَفَلَا يَأْفِكُ أَفْكَاءَ اے الٹ دیا اور اسے کسی چیز سے پھیر دیا، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوا أَجِئْنَا بِكُنَافَةٍ اِلٰهًا (احقاف: 22) ایک قول یہ کیا گیا: اگر آپ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں کس نے انہیں پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔ فَأَلَّى

يُؤْفِكُونَ ۝ تو یہ لوگ جو انہیں معبود قرار دیتے ہیں اس میں کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَقِيلَهُ يٰرَبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُّؤْمِنُوْنَ ۝

”اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔“

قِيلَهُ میں تین قراءتیں ہیں: نصب، جر اور رفع (1)۔ جہاں تک جر کا تعلق ہے یہ عاصم اور حمزہ کی قراءت ہے جس نے اسے جردی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوئی وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَعِلْمُ قَيْلِهِ جس نے اسے نصب دی ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيَعْلَمُ قَيْلَهُ یہ زجاج کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے فراء اور اخفش نے کہا یہ جائز ہے کہ قَيْلِهِ کا عطف انا لانسمع سرهم و نجاہم پر ہو۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس محمد بن یزید مبرد سے پوچھا قیل کو تو کس چیز کے ساتھ نصب دیتا ہے؟ کہا: میں اسے ہوئی وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيَعْلَمُ قَيْلَهُ کے ساتھ نصب دیتا ہوں۔ اس تو جیہہ کی صورت میں تُزَجَعُونَ اور يَعْلَمُونَ پر عطف اچھا نہیں اور يَكْتُبُونَ پر عطف اچھا ہوگا۔ فراء اور اخفش نے قیل کو اس معنی کی بناء پر نصب دی۔ لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَقَيْلَهُ جس طرح ہم نے ان سے ذکر کیا ہے۔ اس تو جیہہ کی بنا پر يَكْتُبُونَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ فراء اور اخفش نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت میں نصب دی جائے۔ گویا یوں کلام کی: دَقَالَ قَيْلَهُ وَشَكَاشِكُوا إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ۔ جس طرح کعب بن زہیر نے کہا:

تَشَى الْوُشَاةُ جَنَابِيهَا وَقَيْلَهُمْ إِنَّكَ يَا بَنِي أَبِي سُلَيْمٍ لَمَقْتُولُ

چغل غور اس کی دونوں جانب چلتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے: اے ابن ابی سلمیٰ! تو مقتول ہے۔

شاعر نے یہ ارادہ کیا ہے ویقولون قیلہ۔ جس نے قیلہ کو رفع دیا ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی وَعِنْدَهُ قَيْلَهُ يٰ قَيْلَهُ مَسْمُوعٌ يٰ قَيْلَهُ هَذَا الْقَوْلُ۔ زمخشری نے کہا: جو انہوں نے کہا یہ معنی کے اعتبار سے قوی نہیں ساتھ ہی ساتھ معطوف اور معطوف علیہ میں فاصلہ ہے جبکہ یہ جملہ معترضہ بھی نہیں بن سکتا اور نظم میں تنافر پایا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ قوی اور مناسب یہ ہے کہ جر اور نصب حرف قسم کے اضمار اور حذف کی بناء پر ہو۔ اور رفع ان کے اس قول کی بناء پر ہو اٰمِنَ اللَّهُ، اٰمَانَةُ اللَّهِ، يٰمِنَ اللَّهُ، لَعَنَكَ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُّؤْمِنُوْنَ ۝ جواب قسم ہوگا۔ گویا فرمایا: وَأَقْسَمُ بِقَيْلِهِ يٰ رَبِّ يٰ قَيْلَهُ يٰ رَبِّ قَسَمِي اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُّؤْمِنُونَ۔ ابن انباری نے کہا: عربی زبان میں قیلہ رفع کے ساتھ بھی جائز ہے اس شرط پر کہ تو اسے اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُّؤْمِنُونَ ۝ کے ساتھ رفع دے۔ مہدوی نے کہا: یا تقدیر کلام یہ ہے قیلہ قیلہ یٰ رب۔ دوسرے قیلہ کو حذف کر دیا گیا جو خبر ہے اور یٰ رب کا محل خبر مضمرة کی وجہ سے نصب ہے یہ ممتنع نہیں جبکہ موصول کے بعض کو حذف کرنا اور بعض کو باقی رکھنا ممتنع ہے کیونکہ قول کا حذف بہت زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مذکور کے حکم میں ہو گیا ہے۔ قیلہ میں ہا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت محمد ﷺ کے لیے ہے جبکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ إِنْ كَانَ لِلْمَظْهِنِ وَلَدٌ - ابو قلابہ نے پڑھایا رب، قیل، قول کی طرح مصدر ہے اسی معنی میں حدیث ہے نہی عن قیل وقال، قیل وقال سے منع کیا۔ یوں بھی جملہ کہا جاتا ہے: قلت قوله وقیلا وقال سورہ نساء میں موجود ہے وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

”پس (اے حبیب) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے: تم سلامت رہو وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے۔“

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر ان کو قتل کرنے کا حکم کیا پس صلیح کا حکم تلوار والے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے وَقُلْ سَلَامٌ یعنی انہیں اچھی بات کہیں یعنی مکہ کے مشرکوں کو کہو فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ پھر اسے سورہ براءۃ میں منسوخ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (آیت: 5) ایک قول یہ کہ گیا ہے: یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں عام قراءت فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کو دھمکی کی خبر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے تعلیم پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے مشرکین کو دھمکی کا خطاب ہے۔ سَلَامٌ یہ علیکم کے مضمحل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے: یہ فراء کا قول ہے اس کا معنی ہے انہیں لفظ سلام کہہ کر الوداع کر دیں یہ ان کے لیے سلام نہیں یہ نقاش نے بیان کیا ہے: شعیب بن حجاب نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس ذریعے یہ پہچانا کہ انہیں سلام کیسے کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

## سورۃ الدخان

﴿سَبَّحْتَ ۵۹﴾ ﴿سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۴﴾ ﴿مَكِّيَّةٌ عَاقِبَا ۲﴾

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر یہ آیت اِنَّا كَاثِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا یہ ستاون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسٹھ آیات ہیں۔ مسند داری میں حضرت ابورافع سے مروی ہے جس نے جمعہ کی رات سورۃ الدخان پڑھی وہ صبح بخشے ہوئے کرے گا اور حور عین سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ کے واسطے سے اسے مرفوع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے جمعہ کی شب سورۃ دخان پڑھی تو وہ صبح بخشے ہوئے کرے گا“۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ نے یہ الفاظ نقل کیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے رات کے وقت سورۃ دخان پڑھی تو وہ صبح یوں کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کر رہے ہوں گے (1)“۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن سورۃ دخان پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا“ (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمْدٌ ۱ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۱ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ ۱ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۱

”ح۔ میم۔ حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبر دراکر دیا کرتے ہیں“۔

اگر تو میم کو جواب قسم بنائے تو کلام المبین پر مکمل ہو جائے گی پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے گا اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ اَگر تو اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ کو اس قسم کا جواب بنائے جو قسم الکتاب ہے تو تو مُنْذِرِيْنَ پر وقف کرے گا اور فِيْهَا يُفَرِّقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۱ سے نئی کلام شروع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ ہے۔ بعض نحو یوں نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ مقسم بملی صفت ہے تو مقسم بہ کی صفت جواب قسم نہ ہوگی اور اَنْزَلْنَاهُ ہاء قرآن کے لیے ہے۔ جس نے کہا: باقی کتابوں کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ میں ضمیر سے مراد غیر قرآن ہے جس کا بیان سورۃ احزاب کی ابتدائی حصہ میں ہو چکا ہے لیلۃ۔ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اس سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے (3)۔ اس کے چار نام ہیں 1۔ لیلۃ مبارکہ، 2۔ لیلۃ البراءۃ، 3۔ لیلۃ الصک، 4۔ لیلۃ القدر (4)۔ اس کی صفت برکت سے لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکات، خیرات اور ثواب اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی تم الدخان، جلد 2، صفحہ 112

4۔ ایضاً

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 244

2۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 581، حدیث نمبر 2634



قنادہ نے حضرت واثلہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”صحف ابراہیم رمضان شریف کی پہلی رات میں نازل کیے گئے۔ تو رات نازل ہوئی جبکہ رمضان شریف کے چھ دن گزر چکے تھے۔ زبور اس وقت نازل ہوئی جب رمضان شریف کے بارہ دن گزر چکے تھے۔ انجیل اس وقت نازل ہوئی جب رمضان کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے اور قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا جب رمضان کے چوبیس دن گزر چکے تھے۔“ پھر یہ قول کیا گیا ہے کہ پھر قرآن اس رات کو آسمان دنیا پر نازل ہوا پھر تھوڑا تھوڑا باقی دنوں میں اسباب کے موافق نازل ہوتا رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر لیلۃ القدر کو اتنا نازل ہوتا جتنا پورے سال میں نازل ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے نزول کا آغاز اس رات میں ہوا۔ عکرمہ نے کہا: لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر) قنادہ اور ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن لیلۃ القدر میں ام الكتاب سے بیت العزہ کی طرف جو آسمان دنیا میں ہے نازل کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی ﷺ پر راتوں اور دنوں میں تیس سالوں میں نازل کیا۔ یہ بحث سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ (185) میں گزر چکی ہے۔ ان شاء اللہ ابھی یہ بحث آئے گی۔

### فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿١﴾

”اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ دنیا کے امور کا اگلی لیلۃ القدر تک فیصلہ فرمادیتا ہے وہ چیز زندگی سے متعلق ہو، موت سے متعلق ہو یا رزق سے متعلق ہو (2)؛ یہ قنادہ، مجاہد، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر بد بختی اور سعادت مندی، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تبدیل نہیں ہوتیں؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)۔ مہدوی نے کہا: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو کچھ اس سال میں ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ شعبان کی نصف کی رات ہے جس میں سال بھر کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مردوں سے زندوں کو لکھ لیا جاتا ہے حاجیوں کے کام لکھ لیے جاتے ہیں، اس میں نہ کسی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس میں سے کوئی فرد کم کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان بن مغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے مرنے والوں کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے، اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کا نام مردوں میں شامل ہو چکا ہوتا ہے“ (4)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے ”جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس کی رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے ساتھ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں کیا کوئی مصیبت کا شکار ہے کہ میں اس کی مصیبت کو دور کروں کیا کوئی رزق طلب

کرنے والا ہے کہ میں اسے رزق دوں کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے؟ یہاں تک کہ فجر صادق طلوع ہو جاتی ہے“ (1)۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس کی ہم معنی روایت حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے تو بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ افراد کو بخشش دیتا ہے“ (2)۔ اس باب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے ابو عیسیٰ نے کہا: حضرت عائشہ سے مروی حدیث ہم صرف حجاج بن ارطاہ سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیہ کی سند سے مرفوع جانتے ہیں میں نے محمد کو سنا وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے کہا: یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاہ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت نہیں سنی۔ میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ کی طویل حدیث صاحب کتاب العروس نے ذکر کی ہے اور اس کو اختیار کیا ہے کہ وہ رات جس میں ہر عظیم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے وہ شعبان کی نصف رات ہے اسے لیلۃ البراءۃ کہتے ہیں ہم نے اس کا قول اور اس کا رد کسی اور موقع پر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہے جس طرح ہم نے وضاحت کی ہے۔

حماد بن سلمہ، ربیعہ بن کلثوم سے روایت نقل کرتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے پوچھا جب کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا: اے ابا سعید! بتائیے کیا لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوا کرتی ہے؟ فرمایا: ہاں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر رمضان میں ہوتی ہے یہ وہی رات ہے جس میں ہر عظیم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہر مخلوق موت، رزق اور عمل کا اس کی مثل تک فیصلہ فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: لیلۃ القدر کو ام الکتاب میں سے جو کچھ لکھا جاتا ہے جو کچھ سال میں ہوا ہوتا ہے وہ موت ہو زندگی ہو رزق ہو اور بارش ہو حتیٰ کہ حج (3)۔ یہ کہا جاتا ہے: فلاں حج کرے گا فلاں حج کرے گا اور اس آیت کے بارے میں فرمایا: تو ایک آدمی کو بازاروں میں چلتا ہوا دیکھے گا جب کہ اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوگا۔ یہ وضاحت اس طبقہ کو پختہ کرنے کے لئے ہے یہ ان فرشتوں کے لئے ہے جو اسباب خلق پر معین ہیں۔ ہم نے اس کی وضاحت ابھی ابھی کی ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: جمہور علماء نے کہا اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: وہ نصف شعبان کی رات ہے (4)۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرہ: 185) اس امر پر وضاحت کی کہ نزول کا وقت رمضان ہے پھر یہاں اس کا زمانہ رات کو معین کیا ارشاد فرمایا فِي لَيْلَةٍ مُّؤَكَّدَةٍ جس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ رمضان شریف کے علاوہ میں ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر عظیم بہتان بنایا ہے نصف شعبان کی رات کے متعلق کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے نہ تو اس کی فضیلت میں کوئی حدیث ہے اور نہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنة، ما جاء في ليلة نصف من شعبان، صفحہ 100۔ ایضاً حدیث نمبر 1377، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنة، ما جاء في ليلة نصف من شعبان، صفحہ 100۔ ایضاً حدیث نمبر 1378، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 246

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 245

ہی اوقات کے منسوخ کرنے کے بارے میں کوئی حدیث ہے تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔

زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے لیلۃ برائۃ میں لوح محفوظ سے لکھنے کا عمل شروع ہوگا اور لیلۃ القدر میں اس سے فراغت ہوگی (1)۔ رزقوں کا نسخہ حضرت میکائیل کے حوالے کیا جائے گا حروب کا نسخہ حضرت جبریل کے حوالے کیا جائے گا اور اسی طرح زلزلوں صاعقوں اور دھنسائے کا معاملہ سپرد ہوگا اعمال کا نسخہ حضرت اسماعیل جو آسمان دنیا کے ذمہ دار ہیں ان کے سپرد ہوگا جو عظیم فرشتہ ہے۔ مصائب والانسخ (مسودہ) ملک الموت کے حوالے کیا جائے گا۔ بعض سے یہ مروی ہے: ہر عامل کو اس کے اعمال کی برکات عطا کی جائیں گی مخلوق کی زبانوں پر اس کی مدح ڈال دی جائے گی اور ان کے دلوں پر ہیبت ڈال دی جائے گی۔ اسے یُفَرِّق اور یُفَرِّق بھی پڑھا گیا ہے ہر ایک میں صیغہ معروف ہوتا ہے اور کل کو نصب دی جائے گی جدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نَفَرِّق پڑھا ہے۔

کُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٌ ۝ یہ امر حکمت والا ہے ہر عمل کرنے والا ہے حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے۔

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَّحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

”ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی (کتاب و رسول بھیجنے والے ہیں سر اپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے، بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا نقاش نے کہا: امر سے مراد قرآن ہے، اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی جناب سے نازل کیا ہے (2)۔ ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے احوال میں سے فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ مصدر ہے اور حال کے محل میں ہے۔ اسی طرح رَّحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ہے انخس کے نزدیک دونوں حال ہیں ان کی تقدیر ہے انزلناہ آمرین بہ و راحین۔ مبرد نے کہا: أَمْرًا مصدر کے محل میں ہے تقدیر کلام ہے انزلناہ انزالا فراء اور زجاج نے کہا: أَمْرًا، یُفَرِّق کی وجہ سے منصوب ہے۔ جس طرح تیرا قول ہے: یُفَرِّق فراقا پس امر، فرق کے حنی میں ہوگا یہ مصدر ہے جس طرح تیرا قول یضرب ضربا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یُفَرِّق، یومر پر دلالت کرتا ہے یہ اس عمل کا مصدر ہے جو اس سے قبل ہے۔ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَّحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ۔ فراء نے کہا رَّحْمَةً، مُرْسِلِينَ کا مفعول بہ ہے۔ رحمة سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ زجاج نے کہا: رحمة مفعول بہ ہے تقدیر کلام ہے ارسلناہ للرحمة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے۔ زمخشری نے کہا: أَمْرًا اختصاص کے طور پر منصوب ہے۔ ہر امر کو عظیم بنایا کہ اس کی صفت حکیم سے بنائی پھر اس کی عظمت میں اضافہ کیا اور فی امت عطا کی کہ یہ کہا اس امر سے میری مراد یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جو ہماری جناب سے حاصل ہے، یعنی ہماری جناب سے واقع ہوگا اور جس طرح ہمارے علم اور ہماری تدبیر نے تقاضا کیا۔ زید بن علی کی قراءت میں ہے امر من عندنا تقدیر کلام یہ ہوگی ہوا امر یہ اس کے اختصاص کی بنا پر منصوب ہونے پر دال ہے۔ حضرت حسن بصری نے رحمة پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ہی رحمة یہ اس کے مفعول لہ کے طور پر منصوب ہونے کی مددگار ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ ۚ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاكُمْ الْاَوَّلِينَ ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۝

”وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے، بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔“

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو فیوں نے رب کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ کی طرف لوٹے گا، چاہے تو اس سے کلام کو شروع کرے جزَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، تقدیر کلام ہو ہو رب السموات والارض۔

جر یہ فَن تَرْك سے بدل ہونے کی وجہ سے ہوگی، اسی طرح رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاكُمْ الْاَوَّلِينَ ۝ دونوں میں جر کی صورت ہوگی؛ شیزری نے نسائی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے استئناف کے طریقہ پر مرفوع پڑھا ہے۔ پھر یہ احتمال موجود ہے کہ یہ خطاب اس معترف کو ہو جو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے یعنی اگر تم اس کا یقین رکھتے ہو تو جان لو کہ اس کا حق ہے کہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل کرے۔

یہ بھی جائز ہے کہ خطاب اس کو ہو جو اس کے خالق ہونے کا اعتراف نہیں کرتا یعنی چاہیے کہ اس کے خالق ہونے کا اعتراف کریں اور یہ اعتراف کریں کہ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں موقف سے مراد وہ ہے جو یقین کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو طلب کرتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فلان یسجد، وہ نجد کا ارادہ کرتا ہے، فلان یتهم وہ تہامہ کا ارادہ کرتا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ وہ عالم کا خالق ہے اس لیے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا جائے جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے۔ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاكُمْ الْاَوَّلِينَ ۝ یعنی تمہارا مالک ہے اور تم سے پہلوں کا مالک ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے سے بچو تا کہ تم پر عذاب نازل نہ ہو بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۝ یعنی جس ایمان اور اقرار کا اظہار کرتے ہیں اس میں یقین پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے وہ یہ بات علم کے بغیر اپنے آباء کی تقلید میں کہتے ہیں پس وہ شک میں مبتلا ہیں اگر وہ یہ وہم کرتے ہیں کہ وہ مومن ہیں تو وہ اپنے دین میں اس چیز کے ساتھ کھلتے ہیں جو ان کے لیے بغیر حجت کے ظاہر ہوگا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ يَلْعَبُونَ کا معنی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استہزاء کے طور پر جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ جو آدمی مواعظ سے اعراض کرتا ہے اسے لالعاب کہتے ہیں، وہ اس بچے کی مانند ہوتا ہے جو کھیلتا ہے اور وہ کرتا ہے جس کے انجام سے آگاہ نہیں ہوتا۔

فَاَنْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۚ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝

”پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں جو چھا جائے گا لوگوں



پر، یہ دردناک عذاب ہوگا۔“

فَأَنزَلْنَاكَ بِذُنُوبِكَ فَاذْكُرْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ⑤ اِرتقب کا معنی ہے اے محمد! سننے والے آپ ان کفار کے ساتھ انتظار کریں جس آسمان پر واضح دھواں ہوگا: یہ قنادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ان کی بات کو یاد رکھیے تاکہ جس روز آسمان پر واضح دھواں ہوگا اس روز آپ ان پر گواہی دیں، اسی وجہ سے نگہبان کو رقیب کہتے ہیں۔ دخان کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یہ ابھی ظاہر نہیں ہوا یہ زمین میں چالیس روز تک رہے گا جو زمین و آسمان کے درمیانی حصہ کو بھر دے گا۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر زکام ہوتا ہے جہاں تک کافر اور فاجر کا تعلق ہے تو وہ دھواں ان کے ناکوں میں داخل ہوگا اور ان کے کانوں میں سرخ کر دے گا اور ان کی سانسیں تنگ پڑ جائیں گی۔ قیامت کے روز یہ جہنم کے آثار میں سے ہوگا۔ جس نے کہا: یہ دھواں ابھی ظاہر نہیں ہوا وہ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم، زید بن علی، حضرت حسن بصری، ابن ابی ملیکہ اور دوسرے علماء ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت نقل کی ہے: ”وہ ایسا دھواں ہوگا جو قیامت کے روز لوگوں پر سختی سے گردش کر رہا ہوگا (1)۔ مومن اس سے زکام جیسی تکلیف محسوس کرے گا اور کافر پھونکے مارے گا یہاں تک کہ اس کے کانوں سے وہ دھواں نکلے گا“ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوالطفیل سے وہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک تشریف لائے جبکہ ہم گفتگو کر رہے تھے۔ پوچھا: ”تم کیا باتیں کہہ رہے تھے؟ (2)“ ہم نے عرض کی: ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا: ”قیامت ہرگز برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے قبل دس نشانیاں دیکھو گے اور ان کا ذکر کیا دھواں، دجال، دابہ، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، تین دفعہ دھنسا، ایک دھنسا مشرق میں، ایک دھنسا مغرب میں اور ایک دھنسا جزیرہ عرب میں ہوگا ان کے آخر میں آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔“

ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ دس نشانیاں ظاہر ہوں گی مشرق میں دھنسا، مغرب میں دھنسا، جزیرہ عرب میں ایک دفعہ دھنسا، دھواں، دجال، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج، سورج کا مغرب سے نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی۔“ اسے ثعلبی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ان نشانیوں میں سے پہلی نشانی دجال کا نکلنا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم کا نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا (3) جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ

2۔ مشکوٰۃ الصالح، باب العلامات بین یدی الساعة و ذکر الدجال، صفحہ 472

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 247

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 272

آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ قیلوہ کریں گے یہ آگ بھی قیلوہ کرے گی، جہاں وہ صبح کریں گے یہ آگ بھی صبح کرے گی، جہاں لوگ شام کریں گے یہ آگ بھی شام کرے گی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ دھواں کیا ہے؟ تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَأَمَّا تَتَقَبُّ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ جو مغرب و مشرق کو بھر دے گا یہ دھواں چالیس دن اور راتیں رہے گا، جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے زکام جیسی تکلیف لاحق ہوگی، جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ نشے والے آدمی کی حالت کی طرح ہوگا، دھواں اس کے منہ، اس کے نٹوں، اس کی آنکھوں، اس کے کانوں اور اس کی دبر سے نکلے گا۔ یہ ایک قول ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ دھوئیں سے مراد وہ بھوک ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعا سے قریش کو پہنچی تھی یہاں تک کہ ایک آدمی آسمان اور زمین کے درمیان دھواں دیکھتا؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مصیبت کو دور کر دیا اگر یہ قیامت کے دن ہوتا ان سے اس دھوئیں کو دور نہ کیا جاتا۔ ان سے یہ حدیث، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی میں موجود ہے۔ امام بخاری نے کہا: یحییٰ، ابو معاویہ سے، وہ اعمش سے، وہ مسلم سے، وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ نے کہا: یہ قحط اس لیے آیا تھا کیونکہ قریش نے جب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو نبی کریم ﷺ نے اس خشک سالی کے مسلط ہونے کی دعا کی انہیں قحط اور مشقت نے آیا یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں ایک آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنے اور آسمان کے درمیان دھوئیں جیسی چیز کو دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا کہا: لوگ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے مضر کے لیے بارش کو طلب کیجئے کیونکہ وہ تو ہلاک ہو جاتے ہیں (1)۔ فرمایا: ”مضر کے لیے تو تو بہت جری ہے“ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی دعا کی، تو ان پر بارش ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی إِنَّكُمْ عَايِدُونَ ۝ جب ان کے پاس خوشحالی آتی تو وہ پھر اس حالت کی طرف لوٹ آتے۔ یہ خوشحالی کی حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّكُمْ تَقْتُلُونَ ۝ کہا: اس سے مراد غزوہ بدر ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دخان کا معنی خشک سال ہے۔ قحطی نے کہا: زمین کے خشک ہونے کی وجہ سے اسے دھواں کا نام دیا جب وہ زمین سے اٹھتی ہے جس طرح دھواں۔

3۔ اس سے مراد فتح مکہ ہے جب غبار نے آسمان کو چھپا دیا؛ یہ عبد الرحمن اعرج کا قول ہے۔

يَغْشَى النَّاسَ یہ دخان کی صفت ہے۔ اگر مراد وہ ہے جو ابھی گزرا ہے جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ اہل مکہ کے مشرکوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے تو یہ عام ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں یہ ارشاد فرمائے گا۔ جس نے کہا: دخان (دھواں) گزر چکا ہے تو هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ حال ماضیہ کی حکایت ہے، جس نے اسے آنے والے واقعات میں شمار کیا ہے تو وہ آنے والے حالات کی حکایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هذا یہ ذلک کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ اس دھوئیں کے بارے میں کہیں گے: یہ

دردناک عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کے قریب آنے کی خبر ہے جس طرح تو کہتا ہے: هذا الشتاء فاعدله یہ موسم سرما ہے اس کے لیے تیاری کرو۔

### رَبَّنَا كُشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

”(اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں۔“ وہ عرض کریں گے: ہم سے عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں یعنی اگر تو ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: اگر اللہ تعالیٰ ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم اسلام لے آئیں گے پھر انہوں نے وعدہ خلائی کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں عذاب سے مراد دھواں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد بھوک ہے: نقاش نے اس کی حکایت بیان کی۔ میں کہتا ہوں: کوئی تناقض نہیں کیونکہ دھواں اس بھوک کی وجہ سے تھا جو انہیں لاحق ہوئی جس طرح یہ بحث گذری ہے بعض اوقات بھوک اور قحط کو بھی دخان کہتے ہیں کیونکہ خشک سالی کی وجہ سے زمین خشک ہوتی ہے اور بارشوں کے کم ہونے کی وجہ سے غبار بلند ہوتا ہے اسی وجہ سے خشک سالی کو غبراء کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہاں عذاب سے مراد برف ہے۔ ماوردی نے کہا: اس کی کوئی توجیہ نہیں کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا یا اہل مکہ کے لیے ہوگا جبکہ برف باری کا علاقہ نہیں مگر یہ بات کی گئی تو ہم نے اس کا ذکر کر دیا (2)۔

### أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٩﴾

”ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا: سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے۔“

أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى یعنی ان کے لیے عذاب کے نازل ہونے کے وقت کہاں سے نصیحت ہوگی۔ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ یعنی ایسا رسول جو ان کے لیے حق کو واضح کرتا ہے۔ ذکرئی اور ذکر ایک ہی چیز ہیں: یہ امام بخاری کا قول ہے (3)۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی انہوں نے اعراض کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت حاصل کرنے سے دور کر دیا تو اب وہ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب کے ظاہر ہونے کے بعد اور قیامت کی نشانیوں کے ظہور کے بعد ان کا قول إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٩﴾ انہیں کیسے نفع دے گا جبکہ علامات علم بدیہی بن چکی ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب تو دخان کو ایسی علامت بنائے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٩﴾ یعنی اسے کسی انسان نے تعلیم دی یا اسے کاہنوں اور شیطین نے

تعلیم دی ہے اس سے بڑھ کر یہ مجنون ہے رسول نہیں ہے۔

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَايِدُونَ ﴿٥﴾

”ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لیے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔“

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا یعنی وقتاً قلیلاً۔ وعدہ کیا کہ ان سے وہ عذاب تھوڑے عرصہ کے لیے دور کر لیا جائے گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والے نہیں، بلکہ اس عذاب کے دور ہونے کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ جائیں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارش کی دعا کرنے کے بعد عذاب دور ہو گیا تو وہ جھٹلانے والے طریقہ کی طرف لوٹ گئے (1)۔ جس نے یہ کہا تھا: دھویں کا انتظار کیا جا رہا ہے کہا اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں کے درمیان کچھ نہ کچھ سہولت و رخصت ہوگی پھر جس پر کفر کا فیصلہ ہو چکا ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے گا۔ جس نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا اگر ہم تم سے عذاب کو دور کر دیں تو تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم ہماری طرف لوٹنے والے ہو، یعنی تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم ایمان نہ لائے تو تم جہنم کی آگ کی طرف لوٹنے والے ہو (2)۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿٦﴾

”جس روز ہم انہیں شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے۔“

يَوْمَ یہ لفظ اسی پر محمول ہے جس پر مُنتَقِمُونَ ﴿٦﴾ دلالت کرتا ہے یعنی ہم ان سے انتقام لیں گے۔ بعض نحو یوں نے اسے بعید از حقیقت خیال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مابعد ماقبل کی تفسیر بیان نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں مُنتَقِمُونَ ہے یہ قول بھی بعید ہے کیونکہ ان اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسے عَايِدُونَ کے متعلق کرنا بھی اچھا نہیں اور اسی طرح إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ کے متعلق کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ معنی کا اس پر انحصار نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے مضر ہونے کے ساتھ اسے نصب دی جائے گویا فرمایا: ذکر ہم یا اذکر۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم لوٹنے والے ہو۔ جب تم لوٹو گے تو تم سے اس روز انتقام لیا جائے گا جس روز ہم بڑی پکڑ سے پکڑیں گے۔ اس وجہ سے یہ فرعون کے قصہ کے ساتھ کلام ملی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان سے عذاب دور کر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے پھر وہ ایمان نہ لائے یہاں تک کہ غرق کر دیئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَايِدُونَ ﴿٥﴾ یہ مکمل کلام ہے۔ پھر يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٦﴾ نئی کلام ہے یعنی ہم تمام کفار سے انتقام لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دھویں کا انتظار کرو اور ان کا انتظار کرو جس روز ہم پکڑیں گے تو وہاں عطف کو حذف کیا گیا جس طرح تو کہتا ہے: نَارُ النَّارِ اتَّقِ الْعَذَابِ۔



البَطْشَةُ الْكُبْرَى حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول میں اس سے مراد یوم بدر ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا: قیامت کے روز عذاب جہنم مراد ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے؛ اسے زجاج نے پسند کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ دھواں ہے جو دنیا میں واقع ہوگا یا بھوک یا قحط جو قیامت سے پہلے واقع ہوگی۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا ہے کیونکہ دنیا میں یہ پکڑوں میں سے آخری پکڑ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نغمہ اور عقبہ میں فرق ہے عقوبت، معصیت کے بعد ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی عاقبہ میں سے ہے نغمہ بعض اوقات پہلے ہوا کرتی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقوبت اسے کہتے ہیں جو اندازہ سے ہو اور انتقام جو اندازہ سے نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٤﴾

”اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول۔“

یعنی ہم نے انہیں آزمایا (3)۔ اس فتنہ اور ابتلا کا معنی ہے طاعت کا امر، یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کر کے امتحان کا سامانہ کیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اے محمد! سُبْحَانَكَ اے محمد! اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم تیرے دشمنوں کے ساتھ اسی قوم کا معاملہ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کو فتنہ میں ڈالنے کا مطلب ہے ہم نے انہیں غرق کرنے کے ساتھ عذاب میں ڈالا۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آل فرعون کے پاس رسول کریم آئے تو ہم نے انہیں غرق کر دیا کیونکہ فتنہ رسول کے آنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ وَاوْ تَرْتِيبِ کافائدہ نہیں دیتی۔ کَرِيمٌ کا معنی ہے وہ اپنی قوم میں معزز تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اخلاق میں کریم تھے یعنی درگزر سے کام لیتے تھے (4)۔ فراء نے کہا: وہ اپنے رب کی بارگاہ میں معزز تھے کیونکہ آپ کو نبوت اور کلام سنانے کے لیے مختص کیا گیا۔

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٥﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي آتِيكُمْ

بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ﴿١٦﴾

”اس نے فرمایا تھا کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں اور نہ سرکشی

کر دو اللہ کے مقابلہ میں، میں لے آیا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل۔“

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے وہ ان کے پاس آیا اس نے کہا میری اتباع کرو عِبَادَ اللہ یہ منادی ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ کے بندوں کو میرے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب سے آزاد کر دو۔ اس تعبیر کی بنا پر عباد اللہ، مفعول بہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مجھے اپنی قوت سماعت دو یعنی میری بات سنو یہاں تک کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ یعنی میں وحی پر امین ہوں پس میری نصیحتوں کو قبول کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو میں تم سے لیتا ہوں اس میں امین ہوں میں اس میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔

وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۝ تم اس پر تکبر نہ کرو اور اس کی طاعت سے اپنے آپ کو بلند نہ جانو۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ پر بغاوت نہ کرو (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے میں سستی نہ کرو۔ بغی اور افتراء میں فرق ہے بغی فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور افتراء قول کے ساتھ ہوتا ہے (2)۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ پر عظیم نہ بنو (3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہ کرو (4)۔ تعظیم اور استکبار میں فرق ہے تعظیم سے مراد مستدر فرد کا بڑا جاننا اور استکبار کا معنی ہے ذلیل کم مرتبہ آدمی کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

إِنِّي أَنبِئُكُمْ بِسُلْطَنِ مُّؤْمِنٍ ۝ قتادہ نے کہا: واضح عذر۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: واضح دلیل، معنی ایک ہی ہے، یعنی واضح دلیل۔

وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَزْجُجُونِ ۝

”اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھرو اور کرسکو“۔

گویا انہوں نے آپ کو قتل کی دھمکی دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی۔ قتادہ نے کہا: تم پتھروں سے رجم کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مجھے گالیاں دو تو تم کہو جادو گر جھوٹا ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے عُذْتُ کی ذال کو ظاہر کر کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔ ادغام تخفیف کو طلب کرنے کے لیے ہے اور اظہار اصل قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر یہ قول یہ کیا گیا ہے: زمانہ گزشتہ میں، میں نے تجھ سے پناہ چاہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اور فرمایا: فلا یصلون الیکما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان اعدو کے معنی میں ہے، جس طرح تو کہتا ہے: نشدتك بالله، اقسیت علیک بالله۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔

وَإِنْ لَّمْ تُوْمِنُوا بِي فَأَعْتَزِلُونِ ۝

”اور اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ“۔

وَإِنْ لَّمْ تُوْمِنُوا بِي أَكْرَمَ مِیرِی تَصْدِیقَ نہ کرو اور میری دلیل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ لی میرا اجنبیہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہاں لام، باء کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَامِنٌ لَهُ لُؤْطُ (عنکبوت: 26) یہاں بھی لام، باء کے معنی میں ہے۔

فَاعْتَزِلُونِ ۝ مجھے چھوڑ دو نہ میری طرف داری کرو اور نہ میرے خلاف کسی کی مدد کرو؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم مجھ سے الگ تھلک ہو جاؤ میں تم سے الگ تھلک ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھ سے اپنی اذیت کو روک دو (5)۔ معنی قریب قریب ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 249

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 71

4۔ ایضاً

فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿١٢﴾

”پس پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو (الہی) بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں۔“

فَدَعَا رَبَّهُ اس میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے فکفروا فد عاربہ۔ اَنَّ هَؤُلَاءِ یہاں ان کا ہمزہ مفتوح ہے کیونکہ اصل میں یہ بان تھا۔ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿١٢﴾ وہ مشرک قوم ہیں، انہوں نے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿١٣﴾

”(حکم ملا) لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو یعنی بنی اسرائیل میں سے جو ایمان لائے ہیں، لَيْلًا صبح سے پہلے۔

إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿١٣﴾ اہل حجاز نے فاسر ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے، ابن کثیر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے یہ سہری سے مشتق ہے باقی قراء نے اسے فاسر ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے یہ سہری سے مشتق ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ سورہ بقرہ، اعراف، طہ، شعراء اور یونس میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی۔ اس لیے دوبارہ اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رات کے وقت نکلنے کا حکم دیا تھا (1)، رات کا سفر عموماً خوف کی وجہ سے ہوتا

ہے۔ خوف دو وجہ سے ہوتا ہے۔ 1۔ دشمن کا خوف ہوتا ہے تو رات کو پردہ بنایا جاتا ہے۔ یہ رات اللہ تعالیٰ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے۔ 2۔ جانوروں اور جسموں پر مشقت اور تکلیف سے خوف کی وجہ سے رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ وجہ گرمی ہو یا خشک سالی ہو۔ تو مصلحت کی غرض سے رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سفر کرتے، رات کے پہلے پہر سفر کرتے کبھی آہستہ چلتے اور کبھی جلدی کرتے، جس طرح ضرورت ہوتی اور مصلحت کا تقاضا ہوتا۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخَصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَقَّهَا فِي الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نَفْسَهَا (2) جب تم سرسبز و شادابی کے دور میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے اس کا حصہ دو (اپنے چرنے کا موقع دو) جب تم خشک سالی کے دور میں سفر کرو تو جلدی چلو تا کہ مقصد کو پا لو جبکہ اونٹ میں قوت باقی ہو۔ سورہ نخل کے آغاز میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

وَأَثَرُ الْبَحْرِ سَاحُوا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿١٤﴾

”اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا، بے شک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سَاحُوا کا معنی راستہ ہے؛ یہ قول کعب اور حضرت حسن بصری کا بھی ہے۔ حضرت ابن

1۔ احکام القرآن ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1691

2۔ جامع ترمذی، کتاب الأدب، ما جاء في الفصاحة والبيان، جلد 2، صفحہ 108

عباس بنہ نے کہا: اس کا معنی ہے راستہ۔ سخاک اور ربیع نے کہا: اس کا معنی آسان ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی خشک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاضْرِبْ لَهُم مِّنْ طَرِيقٍ فِی الْبَحْرِ مَبْجَاً** (طہ: 77) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جدا جدا۔ مجاہد نے کہا: کھلا، ان سے یہ قول بھی مروی ہے: خشک، ان سے یہ قول بھی مروی ہے: ساکن، لغت میں یہی معروف ہے، یہ قنادہ اور ہروی کا قول ہے۔ دوسروں نے کہا: کھلا۔ ابن عرفہ نے کہا: یہ دونوں ایک معنی کے طرف لڑتے ہیں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں کیونکہ جب اس کا چلنا ساکن ہو جاتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے، اسی طرح سمندر اس کا چلنا ساکن ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کھل گیا۔ عربوں کے نزدیک رھو سے مراد ساکن ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: **جاءت الخیل رھوا۔ گھوڑے پرسکون آئے۔** شاعر نے کہا:

والخیل تنزع رھوا فی اعتنتھا کالطیر تنجو من الشو بوب ذی البرد

گھوڑے تیزی سے گزرتے ہیں جبکہ ان کی لگامیں پرسکون ہیں، جس طرح پرندے ایسے بادل سے نجات پاتے ہیں جو موٹے قطرات والی بارش اور سردی والا ہو۔

جوہری نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے **افعل ذلک رھوا** یعنی سکون و وقار سے یہ کام کر۔ عیش راہ، پرسکون خوشحال زندگی، رھا البحر، سمندر پرسکون ہو گیا۔ ابو عبید نے کہا: **رھا بین رجليه یزھو رھوا**۔ یعنی اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَاشْرِكْ الْبَحْرَ رھوا رھو** سے مراد نرم چال ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: **جاءت الخیل رھوا۔** ابن اعرابی نے کہا: **رھا یزھو فی السیر** یعنی اس نے نرمی کی۔ قطامی نے سواری کے اونٹوں کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

ینشین رھوا فلا الأعجاز خاذلة ولا الصدور علی الأعجاز تشکل

وہ نرمی سے چلتے ہیں ان کے پچھلے حصے کمزور نہیں اور نہ ہی ان کے سینے ان کے پچھلے حصوں کا سہارا لیتے ہیں۔ رھو اور رھوة سے مراد بلند جگہ ہے اور پست جگہ کو کہہ دیتے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ ابو عبید نے کہا: رھو سے مراد وہ گڑھا ہے جو ایک قوم کے محلہ میں: جس میں بارش اور دوسرا پانی بہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ”یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ گھر کے صحن، راستہ، منقبہ (دو گھروں کے درمیان راستہ) رکھ (پیچھے کی جانب سے کمرے کا کنارہ) اور پانی کے رستے میں کوئی شفع نہیں۔“ اس کی جمع رحاء آتی ہے **الرھو المرأة الواسعة الھن۔** وسیع خصالتوں والی عورت، اسے نضر بن شمیل نے بیان کیا ہے۔ رھو سے مراد پرندے کی ایک قسم۔ اسے کرکی کہتے ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ رھو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت ہو: یہ قشیری کا قول ہے یعنی اپنی حالت پر پرسکون رہو۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی صفت ہے، یہ سمندر کی صفت نہیں۔ پہلی تعبیر کی صورت میں یہ سمندر کی صفت ہے یعنی جس طرح وہ تھا اسی طرح اسے ساکن رہنے دو جس طرح وہ جدا جدا تھا اسے ملنے کا حکم نہ دو یہاں تک کہ فرعون اور اس کی قوم داخل ہو جائے۔ قنادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا کہ جب انہوں نے اپنے منسا کے ساتھ اسے الگ الگ کیا تھا (1) تو عصا مار کر سمندر کو ملا دیں یہ بھی خوف تھا کہ فرعون



ان کے پیچھے بھی نہ آجائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا گیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: رہو کا معنی سکون نہیں بلکہ اس سے مراد دو چیزوں کے درمیان کشادگی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رہا ما بین الرجلین اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ عیش راہ خوشحال زندگی، افعل ذلک سہوا رہو اس امر کو نرمی سے سختی کے بغیر کرو۔ ہم نے اس کا ذکر ابھی کیا ہے اِنَّهُمْ یعنی فرعون اور اس کی قوم جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿۱۱﴾ وہ غرق ہونے والے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی گئی تاکہ ان کا دل پر سکون رہے۔

کَمْ تَرَ كُؤًا مِنْ جَنَّتٍ وَ عِيُونٍ ﴿۱۲﴾ وَ زُرُؤٍ وَ مَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۱۳﴾ وَ نَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿۱۴﴾

”وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔“

کَمْ کثرت بیان کرنے کے لیے ہے۔ سورہ شعراء میں اس آیت کے معنی کے متعلق گفتگو گذر چکی ہے۔ نَعْمَتُونَ کے فتح کے ساتھ ہے جس کا معنی تنعیم ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نَانَعِمَهُ اللہ و نَاعِمَهُ فَتَنَعَمَ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا تو وہ اچھی و خوشحال زندگی گزارنے لگا۔ نعمة۔ کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی احسان ہے جو تجویز کیا جاتا ہے، اسی طرح نعی ہے۔ اگر تو نون کو فتح دے گا تو اسے مدہ پڑھے گا تو کہے گا: نعاء۔ نعم اس کی مثل ہے۔ فلان واسع النعمة۔ اس کے پاس وسیع مال ہے؛ یہ سب اقوال جوہری کی صحاح سے منقول ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نَعْمَتُونَ سے مراد دریائے نیل ہے (1)۔ ابن لہیعہ نے کہا: فیوم ہے۔ ابن زیاد نے کہا: مصر کی سرزمین ہے جس میں بہت زیادہ منافع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوشحالی ہے۔ اسے نعمة اور نعمة دونوں طرح پڑھا جاتا ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ کہا: دونوں میں فرق کی دو وجوہ ہیں: 1۔ نون کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا اطلاق ملک میں ہوتا ہے اور فتح کے ساتھ ہو تو بدن اور دین میں ہوتا ہے؛ یہ نظر بن ثمیل نے کہا ہے۔ 2۔ یہ کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی فضل و احسان کرنا اور عطیہ دینا ہے۔ فتح کے ساتھ ہو تو معنی تنعیم ہے جس سے مراد خوشحال زندگی اور راحت ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ فرق صحاح میں موجود ہے، ہم اس کا ذکر چکے ہیں۔ ابور جاء، حضرت حسن بصری، ابوا شہب، شرج، ابوجعفر اور شیبہ نے فکھین پڑھا ہے۔ یہ الف کے بغیر ہے اس کا معنی اترانے والے ہیں۔ جوہری نے کہا: فکھ الرجل اس سے اسم فاعل فیکہ ہے جب وہ اچھے مزاج کا مزاج کرنے والا ہو۔ فکھ کا معنی بھی اترانے والا ہے۔ اسے و نعمة کانوا فیہا فکھین اس میں اترانے والے ہیں۔ فکھین لطف اندوز ہونے والے خوشحال۔ قشیری نے کہا: اس کا معنی ہے مزاج کرنے والے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: انہ لفاکھ۔ وہ مزاج کرنے والا ہے۔ فیہ فکاہۃ اس میں مزاج کی حس موجود ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح حاذر اور حذر، فار کا اور فرا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فاکھ اسے کہتے ہیں جو لذت کی

باتیں سنتا ہے جس طرح کھانے والا مختلف قسم کے پھل کھاتا ہے (1)۔ فاکھہ اسے کہتے ہیں جو اس خوراک سے زائد ہو جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہوگا۔

### كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝

”یونہی ہم نے وارث بنادیا تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو“۔

زجاج نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے الامر کذلک (2)۔ تو کذلک پر وقف کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاف، محل نصب میں ہے، معنی یہ بنے گا جس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ہم اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: جو آدمی میری نافرمانی کرتا ہے میں اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معاملہ اس طرح تھا تو پس انہیں ہلاک کیا گیا۔

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ - قَوْمًا اٰخَرِيْنَ سے مراد بنو اسرائیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کے علاقہ کا مالک بنادیا جبکہ وہ پہلے جس طرح غلام تھے تو وہ اس کے وارث بن گئے کیونکہ یہ چیزیں ان تک اس طرح پہنچیں جس طرح میراث کا مال پہنچتا ہے، اس کی مثل وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ كَانُوْا يَنْتَضِعُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا ۚ (الاعراف: 137)

### فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝

”پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی“۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ ان پر آسمان اور زمین ان کے کفر کے باعث نہ روئے وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ اور انہیں غرق ہونے میں مہلت نہ دی گئی۔ عرب اپنے سردار کی موت کے وقت کہا کرتے تھے: بکت له السماء والارض اس کی مصیبت تمام اشیاء کو عام ہو گئی یہاں تک کہ آسمان، زمین، ہوا اور بجلی بھی روئے۔ بکتہ الیالی الشاتیات۔ اس کے لیے موسم سرما کی راتیں روئیں۔ شاعر نے کہا:

فالروح تبکی شجوها والبرق یلمع فی الغمامة

ہوا اپنے غم کو روتی ہے اور بجلی بادل میں چمکتی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

والشس طالعة لیست بکا سفة تبکی علیک نجوم اللیل والقمر

سورج طلوع ہے وہ گرہن میں نہیں تجھ پر رات کے ستارے اور چاند رو رہے ہیں۔

خارجیہ نے کہا:

ایا شجر الخابور مالک مورقا کانک لم تجزم علی ابن طریف

اے خابور کے درخت! کیا وجہ ہے تو پتے نکالے ہوئے ہے گویا تو ابن طریف پر غمگین نہیں۔

یہ تمثیل اور تخیل کا طریقہ جزع کرنے اور رونے میں مبالغہ کے لیے ہے اس کا معنی ہے وہ ہلاک ہوئے نہ ان کہ مصیبت عظیم ہوئی اور نہ ان کی گمشدگی کو محسوس کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں اضمار ہے معنی ہے ان پر آسمان اور زمین والے یعنی فرشتے نہیں روئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَسُئِلَ النَّبِيُّ (يُوسُفُ: 82)** بلکہ وہ اس کی ہلاکت سے خوش ہوئے: یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ یزید رقاشی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی مومن نہیں مگر اس کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور ایک دروازہ ہے جس سے اس کا کلام اور عمل داخل ہوتا ہے۔ جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کی کمی محسوس کرتے ہیں اور اس پر روتے ہیں“ (1)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی **فَمَا بَگْتُ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ** یعنی انہوں نے زمین پر کوئی عمل صالح نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر رویا جائے۔ اور آسمان کی طرف بھی ان کا کوئی عمل صالح نہیں چڑھا کہ آسمان اس کے مفقود ہونے پر روئے۔ مجاہد نے کہا: آسمان اور زمین مومن پر چالیس دن تک روتے ہیں۔ ابویحییٰ نے کہا: میں ان کے قول پر متعجب ہوا۔ مجاہد نے کہا: کیا تو تعجب کا اظہار کرتا ہے زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جو اسے رکوع و سجود کے ساتھ آباد کرتا تھا اور آسمان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جس کی تسبیح اور تکبیر کی وجہ سے ایسی آواز ہوتی تھی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر زمین میں سے اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں سے اس کے عمل کے بلند ہونے کی جگہ روتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آیت کی تقدیر یہ ہوگی آسمان میں سے اس کے اعمال کے بلند ہونے کی جگہ اور زمین میں سے اس کی عبادات کی جگہ اس پر روئیں: یہ حضرت سعید بن جبیر کے قول کا معنی ہے۔ آسمان اور زمین کے رونے کی تین وجوہ ہیں: 1۔ وہ معروف طریقہ ہے جس طرح حیوان روتا ہے: یہ مجاہد کے قول کے مشابہ ہے۔ شریح حضرمی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسلام شروع ہوا تو بھی تنہا تنہا لوگ اسلام لائے اور جس طرح شروع ہوا تھا اسی حالت کی طرف یہ لوٹ جائے گا۔ قیامت کے روز ان تھوڑے سے افراد کے لیے مبارک ہے“ (2)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ”وہ وہ لوگ ہیں جب لوگ فساد کا شکار ہو جائیں گے تو وہ صالحیت کو اپنائیں گے“ پھر فرمایا: ”خبردار! اب مومن پر کوئی تنہائی نہیں کوئی مومن تنہائی میں نہیں مرتا جب اس پر رونے والے اس سے غائب ہوتے ہیں تو آسمان اور زمین اس پر روتے ہیں“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی **فَمَا بَگْتُ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ** پھر فرمایا: ”بے شک یہ دونوں کافر پر نہیں روتے۔“

میں کہتا ہوں: ابو نعیم محمد بن معمر نے کہا ابو شعیب حرائی، یحییٰ بن عبد اللہ سے وہ اوزاعی سے وہ حضرت عطاء خراسانی سے روایت نقل کرتے ہیں ”کوئی بندہ بھی زمین کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے تو وہ بقعہ زمین قیامت کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ دخان، جلد 2، صفحہ 158۔ ایضاً، حدیث نمبر 3177، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان الاسلام بداعربیہ و سیمود غریباً، جلد 1، صفحہ 84

روز اس کے حق میں گواہی دیکر اور جس روز وہ مرتا ہے وہ بقعہ زمین اس پر روتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے رونے سے مراد اس کے اطراف کا سرخ ہو جانا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، عطا، سدی، ترمذی محمد بن علی کا قول ہے۔ اسے حضرت حسن بصری نے روایت کیا ہے۔ سدی نے کہا: جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو آپ پر آسمان رویا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہونا تھا (1)۔

جریر نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے: جب حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو آسمان کے افق چار ماہ تک آپ کے لیے سرخ رہے۔ یزید نے کہا: اس کا سرخ ہونا ہی اس کا رونا ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا: لوگوں نے ہمیں بتایا وہ سرخی جو شفق کے ساتھ ہوتی ہے وہ نہ ہوا کرتی یہاں تک کہ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ سلیمان قاضی نے کہا: جس روز امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ہم پر خون کی بارش کی گئی۔

میں کہتا ہوں: دارقطنی نے امام مالک بن انس سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”شفق سے مراد سرخی ہے“ (2)۔ حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس دونوں نے کہا: شفق کی دو صورتیں ہیں۔ سرخ اور سفید (3)۔ جب سرخی غائب ہو جاتی ہے تو عشاء کی نماز حلال ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے (4)۔ یہ قول اس قول کو رد کرتا ہے ابن سیرین نے جس کی حکایت بیان کی ہے۔ سبحان (سورہ اسراء) میں قرہ بن خالد سے روایت گزر چکی ہے۔ ”آسمان کسی پر نہیں رویا مگر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پر اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر۔ اس کا سرخ ہونا ہی اس کا رونا ہے۔“ محمد بن علی ترمذی نے کہا: رونے سے مراد کسی شے کو تیزی سے حرکت دینا جب آنکھ اپنے پانی کو حرکت دے تو کہا جاتا ہے آنکھ روئی، جب آسمان اپنی سرخی کو حرکت دے تو کہتے ہیں آسمان رویا، جب زمین اپنے غبار کو حرکت دے تو کہتے ہیں زمین روئی، کیونکہ مومن نور ہے اس کے ساتھ اللہ کا نور ہے زمین اس کے نور سے روشن ہے اگرچہ تیری آنکھوں سے غائب ہے۔ اگر وہ مومن کے نور کو نہیں پاتی تو وہ غبار آلود ہوتی ہے اور اس کا غبار زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ زمین مشرکوں کی خطاؤں کی وجہ سے غبار آلود ہے یہ مومن کے نور سے روشن ہوتی ہے جب اس سے مومن کو قبض کیا جاتا ہے تو اس کا غبار زیادہ ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہر شے روشن ہو گئی، جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو ہر شے تاریک ہو گئی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں مصروف تھے ہم نے اس سے اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑا یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی اجنبی پایا۔ جہاں تک آسمان کے رونے کا تعلق ہے وہ اس کا سرخ ہونا ہے جس طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

نصر بن عاصم نے کہا: نشانیوں میں سے پہلی سرخی ہوگی جو ظاہر ہوگی یہ قیامت کے قریب ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ وہ

2- سنن دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ، باب فی صفۃ المغرب والعصر، جلد 1، صفحہ 269

1- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 253

4- ایضاً

3- ایضاً



شدت سے روئے گی کیونکہ وہ مومنوں کے انوار سے خالی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا رونا ایسی نشانی ہے جو اس سے ظاہر ہوتی ہے جو افسوس اور غم پر دلالت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ جب آسمان اور زمین تسبیح کرتے ہیں سنتے ہیں اور کلام کرتے ہیں، جس طرح ہم نے سحان (سورہ اسراء)، مریم اور حم فصلت میں بیان کیا ہے، اسی طرح زمین روتی ہے جبکہ اس کے بارے میں روایات بھی آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اقوال کے صحیح ہونے کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يَلْ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۖ مِنْ فِرْعَوْنَ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا

مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝

”اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے بلاشبہ

وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔“

یعنی ان تمام مظالم سے جو قبلی فرعون کے حکم سے بنی اسرائیل کے ساتھ روار کھتے تھے جس طرح انبیاء کو قتل کرنا، عورتوں سے خدمت لینا، مردوں کو غلام بنالینا اور مشکل امور ان پر لازم کرنا۔

مِنْ فِرْعَوْنَ یہ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۖ سے بدل ہے مِنْ فِرْعَوْنَ یہ مِنْ الْعَذَابِ کے متعلق نہیں ہوگا کیونکہ اس کی صفت نہیں لگائی گئی ہے وہ وصف کے بعد فعل کا سا عمل نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے انہیں عذاب اور فرعون سے نجات دی۔

إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وہ مشرکوں میں سے جابر تھا۔ یہ مدح میں زیادتی نہیں بلکہ اسراف میں زیادتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ (قصص: 4) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس بلندی سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بلندی ہے۔

وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۖ

”اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر۔“

وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ ہم ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں عَلَى عِلْمٍ ہمیں ان کے بارے میں علم تھا کہ ان میں سے کثیر انبیاء ہوں گے۔ عَلَى الْعَالَمِينَ ۖ ان کے زمانہ کے لوگوں پر۔ اس کی دلیل پر آیت ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (آل عمران: 110) یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام عالموں پر کیونکہ ان میں انبیاء بنائے۔ یہ ان کے لیے خاص ہے یہ غیر کے لیے نہیں؛ یہ قول ابن عیسیٰ، زمخشری اور دوسرے علماء نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ یہ بنی اسرائیل کے بعد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پسندیدگی، اس بنا پر تھی کہ انہیں فرق ہونے سے چھٹکارا دلایا اور فرعون کے بعد انہیں زمین کا مالک بنادیا۔

## وَآتَيْنَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ۝

”اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔“

وَآتَيْنَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ۝ قنادہ نے کہا: آیات سے مراد انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دینا، ان کے لیے سمندر کو پھاڑنا، ان پر بادل سے سایہ کرنا اور من و سلویٰ کو نازل کرنا ہے (1)۔ یہ خطاب بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عصا اور ید بیضا کا معجزہ ہے۔ یہ فراء کے قول کے مشابہ ہے اور خطاب قوم فرعون کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک تیسرا قول یہ ہے: اس سے مراد وہ برائی ہے جس سے آپ نے ان کو روکا اور وہ بھلائی ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ خطاب ایک ہی ہے دونوں فریقوں کی طرف متوجہ ہوگا یعنی قوم فرعون اور بنی اسرائیل۔ بَلَاءٌ مُبِينٌ میں چار قول ہیں: 1۔ ظاہر نعمت، یہ حضرت حسن بصری اور قنادہ کا قول ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِيُبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلََاءٌ حَسَنًا (انفال: 17) زہیر نے کہا:

فَابْلَاهَا خَيْرَ الْبَلَاءِ الَّذِي يَنْبَلُو

وہ نعمت جو وہ کرتا ہے اس میں سے بہترین نعمت ان دونوں پر کی۔ 2۔ شدید عذاب، یہ فراء کا قول ہے۔ 3۔ اس آزمائش جس کے ساتھ مومن کافر سے ممتاز ہو جاتا ہے؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: خوشحالی اور تنگ دستی کے ساتھ آزمایا، پھر یہ آیت پڑھی: وَنَبِّئُوهُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (انبیاء: 35)

إِنَّ هَؤُلَاءَ لَيَقُولُونَ ۝ إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ۝ فَأْتُوا

بِآبَاءِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

”بے شک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں: نہیں ہے (ہمارے لیے) مگر ہماری (یہی) پہلی موت اور نہ ہمیں

دوبارہ اٹھایا جائے گا بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔“

إِنَّ هَؤُلَاءَ لَيَقُولُونَ ۝ داؤد ضمیر سے مراد قریش کے کفار ہیں إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ یہ مبتدا اور خبر ہے، جس طرح یہ کلام ہے إِنَّ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ (اعراف: 155) اور یہ کلام ہے إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (انعام: 29) وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ۝ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا فَأْتُوا بِآبَاءِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اٹھایا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ منشور دن کا معنی مبعوثون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار قریش میں سے۔ یہ بات کرنے والا ابو جہل تھا، اس نے کہا: اے محمد! سنو! اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو ہمارے آباء میں سے دو آدمی اٹھاؤ! ان

میں سے ایک قصی بن کلاب ہے کیونکہ وہ ایک سچا شخص تھا تا کہ ہم اس سے پوچھ سکیں کہ موت کے بعد کیا ہوا۔ یہ قول ابو جہل کی جانب سے کمزور ترین شبہ ہے، کیونکہ دوبارہ اٹھانا جزا کے لیے ہے احکام کا مکلف بنانے کے لیے نہیں گویا اس نے کہا: اگر آپ اس قول میں سچے ہیں کہ دوبارہ اٹھانا جزا کے لیے ہے تو انہیں دوبارہ مکلف بنانے کے لیے اٹھائیں۔ یہ قائل کے اس قول کی طرح ہے اگر وہ یہ کہتا ہے: اگر ہمارے بعد انہیں سے افراد کو اٹھایا جانا ہے تو آباء میں سے جو گذر چکے ہیں وہ کیوں نہیں لوٹتے۔ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا: فَأْتُوا بِآبَائِنَا یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے جس طرح ارشاد ہے رَبِّهِمْ نَاهِجُونَ ۝ (المومنون) یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو خطاب ہے۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝  
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِلْعَيْنِ ۚ مَا خَلَقْنَاهُمْ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ  
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

”(اے لوگو! ذرا سوچو) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں ہم نے انہیں (بہمہ شوکت و حشمت) ہلاک کر دیا ہے، بے شک وہ مجرم تھے۔ اور انہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔ انہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ یہ استفہام انکاری ہے۔ وہ ایسی بات کر کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، کیونکہ وہ قوم تبع اور ہلاک ہونے والی قوموں سے بہتر نہیں۔ جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ہے تو اسی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ زیادہ نعمتوں والے ہیں اور زیادہ اموال والے ہیں یا تبع کی قوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ زیادہ عزت والے، طاقت ور اور محفوظ ہیں یا تبع کی قوم۔ تبع سے مراد ایک فرد نہیں بلکہ اس سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں۔ یمن والے اپنے بادشاہوں کو تابع کہتے تھے۔ تبع بادشاہ کا لقب تھا جس طرح مسلمانوں کے لیے خلیفہ ہوتا ہے۔ کسری ایرانیوں کا حاکم ہوتا ہے اور قیصر رومیوں کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو تبع کہتے کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی اتباع کرتا۔ جوہری نے کہا: تابع یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں۔ ان کا واحد تبع ہے تبع کا معنی سایہ بھی ہے۔ شاعر نے کہا:

يَرِدُ السَّيَّاهُ حَضِيرَةً وَ نَفِيسَةً وَرَدَّ الْقَطَاةُ إِذَا اسْتَمَالَ التُّبَّعُ

”وہ چشموں پر حضیرہ، نفیضہ (جماعتوں کی صورت) میں وارد ہوتے ہیں جس طرح کونج وارد ہوتی ہیں جب سایہ چھونا ہو جائے۔“ تبع پرندوں کی ایک قسم کو بھی کہتے ہیں۔ سہلی نے کہا: تبع اس بادشاہ کو کہتے جو یمن، شحر اور حضر موت کا مالک ہوتا وہ صرف یمن کا مالک ہوتا تو اسے تبع نہ کہتے؛ یہ مسعودی کا قول ہے۔ تابع میں سے حارث رائس تھا جو ابن ہمال ذی سدو تھا، ابرہہ، دمنار، عمرو ذوالا زمار، شمر بن مالک جس کی طرف سمرقند منسوب ہے۔ افریقیس بن قیس، جس نے بربروں کو کنعان کے مابین سے افریقہ کی طرف نکالا اسی وجہ سے انہیں افریقی کہتے ہیں۔

آیات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کا ارادہ کیا ہے عرب اسے اس نام سے زیادہ جانتے تھے نسبت کسی دوسرے آدمی کے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نہیں جانتا کیا تبع لعین ہے یا نہیں ہے“ (1)۔ پھر نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے ”تبع کو گالیاں نہ دیا کرو کیونکہ وہ مومن تھا“ (2)۔ یہ تیری راہنمائی کرتا ہے کہ وہ ایک معین فرد تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وہ ابو کرب تھا جس نے بیت اللہ شریف پر الحاف چڑھایا تھا بعد اس کے کہ اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا اور اس کو برباد کرنے کا ارادہ کیا تھا، پھر جب اسے یہ بتایا گیا کہ یہ ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہے جس کا نام احمد ہوگا، تو وہ واپس چلا گیا تھا۔ اس نے ایک شعر کہا جسے وہ اس کے مکینوں کے پاس چھوڑ گیا تھا وہ یکے بعد دیگرے اس کے وارث بنتے رہے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے وہ اشعار حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ مکتوب اور شعر حضرت ابوالیوب خالد بن زید کے پاس تھے۔ ان اشعار میں ہے:

شہدت علی أحمد أنه رسول من الله باری الشنة

فلو مڈ عری ائی عسره لکنت وزیرا له وابن عم

میں حضرت احمد پر گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ جو خالق کائنات ہے کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر ان کی عمر تک طویل ہوتی تو میں ان کا وزیر اور ان کا چچا زاد ہوں گا یعنی مددگار، اور دست و بازو۔

زجاج، ابن ابی دنیا، زمخشری اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے دور اسلام میں اس کی صنعاء میں ایک قول کے مطابق حمیر کی اطراف میں، قبر کھودی گئی اس میں دو عورتوں کے وجود پائے گئے ان کے سروں کے پاس چاندی کی تختی پائی گئی جس پر سونے سے لکھا گیا تھا: یہ حسنی اور لمیس کی قبر ہے، یہ روایت بھی کی جاتی ہے: یہ حسنی اور تماضر کی قبر ہے، یہ روایت بھی کی جاتی ہے: یہ رضوی کی قبر ہے (3) اور حسنی کی قبر ہے جو دونوں تبع کی بیٹیاں تھیں وہ دونوں فوت ہوئیں جبکہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیتی تھیں وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں اسی پر اس سے قبل صالح لوگ فوت ہوئے۔

میں کہتا ہوں: ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے جو مکتوب اس نے لکھا تھا اس میں تھا اما بعد میں تجھ پر اور تجھ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لایا، میں تیرے دین اور تیری سنت پر ہوں، میں تیرے رب اور ہر شے کے رب پر ایمان لایا اور میں اس پر ایمان لایا جو تیرے رب کی جانب سے احکام آئے اگر میں نے تجھے پالیا تو بہت بہتر، اگر میں نے تجھے نہ پایا تو میری شفاعت کرنا اور قیامت کے روز مجھے نہ بھولنا۔ میں تیری اس امت میں سے ہوں جو پہلے گنہگار تھے۔ اور میں نے تیرے آنے سے قبل تیرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے میں تیری ملت اور تیرے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔ پھر مکتوب پر مہر لگائی اور اس پر یہ نقش بنایا اللَّهُ لَا مُرْمِسَ قَبْلُ وَ هُنَّ بَعْدُ (الروم: 4) اور اس کے سرنامے پر لکھا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، فی التخییر بین الذنبیاء، جلد 2، صفحہ 286۔ ایضاً، حدیث نمبر 4054، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 280

2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 80، حدیث نمبر 34085



ابی محمد بن عبد اللہ نبی اللہ و رسولہ خاتم النبیین محمد رسول رب العالمین ﷺ من تتبع الأول ہم نے اس کے باقی ماندہ حالات اور اس کا ابتدائی حصہ اللع اللؤلؤیۃ شرح العشر بینات النبویہ جو فارابی کی کتاب ہے میں ذکر کیا ہے۔ وہ دن جس میں تبع فوت ہوا اس دن سے لے کر اس دن تک جس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی ایک ہزار سال کا عرصہ تھا نہ ادا اور نہ کم۔

اس امر میں اختلاف کیا گیا ہے کیا وہ نبی تھا یا بادشاہ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تبع نبی تھا (1)۔ کعب نے کہا: تبع بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اس کی قوم کاہنوں میں سے تھی اور ان کے ساتھ ایک اہل کتاب کی ایک قوم تھی۔ اس نے دونوں فریقوں کو حکم دیا کہ ہر فریق قربانی پیش کرے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اہل کتاب کی قربانی قبول ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تبع کو گالیاں نہ دیا کرو وہ ایک صالح آدمی تھا۔ قتادہ نے بیان کیا ہے: تبع حمیر قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ وہ لشکر لے کر چلا یہاں تک کہ اس نے حیرہ کو عبور کیا اور سمرقند آیا اس نے اس شہر کو گرا دیا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے قتادہ سے روایت کیا ہے: وہ لشکر لے کر چلا یہاں تک کہ حیرہ کو عبور کیا اس نے سمرقند شہر بنایا اس نے لوگوں کو قتل کیا اور شہروں کو برباد کیا۔ کلبی نے کہا: تبع ابوبکر اسعد بن مللیکرب ہے، اس کو تبع اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس نے پہلوں کی پیروی کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہی وہ شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف پر یمن کی دھاری دار چادروں کا غلاف چڑھایا تھا۔ کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی اس کی مذمت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے اس کی مثال بیان فرمائی کیونکہ قریش ان کے قریب رہتے تھے اور ان کی عظمت دلوں میں رکھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان سے قبل کے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ لوگ مجرم تھے تو وہ آدمی جو مجرم ہو جبکہ اس کی طاقت تھوڑی اور تعداد کم ہو تو وہ ہلاک ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ اہل یمن اس آیت پر فخر کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تبع کی قوم کو قریش سے بہتر قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے پہلے حاکم کو تبع اس لیے کہتے کیونکہ اس نے سورج کی ٹکبا کی پیروی کی اور مشرق کی جانب لشکروں کے ساتھ سفر کیا۔

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ، الَّذِينَ مَحَل رَفَعٌ فِيهِمْ اس کا عطف قَوْمٌ تَبِعَ پر ہے أَهْلَكْنَاهُمْ اس کا صلہ ہے مِنْ قَبْلِهِمْ اس کے متعلق یہ بھی جائز ہے کہ مِنْ قَبْلِهِمْ، الَّذِينَ كَاصِلٌ هُوَ ظَرْفٌ فِي ضَمِيرٍ هُوَ جَوَاسِمٌ مَوْصُولٌ كِي طَرَفٌ لَوْ لُغِيَ۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو أَهْلَكْنَاهُمْ دو وجوہ کی وجہ سے ایک وجہ سے ہوگا۔ یا تو اس کے ساتھ قَد کو مضمحل مانا جائے گا تو یہ حال کے محل میں ہوگا یا موصوف کے حذف کو مقدر کیا جائے گا۔ گویا کہا: قوم أَهْلَكْنَاهُمْ تقدیر کلام یہ ہوگی کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے جب ہم ان مذکورہ افراد کو ہلاک کرنے پر قادر ہیں تو ہم مشرکوں کے ہلاک کرنے پر قادر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَ الَّذِينَ مَحَل رَفَعٌ فِيهِمْ ابتدا ہے اور خبر اہلکنا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِينَ مَحَل جَرِّ میں ہو اس کا عطف تبع پر ہو گویا فرمایا تبع کی قوم یہ ان سے قبل ہلاک کی گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ الَّذِينَ مَحَل نصب میں ہو اس کا فعل مضمحل ہو جس پر أَهْلَكْنَاهُمْ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِشِينَ ۝ لَاعِبِينَ كَمَا مَعْنَى غَافِلِينَ ہے؛ یہ مقاتل کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لاهین، یہ کلبی قول ہے مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ۔ الحق سے پہلے الامر مخدوف ہے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ باء، لام کے معنی میں ہے؛ یہ کلبی اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حق قائم کرنے کے لیے، اللہ تعالیٰ کی توحید کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس کی طاعت کو لازم پکڑنے کے لیے۔ سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لوگوں میں سے اکثر اسے نہیں جانتے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

”یقیناً فیصلہ کا دن ان سب کو (دوبارہ زندہ کرنے کے لیے) مقررہ وقت ہے۔“

يَوْمَ الْفَصْلِ سے مراد یوم قیامت ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن میں لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ (الممتحنہ: 3) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِقُونَ ۝ (الروم) یوم الفصل سب کے لیے میقات ہے جس طرح ارشاد فرمایا: إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ (النبأ) یعنی وہ وقت جسے گناہ گار اور نیکیو کار کے درمیان تمیز دینے اور فیصلہ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے، ایک جماعت جنت میں ہوگی اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی۔ یہ حد درجہ کی تحدیر اور وعید ہے۔ قراء کے درمیان مِيقَاتُهُمْ کو رفع دینے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ ان کی خبر ہے اور اس کا اسم یوم الفصل ہے۔ نسائی اور فراء نے مِيقَاتُهُمْ کو ان کی وجہ سے نصب کو جائز قرار دیا ہے اور یوم الفصل ظرف ہے جو ان کی خبر کی جگہ واقع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ان مِيقَاتُهُمْ یوم الفصل۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

”جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہے، بے شک وہ سب پر غالب ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا یوم پہلے یوم سے بدل ہے۔ مولى سے مراد ولی ہے جس سے مراد چچا زاد بھائی اور مددگار ہے یعنی چچا زاد بھائی چچا زاد بھائی کا دفاع نہیں کرے گا۔ کوئی قریبی کسی قریبی کا اور کوئی دوست کسی دوست کا دفاع نہیں کرے گا۔ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ یعنی مومن کافر کا قربت کی وجہ سے دفاع نہیں کرے گا۔ اس آیت کی مثل یہ آیت ہے وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (بقرہ: 48)

إِلَّا مَنْ تَرَاحِمَ اللَّهُ مِنْ مَحَلِّ رَفْعٍ فِيهِ يَنْصَرُونَ ۝ کی خبر سے بدل ہے گویا تو نے کہا لا یقوم أحدٌ إلا فلان یا یہ مبتدا ہے اور خبر مضمّر ہے گویا فرمایا: إلا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ یا اس کو فائدہ دے اور شفاعت کرے اور مدد کرے یا پھر پہلے مولیٰ سے بدل ہے گویا کہا: کوئی فائدہ نہیں دے گا مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ نسائی اور فراء کے نزدیک یہ مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے منسوب ہے، لیکن جس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے جس چیز کے وہ محتاج ہوں گے وہ اس دن انہیں ملے گی یہاں تک کہ وہ مخلوق کو فائدہ پہنچائیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو یعنی کوئی قریبی کسی قریبی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا مگر مومن فائدہ پہنچائیں گے کیونکہ انہیں اجازت دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی شفاعت کریں۔

إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ یعنی وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے دوستوں پر رحم فرمانے والا ہے، جس طرح ارشاد فرمایا: شَدِيدُ الْعِقَابِ ذِي الطُّوْلِ (غافر: 3) وعدے کو وعید کے ساتھ ملایا ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۝ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۝ كَغَلِي

الْحَمِيمِ ۝

”بلاشبہ رقوم کا درخت گناہگار کی خوراک ہوگا، پگھلے تانبے کی مانند پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔“

إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ کتاب اللہ میں جہاں بھی شجرہ کا ذکر آیا ہے تو اس میں ہاء پر وقف ہوا ہے مگر سورہ دخان میں ایک حرف ہے إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ یہ ابن انباری نے کہا الْيَتِيمِ یعنی فاجر۔ حضرت ابو ذر نے کہا: حضرت ابو درداء اور حضرت ابن مسعود نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ہمام بن حارث نے کہا: حضرت ابو درداء ایک آدمی کو پڑھاتے إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ جبکہ وہ آدمی پڑھتا طعام الیتیم جب اس نے اس کو نہ سمجھا تو حضرت ابو درداء نے کہا: طعام الفاجر۔

ابو بکر انباری نے کہا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا ہمیں نصر نے وہ ابو عبید سے وہ نعیم بن حماد سے وہ عبدالعزیز بن محمد سے وہ ابن عجلان سے وہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو إِنَّ شَجَرَتَ الرَّقُومِ ۝ طَعَامُ الْيَتِيمِ ۝ پڑھایا تو اس آدمی نے پڑھا طعام الیتیم حضرت عبداللہ نے اسے صحیح دہرایا اس آدمی نے غلط دہرایا۔ جب حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ اس آدمی کی زبان صحیح الفاظ کو ادا نہیں کر سکتی تو اسے کہا: کیا تو طعام الفاجر اچھی طرح نہیں کہہ سکتا؟ عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: تو اسی طرح کر۔ بے دین لوگوں میں سے جاہلوں کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں کہ قرآن کا کوئی حرف کسی دوسرے حرف سے بدلنا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی جانب سے یہ طرز عمل متعلم کو قریب کرنے اور اسے اس قابل بنانے کے لیے تھا کہ وہ صحیح نقطہ نظر کی طرف لوٹ آئے وہ حق کو استعمال کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے جیسے نازل کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے حکایت بیان کی ہے اسی طرح وہ تعلم کرے۔ زمخشری نے کہا: اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ استعمال کرنا جائز ہے جبکہ وہ کلمہ دوسرے کلمہ کا

معنی دیتا ہو (1)، اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فارسی زبان میں قراءت کو جائز قرار دیا ہے بشرط یہ ہے کہ قاری پورے کے پورے معانی ادا کرے جبکہ ان میں سے کسی چیز کی قطع و برید نہ کرے۔

علماء نے کہا: یہ شرط گواہی دیتی ہے کہ یہ اجازت ایسے ہے جیسے کوئی اجازت نہیں کیونکہ کلام عرب خصوصاً قرآن جو اپنی وضاحت، غرابت نظم اور اسالیب میں معجز ہے اس میں معانی اور اغراض کے لیے لطائف ہیں جن کی فارسی وغیرہ زبان ادائیگی میں مستقل نہیں۔ امام ابوحنیفہ فارسی زبان کو اچھی طرح نہیں جانتے تھے یہ قول آپ سے تحقیق و تبصر کی بنا پر ثابت نہیں۔

غلی بن جعد، ابو یوسف سے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے صاحبین کے قول کے موافق روایت کرتے ہیں کہ فارسی زبان میں قراءت جائز نہیں۔

شَجَرَتُ الزَّقْوِمِ وہ درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں پیدا کیا ہے اور اسے شجرہ ملعونہ کا نام دیا ہے۔ جب جہنمیوں کو بھوک لگے گی تو اس کی پناہ لیں گے اور اس سے کھائیں گے تو وہ ان کے پیٹوں میں یوں جوش مارنے لگے گا جس طرح گرم پانی جوش مارتا ہے۔ ان کے پیٹوں میں زقوم سے جو چیز بنے گی اسے مہل سے تشبیہ دی وہ پگھلا ہوا تانبا ہے۔ عام قراءت کی قراءت تغلی تاء کے ساتھ ہے، اسے شجرہ پر محمول کیا۔

ابن کثیر، حفص، ابن محیص اور روایں نے یعقوب سے یَعْلَى پڑھا ہے یہ کھانے پر محمول ہوگا۔ وہ شجرہ کے معنی میں ہے۔ اسے مہل پر محمول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کا ذکر تشبیہ کے لیے ہے اَلْاَثِيم سے مراد اشم ہے یہ اشم یا اشم اشتاق مشتق ہے: یہ قشیری اور ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا شرک ہے جو گناہ کرنے والا ہو (2)؛ یہ یحییٰ بن سلام نے کہا۔ صحاح میں ہے اشم الرجل اشم ماشا، یعنی وہ گناہ میں پڑ گیا، اس کے لیے اسم فاعل کا صیغہ اشم، اشم اور اشم استعمال ہوتا ہے۔ طَعَامُ الْاَثِيمِ کا معنی ہوگا یہ گناہ گار فاجر کا کھانا ہے وہ ابو جہل ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے کہا تھا: (حضرت) محمد (ﷺ) ہمیں دھمکی دیتے ہیں کہ جہنم میں زقوم ہے اس سے مراد وہ شجرہ ہے جس میں مکھن اور کھجور ہو۔ اس نے جو کہا اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف وضاحت کی۔ نقاش نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ شجرہ زقوم سے مراد ابو جہل ہے (3)۔

میں کہتا ہوں: مجاہد سے اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہم نے سورہ صافات اور سبحان (سورہ اسراء) میں جو ذکر کیا ہے اس کے ساتھ رد ہو جاتا ہے۔

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ اِلٰی سَوَاءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ

الْحَحِيْمِ ۝

”(حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں، پھر اندلیو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی اسے عذاب دینے کے لیے۔“

خُذُوهُ زبانیہ سے کہا جائے گا: اسے پکڑو یعنی پناہ کا رو پکڑو۔ فَاعْتِلُوهُ اسے کھینچو اور اسے بانٹو۔ عتلت سے مراد اسے کھینچنا ہے۔



آدمی کا گریبان پکڑے اور اسے اپنی طرف کھینچے تاکہ تو اسے قید خانہ اور یا کسی اور امتحان کی طرف لے جائے۔ عتلت الرجل اعتلہ، اعتلہ عتلا۔ جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے رجل معتل۔ شاعر نے گھوڑے کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

نَفَرَعُهُ فَرَعًا وَلَسْنَا نَعْتِلُهُ

ہم اس گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیتے ہیں ہم اسے گھسیٹتے نہیں۔ اس میں دو لغتیں ہیں عتلتہ، عتلتہ۔ یہ ابن سکیت نے کہا: کوفیوں اور ابو عمرو نے کہا: فَاَعْتَلُوْهُ یعنی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا اور باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِيْمِ یعنی جحیم کے وسط میں ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ⑤۔ مقاتل نے کہا: مالک فرشتہ جو جہنم کا خازن ہے وہ ابو جہل کے سر پر لوہے کا ایک ہنٹر مارے گا تو ابو جہل کا سر دماغ والی جگہ سے لپٹ جائے گا تو اس کا دماغ اس کے جسم پر بہ جائے گا۔ پھر مالک فرشتہ اس میں کھولتا ہوا پانی انڈیلے گا جس کی گرمی انتہاء کو پہنچی ہوگی تو وہ پانی اس کے پیٹ میں جا پہنچے گا تو فرشتہ کہے گا: عَذَابِ كَمَا رَأَيْتُمْ اِسْمَ الْحَمِيْمِ ⑥ (الحج)

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ⑦ اِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُوْنَ ⑧

”لو چکھو تم بڑے معزز (و مکرم) ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔“

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ⑦ ابن انباری نے کہا: عوام نے اِن کے کسرہ پر اتفاق کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اُن ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے۔ نسائی نے اسی طرح پڑھا ہے جس نے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے اس نے ذُق پر وقف کیا ہے۔ جس نے ہمزہ کو فتح دیا ہے اس نے ذُق پر وقف نہیں کیا کیونکہ معنی ہے تم چکھو کیونکہ تو عزیز و کریم ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ابو جہل کے حق میں آیت نازل ہوئی (1)، اس نے کہا تھا: اس وادی میں مجھ سے بڑھ کر قوت والا اور معزز نہیں اسی وجہ سے اسے کہا گیا: ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ⑦ عکرمہ نے کہا: نبی کریم ﷺ اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے کہوں اولیٰ لك فادلی ابو جہل نے کہا: تو کس چیز کے ساتھ مجھے دھمکی دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! تو اور تیرا رب طاقت نہیں رکھتے کہ تم میرے ساتھ کچھ معاملہ کرو، میں اس وادی کا غالب ترین شخص ہوں اور اپنی قوم کا معزز ترین فرد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر کے دن قتل کر دیا اور اسے ذلیل و رسوا کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی یعنی اسے فرشتہ کہے گا: چکھو تم اپنے گمان کے مطابق معزز و مکرم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استخفاف، تو بیخ، استہزاء، اہانت اور تنقیص کے معنی میں ہے، یعنی اسے کہا: تو ذلیل و رسوا ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کو کہا تھا: اِنَّكَ لَا اَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ⑨ (ہود) ایک تاویل کے مطابق وہ اس سے سفیہ و جاہل مراد لیتے: یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ اِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُوْنَ ⑧ یعنی فرشتے انہیں کہیں گے: یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق تم دنیا میں شک کیا کرتے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ  
وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾

”یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغات میں اور (بہتے ہوئے) چشموں میں پہنے ہوئے ہوں گے  
لباس باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔“

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مستقر اور عذاب کا ذکر کیا تو مومنوں کی مہمانی اور نعمتوں  
کا ذکر کیا۔ نافع اور ابن عامر نے فی مقام پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ نسائی نے کہا: مقام سے مراد  
مکان ہے اور مقام سے مراد اقامت بھی ہے جس طرح شاعر نے کہا

عفت الديار مَحَلُّهَا فَمَقَامُہ

گھر یعنی اترنے کی جگہیں اور اقامت کی جگہیں ناپید ہو گئے۔

جوہری نے کہا: مقام اور مقام دونوں میں سے ہر ایک اقامت کے معنی میں ہوتے ہیں، بعض اوقات یہ قیام کی جگہ کے  
لیے بھی لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ جب تو اسے قام یقوم سے مشتق مانے تو یہ مقام ہوگا اور اگر تو اسے اقام یقیم سے مشتق مانے  
تو مقام ہوگا کیونکہ جب فعل غیر ثلاثی ہو تو اسم ظرف کے صیغہ میں میم مضموم ہوگا، کیونکہ ایسا فعل رباعی کے مشابہ ہوتا ہے جس  
طرح دحرج سے مدحرج۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقام کا معنی حاضر ہونے کی جگہ اور مجلس ہے اور مقام اس سے مکان مراد  
لینا ممکن ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مصدر ہو اس میں مضاف مقدر ہو یعنی ٹھہرنے کی جگہ۔

أَمِينٍ ﴿٥١﴾ اس میں آفات سے امن ہوتا ہے فی جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ یہ فی مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ سے بدل ہے۔

يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے وہ ایک دوسرے کی طرف  
منہ کیے ہوں گے ان کی مجلس گردش کرے گی جہاں وہ گردش کریں گے۔ سندس سے مراد وہ ریشم ہے جو باریک ہو، استبرق  
سے مراد وہ ریشم ہے جو موٹا ہو۔ سورہ کہف میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

كَذَلِكَ ۖ وَرَوَّاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

”ہاں یونہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم عورتوں سے۔“

كَذَلِكَ امر اسی طرح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ كَذَلِكَ پر وقف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جس طرح ہم نے  
انہیں جنت میں داخل کیا اور ان کے ساتھ معاملہ کیا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی طرح ہم نے انہیں عزت دی کہ ان کی  
شادی حور عین سے کر دی۔ عین کے بارے میں گفتگو سورہ صافات میں گذر چکی ہے۔ حور کا معنی سفید ہے (1)، یہ قتادہ اور عام  
علماء کا قول ہے۔ یہ حوراء کی جمع ہے۔ حوراء کا معنی سفید ہے، جس کی پنڈلی اس کے کپڑے کے باہر سے دکھائی دے گی اور

دیکھنے والا اپنا چہرہ اس کے پستان سے دیکھ لے گا جس طرح آئینہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کی جلد بڑی باریک چمڑہ تر و تازہ اور رنگ صاف ہوگا۔ اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں بعیس عین ہے۔ ابوبکر انباری نے احمد بن حسین سے وہ حسین سے وہ عمار بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہا: میں نے منصور بن معتمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے حم الدخان میں بعیس عین لایذوقون طعم الموت إلا الموتة الاولى پڑھا۔ عیس کا معنی سفید ہے اسی وجہ سے سفید اونٹوں کو عیس کہتے ہیں اس کا واحد بعیداعیس ہے اور ناقة عیساء ہے۔ امرؤ القیس نے کہا

يُرْعَنُ إِلَى صَوْتِ إِذَا مَاسَعَنَهُ كَمَا تَرْعَوِي عِيْظَ إِلَى صَوْتِ أُغَيْسَا

وہ میری آواز کی طرف لوٹ آتی ہیں جب وہ اسے سنتی ہیں جس طرح جوان اونٹنی اونٹ کی آواز کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہاں حور کا معنی ہے خوبصورت، روشن، سفید۔ ابن مبارک نے ذکر کیا معمر ابواسحاق سے وہ عمرو بن میمون اودی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: حور عین میں سے عورت ایسی ہوگی جس کی پنڈلی کا گودا گوشت اور ہڈی اور ستر حلوں کے نیچے سے دکھائی دے گا جس طرح سرخ شراب سفید شیشے میں دکھائی دیتا ہے۔ مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ آنکھ ان کے حسن، سفیدی اور رنگ کی صفائی میں حیران ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں حور ہوگا۔ حور سے مراد آنکھوں میں شدید سیاہی میں انتہائی سفیدی ہے۔ امرؤ حوراء اسے کہتے ہیں جس کی حور واضح ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: أحورت عينه إحوراراً، أحور الشيء یعنی وہ شے سفید ہوگئی۔ اصمعی نے کہا: میں نہیں جانتا آنکھوں میں حور کیا ہوتی ہے؟ ابو عمرو نے کہا: حور یہ ہے کہ ساری آنکھ سیاہ ہو جائے جس طرح ہرنوں اور گائیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں کہا: انسانوں میں حور نہیں ہوتا عورتوں کو حور العین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہرنوں اور گائیوں کے مشابہ ہوتی ہیں۔ عجاج نے کہا۔

بأعين مُحَوَّرَاتٍ حُورٍ

یعنی ایسی آنکھیں جو صاف سفید ہوں جس کی دھیری سخت سیاہ ہو۔ عین، عیناء کی جمع ہے اس سے مراد کھلی بڑی آنکھوں والی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حور عین کا مہر کھجور کی مٹھ اور روئی کا مکڑا ہوگا“ (1)۔

حضرت ابو قرصافہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”مسجدوں سے کوڑا کرکٹ کا نکالنا حور عین کا مہر ہے“ (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ”مساجد میں جھاڑو دینا یہ حور عین کا مہر ہے“ (3)۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے ہم نے کتاب التذکرہ میں اس بارے میں ایک الگ باب باندھا ہے۔ الحمد للہ۔

اس میں اختلاف ہے کہ جنت میں افضل کون ہے انسانوں میں سے عورتیں یا حوریں؟ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے: رشیدین، ابن النعم سے وہ حبان بن ابی جلدہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے عورتیں جو جنت میں داخل ہوں گی انہیں دنیا میں اعمال کی وجہ سے حور عین پر فضیلت دی جائے گی۔

مرفوع روایت ہے کہ ”انسانوں میں سے عورتیں، حور عین میں سے ستر ہزار گنا فضیلت والی ہوں گی“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حور عین افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں کہا: وَأَبْدِلْهُ زَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ (1) اسے بیوی عطا فرما جو اس کی اس بیوی سے بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: پُحُوْ بِرَ عَيْنٍ يَه مُضَاف، مضاف الیہ ہے پُحُوْ بِرَ عَيْنٍ میں اضافت اور تنوین برابر ہیں۔

يَذْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمْنِينَ ﴿٥٥﴾

”وہ منگوا لیا کریں گے وہیں ہر قسم کا پھل اطمینان سے“۔

قنادہ نے کہا: آمْنِينَ ﴿٥٥﴾ وہ موت سے، بیماری سے اور شیطان سے محفوظ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جو نعمتیں ہیں ان کے انقطاع سے امن میں ہوں گے یا اس چیز سے امن میں ہوں گے کہ ان چیزوں کے کھانے سے انہیں کوئی تکلیف یا ناپسندیدہ چیز لاحق ہو سکتی ہے۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَّعَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ

رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾

”نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے اور اللہ نے بچا لیا انہیں عذاب جہنم سے محض آپ کے رب کی مہربانی سے یہی وہ بڑی کامیابی ہے (جس کی انہیں آرزو تھی)“۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ لیکن پہلی موت کا ذائقہ انہوں نے دنیا میں چکھ لیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الا، بعد کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: ما اكلت رجلا اليوم الا رجلا عندك۔ اس میں الا رجلا بعد رجلا عندك کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: الا، سوی کے معنی میں ہے یعنی سوائے اس موت کے جس کا ذائقہ دنیا میں انہوں نے چکھ لیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَتَكَبَّرْ خُفَا مَّا نَكَّبَ اَبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء: 22) یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: ما اذقت اليوم طعاما سوى ما اكلت امس میں نے آج کوئی کھانا نہیں کھایا سوائے اس کے جو میں نے کل کھایا تھا۔

قہمی نے کہا: اِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ اس کا معنی ہے مومن جب موت کے قریب جاتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور وہ روح و ریحان سے ملاقات کرتا ہے جنت میں اس کی موت اس کے اسباب کے ساتھ متعصف ہونے کی بنا پر ہوگی۔ استثناء صحیح ہے موت ایک عرض ہے اس کو چکھنا نہیں جاتا لیکن اسے کھانے کی طرح بنا دیا گیا ہے جس کا چکھنا ناپسند کیا جاتا



ہے تو ذوق کا لفظ بطور مجاز ذکر کیا جاتا ہے۔

وَوَقَّعَهُمُ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾ فَضْلًا مِّنْ تَرَتُّبِكَ ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے فَضْلًا یہ مصدر ہے جس کا یدعون عامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل وَوَقَّعَهُمُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فعل مضمر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عامل اس کلام کا معنی ہے جو اس سے قبل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں ایسے اعمال کی توفیق دی جن کے باعث وہ جنت میں داخل ہوتے۔

ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٢﴾ یعنی سعادت، عظیم نفع اور عظیم نجات۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے فاذبکذا یعنی اسے پایا اور اس کے ساتھ کامیاب ہوا۔

فَإِنَّمَا يَسَّرُنَا بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٣﴾ فَأَمَّا تَقَبُّبُ انَّهُمْ مُّزْتَقَبُونَ ﴿٥٤﴾

”پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔“

فَإِنَّمَا يَسَّرُنَا بِلِسَانِكَ یعنی قرآن، ہم نے اسے آپ کی زبان پر نازل کر کے آپ پر اور جو بھی اسے پڑھے اس پر آسان کر دیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٣﴾ ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کریں اور اپنے برے اعمال سے رک جائیں اسکی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ﴿٥٤﴾ (القدر) اس سورت کا اختتام قرآن کی اتباع پر براہیختہ کرنے پر کیا ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح سورت کے آغاز میں ہوا اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُدَرٍّ ﴿٥٥﴾ اور اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿٥٦﴾ (القدر) جس طرح پہلے گذر چکا۔ فَأَمَّا تَقَبُّبُ انَّهُمْ مُّزْتَقَبُونَ ﴿٥٤﴾ میں نے آپ سے ان کے خلاف جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کیجئے جس طرح وہ آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں، نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کی جانب سے فتح کا انتظار کیجئے جس طرح وہ اپنے گمان کے مطابق تجھ پر غلبہ پانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جس طرح وہ تیرے بارے میں حادثات کا انتظار کر رہے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے تجھ سے ثواب کا جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کرو وہ اس طرح ہیں گویا میں نے ان سے جو عقاب کا وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم قیامت کا انتظار کرو کیونکہ وہ فیصلہ کا دن ہے اگرچہ وہ اس کے وقوع کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ انہیں انتظار کرنے والا بنادیا گیا ہے کیونکہ ان کا انجام یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

## سورۃ الجاثیہ

﴿لہا ۲۷ آیت﴾ ﴿۲۵ سورۃ المائدہ﴾ ﴿۱۵ آیت﴾ ﴿۲ رکوعا﴾ ﴿۲﴾

یہ تمام سورت مکی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، حضرت جابر اور عکرمہ کا قول ہے (1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مدنی ہے وہ ہے قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ ذُنُوْبَہُمْ لَا یَزِجُوْنَ اٰیٰتَ اللّٰہِ حضرت عمر بن خطاب کے متعلق مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (2)۔ مہدوی اور نحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (3)۔ ہجرت سے قبل مشرکوں میں سے ایک آدمی نے آپ کو گالیاں دی تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ آیت کو نازل فرمایا پھر یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ کر دی گئی۔ فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ (توبہ: 5) اس تعبیر کی بنا پر یہ ساری سورت مکی ہے۔ اس کی سینتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی چھتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمْدٌ ۙ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝۱

”ح۔ میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔“

حَمْدٌ ۝۱ یہ مبتدا ہے تَنْزِیْلُ یہ خبر ہے بعض نے کہا: حَمْدُ سورت کا نام ہے تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مبتدا ہے اس کی خبر مِنْ اللّٰہِ ہے کتاب سے مراد قرآن ہے الْعَزِیْزُ کا معنی زبردست محفوظ الْحَکِیْمُ اپنے افعال میں حکمت والا۔ ان تمام کلمات کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۲ وَ فِیْ خَلْقِکُمْ وَ مَا یَبْهِتُ مِنْ دَآبَّۃٍ

اٰیٰتٍ لِّتَقُوْا ۝۳ وَ اٰخْتِلَافِ الْیَلِّ وَ النَّہَارِ وَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ

رِزْقٍ فَاٰخِیَاہُ الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِہَا وَ تَصْرِیْفِ الرِّیْحِ اٰیٰتٍ لِّتَقُوْا ۝۴

”بے شک آسمانوں اور زمین میں (اس کی یکتائی) (قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے۔ اور (خود) تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو وہ پھیلا رہا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں نیز گردش لیل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق (کاسبب مینہ) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلنے میں نشانیاں



تِلْكَ آيَاتُ يَهْدِي اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي آيَاتٍ هِيَ لَئِي دَلَالٍ اُور براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ نَتْلُوها عَلَیْكَ بِالْحَقِّ حَق سے مراد صدق ہے، یعنی یہ ایسی آیات ہیں جو باطل نہیں اور جن میں جھوٹ نہیں۔ اسے یَتْلُوها پڑھا گیا ہے۔ فَبِآئِی حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے قرآن کے بعد۔ وَآیَاتِہِ یُؤْمِنُوْنَ ۝ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے۔ ابن محیسن اور ابو بکر نے عاصم سے، حمزہ اور کسائی نے تو مبنون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَيُلِّ لِكُلِّ اَقَالٍ اَشِیْمٍ ۝ یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُثْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا کَانَ لَمْ

یَسْمَعُهَا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابِ اَلِیْمٍ ۝

”ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لیے جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) ازار ہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں۔“

وَيُلِّ لِكُلِّ اَقَالٍ اَشِیْمٍ ۝ وَيُلِّ جہنم میں ایک وادی ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کی آیات سے استدلال کو ترک کرتا ہے اس کے لیے دھمکی ہے اَقَالٍ کا معنی کذاب ہے۔ افک کا معنی جھوٹ ہے اَشِیْم گناہ کا ارتکاب کرنے والا مراد ہے نصر بن حارث۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد حارث بن کلدہ ہے۔ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے: مراد ابو جہل اور اس کے ساتھی ہیں۔

یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُثْلٰی عَلَیْہِ آیات اللہ سے مراد قرآن کی آیات ہیں ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا وہ اپنے کفر میں بہت دور نکل گیا ہے اور اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے یہ صَرَّ الصُّرَّة سے ماخوذ ہے جب وہ تھیلی کو باندھے؛ یہ معنی حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ اصْرُ الحصار علی العانة ہے وہ اپنے کان کھڑے کر کے اس کی طرف مڑتا ہے۔ کان میں اُن مثقلہ سے مخففہ ہے گویا اس نے اس کو سنا ہی نہیں ضمیر ضمیر شان ہے جس طرح اس مصرعہ میں اسم ضمیر شان مخدوف ہے:

كَانَ طَبِیۡۃً تَغْطُوۡا لٰی نَاضِرَ السِّنَمِ گویا ہرن ترو تازہ سلم کے درخت سے کھاتا ہے۔

جملہ کا محل نصب ہے یعنی کان اس طرح کھڑے کرتا ہے جس طرح نہ سننے والا کان کھڑے کرتا ہے۔ سورہ لقمان کے آغاز میں اس آیت کا معنی گزر چکا ہے۔ فَبَشِّرْہُ بِعَذَابِ اَلِیْمٍ ۝ کا معنی بھی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا اتَّخَذَ ہَا هُزُوًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ ۝

وَ اٰرَہُمْ جَہَنَّمَ ۚ وَلَا یُغْنِی عَنْہُمْ مَا کَسَبُوْا شَیْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

اُولِیَآءَ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝



”اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے، یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنایا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔“

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَ هَٰؤُلَاءِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ دُخَانًا فَلَمْ يَذُوقُوا فَلَمْ يَذُوقُوا دُخَانًا فَلَمْ يَذُوقُوا  
جہنم کے داروغوں کے بارے میں کہتا: اگر وہ انہیں ہیں تو میں اکیلا انہیں کافی ہو جاؤں گا۔ اُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ①  
مُهِينٌ سے مراد ذلیل و رسوا کرنے والا ہے۔ مِنْ وَرَاءِ آيَاتِنَا جَهَنَّمَ دُخَانًا میں جس غلبہ میں تھے اور حق سے تکبر کیا کرتے تھے  
اب ان کے آگے جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ وَرَاءِ آيَاتِنَا جَهَنَّمَ ان کے آگے جہنم ہے۔ اس کی مثل قَوْلِ  
وَءَايَاتِهِمْ جَهَنَّمَ وَيُسْقَوْنَ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ② (ابراہیم) یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ شاعر نے کہا:

أليس ورائي إن تراخت منيتي أدب مع ولدان أرحف كالشمر

اگر میری موت موخر ہو جائے تو کیا میرے آگے ایسا وقت نہیں کہ میں بچوں کے ساتھ ریٹگوں گا اور گدھ کی طرح گھسٹوں گا۔  
وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا عَنِ الْمَالِ أَوْ الْأَوْلَادِ مِنْ سِوَا اللَّهِ نَفْعٌ نَدَىٰ ۚ أُولَٰئِكَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ  
لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا (آل عمران: 10) یہاں بھی مراد مال اور اولاد ہے۔ وَلَا مَا تَخْلُؤُا مِنْ  
دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ مراد بت ہیں وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ③ یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا اور تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

هَٰذَا هُدًىٰ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ④

”یہ قرآن سراپا ہدایت ہے، اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لیے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے۔“

هَٰذَا هُدًىٰ یہ مبتدا خبر ہے یعنی قرآن سراپا ہدایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو  
حضرت محمد ﷺ لائے وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ جَهَنَّمَ نے اللہ تعالیٰ کے دلائل کا انکار کیا لَّهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ⑤  
الْهِيم ⑥ رجز سے مراد عذاب ہے، یعنی ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَنزَلْنَا عَلَى  
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ جَحْدًا مِنَ السَّمَاءِ (بقرہ: 59) رجز سے مراد عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجز سے مراد ناپاک شے  
ہے جس طرح رجز ہوا کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَيُسْقَوْنَ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ⑦ (ابراہیم) یعنی گندہ  
مشروب پینے کی صورت میں ان کے لیے عذاب ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی واقع ہوا ہے ابن محیسن نے راء کو ضمہ دیا ہے۔ ابن  
کثیر، ابن محیسن اور حفص نے الْهِيم کو مرفوع پڑھا ہے معنی ہے ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو رجز ہے۔ باقی قراء نے  
الْهِيم کو مجرور پڑھا ہے، یہ رجز کی صفت ہے۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِ ۙ وَلِتَسْتَبْغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِيْ  
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

”اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے  
اور تاکہ (تم بحری تجارت سے) تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو اور مسخر کر دیا ہے  
تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے، بے شک اس  
(نظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

اللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لَتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے  
اپنی کمال قدرت اور اپنے بندوں پر تمام نعمت کا ذکر کیا اور اس امر کی وضاحت کی کہ جو کچھ پیدا کیا وہ لوگوں کے منافع کے  
لیے پیدا کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فعل، اس کی تخلیق اس کا احسان اور انعام  
ہے۔ حضرت ابن عباس، حمد ری اور دوسرے علماء نے جَمِيعًا مِّنْهُ پڑھا ہے یعنی میم مکسور، نون مشدّد اور هاء پر تنوین ہے۔ یہ  
مفعول مطلق کے طریقہ پر منصوب ہے۔ ابو عمرو نے کہا: میں نے مسلمہ سے اسی طرح سنا کہ انہوں نے اسے مِّنْهُ پڑھا، یعنی  
فضل و کرم کے طریقہ پر۔

مسلم بن محارب نے اسے جَمِيعًا مِّنْهُ پڑھا ہے کہ من کا لفظ هاء کنا یہ کی طرف منسوب ہے۔ ابو حاتم کے نزدیک یہ مبتدا  
محذوف کی خبر ہے یعنی ذلک وہو منہ۔ جماعت کی قراءت ظاہر ہے۔

قُلْ لِلّٰزِيْنِ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلّٰزِيْنِ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا  
يَكْسِبُوْنَ ۝

”(اے حبیب) فرمائیے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں  
کی تاکہ اللہ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے۔“

قُلْ لِلّٰزِيْنِ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلّٰزِيْنِ کے جواب کی وجہ سے يَغْفِرُوْا مجزوم ہے اسے شرط و جزا کے ساتھ تشبیہ دی، جس طرح تیرا  
قول ہے: قُمْ تُصَبِّحْ خِيْرًا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَغْفِرُوْا لام کے حذف کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس  
معنی کی بنا پر یہ مجزوم ہے قل لہم اغفروا ایغفروا یہ امر محذوف کا جواب ہے جس امر پر کلام دلالت کرتی ہے۔ یہ علی بن عیسیٰ  
نے قول کیا ہے، ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے۔ یہ آیت اس سبب سے نازل ہوئی (1) کہ قریش کے ایک آدمی نے حضرت عمر  
بن خطاب کو گالیاں دیں تو آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول صحیح نہیں۔ واحدی، قشیری اور دوسرے

علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں نازل ہوئی جو ان کا معاملہ غزوہ بنی مصطلق میں عبد اللہ بن ابی کے ساتھ ہوا تھا (1) یہ سب لوگ ایک چشمہ پر فروکش ہوئے جسے مریمع کہا جاتا۔ عبد اللہ نے اپنا غلام پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے واپس آنے میں دیری کی۔ عبد اللہ بن ابی نے پوچھا: کس چیز نے تجھے روک رکھا؟ اس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب کے غلام نے وہ کنویں کے منہ پر بیٹھ گیا اس نے کسی کو بھی پانی بھرنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور اپنے آقا کا مشکیزہ بھرا۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا: ہماری اور ان کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح کہا گیا سَبَّحَ کَبِکَ یَا کَلِکَ اپنے کتے کو موٹا کرو کہ وہ تمہیں کھا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پہنچ گئی آپ نے تلوار لی آپ اس کی طرف جانا چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما دیا: یہ عطا کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی: **مَنْ ذَا الَّذِیْ یَقْرَضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔** مدینہ کا یہودی جس کو فحاص کہا جاتا اس نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب محتاج ہو گیا ہے۔ کہا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سنی تو آپ نے تلوار لی اس کی تلاش میں نکلے جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا: **ان ربک یقول لک قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ ذُنُوْبَهُمْ لَا یَرْجُوْنَ اٰیٰمَ اللّٰہِ** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لی ہے اور یہودی کی تلاش میں نکلے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی تلاش میں آدمی بھیجا جب حضرت عمر آگئے فرمایا: ”اے عمر! اپنی تلوار رکھ لو“ عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تیرا رب کہتا ہے قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ ذُنُوْبَهُمْ لَا یَرْجُوْنَ اٰیٰمَ اللّٰہِ“ عرض کی: کوئی حرج نہیں جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ میرے چہرے پر غضب نہ دیکھیں گے۔

میں کہتا ہوں: مہدوی اور نحاس نے جو ذکر کیا ہے وہ ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: یہ قرطبی اور سدی کا قول ہے۔ اسی قول کی بنا پر آیت میں نسخ کی طرف توجیہ کی جاتی ہے اور یہ کہنا کہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے یا غزوہ بنی مصطلق میں نازل ہوئی ہے تو یہ منسوخ نہیں۔ **یَغْفِرُ ذُنُوْبَهُمْ** کا معنی معاف کرنا اور درگزر کرنا ہے۔ **لَا یَرْجُوْنَ اٰیٰمَ اللّٰہِ** کا معنی ہے وہ اس کے ثواب کی امید نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور انتقام سے خوف نہیں کھاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجاء کا معنی خوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **مَا لَکُمْ لَا تَتَزَجُّوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا** (نوح) تم اس کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے؟ تم سابقہ امتوں کے عذاب کی مثل سے نہیں ڈرتے۔ ایام سے مراد بڑے واقعات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بعث (دوبارہ اٹھائے جانے) سے نہیں ڈرتے۔

**لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ** عام قراءت **لِیَجْزِیَ** ہے معنی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جزا دے۔ حمزہ، نسائی اور ابن

عامر نے لہجہ پڑھا ہے۔ جمع متکلم کا صیغہ تعظیم کے طریقہ پر ہے۔

ابو جعفر، اعرج اور شبیہ نے لہجہ پڑھا ہے، فعل مجہول ہے۔ قَوْمًا یہ منصوب ہے۔ ابو عمرو نے کہا: وہ واضح غلطی ہے۔ نسائی نے کہا: اس کا معنی ہے لیجزی الجزاء قوم ما قوم کو جزادی جاتی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكَذَلِكَ نُجَيِّدُ الْمُؤْمِنِينَ ⑤ (الانبیاء) یہ ابن عامر اور ابو بکر کی سورۃ الانبیاء میں قرائت ہے۔ شاعر نے کہا:

وَلَوْ وَلَدْتُ قَفِيرَةً جَزَوُكَلْبٍ لَسُبْتُ بِذَلِكَ الْجَزُو الْكَلْبَا

اگر قفیرہ کتے کے پلے کو جنم دیتی تو اسی پلے کی وجہ سے کتوں کو گالیاں دی جاتیں۔

تو اس کی تعبیر یہ ہے لَسُبْتُ السَّبَّ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ⑥ وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ⑦ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ⑧

”جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیے پس آپس میں انہوں نے جھگڑنا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق) کا صحیح علم آگیا محض باہم حسد و عناد کے باعث، یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا... اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ الْكِتَابَ سے مراد تورات ہے وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ حکم سے مراد کتاب کا فہم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حکم سے مراد لوگوں پر حکم چلانا اور فیصلہ کرنا ہے۔ النُّبُوَّةَ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک انبیاء ہیں۔

وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ طیبات سے مراد غذاؤں، پھلوں اور کھانوں میں سے حلال چیزیں جو ملک شام میں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تہ کے ریگستان میں من و سلوی ہے۔ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ⑦ یعنی ان کے زمانہ کے عالم۔ جس طرح اس کی وضاحت سورہ دخان میں گزر چکی ہے۔

وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اور آپ



کی نبوت کے شواہد ہیں (1) کہ آپ تہامہ سے یثرب کی طرف ہجرت کریں گے اہل یثرب آپ کی مدد کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بَيِّنَاتٌ مِّنَ الْأُمُورِ سے مراد شرعی احکام ہیں جو حلال و حرام میں واضح ہیں اور معجزات ہیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے ان میں سے بعض ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر کیا (2)؛ یہ نقاش نے بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِلَّا مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ سے مراد نبی کریم ﷺ کی نبوت ہے پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔

بَيِّنَاتٌ مِّنْهُمْ نَبِيٌّ کریم ﷺ پر جسد کرنے کی بنا پر (3)؛ یہ معنی ضحاک نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَيِّنَاتٌ کا معنی ہے بعض بعض پر بغاوت کرتے ہیں اور فضل و سردازی کو طلب کرتے ہیں اور انہوں نے انبیاء کو قتل کیا، اسی طرح تیرے زمانے کے مشرک ہیں اے محمد! ﷺ ان کے پاس بینات آگئیں لیکن انہوں نے بینات سے اعراض کیا کیونکہ وہ ریاست میں باہم مقابلہ کرتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم تیرا رب ان کو حکم دیتا ہے اور ان کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ⑤ وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمُورِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑥

”پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمُورِ لغت میں شریعت سے مراد مذہب اور ملت ہے۔ پانی کے گھاٹ کو شریعہ کہتے ہیں اسی سے لفظ شارع ہے کیونکہ یہ مقصد کی طرف جانے کا راستہ ہے شریعت اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین شروع کیا ہوتا ہے۔ اس کی جمع شرائع ہے۔ دین میں شرائع سے مراد وہ مذاہب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مشروع کیے ہوتے ہیں۔ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمُورِ کا معنی ہے یعنی دین کے معاملہ میں واضح منہاج جو تجھے حق کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَلَىٰ شَرِيعَةٍ کا معنی ہے دین کے معاملہ میں ہدایت پر۔ قتادہ نے کہا: شریعت سے مراد امر، نہی، حدود اور فرائض ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی بینہ ہے کیونکہ یہ حق کی طرف واضح راستہ ہے۔ کلبی نے کہا: مراد السنۃ ہے کیونکہ اس کے ذریعے ماقبل انبیاء کے راستہ پر چلا جاتا ہے (4)۔ ابن زید نے کہا: مراد دین ہے کیونکہ وہ نجات کا راستہ ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: امر کا لفظ لغت میں دو معنوں میں وارد ہوتا ہے۔ 1۔ یہ شان کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاتَّبِعُوا أَمْرًا مَّرْفُوعًا وَمَا أَمْرًا مَّرْفُوعًا بِرَشِيدٍ ⑥ (ہود) 2۔ کلام کی وہ قسم ہے نہی جس کے مقابل ہوتی ہے دونوں معانی کو یہاں مراد بنانا صحیح ہے تقدیر کلام یہ ہوگی پھر ہم نے تجھے دین کے طریقہ پر

چلایا یہ ملت اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَمْ أَؤْخِضْنَا إِلَيْكَ أَنْ أَتْبِعُ مِثْلَهُ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ** (النحل)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توحید، مکارم اخلاق اور مصالح میں شرائع میں کوئی فرق نہیں رکھا فرعی مسائل میں فرق کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم محیط تقاضا کرتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن عربی نے کہا: جو لوگ علوم میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں ہماری شریعتیں نہیں کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اس کی امت کو شریعت میں خاص کیا ہے۔ ہم اس بات کا تو انکار نہیں کرتے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت شریعت میں منفرد ہے اختلاف اس امر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماقبل شریعتوں کے بارے میں مدح اور ثنا کے انداز میں خبر دی ہے کیا اس کی اتباع لازم ہے یا نہیں؟

**وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ** یعنی مشرکوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

**إِنَّهُمْ لَنُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ**

”یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے، بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کا دوست ہے۔“

**إِنَّهُمْ لَنُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا** اگر آپ ان کی خواہشات کی اتباع کریں تو وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دور نہیں کریں گے۔

**وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ** ظالم ایک دوسرے کے دوست، مددگار اور احباب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے منافق یہودیوں کے دوست ہیں۔

**وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ** اللہ متقین کا مدگار ہے۔ یہاں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔

**هَذَا بَصَاةٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ**

”یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لیے اور (باعث) ہدایت و رحمت ہے ان کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔“

**هَذَا بَصَاةٌ لِلنَّاسِ** یہ کلام مبتدا اور خبر ہے یعنی یہ چیز جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ حدود و احکام میں لوگوں کے لیے براہین،

دلائل اور علم کے محل ہیں۔ اسے ہذا ابصاً پڑھا گیا ہے یعنی یہ آیات بصائر ہیں۔ وَهْدَىٰ یعنی راہنمائی اور طریقہ ہیں جو اس آدمی کو جنت کی طرف لے جاتا ہے جو بھی اسے اپناتا ہے وَرَاحَةً لِّقُلُوبِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۰﴾ اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے آخرت میں رحمت ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۱﴾

”کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنادیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا، بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔“

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ یعنی جنہوں نے برائیاں کیں۔ اجتراح کا معنی کمانا ہے، اسی سے جو جوارح کا لفظ ہے اس کی وضاحت سورہ مائدہ میں گذر چکی ہے۔

أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کبھی نے کہا: الَّذِينَ اجْتَرَحُوا سے مراد عتبہ، شیبہ جو ربیع کے بیٹے تھے (۱) اور ولید بن عتبہ ہے کَالَّذِينَ آمَنُوا سے مراد حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث ہیں جب انہوں نے ان کو بدر کے روز دعوت مبارزت دی اور انہیں قتل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مشرکوں کی ایک جماعت کے بارے میں آیت نازل ہوئی انہوں نے کہا تھا: آخرت میں انہیں مومنوں کے مقابلہ میں بہتر دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کے بارے میں بتایا۔

وَلَيْنَ تَرَجَعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْخُسْرَىٰ (فصلت: 50) أَمْ حَسِبَ یہ استفہام ہے یہ کلام معطوف ہے اس کا معنی انکار ہے اہل عربیہ عطف کے بغیر بھی اسے جائز سمجھتے ہیں جب وہ خطاب کے وسط میں ہو۔ ایک قوم کہتی ہے: اس میں اضمار ہے یعنی اللہ تعالیٰ متقین کا ولی ہے کیا مشرک یہ جانتے ہیں یا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کے درمیان برابری کریں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام منقطعہ ہے اس میں حمزہ کا معنی حسابان کا انکار ہے عام قراء کی قراءت سَوَاءً رفع کے ساتھ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر مقدم ہے تقدیر کلام یہ ہے مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ میں ضمیر کفار کی طرف لوٹنے لگی، یعنی ان کی زندگی بری زندگی ہے اور ان کی موت بھی اسی طرح ہے۔ حمزہ، کسائی اور اعمش نے سَوَاءً نصب کے ساتھ پڑھا ہے: ابو عبیدہ نے اسے پسند کیا ہے اس کا معنی ہے ہم اسے برابر بنادیں گے۔ اعمش اور عیسیٰ بن عمر نے مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ نصب کے ساتھ پڑھا ہے، معنی ہوگا وہ اپنی زندگی اور موت میں برابر ہیں جب حرف جار فی مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ میں سے ساقط کر دیا تو وہ منسوب ہو گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کی ہم ضمیر سے بدل ہوں، معنی ہوگا کیا ہم ان کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے جس طرح مومنوں کی زندگی اور موت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کی ضمیر کفار اور

مومنین سب کے لیے ہو۔ مجاہد نے کہا: مومن مومن کی حیثیت سے مرتا ہے، مومن کی حیثیت سے اٹھایا جاتا ہے، کافر کافر کی حیثیت سے مرتا ہے اور کافر کی حیثیت سے اٹھایا جاتا ہے (1)۔ ابن مبارک نے ذکر کیا شعبہ، عمرو بن مرہ سے وہ ابوصحاح سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے آدمی نے کہا: یہ تمیم داری کا مقام ہے میں نے اسے ایک رات دیکھا یہاں تک کہ اس نے صبح کی یا صبح کے قریب تھا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک آیت کو پڑھتا، رکوع کرتا، سجدہ کرتا اور روتا اَمْرَ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔

بشیر نے کہا: میں ایک رات ربیع بن خثیمہ کے پاس گزرا وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے وہ اس آیت کے پاس سے گزرے ساری رات اسی پر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ صبح کردی شدید رونے کی وجہ سے اس سے آگے نہ بڑھے۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: میں فضیل بن عیاض کو اکثر دیکھا کرتا وہ رات کے پہلے حصہ سے آخر رات تک اس آیت کو دہراتے رہتے اور اس کی مثل آیات پڑھتے رہتے، پھر کہتے: کاش! تو جانتا تو کس جماعت میں سے ہے؟ اس آیت کو عابدین کو رلانے والی آیت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ محکم ہے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَيُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

”اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ تا کہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ الحق سے پہلے الامر کا لفظ محذوف ہے وَلَيُجْزٰى اصل میں لکی تجزی تھا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ہر نفس نے جو کیا ہوگا اسے آخرت میں جزا دی جائے گی وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَ هَوٰٓهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى سَبْعٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشُوٰٓةًۭ۟ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِۭۚ۟۟۟ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

”ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ، پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد (لوگو!) کیا تم غور نہیں کرتے۔“

حضرت ابن عباس، قتادہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کافر نے اپنا دین اسی کو بنا لیا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے وہ کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا مگر اس پر سوار ہو جاتا ہے (2)۔ عکرمہ نے کہا: ذرا اسے تو دیکھو جس نے اپنا معبود اسے بنا لیا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے یا جسے وہ اچھا جانتا ہے جب وہ کسی چیز کو اچھا خیال کرتا ہے اور اس کی خواہش کرتا ہے تو اسے اپنا الہ بنا لیتا ہے (3)۔ سعید بن جبیر نے کہا: ان میں سے کوئی پتھر کی پوجا کرتا جب اس پتھر سے خوبصورت پتھر دیکھتا



تو پہلے پتھر کو پھینک دیتا اور دوسرے کی عبادت شروع کر دیتا۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حارث بن قیس سہمی کے بارے میں نازل ہوئی جو مذاق اڑانے والوں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ اس کی پوجا کرتا جس کی خواہش کرتا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: انہوں نے پتھر کی عبادت کی کیونکہ بیت اللہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جو اپنی خواہش اور اپنے معبود کی پیروی کرتا ہے۔ اس کلام سے مقصود ذوی العقول کی اس جہالت پر تعجب کا اظہار کرنا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ شعبی نے کہا: خواہش کو ہوی کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ خواہش کرنے والے کو آگ میں پھینک دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہوی کا ذکر نہیں کیا مگر اس کی مذمت کی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَاتَّبِعْ هَوَا۟هٖ** **فَمَسَلَهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ** (اعراف: 176) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَاتَّبِعْ هَوَا۟هٖ وَكَانَ اَمْرًا فُرُطًا** (کہف) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا اٰهُوَ اَعْمٰهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (الروم: 29) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ اَضَلَّ مَنِ اتَّبَعَ هَوَا۟هٖ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (نقص: 50) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص: 26)**

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: ”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جس پیغام حق کو میں لایا ہوں“ (1)۔

حضرت ابو امامہ نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”آسمان کے نیچے کسی معبود کی عبادت نہیں کی گئی جو خواہش نفس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہو“۔ حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: **الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والفاجر من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله (2)۔** دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کیا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا اور فاجر وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے تابع کیا اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تو ایسا بخل رکھے جس کی اتباع کی جاتی ہو، خواہش کی پیروی کی جاتی ہو، دنیا کو ترجیح دی جاتی ہو ہر رائے والا اپنی رائے پر خوش ہوتا ہے تو تجھے اپنی ذات کی فکر کرنی چاہیے اور تجھے عام لوگوں کے معاملات کو چھوڑ دینا چاہیے (3)“ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ثلاث مهلكات وثلاث منجيات فالبهلكات شح مطاع وهوى متبع واعجاب المرء بنفسه والمنجيات خشية الله فى السر والعلانية والقصد فى الغناء والفقر والعدل فى الرضا والغضب (4) تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔ ایسا بخل**

2۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر الموت والاستعداد بہ، جلد 2، صفحہ 324

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ 30

3۔ سنن ابن ماجہ، باب قوله تعالى يا ايها الذين آمنوا، جلد 2، صفحہ 299

4۔ کنز العمال، جلد 16، صفحہ 45، حدیث نمبر 43866

جس کی اطاعت کی جائے، ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے آپ پر خوش ہونا۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں مخفی اور علانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غنا اور فقر میں میانہ روی اختیار کرنا اور رضامندی اور ناراضگی میں عدل کرنا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ایک آدمی صبح کرتا ہے تو اس کی خواہش، اس کا عمل اور اس کا علم اکٹھے ہوتے ہیں اگر اس کا عمل اس کی خواہش کے تابع ہو تو اس کا دن برادن ہوتا ہے۔ اگر اس کا عمل اس کے علم کے تابع ہوتا ہے تو اس کا دن صالح دن ہوتا ہے۔ اصمعی نے کہا میں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا:

إِنَّ الْهَوَانَ هُوَ الْهَوَى قُلِبَ اسْمُهُ فَإِذَا هَوَيْتَ فَقَدْ لَقَيْتَ هَوَانَ

ذلت ہی خواہش ہے اس کا نام الٹ دیا گیا ہے جب تو خواہش کرے تو تو نے ذلت کو پالیا  
ابن مقفع سے ہوی کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا: ہوان کا نون چرا لیا گیا شاعر نے اسے لیا اور اسے اشعار میں نظم کیا اور کہا

نُونُ الْهَوَانَ مِنَ الْهَوَى مَسْرُوقَةٌ فَإِذَا هَوَيْتَ فَقَدْ لَقَيْتَ هَوَانَ

ہوان کا نون ہوی سے چرا لیا گیا ہے جب تو خواہش کرے گا تو تو نے ذلت کو پالیا۔ اور ایک شاعر نے کہا:

أَنَّ الْهَوَى لَهْوُ الْهَوَانَ بَعِيْنُهُ فَإِذَا هَوَيْتَ كَسَبْتَ هَوَانَ

واذا هويت فقد تعبتك الهوى فافضع لحبك كائنا من كانا

بے شک ہوا بے عینہ ہی ہوان ہے جب تو نے خواہش کی تو تو نے ذلت کو کمال لیا۔

جب تو نے خواہش کی تو خواہش نے تجھے اپنا غلام بنا لیا اپنی محبت کو پست رکھ وہ جس سے بھی ہو۔

عبداللہ بن مبارک کے اشعار ہیں:

وَمِنْ الْبَلَايَا لِلْبَلَاءِ عِلَامَةٌ أَلَا يُرَى لَكَ عَنْ هَوَاكَ نَزْوَعُ

العبد عبد النفس في شهواتها والحر يشبع تارة ويجوع

آزمائشیں آزمائشوں کی علامت ہوتی ہیں کیا تیرے لیے تیری خواہش سے میلان دکھائی نہیں دیتا۔ بندہ اپنی خواہشات میں نفس کا غلام ہوتا ہے، شریف آدمی کبھی سیر ہوتا ہے اور کبھی بھوکا رہتا ہے۔

ابن درید کے اشعار ہیں:

إِذَا طَالَبْتَكَ النَّفْسُ يَوْمًا بِشَهْوَةٍ وَكَانَ إِلَيْهَا لِلْخِلَافِ طَرِيقُ

فَدَعَهَا وَخَالَفَ مَا هَوَيْتَ فَلَمَّا هَوَاكَ عَدُوٌّ وَالْخِلَافُ صَدِيقُ

جب نفس کسی روز تجھ سے کسی خواہش کا مطالبہ کرے جبکہ اس سے اختلاف کا طریقہ ہوا سے چھوڑ دو اور جو تو نے خواہش کی ہے اس کی مخالفت کر بے شک تیری خواہش دشمن ہے اور اس سے اختلاف کرنا درست ہے۔

ابو عبید طوسی کا شعر ہے۔

وَالنَّفْسُ إِنْ أُعْطِيَتْهَا مِنْهَا فَاغْرَةً نَحْوَهَا فَاهَا

اگر تو نفس کو اس کی آرزو عطا کرے نفس اپنی خواہش کی طرف اپنا منہ کھولے ہوئے ہے۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: میں ایک راہب کے پاس سے گذراتا تو میں نے اسے نحیف و زار پایا، میں نے اسے کہا: تو کمزور ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کتنے عرصہ سے؟ اس نے کہا: جب سے میں نے اپنے نفس کو پہچانا ہے، میں نے کہا: تو اس کی دوا کرتا ہے؟ اس نے کہا: دوا نے مجھے تھکا دیا ہے اور میں نے کئی کا عزم کیا ہے۔ میں نے کہا: کئی کیا ہے؟ اس نے کہا: خواہش نفس کی مخالفت۔ سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: تیری خواہش تیری بیماری ہے اگر تو اس کی مخالفت کرے تو تیری دوائی ہے۔ وہب نے کہا: جب تجھے دوا مور میں شک ہو اور تو ان میں سے بہترین کو نہ جانتا ہو تو ان دونوں میں سے تیری خواہش سے جو زیادہ دور ہے اس کو دیکھو اور اس پر عمل کرو۔

اس باب یعنی خواہش نفس کی مخالفت اور اس کی مذمت میں مستقل کتابیں اور کتابوں کے ابواب ہیں ان میں سے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ** (نازعات)

**وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ** یعنی علم جو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں رکھتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے ثواب سے محروم رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ اس کا مستحق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا (1)۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ گمراہ ہے (2)۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بت پرست کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ عمل اسے نہ نفع دے گا اور نہ نقصان پہنچائے گا۔ پھر کہا گیا: **عَلَىٰ عِلْمٍ** کے بارے میں جائز ہے کہ فاعل سے حال ہو معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول سے حال ہو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں کہ کافر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ گمراہ ہے۔

**وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ** اس کے کان پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ وعظ کو نہیں سنتا (3)، اس کے دل پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں سمجھتا۔

**وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشْوَةً** یعنی ایسا پردہ یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ حمزہ اور کسائی نے کہا: غشوة الف کے بغیر غین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ شاعر نے کہا:

أَمَّا وَالَّذِي أَنَا عَبْدُهُ يَبِينُنَا وَمَالِكُ أَبَدِي الْيَمِينَا

لَنْ كُنْتُ أَلْبَسْتَنِي غِشْوَةً لَقَدْ كُنْتُ أَصْفَيْتُكَ الْوَدَّ حِينَا

محل استدلال اَلْبَسْتَنِي غِشْوَةً ہے۔

فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ جِبَالُ اللَّهِ تَعَالَى نَعَى كَمَا رَدَّ يَأْتِيهِ تَوَكُّنَ اَسَ هِدَايَتِ دَعَا - اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ كَمَا : تَم نصيحت حاصل نہیں کرتے اور تم نہیں پہچانتے کہ وہ ہر چاہت پر قادر ہے۔

یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے اور جو بھی ان کی راہ چلا اس کا رد کرتی ہے، کیونکہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ انہیں ہدایت سے روک دیا گیا ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهِمْ وَقَلْبِهِمْ يَهْدِيهِمْ اَن كَ احوال کے بارے میں خبر کے طریقہ پر کلام چلائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے خلاف دعا کے طریقہ پر کلام ذکر کی گئی ہے جس طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں کلام گذری ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حارث بن قیس غیاطلہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ نقاش نے کہا: یہ آیت حارث بن نوفل بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس نے ایک روز بیت اللہ شریف کا طواف کیا جبکہ اس کے ساتھ ولید بن مغیرہ تھا دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی ابو جہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: رہنے دو کس چیز نے تجھے اس پر آگاہ کیا؟ اس نے کہا: اے ابو عبد شمس! ہم بچپن میں اسے صادق و امین کہتے تھے جب اس کی عقل مکمل ہو گئی اور دانش کمال کو پہنچ گئی تو ہم اسے کذاب و خائن کہتے ہیں، اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ صادق ہیں۔ ولید نے پوچھا: تجھے کونسی چیز روکتی ہے کہ تو اس کی تصدیق کرے اور اس پر ایمان لائے؟ ابو جہل نے کہا: میرے بارے میں قریش کی بچیاں باتیں کریں گی کہ میں نے ابوطالب کے ہاں پرورش پانے والے یتیم کی پیروی کی ہے وجہ مقابلہ نہ کر سکتا ہے، لات و عزی کی قسم! میں کبھی بھی اس کی پیروی نہیں کروں گا۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم

بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝

”اور وہ کہتے ہیں: نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض ظن (و تخمین) سے کام لے رہے ہیں۔“

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا یہ ان کی جانب سے انکار، دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانا اور جزا کا ابطال ہے نَمُوتُ وَنَحْيَا کا معنی ہے ہم مریں گے اور ہماری اولادیں زندہ رہیں گی (1)؛ یہ کبھی کا قول ہے اسے نَحْيَا بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے بعض مریں گے اور ہم میں سے بعض زندہ ہوں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم زندہ ہوں گے اور ہم مریں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ مجاہد نے کہا: اس سے مراد سال اور دن ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: عمر ہے (4)؛ معنی ایک ہی



ہے۔ اسے الادھریمز بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن عیینہ نے کہا: دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے اور وہی زندہ کرتا ہے اور ہمیں مارتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قطرب نے کہا: معنی ہے ہمیں موت ہی ہلاک کرتی ہے اور ابو ذؤیب کا قول پڑھا۔

أَمِنَ النَّوْنُ وَرَيْبُهَا تَتَوَجَّعُ وَالذَّهْرُ لَيْسَ بِمَعْتَبٍ مَنْ يَجْزَعُ

کیا تم موتوں اور ان کے حادثات سے دکھی ہوتے ہو جو آدمی جزع فزع کرتا ہے زمانہ اس پر عتاب نہیں کرتا۔ عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔ ”دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر رات اور دن اور وہی ہمیں ہلاک کرتا ہے، ہمیں موت دیتا ہے اور ہمیں زندہ کرتا ہے پس وہ زمانہ کو گالیاں دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یؤذینی ابن آدم یسب الذہر وأنا الذہر بیدي الأمر أقلب الليل والنهار (1)۔ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے میں دھر ہوں اور میرے قبضہ قدرت میں امر ہے، میں رات اور دن کو گھماتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول قال اللہ الی آخرہ بخاری کی نص اور اس کے الفاظ ہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے نقل کیا ہے سنن ابو داؤد میں بھی یہ روایت ہے۔ موطا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یقولن أحدکم یا خبیبة الذہر فإن اللہ هو الذہر (2)۔ تم میں سے کوئی ایک یہ نہ کہے: ہائے زمانہ کی بربادی، بے شک اللہ ہی زمانہ ہے۔ جس نے یہ کہا کہ دھر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور کہا: علماء میں سے جنہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا اسم قرار نہیں دیا اس نے اسے دور جاہلیت میں عربوں کا جو انداز کلام تھا اس کا رد بنایا ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دھر ہی حقیقت میں فاعل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے آیت میں ان کے بارے میں بتایا ہے جب انہیں کوئی مصیبت، ظلم یا ناپسندیدہ چیز پہنچتی تو اسے دھر کی طرف منسوب کرتے تو انہیں یہ کہا گیا: تم زمانہ کو گالیاں نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دھر ہے (3)، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کو بجالانے والا ہے جن کو تم زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہو، تو گالی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتی ہے تو انہیں اس امر سے روک دیا گیا۔ اس نے جو ذکر کیا ہے اس کی صحت پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے (4)“ جس نے کہا بہت اچھا کہا وہ ابو علی ثقفی ہے:

یا عاتب الذہر إذا نابہ لا کلیم الذہر علی غدرہ  
الذہر مأمور له أمر و ینتھی الذہر الی أمرہ  
کم کافر أموالہ جتہ تزاد أضعافا علی کفرہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ وما یملکنا الا الذہر، جلد 2، صفحہ 715

4۔ ایضاً

3۔ ایضاً

2۔ صحیح مسلم، کتاب الاغلاظ من الأدب وغیرہا، باب النہی سب الذہر، جلد 2، صفحہ 237

وَمُؤْمِنٍ لِّسَ لَّهُ دَرَهْمٌ يَزِدُّهُ اِيْمَانًا عَلٰى فَقْرِهِ

اے زمانہ کو عتاب کرنے والے جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے زمانہ کی جانب سے وعدہ پورا نہ کرنے پر اسے ملامت نہ کر، زمانہ تو مامور ہے اس کا ایک آمر ہے زمانہ اس کے امر پر منتہی ہو جائے گا۔ کتنے ہی کافر ہیں جن کے اموال بے شمار ہیں ان کے کفر کے باوجود ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک مومن ہے اس کے پاس کوئی درہم نہیں اس کے فقر کے باوجود اس کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر اکثر زمانہ کا ذکر کرتے تو ان کے والد نے انہیں اس بات سے جھڑکا فرمایا: اے بیٹے! زمانہ کے ذکر سے بچ اور یہ شعر پڑھا:

فَمَا الدَّهْرُ بِالْجَانِ لِشَيْءٍ لِّحَيْنَةٍ وَلَا جَالِبَ الْبَلَوِ فَلَا تَشْتُمِ الدَّهْرَ

وَلَكِنْ مَتَى مَا يَبْعَثُ اللَّهُ بَاعِثًا عَلٰى مَعْشَرٍ يَجْعَلُ مِيسِيرَهُمْ عُسْرًا

زمانہ کسی شے پر آزمائش کے ساتھ جنایت کرنے والا نہیں اور نہ ہی مصیبت لانے والا ہے پس تو زمانہ کو گالیاں نہ دے مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قبیلہ پر کوئی مصیبت بھیجتا ہے تو ان کی خوشحالیوں کو تلگدستی بنا دیتا ہے۔

ابو عبید نے کہا: میں نے ایک ملحد سے مناظرہ کیا اس نے کہا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کہتا ہے: فإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ۔ میں نے کہا: کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زمانہ کی بلاکتوں میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہو بلکہ وہ کہتے جس طرح اُغشی نے کہا:

إِنْ مَحَلًا وَإِنْ مُرْتَحَلًا وَإِنْ فِي السَّفَرِ إِذْ مَضَوْا مَهَلًا

أَسْتَثْنِي اللَّهَ بِالْوَفَاءِ وَبِالْعَدْلِ وَلِي الْمَلَامَةُ الرَّجُلَا

بے شک سفر پڑاؤ ڈالنے کا ایک محل ہے اور کوچ کرنے کی جگہ ہے اور اس میں آرام و فرصت ہے جب وہ چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے وفا اور عدل کو چن لیا ہے اور ملامت کو انسان کی طرف پھیر دیا ہے۔

ابو عبید نے کہا: اور حادثات کو اس کی طرف منسوب کیا۔ عمرو بن قُمیہ نے کہا:

رَمَتْنِي بِنَاتِ الدَّهْرِ مِنْ حَيْثُ لَا أَرَى فَكَيْفَ بِنِ يَزْمِي وَ لَيْسَ بِرَامٍ

فَلَوْ أَنَّهَا نَبَلٌ إِذَا اتَّقَيْتَهَا وَلَكِنِّي أَرْمِي بِغَيْرِ سَهَامٍ

عَلَى الرَّاحَتَيْنِ مَرَّةً وَعَلَى الْعَصَا أَنْوُءُ ثَلَاثًا بَعْدَهُنَّ قِيَامِي

مجھے حادثات زمانہ تیر مارتے ہیں جہاں سے میں دیکھتا نہیں اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس پر تیر مارا جائے اور وہ خود تیر نہ مار سکے اگر وہ تیر ہوتا تو میں اس سے بچ جاتا، لیکن مجھے تو تیر اس کے بغیر مارا جاتا ہے۔ ایک دفعہ دونوں ہتھیلیوں پر اور تیسری دفعہ عصا کے سہارے اٹھتا ہوں ان کے بعد میرا کھڑا ہونا ہوتا ہے۔

اس کی مثل اشعار میں بہت زیادہ ذکر ہے شعراء اسے زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی فاعل حقیقی ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِيَّاهَا مَنْ زَانِدٌ هِيَ لِعَنَىٰ أَنَّهُمْ نَظَرُوا فِي كَيْفَ كُفِّرُوا كَمَا كُفِّرُوا كَرِهًا

انہم اِلَّا يَظُنُّونَ ۝ یعنی وہ ظن کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو بعث میں شک کرتے ہیں اور قطعی طور پر انکار نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے ان کے لیے قیامت کا انکار تو ممکن نہیں وہ تاویل کرتے ہیں اور قیامت سے مراد بدن کی موت لیتے ہیں اور ثواب و عقاب اسے خیالات دیکھتے ہیں جو ان کے گمان کے مطابق روحوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا شر تمام کفار کے شر سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ لوگ حق پر ملمع سازی کرتے ہیں اور ان کی ظاہری تلبیس سے دھوکہ کھایا جاتا ہے۔ وہ مشرک جو اعلانیہ شرک کرتا ہے مسلمان اس سے احتیاط کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم مرتے ہیں اور ہمارے آثار زندہ رہتے ہیں۔ یہ اچھے ذکر کے ساتھ زندگی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے تنازع کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح مردوں میں رکھ دی جاتی ہے تو وہ اس کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٌ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْعَلُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِآيَةٍ لَا رَايَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

”اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے: اللہ نے زندہ فرما دیا ہے تمہیں پھر وہ مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں اور قیامت جس میں ذرا شک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٌ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ ان کے پاس رد کرنے کے کوئی دلائل نہیں۔

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَائِنَا، حُجَّتَهُمْ یہ کان کی خبر ہے اور اسم اِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتُوا بِآبَائِنَا ہے یعنی ہمارے مردہ آباء کو لے آؤ جن سے ہم اس بارے میں سوال کریں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا قول رد کر دیا قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ بعد اس کے کہ تم مردہ نطفہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کر دیا ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْعَلُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں قیامت کے روز جمع کرے گا جس طرح اس نے تمہیں دنیا میں زندہ کیا۔ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

زمخشری نے کہا: اگر تو کہے ان کے قول کو کیوں حجت قرار دیا گیا جبکہ وہ حجت نہیں؟ میں کہوں گا: انہوں نے اس کے ساتھ اسی طرح دلیل پکڑی جس طرح استدلال کرنے والا اپنی دلیل سے استدلال کرتا ہے (1)۔ انہوں نے اسے دلیل کے انداز میں

ذکر کیا تو بطور استہزاء اسے حجت کا نام دیا گیا یا ان کے گمان اور اندازے کے مطابق وہ حجت تھی یا یہ اس اسلوب میں کلام ہے  
تَحِيَّةٌ بَيْنَهُمْ وَجَيْعٌ ۚ اِنْ كَانِمْ سَلَامٌ تَكْلِفُ دَهْرًا ۚ

گو یا کہا گیا: ان کی حجت نہیں تھی مگر جو حجت نہیں تھی۔ مراد یہ ہے اس امر کی نفی کی جائے کہ ان کی کوئی حجت ہو۔

اگر تو یہ کہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان قُلِ اللّٰهُ يُخَيِّطُكُمْ كَيْسَ اُتُوا بِاَبَايَا ۙ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ کا جواب ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا: جب انہوں نے بعث کا انکار کیا، رسولوں کی تکذیب کی اور انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے یہ خاموش کرنے والا قول ہے تو ان پر بطریق دلیل الزامی اس چیز کو لازم کیا جائے گا جس کے وہ اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر وہی انہیں مارے گا۔ اس دلیل الزامی کے ساتھ اس دلیل الزامی کو ملا دیا جائے گا جو اس اقرار کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے وہ قیامت کے روز انہیں جمع کرنا ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں اور حق کے داعی کی طرف توجہ کریں جو ذات اس امر پر قادر ہے وہ ان کے آباء کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے یہ امر اس پر زیادہ آسان ہے۔

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُ يَخْسَرُ  
الْمُبْطِلُوْنَ ۝

”اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست۔“

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ خلقت اور ملک کے اعتبار سے یہ اللہ کے لیے ہیں۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ پہلا یوم یخسر کی وجہ سے منصوب ہے اور یوم یومین تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے یا یہ بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تقدیر کلام یہ ہے دلہ الملک یوم تقوم الساعة، یومئذ میں عامل یخسر ہے۔ یخسر کا مفعول محذوف ہے، معنی ہے وہ جنت میں اپنی منازل کے بارے میں خسارے میں ہوں گے۔

وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جٰثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰی اِلٰی کِتٰبِهَا ۚ الْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

”اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“

وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جٰثِيَةً ۚ اس دن کی ہولناکی کے باعث تو یہ گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھے گا۔ یہاں امت سے مراد ہر ملت والے ہیں۔ جاثیہ میں پانچ تاویلیں ہیں:

1۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی مستوفزہ ہے (1)۔ سفیان نے کہا: مستوفزا سے کہتے ہیں جس کے زمین پر اس کے دونوں



گھٹنے اور اس کے پوروں کے اطراف لگتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ حساب کے موقع پر ہوتا ہے۔ 2۔ مجتمع، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول کیا ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے تو ہر دین والے کو مجتمع دیکھے گا۔ 3۔ متمیزہ، الگ الگ: یہ عکرمہ نے قول کیا ہے۔ 4۔ جھکا ہوا یہ قریش کی لغت ہے: یہ مورج کا قول ہے۔ 5۔ گھٹنوں پر بیٹھنے والا: یہ حضرت حسن بھری کا قول ہے۔ جثا سے مراد گھٹنوں پر بیٹھنا ہے۔ جثا علی رکبتہ یجشو ویجشی جُثُوًا دُجُثِیْنَا۔ دونوں میں فعول کا وزن ہے۔۔ سورہ مریم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ جثوہ کا اصل معنی ہر شے کی جماعت ہے۔ طرفہ دو قبروں کی صفت بیان کرتا ہے:

تَرَى جُثُوتَيْنِ مِنْ تَرَابٍ عَلِيْهِمَا صَفَائِحُ صُمٌّ مِنْ صَفِيحٍ مُنْقَضٍ

تو مٹی کی دو قبریں دیکھے گا جن پر پتلے مضبوط پتھر ہیں جو ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔

پھر یہ کہا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے: یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر اور مومن دونوں کو عام ہے وجہ حساب کا انتظار ہے۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو سے وہ عبد اللہ بن باباہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”گویا میں تمہیں اونچی جگہوں پر جہنم سے پہلے گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھتا ہوں“۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: قیامت کے دن ایک گھڑی ہے جو دس سال کے برابر ہوگی لوگ اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: آج میں تجھے اپنی ذات کے سوا کسی کے لیے سوال نہیں کرتا۔

كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا یحییٰ بن سلام نے کہا: کتاب سے مراد حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ کتاب ہے جس میں اس کے اچھے اور برے اعمال لکھے جاتے تھے: یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کتبہا سے مراد وہ کتاب ہے جس پر فرشتے لکھتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتبہا سے مراد وہ کتاب ہے جو اس امت پر نازل کی گئی تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کیا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (2)۔ یعقوب حضرمی نے کہا: كُلُّ أُمَّةٍ منصوب ہے کیونکہ یہ پہلے کل سے بدل ہے کیونکہ دوسرے کل میں وضاحت ہے جو پہلے میں نہیں ہے، کیونکہ پہلے جثو میں جثو کی حالت کی کوئی وضاحت نہیں جس طرح دوسرے جثو میں اس سبب کا ذکر ہے جو اس کا داعی ہے وہ اس امت کو اس کی کتاب کی طرف دعوت دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منصوب ہے اس میں عامل تدری ہے جو مضمحل ہے اور رفع مبتدا ہونے کی بنا پر ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ جو اچھا یا برا عمل کرتے تھے۔ اس کی آج تمہیں جزا دی جائے گی۔

هَذَا كِتَابُنَا يُنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾

”یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ، ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے۔“

هَذَا كِتَابُنَا اِيك قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ فرشتوں کا قول ہے۔  
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یعنی وہ گواہی دیتا ہے۔ یہ استعارہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نطق الكتاب بكذا یعنی کتاب نے  
اس کی وضاحت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کتاب کو پڑھیں گے تو کتاب انہیں ان کے اعمال یاد دلائے گی، گویا وہ ان  
سے کلام کرے گی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا  
كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (کہف: 49) مومن کے بارے میں ہے: وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿62﴾  
(مومن: 62) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

يَنْطِقُ یہ کتاب سے حال ہے یا ذا سے حال ہے یا ذا کی دوسری خبر ہے یا كِتَابُنَا، هَذَا سے بدل ہے اور يَنْطِقُ خبر ہے۔  
اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿62﴾ یعنی تم جو عمل کرتے تھے اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علی شیر خدا  
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں وہ ہر روز کسی چیز کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جس میں وہ انسانوں کے اعمال  
لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ لکھنے کا عمل کتاب سے ہوگا (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حفظ فرشتوں نے جو لکھا  
ہوگا ہم اسے لکھ لیا کرتے تھے کیونکہ حفظ فرشتے اعمال کے صحیفے خازنوں کی طرف بلند کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:  
حفظ بندوں کے جو اعمال لکھتے ہیں ہر روز انہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے مکان کی طرف لوٹتے ہیں تو اس سے  
نیکیاں اور برائیاں لکھ لی جاتی ہیں۔ مباحات کو دوسرے نسخہ کی طرف منتقل نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے جب  
بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں تو وہ حکم دیتا ہے جن اعمال پر ثواب و عقاب ہے انہیں اس کے ہاں لکھ  
لیا جائے اور جن پر ثواب و عقاب نہیں ہوتا وہ ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ  
الْبَرُّ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ أَفَلَمْ تَكُنْ آيَتِي تُلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ  
قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿62﴾

”پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہی  
وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے  
تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (ن کر) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔“

فِي رَحْمَتِهِ رحمت سے مراد جنت ہے أَفَلَمْ تَكُنْ آيَتِي یعنی انہیں یہ بات کہی جائے گی یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔  
فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے اس کو قبول کرنے سے تکبر کیا۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿62﴾ تم مشرک قوم ہو تم نافرمانیاں کرتے ہو۔ یہ جملہ

کہا جاتا ہے: فلان جریمة اہلہ جب وہ اس جرم کا ارتکاب کر نیوالا ہو۔ مجرم اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو نافرمانیوں پر برا بیختہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَفَجَعَلُ السُّلَیْمِیْنَ کَالْجُرَّادِیْنَ ۝ (القلم) مجرم مسلم کی ضد ہے پس وہ کفر کے گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَآئِدٌ رَّیْءُ مَا السَّاعَةُ ۚ  
إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِیْنَ ۝

”اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑے غرور سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر (قطعاً) یقین نہیں۔“

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ یعنی دوبارہ اٹھانا ہو کر رہے گا۔ وَالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا حمزہ نے السَّاعَةَ نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف وَعْدَ پر ہے باقی قراء نے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے یا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ کے محل پر اس کا عطف ہے۔ مصدر میں جو ضمیر ہے اس پر عطف کرنا اچھا ہے، کیونکہ اس کی تاکید نہیں لگائی گئی۔ ضمیر مرفوع پر شعر میں تاکید کے بغیر عطف کیا جاتا ہے۔

قُلْتُمْ مَآئِدٌ رَّیْءُ مَا السَّاعَةُ یعنی کیا قیامت حق ہے یا باطل ہے۔ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا مبرد کے نزدیک اس کی تقدیر یہ ہے إِنْ نَحْنُ إِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر یہ ہے إِنْ نَحْنُ إِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا ایک قول یہ کیا گیا ہے: قُلْتُمْ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا۔

وَمَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِیْنَ ۝ یعنی ہم یقین کرنے والے نہیں تھے کہ قیامت ہو کر رہنے والی ہے۔

وَبَدَّلَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ یَسْتَهْزِءُونَ ۝

”اور ظاہر ہو گئے ان کے لیے برے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور (ہر طرف سے) گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

وَبَدَّلَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا انہوں نے جو برے عمل کیے تھے ان کی جہنم کے لیے ظاہر ہو گئے۔ وَحَاقَ بِهِمْ پرتل ہوئی یا نہیں گھیر لیا  
مَا كَانُوا بِهِ یَسْتَهْزِءُونَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب پرتل ہو گیا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے

وَقِيلَ الْیَوْمَ نَنُوسُكُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَاءَ یَوْمِکُمْ هَٰذَا وَمَا کُمْ بِتَارِكِیْنَ ۝

”اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کریں گے جس طرح تم نے فراموش کیے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسِفْكُمْ عَنْ أَرْضِكُمْ ثُمَّ أَعَدُّوا لَكُمْ أُخْرًا فَأَخَذْتُمْ أَيْدِيكُمْ فِيهِمْ كَذِبًا ۝۱۰۰  
 کے لیے عمل کر ترک کر دیا تھا و مَاؤَلَكُمُ الثَّانِي ۝۱۰۰ تمہارا مسکن اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے وَمَا لَكُمْ مِّنْ نُصْرَةٍ ۝۱۰۰ یعنی تمہارے لیے کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہاری مدد کرے۔

ذَلِكُمْ بِأَنكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝۱۰۱

”یہ اس لیے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔“

آیۃ اللہ سے مراد قرآن حکیم ہے ہُزُوًا کھیل۔ وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا دنیاوی زندگی نے اپنی باطل چیزوں اور زیب و زینت سے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا تو تم نے یہ گمان کیا کہ اس کے سوا کوئی چیز نہیں اور دوبارہ اٹھانا بھی نہیں لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا ماضی سے مراد آگ ہے وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ انہیں توبہ کر کے راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے فالیوم لا یُخْرَجُونَ یاء کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّمَآ آرَاهُ دَاۤءَاۤنَ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِينُوا وَفِيهَا (الحج: 22) باقی قراء نے یاء کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبَّنَا أَخْرِجْنَا (مومنون: 107) اس کی مثل دوسری آیات ہیں۔

فَلِلَّهِ الْحُصُودُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰۲ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۱۰۳

”پس اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا (اور وہی) سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور فقط اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔“

مجاہد، حمید اور ابن محیسن نے رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰۲ سب میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ اصل میں هُوَ رَبُّ ہے وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ کبریا سے مراد عظمت، جلال، بقا، حکومت، قدرت اور کمال ہے۔



## سورۃ الاحقاف

﴿ابحاثا ۲۵﴾ ﴿سورۃ الاحقاف ۲۶﴾ ﴿مکوعاتا ۴﴾

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی چونتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پینتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حَمَّ ۝ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ

مَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ ۝ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ۝ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُّعْرِضُوْنَ ۝

”ح۔ میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقررہ تک، اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں۔“

اَجَلٍ مُّسَمًّی سے مراد قیامت ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے یہ وہ موت ہے جس پر آسمان اور زمین ختم ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے (2) جو ہر مخلوق کے لیے مقدر ہے۔ عَمَّا اُنْذِرُوْا جس سے انہیں ڈرایا گیا۔ مُّعْرِضُوْنَ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں، غفلت کا اظہار کرنے والے ہیں وہ اس کے لیے تیاری کرنے والے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مصدر یہ ہو معنی ہوگا انہیں اس دن کے ڈرانے سے۔

قُلْ اَسْءَلُكُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ

شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۝ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَشْرَکُوْا مِنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ ۝

”فرمائیے: اے کفار! کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو

(بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے،

لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بتوں اور اللہ تعالیٰ کے جن شریکوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ مَاذَا خَلَقُوْا

مِنْ الْأَرْضِ كَمَا نُهُوا عَنْهُ لِيُذَكَّرَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُصَوِّرُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ ذِكْرُهُ ۚ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مَبْغُوتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُضِلِّ مَنْ يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ ذِكْرُهُ ۚ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مَبْغُوتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُضِلِّ مَنْ يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ ذِكْرُهُ ۚ

**مسئلہ نمبر 2۔** اَوْ اَشْرَقَ مِّنْ عَلَمٍ عَامٍ قُرْآنَاتٍ اَوْ اَشْرَقَ ۚ یعنی ثناء کے بعد الف ہے۔ حضرت ابن عباس نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے ”یہ وہ خط تھا جو عرب زمین میں لگاتے تھے“ (1)۔ اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ درست نہیں۔ مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”انبیاء میں سے ایک خط لگایا کرتا تھا جس نے ان کے خط کی موافقت کی تو وہ صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا“ (2)۔ یہ بھی روایت صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ معاویہ بن حکم سلمیٰ کی حدیث سے ثابت ہے: اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے نحاس نے اس کی سند بیان کی محمد بن احمد جراحہ، محمد بن بشار سے وہ یحییٰ بن سعید سے وہ سفیان ثوری سے وہ صفوان بن سلیم سے وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ آپ نے فرمایا: ”اَوْ اَشْرَقَ مِّنْ عَلَمٍ عَامٍ“ سے مراد خط ہے ”یہ بھی صحیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کی تاویل میں علماء نے اختلاف کیا ان میں سے کچھ نے کہا: یہ خط لگانے کی اباحت کو بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ کچھ انبیاء اس طرح کیا کرتے تھے، ان میں سے بعض نے کہا: یہ نہیں بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو گیا تو وہ اس امر کو جان گیا“ کیونکہ پہلے نبی کے طریقہ کی پہچان کا کوئی طریقہ نہیں کہ اس پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ شاعر نے کہا:

لَعَمْرُكَ مَا تَدْرِي الضَّوَارِبَ بِالْحَصَا وَلَا زَاجِرَاتُ الطَّيْرِ مَا لَلَّهِ صَانِعُ

تیری زندگی کی قسم ان کنکریاں پھینکنے والیاں نہیں جانتی اور نہ پرندے کو جھڑکنے والیاں جانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔

اس کی حقیقت اس علم کو جاننے والوں کے ہاں اسی طرح ہے جس طرح ستاروں کی صورتیں ہوا کرتی ہیں ایسا آدمی اس چیز کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے جس پر ستارے دلالت کرتے ہیں کہ سعادت یا نحوست ان میں واقع ہوئی پس یہ گمان پر مبنی ہوگا اور امر غائب کے متعلق ہوگا، جس کا طریقہ ناپید ہو چکا ہے اور اس کی تحقیق فوت ہو چکی ہے اور شریعت نے اس بارے میں منع کیا ہے اور اس امر کی خبر دی ہے کہ یہ وہ امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور مخلوق سے اس امر کو قطع کر دیا ہے اگرچہ ان کے لیے اس سے قبل ایسے اسباب تھے کہ وہ غائب اشیاء کو جاننے کے لیے ان اسباب سے وابستہ ہوا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اٹھا دیا ہے، ان دروازوں کو مٹا دیا ہے اور علم غیب کے لیے اپنی ذات کو خاص کر دیا ہے۔ اس میں اس ذات کے ساتھ مزاحمت جائز نہیں، اس کا دعویٰ کرنا کسی کے لیے حلال نہیں اس میں اگر نہ بھی ہو تو اس کی طلب صرف تھکاوٹ ہی تھکاوٹ ہے۔ جب اس میں نہی وارد ہو چکی ہے تو اس کی طلب معصیت ہوگی یا کفر ہوگا

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتبان الکھانۃ، جلد 2، صفحہ 232

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271

3۔ مجمع الزوائد و منبع الغوائد، جلد 7، صفحہ 233، حدیث نمبر 11335

جیسا طالب کا ارادہ ہوگا (1)۔

میں کہتا ہوں: جو قول اس نے اختیار کیا ہے وہ خطابی کا قول ہے خطابی نے کہا نبی کریم ﷺ کا ارشاد: فمن وافق خطه فذاك یہ زجر کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ نبوت کا علم تھا جو منقطع ہو چکا ہے، ہمیں اس کے حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: لفظ کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو اس کی تصویب کی گئی ہے لیکن موافقت کہاں سے معلوم ہو جبکہ شرع نے گمان اور غیب کا دعویٰ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے جس نے اس کے خط کی موافقت کی یہی وہ چیز ہے جس کی درستگی کو وہ پاتے تھے اس سے یہ مراد نہیں کہ ایسا عمل کرنے والے کے لیے اباحت ثابت ہوتی ہے جس طرح بعض لوگوں نے معنی کیا ہے۔

مکی نے نبی کریم ﷺ کے قول: کان نبی من الانبیاء یخط (2) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ریت میں خط لگاتے پھر وہ فال لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول دمنار جال یخطون کی یہ وضاحت کی اس سے مراد وہ خط ہے جو کاہن لگایا کرتا اور اسے عطیہ دیا جاتا اور کہتا: بیٹھو یہاں تک کہ میں تیرے لیے خط لگاؤں، کاہن کے سامنے ایک بچہ ہوتا جس کے پاس سرچو ہوتا پھر وہ نرم زمین پر آتا استاذ جلدی جلدی خط لگاتا تا کہ اسے ساتھ ساتھ گناہ جاسکے پھر وہ پلٹتا اور آہستہ آہستہ دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت ہوتی اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت ہوتا۔ عرب اسے احم کا نام دیتے، یہ ان کے نزدیک منحوس ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب نہیں چھوڑے جو غیب پر دلالت کرتے ہوں جن کے ساتھ تعلق کی اجازت دی گئی تھی اور جن کے ساتھ استدلال کی اجازت دی گئی تھی صرف خواب باقی ہیں اور یہ بتایا کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اسی طرح فال ہے جہاں تک طیرہ اور زجر کا تعلق ہے ان دونوں سے منع کیا گیا ہے (3)۔

فال سے مراد ہے جو کلام سنی جائے اس سے اس امر پر استدلال کرنا جس کا ارادہ ہو جب وہ آواز اچھی ہو جب مکروہ کو سننے تو یہ تطیر ہے۔ شرع نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہو اور خوشی خوشی اپنے امر کو کر گزرے اور جب وہ مکروہ آواز سنے تو اس سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے نہ لوٹے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللهم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الہ غیرک اے اللہ کوئی فال نہیں مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں مگر تیری خیر تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک ادیب نے اس کا ذکر کیا ہے:

الفال والزجر والكهان كلهم مضلون ودون الغیب أفعال

فال، پرندوں کو جھڑکنا سب گمراہ کرنے والے ہیں، علم غیب کے سامنے تالے لگے ہوئے ہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1696

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانة واتیان الکھانة، جلد 2، صفحہ 232

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1697

یہ کلام صحیح ہے مگر فال میں درست نہیں کیونکہ شرع نے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے۔ شاعر نے جو کچھ اس میں کہا ہے اسے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس نے جہالت کی بات کی ہے اور صاحب شرع زیادہ سچا، زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ حکیم ہے۔

میں کہتا ہوں: طیرہ، فال اور ان دونوں میں فرق کے بارے میں بحث سورۃ مائدہ اور دوسری سورتوں میں گذر چکی ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیب میں منفرد ہے۔ کوئی اسے نہیں جان سکتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جو علم عطا کرے یا اس پر دلالت عادیہ بنا دے اس کی مدد سے اسے جانا جاسکے جو عام معمول ہو۔ بعض اوقات اس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جب وہ کھجور کا ایک درخت دیکھے جس پر گاہے نکلے ہوں تو وہ جان لے گا یہ پھل دے گا اور جب وہ درخت کو دیکھے گا کہ اس کا گاہا گر چکا ہے تو اسے علم ہو جائے گا کہ وہ پھل دار نہیں ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ اس پر کوئی آفت آجائے جو اس کے پھل کو ہلاک کر دے تو وہ پھل نہ دے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کا گاہا گر جائے اللہ تعالیٰ اس میں دوبارہ گاہا پیدا کر دے تو وہ پھل دار ہو جائے، جس طرح یہ جائز ہے کہ اس کے مہینہ کے بعد کوئی مہینہ نہ ہو اور اس دن کے بعد کوئی دن نہ ہو جب اللہ تعالیٰ اس عالم کو فنا کرنے کا ارادہ کرے۔ اس کے علاوہ بھی کئی امثلہ ہیں جن کی وضاحت سورۃ الانعام میں گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** ابن خویز مند اد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان **أَوْ أَشْرَقَ مِنْ عِلْمِ** سے مراد خط ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ خط (تحریر) دیکھ کر فیصلہ فرما دیا کرتے تھے جب گواہ خط پہچان لیتا، جب حاکم اس کی تحریر پہچان لیتا اور جس کی طرف وہ خط لکھا جاتا اسے پہچان لیتا تو اس کے مطابق وہ فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔ پھر جب لوگوں میں دھوکہ اور فریب ظاہر ہونے لگا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ امام مالک سے یہ مروی ہے فرمایا: لوگ فسق و فجور کرتے ہیں تو ان کے لیے فیصلے بھی نئے ہو جاتے ہیں۔ جب گواہ اس تحریر پر گواہی دے دیں جس کے مطابق میں فیصلہ کیا گیا ہو، مثلاً وہ یہ گواہی دیں کہ یہ حاکم کا خط ہے یا اس کی تحریر ہے اس میں جو کچھ ہے ہم اس پر گواہی دیتے ہیں اگرچہ اس تحریر میں جو کچھ ہے اسے نہ جانتے ہوں۔ اسی طرح وصیت ہے یا کسی آدمی کے اعتراف کی تحریر ہے کہ اس نے کسی کا مال دینا ہے گواہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اس کا خط ہے اور اسی قسم کی گواہی دیں۔ ان کے مذہب میں اختلاف نہیں کہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: **أَوْ أَشْرَقَ مِنْ عِلْمِ** کا معنی ہے علم میں سے باقی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی، ابوبکر بن عیاش اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ صحاح میں ہے **أَوْ أَشْرَقَ مِنْ عِلْمِ** اس علم میں سے باقی، اسی طرح الاثرہ کا لفظ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: **سینت الہبل علی اشارة** اس میں بھی یہ لفظ باقی ماندہ جربی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ ماوردی اور ثعلبی نے ایک جہدوا ہے کا قول ذکر کیا ہے جس میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

وَذَاتِ اِشَارَةٍ اَكْثَرُ عَلَيْهَا بِنَاتَا فِي اَكْثَرِهِ قَفَارَا

مروی نے کہا: اشارة اور اشر دونوں کا معنی باقی ماندہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: **ماثم عین ولا اشر نہ وہاں چشمہ ہے اور نہ باقی**



ماندہ چیز۔ میمون بن مہران، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور قتادہ نے کہا: **أَوْ أَثَرٌ مِّنْ عِلْمٍ** میں سے کوئی خاص چیز (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی روایت ہے جو تم متقدمین سے بیان کرتے ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: انبیاء سے مروی (2)۔ قرطبی نے کہا: اس سے مراد اسناد ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ایسی چیز جو بیان کی جائے یا جو استخراج کی جائے (3)۔ زجاج نے کہا: **أَوْ أَثَرٌ** کا معنی ہے یا علامت۔ اشارہ مصدر ہے جس طرح ساحہ اور شجاعہ۔ کلمہ کا اصل اثر ہے جس کا معنی روایت ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: **أَثَرُ الْحَدِيثِ أَثَرٌ وَأَثَرٌ وَأَثَرٌ** فانا اثریہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اسے غیر سے بیان کرے اسی معنی میں یہ قول ہے: حدیث ماثور، یعنی اسے بعد والوں نے پہلے والوں سے نقل کیا۔ اعشی نے کہا:

إِنِّ الذِّی فِیہ تَمَارِیْتُہَا بَیِّنٌ لِلسَّامِعِ وَالْأَثَرِ

جس میں تم نے شک کیا ہے وہ سننے والے اور روایت کرنے والے کے لیے واضح ہے۔

اس شعر کو بیتین اور **أَوْ أَثَرٌ** بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی باقی ماندہ علم ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ایسی چیز ہو جو پہلے لوگوں کی کتابوں سے بیان کی گئی ہو۔ ماثور اسے کہتے ہیں جسے بیان کیا جائے اور جس سے اسے بیان کیا جائے اسی سے اس کی سند صحیح ہو۔ سلمیٰ، حسن بصری اور ابورجاء نے ہمزہ اور ثاء کو الف کے بغیر مفتوح پڑھا ہے معنی ہوگا خاص علم جو تمہیں عطا کیا گیا یا جس کے ساتھ تمہیں غیر پر ترجیح دی گئی۔ حضرت حسن بصری اور ایک طائفہ سے اثر بھی منقول ہے یعنی ہمزہ مفتوح اور ثاء ساکن ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے عکرمہ سے بیان کیا ہے: معنی ہے علم کی میراث (4)۔

**مسئلہ نمبر 5۔** **إِنِّي تَوَنِّي بِكُتُبٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَرٌ مِّنْ عِلْمٍ** اس میں اولہ کے تمام مسالک کا بیان ہے ان میں سے پہلا درجہ معقول کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أُرَوِّی مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ** یہ دلیل عقلی سے استدلال ہے کہ جامد چیز اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ چیز نہ نقصان دیتی ہے اور نہ نفع پہنچاتی ہے، پھر فرمایا: **إِنِّي تَوَنِّي بِكُتُبٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا** اس میں اولہ معنیہ کا بیان ہے۔

**وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غٰفِلُونَ ۝**

”اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس (بد بخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ اس کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔“

**وَمَنْ أَضَلُّ** یعنی اس سے بڑھ کر نہ کوئی گمراہ ہے اور نہ ہی جاہل ہے۔ **مِن دُونِ اللَّهِ** سے مراد بت ہیں۔ **وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غٰفِلُونَ ۝** یعنی نہ وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، یہ بت جامد چیزیں ہیں انہیں انسانوں سے مذکر افراد کے قائم مقام رکھ کر

ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے عبادت کرنے والے بتوں کو بادشاہوں اور امراء کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے جن کی خدمت کی جاتی تھی۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۝

”اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا ساف انکار کر دیں گے۔“

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ اس سے مراد یوم قیامت ہے کَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً یعنی یہ معبود قیامت کے روز کفار کے دشمن ہوں گے، ملائکہ کفار کے دشمن ہوں گے جن اور شیاطین قیامت کے روز اپنے عبادت گذاروں سے برائت کا اظہار کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کفار کے بت جن کی یہ لوگ عبادت کرتے رہے وہ دشمن ہوں اس تقدیر کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے زندگی پیدا فرمادے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ۝ (التقصص)

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اپنے معبودوں سے دشمنی کا اظہار کیا کیونکہ یہ معبود ان کفار کی بلاکت کا سبب بنے اور معبودوں نے ان کی عبادت کا انکار کر دیا، اسی پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۝

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

”اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے۔“

آيَاتُنَا سے مراد قرآن ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا

تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

”کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے، فرمائیے: اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑا لو وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ام میں مسم زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے اَيَقُولُونَ افْتَرَاهُ۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے بات کی ہے۔ وہ آیات کو جو جادو کا نام دیتے تھے اس سے اضطراب کیا گیا ہے۔ ام میں ہمزہ انکار اور تعجب کے لیے ہے گویا فرمایا: اسے چھوڑو ان کا عجیب و غریب قول سنو جس سے تعجب عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر نہیں یہاں تک کہ وہ یہ کہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھیں اگر آپ اس پر قادر ہوں غیب قوم اس پر قادر نہ ہو تو عادت کے

خلاف ہونے کی وجہ سے آپ کی قدرت معجزہ ہوگی، جب معجزہ ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی تصدیق ہوگی۔ حکیم جھوٹے کی تو تصدیق نہیں کرتا تو آپ مفتری تو نہ ہوئے۔ اور ضمیر حق کے لیے ہے اور مراد آیات ہیں۔

قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُمْ كَذِبًا دَيِّبًا: اگر بفرض محال میں اس پر افتراء باندھوں فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا تو تم اس بات پر قادر نہ ہو گے کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کر سکو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر کیسے افتراء باندھوں گا۔ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ جو تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ الافاضہ فی الشیء سے مراد ہوتا ہے اس میں داخل ہونا اور اس میں شروع ہو جانا۔ افاضوا فی الحدیث وہ گفتگو میں شروع ہو گئے۔ افاض البعید یعنی اونٹ نے جگالی کو او جھ سے دھکیلا اور اسے نکالا۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وأفضن بعد كظو مهن بجرّة

انہوں نے او جھ کی خشکی کے بعد جگالی کو باہر نکالا۔

أفاض الناس من عرفات إلى منى یعنی تیزی سے چلے۔ پس ہر وہ چیز جس میں دفعہ کا معنی پایا جاتا ہو اس کو افاضہ کہتے ہیں۔ گلفی بہ شہیداً یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ یعنی وہ میری سچائی کو جانتا ہے جبکہ تم باطل پر ہو۔ وَهُوَ الْغَفُورُ جو توبہ کرے اس کو بخشنے والا ہے الرَّحِيمُ ① اپنے مومن بندوں پر رحیم ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدُعَاءِ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ①

”آپ کہیے: میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ، میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا۔“

قُلْ مَا كُنْتُ بِدُعَاءِ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں مجھ سے قبل بھی تو رسول تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ البدع یعنی پہلا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے اسے بدعاً پڑھا ہے یعنی دال مفتوح ہے اس بنا پر کہ مضاف مقدر ہے معنی ہے میں رسالت والا پہلا تو نہیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدع اور بدیع ایک معنی میں ہیں جس طرح نصف اور نصیف ہے۔ ابداع الشاعر یعنی وہ بدیع لایا۔ شی بدع یعنی نئی چیز۔ فلاں بدع فی هذا الأمر۔ فلاں اس معاملہ میں بدیع ہے۔ قوم ابداع؛ یہ انفس سے مروی ہے۔ قطرب نے عدی بن زید کا شعر پڑھا:

فلا أنا بدع من حوادث تعتری (1)

میں کوئی پہلا شخص نہیں جسے حوادث لاحق ہوئے ہیں

وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ یعنی قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اسے نہیں

جانتا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک، یہودی اور منافق بڑے خوش ہوئے انہوں نے کہا: ہم اس نبی کی کیسے پیروی کریں جو جانتا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ اور ہمارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے، اسے ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر یہ اپنی جانب سے نہ کہتے تو جس ذات نے اسے مبعوث کیا ہے وہ اسے ضرور بتا دیتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: 2) تو یہ آیت منسوخ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا ہے جو وہ تیرے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے کاش! ہم بھی جان لیتے وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (الفتح: 5) اور یہ آیت نازل ہوئی وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا (احزاب) یہ حضرت انس، حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور ضحاک نے کہا، حضرت ام العلاء جو انصار کی ایک عورت تھی نے کہا: ہم نے مہاجرین کو تقسیم کیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون بن حذافہ بن جحج آئے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا تو وہ فوت ہو گئے۔ میں نے کہا: اے ابا سائب! اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت دی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تجھے کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان تو پھر کون؟ فرمایا: ”جہاں تک اس کا تعلق ہے اسے موت آئی ہے ہم نے بھلائی ہی دیکھی ہے، اللہ کی قسم! میں اس کے لیے جنت کی امید رکھتا ہوں اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔“ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کا کبھی بھی تذکیہ نہیں کروں گی۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے اور کہا: یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ اپنی خطاؤں کی بخشش کو نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال سے چار سال قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر بخشش کی نوید سنائی تھی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ام العلاء کی حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اس میں میری روایت یہ ہے وما أدری ما يفعل به اس میں بی و بکم نہیں ہے (1) انشاء اللہ یہ صحیح ہے جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے نحاس نے کہا: یہ محال ہے کہ اس میں ناسخ و منسوخ ہو اس کی دو وجوہ ہیں: 1۔ یہ خبر ہے۔ 2۔ سورت کے آغاز سے لے کر اس جملہ تک مشرکوں سے خطاب ہے ان کے خلاف استدلال ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے تو ضروری ہے کہ یہ بھی مشرکوں سے خطاب ہو جس طرح اس سے پہلے اور اس کے بعد مشرکوں سے خطاب ہے اور یہ امر محال ہے کہ نبی کریم ﷺ مشرکوں کو کہیں: وَمَا أَدْرَايَ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ یعنی آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے میں نہیں جانتا جبکہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے آغاز سے لے کر وصال تک یہی خبر دیتے کہ ”جو آدمی حالت کفر پر مرا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو حالت ایمان پر مرا اتباع اور اطاعت کی وہ جنت میں ہوگا۔“ جبکہ نبی کریم ﷺ نے وہ منظر دیکھا تھا کہ آخرت میں اس کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے تو وہ کہیں گے: ہم تیری اتباع کیسے کریں جبکہ تو جانتا ہی نہیں کہ کیا تو خوشحالی



کی طرف لوٹے گا یا عذاب و عقاب کی طرف (لوٹے) گا۔

آیت کے بارے میں صحیح قول حضرت حسن بصری کا ہے جس طرح علی بن محمد بن جعفر بن حفص، یوسف بن موسیٰ سے وہ وکیع سے وہ ابو بکر ہذلی سے وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ سب سے صحیح اور اچھا قول ہے۔ نبی کریم ﷺ پہ نہیں جانتے کہ آپ کو اور ان لوگوں کو مرض، صحت، نرمی، سختی، غنا اور فقر میں سے کیا کچھ لاحق ہونے والا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكْثَرْتَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنَى السُّوءُ إِنَّا إِنَّا لَا نَذِيرُ وَبَشِيرٌ (اعراف: 188)** واحدی اور دوسرے علماء نے کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر آزمائشیں بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجوریں، درخت اور پانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے صحابہ پر بیان کیا تو صحابہ خوش ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ مشرکوں کی جانب سے جس اذیت میں مبتلا ہیں اس سے آسودگی پا جائیں گے۔ پھر وہ تھوڑا عرصہ رکے۔ جس میں انہوں نے ہجرت کا منظر نہ دیکھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! سنئے! ہم سب اس علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے جو آپ نے دیکھا تھا؟ تو نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: **وَمَا أَدْرَاكَ مَا يُفْعَلُ بِيَوْمِكُمْ**۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ جس جگہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس کی طرف میں نکلوں گا یا نہیں۔ پھر کہا: یہ تو وہ چیز تھی جو میں نے خواب میں دیکھی میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (1)، یعنی جس امر کی میں نے تمہیں خبر دی ہے وہ میری طرف وحی نہیں کی گئی۔ قشیری نے کہا: اس اعتبار سے اس آیت میں کوئی نسخ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے جو فرائض مجھ پر تم پر لازم کیے گئے ہیں میں انہیں نہیں جانتا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرا اور تمہارا انجام کیا ہوگا، کیا تم ایمان لاؤ گے یا کفر کر ڈو گے، تمہیں جلدی عذاب آئے گا یا تم کو مہلت دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ حضرت حسن بصری، سدی اور دوسرے علماء کے قول کا معنی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اللہ کی پناہ نبی کریم ﷺ کو خوب جانتے تھے کہ آپ جنت میں ہیں (2)۔ جب آپ نے رسولوں سے میثاق لیا تھا، لیکن فرمایا: میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا کیا مجھے میری بستی سے نکال دیا جائے گا جس طرح انہیں ان کی بستیوں سے نکالا گیا تھا یا مجھے قتل کر دیا جائے گا جس طرح انہیں قتل کر دیا گیا تھا اور میں تمہارے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا کیا میری امت تصدیق کرنے والی ہوگی یا جھٹلانے والی ہوگی یا میری امت پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی جائے گی یا انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (توبہ: 33)** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا دین تمام ادیان پر غالب آئے گا پھر آپ ﷺ کی

امت کے بارے میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (انفال: 33) اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا کچھ کرنے والے ہیں۔ ان تمام تعبیروں کی بنا پر کوئی نسخہ نہیں۔ الحمد للہ۔

نحاک نے یہ بھی کہا ہے: وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ فِي وَلَا يَكُنْ كَمَا مَعْنَى ہے میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس چیز کا حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ مومنوں کو بد دیں کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں وضاحت فرمادی: تَسْتَغْفِرُ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (التغۃ: 2) اس کے بعد مومنوں کی حالت کو بیان فرمایا پھر کافروں کی حالت کو بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اول کا معنی ہے مگر اس میں نسخ کا ذکر بیان کے معنی میں کیا اور یہ حکم دیا کہ یہ مومنوں کو کہہ دیں۔ صحیح وہ ہے جو ہم نے حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے بیان کیا ہے۔ مَا يَفْعَلُ میں ما کے بارے میں جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے استنبہامیہ بنایا جائے اور یہ مرفوع ہو اِنْ اَتَيْتُمْ اِلَّا مَا يُؤْخِي اِلَيَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ اسے یوحی بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے۔ اس کے بارے میں بحث کئی دفعہ پہلے نذر چکی ہے۔

قُلْ اَمْرًا يُثْمِنُ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَٰهِدٌ مِّنْ بَنِي اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهِ فَاَمَنْ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

”فرمائیے: کیا تم نے بھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو تم اس کا انکار کر دو (تو اس کا کیا انجام ہوگا) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔“

قُلْ اَمْرًا يُثْمِنُ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کان میں ہونمیر سے مراد قرآن ہے وَكَفَرْتُمْ بِهِ ضمیر غائب سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے: یہ امام شعبی کا قول ہے (1)۔

وَشَهِدَ شَٰهِدٌ مِّنْ بَنِي اِسْرَآءِیْلَ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، عکرمہ، قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں (2)، آپ نے یہودیوں کے خلاف گواہی دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر تورات میں ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی ہیں۔ ترمذی میں ان سے روایت ہے کہا: میرے بارے میں کتاب اللہ کی آیات نازل ہوئیں میرے بارے میں یہ آیت وَشَهِدَ شَٰهِدٌ مِّنْ بَنِي اِسْرَآءِیْلَ نازل ہوئی۔ سورہ رعد کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

مسروق نے کہا: اس آیت کا مصداق حضرت موسیٰ اور تورات ہے حضرت ابن سلام نہیں، کیونکہ آپ مدینہ طیبہ میں اسلام لائے جبکہ سورت مکی ہے۔ کہا: وَكَفَرْتُمْ بِهِ یہ قریش سے خطاب ہے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لائے کیونکہ ابن سلام نے نبی کریم ﷺ کی وفات سے دو سال قبل اسلام قبول کیا تھا، جبکہ سورت مکی ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے کہا شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اس نے کہا سورت مکی

ہے اور حضرت ابن سلام نبی کریم ﷺ کے وصال سے دو سال قبل اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیت مدنی ہو اور اسے مکی سورت میں رکھا گیا ہو، کیونکہ آیت نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے: ”اے فلاں سورت میں رکھو“۔ آیت مشرکین سے دلیل کے ساتھ مدعا ثابت کرنے کے بارے میں ہے۔ دلیل کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں یہودیوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ان کی شہادت مومنوں کے بارے میں ان کے نبی کی شہادت میرے بارے میں واضح ترین دلائل میں سے تھی۔ یہ بھی بعید نہیں کہ سورت یہودیوں کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں ہو جب حضرت عبد اللہ بن سلام مسلمان کی حیثیت میں آئے جبکہ یہودیوں کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا عرض کی: یا رسول اللہ! اپنے درمیان اور یہودیوں کے درمیان مجھے حکم بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے حضرت عبد اللہ بن سلام کے بارے میں پوچھا: ”عبد اللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟“ یہودیوں نے کہا: وہ ہمارا سردار اور ہمارا عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”وہ تو مجھ پر ایمان لا چکا ہے“ تو یہودیوں نے حضرت عبد اللہ بن سلام کی برائیاں کیں۔ یہ بھی بات پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہودی حضرت عبد اللہ بن سلام کے فیصلہ پر راضی ہو گئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: اگر اس نے آپ کے حق میں گواہی دی تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام سے پوچھا گیا: تو انہوں نے گواہی دے دی پھر اسلام قبول کر لیا۔

عَلَىٰ مِثْلِهِ جَوْمٌ تَمَّارٌ پَسَ لَا يَأْهُوْنَ اس کی مثل، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پر اور حضرت محمد ﷺ نے قرآن پر گواہی دی۔ جرجانی نے کہا: مثل کا لفظ زائد ہے پھر کلام اس طرح ہوگی شَهِدَ شَهِدٌ عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ قَامَنَ وہ گواہ ایمان لے آیا وَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ اِنْ كَانَ کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے قَامَنَ اتُّمُونِ یہ زجاج کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قَامَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ کیا تم نے ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ①۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قَامَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ، اَفْتُمُونِ عَذَابِ اللّٰهِ۔ اَمْرًا يُتَمُّ یہ ایسا لفظ ہے جو سوال اور استفہام کے لیے وضع کیا گیا ہے، اسی وجہ سے یہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہوگی قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَشَهِدَ شَهِدٌ مِنْ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ قَامَنَ هُوَ كَفَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۖ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا أَفْكٌ قَدِيمٌ ②

”اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ

(اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے۔

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے اور چھ اقوال ہیں:

1۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوذر غفاری کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے دعوت قبول کر لی ان کی قوم نے ان سے پناہ چاہی تو ان کا سردار آیا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا پھر سردار نے قوم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے یہ خبر قریش کو پہنچی انہوں نے کہا: بنو غفار تو حلیف لوگ ہیں اگر یہ دعوت خیر ہوتی تو بنو غفار ہم سے سبقت نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی: یہ ابو متوکل کا قول ہے۔

2۔ حضرت زبیرہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی نظر خراب ہو گئی لوگوں نے کہا: لات وعزی نے تیری نظر خراب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی قریش کے سرداروں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جو لائے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو زبیرہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے۔

3۔ بنو عامر، بنو عطفان، بنو تمیم، بنو اسد، بنو حنظلہ اور بنو اشجع میں سے کافروں نے کہا: جو لوگ بنی غفار، بنی اسلم، بنی جہینہ، بنی مزینہ اور بنی خزاعہ سے اسلام لائے تو انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جو کچھ لائے ہیں اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو گائے، بھیڑ، بکری کے بچوں کو چرانے والے ہم پر سبقت نہ لے جاتے کیونکہ ہم ان سے بہتر ہیں، یہ کلبی اور زجاج کا قول ہے؛ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی، انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جس امر کی ہمیں دعوت دیتے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو بلال، صہیب، عمار، فلاں اور فلاں ہم پر سبقت نہ لے جاتے؛ یہ چوتھا قول ہے۔

5۔ یہودیوں میں سے کافروں نے اپنے میں سے مومنوں یعنی حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کو کہا: اگر (حضرت) محمد (ﷺ) کا دین حق ہوتا تو وہ ہم پر اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے؛ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ ثعلبی نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے۔ مسروق نے کہا: کفار نے کہا اگر یہ بہتر ہوتا تو یہودی اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے؛ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کفار کی جانب سے یہ معارضہ جو ان کے قول میں ہوتا: ”اگر یہ خیر ہوتا وہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے“ یہ بڑے معارضات میں سے ایک تھا کیونکہ یہ اس پر منطبق ہو جاتا جو ان سے مخالفت کرتا یہاں تک کہ یہ انہیں کہا جاتا: جس پر تم ہو اگر یہ بہتر ہوتا تو ہم اس سے نہ پھرتے اگر رسولوں کی تکذیب بہتر ہوتی تو تم ہم پر سبقت نہ لے جاتے (1)؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ قول مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ یہ کفار کا بعض مومنوں کے لیے قول ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب کے صیغہ سے غیبت کی طرف خطاب ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ (یونس: 22)



وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ ۖ ضَمِير سے مراد ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (1)۔

فَسَيَقُولُونَ هَذَا اِفْكٌ قَدِيمٌ ۝ جب انہوں نے قرآن سے ہدایت حاصل نہ کی اور نہ اس سے جو اس قرآن کو لایا تو اس سے دشمنی کی اور اسے جھوٹ کی طرف منسوب کیا اور کہا: یہ پرانا جھوٹ ہے جس طرح انہوں نے اس کے بارے میں کہا: اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ۝ (الانعام) کسی سے پوچھا گیا: کیا قرآن میں بھی ہے جو آدمی کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس سے دشمنی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَيَقُولُوا هَذَا اِفْكٌ قَدِيمٌ ۝ اس کی مثل ہے بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَيُحِيطُوا بِعَلَمِہِ (یونس: 39)

وَ مِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَى اِمَامًا وَ رَاحَةً ۖ وَ هَذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا  
لِيُنْذِرَ اَلَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَ بُشْرٰى لِّلْمُحْسِنِينَ ۝

”حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے، اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کر دے ظالموں کو، اور خوشخبری ہے نیکو کاروں کے لیے۔“

وَ مِنْ قَبْلِهِ یعنی قرآن سے پہلے کِتَابُ مُوسَى یعنی تورات اِمَامًا اس میں جو کچھ ہے اس کی اقتدا کی جاتی ہے وَ رَاحَةً اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی تم اس سے ہدایت نہ پاؤ گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ پر ایمان لانے کا ذکر ہے تو انہوں نے اسے ترک کیا۔ اِمَامًا حال کی حیثیت سے منصوب ہو گا، کیونکہ معنی ہے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بطور امام گذر چکی ہے وَ رَاحَةً اس اِمَامًا پر معطوف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ فعل مضر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی اَنْزَلْنَاهُ اِمَامًا وَ رَحْمَةً۔ انفس نے کہا: ما قبل سے الگ ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ کتاب موسیٰ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے، کیونکہ نکرہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے یا اسے مضاف کیا جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے۔

وَ هَذَا كِتَابٌ مراد قرآن ہے مُصَدِّقٌ یہ تورات اور اس سے قبل کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِسَانًا عَرَبِيًّا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی عربی ہوتے ہوئے سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لِسَانًا یہ حال کی تمہید کے لیے ہے یعنی تاکید ہے جس طرح تیرا قول ہے: جاعن زید رجلاً صالحاً تو تورا رجلاً کو تاکید کے طور پر ذکر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوئی: هذا کتاب مصدق اعنى لسانا عربيا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے بلسان عربی۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے کہ لفظ لسان مفعول بہ ہے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے تقدیر کلام یہ ہے ہذا کتاب مصدق للنبی ﷺ۔ یہ کتاب نبی ﷺ کی تصدیق کرنے والی ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یہ عربی زبان والے کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لفظ لسان مصدق کی وجہ سے منصوب ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ یہ قول بعید ہوگا کہ لسان سے مراد قرآن لیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا وہ اپنی ذات کی تصدیق کرتا ہے۔

لَيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا عَام قِرَاءَتِ لَيُنْذِرَ مَا ہے یہ کتاب کے بارے میں خبر دے رہی ہے یعنی جن لوگوں نے کفر اور معصیت کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کیا انہیں یہ کتاب خبردار کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دے رہی ہے۔ نافع، ابن عامر اور بزی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے: ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ (النازعات: 45)

وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ بشاری محل رفع میں ہے یعنی ہو بشاری۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف کتاب پر ہے یعنی ہذا کتاب مصدق و بشاری یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہو تقدیر کلام یہ ہوگی لَيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَلِلْبَشَرِی جب حرف جار کو حذف کیا تو اسے نصب دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تبشیر المحسنین بشاری جب اسے و تبشیر بشاری او بشارۃ کی جگہ رکھا تو اسے نصب دی، جس طرح تو کہتا ہے: اَتَيْتَكَ لِأُزَوِّدَكَ وَ كَرَامَةً لَكَ وَ قِضَاءً لِحَقِّكَ معنی ہوگا میں تیری ملاقات کروں گا میں تیری عزت کروں گا اور تیرا حق ادا کروں گا۔ کرامۃ کے لفظ کو فعل مضمر کی وجہ سے نصب دی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

”بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ غمگین ہوں گے، یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں، یہ جزاء ہے ان نیکوں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ آیت عام ہے جزاء مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۚ حَسَنَتُهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۚ وَحَمَلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۚ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي دِينِي ۖ إِنَّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِلَىٰ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

”اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جناس کو بڑی تکلیف سے، اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرما دے بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا انسان کی اپنے والدین کے ساتھ حالت کے اختلاف کو بیان کیا کبھی وہ ان دونوں کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی ان کی مخالفت کرتا ہے اس کی مثل نبی کریم ﷺ اور آپ کی قوم میں بعید نہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض آپ کی دعوت کو قبول کریں اور بعض انکار کریں یہ کلام کے بعض سے اتصال کی صورت ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حسنا عام قراءت حسنا ہے۔ اہل حرمین، اہل بصرہ، اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس اور کوفیوں نے اسے إِحْسَانًا پڑھا ہے ان کی حجت سورۃ الانعام اور بنی اسرائیل میں ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ: 83) کوفہ کے مصاحف میں اسی طرح ہے (1)۔ پہلی قراءت کی حجت اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورۃ عنکبوت میں ہے وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ اس میں قراء نے اختلاف نہیں کیا۔ حسن، قبح کا خلاف ہے احسان، اساءۃ کے خلاف ہے توصیۃ کا معنی حکم دینا ہے اس بارے میں اور جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی گفتگو گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا یہاں باء حرف جار حذف ہے اصل میں بکرۃ و مشقۃ تھا عام قرات کاف کے فتح کے ساتھ ہے، ابو عبید نے اسے پسند کیا، کہا: اسی طرح لفظ کراہ پورے قرآن میں فتح کے ساتھ ہے مگر وہ جو سورۃ بقرہ میں ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهًا لَّكُمْ کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ تمام مصادر ہیں۔ کوفیوں نے کُرْهًا ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح ضَعْف، ضَعْف اور شُهْد، شُهْد ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے تمام بصریوں کے نزدیک یہ اسی طرح ہے۔ کسائی نے بھی یہ کہا ہے۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ کراہ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ تکلیف ہوتی ہے جو انسان اپنی ذات پر برداشت کرتا ہے اور فتح کے ساتھ وہ ہوتی ہے جو غیر پر لازم کرتا ہے۔ اس سے مراد قہر اور غضب ہے، اسی وجہ سے بعض عربوں نے کہا: کراہ یہ غلط ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَحَمَلَهُ وَفَضَلَهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نو ماہ تک حاملہ رہے تو وہ

اکیس ماہ تک دودھ پلائے اگر وہ چھ ماہ تک حاملہ رہے تو چوبیس ماہ تک دودھ پلائے (1)۔ یہ روایت کی گئی کہ حضرت عثمان بنیثیہ کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی جس نے چھ ماہ میں بچہ جن دیا تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس پر حد جاری کریں۔ حضرت علی شیر خدا بنیثیہ نے کہا: یہ اس پر لازم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحَلَّهٖ وَفُضِّلَہٗ ثَلَاثُوْنَ شَہْرًا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْوَالِدَاتُ یَرْضَعْنَ اَوْلَادَہُنَّ حَوْلَیْنِ کَاَصْلَحِنِ (بقرہ: 233)۔ دودھ پلانے کی مدت چوبیس ماہ اور حاملہ کی مدت چھ ماہ ہے۔ حضرت عثمان بنیثیہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا اور اس پر حد جاری نہ کی۔ سورہ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے حمل کے ابتدائی تین ماہ کو شمار نہیں کیا کیونکہ ان تین مہینوں میں وہ نطفہ، خلقہ اور مضغ ہوتا ہے اس کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا جس کو محسوس کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَلَمَّا تَغَشَّیْہَا حَمْلٌ خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِہٖ (اعراف: 189) فصال کا معنی دودھ چھڑانا ہے۔ سورہ لقمان میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری یعقوب اور دوسرے علماء نے دفعہ پڑھا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ آیت حضرت ابوبکر صدیق بنیثیہ کے بارے میں نازل ہوئی ان کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تین سال تھا ان کی ماں نے انہیں نو ماہ تک رحم میں اٹھایا اور اکیس ماہ تک دودھ پلایا، کلام میں اضمار ہے یعنی مدۃ حملہ و مدۃ فصالہ ثلاثون شہرا ان کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ تھی۔ اگر یہ اضمار نہ ہوتا تو ثلاثین کی ظرف کی وجہ سے نصب دی جاتی اور معنی بدل جاتا۔

**مسئلہ نمبر 5۔** حَتَّىٰ اِذَا ہَدَّیْتُمْ اَشْدَّۃَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مدت اٹھارہ سال ہے عطا نے ان سے جو روایت کی وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نبی کریم رضی اللہ عنہ کے دوست بنے جبکہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی جبکہ نبی کریم رضی اللہ عنہ کی عمر بیس سال تھی، یہ لوگ تجارت کے لیے شام کا ارادہ رکھتے تھے وہ ایک جگہ اترے جس میں بیری کا درخت تھا نبی کریم رضی اللہ عنہ اس کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ایک راہب کے پاس گئے تاکہ اس سے دین کے بارے میں کوئی بات پوچھیں۔ راہب نے کہا: اس درخت کے سائے میں کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: وہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ اس راہب نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نبی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی آدمی اس درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بیٹھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دل میں یقین اور تصدیق بیٹھ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق سفر و حضر میں جدا نہیں رہتے تھے۔ جب رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے اعلان نبوت فرمایا جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی حضرت ابوبکر صدیق بنیثیہ نے آپ کی تصدیق کی جبکہ آپ کی عمر مبارک اٹھتیس سال تھی۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو دعا کی سہولت اَوْزَعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَلْعَمْتُ عَلَیَّ وَ عَلَیْ وَاٰلِہٖٓ (نمل: 19) امام شعبی اور ابن زید نے کہا: الاشد سے مراد حلم ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد چالیس سال کی عمر کو پہنچنا ہے۔ اسی سے اس امر پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ سورہ الانعام میں اس بارے میں گفتگو گذر چکی ہے۔ سدی اور ضحاک نے کہا: یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے اور عمومی حکم لے کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔



**مسئلہ نمبر 6۔** قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ یعنی مجھے الہام کیجئے۔ اَنْ اَشْكُرَ یہ محل نصب میں ہے جو مفعول مطلق کے قائم مقام ہے تقدیر کا یہ ہوگی اَوْزِعْنِيْ شکر نعمتک۔ عَلَيَّ جو تو نے ہدایت کی صورت میں مجھ پر انعام فرمایا ہے عَلَيَّ وَالِدَيَّ یعنی میرے والدین پر شفقت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے میری چھوٹی عمر میں تربیت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو نے مجھ پر صحت و عافیت کے ساتھ انعام فرمایا اور میرے والدین پر غنا اور ثروت کے ساتھ انعام فرمایا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی ان کے دونوں والدین مسلمان ہوئے۔ مہاجرین میں سے آپ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ اس کے والدین مسلمان ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان دونوں کے بارے میں تاکید حکم دیا اور آپ کے بعد ہر کسی کے لیے یہ حکم لازم ہو گیا۔ ان کے والد حضرت ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیمتھے۔ ان کی والدہ ام الخیر تھیں اس کا نام سلمی بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی دادی کا نام قیلہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی کا نام قتیلہ تھا جو عبدالعزیٰ کی بیٹی تھی۔

وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی تو آپ نے ان نو ناموں کو آزاد کیا جن کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، ان میں حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ آپ نے بھلائی میں سے کسی چیز کی دعا نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدد کی۔

صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟“ (1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں۔ پوچھا: ”آج تم میں سے کس نے نماز جنازہ پڑھی؟“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے۔ فرمایا: ”آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ امور کسی انسان میں جمع نہیں ہوتے مگر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“

**مسئلہ نمبر 7۔** وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ یعنی میری ذریت کو صالحین میں سے بنادے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد اور والدین میں سے کوئی بھی نہ رہا مگر وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر ایمان لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیق کے سوا کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خود، اس کے والدین، اس کے بچے اور بچیاں صحابی ہوں۔

سہل بن عبد اللہ نے کہا: معنی ہے انہیں میرا اچھا نائب اور تیرا سچا بندہ بنادے (2)۔ ابو عثمان نے کہا: انہیں میرے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اور اپنا اطاعت گزار بنادے۔

ابن عطاء نے کہا: انہیں ایسے اعمال صالح کی توفیق دے جن کے ساتھ تو ان پر راضی ہو جائے۔ محمد بن علی نے کہا: شیطان، نفس اور خواہش کو تو ان پر غلبہ نہ دے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، فضل من ضمہ ال صدقۃ غیرہا من انواع البہر، جلد 1، صفحہ 330

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 278

ماک بن مغول نے کہا: ابو معشر نے اپنے بیٹے کی شکایت حضرت طلحہ بن مصرف سے کی۔ فرمایا: اس آیت کے ذریعے اس کے خلاف مدد طلب کر۔ اور یہ آیت پڑھی رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْدِقُ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۗ اِنِّىْ ثَبَتُّ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○۔ اِنِّىْ ثَبَتُّ اِلَيْكَ یعنی میں نے اس امر سے رجوع کر لیا جس میں میں تھا۔ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ یعنی میں توحید میں مخلص ہوں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ نَسْتَبِلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ  
الْجَنَّةِ وَعَدَ الصَّادِقُ الَّذِي كَانُوا يُوْعَدُونَ ○

”یقین وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ ہمتیوں میں سے ہوں گے، یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) لیا گیا ہے۔“

اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ اَعْمَ قُرَآءِیْهِ تَقَبَّلُ ہے اسے یَتَقَبَّلُ اور  
یتجاوز یہ کہ فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ حفص، حمزہ اور کسائی نے تقبیل اور تتجاوز  
دونوں میں نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم انہیں بخش دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ تجاوز کا اصل معنی ہے جزت شئی یہ  
اس وقت کہتے ہیں جب تو اس چیز پر نہ رکے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے آیت وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ اَخْرُجْ  
کے ساتھ متشدد نہیں بلکہ عموم کے لیے نازل ہوئی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ معنی ہے ہم ان کی نیکیاں قبول کرتے  
ہیں اور ان کی سینئات سے درگزر کرتے ہیں۔

زید بن اسلم نے کہا: وہ اسے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: جب وہ اسلام لائیں گے تو ان کی نیکیاں قبول ہوں گی اور برائیاں بخش دی جائیں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احسن سے مراد طاعات میں سے وہ اعمال ہیں جو ثواب کا تقاضا کرتے ہیں۔ حسن مباح میں نہ ثواب ہے اور نہ عقاب ہے؛ یہ ابن عسلی نے بیان کیا ہے (2)۔

فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ - فِي، مع کے معنی میں ہے یعنی جنتیوں کے ساتھ، تو کہتا ہے: أَكْرَمَكَ وَأَحْسَنَ إِلَيْكَ فِي جَمِيعِ أَهْلِ  
الْبَلَدِ یہاں بھی فِي، مع کے معنی میں ہے۔

وَعَدَ الصَّدَقِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہے اور ما قبل کی تاکید کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ محسن کی نیکیاں قبول کرے اور گناہ کار سے درگزر کرے، یہ سچا وعدہ ہے۔ یہ اضافة الشیء الی نفسہ کے باب سے ہے، کیونکہ صدق وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: حَقُّ الْيَقِينِ ۝ (الواقعة) کی طرح ہے۔ یہ کوفیوں کی رائے ہے، جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے اس کی تفسیر یہ ہے۔ وعد الکلام الصدق او الکتاب الصدق تو موصوف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

الَّذِينَ كَانُوا يُعَدُّونَ ۝ یعنی دنیا میں رسولوں کی زبانوں پر ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اس سے مراد جنت ہے۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا اتَّعِدْنِي أَنُ أَخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي ۚ  
وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَيَقُولُ مَا هَذَا إِلَّا  
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ۝

”اور جس نے کہا اپنے والدین کو: افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گذر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہوا ایمان لے آئینا اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ ”جواباً“ کہتا ہے: نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں، یہی وہ (بد بخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے، بے شک وہ سراسر گھائے میں تھے۔“

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا اتَّعِدْنِي أَنُ أَخْرَجَ، اُنْ أَخْرَجَ یعنی مجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي نافع، حفص اور دوسرے قراء نے اف کسور اور منون پڑھا ہے ابن کثیر، ابن محیسن، ابن عامر اور مفضل نے عاصم سے اف تنوین کے بغیر مفتوح منقول ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ تمام لغتیں ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہ بات گذر چکی ہے عام قراءت اَتَّعِدْنِيْ مَخْفَفَ نُونُوں کے ساتھ ہے۔ اہل مدینہ اور اہل مکہ نے اس کی یاء کو فتح دیا ہے، باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔

ابو حیوہ، مغیرہ اور ہشام نے اَتَّعِدَانِ نون مشدہ کے ساتھ پڑھا ہے اہل شام کے مصاحف میں اسی طرح ہے عام قراءت ان کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ ہے اُنْ أَخْرَجَ حضرت حسن بصری، نصر، ابو عالیہ، اعمش اور ابو معمر نے الف کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، سدی، ابو عالیہ اور مجاہد نے کہا: یہ آیت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ عبد اللہ کے والدین اسے اسلام کی طرف دعوت دیتے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی۔ قتادہ اور سدی نے یہ بھی کہا ہے: وہ عبد الرحمن بن ابی بکر تھے وہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ عبد الرحمن کے والد، اس کی والدہ حضرت ام روحان اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے اور دوبارہ اسے اٹھانے کی دعوت دیتے تھے تو وہ اپنے والدین کو وہ جواب دیتا جس کی اللہ تعالیٰ نے وصیت بیان کی ہے، یہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبد الرحمن کے بارے میں نازل ہو۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے بھی یہ کہا: یہ ایک ایسے بندے کی صفت ہے جو کافر تھا اور اپنے والدین کا

نافرمان تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے بارے میں اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** قول سے مراد عذاب ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایمان نہ ہو جبکہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر مومنوں میں سے بڑی فضیلت کے حامل تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ایسے کافر بندے کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے والدین کا نافرمان تھا۔

محمد بن زیاد نے کہا: حضرت معاویہ بنی ہاشم نے مروان بن حکم کی طرف خط لکھا کہ لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لیں تو حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر نے کہا: تم نے ہر قل والا کام کیا ہے کیا تم اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لیتے ہو؟ مروان نے کہا: یہ عبدالرحمن وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالَّذِي قَالَ لِيَا وَيْلَهُ أُفٍّ لَّكَ** کہا: اللہ کی قسم! وہ عبدالرحمن نہیں اگر میں چاہوں تو میں اس کا نام بھی لے دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اس کی پشت میں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ایک حصہ ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے یہ کہا کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس نے **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** سے یہ مراد لیا ہے کہ یہ اس کے متعلق ہے جو وہ اعتقاد رکھتا ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ آیت کا ابتدائی حصہ خاص ہے اور آخری حصہ عام ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن نے جب یہ کہا: **وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي** اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا تھا تو پھر عبد اللہ بن جدعان، عثمان بن عمرو، عامر بن کعب اور قریش کے مشائخ کہاں ہیں یہاں تک کہ میں ان سے پوچھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تو **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** ان لوگوں کی طرف لوٹتا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے بارے میں واقعہ سورہ انعام کی آیت: **لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى** (انعام: 71) میں گزر چکا ہے جو اس آیت کے حضرت عبدالرحمن کے بارے میں نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے جب وہ کافر تھے اور اسلام لانے اور اپنی فضیلت کے باعث وہ اس کلام **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** کا مصداق نہ رہے۔

**وَهُمَا** یعنی اس کے والدین **يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ** دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے ہدایت کی التجا کرتے ہیں یا کفر سے چھٹکارا کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ جب حرف جار کو حذف کر دیا اور مفعول فعل کے ساتھ مل گیا تو اسے نصب دے دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: استغاثہ سے مراد دعا ہے تو بقاء کی ضرورت ہی نہیں۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ **وَيُلْكَ أَمْرٌ** تو ہلاک ہو ایمان لے آ اور دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کر۔ **إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ** اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اس میں خلاف ورزی کی کوئی صورت نہیں۔ **فَيَقُولُ مَا هَذَا** آدہ کہتا ہے جو اس کے والدین کہتے ہیں: نہیں ہیں یہ **إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ** مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اور جن کو انہوں نے لکھا ہے جبکہ ان کی کوئی اصل نہیں۔

**أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** یعنی وہ لوگ جن کی طرف ابن ابی بکر نے اپنے قول میں اشارہ کیا تھا میرے لیے قریش کے مشائخ کو زندہ کرو **وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي** یہاں بھی وہی مراد ہیں جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے عبد اللہ یا عبدالرحمن کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ان کے باپ کی دعا قبول کر لی **وَأَصْلَحَ لِي فِي ذُرِّيَّتِي** جس طرح



پہلے گزر چکا ہے۔

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ كَمَا مَعْنَى ہے ان پر عذاب لازم ہو چکا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هُوَ لَا فِي الْجَنَّةِ وَلَا أَبَالَى وَهُوَ لَا فِي النَّارِ وَلَا أَبَالَى** یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

فِي أَصَمِّ یہاں فی مع کے معنی میں ہے قَدْ خَلَتْ یعنی گزر چکے ہیں۔ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْس یعنی کافر جن و انس میں سے۔ إِنَّهُمْ وہ کافر امتیں گائُوا خَسِرِينَ ① وہ اپنے اعمال کی وجہ سے خسارہ پانے والوں میں سے تھے؛ یعنی ان کی سعی ضائع ہو گئی اور جنت کو حاصل نہ کر سکے۔

وَلِكُلِّ دَرَجَتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالُهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾

”اور ہر ایک کے لیے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

وَلِكُلِّ دَرَجَتٌ جُنُودٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفَوَّضُونَ اور انسانوں میں سے مومنوں اور کافروں کی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کے قیامت کے روز اعمال کے مطابق مراتب ہوں گے۔ ابن زید نے کہا: اس آیت میں جہنمیوں کے درجات نچلی جانب اور جنتیوں کے درجات اوپر کی جانب جاتے ہیں (1)۔ وَلِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ ابن کثیر، ابن محیصن، عاصم، ابو بکر اور یعقوب نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے، باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَصَيَّنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کی طرف لوٹا یا ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ مسلک ہے۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ یعنی گناہ گار پر عذاب میں زیادتی اور نیکو کار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَدْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

وَأَسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِهَاسُكُمْ تَقْسُقُونَ ﴿٢٠﴾

”اور جس روز لا کر کھڑا کر دیا جائے گا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی

نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھایا تھا تم نے ان سے آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا

جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے۔“

وَيَوْمَ يُعْرَضُ اے محمد! سلسلہ اللہ علیہ السلام انہیں یاد دلایے جس روز انہیں پیش کیا جائے گا۔ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ یعنی جہنم

سے پردہ ہٹا دیا جائے گا انہیں آگ کے قریب کیا جائے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے۔

أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ یعنی انہیں کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ قولِ مشر ہے۔ حضرت حسن بصری، نصر ابو العالیہ، یعقوب اور ابن کثیر نے اَذْهَبْتُمْ دو ہمزہ مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر مد کے جملہ خبریہ کی صورت میں پڑھا ہے۔ یہ سب فصیح لغتیں ہیں۔ اس کا معنی شرمندہ ہونا ہے عرب استنہام کے ساتھ اور استنہام کے بغیر شرمندہ کرتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ابو عبید نے استنہام کے ترک کو اختیار کیا ہے کیونکہ ائمہ سبعہ میں سے یہ اکثر کی قراءت ہے یعنی نافع، عاصم، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی ساتھ ہی ساتھ ان کے ساتھ شیبہ، زہری، ابن محیصن، مغیرہ بن ابی شہاب، یحییٰ بن حارث، ائش، یحییٰ بن وثاب اور دوسرے قراء ہیں یہی وہ قراء ہیں جن کی قراءت پر اکثر لوگوں کو اتفاق ہے۔ استنہام کا ترک کرنا احسن ہے کیونکہ ہمزہ کا اثبات اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ انہوں نے یہ عمل نہیں کیا تھا، جس طرح تو کہتا ہے: اَنَا ظَلَمْتُكَ؟ تو اس سے تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے تجھ پر ظلم نہیں کیا۔ ہمزہ کو ثابت رکھنا بھی اچھا ہے ایک کہنے والا کہتا ہے: ذَهَبْتَ فَعَلْتَ كَذَا وَتَوَيْتَ كَرْتَا ہے اور کہتا ہے: اَذْهَبْتَ فَعَلْتَ یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ تم دنیا میں پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور تم نے شہوات اور لذات کی پیروی کی، مرادنا فرمانیاں ہیں۔

قَالِيَوْمَ تَجُزُّونَ عَذَابَ الْهُونِ یعنی ذلت و رسوائی کا عذاب۔ مجاہد نے کہا: ہون سے مراد ہوان ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔

يٰۤاَكْفُكُم تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی اس کے باعث تم اہل زمین پر ناحق بلند مرتبہ چاہتے تھے وَ يٰۤاَكْفُكُم تَفْسُقُونَ ۝ اس کے باعث کہ تم اپنے افعال میں بغاوت اور ظلم کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ یعنی تم نے اپنی جوانی کفر اور معاصی میں فنا کر دی۔ ابن بحر نے کہا: طیبات سے مراد جوانی اور قوت ہے (2)؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ذہب اُطیباء؛ یعنی اس کی جوانی اور قوت ختم ہو گئی۔ ماوردی نے کہا: میں نے ضحاک کو پایا کہ اس نے بھی یہی معنی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت حسن بصری نے آصف بن قیس سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: میں نیش و نشاط کی زندگی کو سمجھتا ہوں اگر میں چاہتا تو کلجی، بھنا ہوا گوشت، باریک روٹی اور چینی بنا تا لیکن میں اپنی نیکیوں کو باقی رکھنا چاہتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے اور کہا ہے (3): اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

ابو عبید نے حضرت عمر کی حدیث میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: لَوْ شِئْتُ لِدَعَوْتُ بِصَلَاتِكَ وَصَنَابٍ وَكِرَاكٍ وَاسْنَمَةٍ (4) ایک حدیث میں ہے وَأَفْلَافٍ۔ ابو عمرو اور دوسرے علماء نے کہا: الصلاء مد اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بھنا ہوا گوشت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اسے آگ پر بھونا جاتا ہے الصلاء کا معنی صلاء النار بھی ہے اگر تو صاد کو فتح دے

گا تو آخر میں الف مقصورہ ہوگا اور تو کہے گا: صَی النَّارِ۔ صِنا ب وہ چٹنی جو رائی اور کشمش سے بنائی جاتی ہے۔ اور عمرو نے کہا: اسی وجہ سے برذون کو صِنا بی کہتے ہیں کیونکہ اس کا رنگ اس کے مشابہ ہوتا ہے کہا: سلائق جب سمن کے ساتھ ہو تو اس سے مراد سبزی وغیرہ میں سے اہلی ہوئی چیز ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ لفظ صاد کے ساتھ ہے؛ جریر نے کہا:

تُكْفِنِي مَعِيشَةَ آلِ زَيْدٍ وَمَنْ لِي بِالصَّلَاقِ وَالصَّنَابِ

تو مجھے آل زید کی زندگی کا مکلف بناتا ہے تو کون میرے لیے پتلی روٹی اور بھنے گوشت کا اہتمام کرے گا۔

الصلائق سے مراد پتلی چوڑی روٹی ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے جہاں تک کرا کر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کرا کر اہل ہے اس کا واحد کمر کمر ہے جو معروف ہے یعنی سینہ؛ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ صحاح میں ہے الکر کمرۃ رحی زور البعید یعنی اونٹ کے سینے کی چکی ہے۔ یہ پانچ ثفنات (☆) میں سے ایک ہے۔ کر کر کا معنی لوگوں کی جماعت ہے۔ ابو مالک عمرو بن کر کرہ علماء لغت میں سے ایک ہے۔ ابو عبید نے کہا جہاں تک افلاذ کا تعلق ہے اس کا واحد فلذ ہے یہ جگر کا ایک ٹکڑا ہے۔ اعشی نے کہا:

تُكْفِيهِ حُزَّةٌ فَلِذَا إِنَّ أَلَمَ بِهَا مِنْ الشَّوَاءِ وَيُرْوَى شُرْبَهُ الْغُمُرُ

اگر وہ اس کے ہاں اترے گا تو بھنے ہوئے جگر کا ایک ٹکڑا اس کے لیے کافی ہوگا اور چھوٹے پیالے کا مشروب اسے سیراب کر دے گا۔

قنادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں چاہتا تو میں تم سے سب سے اچھے کھانے والا ہوتا اور سب سے نرم لباس پہننے والا ہوتا، لیکن میں اپنی نیکیاں آخرت کے لیے باقی رکھنے والا ہوں (1)۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو آپ کے لیے کھانا تیار کیا گیا جس کھانے جیسا آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا فرمایا: یہ ہمارے لیے ہے، تو ان مسلمان فقراء کا کیا ہوگا جو فوت ہو گئے اور جو کی روٹی سے بھی کبھی سیر نہ ہوتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے عرض کی: ان کے لیے جنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں فرمایا: اگر ہمارے حصہ میں دنیا میں سے یہ ٹکڑے ہیں اور وہ اپنے حصہ کی جنت میں چلے گئے ہیں تو وہ تو ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

صحیح مسلم اور دوسری احادیث کی کتب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل کے ایک کمرہ میں تشریف فرما تھے یہ اس دور کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے تو کوئی چیز نہ دیکھی جو نظر کو لوٹاتی مگر چڑے تھے جن پر نمک لگایا گیا تھا جن کی بوس پھیل رہی تھی (2)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور اللہ کے منتخب ہیں۔ یہ کسریٰ اور قیصر ہیں جو دیباچہ و حریر میں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھے گئے فرمایا: ”اے ابن خطاب! تو شک میں

1- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 305 2- صحیح مسلم، کتاب الطلاق، بیان ان تغیرہ امراتہ لا یكون ملحقاً بالانثیة، جلد 1، صفحہ 482

3- ثفنہ کی جمع ہے ثفنہ سے مراد اونٹ کے بدن کا وہ حصہ ہوتا ہے جو بیٹھے وقت زمین پر لگے۔

بتلا ہے؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی عمدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی ان تک پہنچ گئی ہیں۔ میں نے عرض کی: میرے لیے بخشش طلب کیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی: اے اللہ! اسے بخش دے۔

حضرت حفص بن ابی العاص نے کہا: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا کھایا کرتا جو کی روٹی اور زیتون، روٹی اور سرکہ، روٹی اور دودھ، روٹی اور گوشت کے خشک ٹکڑے ہوتے بہت ہی کم ایسا ہوتا کہ تازہ گوشت ہوا کرتا۔ آپ فرمایا کرتے: آئے کو چھانا نہ کرو کیونکہ یہ سارے کا سارا کھانا ہے۔ آپ کی خدمت میں روٹی کے ٹکڑے لائے گئے جو مونے تھے آپ اسے کھانے لگے اور فرمانے لگے: کھاؤ، ہم نے اسے نہ کھایا، پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کھاتے نہیں؟ ہم نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہم آپ کے اس کھانے سے نرم کھانے کی طرف لوٹیں گے۔ فرمایا: اے ابن عاص! کیا تجھے خبر نہیں کہ میں جانتا ہوں اگر میں بکری کے مونے تازے بچے کے بارے میں حکم دوں اس کے بال اتارے جائیں پھر اسے اس طرح اس طرح بھونا ہوا نکالا جائے کیا تو نہیں جانتا کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں ایک صاع یا دو صاع کشمش کے بارے میں حکم دوں میں اسے مشکیزے میں رکھوں پھر اس پر پانی اندیلوں تو وہ صبح تک یوں ہو جائے جس طرح برن کا خون ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! ہاں، جس عیش و نشاط کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ قیامت کے روز میری نیکیاں کم ہو جائیں گی تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس عیش و نشاط میں شریک ہو جاتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کو کچھ اقوام کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيْبَتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ، الْهُونُ سے مراد ہوان (ذلت) ہے بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، یعنی اس کی وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے سے بڑے بنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بڑائی کا اظہار کرتے ہو۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل جاتے ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں نے گوشت کی خواہش کی میں نے ان کے لیے گوشت خریدا میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس سے گذرا پوچھا: اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا، پوچھا: کیا تم میں سے جب بھی کوئی کسی چیز کی خواہش کرتا ہے (1) اسے اپنے پیٹ میں رکھ لیتا ہے کیا وہ نہیں ڈرتا کہ وہ اس آیت کا مصداق بن جائے گا اَذْهَبْتُمْ طَيْبَتِكُمْ۔

ابن عربی نے کہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتاب تھا کہ وہ گوشت خریدنے کی وسعت رکھتے ہیں اور خشک روٹی اور پانی کے معمول سے نکل چکے ہیں (2) کیونکہ حلال چیز میں سے پاکیزہ چیزوں کے حصول کی طبیعتیں حریص ہوتی ہیں اور دل انکو پسند کرتا ہے جب وہ انہیں پاتیں تو وہ شبہات کے ساتھ ان کے حصول کو سہل بنانے کی کوشش کرتی ہیں یہاں تک کہ عادت کے غلبے اور خواہش کے اس کے نفس پر غلبہ پانے کی وجہ سے جو نفس برائی کا حکم دیتا ہے خالص حرام میں جا واقع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو اس کے ابتدا سے ہی پکڑ لیا اور ابتدا سے اسے بچا لیا جس طرح آپ کا معمول تھا اور جو اس دروازہ



کی حفاظت کرتا ہے اور قانون کی پاسداری کرتا ہے تو اس آدمی پر لازم ہے کہ جو پائے اسے کھالے وہ پاکیزہ یا سالن کے بغیر روٹی وہ عمدہ کھانے کا تکلف نہ کرے اور نہ ہی اسے عادت بنائے۔ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک تھا جو پاتے تو سیر ہو کر کھا لیتے، جب نہ پاتے تو سیر کرتے، آپ حلہ کھا لیتے جب اس پر قادر ہوتے جب اتفاق ہوتا تو شہد بھی پی لیتے جب میسر ہوتا تو گوشت بھی کھا لیتے کسی چیز پر کبھی بھی انحصار نہ کرتے اور نہ ہی اسے عادت بناتے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا معمول معروف و مشہور تھا صحابہ کا طریقہ منقول تھا جہاں تک آج کا تعلق ہے حرام اور لقمہ کا فساد غالب آچکا ہے اس سے خلاصی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ خلاصی عطا فرماتا ہے اور چھٹکارا پانے میں اپنی رحمت سے مدد فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو بیخ شکر ترک کرنے پر واقع ہے پاکیزہ اور حلال چیزوں کے حصول پر واقع نہیں یہ تعبیر اچھی ہے کیونکہ پاکیزہ حلال چیز کا حاصل کرنا جائز ہے جب وہ اس پر شکر کرنا چھوڑ دے اور اس کے خلاف ایسی چیز سے مدد لے جو حلال ہی نہ ہو تو اس نے نعمت کو ختم کیا۔

وَإِذْ كُنَّا خَآعِدِينَ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِإِلَاقَةِ حَقَافٍ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ

مِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ①

”(اے حبیب!) ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی (ثمود) کا جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے۔“

وَإِذْ كُنَّا خَآعِدِينَ وہ ہود بن عبد اللہ بن رباح علیہ السلام ہیں وہ ان کے نبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِإِلَاقَةِ حَقَافٍ ان مشرکوں کو عاد کا قصہ یاد دلائیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ کو حکم دیا اپنے دل میں حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ یاد کریں تاکہ اس کی اقتدا کریں اور آپ ﷺ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے اس کے ذریعے آپ ﷺ پر یہ معاملہ آسان ہو جائے گا۔ احقاف سے مراد عاد کا علاقہ ہے۔ احقاف سے مراد ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں (1)؛ یہ خلیل اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے وہ لوگ اپنی قوت کے باعث اہل زمین پر غالب آ گئے تھے، احقاف، حقف کی جمع ہے اس سے مراد ریت کا لمبا ٹیلہ ہے جو ٹیڑھا ہو اور پہاڑ تک نہ پہنچا ہو اس کی جمع حقاف، احقاف اور حقوف ہے۔ احقوف الرمل و الهلال یعنی ریت کا ٹیلا اور چاند ٹیڑھا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حقف حقاف کی جمع ہے اور احقاف جمع کی جمع ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: حقف حقف۔ اشی نے کہا:

بات إلى أوطاة حقف أحقفا

یعنی ایسی ریت جو لمبی ہو اور جس کا کنارہ آگے کو جھکا ہوا ہو۔ اس سے فعل احقوف ہے۔ عجاج نے کہا:

طَيُّ الدِّبَالِ زُنْفًا فزلفا سَمَاوَةُ الهلال حتى احقوتفا

احقاف یعنی مڑ گیا اور گول ہو گیا۔

یہاں احقاف سے جو مراد ہے اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد ریت کے ایسے ٹپے ہیں جو ابھرے ہوئے لمبے ہوں جس طرح پہاڑوں کی حالت ہوتی ہے اور پہاڑوں تک نہ پہنچے ہوئے ہوں اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی امر کا شاہد ہے (1)۔ قدوہ نے کہا: اس سے مراد ایسے پہاڑ ہیں جو شحر پر جھکے ہوئے ہوں۔ شحر عدنان کے قریب ہے کہا جاتا ہے: شحرُ عسان، شحرُ عسان۔ یہ عمان اور عدنان کے درمیان سمندر کا ساحل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے (2) کہ عاد یمن میں قباہل تھے ریتلے علاقے میں بتے سمندر کے قریبی علاقے میں ریت جسے شحر کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ قسمی کا علاقہ ہے (3) جسے احقاف کہتے قسمی ایسا صحرائی علاقہ جس میں اونچے پہاڑ ہوں جن کی اطراف ملائم ہوں اور وچیں اس علاقہ کو نہیں چھوڑتیں۔ نابغہ نے اسی حوالے سے کہا:

فَأَصْبَحَ عَاقِلًا بِجِبَالِ جُصَى دُقَاقِ الثُّرْبِ مُخْتَرِمَ الْقَتَامِ

یہ جوہری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور خفاک نے کہا: احقاف سے مراد شام میں پہاڑ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: عمان اور مہرہ کے درمیان وادی ہے۔ مقاتل نے کہا: عاد کے گھریمن کے ملک حضرموت کے علاقہ میں ایک وادی میں تھے جسے مہرہ کہا جاتا تھا اسی طرح مہری اونٹ منسوب ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: اہل مہریہ، اہل مہاری۔ یہ قبیلہ ارم سے تعلق رکھتے تھے۔ کلبی نے کہا: احقاف الجبل سے مراد وہ پہاڑ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جب ہر کوئی غرق ہوا تھا اس پہاڑ سے پانی جاری ہوا تھا زمین سے پانی جاری ہوتا تھا اور اس کا اثر باقی رہتا تھا۔

طہیل نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا: لوگوں میں دو وادیاں بہترین ہیں (4) ایک وادی مکہ میں اور ایک وادی جہاں حضرت آدم علیہ السلام اترے جو بند کے علاقہ میں ہے، لوگوں میں سب سے بری دو وادیاں ہیں ایک وادی احقاف میں ہے اور ایک وادی حضرموت میں ہے جسے برصوت کہتے ہیں جس میں کفار کی روچیں آپس میں ملیں گی۔ لوگوں میں بہترین کنواں بئر زمزم ہے اور لوگوں میں سے برا کنواں بئر برصوت ہے۔ وہ حضرموت کی اسی وادی میں ہے۔ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ نَذْرَ رَسُلٍ ہیں۔ میں بین یدین یعنی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے وَ مِنْ خَلْفِهِ اور حضرت ہود علیہ السلام کے بعد: یہ فراء کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ ہے اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ یہ مرسل کی جانب سے قول ہے، یہ جملہ معترضہ ہے پھر حضرت ہود علیہ السلام نے کہا: اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ یہ حضرت ہود علیہ السلام کا نام ہے۔

قَالُوا أَجِئْنَا لِنَتَّكِفَ عَنْ الْيَهْتِنَا فَأَتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُمِّرْتُ بِهِ وَلَكِنِّیْ أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِیَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّطِیْرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا



جو ہری نے کہا: مارش سے مراد وہ بادل ہے جو افق میں چوڑائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَذَا عَارِضٌ مُّطَرٌ نَّاسٍ** یعنی ہم پر بارش برسائے گا کیونکہ یہ معرفہ ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ عارض کی صفت بنے کیونکہ وہ نکرہ ہے عرب یہ افعال سے اسما، مشتقہ میں کرتے ہیں کسی اور میں ایسا نہیں کرتے۔

یہ کہنا جائز نہیں: **هَذَا رَجُلٌ غَلَامٌ**۔ اعرابی نے روزہ افطار کرنے کے بعد کہا: **رَبِّ صَائِمَةٍ لَّنْ تَقُومُ** و **قَائِمَةٍ لَّنْ تَقُومُ**۔ تو اس نے اسے نکرہ کی صفت بنایا اور اسے معرفہ کی طرف منصف کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول **لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ صِفَةً لِّعَارِضِ نَحْوِ يَوْمٍ** کے قول کے خلاف نہیں، اضافت، انفصال کی تقدیر میں ہے یہ اضافت لفظیہ ہے حقیقیہ نہیں کیونکہ یہ پہلے اسم کو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اسم اپنی جگہ نکرہ ہی رہتا ہے اسی وجہ سے نکرہ کی حیثیت سے صفت آتی ہے۔ آیت میں یہ نحو یوں کا قول ہے۔ نکرہ کی صفت نکرہ ہوتی ہے۔ رب کا لفظ نکرہ پر داخل نہیں ہوتا۔

**بَلْ هُوَ بَدٌّ** نے نہیں کہا اس پر دلیل اس کی قرأت ہے جس نے پڑھا **قَالَ هُوَ بَدٌّ** ہوا سے قل بل ما استعجبتہ بہ ہی ریح بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دیجئے: بلکہ تم نے اس کی جلدی مچائی ہے۔ اس سے مراد ان کا قول ہے **فَأَتَيْنَاهَا غَدًّا** چہ اس کی وضاحت کی اور کہا: **رَبِّ يَخْ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ** ۝ وہ ہوا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا گیا تھا وہ اس بادل سے پیدا ہوئی تھی جس کو انہوں نے دیکھا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے درمیان سے نکل گئے وہ ہوا خیموں کو اٹھاتی ہود جوں کو اٹھاتی، انہیں بلند کرتی گویا وہ مکڑیاں ہوں پھر انہیں چٹانوں پر دے مارتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہلی دفعہ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو وہ اٹھے انہوں نے ہاتھ پھیلائے سب سے پہلے جنہوں نے پہچانا کہ یہ عذاب ہے وہ وہ لوگ تھے جو گھروں سے باہر تھے، انہوں نے لوگوں اور مویشی کو دیکھا، ہوا انہیں زمین و آسمان کے درمیان یوں اڑا رہی تھی جس طرح پر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ گھروں میں داخل ہو گئے دروازوں کو بند کر دیا ہوا نے دروازوں کو اکھیر دیا اور انہیں پچھاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا اس نے ان پر ریت ڈال دی۔ وہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ریت کے نیچے پڑے رہے جبکہ ان کے رونے کی آواز آتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان سے ریت کو دور کر دیا ہوا نے انہیں اٹھایا اور سمندر میں جا پھینکا۔ یہ وہی ہوا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **تَذْمُرُ كُلُّ شَيْءٍ بِمَرِّهِ** یعنی ہر وہ شے جس پر ہوا گزری وہ عمارت کے لوگ تھے یا اموال تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر وہ شے جس کی طرف ہوا بھیجی گئی۔ تدمیر کا معنی بلاکت ہے اسی طرح دمار ہے۔ اسے ید مکر کل شئی بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دمر دمار سے مشتق ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدمیر اور دمار اور دمر علیہ کا معنی ایک ہی ہے۔ **دَمَرٌ مَرْدُومٌ** اور بغیر اجازت کے داخل ہو گیا۔ حدیث میں ہے **مَنْ سَبَقَ طَرَفُهُ اسْتَدَانَ** فقد دمر جس کی نظر اجازت طلب کرنے سے سبقت لے گئی تو وہ اندر داخل ہو گیا۔ **تَذْمُرُ**۔ شام میں ایک شہر ہے یسوع تدمری۔ جب وہ چوہا چھوٹا ہو۔

**بِمَرِّهِ** اس کے رب کے اذن سے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی سے مروی ہے کہا: میں نے رسول



اللہ سُبْحَانَهُ کو ایسا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ میں ان کا کوادیکھتی۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بارش کی امید ہوتی ہے۔ جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: ”اے عائشہ! مجھے خوف آتا ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ساتھ عذاب دیا گیا، ایک قوم نے عذاب دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا“ (1)۔ اے امام مسلم اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری مدد باد صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور ہوا سے ہلاک کیا گیا“ (2)۔ ماوردی نے ذکر کیا: هَذَا عَارِضٌ مُّطِئٌ نَّاسٌ قَوْمٌ عَادٌ میں سے ایک تھا۔ وہ بکر بن معاویہ تھا۔ جب اس نے بادل دیکھا تو اس نے کہا: میں تباہ و برباد کرنے والا بادل دیکھتا ہوں وہ عاد میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ عمرو بن میمون نے کہا: وہ ہوا ان میں سے غائب آدمی کو لاتی اور ان کی مجلس میں اسے پھینک دیتی۔

ابن اسحاق نے کہا: حضرت ہود اور جولوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ ایک باڑہ میں الگ ہو گئے۔ آپ کو اور آپ کے ساتھ جولوگ تھے انہیں ہوا نہیں پہنچتی تھی مگر وہ ان کے اوپر والے کپڑوں کو ہلاتی اور اس کے ساتھ ان کے نفوس کو لذت حاصل ہوتی اور قوم عاد میں سے ہودج میں بیٹھی کسی عورت کے پاس سے گذرتی انہیں زمین و آسمان کے درمیان اٹھاتی اور انہیں پتھروں پر پٹخ دیتی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ کلبی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک شاعر نے کہا:

فدعا هود عليهم دعوة أضحوا هودا (3)

عصفت ریح عليهم تركت عادًا خبوا

سخرت سبع ليال لم تدع في الأرض عودا

حضرت ہود علیہ السلام نے ان پر ایسی بددعا کی تو وہ مرکز ٹھنڈے ہو گئے۔ ہوا ان پر چلی جس نے عاد کو ٹھنڈی آگ بنا دیا وہ سات راتوں تک ان پر مسلط کی گئی اس نے زمین میں قوم عاد کا کوئی فرد نہ چھوڑا۔

حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہلاک ہونے کے بعد ڈیڑھ سو سال تک اپنی قوم میں زندہ رہے۔

فَأَصْبَحُوا لَا يَرَى إِلَّا مَسْكِنُهُمْ عاصم اور حمزہ نے لا يَرَى إِلَّا مَسْكِنُهُمْ پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے۔ اسی طرح حماد بن سلمہ نے ابن کثیر سے روایت کیا ہے مگر اس نے تری پڑھا ہے یہ ابو بکر سے مروی ہے انہوں نے اے عاصم سے روایت کیا ہے باقی قراء نے تری تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور مَسْكِنُهُمْ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اے محمد! مَسْكِنُهُمْ آپ نہیں دیکھیں گے مگر ان کے مسکن۔

1۔ شیخ بخاری، کتاب التفسیر، ص 140 عارضاً، جلد 2، صفحہ 715

2۔ شیخ علم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، قول النبی ﷺ، نصرت ہا نصبا، جلد 1، صفحہ 295

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 283

مہدوی نے کہا: جس نے تاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو مساکن جو مونث ہے اس کے ظاہر کا اعتبار کیا ہے یہ بہت ہی قلیل ہے صرف شعروں میں استعمال ہوتا ہے اور حاتم نے کہا: یہ لغت میں درست نہیں ہوتا مگر جس میں اضماع ہو جس طرح تو کہتا ہے: الاتری النساء الا زینب۔ الاتری الا زینب جائز نہیں۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان کے اشخاص نہیں دیکھتا مگر ان کے مساکن۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے عاصم اور حمزہ کی قراءت پسند کی ہے۔ کسائی نے کہا: معنی ہے ان کے مساکن کے علاوہ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ معنی پر محمول ہے جس طرح تو نے کہا ہے: ما قام الا هند۔ معنی ہے کوئی کھڑا نہیں ہوا مگر ہند۔ فراء نے کہا: لوگ نہیں دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ ریت کے نیچے تھے، ان کے گھر دکھائی دیتے تھے کیونکہ وہ کھڑے تھے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ یعنی شرکوں کو اس جیسا عذاب دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِيْمَا اِنْ مَّكَنَّاكُمْ فِيْمَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَبْعًا وَاَبْصَارًا وَاَفِئْدَةً ۚ فَمَا اَغْنٰ عَنْهُمْ سَبْعُهُمْ وَلَا اَبْصَارُهُمْ وَلَا اَفِئْدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوا يَجْحَدُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

”اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کیے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِيْمَا اِنْ مَّكَنَّاكُمْ فِيْمَا اَيْك قول یہ کیا گیا ہے: ان زائدہ ہے اس کی تقدیر کلام ہے مکننا کہ فیما مکننا کہ فیہ یہ قبی کا قول ہے۔ انفس نے یہ شعر پڑھا:

يُرْجَى الْمَرْءُ مَا اِنْ لَا يَرَاهُ وَتَعْرِضُ دُونَ اَدْنَاهُ الْخُطُوبُ (1)

انسان امید رکھتا ہے کہ وہ اسے نہیں دیکھے گا جبکہ اسکے قریب سے مصائب اسے آتی ہیں۔

پہلے مصرعہ میں ان زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہے اور ان، ما کے معنی میں ہے (2)، تقدیر کلام یہ ہے ونقد مکنناہ فی الذی ما مکننا کہ فیہ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب ضمیر مخدوف ہے، تقدیر کلام یہ ہو گی: نقد مکنناہ فی ما ان مکننا کہ فیہ کان بغیکم اکثر و عناد کہ اشد یہاں پر کلام مکمل ہوئی پھر نئی کلام کی اور فرمایا: وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَبْعًا وَاَبْصَارًا وَاَفِئْدَةً۔ افئدة سے مراد دل ہیں جو اسے سمجھتے ہیں۔ مِّنْ شَيْءٍ سے مراد اللہ تعالیٰ کے مذاہب سے۔ اِذْ كَانُوا يَجْحَدُوْنَ کیونکہ وہ انکار کرتے تھے وَحَاقَ بِهِمْ ان کا احاطہ کر لیا (اس نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقَرْيٰ وَصَرَّفْنَا الْآيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

”اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے ارد گرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شائد وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔“

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ اس سے مراد قوم ثمود کے دیہات، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں اور اسی طرح کی دوسری بستیاں جو بلاد حجاز کے قریب قریب تھیں۔ ان کی خبریں ان کے پاس متواتر آتی رہتی تھیں۔ وَصَّافْنَا الْأَلْيَتِ آیات سے مراد حج اور دلائل، بینات اور مواعظ کی انواع، یعنی ہم نے انہیں ان بستیوں والوں کے لیے بیان کیا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ⑤ تو وہ نہ لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے قرآن کی آیات وعدہ، وعید، قصص اور اعجاز کی صورت میں پھیر پھیر کر بیان کیں۔ ممکن ہے یہ مشرک لوٹ آئیں۔

فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ صَلَّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذَلِكِ  
إِنْ كُنْتُمْ وَمَا كَانُوا يَفْقَهُونَ ⑥

”پس کیوں مدد نہ کی ان کی معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لیے (اپنے) خدا بنا رکھا تھا بلکہ وہ تو ان سے روپوش ہو گئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے۔“

فَلَوْلَا نَصْرُهُمْ، لولا، ہلا کے معنی میں ہے یعنی ان کے معبودوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ یہ معبود ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں گے، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس: 18) اور جو ہلاکت ان پر واقع ہوگی اس سے یہ معبود انہیں محفوظ رکھیں گے۔ کسائی نے کہا: قربان سے مراد ہر طاعت اور قربانی ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع قرابین ہے، جس طرح رہبان کی جمع رہابین ہے۔ اتخذ کے دو مفعولوں میں سے ایک الذین محذوف کی طرف لوٹ رہا ہے۔ دوسرا مفعول آلہۃ ہے (1) اور قُرْبَانًا حال بن رہا ہے۔ قُرْبَانًا کو دوسرا مفعول بنانا صحیح نہیں۔ آلہۃ اس سے بدل ہے کیونکہ معنی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ زمشری کا قول ہے: اسے قرباندار کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

بَلْ صَلَّوْا عَنْهُمْ یعنی وہ ان سے ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَلْ صَلَّوْا عَنْهُمْ یعنی ان سے ان کے معبود گم ہو گئے کیونکہ انہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی تھی جو انہیں پہنچی ہے کیونکہ وہ توحیدات تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: صَلَّوْا عَنْهُمْ انہوں نے بتوں کو ترک کر دیا اور ان سے براءت کا اظہار کیا۔

وَذَلِكَ إِنْ كُنْتُمْ یعنی وہ بت جو ان سے گم ہو گئے تھے یہ ان کا اپنے قول میں جھوٹ تھا انہا تقریبہم الی اللہ زلفی یہ بت انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کر دیں گے۔ عام قراءت إِنْ كُنْتُمْ ہے ہمزہ مکسور ہے اور فاء ساکن ہے یعنی ان کا جھوٹ تھا اسی طرح افیکہ ہے جمع افانک ہے۔ رجل افانک یعنی جھوٹا آدمی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت ابن زبیر نے پڑھا ذلک افکھہ یعنی ہمزہ، فاء اور کاف مفتوح ہے کیونکہ یہ فعل ہے یعنی اس قول نے انہیں توحید سے پھیر دیا۔ عکرمہ نے اسے افکھم فاء کی

تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یہ تاکید اور تکثیر کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یعنی وہ جن نعمتوں پر تھے ان سے ان کو پھیر دیا۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آفکھم مد اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی انہیں پھیرنے والا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ان سے اختلاف کے ساتھ آفکھم مد کے ساتھ نقل کیا ہے تو یہ جائز ہوگا کہ وہ فعل کا صیغہ ہو، یعنی انہیں اُفک کی طرف پھیر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ فاعلہم کے وزن پر ہو جس طرح خادعہم ہے عام قراءت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانُوا يَفْقَرُونَ ﴿٥٠﴾ جو وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اُفکھم، آفکھم کی طرح ہے اُفک اور اُفک یہ جذر اور حذر کی طرح ہیں؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوا قَالَُوا أَأَنْصِتُوا  
فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّذْ بَرِئِينَ ﴿٥١﴾

”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو، پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سنا تے ہوئے۔“

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یہ قریش کے مشرکوں کو توخیج ہے یعنی جنوں نے قرآن کو سنا وہ آپ پر ایمان لائے اور انہیں علم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جبکہ تم اعراض کرنے والے اور کفر پر اصرار کرنے والے ہو۔ صَرَفْنَا کا معنی ہے ہم نے انہیں آپ کی طرف متوجہ کیا اور ہم نے بھیجا۔ اس کی جہ یہ بنی کہ انہیں آسمان سے چوری چھپے سننے سے شہا یہ مارنے کے ساتھ پھیر دیا گیا تھا جس طرح اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انہیں اس امر سے نہیں روکا گیا تھا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

مفسرین حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہ نے کہا: جب ابوطالب فوت ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ثقیف سے مد لینے کے لیے طائف کی طرف نکلے آپ نے عبد یلیل، مسعود اور حبیب کے پاس جانے کا اراد کیا جو بھائی تھے ان کا تعلق بنو عمرو بن عمیر سے تھا، ان کے ہاں بنی تجمح کے خاندان کی ایک قریشی عورت بیاہی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور ان سے سوال کیا کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کریں تو ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا غلاف اتار دے گا۔ دوسرے نے کہا: اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی نہیں ملا تھا کہ اسے رسول بنا کر بھیجتا۔ تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم! میں تجھ سے کوئی کلام نہیں کروں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے بھیجا ہے جس طرح تو کہتا ہے تو اس سے عظیم شان رکھتا ہے کہ میں تجھ پر تیرا کلام لوٹاؤں اور اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو تجھ سے کلام کرنا مجھے زیب نہیں دیتا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے بے وقوف لوگوں اور اپنے غلاموں کو بھڑکایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور آپ پر قہقہے لگائیں، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو غتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو آپ نے جمحیہ عورت سے کہا: ہم نے تیرے سسرال سے کیا پایا؟ پھر آپ نے یوں دعا کی: اللھم اِنِّی اَشْکُو



إنيث ضعف قوتي وقلة حيلتي وهو أني عن الناس يا أرحم الراحمين أنت رب المستضعفين وأنت رب من تكلني إلى عبد يتجهمني أو إلى عدو ملكته امرئ! إن لم كن بك غضب عني فلا أبالي ولكن عافيتك هي أوسع لي. أعوذ بنور وجهك من أن ينزل بي غضبك. أو يحل عني سخطك لك العتبى حتى ترضى. ولا حول ولا قوة إلا بك

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی قوت کی کمزوری، حیلہ کی کمی، لوگوں پر ہلکا ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے تو میرا رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے اس بندے کے جو میرے ساتھ ترش روی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جس کو تو میرے معاملہ کا مالک بنا دے، اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری نازانگی نازل ہو تجھے عتاب کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ کسی مصیبت کو دور کرنا اور کسی امر پر طاقت ہونا تیرے ذریعے ہی ہے۔

ربیعہ کے دونوں بیٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم آگیا دونوں نے اپنے غلام سے کہا جو ایک نصرانی تھا جسے عداس کہا جاتا انکو رکھا یہ گچھا لو اس طبق پر رکھو پھر اسے اس آدمی کے سامنے رکھ آؤ۔ جب اس نے وہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”باسم اللہ“ پھر اسے کھایا، عداس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھا پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اس شہر والے نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”تو کس شہر سے تعلق رکھتا ہے؟“ اے عداس اور تیرا دین کیا ہے؟“ کہا میں نصرانی ہوں، اہل غینوی سے میرا تعلق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ”کیا صالح انسان حضرت یونس بن متی کی بستی سے؟“ عداس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ یونس بن متی کون ہے؟ فرمایا: ”وہ میرا بھائی ہے وہ نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔“ عداس آپ پر جھکا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر، ہاتھ اور پاؤں چوے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے اسے کہا: تو نے اس طرح کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: اے میرے آقا! زمین میں ان سے بہتر کوئی فرد نہیں انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ثقیف کی جانب سے کسی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ واپس لوٹے یہاں تک کہ جب آپ نخلہ وادی میں تھے تو آپ رات کے وقت نماز پڑھنے لگے تو اہل نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس سے گزری۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جن چوری چھپے سنا کرتے تھے جب آسمان کی حفاظت کی جانے لگی اور انہیں شہابیوں سے مارا گیا تو ابلیس نے کہا: آسمان میں جو یہ حادثہ رونما ہوا ہے وہ زمین میں کسی حادثہ کی وجہ سے ہے۔ اس نے اپنے لشکر بھیجے تاکہ حقیقت حال کو جانیں۔ ان میں سے پہلا قافلہ نصیبین والوں کا تھا وہ معزز جنوں پر مشتمل تھا یہ تہامہ کی طرف آئے، جب وہ نخلہ وادی میں پہنچے تو انہوں نے نخلہ وادی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے سنا جبکہ آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کان لگائے اور کہا: خاموش ہو جاؤ۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ جنوں کو ڈرائیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے غینوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں آج کی رات جنوں کو قرآن پڑھانے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میں سے کون میری اتباع کرے گا؟“ تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لیے۔ دوسری دفعہ ارشاد فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ تیسری دفعہ فرمایا تو انہوں نے سر جھکا لیے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یا رسول اللہ! میں۔ حضرت ابن مسعود بنی ہاشم نے کہا: میرے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ ہم چلے یہاں تک کہ ہم مکہ مکرمہ کے بالائی علاقہ میں تھے تو نبی کریم ﷺ ایک گھائی میں داخل ہوئے جسے ”شعب حیوان“ کہا جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کے لیے ایک خط لگا دیا اور مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھوں۔ فرمایا: ”اس سے باہر نہ نکلتا یہاں تک کہ میں تیری طرف واپس آؤں۔“ پھر آپ چلے یہاں تک کہ کھڑے ہو گئے اور قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں گدھوں جیسی چیزیں دیکھتا جو نیچے گرتیں اور وہ آواز پیدا کرتے ہوئے چلتیں۔ میں غیر واضح سی گفتگو سنتا، یہاں تک کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خوف ہونے لگا۔ آپ کو کثیر جماعتوں نے ڈھانپ لیا جو میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو گئیں یہاں تک کہ میں ان کی آواز نہیں سنتا تھا۔ پھر وہ یوں چھٹنے لگے جس طرح بادل کا ٹکڑے بھٹاتے نبی کریم ﷺ فجر کے وقت اس سے فارغ ہوئے (1)۔ پوچھا: ”کیا تو سویا ہے؟“ میں نے عرض کی: نہیں اللہ کی قسم! میں نے نبی کریم ﷺ سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کو سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹا کر انہیں تنبیہ کرتے اور کہتے: بیٹھ جاؤ۔ فرمایا: ”اگر تو اس دائرہ سے باہر نکلتا تو مجھے تیرے بارے میں خوف ہوتا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچک ہی نہ لے۔“ پھر پوچھا: ”کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟“ میں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! میں نے سیاہ رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید رنگوں کی دھوتیاں رانوں سے لپیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا: ”وہ نصیبین کے جن تھے، انہوں نے مجھ سے متاع اور زاد کے بارے میں سوال کیا تو میں نے انہیں ہر بوسیدہ ہڈی اور گوبر و مینگنی وغیرہ کو ان کے لیے خوراک بنا دیا ہے۔“ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! لوگ انہیں ہمارے لیے گدلا کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا کیا جائے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ چیز انہیں کیا فائدہ دے گی؟ فرمایا: ”وہ کسی ہڈی کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس پر ایسا گوشت پائیں گے جس روز اسے کھایا گیا تھا اور وہ کسی گوبر کو نہیں پائیں گے مگر وہ اس میں ایسا دان پائیں گے جس طرح اسے کھایا گیا تھا۔“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے بہت زیادہ غیر واضح سی گفتگو سنی؟ فرمایا: ”جنوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور میرے سامنے معاملہ پیش کیا تو میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔“ پھر نبی کریم ﷺ ظاہر ہوئے اور میرے پاس تشریف لائے۔ پوچھا: ”کیا تیرے پاس پانی ہے؟“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے پاس برتن ہے جس میں کچھ نبید تر ہے، میں نے اسے آپ کے ہاتھوں پر اندیلا تو آپ نے وضو کیا۔ فرمایا: ”پاکیزہ کھجور اور طہارت عطا کرنے والا پانی۔“ معمر نے قتادہ سے اور شعبہ نے حضرت ابن مسعود بنی ہاشم سے روایت نقل کی ہے۔ معمر کی حدیث میں نبید تر کا ذکر نہیں۔

ابو عثمان نبیدی نے روایت بیان کی ہے: حضرت ابن مسعود بنی ہاشم نے زبطوں (بند کے ایک حلقہ پر ہاشمی) دیکھے پوچھا:

یہ لوگ کون ہیں؟ جواب دیا: یہ زطی ہیں۔ فرمایا: میں نے ان کی مثل نہیں دیکھا مگر جنوں والی رات میں جنوں کو ان کی مثل دیکھا۔ وہ لنگوٹ مارے ہوئے تھے ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔

دارقطنی، عبد اللہ بن لہیعہ سے وہ قیس بن حجاج سے وہ جنش سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں والی رات نبیذ سے وضو کروایا تو آپ نے اس کے ساتھ وضو کیا۔

ابن شہاب و طہوڑ ابن لہیعہ ایسا راوی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

ابن سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ وہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فرمایا: ”اے ابن مسعود! کیا تیرے پاس پانی ہے؟“ عرض کی: میرے پاس برتن میں نبیذ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: ”اس سے مجھ پر اندلیو“ تو آپ نے وضو کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہو شراب۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت کو نقل کرنے میں اکیلا ہے اور حدیث میں ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔ عاتقہ بن قیس اور ابو عبیدہ بن عبد اللہ وغیرہ نے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جنوں والی رات آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ابو ثمرہ بن صاعد، ابو اشعث سے وہ مبشر بن فضل وہ داؤد بن ابی بند سے وہ عامر سے وہ عاتقہ بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایک لیلۃ الجن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ جواب دیا: نہیں۔ دارقطنی نے کہا: یہ اسناد صحیح ہے اس کے راویوں کی عدالت میں کوئی اختلاف نہیں۔ عمرو بن مرہ نے کہا: میں نے ابو عبیدہ سے پوچھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات حاضر تھے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جن، نصیبین کے جنوں میں سے سات افراد تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنایا۔ زر بن حبیش نے کہا: وہ کل نو تھے ان میں سے ایک زوبعہ تھا (2)۔ قتادہ نے کہا: وہ اہل نینوی تھے۔ مجاہد نے کہا: وہ اہل حران تھے۔ عکرمہ نے کہا: وہ موصل کے جزیرہ سے تھے (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا: وہ سات تھے، تین اہل نجران سے اور چار اہل نصیبین سے تھے۔ ابن ابی دنیا نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کہا اور اس میں نصیبین کا ذکر کیا، فرمایا: اے میری طرف اٹھایا گیا یہاں تک کہ میں نے اسے دیکھ لیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کی بارش زیادہ ہو، اس کے درخت سرسبز و شاداب ہوں اور دریاؤں میں پانی زیادہ ہو۔ سہلی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے وہ سات تھے، وہ یہودی تھے اور اسلام لائے، اسی وجہ سے کہا: اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی ان کے ناموں کے بارے میں کہا گیا: شاصر، ماصر، منشی، ماشی، احقب؛ ان پانچ کا ذکر ابن درید نے کیا ہے۔ ان میں سے عمرو بن جابر بھی ہے۔ ابن اسلام نے اس کا ذکر ابو اسحاق سہمی کی سند سے اپنے اشیاخ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر

کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں چل رہے تھے تو ان کے لیے ایک بگولہ بلند ہوا پھر اس سے بڑا بگولہ آیا تو کیا دیکھتے ہیں ایک مردہ سانپ ہے ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی چادر کا قصد کیا اسے پھاڑا اس کے کچھ حصہ سے سانپ کو کفن دیا اور اسے دفن کر دیا۔ جب رات تاریک ہو گئی تو دو عورتیں پوچھ رہی تھیں: عمرو بن جابر کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا: ہم نہیں جانتے عمرو بن جابر کون ہے؟ دونوں نے کہا: اگر تم نے اجر کی نیت کی ہے تو تم نے اسے پایا ہے فاسق جنوں نے مومن جنوں کے ساتھ جنگ کی تو عمرو کو قتل کر دیا کیا۔ وہ سانپ تھا جسے تم نے دیکھا تھا۔ وہ اس جماعت سے تھا جس نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کی تو عمرو کو قتل کر دیا کیا۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سلام نے ایک اور روایت کا ذکر کیا جس نے اسے کفن دیا تھا وہ صفوان بن معطل تھا۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اس کی مثل خبر ذکر کی ہے، اس نے کہا: ثابت بن قطبہ نے کہا کچھ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں آئے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے ہم نے ایک سانپ دیکھا جو اپنے خون میں لت پت تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے اسے لیا اور ہم نے اسے مٹی میں دبا دیا، کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا: عمرو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا: کون عمرو؟ انہوں نے کہا: وہ سانپ جسے تم نے فلاں جگہ دفن کیا، خبردار! وہ اس جماعت میں سے تھا جس نے نبی کریم ﷺ سے قرآن سنا تھا مسلمان جنوں اور کافر جنوں میں جنگ ہوئی تو وہ شہید ہو گئے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نہ تو سفر میں تھے اور نہ دفن میں حاضر تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابن ابی دنیا نے ایک تابعی کا ذکر کیا اس کا نام بھی لیا، ایک سانپ اس کے خیمہ میں داخل ہوا وہ پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اس نے اسے پانی پلایا پھر وہ سانپ مر گیا تو اس تابعی نے اسے دفن کر دیا۔ رات کے وقت کوئی اس کے پاس آیا اسے سلام کیا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا وہ نصیبین کے جنوں میں سے تھا اس کا نام زو بعد تھا۔

سہیلی نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فضائل میں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس کو ابو بکر بن طاہر اشعری نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ نے ایک مردہ سانپ دیکھا آپ نے اپنی زائد چادر سے اسے کفن دیا اور اسے دفن کر دیا تو کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے سرق! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”تو بیابان میں مرے گا اور تجھے ایک صالح آدمی کفن دے گا“۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے کہا: ان جنوں میں سے ایک جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا ان میں سے میں اور سرق باقی رہ گئے تھے یہ سرق فوت ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ نبیہؓ نے ایک سانپ کو قتل کر دیا جسے آپ نے اپنے حجرہ میں قرآن سنتے ہوئے دیکھا جبکہ حضرت عائشہ قرآن حکیم پڑھ رہی تھیں۔ خواب میں ان کے پاس کوئی آیا اور ان سے کہا: آپ نے جنوں میں سے ایک مومن کو قتل کر دیا، وہ جن جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اگر وہ مومن ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں داخل نہ ہوتا۔ آپ سے عرض کی گئی: وہ آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا تھا مگر آپ نے نقاب اوڑھا ہوا تھا وہ



تو قرآن سننے کے لیے آیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ گھبرا گئیں آپ نے غلام خریدے اور انہیں آزاد کیا۔ پہلی نے کہا: ہمارے پاس جو جنوں کے نام تھے ہم نے ان کا ذکر کر دیا، اگر وہ سات تھے تو احقاف ان میں سے کسی کا وصف ہوگا۔ یہ اسم علم نہیں ہے بلکہ اسماء جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ احقاف کے ساتھ مل کر آٹھ بنتے ہیں۔

اس نے کہا: حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہامہ بن ہیم بن اقیس بن املیس۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومن بنے۔ اس سے تھا یہ ان جنوں میں سے تھا جو نبی کریم ﷺ کو ملے رسول اللہ ﷺ نے اسے سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ تمیز، لہو، سورہ اذا الشمس کورت، سورہ الحمد اور معوذتین پڑھائیں۔ اور یہ ذکر کیا وہ ہانبل کے قتل کے وقت حاضر تھا اور ان کے خون میں شریک ہوا تھا وہ غلام بن اغوام ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ملا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی وہ حضرت یونس، حضرت صالح، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت الیاس، حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے ملا۔ ماوردی نے ان کے اسماء مجاہد سے ذکر کیے ہیں اور کہا: حسی، مسی، منشی، شاصر، ماصر، ارد، انیان اور احقم۔ ان کا نام ابو عمرو مشان بن احمد جو ابن سناک کے نام سے معروف ہیں نے کیا ہے کہا: محمد بن براء، زبیر بن بکار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حمزہ بن عتبہ بن ابی لہب نصیبین والے ان جنوں کے نام ذکر کیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ وہ کہتے: حسی، مسی، شاصر، ماصر، افخر، ارد اور انیال۔

فَلَمَّا حَضَرُوا جَبَّ وَهُوَ نَبِيٌّ كَرِيمٌ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ الثقات (1) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک قول یہ یہ کیا ہے: جب وہ قرآن اور اس کے سماعت کے لیے حاضر ہوئے۔ قَالُوا اَنْصِتُوا ان میں سے بعض نے کہا: قرآن حکیم کو سننے سے بے خاموش ہو جاؤ۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (2) جبکہ آپ بطنِ نخل میں قرآن حکیم پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آپ کی آواز کو سنا تو کہا: خاموش ہو جاؤ، وہ سات تھے ان میں سے ایک نے بدعت تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوا قَالُوا اَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَوْ اِلَى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرًا ۝ قَالُوا يَقُوْۤمْنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلَى صَرِيْحٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يَقُوْۤمْنَا اٰجِبُوْۤا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْۤا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ فِىْۤ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجْزِ كُمْ مِّنْ عَذَابِ الْيَمِّ ۝ وَ مَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهُ مِنْ دُوْنِهَا اَوْلِيَاءٌ اُولٰٓئِكَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ کی بات سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَلَمَّا قُضِيَ لَاحِق بن حمید اور حبیب بن عبد اللہ بن زبیر نے اسے فلما قضی پڑھا یعنی فاعل نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے جب آسمان کو چوری چھپے سننے سے محفوظ کر دیا گیا تو وہ نکلے تاکہ اس کا جو سبب بنا وہ اس سے آگاہی حاصل کریں، وہ وادی نخلہ میں آئے جبکہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے وہ کل سات تھے، انہوں نے اسے سنا اور

۱۔ یہ ہم باغات کا قاعدہ ہے کہ کلام کو غیب سے خطاب اور خطاب سے تلمذ کی طرف پھیر دیا جائے یہاں کلام خطاب سے غیب کی طرف پھیری گئی ہے۔ مترجم

اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر گئے اور نبی کریم ﷺ کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ جنوں کو ڈرائیں اور ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے قرآن سنیں اور اپنی قوموں کو ڈرائیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر قرآن کو پڑھا اور آپ اس سے فارغ ہوئے تو آپ کے حکم سے واپس گئے وہ اپنی قوم کے جنوں کا قصد کر رہے تھے، انہیں قرآن کی مخالفت سے خبردار کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انہیں خبردار کرنے والے تھے اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں باقی ماندہ جنوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا اس کے اوپر یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے: **لَقَوْمًا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ** اگر ایسا واقعہ نہ ہوتا تو وہ اپنی قوم کو نہ ڈراتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا (1)۔ اسی تاویل کی بنا پر جنوں والی دو راہیں ہیں۔ یہ بحث پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں وہ روایت ہے جو اسی چیز پر دلالت کرتی ہے جس کی وضاحت **قُلْ أُذِجِي إِلَى (الجن: 1)** میں آئے گی صحیح مسلم میں حضرت معن سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہا میں نے مسروق سے پوچھا: کس نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ جنوں نے اس رات قرآن حکیم سنا (2)؟ تو مسروق نے کہا: تیرے باپ یعنی حضرت ابن مسعود نے بتایا کہ درخت نے آپ کو ان کے متعلق بتایا تھا۔

**قَالُوا لَقَوْمًا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ لَقَوْمًا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزَ كُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝**

”انہوں نے (جا کر) کہا: اے میری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کرو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔“

**قَالُوا لَقَوْمًا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ** کتاب سے مراد قرآن ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ عطا نے کہا: وہ پہلے یہودی تھے تو اسلام لے آئے، اسی وجہ سے کہا: **أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں نہیں سنا تھا (3)، اسی وجہ سے انہوں نے **أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ** کہا۔

**مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** یعنی وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ **يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ** وہ دین حق کی طرف دعوت

2- صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبہ، ذکر الجن قول اللہ قل اوسیٰ ای، جلد 1، صفحہ 544

1- تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 36

3- تفسیر کشف، جلد 4، صفحہ 312

دینے والے تھے وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ① یعنی اللہ تعالیٰ کے دین قدیم کی طرف۔

يَقُومَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ دَاعِيَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ② مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی ذات جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث تھی۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم ﷺ کی ذات سے قبل کوئی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر وہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں کی گئیں، ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا اور میں احمر و اسود کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں یا میرے لیے غنیمت حلال کی گئیں وہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں، زمین میرے لیے پاکیزہ طہارت عطا کرنے والی اور مسجد بنادی گئی ہے، جس نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جہاں ہو نماز پڑھ لے، مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے“ (1)۔

مجاہد نے کہا: احمر و اسود سے مراد جن اور انسان ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے: ”مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے“ (2)۔

وَاصْنُوا لِيهِ ذُنُوبًا ③ ضمیر سے مراد داعی ہے اور وہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی قوم سے ستر افراد ایمان لائے، وہ نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے اور آپ کو بطحاء میں ملے ان پر قرآن حکیم کو پڑھا انہیں حکم دیا اور نبی کی۔ مسئلہ: یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امر، نبی، ثواب اور عقاب میں جن، انسانوں کی طرح ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مومن جنوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی ثواب نہیں کہ انہیں جہنم سے نجات دے دی جائے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزْكُمْ مِنْ عَذَابِ آلِئِيمٍ ④ امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، فرمایا: جنوں کے لیے اس کے سوا کوئی ثواب نہیں کہ انہیں آگ سے پناہ دی جاتی ہے، پھر انہیں کہا جاتا ہے: تم مٹی ہو جاؤ جس طرح چو پاؤں کو کہا جائے گا: تم مٹی ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا: انہیں گناہوں پر سزا دی جائے گی اور احسان کی صورت میں ثواب دیا جائے گا جس طرح انسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور ابن ابی لیلیٰ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: جن جنت میں داخل ہوں گے، وہ کھائیں گے اور پیئیں گے۔ قشیری نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں ثواب دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ سورت کے آغاز میں فرمایا: يَبْعَثُ الْجَنَّةِ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ

عَلَيْكُمْ اِيَّتِي (انعام: 130) آحر میں فرمایا: وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوا اللّٰهُ تَعَالٰی بہتر جانتا ہے۔ سورہ رحمن میں اس بارے میں مزید گفتگو ہوگی۔ انشاء اللہ۔

وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعِجٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءُ ۚ  
اُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

”اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں۔“

فَلَيْسَ بِمُعِجٍ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائے گا اور نہ اس پر سبقت لے جاسکے گا اَوْلِيَاءُ اس کے ایسے مددگار نہیں ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَكُنْ لِّهٖ يَئِيْ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدِرٍ ۙ عَلٰٓى  
اَنْ يُخَيِّئَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

”کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ يَہاں رویۃ علم کے معنی میں ہے ان، اس کا اسم اور اس کی خبر رویۃ کے دو مفتولوں کے قائم مقام ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لِّهٖ بِخَلْقِهِنَّ بِقَدِرٍ ۙ عَلٰٓى اَنْ يُخَيِّئَ الْمَوْتٰى منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے۔ لَمْ یَعْنِ کا معنی ہے وہ انہیں پیدا کرنے میں عاجز اور کمزور نہیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: عَیْنٌ بِأَمْرٍ وَعَیْنٌ جَبَّ وَہدایت نہ پائے۔ اس میں ادغام اکثر ہوتا ہے جمع میں تو عیو مخفف کہے گا۔ اس کو تشدید کے ساتھ عینو بھی کہتے ہیں۔ کہا:

عَیُّوَا بِأَمْرِهِمْ کَمَا عَیْنَتْ بِبَیْضَتِهَا الْحَمَامَةُ

وہ اپنے معاملے میں یوں عاجز آگئے جس طرح کبوتری اپنے انڈے کے بارے میں عاجز آگئی۔

عَیْنَتْ بِأَمْرٍ جب تو اس کی صحیح صورت کی طرف ہدایت نہ پائے اعیانی ہو اس نے مجھے عاجز کر دیا۔ حضرت حسن بصری نے ولم یعی عین کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قلیل شاذ ہے کیونکہ عین کلمہ میں اعلال اور لام کلمہ میں تصحیح واقع نہیں ہوتی مگر چند اسماء میں ایسا ہوتا ہے، جس طرح غایۃ اور آیۃ ہے شعر کے علاوہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا۔ فراء نے اس شعر کو پڑھا ہے، وہ شاعر کا قول ہے:

فَكَانَهَا بَيْنَ النِّسَاءِ سَبِيكَةً تَشِي بِسُدَّةٍ بَيْتَهَا فَتَعِي



محل استدلال فتعی ہے۔ بقادر ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: باء زائدہ ہے تاکید کے لیے آئی ہے، جس طرح اس ارشاد میں باء زائدہ ہے: وَ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝ (النساء) تَثْبُتُ بِالذُّهْنِ (المومنون: 20) نسائی، فراء اور زجاج نے کہا: باء استفہام کا نائب ہے اور کلام کے آغاز میں نفی کا معنی ہے۔ زجاج نے کہا: عرب اسے نفی کے ساتھ داخل کرتے ہیں تو کہتا ہے: مَا ظَنَنْتَ اِنْ زَيْدًا بَقَائِهِ (1) تو یہ نہیں کہتا: ظننت ان زيدا بقاءه۔ اس باء کے داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ماد داخل ہوا ہے اور اند داخل ہوا ہے جو تاکید کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ جِسْ طَرَحِ اللّٰهُ تَعَالٰی کا فرمان ہے اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَدِيْرٍ (یس: 81) حضرت ابن مسعود، اعرج، محمد بن جندب، ابن اسحاق اور یعقوب نے اسے بقدر پڑھا ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ ان کی خبر میں باء کا داخل کرنا قبیح ہے۔ ابو عبیدہ نے عام قراءت کو پسند کیا کیونکہ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرًا (بنی اسرائیل: 99) باء کے بغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ اَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلٰى وَرَآبِئَا  
قَالَ فذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

”اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔ کہیں گے: ہمارے رب کی قسم! یہ حق ہے۔ اللہ فرمائے گا: اچھا اب چکھو عذاب کا مزا اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔“  
وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ انہیں وہ دن یاد دلایا جس روز انہیں پیش کیا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا: اَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلٰى وَرَآبِئَا تو انہیں بیان کرنے والا کہے گا: فذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ما مصدریہ ہے یعنی اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَانَتْهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ  
مَا يُوعَدُوْنَ ۚ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلَدٌ ۚ فَاَمَّا الْقَوْمُ  
الْفٰسِقُوْنَ ۝

”پس (اے محبوب) آپ صبر کیجئے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (بد دعا کرنے میں) جلدی نہ کیجئے جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگردن کی فقط ایک گھڑی، یہ پیغام حق ہے پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا۔“

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حزم و صبر والے۔ مجاہد نے کہا: وہ پانچ ہیں

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ سب شریعتوں والے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: اولوا العزم رسول یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ چوتھے ہو جائیں۔ سدی نے کہا: وہ چھ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یہ سب سورۃ اعراف اور سورۃ شعراء میں مذکور ہیں۔ مقاتل نے کہا: یہ چھ ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ذبح پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچے کے گم ہونے اور نظر کے چلے جانے پر صبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں میں گرنے اور قید خانے میں گرنے پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیماری پر صبر کیا (2)۔ ابن جریج نے کہا: ان میں حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت ابوب ہیں ان میں حضرت یونس، حضرت سلیمان اور حضرت آدم علیہ السلام نہیں۔

شعبی، کلبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ رسل ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا انہوں نے مکاشفہ کو ظاہر کیا اور کافروں سے جہاد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عظیم رسول ہیں جو سورۃ الانعام میں مذکور ہیں وہ اٹھارہ ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام، حسن بن فضل نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد میں ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْتَبَدُوا (الانعام: 90)**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام رسول اولوا العزم تھے؛ اسے علی بن مہدی طبری نے پسند کیا ہے۔ کہا: اس میں من جنس کو ظاہر کرنے کے لیے ہے بعضیت کو بیان کرنے کے لیے نہیں، جس طرح تو کہتا ہے: **اشتريت أردية من البنز واکسبة من الخزم** میں نے بنر کی بنی چادریں اور خز کی بنی کساءیں خریدیں، یعنی آپ صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام انبیاء اولوا العزم ہیں مگر حضرت یونس بن متی کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر سے منع کیا گیا کہ آپ ان کی مثل ہو جائیں اس کی وجہ ان کا ہلکا پن اور جلد بازی ہے جو ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین امور کے ساتھ انہیں آزمایا۔ اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ

انہوں نے آپ کے اہل اور مال پر غارت گری مچائی۔ اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے کو ان کے بیٹے پر مسلط کر دیا تو وہ اسے کھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان پر مسلط کر دیا تو اس نے آپ کو نگل لیا، یہ بات ابوالقاسم حکیم نے کہی ہے۔

بعض علماء نے کہا: اولوالعزم نبی بارہ ہیں جنہیں بنی اسرائیل کی طرف شام کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ تو بنی اسرائیل نے ان کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ میں اپنا عذاب بنی اسرائیل کے نافرمانوں کی طرف بھیجنے والا ہوں۔ یہ امر رسولوں پر شاق گذر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنے لیے پسند کر لو اگر چاہو تو میں تم پر عذاب کو نازل کر دوں اور بنو اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر چاہو تو تمہیں نجات دے دوں اور عذاب بنی اسرائیل پر نازل کر دوں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کو نازل کر دے اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرما دے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی اور ان پر عذاب کو نازل کر دیا اس کی صورت یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زمین کے بادشاہوں کو مسلط کر دیا ان میں سے کسی کو آری سے چیر دیا گیا، کسی کے چہرے اور سر کی جلد اتار لی گئی، کسی کو سولی پر لٹکا دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کسی کو آگ میں جلادیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اولوالعزم چار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (1)۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہیں کہا گیا: اَسْلِمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (بقرہ) پھر ان سے ان کے مال، ان کی اولاد، وطن اور ذات کے بارے میں امتحان لیا گیا تو جن جن امور میں ان کا امتحان لیا گیا ان میں آپ کو پورا اور سچا پایا گیا۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے عزم کا اظہار کیا جب ان کی قوم نے ان کو کہا: اِنَّا لَنُحَدِّثُكَ كُؤْنَ (الشعراء) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: كَلَّا اِنَّ مَعِيَ سَائِي سَيِّئِينَ (الشعراء) جہاں تک حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان سے خطا ہوئی تو اس خطا پر انہیں متنبہ کیا گیا، آپ چالیس سال روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے درخت اُگ آئے تو آپ اس کے سائے میں بیٹھے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ عزم کیا کہ وہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھیں گے۔ انہوں نے فرمایا: اِنهَا مَعْبَرَةٌ فَاعْبُرُوْهَا وَلَا تَعْبُرُوْهَا يَٰٓهَ اِيْكَ رَاسْتَهٗ اَسَے عبور کرو اسے آباد نہ کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے: صبر کیجئے یعنی جن امور میں آپ کو آزمایا گیا ہے ان میں سچے ہو جائیے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سچ کا اظہار کیا اپنے مولیٰ کی مدد پر اس طرح اعتماد کرتے ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد تھا، اپنی لغزشوں پر ایسے غم کا اظہار کیجئے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے غم کا اظہار کیا تھا اور دنیا میں ایسا زہد اختیار کیجئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد اختیار کیا تھا۔ پھر یہ کہا گیا: یہ آیت آیت سیف سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت محکم ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ سورت مکی ہے؛ مقاتل نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو مصیبت آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کیجئے

جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ مقصود اس امر کو آپ پر آسان کرنا اور اس پر ثابت قدم کرنا تھا۔ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ مَقَاتِلَ نے کہا: ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ قیامت کے روز یہ ان کے مقاصد میں سے سب سے بعیدی مقصد ہوگا۔ استعجال فعل کا مفعول محذوف ہے اور وہ عذاب ہے۔

كَانَ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ یحییٰ نے کہا: مَا يُوعَدُونَ سے مراد عذاب ہے، (1)۔ نقاش نے کہا: مراد آخرت ہے (2)۔ لَمْ يَلْبَثُوا وہ دنیا میں نہ رہے یہاں تک کہ انہیں عذاب نے آیا (3)؛ یہ یحییٰ کے قول کا مقتضا ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اپنی قبروں میں رہیں گے یہاں تک کہ انہیں حساب کے لیے اٹھایا جائے گا۔ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ یعنی یوم قیامت کا ایک حصہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے جو عذاب دیکھا اس کی ہولناکی نے انہیں دنیا میں طویل عرصہ تک رہنے کے عمل کو بھلا دیا۔ پھر کہا: بَلَدٌ کورفع مبتدا کے مضر ہونے کی بنا پر ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَذَا بَلَدٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُذِقُوا بِهِ (ابراہیم: 52) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَصِيْبٍ ۝ (الانبیاء) بلاغ، تبلیغ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ٹھہرنا ہی بلاغ ہے (4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں وقف بَدَلٌ اور نَّهَارٍ پر ہوگا۔

ابو حاتم نے ذکر کیا ان میں سے بعض نے وَلَا تَسْتَعْجِلْ پر وقف کیا پھر لہم سے کلام کا آغاز کیا کلام یوں ہوگی لہم بلاغ۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ تو نے البلاغ اور لام میں فاصلہ کر دیا ہے۔ عربی زبان میں بلاغا اور بلاغ دونوں طرح جائز ہے نصب اس اعتبار سے کہ تقدیر کلام یہ ہوگی الا ساعة بلاغا کہ یہ مفعول مطلق ہے یا یہ ساعة کی صفت ہے، جر اس اعتبار سے کہ کلام ہے من نهار بلاغ۔ نصب کے ساتھ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے۔ بعض قراء سے یہ مروی ہے بدلغ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں وقف مِّنْ نَّهَارٍ پر ہے پھر بدلغ سے کلام شروع ہوگی۔

فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ۝ یعنی اللہ کے حکم سے خارج۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن محیسن نے پڑھا فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ فعل قوم کی طرف منسوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب عورت پر بچے کی پیدائش مشکل ہو جائے تو یہ دو آیتیں اور دو کلمے ایک کاغذ پر لکھے جائیں پھر انہیں دھویا جائے اور اسے پلایا جائے۔ وہ یہ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ كَانَتْهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ نَارًا یَلْبَثُوا إِلَّا عَشِیَّةً أَوْ ضُحًیًّا كَانَتْهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ یَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَدَلٌ فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ اللہ تعالیٰ جو عظیم شان والا ہے اس نے سچ بولا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا مگر مشرک کو (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امید میں سب سے قوی آیت ہے۔



## سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

﴿اباھا ۲۸﴾ ﴿سُوْرَةُ مَحَمَّدٍ مَقْلُوْبَةً ۹۵﴾ ﴿مَرْکُوْعًا ۴﴾

سورہ قتال یہ سورت محمد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ ماوردی نے کہا: تمام کا قول یہی ہے (1) مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: مگر ایک آیت جو حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی جب آپ مکہ مکرمہ سے نکلے آپ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے اور غم کی وجہ سے رو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: وَكَانَ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ ثعلبی نے کہا: یہ مکی ہے؛ ابن ہبہ اللہ نے ضحاک اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے: یہ انتالیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اٹھتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدُوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اَصْلًا اَعْمَالُهُمْ ①

”جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے۔“

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں (2) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکا وہ دین اسلام ہے وہ مومنوں کو اس دین میں داخل ہونے سے روکا کرتے تھے؛ (3) یہ سدی کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ سے مراد عن بیت اللہ جو بیت اللہ شریف کا قصد کرتے وہ انہیں روکتے۔ اَصْلًا اَعْمَالُهُمْ ① کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان مکرو فریب کو باطل کر دیا (4) جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کا وبال ان پر ڈال دیا؛ یہ ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حالت کفر میں جو اعمال کیے جنہیں وہ مکارم کا نام دیتے تھے جیسے صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرانا، مہمانوں کی خدمت کرنا، پڑوسیوں کی حفاظت کرنا ان سب کو باطل کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت بدر میں کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی (5) وہ کل بارہ افراد تھے ابو جہل، حارث بن ہشام، عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے ابی، امیہ جو خلف کے بیٹے تھے منبہ، نبیہ جو حجاج کے بیٹے تھے، ابوالختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور حارث بن نوفل۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ②

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ③

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290

2۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 47

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290

5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 151

4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 314

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسول معظم) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو“۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ هُمْ فِي سُبُلٍ مُتَقَاتِلِينَ أَعْمَالُهُمْ ۝ کا معنی ہے ان کو باطل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ہدایت پانے سے گمراہ کر دیا اس کی صورت یہ تھی کہ انہیں توفیق دینے سے پھیر دیا۔ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جس نے کہا: اس کا مصداق انصار ہیں اس نے صالحات سے مراد ان کو گھر دینے اور مال دینے میں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا لیا ہے۔ جس نے کہا: مراد قریش ہیں تو عمل صالح سے مراد ہجرت ہے۔ جس نے کہا: یہاں عام مراد ہے تو صالحات سے مراد تمام وہ اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کے ساتھ کسی چیز میں مخالفت نہیں کی؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جولائے اس کے بارے میں آپ کی تصدیق کی۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ اس سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہی ان کے رب کی جانب سے حق تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قرآن ان کے رب کی جانب سے حق ہے جو اس سے قبل وحی آئی تھی اسے منسوخ کر دیا۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ مراد وہ سیئات ہیں جو ایمان لانے سے پہلے انہوں نے کی تھیں ان کو اس نے معاف کر دیا وَأَصْلَحَ بِآلِهِمْ ۝ ان کے عمل کو درست کر دیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے حال کو درست کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے امور کو درست کر دیا تینوں کا معنی قریب قریب ہے۔ اس کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے جو امور ان کی دنیا سے متعلق ہیں ان کو درست کر دیا نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ معنی ہے ان کی نیتوں کو درست کر دیا۔ شاعر نے کہا:

فَبِإِنْ تُقْبَلُ بِالْوَدِّ أَقْبَلُ بَشَلِهِ وَإِنْ تَدْبِرِي أَذْهَبَ إِلَى حَالٍ بِأَلْيَا (1)

یہ اس تاویل کی بنا پر ان کے دین کی اصلاح پر محمول ہوگا۔ بال مصدر کی طرح ہے اس کا فعل معروف نہیں ضرورت شعری کے سوا عرب اس سے جمع کا صیغہ نہیں لاتے مگر ضرورت شعری میں ایسا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: بالات۔ مبرد نے کہا: بعض اوقات بال کسی اور جگہ قلب کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مایخطر فلان علی بالی فلاں میرے دل پر نہیں کھٹکتا۔ جوہری نے کہا: بال کا معنی نفس کی فارغ البالی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلاں رخی البال فلاں فارغ البال ہے۔ بال کا معنی حال ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما بالک تیرا کیا حال ہے۔ ان کا قول ہے: لیس هذا من بالی یہ وہ چیز نہیں جس کی میں پرواہ کرتا ہوں۔ بال سے مراد سمندر کی مچھلیوں میں سے بڑی مچھلی ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں۔ بالہ خوشبودار لے برتن کو کہتے ہیں۔ یہ فارسی سے معرب ہے فارسی زبان میں یہ اصل میں بیلہ تھا۔ ابو ذؤیب نے کہا:

كُنْ عَلَيْهَا بِالَّةَ لَطِيفَةً لَهَا مِنْ خَلَالِ الدَّائِتَيْنِ أَرِيحُ  
ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ  
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝

”(یوں) اس لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے حالات۔“

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ذٰلِكَ اِسْمُ اِسْمِ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِیْدٌ۔  
یعنی الامر کذلک۔ معاملہ اسی طرح ہے یا تقدیر کلام یہ ہوگی ذلک الاضلال والہدی جن دونوں کا ذکر گزر چکا ہے اس کا سبب یہ ہے کافر نے باطل کی پیروی کی اور مومن نے حق کی پیروی کی۔ باطل سے مراد شرک اور حق سے مراد توحید و ایمان ہے۔  
كَذٰلِكَ يَصْرَفُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۱۰ یعنی اس بیان کی طرح جس کی وضاحت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے نیکیوں اور برائیوں کے معاملہ کی وضاحت کرتا ہے اَمْثَالَهُمْ میں جو ضمیر ہے وہ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَسْتُمُوهُمْ فَسُدُّوا  
الْوُثَاقَ ۚ فَمَا مَتَابَعِدُوا ۖ إِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ  
اللَّهُ لَا تُنَصَّرَ مِنْهُمْ ۚ وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝

”پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے، اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ جب دونوں فریقوں کو الگ الگ کر لیا تو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار سے مراد مشرک ہیں جو بتوں کے پجاری تھے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: اس سے مراد ہر وہ فرد ہے جو دین کا مخالف ہے وہ مشرک ہو یا کتالی ہو جبکہ اس کا کوئی عہد و پیمان نہ ہو؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا اور ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے اور کہا: عموم آیت کی وجہ سے یہی صحیح ہے (1)۔ فَضْرَبَ الرِّقَابِ مفعول مطلق ہے۔ زجاج نے کہا: فاضربوا الرقاب ضربا رقاب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ قتل عموماً اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ کلام اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا نفس صبرا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام اقصدوا ضرب الرقاب ہے ارشاد فرمایا: فَضْرَبَ الرِّقَابِ۔ یہ نہیں کہا ماقتلوہم کیونکہ قتل کے لفظ کی بجائے ضرب رقاب میں سختی کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں خوفناک ترین صورت میں اس کے قتل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ اس کی گردن کا کاٹنا اور ایسے عضو کو اڑانا ہے جو بدن کا سردار، اس کا بلند حصہ اور وجیہ ترین عضو ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حَتَّىٰ اِذَا اَشْخَضُوهُمْ یعنی جب تم قتل کا عمل زیادہ کر چکو۔ سورہ انفال میں یہ بحث حَتَّىٰ يُشْخِنَ فِي الْاَرْضِ میں گزر چکی ہے۔ فَشَدُّوا الْوُثَاقَ یعنی جب تم قیدی بنا چکو۔ وثاق یہ ایشاق کا اسم ہے بعض اوقات یہ مصدر ہوتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: اوثقته ایشاقاً و وثاقاً جہاں تک وثاق کا تعلق ہے تو یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے، جس طرح رباط یہ قشری کا نقطہ نظر ہے۔ جوہری نے کہا: اوثقته فی الوثاق یعنی اسے باندھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَشَدُّوا الْوُثَاقَ، وثاق واؤ کے کسرہ کے ساتھ، اس میں یہ لغت ہے۔ باندھنے کا حکم اس لیے دیا تا کہ وہ کھسک ہی نہ جائیں۔ فَاَمَّا مَثَلُ يُحْيِي يَتَوَبَّعُ فِدَاً یعنی یا تو بغیر فدیہ کے مطلق ان پر احسان کیا جائے وَاَمَّا فِدَاً آءٌ یٰ فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے۔ ان دونوں کو فعل مضمر کے ساتھ نصب دی گئی ہے۔ اسے فدی الف مقصورہ کی صورت میں فاء کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَاَمَّا اَنْ تَمْنُوْا عَلَیْہِم مِّنْ اَمَّا اَنْ تَفَادُوْہُمْ فِدَاً۔ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ میں حجاج کے پاس کھڑا تھا جب عبدالرحمن بن اشعث کے ساتھی اس کے پاس لائے گئے ان کی تعداد چار ہزار آٹھ سو تھی اس نے تین ہزار کے قریب افراد کو قتل کر دیا یہاں تک کہ کندہ قبیلہ کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے کہا: اے حجاج! تو سنت اور کرم سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھلائی کے ساتھ بدلہ نہیں دے گا۔ اس نے پوچھا: یہ کیوں؟ اس آدمی نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاَمَّا مَثَلُ الْبَعْدُوْا اَمَّا فِدَاً آءٌ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو نے احسان کیا اور نہ ہی فدیہ لیا۔ تمہارے شاعر نے کہا جبکہ وہ تمہارے مکارم، صدق کا وصف بیان کرتا ہے:

وَلَا نَقْتُلُ الْاَسْرٰی وَلَا نَفْتُکَہُمْ اِذَا اَثْقَلُ الْاَعْنَاقُ جَمْلُ الْبَغَارِ

نہ ہم قیدیوں کو قتل کرتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں چھڑاتے ہیں جب چٹیوں کے بوجھ گردنوں کو بوجھل کر دیں۔

حجاج نے کہا: ان مردہ لاشوں پر افسوس! کیا ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو اس قسم کی کلام اچھے انداز میں کرتا۔ جو لوگ بچ گئے ہیں ان کو آزاد کر دو۔ اس روز باقی قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس آدمی کے بقول وہ دو ہزار تھے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے اور پانچ اقوال ذکر کیے ہیں:



1۔ یہ منسوخ ہے، یہ بتوں کے پجاریوں کے بارے میں ہے ان سے فدیہ لینا اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں ان کے نزدیک اس کا نسخہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاَمَّا تَشَقَّقْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَن خَلْفَهُمْ (الانفال: 57)** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَاقْتُلِ (التوبة: 36)** یہ قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے؛ کوفہ کے بہت سے علماء نے یہی بات کی ہے۔ عبدالکریم جوزی نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک کے بارے میں خط لکھا گیا جو قید کیا گیا تھا (1)۔ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ اس نے اتنے اتنے فدیہ کے بدلے میں جان بخشی کی التماس کی ہے۔ فرمایا: اسے قتل کر دو ایک مشرک آدمی کا قتل مجھے اتنے اتنے مال کی بنسبت زیادہ محبوب ہے۔

2۔ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے علماء اور اہل نظر کی ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ منسوخ ہے ان میں قتادہ اور مجاہد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کیا جائے تو اس پر احسان کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے شرط پر فدیہ لینا جائز ہے کہ اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک صرف عورت کا فدیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا، اس آیت کی نسخہ آیت **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** ہے کیونکہ سورہ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ ضروری ہے کہ مشرک کو قتل کر دیا جائے مگر جس کے قتل کو ترک کرنے میں دلیل قائم ہو جس طرح عورتیں، بچے اور جن سے فدیہ لیا جاتا ہے؛ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ وجہ یہ خوف ہے کہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائیں۔

عبدالرزاق، معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں **فَاَمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاَمَّا فِدَاءٌ** اسے **فَشَرِّدْ بِهِمْ مَن خَلْفَهُمْ (الانفال: 57)** نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اسے **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** نے منسوخ کیا ہے؛ یہ حکم کا قول ہے۔

3۔ یہ آیت نسخہ ہے؛ یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ثوری نے جویر سے وہ ضحاک سے روایت نقل کرتے ہیں **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبة: 5)** کو **فَاَمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاَمَّا فِدَاءٌ** نے منسوخ کر دیا ہے۔ ابن مبارک نے ابن جریج سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں **فَاَمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاَمَّا فِدَاءٌ** مشرک کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر احسان کیا جائے گا اور اس سے فدیہ لیا جائے گا (2)، جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اشعث نے کہا: حضرت حسن بصری قیدی کو قتل کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور یہ آیت پڑھا کرتے **فَاَمَّا مَنَّا بَعْدُ وَاَمَّا فِدَاءٌ** حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے گویا فرمایا: فضرِب الرقاب حتی تضع الحرب اوزارها پھر فرمایا: **حَتَّىٰ اِذَا اَخْشَسْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوُثَاقَ** اور اس نے یہ گمان کیا کہ امام کو حق حاصل نہیں کہ جب قیدی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اسے قتل کرے لیکن اسے تین چیزوں میں اختیار ہے۔

1۔ اس پر احسان کرے۔ 2۔ اس سے فدیہ لے۔ 3۔ اس کو غلام بنالے۔

4۔ سعید بن جبیر کا قول ہے: فدیہ اور قید کرنا نہیں مگر جب تلوار سے بہت زیادہ افراد کو قتل کیا جا چکا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الانفال: 67) جب اس کے بعد قیدی بنائے جائیں تو امام کو حق حاصل ہے کہ جو اس کی رائے ہو اس پر عمل کرے خواہ وہ قتل کرے یا کوئی اور معاملہ کرے۔

5۔ آیت محکم ہے امام کو ہر حال میں اختیار ہے: اسے علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: یہ قول کثیر علماء نے کیا ہے ان میں حضرت ابن عمر، حضرت حسن بصری، عطاء بن یحییٰ امام مالک، امام شافعی، ثوری، اوزاعی، ابو عبیدہ وغیرہ کا قول ہے۔ یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے یہ کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو غزوہ بدر کے موقع پر انتقام کے طور پر قتل کیا تھا اور باقی بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا تھا۔ ثمامہ بن اثال حنفی جبکہ وہ آپ کے پاس قیدی تھا پر احسان کیا تھا، سلمہ بن اکوع سے لونڈی لی تھی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے بہت سے لوگوں کا فدیہ دیا تھا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا تھا اور ان پر احسان کیا تھا، آپ نے ہوازن کے قیدیوں پر احسان کیا تھا۔ یہ سب صحیح میں ثابت ہے اور یہ سب باتیں سورۃ الانفال میں گزر چکی ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ تعبیر اس شرط پر ہے کہ یہ دونوں آیتیں محکم ہیں ان دونوں پر عمل کیا جاتا ہے وہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ نسخ قطعی امر کے لیے ہوتا ہے جب دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو نسخ کے قول کا کوئی معنی نہیں جب یہ جائز ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جائے جب کافروں سے ہماری مدد بھیڑ ہو تو ہم ان کو قتل کریں جب قیدی بنایا جائے گا تو قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ دینا اور احسان کرنا بھی جائز ہوگا جس میں مسلمانوں کے لیے خیر کا پہلو موجود ہو: یہ قول اہل مدینہ، امام شافعی اور ابو عبیدہ سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے ایک رائے امام اعظم ابو حنیفہ سے بھی یہی بیان کی ہے، مشہور وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا** مجاہد اور ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا ہے (1)۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کوئی دین نہیں ہے مگر دین اسلام۔ ہر یہودی، ہر نصرانی اور ہر ملت والا اسلام قبول کرے اور بکری بھیڑے سے بے خوف ہو جائے، اسی کی مثل حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی سے قول مروی ہے۔ کسائی نے کہا: یہاں تک کہ مخلوق مسلمان ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور کفرنا پیدا ہو جائے۔ کلبی نے کہا: یہاں تک کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوزار کا معنی اسلحہ ہے، معنی ہے رسیاں باندھ دو یہاں تک کہ تم امن میں ہو جاؤ اور تم اسلحہ رکھ دو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یعنی وہ دشمن جو برسرِ پیہر تھے وہ اپنے اوزار رکھ دیں۔ اوزار سے مراد ان کا اسلحہ ہے یعنی شکست کھا جائیں یا جنگ کو ترک کر دیں، اور خچروں کو بھی اوزار

کہتے ہیں، اُتشی نے کہا:

وَأَعْدَدْتُ لِلْحَرْبِ أَوْزَارَهَا رِمَاحًا طَوَالًا وَخِيَلًا ذُكُورًا (1)

میں نے جنگ کے لیے خچروں کو تیار کیا ہے لمبے نیزے اور مذکر گھوڑے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا کا معنی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ رکھ دے، اوزار کا معنی بوجھ ہے، اسی معنی میں وزیر الملک ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی جانب سے بوجھ اٹھاتا ہے۔ اٹھالہا سے مراد اسلحہ ہے کیونکہ اس کا بوجھ بڑا وزنی ہوتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت حسن بصری اور عطاء نے کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، معنی ہے گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ اتار دے جب تم ان کو کثرت سے قتل کر چکو تو رسیوں کو مضبوطی سے باندھو۔ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسیر کو قتل کرے۔ حجاج سے مروی ہے کہ اس نے ایک قیدی حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے کیا تا کہ آپ اسے قتل کریں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت پڑھی حَتَّى إِذَا أَشْخَسْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَیْہُمْ نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اور اس پر عمل بھی کیا احسان کرنے اور فدیہ لینے کی وضاحت میں کسی غیر چیز کے منع کا ذکر نہیں اللہ تعالیٰ نے زنا کے بارے میں کوڑے مارنے کا حکم دیا اور نبی کریم ﷺ نے رجم کا حکم دیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شاید حجاج کے ہاتھ سے قیدی لے کر قتل کرنے کو مکروہ جانا اور اس نے جو کہا تھا اس سے معذرت کر لی۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ذَٰلِكَ مَحَلُّ رَفْعٍ میں ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الأمر ذَٰلِكَ الذی ذکر ت و بینت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس معنی کی بنا پر منصوب ہے افعلوا ذَٰلِكَ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو، معنی ہے یہ کفار کا حکم ہے یہ ایسا کلمہ ہے جسے فصیح اس وقت استعمال کرتا ہے جب وہ ایک کلام سے دوسری کلام کی طرف نکلتا ہے، وہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هَٰذَا ۖ وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ۖ (ص) یعنی یہ حق ہے اور میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ظالموں کے لیے یہ انجام ہے لَا يَنْتَصِرُ مِنْهُمْ کا معنی ہے انہیں جنگ کے بغیر ہلاک کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں فرشتوں کے لشکروں کے ساتھ ہلاک کر دے گا۔

وَلَكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ یعنی تمہیں جنگ کا حکم دیا تا کہ وہ آزمائے اور تم میں سے بعض کو بعض کے ساتھ امتحان میں ڈالے نو وہ تباہین اور صبر کرنے والوں سے آگاہ ہو جائے، جس طرح اس سورت میں ہے۔

وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اس سے مراد غزوہ احد میں شہید ہونے والے مومن ہیں فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ عام قراءت قاتلوا ہے! یہ ابو عبیدہ کا اختیار ہے۔ ابو عمرو اور حفص نے قُتِلُوا قاف کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت اس طرح ہے مگر انہوں نے تاء کو مشدد پڑھا ہے تا کہ کثرت کے معنی پر دلالت کرے۔

محمد ری، بیسی بن عمر اور ابو حیوہ نے قتلوا الف کے بغیر پڑھا ہے۔ مراد ہے جنہوں نے مشرکوں کو قتل کیا۔ قتادہ نے لکھا

ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ ایک گھائی میں موجود تھے۔ صحابہ کرام میں زخم اور شہادت کا عمل بہت ہو چکا تھا مشرکوں نے اعلان کیا: اعل ہبل مسلمانوں نے نعرہ لگایا: اللہ اعلیٰ واجل۔ مشرکوں نے کہا: یہ دن بعد کے دن کے مقابل ہے اور جنگ میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے مومنو! تم کہو کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتول اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتول آگ میں ہیں انہیں عذاب دیا جاتا ہے“۔ مشرکوں نے کہا: ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں (1)۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ اس کا ذکر سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے۔

### سَيِّدِيْهُمْ وَيُصْلِحْ بَالَهُمْ ۝

”وہ پہنچادے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو“۔

تیسری نے کہا: ابو عمرو کی قراءت قتلوا بڑی بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَيِّدِيْهُمْ وَيُصْلِحْ بَالَهُمْ ۝ مقتول کی یہ صفت نہیں ذکر کی جاتی۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے عنقریب وہ انہیں جنت کی طرف لے جائے گا ان میں جو باقی ہیں انہیں ہدایت عطا فرما دے گا۔ ابن زیاد نے کہا: وہ قبر میں منکر و نکیر کے ساتھ دلیل قائم کرنے میں ان کی رہنمائی کرے گا (2)۔ ابو المعالی نے کہا: بعض اوقات ہدایت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد مومنوں کو جنت کے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا اور ایسے راستوں کی طرف راہنمائی کرنا ہے جو جنت کی طرف جاتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو مجاہدین کی صفت میں ہے: فَلَنْ يُضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيِّدِيْهُمْ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَنَّةِ ۝ (فالصافات: 23) اس کا معنی ہے انہیں اس کی طرف تم لے جاؤ۔

### وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ۝

”اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی“۔

جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ تو وہ اپنے گھروں کو ان جمعہ پڑھنے والوں سے زیادہ جانتے ہوں گے جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہیں؛ یہ معنی مجاہد اور اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ بخاری شریف میں ایسی حدیث موجود ہے جو اس قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا دیا جائے گا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا تو ان میں سے بعض کے بعض پر مظالم کو بیان کیا جائے گا جو ان کے درمیان ہوئے تھے یہاں تک کہ جب انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی (3)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ایک جنت میں اپنے گھر کے بارے میں دنیا میں اپنے گھر سے زیادہ آگاہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 294

1۔ تفسیر طبری، ج: 26، صفحہ 53

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، جلد 2، صفحہ 967



گیا ہے: عَزَّوَاللَّهِمَّ ۝ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بیان کرے گا یہاں تک کہ وہ بغیر راہنمائی طلب کیے اس کو پہچان لیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا میں جنت کی صفت بیان کی جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ اس کی صفت سے اسے پہچان گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہے عرف طر قھا و مساکنھا و بیوتھا لھم تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک پہچان راہنمائی کی صورت میں ہوئی یعنی وہ فرشتہ جو بندے کے عمل پر مقرر تھا وہ اس بندے کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ بندہ اپنے مکان تک پہنچ جائے گا۔ فرشتہ ان تمام چیزوں کا اسے تعارف کروائے گا جو اس کے لیے جنت میں تیار کی گئیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت اس کا رد کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنتیوں کے لیے مختلف قسم کی لذتوں کے ساتھ انہیں خوشبودار بنادے گا۔ یہ عرف سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد پاکیزہ خوشبو ہے۔ طعام معروف خوشبودار کھانا۔ عرب کہتے ہیں: عرفت القدر یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس میں نمک اور مصالحہ جات ڈال کر مزے دار بنادے۔ شاعر ایک آدمی سے خطاب کرتا ہے اور اس کی مدح بیان کرتا ہے:

عَرَفْتُ كَاتِبَ عَرَفْتَهُ اللَّطْعَانِ

وہ اسے کہتا ہے: کما عرف الہشب اس سے مراد بقیہ اور بقیہ ہے یہ ایسی قمیص ہوتی ہے جس کی آستین نہیں ہوتی جسے عورتیں پہنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کھانے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے ایک دوسرے کے اوپر رکھنا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: حرایر معروف یعنی اس کا بعض بعض پر ہے۔ یہ عرف متتابع سے مشتق ہے جس طرح گھوڑے کی گردن پر بال ہوتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَزَّوَاللَّهِمَّ ۝ یعنی طاعت کی توفیق دی یہاں تک کہ وہ جنت کے مستحق بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اہل آسمان کو بتایا کہ یہ جنت ان کے لیے ہے مقصد ان کی کرامت کا اظہار تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اطاعت شعاروں کو پہچان کرائی کہ یہ جنت ان کے لیے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ (الحج: 40) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ قطرب نے کہا: اگر تم اللہ کے نبی کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔

وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ یعنی جنگ کے وقت تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسلام پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پل صراط پر تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول کیا گیا مراد ہے: امن دے کر دلوں کو ثابت رکھتا ہے تو ثابت قدمی سے مراد جنگ کے وقت مدد کرنا ہے۔ سورۃ الانفال میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہاں ہی فرمایا: إِذْ يُؤَيِّدُ بِنُجَّتِكَ إِلَىٰ

الْمَلَكَةِ آتَىٰ مَعَكُمْ فَتَبَيَّنُوا الَّذِينَ آمَنُوا (الأنفال: 12) وہاں واسطہ کو ثابت رکھا اور یہاں اسکی نفی کردی جس طرح اس آیت میں ملائکہ کو ثابت رکھا قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدة: 11) پھر اس قول میں اس کی نفی کردی اِنَّ الَّذِي مَنَىٰ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيَّتُكُمْ (الروم: 40) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِي مَنَىٰ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (الملک: 2) اس کی مثالیں بشارتیں۔ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

### وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَصْلًا أَعْمَالُهُمْ ۝

”اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا (خدا کرے) وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کر دے۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا مبتدا بونے کی حیثیت میں رفع کا تقاضا کرتا ہے اور نصب اس وجہ سے جو اس کی تفسیر کر رہا ہے یعنی فَتَعْسًا لَّهُمْ گویا فرمایا: تعس الذین کفروا۔ فَتَعْسًا لَّهُمْ یہ بددعا کے طریقہ پر مفعول مطلق کی حیثیت سے منسوب ہے: یہ فراء کا قول ہے جس طرح سَقِيَانَهُ وَرَغِيَانَهُ۔ یہ کلام لعالمہ کی ضد ہے کیونکہ لعاند دعا یہ کلمہ ہے۔ غشی نے کہا: فَالتَّعْسُ أَوْ لَهَا مِنْ أَنْ أَقُولَ لَعَا (1)۔ میرا اس کے حق لعا کہنا اولی تعس کہنے سے بہتر ہے۔

اس میں دس اقوال ہیں: 1۔ اس کا معنی ہے بعد الہم (2)؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کا قول ہے۔ 2۔ خُذْنَا لَہُمْ (3)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ شقاء لہم (4)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ 4۔ شتما لہم من اللہ (5)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ 5۔ ہلاک لہم (6)؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ 6۔ خيبة لہم (7)؛ یہ نحاک اور ابن زید کا قول ہے۔ 7۔ قبحا لہم (8)؛ یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ 8۔ رغبا لہم (9)؛ یہ بھی نحاک کا قول ہے۔ 9۔ شتما لہم؛ یہ بھی ثعلب کا قول ہے۔ 10۔ شقوة لہم؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعس سے مراد انحطاط (10) (گرنا) اور لغزش کھانا ہے۔ ابن سکیت نے کہا: تعس کا معنی ہے منہ کے بل گرنا۔ نکس کا معنی ہے سر کے بل گرنا (11)۔ کہا: تعس کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ جوہری نے کہا: اس کا اصل معنی منہ کے بل گرنا۔ یہ اتعاش (گرنے کے بعد اٹھنا) کی ضد ہے۔ قد تعس یتعس تعسا۔ اتعسه اللہ۔ مجمع بن ہلال نے کہا:

تقول وقد أفرڈتھا من خلیدھا تعست کما اتعستنی یا مَجْبَعُ

یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعسا فلان۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہلاکت کو لازم کر دیا۔ قشیری نے کہا: ایک قوم نے تعس کو جائز قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دینار، درہم، دینار

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 318	2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 295	3۔ ایضاً	4۔ ایضاً
5۔ ایضاً	6۔ ایضاً	7۔ ایضاً	8۔ ایضاً
9۔ ایضاً	10۔ ایضاً	11۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 112	

(بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) اور سیاہ مربع چادر کا غلام ہلاک ہو گیا، اگر اسے عطا کیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے (1)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے اس حدیث کی بعض اسناد میں یوں مروی ہے تعس و انتکس و اذا شیک فلا انتکس (2) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے سب میں بددعا کا معنی پایا جاتا ہے۔  
وَ أَصْلَ أَعْمَالِهِمْ ۝ ان کے اعمال کو باطل کر دیا کیونکہ وہ شیطان کی طاعت میں تھے فَتَعَسَا فِي فَاٍ دَاخِلٌ ہوتی ہے اس ابہام کی وجہ سے جو الَّذِينَ میں ہے۔ وَ أَصْلَ أَعْمَالِهِمْ ۝ جملہ خبریہ ہے الَّذِينَ کے لفظ پر محمول ہے، کیونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے خبر ہے فاء کا دخول معنی کے اعتبار سے ہے اور أَصْلَ لفظ پر محمول کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

”یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال۔“  
ذٰلِكَ کا مشارالیه الإضلال والإتعاس ہے۔ مَا أُنْزِلَ اللَّهُ سے مراد کتب اور شرائع ہیں۔ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ ان کے لیے بھلائی کی جو صورتیں موجود تھیں، جس طرح بیت اللہ شریف کی آبادی، مہمان نوازی، قربانی کی مختلف صورتیں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے علاوہ کسی کا عمل قبول نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال یعنی بتوں کی عبادت کو برباد کر دیا۔  
أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝

”تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ خود دیکھ لیتے کہ کیسے انجام ہوا ان (مکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لیے اسی قسم کی سزائیں ہیں۔“  
اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے احوال کو بیان کیا تاکہ ایمان کے وجوب پر آگاہی ہو پھر اس امر کو نظر و فکر کے ساتھ ملایا۔ کیا یہ لوگ عاد، ثمود، قوم لوط وغیرہ کے علاقوں میں نہیں گھومے پھرے تاکہ ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے دلوں سے غور و فکر کریں کہ ان سے قبل جو کافر ہوئے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کو جڑ سے اکھیڑ دیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: دمرہ تدمیر اور دمر علیہ، دونوں کا معنی ایک ہی ہے پھر مشرکین مکہ کو دھمکی دی فرمایا: کافروں کے لیے اسی کی مثل ہے یعنی ان کے لیے بھی اسی کی مثل بربادی ہوگی۔ زجاج اور طبری نے کہا: ہاء ضمیر عاقبتہ کی طرف لوٹ رہی ہے قریش کے کافروں کے لیے ایسا ہی انجام ہوگا جیسا انجام ان لوگوں کا ہوا جو سابقہ امتوں میں سے تھے جنہوں نے جھٹلایا اگر یہ کفار قریش ایمان نہ لائے (3)۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝

”یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔“

1۔ مجمع بخاری، کتاب الجہاد، باب الحراسۃ فی العدول۔ .. ل. اللہ، جلد 1، صفحہ 404

3۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 56

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 315

یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت وہی ہے ذلت بآل اللہ ولی الذین آمنوا مولیٰ سے یہاں مراد مددگار ہے: یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ شاعر نے کہا:

فَعَدَّتْ يَكَلِّ الْفَرَجَيْنِ تَحْسِبُ أَنَّهُ مَوْتَى الْخَافَةِ خَلْفَهَا وَأَمَامَهَا

وہ گائے دونوں کھلے میدانوں کو گمان کرتی ہے کہ وہ آگے سے اور پیچھے سے خوف کی جگہ ہے۔

قائد نے کہا: یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قُولُوا اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ ”تم کہو اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں“ (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ○ اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی مدد کرے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْهُومَةٌ ○

”بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں

مصرف ہیں وگھروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔“

اس آیت کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ جنہوں نے کفر کیا وہ دنیا میں لطف اندوز

ہوں گے یا وہ چوپائے ہیں، ان کے لیے کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی مگر ان کے پیٹ اور ان کی شرمگاہیں، وہ آنے والے دن میں

جو کچھ ہونے والا ہے اس سے غافل ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن دنیا میں زادراہ پر اکتفا کرتا ہے، منافق زیب و زینت کرتا ہے اور کافر لطف اندوز ہوتا ہے

وَالنَّارُ مَشْهُومَةٌ ○ آگ ہی ان کا ٹھکانہ اور منزل ہے۔

وَكَائِنَ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلُكُنْهُمْ فَلَا

نَاصِرَ لَهُمْ ○

”اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے

باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔“

وَكَائِنَ مِنْ قَرْيَةٍ كَابِلَةٍ بَارِعَةٍ فِي الْإِيمَانِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهَا كِبَارُ الْثُلُوفِ ○

گی و کم من قریۃ انخفش نے لبید کا شعر پڑھا۔



كَانَ رَايِنَا مِنْ مَمُوتٍ وَسُوقَةٍ وَ مِفْتَاحِ قَيْدٍ لِلْأَسِيرِ الْمَكْبُولِ (1)

کتنے ہی بادشاہوں اور رعیتوں کو دیکھا۔ اس کا معنی ہے کتنے ہی بستیوں والے ہیں۔ ہنّی اشدّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ یعنی جنہوں نے آپ کو بستی سے نکالا ان سے وہ زیادہ طاقتور تھے اَهْلُكُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ قِتَادَهُ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے غار ثور کی طرف نکلے تو مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ”اللہم اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے اور مشرک جو تیرے اندر رہنے والے ہیں اگر مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا“ تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ اے ثعلبی نے ذکر کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ

”کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے اس (بد بخت) کی مانند ہے آراستہ کر دیے گئے جس کے لیے اس کے برے اعمال اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔“

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ یہاں ہمزہ استفہام تقریری ہے۔ علیٰ بَيِّنَةٍ کا معنی ہے ثبات و یقین پر؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (3) بَيِّنَةٍ سے مراد وحی ہے كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ سوء عمل سے مراد باتوں کی عبادت ہے من سے مراد ابو جہل اور کفار ہیں۔

وَ اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ یعنی جو خواہش کی اس کی پیروی کی۔ یہ تزمین، خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دعوت اور دوسوہ کے اعتبار سے شیطان کی جانب سے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کافر کی جانب سے ہو، یعنی اس نے اپنے لیے اپنا برا عمل مزین کر کے پیش کیا اور کفر پر اصرار کیا اور سُوء، من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور اتَّبَعُوا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کہا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّرِبِ بَيْنَ ۖ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۖ

”احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخشی ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور

2۔ جامع ترمذی، باب فی فضل مکہ، حدیث نمبر 3861، ضیاء القرآن پبلیکیشنز

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 296

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 296

(مزید برآں ان کے لیے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو!) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کات دے گا ان کی آنتوں کو۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ اِنَّہ تعالیٰ نے ان جنتوں کی صفت بیان کی یعنی اس جنت کی صفت جو متقین کے لیے تیار کی گئی۔ سورہ رعد میں یہ بحث کدر چکی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مثال الجنة التي وعد المتقون قراءت کی ہے۔

فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ایسا پانی جس کی بوتھیل نہیں ہوتی۔ پانی میں آسن، آجن کی مثل ہے قد آسن السماء یأسن ویأسن آسناو آسونا جب اس کی بوتھیل ہو جائے، اسی طرح آجن السماء یأجن، یاجن آجناو آجون ہے۔ دونوں میں کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ آجن آسن یأسن ویأجن آسناو آجنا۔ یہ یزیدی نے کہا: آسن الرجل یأسن جب کسرہ کے ساتھ ہو جب وہ آدمی کنویں میں داخل ہو تو اسے کنویں کی بدبودار ہوا پہنچے یا اس کے علاوہ تو اس پر غشی طاری ہو جائے یا اس کا سر چکرا جائے۔ اس میں الوسن بھی مروی ہے۔ تأسن السماء جب پانی متغیر ہو جائے ابو زید نے کہا تأسن عن تأسناوہ بیمار ہو جائے اور سستی کرے۔ ابو عمرو نے کہا: تأسن الرجل اباء۔ اس نے اپنے باپ کے اخلاق کو اپنایا۔ لحيانی نے کہا: جب اس نے اپنے باپ کی مشابہت اختیار کی۔ عام قراءت آسن، مد کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر اور حمید نے آسن، ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح حاذر اور حذر۔ انفس نے کہا: آسن یہ حال کا معنی دیتا ہے اور آسن سے مراد استقبال ہے۔

وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وہ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے نہیں ہوں گے جس طرح دنیا کے دودھ زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کھٹے ہو جاتے ہیں۔ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ اسے پاؤں آلودہ نہیں کریں گے اور ہاتھ انہیں گدلا نہیں کریں گے جس طرح دنیا کی شراب ہوا کرتی ہے اس کا ذائقہ لذیذ اور مشروب عمدہ ہوگا پینے والے اسے ناپسند نہیں کریں گے یہ کہا جاتا ہے: مشروب لذو لذیذ۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ استلذہ، اسے لذیذ شمار کیا۔

وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى عسل جو شہد کی مکھی کے لعاب سے بہتا ہے، مصفًی جو گوند اور آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا کیا اسے نہ آگ پر پکایا گیا اور نہ شہد کی مکھی نے اسے آلودہ کیا۔ ترمذی میں حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”جنت میں پانی کا سمندر، شہد کا سمندر، دودھ کا سمندر اور شراب کا سمندر رہے پھر اس سے نہریں جاری ہوتی ہیں“ (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سبحان، جیحان، نیل اور فرات سب جنت کے دریا ہیں“ (2)۔ کعب نے کہا: دریاے دجلہ جنتیوں کے پانی کا دریا ہے۔ دریاے فرات ان کے دودھ کا دریا

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ما جاء في صفة انهار الجنة، جلد 2، صفحہ 80

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة اهلها، ما جاء في صفة انهار الجنة، جلد 2، صفحہ 380

ہے، مصر کا دریا ان کے مشروب کا دریا ہے اور دریائے سحان ان کے شہد کا دریا ہے۔ یہ چاروں دریا کوثر سے نکلتے ہیں۔ غسل مذکور مومنٹ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مَنْ عَسَلٍ مُصَفًّیٰ یہ شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا۔

وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ مَنْ زَانِدٌ ہے اور تاکید کے لیے ہے وَمَغْفِرَةٌ مَنْ تَابَ ان کے رب کی جانب سے ان کے گناہوں کی بخشش ہے گَمَنُ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ فراء نے کہا: معنی ہے کیا وہ جو ان نعمتوں میں ہمیشہ رہے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو جہنم میں ہمیشہ رہتا ہے۔ زجاج نے کہا: کیا وہ جو اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہے اور اسے یہ اشیاء عطا کی گئی ہیں اس آدمی کی طرح ہوگا جس کے اعمال اس کے لیے مزین کیے گئے جبکہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنے والا ہو۔ تو اس کا قول کمن، گَمَنُ زَيْنٌ لَهُ سُوءٌ عَلَيْهِ کا بدل ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ جنت جس میں پھل اور نہریں ہیں ان کی مثال اس جہنم جیسی ہے جس میں کھوتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا۔ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں میں جنتوں کی مثال ہمیشہ رہنے والی جہنم میں جہنمیوں کی مثل ہے۔ وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً انہیں ایسا پانی پلایا جائے گا جو بہت زیادہ جوش مار رہا ہوگا۔ جب اس پانی کو ان کے قریب کیا جائے گا تو ان کے چہرے بھون دیے جائیں گے اور ان کے سروں کی جلد اتر جائے گی۔ جب وہ اسے پیئیں گے تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا اور ان کی دہر سے انہیں نکال دے گا امعاء یہ معی کی جمع ہے اس کا تشبیہ معیان ہے پیٹ میں جو انٹریاں ہیں ان کو امعاء کہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ  
مَاذَا قَالَ أَنْفَا۟ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَ  
الَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًىٰ وَاتَّبَعُوا تَقْوَاهُمْ ۖ

”اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا فرمائیے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے، یہی وہ (بد بخت) ہیں مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔“

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ یعنی وہ لوگ جو لطف اندوز ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں ان کے اعمال ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں وہ منافق ہیں عبد اللہ بن ابی بن سلول، رفاعہ بن تابوت، زید بن صلیت، حارث بن عمرو اور مالک بن دشتم، وہ جمعہ کے روز خطبہ میں حاضر ہوتے جب اس میں منافقوں کا ذکر سنتے تو اس سے اعراض کرتے، جب وہ باہر نکلتے تو اس کے بارے میں سوال کرتے (1)؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ جو ارشاد فرماتے اسے سنتے مومن اسے یاد کر لیتے اور کافرا سے یاد نہ رکھتے۔





خوف عطا فرمایا، یہ ربیع کا قول ہے۔ 2۔ آخرت میں انہیں تقویٰ کا ثواب عطا فرمایا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ جو امور ان پر فرض کیے گئے ان پر عمل کی انہیں توفیق عطا فرمائی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ 4۔ جن چیزوں سے انہیں بچنا تھا وہ ان کے لیے بیان کر دیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے اور سدی نے بھی یہ کہا ہے۔ 5۔ منسوخ کو ترک کرنا اور ناسخ پر عمل کرنا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: چھٹے کا بھی احتمال ہے رخصت کو ترک کرنا اور عزیمت کو اپنانا۔ وَآتَاهُمُ کی بجائے واعطاهم بھی پڑھا گیا ہے۔ نکر مہ نے کہا: یہ آیت ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی اہل کتاب میں سے جو ایمان لائے تھے۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَلِي لَهُمْ إِذَا

جَاءَهُمْ ذِكْرُهَا ①

”پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں (تو جب قیامت ان پر آگئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا۔“

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً۔ بغتہ یعنی اچانک۔ یہ کفار کے لیے وعید ہے فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا اشراطہا سے مراد اس کی علامات ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ پڑھا تھا کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں حضور ﷺ کی بعثت اس کی نشانیوں اور دلیلوں میں سے ایک ہے؛ یہ ضحاک اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں“ اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا (1)۔ الفاظ مسلم کے ہیں اسے امام بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ روایت کی جاتی ہے: ”میں اور قیامت گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح یعنی مساوی ہیں“۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشراط الساعۃ سے مراد اس کے اسباب ہیں جو بڑی نشانیوں سے کم ہیں، اسی وجہ سے لوگوں میں سے کم مرتبہ لوگوں کو الشراط کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی نشانیوں سے مراد چاند کا پھٹنا اور دھواں ہے؛ یہ حضرت بصری کا بھی قول ہے۔ کلبی سے مروی ہے: مال کی کثرت، تجارت، جھوٹی گواہی، قطع رحمی، شریف لوگوں کی کمی اور کمینے لوگوں کی کثرت ہے (2)۔ ہم نے کتاب ”الذکر“ میں اسے مفصل ذکر کیا ہے۔ اشراط کا واحد شرط ہے اس کا اصل معنی علامات ہیں اسی معنی میں شرط کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے لیے ایک علامت بنائی ہوئی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں، اسی معنی میں بیع وغیرہ میں شرط ہے۔ ابوالاسود نے کہا:

فَإِنْ كُنْتَ قَدْ أَذْمَعْتَ بِالصَّرْمِ بَيْنَنَا فَقَدْ جَعَلْتَ أَشْرَاطَ أَوَّلِهِ تَبْدُو (3)

اگر تو نے ہمارے درمیان قطع تعلقی کا عزم کر لیا ہے تو اس کی ابتدائی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: اشراط فلان نفسه فی عمل کذا فلاں نے اپنے نفس کو فلاں عمل سے آگاہ کیا اور نفس کو اس عمل کے لیے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعۃ، جلد 2، صفحہ 406۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 43-4029، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223

خاص کر دیا۔ اوس بن حجر ایک آدمی کی تعریف کرتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی سے ایک رسی کی مدد سے نیچے (پہاڑی درخت جس سے قوسیں بنائی جاتی ہیں) کاٹنے کے لیے نیچے لٹکا تا کہ اس سے کمان بنائے:

فَأَشْرَطَ نَفْسَهُ فِيهَا وَهُوَ مُعْصِمٌ وَأَلْقَى بِأَسْبَابِ لَهُ وَتَوَكَّلَا (1)

اس نے اپنے آپ کو اس کام میں لگا دیا جبکہ وہ اس کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا اس نے رسیوں کے ساتھ اپنے آپ کو لٹکایا اور توکل کیا۔

أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً - ان، الساعة سے بدل اشتمال ہے جس طرح ان تصوم، رجال مؤمنون ونساء مؤمنات (الفتح: 25) سے بدل ہے اسے بغتہ، جزیۃ کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ کلمہ غریب ہے مصادر میں اس کی مثل واقع نہیں ہوا: یہ ابی عمرو سے مروی ہے۔ زمخشری نے کہا: مجھے خوف لاحق ہے کہ راوی نے ابو عمرو سے روایت کرنے میں غلطی کی ہو اور صحیح بغتہ ہو جس طرح حضرت بصری کی قراءت ہے۔ ابو جعفر روا سی اور دوسرے علماء نے اہل مکہ سے أَنَّ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً روایت کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے أَنَّ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً پڑھا تو وقف الساعۃ پر ہوگا۔ پھر شرط سے نئی کلام شروع ہوگی۔ کلام شک میں سے جس کا احتمال رکھتی ہے اسے خلق کی طرف پھیر دیا جائے گا و یا فرمایا: اگر اس کے آنے میں انہوں نے شک کیا ہے تو اس کی علامات تو آگئی ہیں۔

فَأَنِّي لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذِكْرُهُمْ ① - ذِکْرُہُمْ مبتدا ہے اور فَأَنِّي لَهُمْ خبر ہے۔ جَاءَهُمْ میں ضمیر مرفوع الساعۃ کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فمن این لهم التذکر اذا جاءتهم الساعۃ یہ معنی قنادہ اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نجات کیسے ملے گی جب قیامت کے آنے پر ان کے پاس ذکر کی آجائے گی؛ یہ ابن زید نے کہا ہے۔ ذکر میں دو وجوہ ہیں: 1۔ انہوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے وہ انہیں یاد دلانے جائیں گے۔ 2۔ بشارت دینے یا خوف دلانے کے لیے انہیں ان کے ناموں سے بلانا (2)۔ ابان نے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”اپنے نام اچھے رکھا کرو تمہیں قیامت کے روز ان کے ساتھ بلایا جائے گا، اے فلاں! اپنے نور کی طرف اٹھ، اے فلاں! اٹھو تیرے لیے کوئی نور نہیں“۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلِّبُكُمْ وَمُشَوِّكُمُ ۝

”پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو“۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ماوردی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جانتے تھے تو اس میں تین

وجہ ہوں گی۔ 1۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے باخبر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ 2۔ جس کو استدلال سے جانا ہے اسے خبر یقین کے ساتھ جان لو۔ 3۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ذکر کو علم ہے تعبیر کیا کیونکہ ذکر علم سے ہی ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان سے علم کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا جب اس کا آغاز اس سے فرمایا فَاَعْلَمُ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ عمل کا حکم علم کے بعد دیا۔ فرمایا: اَعْلَمُوا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ --- سَابِقُوا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ (الحمدید: 20-21) فرمایا: وَاعْلَمُوا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فَتْنَةٌ (الانفال: 28) بعد میں فرمایا: فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن: 14) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ (الانفال: 41) بعد میں عمل کا حکم دیا۔

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: 1۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو کہ آپ سے گناہ واقع ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو کہ تجھے گناہوں سے محفوظ رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ کے لیے کافروں اور مومنوں کی حالت کا ذکر کیا تو ایمان پر ثابت قدمی کا حکم دیا یعنی توحید و اخلاص میں سے جس حالت پر آپ ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور ان چیزوں سے احتیاط کرتے رہیں کہ جن کو بجالانے کی صورت میں استغفار کی ضرورت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد امت ہے۔ اس قول کی بنا پر آیت اس امر کو واجب کرتی ہے کہ انسان تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا سینہ کفار کے کفر اور منافقین کے نفاق سے تنگ پڑتا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی یہ بات جان لو کہ جو تکلیف آپ کو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تیرا دل کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو استغفار کا حکم اس لیے دیا تاکہ امت آپ کی اقتداء کرے۔

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنی ان کے گناہوں کے لیے بخشش طلب کیجئے۔ یہ شفاعت کا امر ہے (1) مسلم، عاصم احوال سے وہ عبد اللہ بن مسعود بن مخزومی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے۔ تو ان کے ساتھی نے ان سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ نے آپ کے لیے بخشش طلب کی ہے؟ فرمایا: ہاں اور تیرے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ پھر میں پھر اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر کو دیکھا۔ جُنُفَا عَلِيہ خیلان کا تہ الشلیل۔ وہ بند مٹھی نما چیز تھی جس پر تل تھے گویا وہ مہبہ ہو۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ① اس میں پانچ اقوال ہیں: 1۔ وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے خواہ تو حالت سفر میں ہو یا حالت اقامت میں ہو۔ 2۔ مُتَقَلَّبَكُمْ یعنی دن کے وقت جو تمہارے اعمال ہیں۔ وَمَثْوَاكُمْ رات کے وقت جو تم سوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اور مَثْوَاكُمْ سے مراد دنیا اور آخرت میں جو کچھ تم کرتے

ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: مُتَقَلِّبُکُمْ سے مراد آباء کی پشتوں سے لے کر ماؤں کے زعموں تک (1)۔ مَثُوبُکُمْ زمین میں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ۔ ابن کیسان نے کہا: مُتَقَلِّبُکُمْ سے مراد پشت سے بطن اور بطن سے دنیا۔ اور مَثُوبُکُمْ سے مراد قبریں ہیں۔

میں کہتا ہوں: عموم ان تمام صورتوں میں آتا ہے۔ انسان کی حرکات و سکنات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخفی نہیں، اسی طرح اس کی تمام مخلوق مخفی نہیں، وہ ان تمام کو جانتا ہے قبل اس کے کہ وہ اکٹھے ہوں یا الگ الگ، پہلا ہو یا آخری ہو۔ سبحانہ لا الہ الا هو۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

”اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں)۔ پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، پس ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔“

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا یعنی مخلص مومن کہتے ہیں۔ لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ان کا کہنا وحی کے اشتیاق، جہاد اور اس کے ثواب کے حرص کی بنا پر ہے۔ لَوْلَا کا معنی ہلا ہے۔ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ سورہ محکم سے مراد جس میں نسخ نہ ہو۔ قتادہ نے کہا: ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر ہو اس کو محکم کہتے ہیں (2)۔ منافقین پر قرآن میں سے یہ شدید ترین ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں فلَا اُنْزِلَتْ سورہ محدثہ ہے، یعنی جس کا نزول ابھی ابھی ہوا ہو۔ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ جس میں جہاد فرض ہو۔ اسے دُکِرَ فیہا القتال بھی پڑھا گیا ہے کہ فعل معروف ہے اور قتال منصوب ہے۔ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ سے مراد شک اور نفاق ہے۔ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ایسے آدمی کی نظر جس کی آنکھ میں کیچڑ ہو اور غیظ و غضب کا شکار ہو جس طرح ایک آدمی کی نظر موت کے وقت کھل جاتی ہے۔ یہ صورت حال جنگ سے بزدلی کی بنا پر ہوتی ہے جبکہ وہ جزع فزع کر رہے ہوتے ہیں اور دل سے کفار کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

فَأُولَئِكَ لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ جوہری نے کہا ان کا قول اولیٰ لك یہ دھمکی اور وعید ہے۔ شاعر نے کہا:



فَأُولَىٰ ثُمَّ أُولَىٰ ثُمَّ أُولَىٰ وَلِلَّذِي يُخْلَبُ مِنْ مَّرَدِّ

اصمعی نے کہا: اس کا معنی ہے جو چیز اس کو ہلاک کرتی ہے وہ اس کے قریب آ پہنچی ہے یعنی اس پر نازل ہو چکی ہے اور یہ شعر پڑھا:

فَعَادَى بَيْنَ حَادِيَتَيْنِ مِنْهَا وَأُولَىٰ أَنْ يَزِيدَ عَلَى الثَّلَاثِ

یعنی وہ زائد ہونے کے قریب ہے۔

ثعلب نے کہا: اصمعی نے اولیٰ کے بارے میں جو کہا ہے اس سے بہتر کسی نے گفتگو نہیں کی۔ مبرد نے کہا: جو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پھر چھوٹ جائے۔ اولیٰ لک یعنی تو ہلاکت کے قریب پہنچ گیا تھا، جس طرح یہ روایت کی گئی ہے کہ ایک بدولگا تار شکار پر تیر چلا رہا تھا تو وہ تیر چوک جاتا وہ کہتا اولیٰ لک پھر اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ اس کے قریب ہوا پھر اس سے چوک گیا تو بدولگا نے کہا:

فَلَوْ كَانَ أُولَىٰ يُطْعِمُ الْقَوْمَ صِدْثُهُمْ وَلَكِنْ أُولَىٰ يَتْرُكُ الْقَوْمَ جُوعًا

اگر اولیٰ قوم کو کھلاتا تو میں انہیں شکار کر لیتا لیکن اولیٰ قوم کو بھوکا چھوڑتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آدمی کے اس قول کی طرح ہے جو وہ اپنے ساتھی کو کہتا ہے: یا محروم آنی شی فاتک! اے محروم! کون سی چیز تجھ سے فوت ہوئی۔ جرجانی نے کہا: یہ ویل سے مشتق ہے، یہ فعل کا وزن ہے لیکن اس میں قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ فعل کا عین کلمہ لام کلمہ کی جگہ واقع ہوا ہے۔ فاولیٰ لہم پر کلام مکمل ہو چکی ہے۔

قتادہ نے کہا: گویا یہ کہا عقاب ان کے قریب و موزوں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انہیں مصیبت نے آیا۔ پھر فرمایا: طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ یعنی طاعت اور اچھی بات بہت بہتر ہیں؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا مذہب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے امرنا طاعة وقول معروف۔ مبتدا کو حذف کر دیا گیا اور اولیٰ لہم پر وقف تام کیا گیا، اس طرح جس نے یہ مقدر کیا ہے۔ یقولون منا طاعة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسری آیت پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے۔ لہم میں لام باء کے معنی میں ہے، یعنی الطاعة اولیٰ والیق لہم واحق لہم من ترک امتثال امر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کرنے کی بجائے طاعت زیادہ مناسب، موزوں اور لازم ہے؛ یہ حضرت ابی کی قراءت ہے۔ یقولون طاعة ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ طاعة، سور قلی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاذا انزلت سورة ذات طاعة اس صورت میں فاولیٰ لہم پر عطف نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کا قول طاعة یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ معنی ہوگا لَہُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ایک قول یہ کیا گیا: فرائض کا وجوب ان پر ہے۔ جب فرائض نازل ہوتے ہیں تو ان کا نزول ان پر شاق گذرتا ہے اس صورت میں فاولیٰ پر وقف ہوگا۔

فَإِذَا عَزَمَ الْأُمُورُ جَبَّ جِهَادُهُ لَا يَأْمُرُ بِالسَّيِّئَاتِ وَلَا يَنْهَى عَنِ الْمَعْرُوفِ يُوقِرُ كُرْسًى هَٰؤُلَاءِ وَيُقِيمُ الصَّلَاةَ وَنَزَّلُ الذُّكْرَ وَيَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّهُ أُولَٰئِكَ لَا يَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ

اذا کہ جواب مکر وہ جانا ہے۔ وہ مخدوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب اسحاب امر عزم کر لیں۔

فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَخَرَّتِ الْأَرْضُ مِنْ حَتَمٍ ۚ وَلِلَّهِ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكُتُبُ ۚ إِنَّهُ أُولَٰئِكَ لَا يَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ

بجتر ہوتا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ۖ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۖ أَلَمْ يَكُنْ عَلَىٰ قُلُوبِ أَقْفَالِهَا ۖ

”پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قرابتوں کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولایت سے مشتق ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا: معنی ہے تم سے یہی توقع ہے اگر تم حکومت کے والی بن جاؤ تو تم ایسے حکام بن جاؤ گے کہ رشوت لینے کے ساتھ زمین پر فساد برپا کرو گے (1)۔ کبھی نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم امت کے امور کے ذمہ دار بن جاؤ تو تم زمین میں ظلم کے ذریعے فساد برپا کرو گے۔

ابن جریج نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم طاعت سے رخ پھیرو گے تو تم زمین میں نافرمانیوں اور قطع رحمی کے ساتھ فساد برپا کرو گے (2)۔ کعب نے کہا: معنی ہے تم سے یہ توقع ہے اگر تم امر کے والی بن جاؤ تو تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کسی شے سے اعراض کرو۔ قتادہ نے کہا: تم سے یہی توقع ہے اگر تم کتاب اللہ سے اعراض کرو تو تم زمین میں حرام خون بہا کر فساد برپا کرو اور رشتہ داری کو ختم کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ کا معنی ہے ممکن ہے اگر تم قرآن سے اعراض کرو اور اس کے احکام سے دور ہو تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور اپنی جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اسے سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ سورہ بقرہ میں گفتگو گنڈر چکی ہے۔ بکر مزنی نے کہا: یہ آیت حرور یہ اور خوارج کے بارے میں نازل ہوئی (3)۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ ابن حبان نے کہا: مراد قریش ہیں۔ اسی کی مثل مسیب بن شریک اور فراء نے کہا ہے دونوں نے کہا: یہ آیت بنی امیہ اور بنی ہاشم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن مغفل نے روایت کیا ہے۔ کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”اس سے مراد قریش کا یہ

قبیلہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا اگر یہ لوگوں پر والی بنیں تو وہ زمین میں فساد برپا نہ کریں اور رشتہ داری کو ختم نہ کریں۔“

حضرت علی بن ابی طالب نے یوں قراءت کی اِن تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تَفْسِدُوا فِى الْاَرْضِ تَا، واو کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ، یہ ابن ابی اسحاق کی قراءت ہے اسے روئیس نے یعقوب سے روایت کیا ہے وہ کہتے: اگر تم پر ظالم حکمران بن گئے تو تم ان کے ساتھ فتنہ میں نکلو گے اور تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے۔ وَتَقْطَعُوْا اَنْحَامَكُمْ ﴿٢٧﴾ تم بغاوت، ظلم اور قتل کے ذریعے اپنی رشتہ داری کو ختم کرو گے۔ یعقوب، سلام، عیسیٰ اور ابو حاتم نے وَتَقْطَعُوْا تَا کے فتح اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے: یہ قطع سے مشتق ہے وہ اس آیت پر استدلال کرتے وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرہ: 27) ہارون نے ابو عمرو سے اس قراءت کو روایت کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے وَتَقْطَعُوْا حُرُوْف کو مفتوح اور مشدّد پڑھا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَتَقْطَعُوْا اَمْرَهُمْ بِیْنَهُمْ (الانبیاء: 93) پر قیاس کیا ہے باقی قراء نے وَتَقْطَعُوْا تَا کے ضمہ اور طاء کو مشدّد پڑھا ہے۔ یہ تقطیع سے مشتق ہے جو کثرت کے معنی کو بیان کرتی ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سورہ بقرہ میں عسیتم کی بحث گزر چکی ہے۔ زجاج نے نافع کی قراءت میں کہا: اگر یہ جائز ہے تو عسی بھی جائز ہے۔ جوہری نے کہا: یہ کہا جاتا ہے عسیت اَنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ وَعَسِیتُ اَسَ فہل عسیتم کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ سورہ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔  
 اُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اُنْهٰی دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا۔ فَاَصْنَعْتُمْ اُنْهٰی سے بہرہ کر دیا وَاَعْنٰی  
 اَبْصَارَهُمْ ۝ ان کے دلوں کو خیر سے اندھا کر دیا۔ ان خبروں کو اس کے پیچھے ذکر کیا کہ جس نے ایسا کیا اس پر اس کی لعنت  
 ثابت ہوگئی اسکے کان اور آنکھ سے نفع حاصل کرنے کو سلب کرنا ثابت ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ حق کی اطاعت نہیں کرے گا  
 اگرچہ اس کو سننے تو اسے اس چوپائے کی مانند کر دیا جو عقل نہیں رکھتا، فرمایا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ  
 تو عربوں کی عادت کے مطابق خطاب سے غیب کی طرف رجوع کیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ یعنی کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ جان جاتے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کر دیا ہے جو اسلام سے نہیں پھرے اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ بلکہ دلوں پر قفل ہیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں ان کے دلوں پر لگایا ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔ یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے مذہب کو رد کرتی ہے۔ حدیث مرفوعہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ان پر ایسے تالے ہیں جس طرح لوہے کے تالے ہوتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں کھولے گا“۔ قفل کا اصل معنی خشکی اور سختی ہے۔ جب درخت خشک ہو جائے تو اسے قفل کہتے ہیں، قفیل بھی اسی کی مثل ہے۔ قفیل کا معنی نباتات ہے۔ قفیل کا معنی آواز ہے۔ اقفله الصوم۔ روزے نے اسے خشک کر دیا؛ یہ قشیری اور جوہری کا قول ہے یہاں اقفال سے اشارہ دل کے بند ہونے اور ایمان سے خالی ہونے کی طرف ہے یعنی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگا اور ان سے کفر باہر نہیں نکلے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہاں عَلٰی قُلُوْبٍ فرمایا کیونکہ اگر عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ہوتا تو دوسروں کا دل اس میں داخل نہ ہوتا۔ مراد ہے ان کے دلوں پر اور جو دل ان کی صفت پر ہوں گے سب پر تالے لگے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب وہ ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو رحم اٹھ کھڑی ہوئی اس نے عرض کی یہ قطع رحمی سے پناہ چاہئے والے کا مقام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جوڑے قطع کرے میں اسے قطع کروں۔ رحم نے عرض کی: کیوں نہیں تو فرمایا: پس یہ تیرے لیے ہے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”چاہو تو یہ پڑھو فہل عسیتم ان تولیتکم ان تفسدوا فی الارض وتقتطعوا امر حامکم“ (1) اُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَاصْنَهُمْ وَاَعْلَىٰ اَبْصَارُهُمْ (2) اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا“ (1) آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام کفار و خطاب ہے۔ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: آیت کا معنی ہے امید ہے یا تمہارے بارے میں خوف ہے اگر تم ایمان سے اعراض کرو تو زمین میں خون بہانے کے ساتھ تم فساد کی طرف لو (2)۔ قتادہ نے کہا: تم نے قوم کو ایسا دیکھا جب انہوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا کیا انہوں نے حرام خون کو نہیں بہایا، رحموں کو قطع نہیں کیا اور رحم کی نافرمانی نہیں کی؟“

اس تعبیر کی بنا پر رحم سے مراد دین اسلام اور ایمان کی رحم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اخوة کا نام دیا ہے: اللہ المؤمنون اخوة۔ فراء کے قول کے مطابق آیت بنی ہاشم اور بنی امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان میں خالق کو چھپایا اور قطع رحم سے اس امر کی طرف اشارہ کیا جو ان کے اور بنی کریم ﷺ کے درمیان رشتہ داری تھی انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور اس کو توڑا۔ یہ قتال کو واجب کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے رحم کی دو صورتیں ہیں۔ عام، خاص۔ عام دین کا رحم ہے اس کو جوڑنا واجب ہے ایمان کو لازم پکڑنے کے ساتھ، ایمان داروں سے محبت اور ان کی مدد کرنے کے ساتھ، ان کے لیے اخلاص کا اظہار کرنا، ان کو نقصان نہ دینا، ان کے درمیان عدل کرنا، ان کے معاملہ میں انصاف کرنا، ان کے حقوق کو بجالانا جس طرح مریضوں کی تیمارداری کرنا، مردوں کے حقوق بجالانا، جیسے انہیں غسل دینا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا، انہیں دفن کرنا اور اس کے علاوہ ان کے جو حقوق ہیں۔

جہاں تک رحم خاص کا تعلق ہے وہ ماں باپ کی جانب سے قرابت کی رحم ہے۔ ان کے لیے خاص حقوق اور زائد حقوق ثابت ہوتے ہیں، جس طرح نفقہ دینا، احوال کی خبر لینا، ضرورت کے وقت ان کے معاملات میں غفلت کو چھوڑ دینا، ان کے حق میں رحم عامہ کے حقوق موکد ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب حقوق متراجم ہوں تو زیادہ قریبی پھر اس کے بعد والے سے حقوق کی ادائیگی و شروع کیا جائے گا۔

بعض علماء نے کہا: وہ رحم جس کی صلہ رحمی واجب ہے وہ یہ ذی رحم محرم کی رشتہ داری ہے چچا زاد بھائیوں اور خالہ زاد بھائیوں میں یہ واجب نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ یہ ہر اس رشتہ داری میں ہے جو ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں وہ محرم ہو یا غیر محرم ہوں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ماں کی رشتہ داری جس کی وجہ سے باہم وراثت جاری نہیں ہوتی ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہ ہو اور ان کے ساتھ قطع رحمی حرام ہو۔ صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جسے رحم عام ہو ہر حال میں



ان کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے وہ خوئی رشتہ ہو یا دینی رشتہ ہو، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ شعبہ، محمد بن عبد الجبار سے وہ محمد بن کعب قرظی سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”قیامت کے روز رحم کی زبان ہوگی۔ وہ عرض کرے گی: اے میرے رب! مجھے قطع کیا گیا، اے میرے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے میرے رب! میرے ساتھ برا سلوک کیا گیا تو اس کا رب اسے جواب دے گا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تیرے ساتھ رشتہ جوڑے میں اس کے ساتھ تعلق جوڑوں اور جو تیرے ساتھ تعلق توڑے میں اس کے ساتھ تعلق کو منقطع کروں۔“

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ”رشتہ داری کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ (1)۔ ابن ابی عربی نے کہا سفیان نے کہا: یعنی قطع رحمی کرنے والا؛ اے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُ (2)** یہاں خلق، اختراع کے معنی میں ہے اس کا اصل معنی اندازہ لگانا ہے جس طرح پہلے گذرا ہے۔ یہاں خلق، مخلوق کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَذَا خَلْقُ اللَّهِ (لقمان: 11)** یعنی یہ اس کی مخلوق ہے۔ فرغ منہم سے مراد ان کی خلقت کو مکمل کیا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کو پیدا کرنے میں مشغول ہوا پھر ان کی پیدائش سے فارغ ہو گیا، کیونکہ اس کا فعل مباشرہ، مناولہ کی صورت میں نہیں ہوا۔ اس کی تخلیق آلہ اور حیلہ سے نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: **قَالَتِ الرَّحْمَةُ فَقَالَتْ يَهْ كَلَامُ دَوَّجَہوں میں سے ایک کا احتمال رکھتی ہے۔ 1۔** اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے کسی کو کھڑا کر دے گا جو رحم کی جانب سے گفتگو کرے گا اور وہ یہ کہے گا، گویا اس عبادت پر کسی فرشتے کو معین کر دیا ہے جو رحم کی جانب سے اس ذمہ داری کو ادا کرے گا، جو صلہ رحمی کرتا ہے اس کے ثواب کو لکھتا ہے اور جو اسے قطع کرتا ہے اس کا بوجھ لکھتا ہے جس طرح اس نے باقی ماندہ اعمال کے لیے کر اما کا تین معین کیے ہیں اور نمازوں کے اوقات کے مشاہدہ کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے معین کیے ہیں۔

2۔ یہ کلام تقدیر و تمثیل کی صورت میں ہے جو اس کے محفوظ کرنے اور بہت زیادہ اہتمام کرنے کا فہم عطا کرتی ہے، گویا کلام یوں کی اگر رحم ان چیزوں میں سے ہوتی جو سمجھ بوجھ رکھتی ہیں اور گفتگو کر سکتی ہیں تو وہ یہ گفتگو کرتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحشر: 21)** پھر فرمایا: **وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الحشر)**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: **فَقَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ** اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ یہ خبر دی جائے کہ صلہ رحمی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب باب اثم قاطع، جلد 2، صفحہ 885

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والعلة والأدب، باب صلة الرحم وتحريم قطعها، جلد 2، صفحہ 315

کا امر موکد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ حیثیت دی ہے جو اس آدمی کو حیثیت دی جاتی ہے کہ جو اس سے پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پناہ دیتا ہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اللہ تعالیٰ کا پڑوس اپنانے والا رسوا نہیں ہوتا اور اس کا وعدہ توڑا نہیں جاتا، اسی وجہ سے رحم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اَمَا تَرْضِيْنَ اَنْ اُصِلَ مِنْ وَصْلِكَ وَاَقْطَعَ مِنْ قِطْعَتِكَ يٰ اِسِي طَرَحَ هِيَ جِسْ طَرَحَ نَبِيْ كَرِيْمٌ صَلَّيْ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: وَمِنْ صُلَى الصَّبْحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا يَطْلُبُكَمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ شَيْ فَلَئِنْهُ مَنْ يَطْلُبُهُ بِذِمَّتِهِ شَيْ يَدْرُكُهُ ثُمَّ يَكْبَهُ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهِ (1) جو آدمی صبح کی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے پس تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آئی ہوئی چیز میں سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ جو اس کے ذمہ میں موجود چیز کا مطالبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لیتا ہے پھر اسے منہ کے بل آگ میں گرا دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْۙ وَاَمْلٰ لَهُمْۙ ﴿٥٠﴾

”بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی۔“

قنادہ نے کہا: وہ اہل کتاب کے کفار ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صَلَّيْ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا انکار کیا جبکہ وہ نبی کریم صَلَّيْ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نعت سے بخوبی آشنا تھے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور سدی نے کہا: وہ منافق ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاد کے حکم سے آگاہی کے بعد وہ جہاد کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھ گئے۔

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ شَيْطٰنُ نے ان کی خطاؤں کو مزین کیا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ اَمْلٰ لَهُمْ نے انہیں طویل آرزو دلائی اور لمبی عمر کا وعدہ کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ وہ ذات جس نے انہیں لمبی آرزوئیں دلائیں اور ان کی عمروں کو لمبا کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ فراء اور مفضل کا قول ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا اَمْلٰ لَهُمْ کا معنی ہے انہیں مہلت دی۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مہلت دینے والا ہے۔

ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمرو، ابو جعفر اور شبیب نے اَمْلٰ لَهُمْ ﴿٥٠﴾ ہمزہ کے ضمہ، لام کے کسرہ اور یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن ہریر، مجاہد، محمد بن زید اور یعقوب نے اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے یاء کو ساکن پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ یہ معاملہ ان کے ساتھ کرے گا گویا فرمایا: میں انہیں مہلت دینا ہوں؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے، کہا: ہمزہ کا فتح وہم دلاتا ہے شیطان انہیں آرزوئیں دلاتا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں، اسی وجہ سے ضمہ کی طرف عدول کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے پڑھا وَاَمْلٰ لَهُمْ تو فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد شیطان ہے۔ ابو عبید نے عام قراءت کو پسند کیا ہے، کہا: کیونکہ معنی معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَتَتَّبِعُوْا

بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعْزِزُ رَأُوهُ وَتُوقِّرُ رَأُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ (الفتح: 9) تَسْبِيحُوهُ کی ضمیر غائب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی اور توقیر و تعزیر کے فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کی طرف پھیرا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوا الَّذِيْنَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سُنْطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَسْرَارَهُمْ ۝۱۶

”یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے۔“  
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوا یعنی انہیں یہ مہلت دی تا کہ وہ کفر میں دور چلے جائیں کیونکہ قَالُوا میں واو ضمیر سے مراد منافقین اور یہودی ہیں۔

لَّذِيْنَ كَرِهُوا سے مراد مشرک ہیں۔ سُنْطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ، بعض الامر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا، آپ کے دشمن میں باہم مدد کرنا، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا اور رازداری کے عالم میں آپ کی توہین کرنا۔ انہوں نے یہ بات رازداری کے عالم میں کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا۔ عام قراءت اَسْرَارُهُمْ ہے یہ سہ کی جمع ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے قراء، ابن وثاب، اعمش، حمزہ کسائی اور حفص نے عاصم سے اسرارہم نقل کیا ہے کہ یہ مصدر ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اَسْرَارًا ۝۱۶ (نوح) یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ راز کی کئی صورتیں ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّيْتُهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَذْبَابُهُمْ ۝۱۷

”پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔“

فَكَيْفَ یعنی ان کا حال کیسا ہوگا اِذَا تَوَفَّيْتُهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُوْنَ۔ يضربون، ضاربین کے معنی میں ہے۔ یہ حال کی جگہ واقع ہے۔ کلام کا معنی خوف دلانا اور دھمکانا ہے، یعنی اگر عذاب ان سے موخر ہو گیا تو عمر کے اختتام تک یہ سلسلہ ہوگا۔ سورۃ الانفال اور سورۃ النحل میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی آدمی معصیت پر فہم نہیں ہوتا مگر اس کے چہرے اور اس کی گدی پر شدید ضرب لگائی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہوتی ہے۔ فرشتے ان کے مونہوں پر مارتے ہیں جب وہ جنگ کا سامنا کرتے ہیں اور جب وہ بھاگتے ہیں تو ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قیامت کے روز ہوگا جب انہیں جہنم کی طرف ہانکا جا رہا ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَاَحْصٰ اَعْمَالَهُمْ ۝۱۸

”یہ اس لیے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی

خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔“

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ كَلَامٍ يَهْوٰى ذٰلِكَ جَزَاءُ هُمْ - بِاَنَّهُمْ اتَّبَعُوْا مَا اسْتَخَطَ اللّٰهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعت تورات میں تھی اسے انہوں نے چھپایا، اس سے مراد ان کا یہ عمل ہے۔ اگر اسے منافقین پر محمول کیا جائے تو مراد وہ کفر ہوگا جو انہوں نے اپنے سینہ میں چھپا رکھا ہے۔ وَ كَرِهُوا اِمْضَاۡنَهُ رِضْوَانٌ سَے مراد ایمان ہے فَاحْبَطْ اَعْمَالَهُمْ ۝ اعمال سے مراد صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ کے اعمال ہیں، جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُخْرِجَ اللّٰهُ اَصْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ

لَا رَیْنٰکُمْ فَلَکُمْ فَتَنُهُمْ بِسَیِّئَاتِهِمْ ۝ وَلَنَعْرِفَنَّهُمْ فِی لَحْنِ الْقَوْلِ ۝ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالُکُمْ ۝

”کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے، اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔“

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سَے مراد نفاق اور شک ہے مراد منافقین ہیں اَنْ لَّنْ یُخْرِجَ اللّٰهُ اَصْغَانَهُمْ ۝ اصغان سے مراد وہ چیز ہے جو ناپسندیدہ چیز چھپائے ہوئے ہیں۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ان کا کھوٹ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ان کا حسد ہے۔ قطرب نے کہا: مراد ان کی عداوت ہے اور شاعر کا قول ذکر کیا:

قل لابن هند ما أردت بسنطق ساء الصديق وشيد الأضغانا (1)

ابن ہند سے کہو میں نے ایسی گفتگو کا ارادہ نہیں کیا جو دوست کو بری لگے اور عداوت کو پختہ کرے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد ان کے کینے ہیں۔ اس کا واحد ضغن ہے کہا:

وذی ضغن کففت النفس عنه میں نے کینہ والے سے اپنے نفس کو روکا۔

یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ عمرو بن کلثوم نے کہا

وان الضغن بعد الضغن یفشو علیک ویخرج الداء الدفینا

کینہ کے بعد کینہ تجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور مخفی مرض کو باہر نکال دیتا ہے۔

جوہری نے کہا: ضغن اور ضغینہ سے مراد کینہ ہے قد ضغن علیہ ضغنا اس نے فلاں پر کینہ کیا۔

تضاعن القوم واضطغنوا انہوں نے کینوں کو چھپایا۔ اضطغنن الصبی جب تو نے بچے کو اپنی گود میں لیا۔ احمر نے یہ

شعر پڑھا: کانه مضطغن صبیاً گویا وہ بچے کو گود میں لیے ہوئے ہے۔

فرس ضاعن ایسا گھوڑا جو مار کے بغیر نہیں چلتا۔ معنی ہے کیا انہوں نے یہ گمان کیا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عداوت اور



کینے کو اہل اسلام کے لیے ظاہر نہیں کرے گا۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَرَيْنٰكُمْ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم تیری ان کو پہچان کر دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان کو سورہ براءت میں پہچان کرادی تھی۔ عرب کہتے ہیں: سَأَرِيكَ أَصْنَمَ یعنی جو کچھ میں کرنے والا ہوں تجھے اس کی پہچان کرادوں گا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِهَآ أَلْرَبُّكَ اللَّهُ (النساء: 105) اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے۔

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسَيِّئِهِمْ یعنی آپ ان کی ان کی علامتوں سے پہچان کر لیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے بعد منافقوں میں سے کوئی بھی آپ کی ذات پر مخفی نہ رہا، آپ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے تھے۔ ہم ایک غزوہ میں تھے اس میں سات منافق تھے جن کے بارے میں لوگوں کو شک تھا ایک رات انہوں نے صبح کی تو ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: ہذا منافق یہ منافق ہیں (1)۔ یہ ان کی نشانی تھی۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہار کو مقدر کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسجد سے نکلیں تو انہوں نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ چمٹے رہیں تو ان کے خون محفوظ ہو گئے انہوں نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا گیا۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور آپ انہیں ضرور پہچان لیں گے ان کی گفتگو کے معنی سے، اسی معنی میں شاعر کا قول ہے: وخير الكلام ما كان لحنًا (2) بہترین کلام وہ ہوا کرتی ہے جو معنی سے پہچانی جائے اور اس کی تصریح نہ کی جائے۔ یہ اللحن فی الإعراب سے ماخوذ ہے اس کا مطلب صحیح بات سے نکل جاتا ہے، اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انکم تختصمون إلی ولعل بعضکم أن یکون أَلْحَنُ بحجۃ من بعض (3) تم میرے سامنے اپنے جھگڑے پیش کرتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ قوت والا ہو یعنی وہ جواب میں دلیل کو لے جانے والا ہو کیونکہ وہ کلام کو پھیرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ابو زید نے کہا: لَحْنٌ لَهُ أَلْحَنُ لَحْنًا جب تو اسے ایسی بات کرے وہ تجھ سے اس کا معنی سمجھ لے اور دوسرے پر وہ مخفی رہ جائے۔ لَحْنٌهُ هُوَ عَنِّي يَلْحَنُهُ لَحْنًا یعنی اسے سمجھا۔ أَلْحَنُهُ أَنَا يَاہ میں نے اسے یہ سمجھایا۔ لاحت الناس میں ان کو سمجھ گیا۔ فزاری نے کہا:

وحدیث الذہو ما یَنَعَتُ الثَّاعِثُونَ یُوَدِّنُ وَزَنًا  
منطق رائخ وذلحن احیا ناوخیر الحدیث ماکان لحنًا

کتنی ہی باتیں ہیں جن سے میں لذت حاصل کرتا ہوں جو ان میں سے ہیں جن کی نعت بیان کرنے والے نعت بیان کرتے ہیں۔ اس کا وزن بیان کیا جاتا ہے خوبصورت گفتگو ہوتی ہے بعض اوقات اس میں لحن ہوتا ہے اور بہترین گفتگو وہ ہوتی ہے جو با معنی ہو۔

وہ مراد یہ لیتا ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور ارادہ کسی اور چیز کا کرتی ہے وہ اپنی گفتگو میں تعریض کرتی ہے اور اپنی ذہانت و فطانت سے اسے اصل جہت سے پھیر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلْتَعْرِضْهُمْ فِي لَعْنِ الْقَوْلِ**۔ کلبی نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد کسی منافق نے آپ سے گفتگو نہ کی مگر آپ نے اسے پہچان لیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق نبی کریم ﷺ سے ایسی گفتگو کرتے تھے جس میں آپ کے سامنے تواضع سے کام لیا کرتے تھے جبکہ نبی کریم ﷺ انہیں سن رہے ہوتے تھے اور ظاہر و معاد معنی لیتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا بعد میں جب نبی کریم ﷺ ان کی کلام سنتے تو انہیں پہچان لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی منافق آپ پر مخفی نہ رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی وحی یا کسی علامت کے ساتھ ذریعے پہچان کرادی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس علامت کو پہچان لیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہچان کرادی تھی۔

**وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ** ① یعنی اس پر ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

**وَلْتَبْلُوْا نَفْسَكُمْ حَتّٰی تَعْلَمَ الْمُجْهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۚ وَتَبْلُوْا اَخْبَارَكُمْ** ②

”اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو“۔

**وَلْتَبْلُوْا نَفْسَكُمْ** ہم تم پر شرعی احکام لازم کریں گے اگرچہ ہم امور کے عواقب کو اچھی طرح جانتے ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے ہم تمہارے ساتھ محنت کا سامعہ کر رہے ہیں۔

**حَتّٰی تَعْلَمَ الْمُجْهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **حَتّٰی تَعْلَمَ** کا معنی ہے ہم جدا جدا کر دیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ عام قراءتوں کے ساتھ ہے **تَبْلُوْا نَفْسَكُمْ، تَعْلَمَ، تَبْلُوْا**۔

ابوبکر نے عاصم سے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور روایں نے یعقوب سے واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تَبْلُوْا۔ کیونکہ یہ ما قبل سے الگ ہے۔ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کا تعلق **حَتّٰی تَعْلَمَ** کے ساتھ ہے، یہ علم وہ ہے جس کے ساتھ جزا واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا علم قدیم کی بنا پر نہیں دے گا بلکہ ان کے اعمال پر جزا دے گا۔ اس کی تاویل یہ ہے یہاں تک ہم مجاہدین کو علم شہادت سے جان لیں کیونکہ انہیں عمل کا حکم دیا گیا انہوں نے جو کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے ثواب و عقاب کی جزا علم شہادت پر ہوگی۔

**وَلْتَبْلُوْا اَخْبَارَكُمْ** ② ہم ان کو آزمائیں اور ہم انہیں ظاہر کریں۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا: جب حضرت فضیل بن عیاض اس آیت کو پڑھا کرتے تھے تو رویا کرتے اور دعا کرتے: اے اللہ! ہمیں نہ آزما کیونکہ جب تو ہمیں آزمائے گا تو تو ہمیں رسوا کر دے گا اور ہمارے پردوں کو چاک کر دے گا (2)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول (کریم) کی باوجود یکہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔“

یہ آیت منافقوں یا یہودیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال: 36)

وَشَاقُّوا الرَّسُولَ یعنی رسول سے دشمنی کی اور اس کی مخالفت کی۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ یعنی وہ دلائل اور آیات سے جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وہ اپنے کفر کے باعث اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وَسَيُحِطُّ أَعْمَالُهُمْ ۝ انہوں نے جو عمل کیا اس کا ثواب برباد کر دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ جب کفار کی حالت کو بیان کیا تو مومنوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ کی سنن میں طاعت کو لازم پکڑو۔

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ یعنی اپنی نیکیوں کو معاصی کے ساتھ باطل نہ کرو (1)، یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: کبیرہ گناہ کر کے اپنے اعمال کو باطل نہ کرو (2)۔ ابن جریج نے کہا: ریاکاری اور شہرت کی خواہش کر کے اپنے اعمال باطل نہ کرو (3)۔ مقاتل اور ثمالی نے کہا: احسان جتلا کر اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ یہ اسے خطاب ہے جو اسلام قبول کرنے کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر احسان جتلا یا کرتا تھا۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول سب کو جامع ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کبیرہ گناہ طاعات کو برباد کر دیتا ہے اور نافرمانیاں ایمان سے خارج کر دیتی ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ہمارے دوسرے علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نفل نماز ہو یا روزہ اس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں عمل کا ابطال ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ جس نے اس کی اجازت دی یعنی امام شافعی وغیرہ انہوں نے کہا: اس سے مراد فرض عمل کا ثواب ہے تو ایسے آدمی کو اپنے عمل کے ثواب کو باطل کرنے سے منع

کیا گیا۔ جہاں تک نفل عمل کا تعلق ہے اسکے شروع کرنے کے بعد تو زنا کوئی منع نہیں، کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں تھا۔ اگر وہ یہ گمان کریں کہ لفظ عام ہے تو عام کی تخصیص جائز ہے۔ اس کی تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ نفل زائد عمل ہوتا ہے اور زائد عمل اختیار کا تقاضا کرتا ہے۔

ابوالعالیہ سے مروی ہے: لوگوں کا خیال تھا اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ اعمال کی بربادی کے ڈر سے گناہ کبیرہ سے ڈرنے لگے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تم نے اپنے اعمال کو باطل کر دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حال میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔“

اس امر کو واضح کیا کہ کفر کی صورت میں موت یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کو واجب کر دیتی ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا مصداق غزوہ بدر کے گڑھے میں ڈالے جانے والے لوگ ہیں (1)۔ اس آیت کے احکام عام ہیں۔

فَلَا تَهْنُؤْا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۚ وَ أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۚ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ أَغْمَالَكُمْ ۝

”(اے فرزند ان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال اور (کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** فَلَا تَهْنُؤْا تم قتال سے ضعف کا اظہار نہ کرو۔ دھن کا معنی ضعف ہے۔ وقد وهن الإنسان ووهنه غيرة یہ کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا: إثنی لست بسزھون فقنا دهن کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی بھی کمزور ہونا ہے۔ اے فساد دھنوا بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہاء پر ضمہ اور کسرہ ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ کا معنی صلح ہے وَ أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ تم ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم دلیل دینے میں غالب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم غالب ہو



کیونکہ تم مومن ہو اگرچہ بعض احوال میں وہ تم پر غالب آجائیں گے۔ قتادہ نے کہا: تم پہلا ایسا طائفہ نہ بنو جو اپنے مد مقابل کے سامنے مغلوب ہو گیا (1)۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَإِنْ جَاحُوا لِلْسَّلَامِ فَأَجْنَحْ لَهَا** (الانفال: 61) کے لیے ناسخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی طرف میلان کرنے سے منع کیا ہے جب مسلمانوں کو صلح کی ضرورت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے۔ دونوں آیات دو مختلف الحال و قوتوں میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَإِنْ جَاحُوا لِلْسَّلَامِ فَأَجْنَحْ لَهَا** یہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے، جبکہ دوسری عام ہے۔ کفار کے ساتھ صلح ضرورت کے وقت ہی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے ضعف کی وجہ سے ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ یہ بحث مفصل گذر چکی ہے۔

**وَاللَّهُ مَعَكُمْ** اللہ تعالیٰ نصرت اور مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہے جس طرح ارشاد ہے: **وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُخْسِنِينَ** (العنکبوت)

**وَلَنْ يَتَزَكَّكُمْ أَعْمَالُكُمْ** یعنی وہ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ قول مروی ہے اسی سے ایک لفظ مواتور ہے جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کا قصاص نہ لیا جاسکے۔ اس کا باب یوں چلے گا **وَتَرَهُ يَتَزَكَّى وَتَرَهُ**۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وَتَرَهُ أَهْلَهُ** وصالہ (2) جس آدمی کی عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کے اہل اور مال میں نقصان ہو گیا، اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: **وَتَرَهُ** حق اس نے اسکے حق میں کمی کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَنْ يَتَزَكَّكُمْ أَعْمَالُكُمْ** اللہ تعالیٰ تیرے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جس طرح تو کہتا ہے: **دَخَلْتُ الْبَيْتَ، أَنْتَ تَرِيدُ فِي الْبَيْتِ** یعنی ایک جملہ میں فی صلہ موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے: یہ جوہری کا نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: **وَلَنْ يَتَزَكَّكُمْ** یہ وتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی ہوگا، یعنی تمہیں ثواب کے بغیر تنہا نہیں چھوڑے گا۔

**إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ** **وَإِنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ**

**أَمْوَالَكُمْ** (3) **إِنْ يَسْأَلْكُمْ فَاذْكُرُوا** **وَيُخْرِجْ أَمْوَالَكُمْ**

”یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے

اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہ کرے گا تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر

اصرار کرے تو تم نکل کر لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگوار یوں کو“۔

**إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ** سورۃ الانعام میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ **وَإِنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ** یہ کلام

شرط اور جواب ہے۔ **وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ** (3) یعنی وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم زکوٰۃ میں سارا مال ہی دے دو بلکہ اس نے بعض

مال نکالنے کا حکم دیا ہے: یہ ابن عیینہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ تمہارے اموال اپنی ذات کے لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لیے نہیں مانگتا وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کا ثواب تمہاری طرف لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے وہ تم سے اپنے اموال کا سوال کرتا ہے کیونکہ اموال کا وہی مالک ہے اور وہ عطا فرما کر احسان کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء رسالت کی تبلیغ پر تم سے کسی اجر کا سوال کرنے والے نہیں اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ (الفرقان: 57)

إِنْ يَسْأَلُكُمْ هَا فَيُخْفِكُمْ یعنی وہ تم سے اصرار کرتا، یہ کہا جاتا ہے: أحفی بالمسئالة، الحف اور ال تمسب کا ایک ہی معنی ہے۔ حفی اسے کہتے ہیں جو سوال کرنے میں انتہا تک جائے، اسی طرح احفاء کا لفظ گفتگو اور منازعہ میں بہت دور تک جانا ہے۔ اسی معنی میں أحفی شاربہ ہے، یعنی اس نے مونچھیں کاٹنے میں بہت سختی کی۔

تَبَخَّلُوا وَ يُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ⑤ یعنی بخل تمہاری ناگواری کو ظاہر کر دے گا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مال کا سوال کرنے میں ناگواری کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، ابن محیسن اور حمید نے دتخربج پڑھا اور أضغانکم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ فاعل ہے۔

ولید نے یعقوب حضرمی سے دنخربج نقل کیا ہے۔ ابو عمر، عبدالوارث سے وہ ابو عمرو سے ویخربجیم میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہاں گفتگو ختم ہوتی ہے اور پھر نئی کلام شروع ہوتی ہے، ان سے مشہور دیخربج ہے جس طرح باقی قراء کی قراءت ہے اس کا عطف ماقبل کلام پر ہے۔

هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تُدْعُونَ لِنُتَفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَخْشَىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۚ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ⑥

”ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔“

هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تُدْعُونَ اے مومنو! تم ہی وہ ہو جن کو دعوت دی جاتی ہے۔

لِنُتَفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی تم جہاد اور بھلائی کے راستہ میں خرچ کرو۔ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَخْشَىٰ لِنَفْسِهِ ۚ یہاں عن، علی کے معنی میں ہے، یعنی اجر و ثواب اسے روکتا ہے وَاللَّهُ الْغَنِيُّ یعنی وہ تمہارے اموال کا محتاج نہیں و أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۚ تم اموال کے محتاج ہو وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی ایسی قوم لے آئے گا جو تمہاری بنسبت اللہ

تعالیٰ کے زیادہ محتاج ہوں گے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی **وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ** صحابہ نے پوچھا: ہماری جگہ کن لوگوں کو بدل دیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: ”یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم“ (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں سند میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن کثیر جو علی بن مدینی کے والد تھے نے یہ حدیث علاء بن عبدالرحمن سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں (2) جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ لے آیا جائے گا پھر وہ ہماری مثل نہ ہوں گے؟ کہا: حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا فرمایا: ”یہ اور اس کے ساتھی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا کے ساتھ لٹک رہا ہوگا تو فارس کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے“ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ عجمی لوگ ہیں (3)۔ عکرمہ نے کہا: وہ فارس اور روم کے لوگ ہیں۔ محاسبی نے کہا: عربوں کے بعد تمام عجمی لوگوں میں سے ایرانیوں سے بڑھ کر کون دین میں اچھا ہوگا اور ان میں سے ہی علماء ہوں گے۔ ایک قول کیا گیا ہے: وہ یمنی ہیں اور وہی انصار ہیں؛ یہ شریح بن عبید نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے: وہ انصار ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ تابعی ہیں۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

**ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ** طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنے میں وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوئے اور فرمایا: ”یہ دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔“

## سورۃ الفتح

﴿سُورَةُ الْفَتْحِ مَكِّيَّةٌ ۝ ٢٩﴾ ﴿سُورَةُ الْفَتْحِ مَكِّيَّةٌ ۝ ٢٩﴾ ﴿سُورَةُ الْفَتْحِ مَكِّيَّةٌ ۝ ٢٩﴾

سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے اس کی اسی آیات ہیں، یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔۔ محمد بن اسحاق نے زہری سے وہ عروہ سے وہ مسعود بن مخرمہ اور مردان بن حکم سے روایت نقل کرتے ہیں دونوں نے کہا: سورہ فتح مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق ابتدا سے آخر تک نازل ہوئی۔ صحیحین میں زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (۱) کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک سفر میں چل رہے تھے جبکہ حضرت عمر بن خطاب ان کے ساتھ رات کے وقت ساتھ ساتھ چل رہے تھے، حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے کوئی سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا، حضرت عمر نے پھر عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، انہوں نے عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا حضرت عمر نے کہا: عمر کی ماں روئے تو نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار سوال کرنے میں مبالغہ سے کام لیا رسول اللہ ﷺ نے تجھے جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی پھر میں سب لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے ڈر ہونے لگا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں تھوڑا وقت بھی نہیں ٹھہرا تھا کہ میں نے ایک آواز دینے والے کو آواز دیتے ہوئے سنا، میں نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آج مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر ہر چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

صحیح مسلم میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا: جب یہ آیات نازل ہوئیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ۝ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۝ وَاللَّهُ جُنُودُ السُّبُوتِ وَالْأَرْضُ لِلَّهِ عَلَيْهِمْ حَكِيمًا ۝ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۝ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قَوْلًا عَظِيمًا ۝ اس وقت آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے صحابہ کرام بڑے غمگین تھے جبکہ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا تھا فرمایا: ”ابھی مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر تمام دنیا سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے“ (۲)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، سورہ فتح، جلد 2، صفحہ 749

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیرۃ، حدیبیہ، جلد 2، صفحہ 106



عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو برا بھلا کہا جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَا آذِرْهُنَّ مِمَّا يُفْعَلْنَ وَلَا يَكُمُ (الاحقاف: 9) انہوں نے کہا: ہم ایک ایسے آدمی کی کس طرح پیروی کریں جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا شاق گذرا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: إِنْ أَفْتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۖ لِيُخَفِّرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے وَمَا آذِرْهُنَّ مِمَّا يُفْعَلْنَ وَلَا يَكُمُ (الاحقاف: 9) نازل کی تو مشرک اور منافق خوش ہوئے اور کہا: ہم ایسے آدمی کی کیسے اتباع کریں جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے إِنْ أَفْتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۖ یعنی ہم نے آپ کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جس کے بدلے میں سرخ اونٹ مجھے خوش نہیں کرتے“ مسعودی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جس نے رمضان شریف کی پہلی رات میں نفل نماز میں سورہ فتح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرنا ہوں جو بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

إِنْ أَفْتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۖ

”یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی۔“

اس فتح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ بخاری شریف میں ہے محمد بن بشار، غندر سے، وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم فتح سے مراد یوم حدیبیہ ہی شمار کیا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: فتح سے مراد فتح مکہ لیا کرتے تھے (2) جبکہ فتح مکہ تو فتح ہے اور ہم فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ضحاک نے کہا: إِنْ أَفْتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۖ یہ قتال کے بغیر فتح ہوئی، صلح بھی فتح کی صورت ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ کے مقام پر جانور قربان کرنا اور اپنے سر کا حلق کرنا تھا (4) حدیبیہ کی فتح عظیم نشانی تھی اس کا پانی نکالا گیا تو آپ نے اس میں کلی کی تو اس میں پانی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ جو افراد بھی آپ کے ساتھ تھے سب نے اس پانی کو پیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: جب صحابہ حدیبیہ سے واپس آ گئے (5) تو ایک آدمی نے کہا: یہ فتح نہیں، انہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بلکہ یہ سب سے بڑی فتح ہے مشرک اس بات پر

2- تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 310

4- تفسیر مجاہد، صفحہ 258

1- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، إِنْ أَفْتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا، جلد 2، صفحہ 716

3- معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166

5- تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 332

راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے شہروں سے نرمی سے جانے دیں، تم سے فیصلہ کا سوال کریں، امان میں تم سے رغبت کریں جبکہ انہوں نے تم سے وہ کچھ دیکھ لیا ہے جس کو وہ ناپسند کریں“ (1)۔

امام شعبی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا** کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے ذریعے وہ کچھ حاصل کیا جو آپ نے کسی غزوہ میں حاصل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی بچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا، آپ کے ہاتھ پر بیعت رضوان ہوئی، صحابہ کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں، ہدی اپنے مقام کو پہنچی، رومی ایرانیوں پر غالب آئے، مومن اہل کتاب کے مجوسیوں پر غالب آنے سے خوش ہوئے۔

زہری نے کہا: حدیبیہ عظیم فتح تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تھے جب صلح ہو گئی تو لوگ ایک دوسرے سے ملے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جانا اور اس کے کلام کو سنا جس نے بھی اسلام کا ارادہ کیا اس کو قبول کرنے کی اس میں آسانی پائی دو سال بھی نہ گزرے تھے مگر مسلمان دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آئے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا اور عوفی کا یہ قول ہے: اس سے مراد فتح خیبر ہے؛ پہلا قول اکثر کا قول ہے جبکہ خیبر ایک وعدہ تھا جو ان سے کیا گیا جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ - وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَعَانِمْ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ**۔ حضرت مجمع بن جاریہ جو ان قراء میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا کہا: ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر تھے جب ہم اس سے واپس آئے تو لوگ جو اونٹوں کو تیز چلا رہے تھے (2) بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی کی ہے کہا: ہم تیزی سے نکلے تو ہم نے نبی کریم ﷺ کو کراع غمیم میں پایا جب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ان آیات کو پڑھا: **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا** حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ”ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ فتح ہے“ خیبر کے اموال صلح حدیبیہ میں شریک لوگوں میں تقسیم کئے گئے ان میں وہی فرد شامل تھا جو حدیبیہ میں موجود تھا (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان **فَتْحًا** اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ زبردستی فتح کیا گیا کیونکہ فتح کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر جسے سختی کے ساتھ فتح کیا گیا ہو یہ اس اسم کی حقیقت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: **فَتْحَ الْبَيْتِ صَلَاحًا** کا معنی سمجھ نہیں آتا مگر جب وہ فتح کے ساتھ ملا ہوا ہو پس فتح صلح میں مجازی معنی میں ہوگا۔ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ زبردستی فتح ہوا۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ  
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ۝**

”تا کہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمادے جو زبردست ہے۔“

ابن انباری نے کہا: فَتَحًا مُبِينًا پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْهُ وَ مَا تَخَلَّلَ مِنْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ متعلق ہے گویا فرمایا: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے فتح کے ساتھ مغفرت کو جمع کر دے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لیے وہ چیز جمع کر دے جس سے دنیا و آخرت میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا: یہ لام قسم ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ لام مکسور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ساتھ نصب دی جاتی ہے اگر یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوتا لیقوم زید اس کی تاویل لیقومن زید ہے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو مغفرت کی علت کیسے بنایا ہے؟ میں کہوں گا: اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت کی علت نہیں بنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار امور کو جمع کیا گیا ہے وہ مغفرت، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب مدد۔ گویا فرمایا: ہم نے تیرے لیے فتح مکہ کو آسان بنا دیا تیرے دشمن کے خلاف تیری مدد کی تا کہ آپ کے لیے دونوں جہانوں کی عزتوں اور دنیا و آخرت کے غلبہ کو جمع کر دے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد فتح مکہ ہو اس حیثیت سے کہ یہ دشمن کے ساتھ جہاد ہے، مغفرت اور ثواب کا سبب ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے (1) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے“ پھر نبی کریم ﷺ نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کر دیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ يُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَ كَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْقَ عَرْشِ عَزِيزٍ ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس بارے میں حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔

علماء نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد ہے کہ اعلان نبوت سے قبل جو آپ سے ایسے اعمال ہوئے جن کو آپ اپنی شان کے خلاف خیال کرتے ہیں اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد جو اعلان نبوت کے بعد جو اعمال ہوئے: یہ مجاہد کا قول ہے، اسی کی مثل طبری اور سفیان ثوری نے کہا۔ طبری نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَ رَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَنْفَاجًا ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (نصر) کی طرف راجع ہے یعنی اعلان نبوت سے پہلے اور

اعلان نبوت کے بعد اس آیت کے نزول تک۔

سفیان ثوری نے کہا: لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو وحی کے نزول سے پہلے آپ نے دور جاہلیت میں کیے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو بعد آپ نے نہ کیے، یہ واحدی کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ انبیاء سے گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد فتح سے پہلے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد فتح کے بعد کے اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد اس آیت کے نزول سے پہلے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد جو اس کے بعد ہیں۔

عطا خراسانی نے کہا: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی خطا ہے اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف اولیٰ اعمال اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد انبیاء کے خلاف اولیٰ اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد غزوہ بدر کے دن کی خطا اور وَمَا تَأَخَّرَ سے مراد غزوہ حنین کے موقع کی خطا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر جو خطا ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا (2) تو زمین میں کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی (3) آپ نے اس قول کو کئی دفعہ دہرایا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی آپ کو کیسے علم ہوا کہ اگر میں نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو میری کبھی بھی عبادت نہیں کی جائے گی؟ تو یہ وہ پہلی خطا تھی۔ جہاں تک دوسری خطا کا تعلق ہے تو وہ غزوہ حنین کا موقع ہے جب لوگ شکست کھا گئے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچا زاد بھائی ابوسفیان سے کہا: مجھے وادی سے سنگریزوں کی ایک مٹھی اٹھا کر دو تو دونوں نے سنگریزے اٹھا کر دیئے آپ نے انہیں ہاتھ میں لیا اور مشرکوں کے منہ پر مارا اور فرمایا: شاہت الوجوہ۔ حم۔ لا ینصرون۔ تو مشرک سارے کے سارے شکست کھا گئے کوئی آدمی نہ بچا مگر اس کی آنکھیں ریت اور سنگریزوں سے بھر گئیں پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو ندا کی تو وہ پلٹ آئے جب وہ واپس لوٹے تو آپ نے انہیں فرمایا: ”اگر میں انہیں وہ مٹھی بھر سنگریزے نہ مارتا تو وہ شکست نہ کھاتے“ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (الانفال: 17) یہ دوسری خطا تھی۔ ابوعلی روزباری نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر آپ کی کوئی پرانی یا نئی خطا ہوگی تو ہم آپ کے لیے اسے بخش دیں گے۔

وَيُتِمُّ بِرَحْمَتِهِ عَلَيْكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نعمت سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نبوت و حکمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مکہ مکرمہ، طائف اور خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے تکبر کیا تھا اس نے خشوع و خضوع اپنا لیا اور جو جابر بنا ہوا تھا اس نے طاقت اختیار کر لی وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ یعنی آپ کو

2۔ المحرر الوجيز، جلد 5، صفحہ 126

1۔ معالم التنزيل، جلد 5، صفحہ 167

3۔ صوفیاء نے اسکی کیا ہی خوبصورت تعبیر کی ہے کہ حضور سیدنا پیغم کی مموی زندگی تو مقام نیاز کے حوالے سے گذری تاہم یہ مرحلہ اور اس جیسے دوسرے مقامات مقام ہاز سے تعلق رکھتے ہیں، لوٹنے کی جابجہ۔ مترجم۔



ہدایت پر ثابت قدم کرے گا یہاں تک کہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا۔

وَيُضَمِّكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ یعنی ایسی مدد کرے گا جو غالب ہوگی جس کے بعد کوئی ذلت و عاجزی نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۖ وَ

لِلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں

اپنے پہلے ایمان کے ساتھ، اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب

کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے۔“

السَّكِينَةَ سے مراد سکون و طمانینت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی سکینہ کا لفظ ہے اس

سے مراد طمانینت ہے مگر جو سورہ بقرہ میں ہے، ایمان کی زیادتی کا معنی سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت کے ساتھ مبعوث کیا گیا (1) جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اس بارے میں تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز کو زائد کر دیا جب انہوں نے اس حکم میں آپ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ

نے ان پر زکوٰۃ کو زائد کیا، جب انہوں نے اس امر میں آپ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر روزوں کو زائد کر دیا، جب

انہوں نے اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حج کا اضافہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو

مکمل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ کا یہی مصداق ہے یعنی ایمان سے مراد خشیت ہے۔ ضحاک نے

کہا: یہاں اس سے مراد یقین ہے (2)۔

وَاللَّهُ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنود سے مراد ملائکہ، جن، شیاطین اور انسان ہیں۔ وَ

كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے احوال سے باخبر ہے حَکِيمًا جس کا ارادہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ

يُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ قَوْلًا عَظِيمًا ۝

”تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس

میں رہیں گے اور دور فرما دے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو پھر یہ زیادتی انہیں جنت میں داخل کرنے کے سبب سے

ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيُدْخِلَ خَلٍّ میں لام اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ کلام ہے۔

وَكَانَ ذَلِكَ اسم اشارہ سے مراد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا وعدہ اور گناہوں کی بخشش ہے عِنْدَ اللَّهِ قَوْلًا عَظِيمًا ۝ یہ غم

سے نجات اور ہر مطلب میں کامیابی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ پر اس آیت کو پڑھا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنی پیغمبر آپ کو مبارک ہو تو ہمارے لیے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ جب یہ حصہ پڑھا و يُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ انہوں نے عرض کی: آپ کو مبارک ہو تو یہ آیت نازل ہوئی: وَآتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (المائدہ: 3) جب پڑھا: وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا تو امت کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا جب پڑھا: وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا تو یہ آیت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم) نازل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: 43) پھر فرمایا: هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ (الاحزاب: 43) تشری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءَ عَلَيْهِمْ ذَآبِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ

وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ وَيْلٌ لِّجُنُودِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

”اور تاکہ عذاب میں مبتلا کر دے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں انہیں ہی پر ہے گردش اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جہنم اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔“

الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءَ یعنی انہوں نے گمان کیا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف نہیں لوٹیں گے اور نہ ہی آپ کے صحابہ میں سے کوئی واپس لوٹے گا یہ اس وقت ان کا گمان تھا جب آپ حدیبیہ کے لیے نکلے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ مشرک تباہ و برباد کر دیں گے جس طرح کہا: بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا خلیل اور سیبویہ نے کہا: اس سے یہاں مراد فساد ہے۔

عَلَيْهِمْ ذَآبِرَةُ السَّوْءِ دنیا میں ان پر بری گردش ہوگی انہیں قتل کیا جائیگا اور انہیں قیدی بنا لیا جائیگا اور آخرت میں جہنم ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا دائرۃ السَّوْءِ یعنی ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جبکہ باقی قراء نے فتح دیا۔ جو بری نے کہا: ساءہ یسوءہ سَوَاءً، مَسَاءً، مَسَايَہِ یہ سب کئی ضد ہے اس کا اسم السَّوْءِ ہے اسے علیہم دائرۃ السَّوْءِ بھی پڑھا گیا ہے یعنی شکست اور تکلیف، جس نے اسے فتح دیا اس نے اسے مَسَاءً سے مشتق مانا ہے۔

وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ وَيْلٌ لِّجُنُودِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ اس کے بارے میں گفتگو کرنی دفعہ گذر چکی ہے الحمد للہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب صلح حدیبیہ ہوئی تو ابن ابی نے کہا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہیں کہ جب اہل مکہ سے صلح کریں گے یا مکہ کو فتح کر لیں گے تو اس کا کوئی دشمن نہیں رہے گا ایرانی اور رومی کہاں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ آسمانوں اور زمین کے لشکر ایرانیوں اور رومیوں سے زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَاللّٰہِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ سے مراد فرشتے ہیں اور زمین کے لشکر مومن ہیں۔ اس کو دوبارہ ذکر کیا کیونکہ جس کا ذکر پہلے ہوا تھا وہ قریش میں سے مشرکوں کے ذکر کے بعد تھا اور یہ منافقوں اور باقی ماندہ مشرکوں کے ذکر کے بعد ہے دونوں مقامات پر مراد خوفزدہ کرنا اور ڈرانا ہے اگر اللہ تعالیٰ منافقوں اور مشرکوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو یہ چیز اسے عاجز نہ کر سکتی لیکن اللہ تعالیٰ ایک معین عرصہ تک انہیں مہلت دیتا ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَٰہِدًا وَّ مُّبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝۱۱ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُخْزِیْ رُؤُوسُ وَّ تَوْقِرُ رُؤُوسُ ۝۱۲ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرًا وَّاَصِيْلًا ۝۱۳

”بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا تاکہ اے لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام۔“

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَٰہِدًا قتادہ نے کہا: ہم نے آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ انہوں نے حق کی تبلیغ کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر گواہ بنا کر بھیجا کہ انہوں نے اطاعت یا معصیت میں سے جو اعمال کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو ان کے لیے ان امور کو بیان کرنے والا بنا کر بھیجا جن کے ساتھ ہم نے آپ کو ان کی طرف بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز ان پر گواہی دیں گے۔ سورۃ النساء میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت سے یہ معنی واضح طور پر گزر چکا ہے۔ مُّبَشِّرًا جو اطاعت کرے اس کو جنت کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا وَنَذِيْرًا اور آگ سے خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا اسے جو نافرمانی کرے: یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ سورۃ بقرہ میں بشارت اور نذارت کا اشتقاق اور دونوں کا معنی گزر چکا ہے۔ شَٰہِدًا وَّ مُّبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝۱۱ تینوں کو حال مقدرہ کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے سیبویہ نے یہ مثال بیان کی ہے مردت برجل معہ صقر صائد اغدا معنی ہے بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم آپ کی شہادت کو قیامت کے روز مقدر کرنے والے ہیں اسی بنا پر تو کہتا ہے: رايت عمرا قائما غدا۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ابن کثیر، ابن محصین اور ابو عمرو نے لیؤمنوا پڑھا ہے اسی طرح یعزروہ دیو قرۃ ویسبحوہ سب کو یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے: ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ مومنوں کا اس سے پہلے اور اس کے بعد میں ذکر موجود ہے جہاں تک اس سے ماقبل کا تعلق ہے تو وہ لِيُذْخَلَ اور جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو وہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَٰیغُوْنَكَ ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے: اے ابو حاتم نے پسند کیا وَتُخْزِیْ رُؤُوسُ تم اس کی عظمت

بجالاتے اور تعظیم شان کا اہتمام کرو! یہ حضرت حسن بصری اور کبھی کا نقطہ نظر ہے۔ تعزیر کا معنی تعظیم و توقیر ہے۔ قتادہ نے کہا: تم اس کی مدد کرو اور اس کا دفاع کرو اسی سے حد میں تعزیر ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی انسان کو برے اعمال سے روکتی ہے۔ قتبی نے کہا:

أَلَا بَكْرَتٌ مِّنْ بَغِيرٍ سَفَاهَةٍ تَعَاتِبُ وَالسُّودُودُ نِيفَعُهُ الْعُزْرُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تقاتلون معہ بالسیف تم آپ کی معیت میں تلوار کے ساتھ قتال کرتے ہو۔ بعض اہل لغت نے کہا: تم آپ کی اطاعت کرتے ہو (1) وَتُوقَرُوْا یعنی تم آپ کو سربار بناتے ہو (2)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اس کی عظمت بجالاتے ہو۔ توقیر کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ دونوں میں شاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے یہاں وقف تام ہے پھر تو کلام کو شروع کرے گا وَتُسَبِّحُوْهُ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو گے بَکْرَتًا وَأَصِيلًا ۝ صبح و شام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غائب کی ضمیریں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس صورت میں ہوگا تَعَزَّرُ مَرْدُودًا وَتُوقَرُوْا یعنی تم اس کے لیے ربوبیت کی صحت کو ثابت کرو اور اس کے لیے اس امر کی نفی کرو کہ اس کا کوئی بچہ ہو یا شریک ہو؛ قشیری نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ پہلا قول ضحاک کا ہے اس تعبیر کی صورت میں کلام کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا وَتُسَبِّحُوْا ہے انہیں کسی کا کوئی اختلاف نہیں بعض حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے گا وَتَعَزَّرُ مَرْدُودًا وَتُوقَرُوْا ہے یعنی تم آپ کو رسالت اور نبوت کے لقب سے بلایا کرو نام اور کنیت سے نہ بلایا کرو۔

وَتُسَبِّحُوْهُ کی دو صورتیں ہیں: (1) تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر قبیح امر سے پاکی بیان کرنا ہے یا اس سے مراد نماز کا فعل ہے جس میں تسبیح ہوا کرتی ہے بَکْرَتًا وَأَصِيلًا ۝ صبح و شام۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے، شاعر نے اس لفظ سے یہ معنی لیا ہے:

لَعَنَرِي لَأَنْتَ الْبَيْتُ أَكْبَرُ أَهْلَهُ وَأَجْلَسُ فِي أَقْيَانِهِ بِالْأَصَانِلِ (3)

میری زندگی کی قسم! تو ایسا گھر ہے جس کے مکینوں کی میں عزت کرتا ہوں اور شام کے وقت میں اس کے صحن میں بیٹھتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ شَكَتْ فَإِنَّمَا

يَنكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَنْ يَكْفُرْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”(اے جان عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے

ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی

ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ یعنی اے محمد! سنی نبیؐ جو لوگ حدیبیہ میں آپ کی اطاعت کرتے ہیں إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ اس امر کی

وضاحت کی کہ ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت یہ اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يُطِيعِ

الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: 80) یہ بیعت، بیعت رضوان ہے جس کی وضاحت اس سورت میں انشاء اللہ آجائے گی۔





ہوئے آئے جبکہ ان کا اعتقاد ان کے ظاہر کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کر دیا ارشاد فرمایا: يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ يَهْتَدُونَ خالص مذاق تھا۔ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنَّ أَمْرًا بِكُمْ ضَرًّا حَزًّا اور کسائی نے صرف یہاں ضَرًّا پڑھا ہے یعنی ایسا امر جو تمہیں نقصان پہنچائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد شکست ہے باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ ضرر تہ ضرر کا مصدر ہے۔ جب ضاد پر ضمہ ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو برا حال لاحق ہوتا ہے مصدر ایک دفعہ اور زیادہ دفعہ فعل کے وقوع کے معنی پر دلالت کرتا ہے؛ اسے ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے پسند کیا ہے دونوں نے کہا: یہ نفع کے بالمقابل ہے جو ضرر کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح فقر اور فقر ضَعْف اور ضَعْف۔ اَوْ أَمْرًا بِكُمْ نَفْعًا نفع سے مراد مدد اور غنیمت ہے۔ یہ ان کا رد ہے جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں گے تو یہ ان سے تکلیف کو دور کر دے گا اور ان کے لیے جلدی نفع لائے گا۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي

قُلُوبِكُمْ وَظَنَّتُمْ أَنَّ السَّوْءَ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝

”حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئیگا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف بھی اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں گمن رہے اس وجہ سے تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔“

بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا یہ گمان اس لیے تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بہت تھوڑے ہیں وہ واپس نہیں پلٹیں گے وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد نفاق ہے فِي قُلُوبِكُمْ یہ تزئین شیطان کی طرف سے تھی یا اللہ نے ان کے دلوں میں یہ چیز پیدا کر دی تھی وَظَنَّتُمْ أَنَّ السَّوْءَ ظن سوء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ بورا سے مراد ہلاک ہونے والے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: وہ فسادی لوگ ہیں وہ بھلائی میں سے کسی چیز کے قابل نہیں (2)۔ جوہری نے کہا: بور سے مراد ایسا آدمی ہے جو فساد دی ہے، ہلاک ہونے والا ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔ عبد اللہ بن زبیری سہمی نے کہا:

يَا رَسُولَ الْمَدِينَةِ إِنَّ لِسَانِي رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ إِذْ أَنَا بُورٌ (3)

اے اللہ کے رسول! جب سے میں گمراہ اور تباہ حال تھا اس وقت میری زبان نے جو چاق کیے اب میری زبان انہیں سینے والی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: امرہ بور۔ ابو عبیدہ نے اس کو بیان کیا ہے قوم بور، یعنی ہلاک ہونے والی قوم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ بور یہ بانڈ کی جمع ہے جس طرح حائل کی جمع حُول آتی ہے۔ قد بار فلان، یعنی فلاں ہلاک ہو گیا۔ ابارہ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بُورًا کا معنی شریر لوگ، یہ ابن بحر نے کہا: حضرت حسان

بن ثابت نے کہا:

لَا يَنْفَعُ الصُّلُومَ مِنْ نُؤَيْتِ الرِّجَالِ وَقَدْ يَهْدِي إِلَهُهُ سَبِيلَ الْمَغْشَرِ الْبُورِ (1)  
اس میں البور کا معنی ہلاک ہوانے والا ہے۔

وَمَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝  
”اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے ان تمام کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

یہ ان کے لیے وعید ہے اور اس امر کی وضاحت ہے کہ انہوں نے نفاق اپنا کر کفر کیا۔  
وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝  
”اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

وہ اپنے بندوں سے غنی ہے، اللہ تعالیٰ نے احکام کا مکلف بنا کر انہیں آزمایا تاکہ جو ایمان لائے اس کو ثواب دیں اور جو کفر و نافرمانی کرے اسے سزا دے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوا هَٰذِهِمُ مَا نَتَّبِعُكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ ۖ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُونَا كَذَبُكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۖ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ۝  
”کہیں گے (پہلے - غر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہوئے اموال کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کر لو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ فرمائیے: تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے یونہی فرما دیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پھر وہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (ان کا یہ خیال غلط ہے) درحقیقت وہ احکام الہی کے اسرار کو بہت کم سمجھتے ہیں۔“

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوا هَٰمُ رَادِّ خَيْرٍ ۖ غَنِمْتُمْ ۖ هِيَ كَيْفَ تَقُولُ ۚ لَقَدْ كَذَبْتُمْ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۖ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ۝  
خبر کا وعدہ کیا تھا یہ حکم ان کے لیے ہی خاص تھا وہ غزوہ خیبر میں حاضر تھے یا غائب تھے اور اہل حدیبیہ میں سے حضرت جابر کے علاوہ کوئی غائب نہیں تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اسی طرح حصہ رکھا جس طرح ان لوگوں کا حصہ رکھا تھا جو غزوہ خیبر میں موجود تھے خیبر کی تقسیم کے ذمہ دار حضرت جبار بن صخر انصاری جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت

جو بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے دونوں حساب کو سمجھنے والے اور تقسیم کرنے والے تھے۔

ذُرُودُنَا نَشِيعُكُمْ ہمیں چھوڑ دو تو کہتا ہے: ذرہ یعنی تو اسے چھوڑ دے ہو یذرہ، وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی اصل وذرہ یذرہ ہے جس طرح وسعہ یسعہ ہے اس کا پہلا حرف حذف کر دیا گیا ہے اسے وذرہ کہتے ہیں اور واذر نہیں کہتے انہیں کہتے ہیں: ترکہ وھوتارث۔

مجاہد نے کہا: وہ مکہ کی طرف نکلنے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ جب نبی کریم ﷺ نکلے اور لوگوں کو ساتھ لیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم تمہارے پیچھے پیچھے آتے ہیں اور تمہارے ساتھ ملکر جنگ کرتے ہیں۔ یُرِيدُونَ اَنْ يُبَيِّنُوا كَلِمَ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی کلام کو تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ اَبَدًا وَلَنْ تُثْقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا (التوبہ: 83) طبری اور دوسرے علماء نے اس قول کا انکار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک فتح خیبر اور فتح مکہ کے بعد ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں (1) جو اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے عوض خیبر کی غنیمتیں ان کے لیے خاص کر دی تھیں کیونکہ وہ حدیبیہ سے صلح پر واپس آ گئے تھے: یہ مجاہد اور طبری کا قول ہے اسے ہی طبری نے پسند کیا ہے: عام علماء کی یہی رائے ہے حمزہ اور کسائی نے کَلِمَ پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کیا ہے اور لام کو کسرہ دیا ہے یہ کلمہ کی جمع ہے جس طرح سمہ اور سلیم ہے باقی قراء نے اسے کلام پڑھا ہے جو مصدر ہے اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے پسند کیا وہ اس ارشاد: اِنِّیْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسَالَتِیْ وَبِغَلَامِیْ (الاعراف: 144) پر قیاس کیا ہے۔ کلام اس جملہ کو کہتے ہیں جو معنی دینے میں مستقل ہو۔ جوہری نے کہا: کلام اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر دونوں پر واقع ہوتی ہے اور کَلِمَ تین کلمات سے کم نہیں ہوتی کیونکہ یہ کلمہ کی جمع ہے جس طرح نبقہ اور نبق ہے اسی وجہ سے سیبویہ نے کہا: ہذا بابٌ عَنْهُ مَا الْحِکْمَةُ مِنَ الْعَرَبِیَّةِ یہاں اس نے الکلام کا لفظ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس نے تین چیزوں کا ارادہ کیا تھا اسم، فعل، حرف۔ تو کلام کا لفظ صرف جمع کے لیے ہی بولا جاتا ہے جہاں ایک اور جماعت پر واقع ہوا ہے ترک کر دیا جاتا ہے۔ تمیم کہتا ہے: یہ جگہ ہے یعنی کاف مکسور ہے۔ سورۃ براء میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

كَذٰلِکُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ یعنی حدیبیہ سے ہمارے لوٹنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو حدیبیہ میں حاضر تھے۔

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْضُدُونََنَا یعنی ہم تمہارے ساتھ غنیمت لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان خراجتم لم امنعکم الا انہ لا سهم لکم اگر تم نکلو گے تو میں نہیں روکوں گا مگر تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا، تو انہوں نے کہا: یہ تو حسد ہوا۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں ہمیں وہ بتا دیا تھا جو وہ کہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْضُدُونََنَا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ کَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ یعنی وہ صرف دنیا کے امور کو ہی



جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین کے معاملہ کو تھوڑا ہی سمجھتے ہیں وہ جہاد کو ترک کرنا ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّ عَوْنٍ إِلَى قَوْمِ أُولَىٰ بِأَيْسَ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ  
أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ  
قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ①

”فرماد دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائیگی ایک ایسی قوم  
سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگ جو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے، پس اگر تم نے اس  
وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی منہ موڑا جیسے پہلے تم نے  
منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ یعنی ان سے کہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پیچھے چھوڑے گئے تھے (1)  
سُدُّ عَوْنٍ إِلَى قَوْمِ أُولَىٰ بِأَيْسَ شَدِيدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ اور عطا خراسانی نے  
کہا: وہ ایرانی لوگ ہیں۔ کعب، حضرت حسن بصری اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا: وہ رومی ہیں۔ حضرت حسن بصری سے یہ  
بھی مروی ہے: وہ ایرانی اور رومی لوگ ہیں۔ ابن جبیر نے کہا: مراد ہوازن ثقیف ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد ہوازن ہیں۔ قتادہ  
نے کہا: مراد غزوہ حنین کے موقع پر ہوازن اور غطفان ہیں (2)۔ زہری اور مقاتل نے کہا: مراد بنو حنیفہ ہیں جو اہل یمامہ  
تھے (3) جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے۔ رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس آیت سُدُّ عَوْنٍ إِلَى قَوْمِ أُولَىٰ بِأَيْسَ  
شَدِيدٍ پڑھا کرتے تھے ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ سے  
قتال کی دعوت دی تو ہمیں علم ہو گیا کہ وہ لوگ بنو حنیفہ ہی ہیں (4)۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر  
نہیں ہوا، جبکہ آیت کا ظاہر اس کا رد کرتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ حضرت  
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بنو حنیفہ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایرانیوں اور رومیوں سے  
جنگ کرنے کی دعوت دی۔ جہاں تک عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ مراد ہوازن اور غطفان ہیں جن سے غزوہ حنین میں مقابلہ  
ہوا تو اس میں یہ دلیل نہیں کیونکہ یہ امر ممتنع ہے کہ ان کے لیے داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد  
فرمایا: لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا (التوبہ: 83) تو یہ اس امر پر دال ہے کہ داعی سے مراد نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ کوئی اور ذات ہے۔ یہ بات بھی معلوم و مشہور ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قوم کو دعوت نہیں

2۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 96

4۔ ایضاً

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1705

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316



سے پیچھے رہتے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ سورہ براءۃ اور دوسری سورتوں میں اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ عرج اس بیماری کو کہتے ہیں جو ایک ٹانگ کو لاحق ہوتی ہے جب ایک میں تکلیف موثر ہے تو دونوں ٹانگوں میں مرض بدرجہ اولیٰ موثر ہوگی۔ مقاتل نے کہا: مراد اپانج لوگ ہیں جو حدیبیہ کی مہم میں شریک نہیں ہو سکے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معذور قرار دیا تھا یعنی ان میں سے جو تمہارے ساتھ خیبر جانا چاہتا ہے تو وہ ایسا کرے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ان امور میں اطاعت کی جس کا اسے حکم دیا گیا یٰٰدْ خَلُّهُ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ نافع ابن عامر نے اسے ندخلہ پڑھا ہے مقصود تعظیم ہے باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

”یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غلیمتیں بھی عطا کیں جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانائے ہے۔“

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یہ بیعت رضوان ہے یہ حدیبیہ میں ہوئی۔ اختصار کے ساتھ حدیبیہ کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ مصطلق سے واپسی پر شوال میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور ذی قعدہ میں عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے آپ نے مدینہ طیبہ کے پڑوس میں رہنے والے بدوؤں کو بھی اس سفر میں شریک ہونے کی دعوت دی تو ان میں سے اکثر اس میں شریک نہ ہوئے، نبی کریم ﷺ مہاجرین، انصار اور عربوں میں سے جو آپ کے ساتھ شریک ہوئے انہیں لے کر روانہ ہوئے مجموعی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: تعداد پندرہ سو تھی۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ آپ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لیے رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنا تاکہ لوگوں کو بتائیں کہ آپ جنگ کے لیے نہیں نکلے جب رسول اللہ ﷺ کے سفر کی خبر قریش کو ہوئی تو ان کی جمعیت رسول اللہ ﷺ کے مسجد حرام اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے نکلی اور اگر آپ ﷺ ان سے جنگ کریں گے تو وہ بھی آپ ﷺ سے جنگ کریں گے انہوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سوار دستہ کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف روانہ کر دیا یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی جبکہ آپ عسفان میں تھے آپ کا مخبر مبشر بن سفیان کعبی تھا آپ نے ایک راستہ اختیار کیا جو آپ کو ان کے پیچھے پہنچانے والا تھا اور آپ مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے حدیبیہ تک جا پہنچے اس بارے میں آپ کی راہنمائی کرنے والا بنو اسلم کا ایک آدمی تھا۔ جب یہ خبر ان قریش کو پہنچی جو خالد بن ولید کے ساتھ تھے تو وہ

قریش کی طرف چلے تاکہ انہیں اس خبر سے آگاہ کریں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ تک پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے کہا: یہ بغیر کسی وجہ کے بیٹھ گئی ہے اور یہ ازی کر گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس نے ازی نہیں کی نہ اس کا یہ طریقہ ہے لیکن اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، آج قریش جس معاہدہ کی طرف مجھے دعوت دیں گے جس میں صلہ رحمی ہو تو میں انہیں وہ تحریر دے دوں گا“ پھر رسول اللہ ﷺ وہاں فروکش ہوئے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! سنئے یہ ہم اس وادی میں پانی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اپنے صحابہ میں سے ایک ساتھی کو عطا فرمایا تو وہ اس وادی کے ایک بے آباد کنواں میں سے ایک کنوئیں میں اتر اس کے وسط میں اسے گاڑھا تو کثیر پانی سے وہ جوش مارنے لگا یہاں تک کہ وہ پانی سب لشکر کو کافی ہو گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی تیر کے ساتھ اس کنوئیں میں اتر اٹھا وہ حضرت ناجیہ بن جندب بن عمیر اسلمی تھے وہ اس دن نبی کریم ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو ہانکنے والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنوئیں میں تیر لے کر جانے والے حضرت براء بن عازب تھے اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور قریش کے کفار کے درمیان سفارت کا سلسلہ جاری ہوا سفراء کی آمد و رفت اور باہم نزاع لمبا ہوتا گیا یہاں تک کہ سہیل بن عمرو عامری آیا تو اس نے آپ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں گے جب اگلا سال آئے گا تو عمرہ کے ارادہ سے آئیں گے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں بغیر اسلحہ داخل ہونگے صرف ان کے پاس تلواریں ہونگی وہ بھی نیاموں میں ہونگی سرور دو عالم ﷺ اور قریش کے درمیان صلح رہے گی، لوگ ان سالوں میں ایک دوسرے سے ملیں گے وہ ایک دوسرے سے امن میں ہوں گے، کفار میں سے جو مرد یا عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے گا اسے کفار کی طرف لوٹا دیا جائیگا اور مسلمانوں میں سے جو مرتد ہو کر کفار کے پاس چلا جائے گا تو اسے مسلمانوں کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں پر بڑا شاق گذرایا یہاں تک کہ بعض نے اس بارے میں گفتگو بھی کی۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”تم صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس صلح کو اپنے دین کے غلبہ کا سبب بنادے گا“ پہلے صحابہ کے دلوں میں کچھ دوری پیدا ہو چکی تھی کہ اس گفتگو کے بعد ان میں انس پیدا ہو گیا۔ سہیل بن عمرو نے اس بات سے انکار کر دیا کہ صلح نامہ کے سرنامہ پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھے قریش نے آپ سے کہا: اگر ہم آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم آپ کو اس بات سے کیوں روکیں جس کا آپ ارادہ کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آپ لکھیں باسک اللہم حضرت علی شیر خدا نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول کے لفظ کو مٹانے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے مجھ پر پیش کرو“ تو رسول اللہ ﷺ نے وہ الفاظ اپنے ہاتھوں سے مٹا دیے اور حکم دیا کہ وہ لکھیں محمد بن عبد اللہ صلح کی تحریر کے بعد اسی روز حضرت ابو جندل بن سہیل آئے جبکہ وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے والد کے حوالے کر دیا۔ یہ عمل مسلمانوں پر بڑا شاق گذر ا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا اور ابو جندل کو بھی بتایا کہ ”اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرمادے گا۔“



رسول اللہ ﷺ نے صلح سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہل مکہ نے آپ کو قتل کر دیا ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو دعوت دی کہ وہ اہل مکہ سے جنگ کرنے کی بیعت کریں۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت لی۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ان سے یہ بیعت لی کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ یہ ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان تھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بتایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور یہ بتایا کہ وہ آگ میں داخل نہیں ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا تا کہ یہ حضرت عثمان کی جانب سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حاضر ہیں۔ وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے وہ شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز سب سے پہلے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ حضرت ابوسفیان اسدی تھے۔

صحیح مسلم میں ابوزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے (1) ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا، کہا: ہم نے آپ کی اس امر پر بیعت کی کہ ہم نہیں بھاگیں گے، ہم نے موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہ سنا کہ حضرت جابر سے سوال کیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے روز کتنے تھے؟ کہا: ہماری تعداد چودہ سو تھی، ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ صرف جد بن قیس انصاری نے بیعت نہ کی وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔

سالم بن ابی جعد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اصحاب شجرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اگر وہ ایک لاکھ ہوتے تب بھی وہ ہمیں کفایت کر جاتی، ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ ایک روایت میں ہے: ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ بیعت کرنے والے تیرہ سو تھے، بنو اسلم مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔ یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں نے سلمہ سے کہا: حدیبیہ کے روز تم نے کس چیز پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی؟ جواب دیا: موت پر۔

حضرت سہاء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا یہ وہ تحریر ہے (2) جس پر رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں نے کہا: تم محمد رسول اللہ ﷺ نہ لکھو اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: "اے منادو" تو حضرت علی نے عرض کی: مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اے منادوں تو نبی کریم ﷺ نے اے خود مناد دیا۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور تین دن قیام کریں گے وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو گئے مگر جلدیان

1- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، مبايعۃ الامام الجیش عند ارادة القتال، جلد 2، صفحہ 129

2- صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، صلح الحدیبیہ، جلد 2، صفحہ 103



فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ اللَّهُ تَعَالَى نے ان پر سکینہ کو نازل کیا یہاں تک کہ انہوں نے بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ شرکوں نے انہیں جو روکا اور نبی کریم ﷺ کا خواب پورا نہ ہوا اس پر مومنوں کے دل میں جو دکھ تھا اسے جان لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تھا کہ آپ کعبہ شریف میں داخل ہونگے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ حالت نیند کا خواب تھا“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ارشاد میں اس سال داخل ہونے کا تو کوئی تذکرہ نہ تھا۔ سکینہ سے مراد طمانینت اور وعدہ کی صداقت پر سکون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے صبر ہے۔

وَ أَثَابَهُمْ فَتَحَاقِرُئِبًا ۝ قَادَهُ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: مراد خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے (1)۔ ایک قرات یہ کی گئی ہے وَاثَابَهُ۔

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا مراد خیبر کے اموال ہیں۔ خیبر جائیداد اور اموال والا تھا یہ حدیبیہ اور مکہ کے درمیان ہے مَغَانِمَ اس تعبیر کی بنا پر فَتَحَاقِرُئِبًا سے بدل ہے اور واو زائدہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَغَانِمَ سے مراد فارس اور روم ہے۔

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ وَ كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

”(اے غلامانِ مصطفیٰ!) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم اپنے اپنے وقت پر حاصل کرو گے پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ صلح اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ہو جائے یہ ہماری نصرت کی نشانی اہل ایمان کے لیے اور تاکہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراطِ مستقیم پر“۔

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: مراد قیامت کے دن تک غنیمتیں ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں (2) فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ سے مراد خیبر ہے: یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے۔

وَ كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ النَّاس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی صلح کے ساتھ تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔ قَادَهُ نے کہا: نبی کریم ﷺ جب حدیبیہ اور خیبر کی طرف نکلے تو مدینہ کے یہودیوں کو تم سے روک لیا: یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے (3) کیونکہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں کے ہاتھوں کے روکنے کا ذکر وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ سے مراد عیینہ بن حصن فزاری، عوف بن مالک اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ وہ آئے تھے تاکہ اہل خیبر کی مدد کریں جبکہ نبی کریم ﷺ ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں سے انہیں روک دیا۔

وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ان کی شکست اور تمہاری سلامتی مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اس سے وہ جان جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی موجودگی میں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی حفاظت فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ہاتھوں کو تم

سے روک دینا مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جندی عت فرمائی ہے وہ مومنوں کے لیے اس بارے میں نشانی ہو جائے کہ آپ اس وعدہ میں سچے ہیں کہ وہ اس نعمت کو ضرور پائیں گے وَلِتَكُونُ فِيكُمْ ذِكْرًا يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَنْتُمْ فِيهَا يُخْرَجُونَ۔ بصریوں نے کہا: یہ عاطفہ ہے اس کا عطف کلام مضمر پر ہے تقدیر کلام یہ ہے کف أَيْدِي النَّاسِ عَنْكُمْ لِتَشْكُرُوا وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ یعنی تمہیں مزید ہدایت سے نوازے گا یا تمہیں ہدایت پر ثابت قدم کرے گا۔

وَأُخْرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

”اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

وَأُخْرَى يَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ یعنی تمہیں مزید ہدایت سے نوازے گا یا تمہیں ہدایت پر ثابت قدم کرے گا۔

لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ فتوحات ہیں (1) جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں جس طرح فارس اور روم کا علاقہ اور اسی طرح کی دوسری فتوحات جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں؛ یہ حضرت حسن بصری، مقاتل اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے، ضحاک، ابن زید اور ابن اسحاق کا بھی یہ قول ہے: مراد خیر ہے اللہ تعالیٰ نے فتح سے پہلے اپنے نبی سے اس کا وعدہ کیا مسلمان اس کی امید تک نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کی سحابہ کو خبر دی۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے اور قتادہ کا قول ہے مراد فتح مکہ ہے (2): مکرّمہ نے کہا: مراد حنین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا یہ اس امر پر دال ہے کہ اس کے لیے کوشش پہلے کی گئی اور فی الحال مطلوب کا حصول فوت ہو چکا تھا جس طرح مکہ مکرمہ کے بارے میں تھا: یہ قشیری کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: قیامت تک کے لیے فتوحات مراد ہیں اور قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے یہ اس چیز کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہو یہ چیز محصور ہے اب اس کے فوت ہونے کا امکان نہیں تم اگرچہ اس وقت اس پر قادر نہیں ہو مگر یہ تمہارے لیے محبوس کی جا چکی ہے وہ تم سے فوت نہ ہوئی یعنی تمہارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا سے مراد ہے وہ جانتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ہے؛ جس طرح ارشاد فرمایا: وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ (الطلاق) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے محفوظ کر دیا ہے تاکہ اس کی فتح تمہارے لیے ہو۔

وَلَوْ قَتَلْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ إِلَّا دِينًا بَارِئًا ۝ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةٌ

اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

”اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے دنیا بھر میں اپنا دوست اور





صلح کے بارے میں گفتگو کے لیے سفراء آ جا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان افراد کو عتقاء کہا جاتا ان میں حضرت معاویہ اور ان کے والد بھی تھے۔

مجاہد نے کہا: نبی کریم ﷺ عمرہ کے ارادہ سے نکلے کہ بے خبری کے عالم میں آپ ﷺ کے صحابہ نے حرم سے کچھ افراد کو پکڑ لیا نبی کریم ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا یہ کامیابی مکہ کی وادی میں ہوئی تھی (1)۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی تھا جسے زینم کہا جاتا وہ حدیبیہ کے ایک ٹیلہ پر چڑھا تو مشرکوں نے اسے تیر مارا اور اسے قتل کر دیا نبی کریم ﷺ نے ایک گھڑ سوار دستہ بھیجا تو وہ کفار کے بارہ شاہسوار پکڑ کر لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ”کیا تمہارے حق میں میرے اوپر کوئی عہد و پیمان ہے؟“ (2) انہوں نے عرض کی: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابزی اور کلبی نے کہا: مراد اہل حدیبیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ مسلمانوں سے روک لیے یہاں تک کہ صلح ہو گئی سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا قصد کیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو بھی ان سے روک لیا تھا۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت خالد بن ولید مشرکوں کے گھڑ سوار دستہ میں موجود تھے۔ قشیری نے کہا: یہ ایک روایت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ وہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: صلح کی بات چل رہی تھی کہ ابوسفیان آئے جبکہ وادی میں لوگوں اور اسلحہ کی ریل پیل تھی، کہا: میں چھ مشرکوں کو ہانکتا ہوا لایا جو صلح تھے وہ اپنی ذاتوں کے لیے نفع اور نقصان کے کوئی مالک نہ تھے میں انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا حضرت عمر راستہ میں تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ ہم جنگ جو لوگوں کے پاس آ رہے ہیں نہ ہمارے پاس کوئی اسلحہ ہے اور نہ ہی سواری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں سے ہی مدینہ کی طرف بھیجا تو صحابہ ہر قسم کا اسلحہ اور ہر قسم کے جانور لے آئے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچ سو سواروں کے ساتھ آپ کے مقابلہ کے لیے نکلا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: ”یہ تیرا چچا زاد ہے جو پانچ سو سواروں کے ساتھ آ رہا ہے“ حضرت خالد نے عرض کی: میں اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار ہوں۔ اسی دن سے انہیں سیف اللہ کا لقب دیا گیا ان کے ساتھ گھڑ سوار دستہ تھا انہوں نے کفار کو بھگا دیا اور مکہ کی دیواروں تک دھکیل دیا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے ان کے درمیان لڑائی پتھروں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیروں اور تیرکمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کف البید سے مراد معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ کفار میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو وہ ان پر لوٹا دیا جائے گا۔ مکہ مکرمہ سے کچھ مسلمان نکلے انہیں خوف تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں مشرکوں کی طرف لوٹا دیں گے وہ ساحل سمندر پر اکٹھے ہو گئے ان میں حضرت ابو بصیر بھی تھے وہ کفار پر غارت گری مچاتے اور ان کے قافلے لوٹ لیتے یہاں

تک کہ قریش کے سردار نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: انہیں اپنے پاس بلا لیجئے تاکہ ہم امن میں ہو جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنو عطفان اور بنو اسد نے خیبر کے یہودیوں کا مسلمانوں سے دفاع کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے روک دیا یہی کفت الید ہے۔

بِطْنِ مَكَّةَ اس میں دو قول ہیں: (1) مراد مکہ مکرمہ ہے (2) مراد حدیبیہ ہے، کیونکہ اس کا کچھ حصہ حرم کا حصہ ہے۔۔۔ ماوردی نے کہا: مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَ كُمْ عَلَيْهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت صلح حدیبیہ کے متعلق فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جس طرح ہم نے صحابہ اور تابعین میں سے علماء سے روایت نقل کی ہے امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ عبد بن حمید، سلیمان بن حرب سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اسی افراد تنعیم پہاڑ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر اترے جبکہ نماز صبح کا وقت تھا وہ ارادہ رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیں انہیں پکڑ لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابو یسی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ جہاں تک فتح مکہ کا تعلق ہے جس پر اخبار دلالت کرتی ہیں کہ وہ زبردستی فتح ہوا اس بارے میں گفتگو سورہ حجر میں اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ  
مَجَلَّهُٗ وَلَوْلَا رِجَالُ الْمُؤْمِنُونَ وَالنِّسَاءُ الْمُؤْمِنَاتُ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ  
فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَرَيُوا  
لَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑮

”یہی وہ (بد نصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا گیا مسجد حرام میں (داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں، اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی انکی طرف سے عار بے علمی کے باعث (نیز) تاکہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اگر (یہ کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** هُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مراد قریش ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا انہوں نے قربانی کے جانوروں کو روک دیا اور انہیں اپنی جگہ تک نہ پہنچنے دیا وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے لیکن خود سری نے انہیں اس امر پر برا بھلا کہتا دیا اور جابلیت کی حیثیت نے انہیں دعوت دی کہ وہ وہ کام کریں جس کا وہ بطور دین اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر انہیں شرمندہ کیا اور اس پر انہیں دھمکی دی اور رسول اللہ ﷺ سے انس فرمایا کہ اس امر کی وضاحت کی اور آپ سے وعدہ کیا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَالْهَدْیَ مَعْکُوْفًا مَعْکُوْفٌ کا معنی محبوس ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی موقوف ہے۔ ابن علاء نے کہا: اس کا معنی مجموع ہے۔ جو بری نے کہا: عکفہ ای حسبہ ووقفہ، یعکفہ ویغکفہ عکفًا۔ اسے قید رکھنا، روکے رکھنا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْهَدْیَ مَعْکُوْفًا یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماعکفک عن کذا کس چیز نے تجھے اس چیز سے روکا؟ اسی معنی میں الاعتکاف فی المسجد ہے، یعنی مسجد میں رکنا۔

أَنْ تَبْلُغَ مَحِلَّهُ محل سے مراد قربان کرنے کی جگہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مراد حرم ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: جس آدمی کو بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا گیا ہو اس کی ہدی کا محل حرم ہے، محل کسی شے کی غایت کو کہتے ہیں جب محل ہو تو مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ جا کر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ ہدی کے جانور ستر اونٹ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کے ساتھ اس جگہ کو ان کا محل بنادیا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی وضاحت سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ کے تحت گذر چکی ہے صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو زبیر سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ ہم نے حدیبیہ کے سال اونٹ سات افراد کی جانب سے اور گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی (2)۔ ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے ہر سات افراد ایک اونٹ میں شریک ہوتے۔ ایک آدمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا بدنہ میں اتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں جتنے جزور میں شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا: وہ بدن ہی تو ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں موجود تھے کہا: ہم نے اس روز ستر اونٹ ذبح کیے تھے ہم آپس میں شریک ہوئے سات افراد ایک اونٹ میں ساتھی بنے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو قریش کے کفار بیت اللہ شریف کی زیارت سے مانع بن گئے رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کو ذبح کیا اور اپنے سر کا حلق کرایا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس روز جس صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا حلق کیا تھا وہ خراش بن امیہ بن ابی العیص خزاعی تھا۔ رسول

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 319

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جواز الاشتراك فی الہدی و اجزاء المہدنة والبقرة، جلد 1، صفحہ 424

3۔ صحیح بخاری، ابواب العمرة، اذا احصر المعتمر، جلد 1، صفحہ 243



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانی دیں اور احرام اتار دیں، صحابہ نے توقف کے بعد یہ کام کیا جس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوئے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی: اگر آپ جانور کو ذبح کریں تو وہ بھی ذبح کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانور ذبح کیا تو صحابہ نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا حلق کرایا اور حلق کرانے والوں کے حق میں تین دفعہ دعا کی اور قصر کرانے والوں کے حق میں ایک دفعہ دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ جوئیں ان کے چہرے سے گر رہی تھیں فرمایا: ”کیا تجھے یہ جوئیں تکلیف دیتی ہیں (1)؟“ عرض کی: جی ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلق کرانے کا حکم دیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے۔ اسے امام بخاری اور دارقطنی نے نقل کیا ہے، یہ روایت سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** وَالْهَدْيِ، الْهَدْيِ اور الْهَدْيِ دونوں لغتیں ہیں اسے حَتَّى يَبْدُغَ الْهَدْيِ مَحِلَّہ پڑھا گیا ہے یعنی تخفیف و تشدید دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا واحد هِدْيَةٌ ہے سورہ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ اس کا عطف صَدُّوْكُمْ کی ضمیر مخاطب کم پر ہے مَعْكُوفًا یہ حال ہے اَنْ يَّبْدُغَ مَحِلَّہ میں ان کا محل حرف جار کے حذف کرنے کے ساتھ نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی صدواکم و صدوا الھدی عن ان یبدغ یہ جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو، گویا یہ فرمایا: و صدوا الھدی کما ھیۃ ان یبدغ ابوعلی نے کہا: اس کا عطف پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ عطف فعل متعدی میں آتا ہے آیت میں مَعْكُوفًا آنا یہ اس امر کے جواز پر دال ہوگا کہ یہ معنی پر محمول ہوگا یا جب یہ جس (روکنا) ہے تو معنی کو اس پر محمول کیا جائے گا جس طرح رفث کو افضاء کے معنی پر محمول کیا جاتا ہے تو اسے الی کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے مگر اسے اس پر محمول کیا جائے تو اس کا محل نصب ہوگا۔ اگر سیبویہ کے قول پر قیاس کریں گے اور خلیل کے قول کے مطابق محل جر ہوگا یا مفعول ہوگا گویا کہا: اسے محبوس کیا گیا ہے یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ اپنے محل تک پہنچے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اُن میں جر کی تقدیر عن کے ساتھ ہو جو گذر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی و صدواکم عن المسجد الحرام و صدوا الھدی عن اَنْ یبدغ محله اس کی مثل وہ روایت ہے جو سیبویہ نے یونس سے بیان کی ہے مردت برجل اِنْ زید و اِنْ عمرو۔ حرف جار کو مضمّر کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وَلَوْلَا رَجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ اَنْ تَطَّوُّهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ لَا يُغْنِي عَنْكُمْ

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَلَوْلَا رَجَالٌ مُّؤْمِنُونَ مراد مکہ مکرمہ میں مومنوں میں سے کمزور لوگ ہیں جو کفار کے درمیان رہتے تھے، جس طرح حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابی بیعہ، حضرت ابو جندل بن سہیل اور ان کی مثل لوگ ہیں۔ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ تم انہیں پہنچانتے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نہیں جانتے کہ وہ مومن ہیں۔ اَنْ تَطَّوُّهُمْ تم انہیں قتل کر کے اور ان پر ٹوٹ پڑنے کے ساتھ انہیں روند دو۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: و طشت القوم یعنی ان پر ٹوٹ پڑا۔ اَنْ تَطَّوُّهُمْ اس کے بارے میں جائز ہے کہ یہ رجال و نساء سے بدل کے طور پر مرفوع ہو گویا تقدیر کلام یہ ہوگی لولا و طشتکم رجالا

مؤمنین و نساء مومنات۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ کی ضمیر غائب ہم سے بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی لَمْ تَعْلَمُوهُمْ و طاهم دونوں صورتوں میں یہ بدل اشتمال ہے لَمْ تَعْلَمُوهُمْ یہ رجال اور نساء کی صفت ہوگی اور لولا کا جواب محذوف ہے ولو ان تطور جالا مؤمنین و نساء مومنات لَمْ تَعْلَمُوهُمْ لا ذن الله لکم فی دخول مکة و لسلطکم علیہم لیکن وہ لوگ جو اپنے ایمانوں کو مخفی رکھے ہوئے ہیں ہم نے ان کی حفاظت کی ہے۔

نحاک نے کہا: اگر کفار کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں میں مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم ان کے آباء کو روند ڈالو گے تو ان کے بیٹے بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** فَتُصِيبُكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ معرہ سے مراد عیب ہے یہ عمر سے مفعول کا وزن ہے جس کا معنی جرب (خارش) ہے یعنی مشرک کہتے: انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قتل کی وجہ سے تمہیں وہ چیز پہنچتی جو اس وجہ سے تم کو لازم ہوتی ہے یعنی قتل خطا کا کفارہ (1)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دار الحرب میں مومن کے قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے دیت لازم نہیں کی جب کہ اس نے ہجرت نہ کی ہو اور اس کے ایمان کا علم بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ (النساء: 92) یہ کلبی، مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ النساء میں گذر چکی ہے۔ ابن زید نے کہا: معرۃ کا معنی گناہ ہے۔ جوہری اور ابن اسحاق نے کہا: معنی ہے دیت کی چٹی۔ قطرب نے کہا: سختی اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: غم۔

**مسئلہ نمبر 3۔** بِغَيْرِ عِلْمٍ صحابہ کی فضیلت کا ذکر ہے اور ان کی صفت کریمہ کی خبر دی جا رہی ہے کہ وہ معصیت سے دور اور تعدی سے محفوظ رہتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس میں سے کوئی چیز پائیں تو بغیر ارادہ کے وہ چیز ان سے صادر ہوتی ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی صفت بیان کی لَا يَخْطِئُكُمُ سُلَيْمٌ وَجُنُودُهُ لَوْ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (النمل)

لِيَدْخُلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** لِيَدْخُلَ خَلٍّ میں لام محذوف کے متعلق ہے معنی یہ بنے گا اگر تم انہیں قتل کرو گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان کے متعلق ہو۔ مومنات کے علاوہ اسے صرف مومنین پر محمول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی مومنین کو چھوڑ کر اسے مومنات پر محمول کیا جائیگا کیونکہ سارے رحمت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مشرکین سے قتال کی اجازت نہیں دی تاکہ اہل مکہ میں سے جن کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ ہوا ہے وہ صلح کے بعد مسلمان ہو جائیں اور اسی طرح ان میں سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام بہت اچھا ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوئے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** لَوْ تَزَيَّلُوا لَآتِيَكُمُ الْيَوْمَ لَعْنَةُ اللَّهِ الْكَافِرِينَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جدا جدا ہو جائیں؛ یہ کبھی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو کفار کو تلوار کے ساتھ عذاب دیا جاتا؛ یہ ضحاک کا قول ہے لیکن اللہ تعالیٰ مومنوں کی وجہ سے کفار کا دفاع کرتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس آیت لَوْ تَزَيَّلُوا کے بارے میں پوچھا، فرمایا: مراد وہ مشرک ہیں جو نبی اللہ کے اجداد (1) میں سے تھے جو ان کے بعد ہوئے اور جو ان کے زمانہ میں ہوئے جن کی پشتوں میں مومن تھے اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب الیم دیتا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مومن حرمت کی وجہ سے کافر کے ساتھ رعایت کی جائیگی کیونکہ کافر کو اذیت مومن کو اذیت دینے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابو زید نے کہا: میں نے ابن قاسم سے کہا بتائیے کہ مشرکوں کی ایک جماعت اپنے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں ہو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا ہو مشرکوں کے پاس مسلمانوں کے کچھ قیدی ہوں کیا اس قلعہ کو جلادیا جائیگا یا نہیں؟ کہا: میں نے امام مالک سے سنا آپ سے ان مشرکوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو اپنی کشتیوں میں سوار ہیں کیا ہم ان پر آگ برسا سکتے ہیں جبکہ ان کشتیوں میں قیدی بھی ہیں؟ کہا: امام مالک نے فرمایا میں اسے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اہل مکہ کے لیے فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّلُوا لَآتِيَكُمُ الْعَذَابُ نَاسًا يَكْفُرُ كَيْفَ يَكْفُرُ الْمَسْلُومُونَ۔ تو اس کو تیر مارنا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تیر مارا اور کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا تو اس پر دیت اور کفارہ ہوگا اگر علم نہ ہو تو نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں علم ہو تو انہیں تیر مارنا جائز نہیں اگر وہ اس کے باوجود ایسا کریں تو وہ خطا قتل کرنے والے ہونگے اور دیت ان کی عاقبت پر ہوگی اگر وہ نہ جانتے تو ان کو تیر مارنا جائز ہو جاتا جب فعل جائز ہو گیا تو یہ جائز نہیں کہ ان پر کسی قسم کا بوجھ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ایک جماعت کا کہنا ہے اس کا معنی ہے اگر وہ عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں سے جدا ہو جاتے (2)۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ جو پشت میں ہے یا پیٹ میں ہے اسے نہیں رونداجاتا اور اس کی وجہ سے کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا يَجَالُ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ لَمْ تَعْلَمُوهُنَّ أَنْ تَكُونُوا لَهُنَّ حُجُبًا۔ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا جو عورت کے بطن میں ہو اور مرد کی پشت میں ہو اس کا اطلاق حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ابو جندل بن سہیل پر ہوتا ہے؛ امام مالک نے اسی طرح کہا ہے۔ ہم نے ایک رومی شہر کا محاصرہ کیا پانی ان سے روک لیا گیا وہ قیدیوں کو نیچے اتارتے جو ان کے لیے پانی لے جاتے تو انہیں تیر مارنے پر کوئی قدرت نہ رکھتا تو ہماری پسند کے بغیر پانی مل جاتا۔ امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب اور امام ثوری نے مشرکوں کے قلعوں پر پتھر پھینکنے کی اجازت دی اگرچہ ان میں مسلمان قیدی اور ان کے بچے ہوں اگر کوئی مشرک مسلمان کے بچے کو ڈھال بناتا ہے تو مشرک پر تیر برسا یا جائیگا اگر کسی مسلمان کو وہ لگ جاتا ہے تو اس میں دیت اور کفارہ نہیں ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس میں

1۔ علامہ آلوسی اور امام رازی وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے اجداد کو محدث ثابت کیا ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1708

کفارہ ہوگا دیت نہ ہوگی۔ امام شافعی ہمارے قول کی موافقت کرتے ہیں کیونکہ ممنوع کے ہوتے ہوئے مباح چیز کا حصول جائز نہیں خصوصاً جب مسلمان کی زندگی کا سوال ہو۔ اس لیے قول وہی درست ہے جو امام مالک کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل کرنا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ان شاء اللہ۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مصلحت ضروری یہ کلیہ قطعیہ ہو۔ اس کے ضروری ہونے کا معنی یہ ہے کہ کفار تک تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ اس ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل نہ کیا جائے، کلیہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ ڈھال کو قتل کرنے میں تمام مسلمانوں کی مصلحت ہو اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو کفار اس ڈھال کو قتل کر دیں گے اور تمام امت پر غالب آ جائیں گے قطعیہ کا معنی یہ ہے کہ اس ڈھال کو قتل کرنے سے وہ مصلحت قطعی طور پر حاصل ہو جائیگی ہمارے علماء کا کہنا ہے: ان قیود کے ساتھ اس مصلحت کو بنیاد بنانے میں اختلاف نہیں: ہونا چاہیے کیونکہ فرض کیجئے کہ ڈھال بنایا گیا فرد قطعی طور پر قتل ہو جاتا ہے تو وہ دشمنوں کے ہاتھوں مارا جائے گا تو عظیم فساد ظاہر ہو جائے گا وہ دشمنوں کا مسلمانوں پر غلبہ ہے یا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائیگا تو دشمن ہوگا اور تمام مسلمان نجات پا جائیں گے۔

کسی دانشمند کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے: اس صورت میں کسی وجہ سے بھی ڈھال کو قتل نہ کیا جائیگا کیونکہ اس طریقہ کی ڈھال سے اسلام اور مسلمان سب برباد ہو جائیں گے لیکن جب یہ مصلحت فساد سے خالی نہیں تو وہ آدمی جو اس میں وقت نظر سے کام نہیں لیتا اس کا نفس اس سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ فساد اس حاصل ہونے والے نفع کے مقابلہ میں معدوم ہے یا معدوم کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** عام قراءت لَوْ تَزَيَّلُوا ہے مگر ابو حیوہ نے اسے لَوْ تَزَيَّلُوا پڑھا ہے معنی میں یہ بھی تزیلوا کی طرح ہے تزیل کا معنی جدا ہونا ہے تزیلوا یہ تفعلو کا وزن ہے یہ زلت سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ تفعلیلو کا وزن ہے۔ لَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام یہاں سے یہ دو کلاموں کا جواب ہے: (1) لَوْ لَا رَجُلٌ (2) لَوْ تَزَيَّلُوا ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ لولا کا جواب محذوف ہے جبکہ وہ پہلے گزر چکا ہے اور لَوْ تَزَيَّلُوا سے نئی کلام شروع ہو رہی ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ فَإِنَّ اللَّهَ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

”جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول مکرم پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اِذْ میں عامل لَعَذَابُ ہوتا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لعذابنا ہم اِذْ جعلوا هذا یا یہ فعل مضمر ہے تقدیر کلام اِذْ کہوا ہے الْحَبِيَّةُ یہ



فعلیۃ کا وزن ہے جس کا معنی ضد ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَبِیتَ عَنْ كَذَابِیَّةٍ وَمَخِیَّةٍ۔ جب تو اس سے خوداری کا اظہار کرے اور تجھے شرمندگی لاحق ہو کہ تو اس امر کو کرے۔ اسی معنی میں متملس کا قول ہے:

أَلَا إِنِّي مِنْهُمْ وَعِزِّي عِزُّهُمْ كَذِي الْأَنْفِ يَحْيى أَنْفَهُ أَنْ يَكْشِبَا

خبردار! میں ان میں سے ہوں اور میری عزت انکی عزت ہے جس طرح خودار آدمی ہوتا ہے وہ اس امر سے حمیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی ناک توڑ دی جائے۔

زہری نے کہا: ان کی حمیت نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اقرار سے ضد کا اظہار کرنا (1) اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ کلام شروع کرنے سے ضد کا اظہار تھا اور صحابہ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنا تھا جو آدمی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور محمد رسول اللہ ﷺ لکھنے سے رک گیا تھا وہ سہیل بن عمرو تھا جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔

ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت سے مراد ان کا اپنے معبودوں کے بارے میں عصیت کا اظہار ہے (2) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں ضد تھی کہ وہ کسی اور کی عبادت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَبِیَّةُ الْجَاهِلِیَّةِ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: انہوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کیا پھر وہ ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں لات وعزی کی قسم! وہ اس شہر میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔

فَأَنزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهُ عَلٰی رَأْسِیْهِ وَعَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ سَكِیْنَةً سے مراد طمانیت اور وقار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تسلیم و رضا کے اوپر پختہ کرنا ہے کفار کے دلوں میں جو ضد داخل کی وہ ان کے دلوں میں داخل نہیں کی۔

وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلِمَةُ التَّقْوٰی سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے ایک مرفوع حدیث ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے (3) یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمرو بن میمون، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، سلمہ بن کہیل، عبید بن عمیر، طلحہ بن مصرف، ربیع، سدی اور ابن زید کا قول ہے یہی قول عطا خراسانی کا ہے انہوں نے مُحَمَّدًا رَأْسُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ واللہ اکبر ہے۔ عطا بن ابی رباح اور مجاہد نے یہ بھی کہا اس سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير (4) ہے۔ زہری نے کہا: مراد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے یعنی مشرکوں نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے لیے خاص کیا۔ كَلِمَةُ التَّقْوٰی سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ساتھ شرک سے بچا جاتا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: كَلِمَةُ التَّقْوٰی سے مراد خلاص ہے (5) وَكَانُوا أَحْسَبَ بِهَا وَأَهْلَاهَا کفار مکہ کی بنسبت اس کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

2۔ ایضاً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 320

3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ فتح، جلد 2، صفحہ 159۔ ایضاً، حدیث نمبر 3558، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ تفسیر مجاہد، سورہ فتح، صفحہ 259

4۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 122

اپنے دین اور اپنے نبی کی صحبت کے لیے انہیں پسند کر لیا۔

لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّعْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ  
أَمِينٌ ۚ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ  
مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، پس جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرمادی تمہیں اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے۔“

قنادہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں اس حالت میں داخل ہوں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کر لی تو منافقوں کو شک ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ضرور داخل ہونگے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ وہ اس سال کے علاوہ اور کسی سال میں مکہ مکرمہ داخل ہونگے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابو بکر صدیق نے ہی یہ بات کی تھی کہ خواب کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہوتا آپ ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ خواب حدیبیہ کے متعلق ہی تھا اور انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں اور خواب انبیاء کو وحی کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہوا کرتی ہے۔

لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ یعنی آنے والے سال تم اس میں داخل ہو گے۔ ابن کيسان نے کہا: نبی کریم ﷺ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا یہ اس کی حکایت ہے۔ نیند میں آپ کو خطاب کیا گیا جس طرح معمول تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ اس نے یہ بات کی ہے اسی وجہ سے استثناء کی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعلیم دی اسی پر عمل کیا جب ارشاد فرمایا: وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۚ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الکہف)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایسے امر میں استثناء کی جو معلوم ہے تاکہ مخلوق اس چیز میں استثناء کرے جس کا وہ علم نہیں رکھتے؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء امینین سے ہے یہ کلام بندوں کے خطاب کی طرف لوٹے گی جس طرح معمول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنْ شَاءَ اللَّهُ کا معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہیں داخل ہونے کا حکم دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ تجھے سہولت دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان شاء اللہ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے۔ ابو عبید نے کہا: ان یہ اذ کے معنی میں ہے (2) یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: آمِنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذُرُوا صَافِقِينَ مِنَ الزَّبَّانِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (البقرة) یہ بھی اذ کنتم کے معنی میں ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ اذ زمانہ ماضی اور اذ زمانہ مستقبل میں فعل کو خاص کرنے کے لیے آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے مسجد حرام میں داخل ہونے کا وعدہ کیا اور مشیت

کی شرط کے ساتھ اسے متعلق کر دیا یہ حدیبیہ کے سال ہوا آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خبر دی تو صحابہ اس سے بہت خوش ہوئے پھر یہ اس سال سے مؤخر ہو گیا جس میں انہوں نے طمع کی تو اس نے انہیں دکھ دیا یہ معاملہ ان پر شدید ہوا رسول اللہ ﷺ نے قریش سے صلح کی اور واپس لوٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنے والے سال میں اجازت دی تو یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ التَّوْبَةَ بِالْحَقِّ خواب میں آپ کو کہا گیا تھا: لَتَذْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آپ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا تھا قرآن حکیم میں اس کی حکایت بیان کی گئی ہے یہاں کوئی شک وغیرہ کا معاملہ نہیں جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ استثناء شک پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی شک نہیں۔ لَتَذْخُلَنَّ یہ تو تحقیق ہے تو شک کیسے ہو گا ان، اذا کے معنی میں ہے اٰمِنِيْنَ یعنی دشمنوں سے امن میں ہونگے۔

مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ حلق اور قصر سب مردوں کے لیے ہے اسی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر غلبہ دیا۔ حلق کرنا افضل ہے، عورتوں کے لیے صرف بال چھوٹے کرانے کا حکم ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے بال مردہ پر چوڑے پھل والے تیر سے کاٹے تھے۔ یہ عمرہ میں ہوا تھا حج میں نہیں ہوا تھا کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے حج میں حلق کروایا تھا (1)۔

لَا تَخَافُونَ یہ محققین اور مقصرین سے حال ہے تقدیر کلام یوں ہے غیر خائفین۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا یعنی مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں تاخیر میں جو بھلائی اور بہتری ہے تم اسے نہیں جانتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نبی آپ حدیبیہ سے واپس آئے تو خیبر کی طرف چل دیئے اور اسے فتح کر دیا آپ خیبر کے اموال کے ساتھ واپس لوٹے اس سال میں جو قوت اور سامان پہلے تھا اس سے کئی گنا حاصل کیا اور اس سے کئی گنا سامان اور قوت کے ساتھ مکہ کی فتح کے لیے گئے۔ کبھی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (2) کہ ان کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ایک سال تک ہو گا تم اسے نہیں جانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جانتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔

فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ⑤ یعنی نبی کریم ﷺ کی خواب کے علاوہ کی فتح مقرر کر دی: یہ ابن زید اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے: یہ اکثر مفسرین کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دور اسلام میں جو فتوحات نصیب فرمائیں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر ان میں سے کوئی فتح نہیں تھی کیونکہ جب لوگ ملتے ہیں تو باہم جنگ ہوتی ہے (3) جب صلح ہوئی تو جنگ ختم ہو گئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ واپس ملے گفتگو کی کوئی آدمی اسلام کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا جبکہ وہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہو تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے ان دو سالوں میں اسلام میں اتنے افراد داخل ہوئے جتنے اس سے پہلے شامل ہوئے تھے یا اس سے زیادہ داخل ہوئے تھے۔ اس امر پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے حدیبیہ جو چھ ہجری کا سال ہے صحابہ کرام کی تعداد چودہ سو تھی حدیبیہ کے سال کے بعد آٹھ

ہجری کو تعداد دس ہزار تھی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ  
وَكُفِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

”وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور دین حق دے کرتا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور رسول کی صداقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔“

رَسُولُهُ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ یعنی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ دین کے معنی میں مصدر ہے اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رسول کو تمام دین پر غالب کر دے یعنی جو دین مشروع کیا ہے دلیل کے ساتھ اس پر غالب کر دے یعنی ہاتھ اور تلوار، باقی ماندہ کو منسوخ کر دیا۔

وَكُفِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ شہید ا تفسیر کے طور پر منصوب ہے باء زائدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے شہید کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کے حق میں شہادت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو معجزات کے ساتھ واضح کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا اس پر گواہ ہے کیونکہ کفار نے اس امر کا انکار کیا کہ وہ یہ لکھیں یہ وہ چیز ہے جس پر محمد ﷺ نے صلح کی۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ مُرَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ  
رُكْعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ  
السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزُرْءٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ  
فَازْرَأْ فَاسْتَغْظَظَ فُاسْتَوَىٰ عَلَى سُوْقِهِمْ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ وَعَدَ  
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

”(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور (وہ سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور رضا کے ان کے (ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی مرقوم ہیں (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا تنے پر اس کا جو بن خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تاکہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار، اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:



**مسئلہ نمبر 1۔** مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ محمد مبتدا اور رسول اس کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ محمد مبتدا ہے اور رسول اللہ اس کی صفت ہے وَالَّذِينَ مَعَهُ کا عطف مبتدا پر ہے اور اس کی خبر بعد میں ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف نہیں ہوگا پہلی تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صفات آپ کے صحابہ کی صفات سے بڑھ کر ہیں پس لفظ محمد مبتدا رسول اللہ اس کی خبر ہوگی وَالَّذِينَ مَعَهُ دوسرا مبتدا اور شہداء اس کی خبر ہوگی۔ اور رجاء دوسری خبر ہوگی نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ میں ان صفات کا ہونا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل حدیبیہ کفار پر شدید ترین تھے یعنی بہت زیادہ سخت تھے جس طرح شیر اپنے شکار پر سختی کرنے والا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَالَّذِينَ مَعَهُ سے مراد تمام مومن ہیں۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باہم شفقت کرتے ہیں اور باہم محبت کرتے ہیں: حضرت حسن بصری نے أَشَدَّ آءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے، گویا کہا: الذین معہ فی حال شدتہم علی الکفار وتراحمہم بینہم یعنی حضور کے صحابہ کفار پر حالت شدت میں اور آپس میں رحم کرنے کی حالت میں ہیں۔

تَرَبَّعُوا رُكْعًا سَجَدًا ان کے بارے میں یہ خبر دینا ہے کہ وہ بہت زیادہ نماز پڑھتے ہیں یَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ سے جنت اور رضا کے طلب گار ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** سَيِّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ سیما سے مراد علامت ہے اس میں دو لغتیں ہیں یعنی مد اور قصر، یعنی ان پر رات کے وقت بیدار ہونے اور جاگنے کی علامات روشن ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ہے اسماعیل بن طلحہ، ثابت بن موسیٰ ابویزید سے وہ شریک سے وہ اعمش سے وہ ابوسفیان سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسَنٌ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ (1) جس کی رات کے وقت نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے۔

ابن عربی نے کہا: کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی غلط طریقہ سے حدیث کے معنی کو چھپانے کی کوشش کی اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز مروی نہیں (2)۔ ابن وہب نے امام مالک سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس نشانی سے مراد وہ نشانی ہے جو زمین پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی پر پڑ جاتی ہے؛ سعید بن جبیر نے بھی یہی کہا ہے۔

حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اکیس رمضان کی صبح کو نماز پڑھی جبکہ مسجد کا چھت بارش کی وجہ سے ٹپکا تھا وہ چہرہ نما تھی نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے جبکہ آپ کی پیشانی اور ناک کے بانے پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو قیامت کے روز چہرے پر ہوگی (3)؛ یہ قول سعید

1۔ سنن ابن ماجہ، اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیہا، باب ما جاء فی قیام اللیل، صفحہ 95۔ ایضاً حدیث نمبر 1322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 127

2۔ احکام القرآن ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1719

بن جبیر نے بھی کیا ہے اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: یہ زہری کا قول ہے۔ صحیح میں ہے حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی ہے ”جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے گا کہ اسے جہنم سے نکالے تو وہ فرشتوں کو حکم دے گا جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا اسے جہنم سے نکالو اللہ تعالیٰ جس پر رحم کرنے کا ارادہ کرے گا (1) وہ وہ ہوں گے جو یہ کہتے تھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ فرشتے انہیں سجدہ کے نشان سے پہچان لیں گے، آگ انسان کو کھا جائے گی مگر سجدہ کا اثر باقی رہے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دے گا کہ وہ آگ کا نشان کھا جائے۔“

شہر بن حوشب نے کہا: ان کے چہروں میں سے سجدوں کی جگہیں یوں ہوں گی جس طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ سیلانیا میں ہوگی وہ اچھی تعریف ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے سَمِئَاتُهُمْ فِي دُجُوهِهِمْ کے بارے میں پوچھا کیا اس سے مراد وہ نشان ہے جو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ فرمایا: نہیں بعض اوقات انسان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے کی طرح چیز ہو جاتی ہے جبکہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد خشوع کی وجہ سے ان کے چہروں پر نور ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد وقار اور رونق ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: مراد رات کی عبادت کی وجہ سے چہرے کی زردی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب تو انہیں دیکھے گا جبکہ وہ مریض نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ان کے چہروں میں زخم کا اثر نہیں بلکہ مراد زردی ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: وہ رات کو نماز پڑھتے ہیں جب صبح کرتے ہیں تو اس کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہوتا ہے اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد ہے: ”جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے (2)“ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ذَلِك مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ فَرَأَى نے کہا: اس کی دو وجوہ ہیں: اگر تو چاہے تو کہے: معنی ہے جس طرح ان کے اوصاف قرآن میں ہیں اسی طرح ان کے اوصاف تورات و انجیل میں ہیں تو وقف الْإِنْجِيلِ پر ہوگا اگر تو چاہے تو کہے: کلام کا اختتام مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ پر ہے پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے اور کہے: وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ اس صورت میں وقف التَّوْرَةِ پر ہوگا۔ مجاہد نے کہا: هو مثل واحد (3) یعنی یہ تورات اور انجیل میں ان کی صفت ہے اس صورت میں التَّوْرَةِ پر وقف نہیں ہوگا۔ وقف الْإِنْجِيلِ پر ہوگا اور پھر کلام نئے سرے سے شروع کرے گا۔ گَزْنَةُ أَخْرَجَ شَطْئًا معنی ہوگا: وہم کذرع، شَطْئًا سے مراد اولاد ہے: یہ ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایک پردا ہے جب اس کے بعد کوئی چیز نکلے تو یہ اس کے لیے کہیں گے: فقد شطأ۔ اخفش نے أَخْرَجَ شَطْئًا کے بارے میں کہا: یعنی وہ اپنی طرف نکالتا ہے، ثعلبی نے اسے کسائی سے روایت نقل کیا ہے۔ فراء نے کہا: اشطأه الزرع فهو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم، جلد 2، صفحہ 1106

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیہا، ما جاء فی قیام الدلیل، صفحہ 95

3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 259

مشطی۔ جب وہ نکلے۔

شاعر نے کہا:

أخرج الشيطان وجه الثرى ومن الأشجار أفتان الشر

اس نے روئے زمین پر کوئیل نکالی اور درختوں سے مختلف قسم کے پھل حاصل ہوتے ہیں۔

زجاج نے کہا: أَخْرَجَ شَطَطُهُ یعنی اس نے نباتات کو نکالا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شَطَطُهُ سے مراد بالی کا کاٹا ہے عرب اسے سنا بھی کہتے ہیں یہ بھی ہے (ایک جڑی بوٹی سبز ہوتی اس سے بھیڑ بکریوں کو شدید درد ہو جاتا ہے)؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بالی ہے ایک دانہ سے دس، نو اور آٹھ بالیاں نکلتی ہیں؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر اور ابن ذکوان نے شطاہ طاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ حضرت انس، نصر بن عاصم اور ابن وثاب نے شطاہ پڑھا ہے جس طرح عصا ہوتا ہے۔ محمد بن ابی اسحاق نے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ سب لغتیں ہیں۔

یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی بیان فرمائی ہے یعنی وہ تھوڑے ہو گئے پھر زیادہ ہو گئے اور پھر کثیر ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم ﷺ نے دین کی دعوت کا آغاز کیا تو آپ کمزور تھے ایک کے بعد ایک نے دعوت کو قبول کیا یہاں تک کہ آپ کا معاملہ قوی ہو گیا جس طرح ایک دانہ ہوتا ہے پہلے وہ کمزور ظاہر ہوتا ہے پھر ایک حال کے بعد دوسرے حال میں قوی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پودا اور شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ترین اور قوی ترین مثال ہے۔ قتادہ نے کہا: حضور ﷺ کے صحابہ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم سے ظاہر ہو گئے جو کھیتی باڑی کریں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے (1)۔

فَازَرَهُ اَسَ قَوًى كَمَا يَاسُ كى مدد کی اور اسے مضبوط کیا یعنی اس کو پیل نے کھیتی کو مضبوط کیا۔ ایک قول اس کے برعکس ہے۔ یعنی کھیتی نے کوئیل کو مضبوط کیا۔ عام قراءت فَازَرَهُ اَسَ ہے یعنی مدد کے ساتھ ہے۔ ابن ذکوان، ابو حیوہ اور حمید بن قیس نے فازرہ قصر کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح فَعَلَهُ ہے معروف مدہی ہے؛ امراء القیس نے کہا:

بَسْخِنِيَّةٌ قَدْ آذَرَ الضَّالَّ نَبْتُهَا مَجَزَّ جَبُوشَ غَانَمِينَ وَخَيْبَ (2)

محل استدلال قد آذرا ہے۔

فَاسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِمْ سَوْقٍ سے مراد عدد (لکڑی) ہے جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے پس وہی اس کے لیے پندلی ہے۔ سَوْقٍ یہ سیاق کی جمع ہے يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یہ کھیتی کا شکاروں کو خوش کرتی ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کھیتی سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور شطاہ سے مراد صحابہ کرام ہیں وہ تھوڑے تھے پھر زیادہ ہو گئے، کمزور تھے قوی ہو گئے؛ یہ سخاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ لِيَخْفِظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ لام حرف جار مخذوف کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے فعل

انہذا الحمد صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ لیغیظ بہم الکفار۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن ہیں جن کے اعمال صالح ہیں مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ⑥ یعنی ایسا ثواب جو ختم نہ ہوگا وہ جنت ہے منہم میں من بعضیہ نہیں یعنی بعض صحابہ کو بعض سے خاص کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ عام ہے یعنی بیانیہ ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج: 30) اس میں تبعیض کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ یہ جنس کو بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اس ناپاکی سے بچو جو اوثان کی جنس سے ہے کیونکہ ناپاکی کئی اجناس سے واقع ہو سکتی ہے ان میں زنا، سود، شراب نوشی اور جھوٹ ہے من داخل کیا گیا ہے جو جنس کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح منہم ہے یعنی اس جنس سے یعنی صحابہ کی جنس سے، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: أَنْفَقَ نَفَقَتِكَ مِنَ الدَّرَاهِمِ یعنی اپنا خرچہ اس جنس سے بنادے۔ حضور ﷺ کے صحابہ کو مغفرت کے وعدہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مقصد ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔ آیت میں ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ ہے کہ مِنْ کلام کی تاکید کے لیے ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے یہ بھی عربی کے قول کے قائم مقام ہے قطعت من الثوب قمیصا مراد ہے تمام کپڑے کو قمیص بنادیا۔ من یہاں بعضیت کو ثابت کرنے کے لیے ہے قرآن میں سے اس کا شاہد وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ (الاسراء: 82) ہے۔

اس کا معنی ہم قرآن کو شفا دینے کے لیے نازل کرتے ہیں اس کا ہر حرف شفا دیتا ہے شفاء اس میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں۔ لغویوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو من کو جنسیہ کہتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی منزل الشفاء من جنس القرآن ومن جهة القرآن ومن ناحية القرآن زہیر نے کہا:

أَمِنْ أَقْدَافِي دِمْنَةً لَمْ تَكَلَّمْ كَمَا تَوَامِدُنِي دَمْنٌ سَ بَاتَ نَهَيْسَ كَرَّيْ كَا۔ یہاں بھی من جنسیہ ہے ایک اور شاعر نے کہا:

أَخُو رَغَائِبٍ يَعْطِيهَا وَيَسْأَلُهَا يَأْتِي الظَّلَامَةَ مِنْهُ التَّوْفَلُ الزُّفَرُ

اس شعر میں بھی من کسی چیز کی تقسیم کو بیان نہیں کرتا کیونکہ مقصود یاں الظلامۃ ہے کیونکہ وہ نفل زفر ہے۔ نفل سے مراد کثیر عطیہ ہے، زفر سے مراد لوگوں کی جانب سے بوجھ اور مشقت اٹھانے والا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** ابوعردہ زبیری حضرت زبیر کے بیٹے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی شان میں تنقیص کیا کرتا تھا امام مالک نے اس آیت کو پڑھا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ نَجَارٌ مِمَّنْ أَخْرَجَ سَطْرَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَخِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ امام مالک نے کہا: لوگوں میں سے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بغض ہو تو وہ اس آیت کا مصداق ہوگا (1)؛ خطیب



ابو بکر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے بہت اچھی بات کی اور درست تاویل بیان کی ہے جس آدمی نے ان صحابہ میں سے کسی ایک کی شان میں تنقیص کی یا اپنی روایت میں کسی ایک پر بھی طعن کیا تو اس نے اللہ رب العالمین کا رد کیا اور مسلمانوں کے شرعی احکام کو باطل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ** اس کے علاوہ دوسری آیات ہیں جو ان کی تعریف کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور ان کے صدق اور فلاح کی شہادت کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يَرَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: 23)** ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحشر)** ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجْزَوْنَ مِنْهَا جِزَاءً لِيَوْمِهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر)**۔ یہ سب کچھ اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے حال اور مال کو جانتا تھا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ (1) لوگوں میں سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا لَمْ يَدْرِكْ مِثْلَ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ (2) تم میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کے صدقہ کے ایک مد (ایک پیمانہ) اور اس کے نصف مد تک نہیں پہنچتا۔ دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں **فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مَا فِي الْأَرْضِ لَمْ يَدْرِكْ مِثْلَ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ** ہے۔ اگر تم میں سے کوئی زمین میں جو کچھ ہے اس کے برابر خرچ کرے تو وہ ان کے صدقہ کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہیں پہنچتا۔

ابو عبید نے کہا: اس کا معنی ان کے ایک مد تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ان کے نصف مد تک پہنچتا ہے۔ نصیف سے یہاں نصف مراد ہے اسی طرح عشر کو عشر، خمس کو خمس، تسع کو تسع، ثمن کو ثمن، سدس کو سدس، ربع کو ربع کہتے ہیں، عرب ٹکٹ کو ثلاث نہیں کہتے۔

مسند بزار میں حضرت جابر سے ایک صحیح مرفوع حدیث مروی ہے: **إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ وَالرَّسُلِينَ وَاخْتَارَ لِي مِنْ أَصْحَابِي أَرْبَعَةً يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ فَجَعَلَهُمْ أَصْحَابِي (3)**۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار کو چنا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم۔ فرمایا: فی اصحابی کلہم خیر میرے تمام صحابہ میں بھلائی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، فضائل اصحاب النبی ﷺ، جلد 1، صفحہ 515

2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، قول النبی ﷺ: **سَدُّوا أَلْوَابَ الْإِبْرَاهِيمَ**، جلد 1، صفحہ 518

3۔ کنز العمال، جلد 13، حدیث نمبر 36708

عوم بن ساعدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا، میرے لیے میرے صحابہ کو منتخب کیا ان میں سے میرے لیے وزراء، داماد اور سسرال بنائے، جو ان کو گالیوں دے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی فدیہ قبول کرے گا“ (1)۔

اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں، ان صحابہ میں سے کسی کے بارے میں نازیبا بات کرنے سے بچو جس طرح ان لوگوں نے کیا جنہوں نے دین میں طعن کیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ معوذتین ”سورہ فلق اور سورہ ناس“ قرآن میں سے نہیں ان دونوں سورتوں کے قرآن حکیم میں سے ہونے کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مگر عقبہ بن عامر کی ایک روایت ہے اور عقبہ بن عامر ضعیف (2) ہے کسی اور نے اس مسئلہ میں ان کی موافقت نہیں کی پس اس کی روایت چھوڑ دی جائیگی کتاب وسنت میں سے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے یہ اس قول کا رد ہے اور دین کی جو باتیں صحابہ نے نقل کی ہیں اس کا ابطال ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر ان لوگوں میں سے ہیں جن سے ہمارے لیے شرعی احکام نقل کیے گئے ہیں ان سے مروی روایات بخاری، مسلم اور دوسری احادیث میں ہیں یہ بھی ان میں سے ہوئی جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح بیان کی ان کی صفت کا ذکر کیا ان کی تعریف کی ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا ذکر کیا۔ جو آدمی آپ کی یا صحابہ میں سے کسی ایک کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے تو وہ شریعت سے خارج ہے، قرآن کا ابطال کرنے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ہے ان میں سے۔ کسی ایک کی یہ نسبت کرنا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو گالی دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عار اور عیب نہیں جس نے صحابہ کو گالیاں دیں رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت کی ان میں سے بہت سے جھوٹے مرتبہ والے کو جھٹلاتا (جبکہ ان میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں) اللہ تعالیٰ کی لعنت میں داخل ہے جس کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ہر اس فرد پر اس کو لازم کیا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو گالی دی یا اس پر طعن کیا۔

عمر بن حبیب سے مروی ہے کہ میں ہارون رشید کی مجلس میں تھا کہ ایک بحث چھڑ گئی جس میں حاضرین نے جھگڑا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں ان میں سے ایک نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے ان میں سے بعض نے ایک حدیث کو مرفوع ذکر کیا باہم نزاع اور جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اس حدیث کو قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو مروی روایات ہیں ان میں ان پر تہمت لگائی جاتی ہے اور انہوں نے آپ کے جھوٹ کی تصریح کی۔ میں نے ہارون رشید کو دیکھا کہ اس نے ان کی طرف داری کی اور ان کے قول کی مدد کی، میں نے کہا: حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرنے میں صحیح ہیں اور جو وہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اس میں صحیح ہیں۔ رشید نے مجھے

1۔ کنز العمال، جلد 11، حدیث نمبر 32466

2۔ اس امر کو واضح کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحابہ پر طعن کرتے ہیں وہی لوگ معوذتین کے قرآن کا جز ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہی لوگ حضرت عقبہ بن عامر کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت عقبہ بن عامر سے بے شمار روایات مروی ہیں۔ مترجم۔

غضبناک نظروں سے دیکھا میں مجلس سے اٹھا اور اپنے گھر چلا آیا کچھ وقت نہ گذرا تھا کہ ڈاکیا دروازے پر آیا وہ داخل ہوا اور مجھے کہا: مقتول کی حیثیت سے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرو خوشبو اور کفن کا انتظام کر لیجئے۔ میں نے کہا: اے میرے اللہ! تو جانتا ہے میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے اور اس بارے میں تیرے نبی کی تعظیم کی ہے کہ آپ کے صحابہ پر طعن کیا جائے، مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں ہارون رشید کے پاس گیا وہ سونے سے بنی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس کے سامنے چمڑے کی چٹائی پڑی ہوئی تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا: اے عمر بن حبیب! میری بات کا ایسا جواب مجھے کسی نے نہیں دیا جیسا جواب تو نے مجھے دیا ہے۔ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! جو کچھ آپ نے کہا اور جو جھگڑا کیا اس میں رسول اللہ ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور جو پیغام حق آپ لائے ہیں اس کی توہین کا پہلو نکلتا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جھوٹے ہیں تو شریعت باطل ہے روزوں، نماز، طلاق، نکاح اور حدود میں تمام احکام مردود غیر مقبول ہوں گے۔ اس نے اپنی طرف توجہ کی پھر کہا: اے عمر بن حبیب! تو نے مجھے نئی زندگی دی اللہ تعالیٰ تجھے زندگی عطا کرے اور مجھے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں: صحابہ سب کے سب عادل ہیں اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں انبیاء کرام اور رسل کے بعد وہ اس کی بہترین مخلوق ہیں؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس امت کے ائمہ کی جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے یہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کہ صحابہ کا حال دوسروں کے حال کی طرح ہے اس وجہ سے ان کی عدالت کے بارے میں بحث ضروری ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ان کے احوال کے درمیان بداءۃ الامر کے حوالے سے فرق کرتے ہیں کہا: پہلے پہل وہ عادل تھے پھر ان کے احوال بدل گئے ان میں جنگیں اور خون خرابہ ہوا اس لیے بحث ضروری ہے۔ ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صحابہ کرام میں سے بہترین اور جلیل القدر ہستیاں جیسے حضرت علی شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جو ان ہستیوں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی، ان کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا انہیں راضی کیا اور اس ارشاد کے ساتھ ان کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا: مَغْفِرَةً وَ أَجْرًا عَظِيمًا خصوصاً دس عشرہ مبشرہ جن کی جنت کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی وہ سردار ہیں جبکہ ان کے بارے میں کثیر آزمائشیں اور امتحانات آتے رہے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے بعد ہوا جس کی خبر نبی کریم ﷺ انہیں دے گئے تھے ایسے امور ان کے مرتبہ اور فضیلت کو ساقط کرنے والے نہیں کیونکہ یہ امور اجتہاد پر مبنی ہیں ہر مجتہد ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سورہ حجرات میں اس موضوع پر گفتگو ہوگی انشاء اللہ۔







اور معنی مفہوم کے لیے مطلوب ہے وہ فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس سے دو سال کا صدقہ جلدی لیا جب ایسی روایات آئی ہیں کہ صدقہ فطر کو عید الفطر سے پہلے جمع کیا جاتا تا کہ عید الفطر کے روز مستحق لوگوں کو وہ چیز دے دی جائے تو یہ امر سال یا دو سال پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی کے جواز کو ثابت کرتا ہے اگر سال کا اختتام نہ ہوا اور نصاب اپنی حالت پر تھا تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہو گئی اگر سال کا اختتام ہوا جبکہ نصاب تبدیل ہو چکا تھا تو واضح ہو گیا ہے کہ وہ نفلی صدقہ ہے۔

اشہب نے کہا: سال مکمل ہونے سے ایک گھڑی بھی پہلے دینا جائز نہیں (۱) جس طرح نماز ہے گویا عبادت میں اس قاعدہ کو عام رکھا ہے ان کی رائے ہے کہ یہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ہے تو نظام اور حسن ترتیب میں اس کا پورا حق ادا کیا۔ باقی ہمارے علماء کی رائے ہے کہ تھوڑی سی تقدیم جائز ہے کیونکہ اتنی چیز معاف ہے مگر کثیر معاف نہیں۔ اشہب نے جو بات کہی وہ زیادہ واضح ہے کیونکہ تھوڑی چیز کا زیادہ سے الگ کرنا اصول شریعت میں صحیح ہے لیکن چند مقاصد جو تھوڑی چیز کے ساتھ خاص ہوں زیادہ کے ساتھ خاص نہ ہوں مگر ہمارے مسئلہ میں دن مہینہ کی طرح ہے مہینہ سال کی طرح ہے یا کئی تقدیم درست ہوگی جس طرح امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے کہا، جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو وہ اپنے اوقات پر ہی ادا کی جائے گی جس طرح اشہب نے کہا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ کے اقوال کے تعرض کو ترک کرنے میں یہ اصل ہے آپ کی اتباع اور آپ کی اقتدا کے وجوب میں بھی اصل ہے نبی کریم ﷺ نے اپنی بیماری میں ارشاد فرمایا: مردوا أبابکر فليصل بالناس (۲) ابوبکر صدیق کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیہا نے حضرت حفصہ سے کہا: آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرو بے شک ابوبکر صدیق جلد رونے والے ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، حضرت عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم یوسف والیاں ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے“ تو صواب یوسف کا معنی ہے وہ فتنہ جو جائز کو ناجائز کی طرف لوٹانے سے پیدا ہوتا ہے (۳)۔ قیاس کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے یہ ان کی جانب سے باطل ہے کیونکہ جس امر پر دلیل قائم ہو تو اس کے بجالانے میں اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنا نہیں۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ يَعْنِي اس آگے بڑھنے سے بچو جس سے منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو جاننے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ①

”اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام الخ، جلد 1، صفحہ 178

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1713

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1714

کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا: اقرع بن حابس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اسے اس کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اسے عامل نہ بنائیں دونوں صحابہ نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں گفتگو کی یہاں تک کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تو نے محض میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد جب حضرت عمر نبی کریم ﷺ کے پاس بات کرتے تو ان کی گفتگو سنی نہ جاسکتی یہاں تک کہ ان سے سوال کیا جاتا۔ حضرت ابن زبیر نے اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ بعض علماء نے اسے حضرت ابن ابی ملیکہ سے مرسل نقل کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: وہ امام بخاری ہیں، کہا: یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (2) دو بہترین آدمی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے ان دونوں کی آوازیں اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس بلند ہو گئیں جب بنو تمیم کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس جو بنی مجاشع سے تعلق رکھتا تھا کا مشورہ دیا دوسرے نے ایک اور کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا: مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر سے کہا: تو نے محض میرے ساتھ مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، اس بارے میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر اپنی آواز رسول اللہ ﷺ کو نہیں سناتے تھے یہاں تک کہ ان سے پوچھا جاتا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر نہیں کیا۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب میری، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ کی آواز بلند ہو گئی ہم حضرت حمزہ کی بیٹی کے بارے میں جھگڑے تھے جب زید اسے مکہ مکرمہ سے لائے تھے رسول اللہ ﷺ نے جعفر کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا کیونکہ اس بچی کی خالہ ان کے عقد میں تھی۔ یہ حدیث آل عمران میں گزر چکی ہے۔

صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے پوچھا ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کے بارے میں خبر لاتا ہوں، وہ حضرت ثابت کے پاس آئے

انہیں اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے پایا پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ جواب دیا: بہت برا حال ہے۔ اس کی آواز نبی کریم ﷺ پر بلند ہو جاتی تھی اس کے عمل رایگاں گئے جبکہ وہ جہنمی ہو چکا ہے، وہ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کچھ بتایا تو موسیٰ جو اس سند کے راوی ہیں نے کہا: وہ آدمی ان کی طرف ایک عظیم بشارت لے کر گیا فرمایا: ”اس کے پاس جاؤ اس کو کہو تو جہنمی نہیں تو تو جنتی ہے (1)“ یہ بخاری کے الفاظ ہیں یہ ثابت ثابت بن قیس بن شماس خزرجی ہے جن کی کنیت ابو محمد تھی یہ کنیت ان کے بیٹے محمد کی وجہ سے تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ابو عبد الرحمن ہے یوم حرہ کو انہیں شہید کیا گیا اس کے تین بیٹے تھے محمد، یحییٰ، عبد اللہ۔ وہ بہت اچھے خطیب اور بلیغ تھے وہ اسی وجہ سے معروف تھے انہیں رسول اللہ ﷺ کا خطیب کہا جاتا جس طرح حضرت حسان کو رسول اللہ ﷺ کا شاعر کہا جاتا جب بنو تمیم کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور منہاخرہ کو طلب کیا ان کا خطیب کھڑا ہوا اور اظہار فخر کیا پھر ثابت بن قیس کھڑے ہوئے ایک عظیم و بلیغ خطبہ دیا اور ان پر غالب آ گئے ان کا شاعر کھڑا ہوا وہ اقرع بن حابس تھا اس نے یہ شعر پڑھے:

أَتَيْنَاكَ كَيْفَا يَعْرِفُ النَّاسُ إِذَا خَالَفُونَا عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ  
ہم آپ کے پاس آئے جس طرح لوگ جانتے ہیں جب لوگ مکارم کے ذکر کے وقت ہماری مخالفت کریں  
وَإِنَّا رُؤُسُ النَّاسِ مِنْ كُلِّ مَعْشَرٍ وَأَنْ لَيْسَ فِي أَرْضِ الْحِجَازِ كِدَارِمِ  
ہم ہر قبیلہ کے لوگوں کے سردار ہیں جبکہ حجاز کی زمین میں دارم جیسا کوئی نہیں۔  
وَإِنْ لَنَا الْبِزْيَاعُ فِي كُلِّ غَارَةٍ تَكُونُ بِنَجْدٍ أَوْ بِأَرْضِ التَّهَائِمِ  
ہمارے لیے ہر جنگ کے مال میں چوتھا حصہ ہوتا ہے وہ جنگ نجد میں ہو یا تہامہ کے علاقہ میں ہو۔  
حضرت حسان نے کہا:

بَنِي دَارِمٍ لَا تَفْخَرُوا إِنْ فَخَرُكُمُ يَعُودُ وَبَالًا عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ  
فَبَلِّغْتُمْ عَلَيْنَا تَفْخَهُونَ وَأَنْتُمْ لَنَا خَوْلٌ مِنْ بَيْنِ ظَنَرٍ وَخَادِمِ  
”اے بنی دارم! تم فخر نہ کرو بے شک تمہارا فخر مکارم کے ذکر کے وقت وبال بن جائے گا۔ تم ہلاک ہو! تم ہم پر فخر کرتے ہوں جبکہ تم ہمارے خادم ہو یا دایا اور خادم کے درمیان“۔ انہوں نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اچھا ہے، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا شاعر ہے ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔  
عطا خراسانی نے کہا: مجھے ثابت بن قیس کی بیٹی نے بتایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کا والد اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنا دروازہ بند کر لیا نبی کریم ﷺ نے اسے نہ پایا تو اسے بلا بھیجا تا کہ پوچھیں کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی: میری آواز سخت ہے مجھے ڈر ہے کہ میرا عمل ضائع ہی نہ ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو ان لوگوں میں سے نہیں تو



بھلائی کے ساتھ جئے گا اور بھلائی کے ساتھ مرے گا (1)“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت: **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا** (النساء) کو نازل فرمایا، انہوں نے اپنے دروازے کو بند کر لیا اور رونے لگے نبی کریم ﷺ نے نہ پایا تو بلا بھیجا اور خبر دی عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ میں جمال کو پسند کرتا ہوں اور میں اپنی قوم کا سردار بننا پسند کرتا ہوں فرمایا: ”تو ان میں سے نہیں بلکہ تو تعریف کی گئی زندگی گزارے گا، شہید کی حیثیت سے قتل ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا (2)“ اس بچی نے کہا: جب یمامہ کی جنگ کا مرحلہ آیا تو مسلمانہ کذاب سے مقابلہ کے لیے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ نکلے جب صحابہ کی ان سے ٹکڑ بھڑ ہوئی تو صحابہ بکھر گئے۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اس طرح تو جنگ نہیں کرتے تھے پھر دونوں نے اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے اس روز حضرت ثابت کے جسم پر عمدہ زرہ تھی مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا اور اسے اتار لیا اسی اثنا میں ایک مسلمان سویا ہوا تھا تو حضرت ثابت اسے خواب میں آئے تو فرمایا: میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں یہ کہنے سے بچنا کہ یہ خواب ہے کہ تو اسے ضائع کر دے میں جب کل شہید ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی میرے پاس سے گذرا اس نے میری زرہ لے لی جبکہ اس کا پڑاؤ لوگوں کے ایک جانب ہے اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا ہے جو لمبی رسی سے باندھا ہوا ہے اس نے زرہ پر تو برہ لٹا کیا ہوا ہے اس تو برہ پر کچا ہوا ہے، حضرت خالد کے پاس جاؤ اسے کہو کہ میری زرہ لینے کے لیے آدمی بھیجے جو زرہ لے آئے جب تو مدینہ طیبہ میں خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق کے پاس پہنچے تو ان سے عرض کرو۔ مجھ پر فلاں فلاں قرض ہے، میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں آزاد ہے وہ آدمی حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو بتایا حضرت خالد بن ولید نے زرہ لینے کے لیے آدمی کو بھیجا جو زرہ لے آیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی وصیت کے بارے میں بات کی تو آپ نے وصیت کو نافذ کر دیا۔ ہم کسی کے بارے میں نہیں جانتے کہ حضرت ثابت کے بعد کسی کی وصیت نافذ کی گئی ہو، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ اسے ابو عمرو نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ یعنی ان سے خطاب نہ کرو۔ اے محمد! اے احمد! بلکہ یوں خطاب کرو: یا نبی اللہ! یا رسول اللہ! مقصود آپ کی عزت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کے پاس بلند کیا کرتے تھے تاکہ کمزور مسلمان بھی ان کی اقتدا کریں تو مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ فِي لَامِنِ کے معنی میں ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے سقط لفيه یہ بھی علی کے معنی میں ہے، سقط علی فیه۔ **كَجَهْرٍ بِعُضْمٍ كَافٍ**، کاف تشبیہ ہے جو محل نصب میں ہے یعنی تم اس طرح آپ سے خطاب نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ انہیں مطلق جہر سے منع نہیں کیا گیا یہاں تک کہ ان کے لیے جائز ہی نہ ہو مگر یہ کہ وہ اشارہ اور مخفی طریقہ سے آپ سے ہم کلام ہوں انہیں مخصوص جہر سے منع کیا گیا ہے جو صفت سے مقید ہو وہ جہر ہے جو اس مماثلت کے ساتھ موصوف ہے جس کے وہ باہم عادی تھے وہ ایسا جہر تھا جس میں نبوت کی قدر و منزلت کا

خیال نہ ہو اور باقی ماندہ مراتب کا انحطاط ہوا اگرچہ نبوت و رسالت تمام سے بڑھ کر مرتبہ ہے۔

﴿أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ اس وجہ سے کہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں، یہ بصریوں کا قول ہے۔  
کوفیوں نے کہا: تاکہ تمہارے اعمال رائیگاں نہ چلے جائیں (1)۔

**مسئلہ نمبر 3۔** آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور توقیر اور حضور ﷺ کی موجودگی اور آپ سے گفتگو کے وقت آواز کو پست رکھنے کا حکم ہے جب آپ بولیں اور تم بولو تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو جہاں تک آپ ﷺ کی آواز پہنچتی ہے اور اپنی آوازوں کو پست رکھو اس طرح کہ آپ کی کلام تمہاری کلاموں پر غالب رہے اور آپ کی بلند آواز کی گفتگو تمہاری بلند آواز کی گفتگو پر غالب ہو یہاں تک کہ آپ کی فضیلت تم پر نمایاں ہو۔ آپ کی سبقت ظاہر ہو اور آپ کا امتیاز تمہاری بلند آواز سے عیاں ہو ایسا نہ ہو کہ تم اپنے شور و غل سے آپ کی آواز کو دبا دو اور اپنے شور و غل سے آپ کی گفتگو پر غالب آ جاؤ۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے لا ترفعوا باصواتکم بعض علماء نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا، بعض علماء کی مجلس میں بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا۔ مقصد ان کی تعظیم ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: نبی کریم ﷺ کے اس جہاں سے پردہ فرمانے کے بعد حرمت ایسے ہی ہے جس طرح ظاہری حیات میں آپ کی حرمت تھی (2) آپ کے وصال کے بعد آپ کا کلام اسی طرح ذی شاں ہے جس طرح اس کی عظمت اس وقت تھی جب آپ کی زبان سے آپ کا کلام سنا جائے جب آپ کا ارشاد پڑھا جا رہا ہو تو کسی کو زیب نہیں کہ وہ اپنی آواز بلند کرے اور نہ ہی اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کلام سے اعراض کرے جس طرح یہ اس وقت لازم تھا جب آپ کی مجلس میں آپ کی زبان سے اسے سنا جائے اللہ تعالیٰ نے مرور زمانہ کے باوجود اس مذکورہ دائمی حرمت پر یوں متنبہ کیا ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (الاعراف: 204) رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی وحی ہے اس میں قرآن کی حکمت کی مثل حکمت ہے مگر چند معانی مستثنیٰ ہیں جن کی وضاحت کتب فقہ میں ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** آواز بلند کرنے اور عامیہ انداز میں گفتگو سے مراد استخفاف اور تحقیر نہیں (3) کیونکہ ایسا امر تو کفر ہے جبکہ مخاطب مومن ہیں بلکہ مقصود محض آواز ہے جو اس کے مناسب نہ ہو جسکے ساتھ عظماء اور بڑے لوگوں کی عزت و توقیر کو پیش نظر رکھا جاتا ہے وہ اس کے پست کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی سطح کی طرف لوٹانے کی سعی کرتا ہے جس سے عزت و توقیر عیاں ہو یہ نبی اس کی آواز کو بلند کرنے کو شامل نہ ہوگی جو صحابہ سے حالت جنگ، معاند سے مجادلہ، دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہوتی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو راحت نہ دیتی ہو حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا جب لوگ غزوہ حنین کے موقع پر تتر بتر ہو گئے تھے: ”لوگوں کو آواز دو“۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بڑی بلند تھی۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ایک روز شب خون مارا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یوں آواز لگائی یا صبا حاہ۔

آپ کی آواز کی سختی کی وجہ سے حاملہ عورتوں نے حمل گرا دیئے اسی بارے میں نابغہ نے کہا:

زَجُرُ أَبِي عُرْوَةَ السَّبَاعِ إِذَا أَشْفَقَ أَنْ يَخْتَلِطَنَ بِالْغَنَمِ (1)

ابو عروہ کا درندوں کو جھڑکنا ہے جب اسے ڈر ہوتا کہ وہ ریوڑ سے خلط ملط ہو جائیں گے۔

راویوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ ریوڑ سے درندوں کو جھڑکتا تھا تو درندہ کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** زجاج نے کہا: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تقدیر کلام یوں ہے لان تحبط اعمالکم یعنی تمہارے اعمال

ضائع چلے جائیں گے لام مقدرہ لام صیروت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ① اس امر کو

ثابت نہیں کرتا کہ انسان کفر کر بیٹھے جبکہ وہ علم نہ رکھتا ہو جس طرح کافر مومن نہیں ہو سکتا مگر اس وقت جب وہ ایمان کو کفر پر ترجیح

دے اسی طرح مومن کافر نہیں ہو سکتا جب تک وہ کفر کا قصد نہ کرے اور بالا جماع اسے پسند نہ کرے اسی طرح کافر کافر نہیں

ہو سکتا کہ وہ جانتا ہی نہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَعْظُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ

لِلتَّقْوَى ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ②

”بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا اللہ نے

ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے، انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَعْظُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ جب وہ آپ ﷺ کی موجودگی پر کسی اور سے بات کرتے ہیں تو

آپ کی تعظیم کی خاطر اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (2): جب یہ آیت نازل ہوئی تو

حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: اللہ کی قسم! میں آواز کو بلند نہیں کروں گا مگر رازداری کرنے والے کی طرح۔ سنیہ نے ذکر

کیا: عباد بن عوام، محمد بن عمرو سے وہ ابوسلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَقْفُوا مَوَابِنَ يَدَيِ

اللَّهِ وَرَسُولِهِ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں آپ

سے کلام نہیں کروں گا مگر جس طرح رازداری کرنے والا کلام کرتا ہے (3)۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی لا

تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ حضرت عمر نے نبی کریم ﷺ سے اس کے بعد کوئی گفتگو نہ کی، آپ نبی کریم ﷺ کا کلام سنتے یہاں

تک کہ جو پست آواز سے گفتگو ہوتی اسکو سمجھنے کے لیے کسی سے سوال کرتے تو یہ آیت إِنَّ الَّذِينَ يَعْظُونَ نازل ہوئی۔ فراء

نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ان کے دلوں کو خالص کر دیا (4)۔ انفس نے کہا: تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ہر قبیح امر سے پاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ

کا خوف اور تقویٰ رکھ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات کو ختم کر دیا۔ امتحان یہ مَحَنُتُ

2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 197

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 327

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 353

3۔ جامع اسباب النزول، صفحہ 323

الْأُدْنِمْ مَخْنَا سے باب افتعال کا مصدر ہے یعنی میں نے چڑے کو وسیع کیا۔ اَمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِتَتَّقُوا کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے وسیع کر دیا، پہلے قول کی بنا پر امتحن قلوبہم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو خالص کر دیا جس طرح تیرا قول ہے اَمْتَحَنَتُ الْفِئْصَةَ۔ میں نے اسے پرکھا یہاں تک کہ میں نے اسے خالص پایا، کلام میں حذف ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے وہ الاخلاص ہے ابو عمرو نے کہا: کل شیء جَهِدْتَهُ فَقَدْ مَحْنَتْهُ۔ ہر وہ جسے تو مشقت میں ڈالے تو نے اسے امتحان میں ڈالا۔ شاعر نے کہا:

أَتَتْ رَذَايَا بَادِيَا كَلَالِهَا قَدْ مَحْنَتْ وَأَضْطَرَبَتْ أَطَالِهَا (1)

کمزور اونٹنیاں آئیں جن کی جھکاؤ نہیں ظاہر تھیں اور ان کی ڈھاکیں مشقت میں تھیں اور مضطرب تھیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ①

”بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں۔“

مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت بنی تمیم کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ان کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مسجد میں داخل ہوئے اور حجرہ کے باہر سے نبی کریم ﷺ کو آواز دی کہ ہمارے پاس باہر آئیں کیونکہ ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے، وہ ستر افراد تھے انہوں نے اپنے بچوں کا فدیہ پیش کیا نبی کریم ﷺ قیلولہ کرنے کے لیے سوئے ہوئے تھے۔

روایت کی گئی ہے کہ جس نے ندا کی تھی وہ اقرع بن حابس تھا اسی نے یہ بات کہی تھی: إِنْ مَدَحِيٌّ ذُنُوبٌ وَإِنْ ذَمِّيٌّ شَيْنٌ میری مدح زینت اور میری مذمت عیب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذاك الله (2) وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت براء بن عازب سے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے روایت کیا ہے: کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: ہمیں اس آدمی کے پاس لے چلو اگر وہ نبی ہو تو ہم اس کی اتباع کریں گے لوگوں میں سے سب سے زیادہ سعادت مند ہو جائیں گے اور اگر وہ بادشاہ ہو تو ہم اس کے پہلو میں رہیں گے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آوازیں دینے لگے جبکہ آپ حجرہ میں موجود تھے: یا محمد! یا محمد! تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو تمیم تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ انہیں تھے قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر، اقرع بن حابس، سوید بن ہاشم، خالد بن مالک، عطاء بن حابس، قعقاع بن معبد، وکیع بن وکیع، عیینہ بن حصن، یہ احمق آدمی تھا اس کی اطاعت کی جاتی تھی یہ سرداروں میں سے تھا جس کے پیچھے دس ہزار نیزے بردار ہوتے تھے اس کا نام حذیفہ تھا اسے عیینہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کی ایک پلک دہری ہوئی تھی عبدالرزاق نے اسی عیینہ کے بارے میں کہا: یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تُطِيعُوا مَنْ أَغْفَلْنَا قُلُوبَهُ عَنْ ذِكْرِنا (الکہف: 28) سورہ اعراف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گذر چکا ہے جو کافی وشافی



ہے؛ بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ روایت بیان کی ہے کہ وہ دوپہر کے وقت حاضر ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے وہ بلائے لگے: یا محمد! یا محمد! ہماری طرف نکلیے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ”یہ بنی تمیم کے سخت دل لوگ ہیں اگر کانے دجال سے سب سے سخت لڑائی کرنے والے نہ ہوتے تو میں ان کی ہلاکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے“ (1)۔ حجرات، حجر کی جمع ہے اور حُجر یہ حُجر کی جمع ہے پس حجرات جمع کی جمع ہے اس میں دو لغتیں ہیں جیم پر ضمہ اور اس پر فتح۔ حجرہ سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جسے ایسی دیوار سے لوگوں کو روک دیا گیا ہو جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ اونٹ کے باڑے کو بھی حجرہ کہتے ہیں یہ فَعْلَہ کا وزن ہے جو مفعولہ کے معنی میں ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع نے پڑھا الحُجرات یعنی جیم مفتوح ہے کیونکہ دونوں پے در پے ضمے ثقیل تھے اسے الحُجرات بھی پڑھا گیا ہے یعنی جیم ساکن ہے تخفیف کے لیے ہے اس کا معنی روکنا ہے جس چیز تک پہنچنے سے تو نے منع کر دیا تو تو نے اس پر حجر کر دیا پھر احتمال موجود ہے کہ منادی کل میں سے بعض ہو اسی وجہ سے فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ یعنی جو آپ کو آواز دیتے ہیں وہ ایسی قوم سے ہیں جن میں سے اکثر پر جہالت غالب ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤

”اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

یعنی اگر وہ آپ ﷺ کے باہر آنے کا انتظار کرتے تو یہ ان کی دنیا کے لیے موزوں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ لوگوں سے حجاب نہ کرتے مگر چند اوقات میں جن میں ضروریات میں مصروف ہوتے ان اوقات میں آپ کو پریشان کرنا سوء ادبی ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو عنبر کے قیدیوں کی سفارش کے لیے آئے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے نصف کو آزاد کر دیا اگر وہ صبر کرتے تو بغیر فدیہ کے آپ سب کو آزاد کر دیتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحُوا عَلَيْهِمْ مَآ فَعَلْتُمْ بِنُفْسِكُمْ ①

”اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی اس کا سبب وہ ہے جسے قتادہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی مطلق کے صدقات وصول کرنے والا بنا کر بھیجا جب بنی مطلق نے اسے دیکھا تو استقبال کے لیے آگے بڑھے تو یہ ان سے خوفزدہ ہو

گیا۔ ایک روایت میں ہے: یہ اس کینہ کی وجہ سے تھا جو ان کے اور بنی مصطلق کے درمیان تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آیا اس نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ”وہ چھان بین کرے حملہ میں جلدی نہ کرے“ حضرت خالد چلے یہاں تک کہ رات کے وقت ان کے پاس پہنچے آپ نے ان کی طرف اپنے جاسوس بھیجے جب جاسوس واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اسلام کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہیں انہوں نے ان کی آذان سنی اور انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جب انہوں نے صبح کی تو حضرت خالد ان کے پاس آئے اور جاسوسوں نے جو کچھ ذکر کیا تھا وہ سب کچھ صحیح پایا حضرت خالد نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور سب کچھ بتایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے: ”آہستہ روی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور تیزی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے“ (1)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے بنی مصطلق کی طرف بھیجا جبکہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے جب انہوں نے اس کے بارے میں سنا تو وہ اس کے استقبال کے لیے سواریوں پر نکلے تو وہ ان سے خوفزدہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آیا اس نے بتایا کہ لوگوں نے اس کے قتل کا پروگرام بنایا ہے اور اپنے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کا ارادہ کیا اسی اثنا میں ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ ہم نے آپ کے قاصد کے بارے میں سنا ہم نکلے تاکہ اس کی تعظیم بجالائیں اور ہمارے ذمہ جو صدقات ہیں وہ اسے ادا کریں تو وہ واپس چلا گیا اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اسے قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں اللہ کی قسم! ہم اس کے لیے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو ولید کو جھوٹا نام دیا گیا۔ ابن زید، مقاتل اور سہیل بن عبد اللہ نے کہا: فاسق سے مراد کذاب ہے۔ ابوالحسن وراق نے کہا: جو اعلانیہ گناہ کرتا ہو۔ ابن طاہر نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کرتا ہو۔ حمزہ اور کسائی نے پڑھا۔ فتشبتوا یہ تشبہ سے مشتق ہے باقی قراء نے فَتَشَبَّهْتُوْا پڑھا ہے جو تبیین سے مشتق ہے ان تصبیوا یہ اصل میں لثلا تصبیوا تھا ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار حذف ہے بِجَهَالَةٍ یعنی خطا کے ساتھ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ مُبْدِئِينَ یعنی جلدی کرنے اور آہستہ روی اختیار نہ کرنے پر تم شرمندہ ہوئے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس آیت میں دلیل ہے کہ جب راوی عادل ہو تو ایک راوی کی خبر قبول ہوگی کیونکہ فاسق کی خبر پر چھان بین کا حکم ہے جس کا فسق ثابت ہو اس کا قول بالا جماع باطل ہوگا کیونکہ خبر امانت ہے اور فسق ایسا قرینہ ہے جو اسے باطل کر دیتا ہے اجماع نے اس میں اسے مستثنیٰ کیا ہے جو دعویٰ اور انکار سے متعلق ہو اور غیر پر حق ثابت کرنا ہو جیسے کوئی کہتا ہے: هذا عہدی اس کا قول قبول کیا جائے گا جب کوئی یہ کہے: فلاں نے یہ امر نافذ کیا ہے کہ تیرے لیے ہدیہ ہے تو اسے قبول کیا جائے گا، اسی طرح اس کی مثل میں کافر کی خبر قبول کی جائے گی جہاں تک کہ اس بات کا تعلق ہے کہ کسی غیر میں کسی نئی چیز کو لازم کیا جائے تو امام شافعی اور دوسرے علماء کی رائے ہے: وہ نکاح میں ولی نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا: وہ ولی

ہوگا کیونکہ اس کا جو کچھ ہے اس کا ولی ہے تو اس کے وضع کا بھی ولی ہوگا جس طرح عادل ہوتا ہے اگرچہ وہ دین کے معاملہ میں فاسق ہے مگر اس کی غیرت وافر ہے اسی کے ساتھ وہ اپنے حرم کی حفاظت کرتا ہے، وہ مال خرچ کرتا ہے اور حرمت کی حفاظت کرتا ہے جب مال کا ولی ہے تو نکاح کا بدرجہ اولی ولی ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن عربی نے کہا: تعجب کی بات یہ ہے (1) کہ امام شافعی اور ان کی مثل لوگ فاسق کی امامت جائز قرار دیتے ہیں جو آدمی مال کے حسب (معمولی مال) پر امانت دار نہیں بنایا جاسکتا وہ دین کے قنطار (بڑا خزانہ) پر امانت دار کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ اس کے لیے ہے کہ آپ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ والی جو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں جب ان کے دین فاسد ہو جائیں اور ان کے پیچھے نماز کا ترک کرنا ممکن نہ ہو اور ان کو ہٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو ان کے ساتھ اور ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی جس طرح عثمان نے کہا: لوگ جو عمل کرتے ہیں نماز ان میں سے بہترین ہے جب وہ اچھا عمل کریں تو تو بھی اچھا عمل کر اور جب وہ برا عمل کرتے ہیں ان کی برائی سے اجتناب کر۔ پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جب کوئی آدمی ان کے ساتھ پاک صاف ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کا اعادہ کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اسے اپنی نماز بنا لیتے ہیں نماز کے اعادہ کے وجوب کے بارے میں کہتا ہوں: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ ائمہ میں سے جس سے وہ راضی نہ ہو اس کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترک کر دے بلکہ وہ خاموشی سے نماز کا اعادہ کرے کسی اور کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** جہاں تک اس کے احکام کا تعلق ہے اگر وہ والی ہو تو اس کے وہ احکام جو حق کے موافق ہوں تو وہ نافذ ہو جائیں گے اور جو اس کے مخالف ہوں گے ان کو رد کر دیا جائے گا جو اس نے اسی وقت نافذ کر دیا ہو تو اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اس قول کے علاوہ جو روایت بیان کی جاتی ہو یا قول جس کی حکایت بیان کی جاتی ہو کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ کلام بہت زیادہ ہے اور حق ظاہر ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا کسی غیر کا قاصد ہونا کہ وہ کسی قول کو پہنچائے یا کسی شے کو پہنچائے یا اسے آگاہ کرے جب وہ بھیجنے والے اور جس کی طرف بھیجا گیا ہے اس کے حق سے باہر نہ رکھے اگر اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق ہو تو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا (2)۔ یہ اس ضرورت کی وجہ سے جائز ہے جو اس کا سبب بنتی ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان صرف عادل آدمی ہی ان امور کو سرانجام دیں تو کوئی امر حاصل ہی نہ ہو سکے کیونکہ وہ اس وصف سے خالی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 6۔** اس میں اس آدمی کے قول کا فاسد ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمان عادل ہیں یہاں تک کہ ان کا جرم ثابت ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے سے قبل چھان بین کا حکم دیا ہے، حکم کے نافذ کرنے کے بعد چھان بین کرنے کا کوئی مطلب نہیں اگر حاکم چھان بین سے پہلے فیصلہ کر دے تو اس نے محکوم علیہ پر جہالت کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** اگر وہ ظن غالب کی بنا پر فیصلہ کرے تو یہ جہالت پر عمل نہ ہوگا جس طرح دو عادل گواہوں کی بنا پر فیصلہ

کیا جاتا ہے اور مجتہد کے قول کو قبول کیا جاتا ہے جہالت پر عمل اس وقت ہوگا جب اس آدمی کا قول قبول کیا جائے جب اس کا قول قبول کرنے سے ظن غالب حاصل نہ ہو۔

اس مسئلہ کو قشیری نے اور اس سے قبل کے مسئلہ کو مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۚ فَضَلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ①

”خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں، اور اگر مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے کفر، فسق اور نافرمانی کو، یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں (یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے اور سب کچھ جاننے والا بڑا دانائے۔“

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے تو تم اس کو نہ جھٹلاؤ اللہ تعالیٰ اسے تمہاری خبریں بتا دے گا کہ تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ اگر معاملہ ظاہر ہونے سے پہلے اس امر کی طرف جلدی کرے جس کا تم ارادہ کرو تو تمہارے لیے اس میں مشقت اور گناہ ہوگا کیونکہ اگر آپ اس قوم کو قتل کریں جس کی چغلی ولید بن عقبہ نے کھائی ہے تو وہ خطا ہوگی اور جو آدمی باہمی دشمنی کی وجہ سے انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ گناہگار ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ آپ ان کی وہ بات مان لیں جو وہ لوگوں کے بارے میں آپ کو پہنچاتے ہیں یا ان سے سنتے ہیں عنت کا معنی گناہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: عنت الرجل آدمی نے گناہ کیا عنت کا معنی فجور اور زنا بھی ہے جس طرح سورہ نساء میں ہے۔ عنت کا معنی مشکل امر میں جا پڑنا ہے۔ سورہ براءۃ میں عنتم کے ضمن میں اس بارے میں زیادہ گفتگو گزر چکی ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ یہ مخلص مومنوں کو خطاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جھوٹ نہیں بولتے اور باطل خبریں نہیں دیتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کا پسندیدہ ترین امر بنا دیا ہے۔

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اسے پسند کیا۔ اس آیت میں قدریہ اور امامیہ وغیرہ کا رد ہے جس طرح پہلے کئی دفعہ گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات کی ذاتوں، ان کے افعال، صفات، زبانوں اور رنگوں کی تخلیق میں منفرد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس (فسوق) سے مراد خاص طور پر جھوٹ ہے (1)، یہ ابن زید کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہر وہ عمل ہے جس میں اطاعت کا پہلو نہ ہو یہ فسقت



الرطوبة سے مشتق ہے جو اپنے چھلکے سے باہر آجائے اور چوہیا بل سے باہر آجائے۔ سورہ بقرہ میں اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ عصیان یہ معاصی کی جمع ہے پھر کلام خطاب سے خبر کی طرف منتقل ہو گیا فرمایا: أُولَٰئِكَ يَعْنِيٰ وَه لُوكُ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اللہ تعالیٰ نے ان میں ایمان کی محبت رکھ دی اور کفر کو ان کے لیے ناپسندیدہ بنایا یعنی اسے ان کے ہاں قبیح بنا دیا۔ هُمُ الرُّشْدُونَ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَمَا آتَيْنٰكُمْ مِنْ ذِكْوٰۤى تُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿٥٠﴾ (الروم)

تابعہ نے کہا:

يا دَارِمِيَّةٌ بِالْعَلِيَّاءِ فَالْتَسَدِ اَقْوَت و طال عليها سالف اللامد  
الرشد سے مراد سختی کے ساتھ حق کے راستہ پر استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے یہ رشاد سے مشتق ہے جس کا معنی چٹان ہے۔  
ابو دازع نے کہا: ہر چٹان رشاد ہے شاعر نے اس سے چٹان مراد لی ہے۔

وغير مقلد وموشات صليين الضوء من صنع الرشاد (1)  
فَصَلَّاهُ مِنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةٌ لِّعَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى نے یہ تمہارے ساتھ فضل و احسان کے طور پر کیا ہے مراد فضل و نعمت ہے یہ آپ کے لیے کر دیا گیا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ جو تمہارے حق میں بہتر ہے اسے جانتا ہے اور تمہاری تدبیر کے بارے میں حکمت والا ہے۔

وَ اِنْ طَاٰ فِتْنٰنٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَاؕ فَاِنْ بَعَثَ اِحْدُهُمَا عَلٰى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّذِيْنَ تَبَغٰى حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِؕ فَاِنْ فَاَعَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٥٢﴾

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے گروہ پر تو پھر سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرادو ان کے درمیان عدل و انصاف سے اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔“

اس میں دس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَ اِنْ طَاٰ فِتْنٰنٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا معتمر بن سلیمان، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں (2) انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کاش آپ عبد اللہ بن ابی کے ہاں جاتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے آپ گدھے پر سوار ہوئے اور مسلمان ساتھ چل رہے تھے یہ

شوریدہ زمین تھی جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے تو اس نے کہا: مجھ سے دور ہی رہیے اللہ کی قسم! آپ کے گدھے کی بو مجھے اذیت دیتی ہے تو ایک انصاری نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔ عبد اللہ کے لیے اس کی قوم کا ایک فرد غصے میں آ گیا ہر ایک کے لیے اس کے ساتھی غصے میں آ گئے ان کے درمیان شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: اوس اور خزرج کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: انصار کے دو قبیلے ڈنڈوں اور جوتوں سے باہم لڑے تو یہ آیت نازل ہوئی اس کی مثل سعید بن جبیر سے روایت مروی ہے کہ اوس و خزرج کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لڑائی ہوئی جو کھجور کی شاخوں، جوتوں وغیرہ کے ساتھ ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

قنادہ نے کہا: یہ انصار کے دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ان دونوں کا کسی حق کے بارے میں باہم جھگڑا تھا (1) ان میں سے ایک نے کہا: میں اپنا حق سختی سے لوں گا کیونکہ اس کے خاندان کے افراد زیادہ تھے دوسرے نے اسے دعوت دی کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں مسئلہ پیش کرتے ہیں تو پہلے ساتھی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا معاملہ ان کے درمیان ہی رہا یہاں تک کہ وہ لڑ پڑے اور ان میں سے بعض نے بعض کو ہاتھوں، جوتوں اور تلواروں سے مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا: یہ سمیر اور حاطب کی لڑائی کے بارے میں آیت نازل ہوئی، سمیر نے حاطب کو قتل کیا تھا تو اوس اور خزرج آپس میں لڑ پڑے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم اور مومنوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ دونوں کے درمیان صلح کرائیں (2)۔ سدی نے کہا: انصار کی ایک عورت تھی جسے ام زید رضی اللہ عنہا نے کہا جاتا وہ ایک غیر انصاری کے عقد میں تھی وہ اپنے خاوند سے الجھی اس عورت نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے افراد کے پاس چلی جائے اس کے خاوند نے اسے محبوس کر دیا اسے دوسری منزل میں رکھا جس میں اس کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا عورت نے اپنی قوم کے افراد کو پیغام بھیجا اس کی قوم کے لوگ آئے انہوں نے اسے نیچے اتار دیا کہ اسے لے جائیں۔ وہ آدمی نکلا اس نے اپنے خاندان کے لوگوں سے مدد طلب کی اس کے چچا زاد نکلے تاکہ عورت اور اس کے گھر والوں کے درمیان حائل ہو جائیں انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دیئے اور جوتوں سے ایک دوسرے کو مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طائفہ کا لفظ ایک آدمی، جمع اور دو کو شامل ہوتا ہے یہ معنی پر محمول ہوتا ہے لفظ پر محمول نہیں ہوتا کیونکہ دونوں طائفے قوم اور الناس کے معنی میں ہیں۔

حضرت عبد اللہ کی قراءت میں حتی لیفیوا الی امر اللہ فان فاء واخذوا بینہم بالقسط ہے۔ ابن ابی عمیر نے اقتسلا پڑھا ہے کیونکہ طائفے دو ہیں اس کے بارے میں گفتگو سورہ براءۃ میں گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ① (انور) کے بارے میں کہا: مراد ایک اور اس سے اوپر ہے۔ اور طائفۃ من الشیء سے مراد اس کا ٹکڑا ہے۔

فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دے کر ان کے درمیان صلح کراؤ خواہ ان کے حق میں ہو یا

ان کے خلاف ہو۔

فَإِنْ بَعَثَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْآخَرَىٰ لَعْنَىٰ أُولَٰئِكَ حُدَّ عَنْهُمَا لَعْنَةُ اللَّهِ تَعَالَىٰ كَمَا كَانُوا يَلْعَنُونَ بَعْضُهُمَ الْآخَرَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ  
مراد بات کو طول دینا اور فساد برپا کرنا ہے۔

حَتَّىٰ تَقُومَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ كَمَا كَانُوا يَلْعَنُونَ بَعْضُهُمَ الْآخَرَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ  
ان دونوں کو انصاف پر برا بیچتے کرو وَاَقْسِطُوا اے لوگو! انصاف سے کام لو تم باہم نہ لڑو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَقْسِطُوا یعنی عدل سے کام لو۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ① یعنی اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں اور حق پرستوں کو پسند کرتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** علماء نے کہا: مسلمانوں میں دو جماعتیں قتال کرنے میں دو حالتوں سے خالی نہ ہونگی یا تو وہ دونوں میں سرکشی کے راستہ پر باہم قتال کریں گی یا ایسا نہیں ہوگا اگر پہلی صورت ہو تو اس میں یہ ضروری ہوگا کہ دونوں کے درمیان ایسے آدمی کو لایا جائے جو دوری کو ختم کرے اور ایک دوسرے سے ہاتھ روک لیں اور الگ الگ ہو جائیں اگر وہ نہیں رکے، صلح بھی نہیں کرتے اور سرکشی پر ہی کمر بستہ رہتے ہیں تو ان دونوں سے جنگ کی جائے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرتی ہو تو ضروری ہوگا کہ باغی گروہ سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ رک جائے اور توبہ کر لے، اگر وہ ایسا کرے تو اس کے درمیان اور جس کے ساتھ زیادتی کی گئی اس کے درمیان عدل و انصاف سے مصالحت کروائی جائے اگر کسی شبہ کی بنا پر دونوں میں جنگ چھڑ جائے دونوں فریق اپنی جگہ حق پر ہوں تو ضروری ہے کہ دلائل اور براہین کے ساتھ شبہ کو زائل کیا جائے اگر وہ لڑائی جھگڑے پر گامزن رہیں اور جس امر کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی اور حق کے واضح ہونے کے بعد جو انہیں اتباع حق کی نصیحت کی گئی اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو دونوں باغی گروہ بن جائیں گے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس آیت میں دلیل ہے کہ اس باغی گروہ کے ساتھ قتال واجب ہے جس کی بغاوت امام یا کسی مسلمان کے خلاف معلوم ہو اور جو آدمی مومنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کرتا ہے اس کے قول کو فاسد کرنے پر تگ و دو کرتا ہو اس کے خلاف بھی جنگ کرنا لازم ہے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے: قَتَالُ الْمُؤْمِنِ كُفْرًا (1) مومن سے جنگ کرنا (علامت) کفر ہے اگر مومن باغی سے قتال کرنا کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے کفر کا حکم دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کیا جو اسلام سے وابستہ رہے اور زکوٰۃ دینے سے رک گئے۔ آپ نے حکم دیا: پیٹھ پھیر جانے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے کسی زخمی کو نہ مارا جائے ان کے اموال لینا حلال نہیں جبکہ کافر میں یہ چیزیں واجب ہیں۔ طبری نے کہا: اگر ہر وہ اختلاف جو دو فریقوں کے درمیان ہوتا اس میں واجب بھاگ جانا اور گھروں میں بیٹھ رہنا ہوتا تو کوئی حد قائم نہ ہوتی اور نہ باطل کو باطل کہا جاتا تو اہل نفاق اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے ہر چیز کو حلال کرنے کی راہ اپنا لیتے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا تھا جس طرح مسلمانوں کے اموال لینا، ان کی عورتوں کو قیدی بنالینا اور ان کے خون بہانا۔ وہ ان مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کریں اور مسلمان ان سے اپنے ہاتھوں کو روک لیں یہ نبی کریم ﷺ کے قول کے

خلاف ہے: خذوا علیٰ ایدی سفھائکم (1) اپنے بے وقوف لوگوں کے ہاتھوں کو روکو۔

**مسئلہ نمبر 4۔** قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں اصل ہے اور غلط تاویل کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے میں بنیاد ہے صحابہ نے اسی پر بھروسہ کیا اور ملت کے بڑے لوگوں نے اسی کی پناہ لی (2)۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں یہی آیت مراد لی: تَقْتُلْ عَنَّا ذَا الْفِتْنَةِ الْبَاغِيَةَ عَمَّا رَأَىٰ بَاغِيَةً جَمَاعَتِ قَتْلِ كَرَّهِي۔ خارجیوں کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: یخارجون علیٰ خیر فرقة أو علیٰ حین فرقة وہ بہترین جماعت پر خروج کریں گے۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”دو جماعتوں میں سے ایسی جماعت انہیں قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہے“ جس ہستی نے ان سے جنگ کی وہ حضرت علی شیر خدا اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے مسلمان علماء کے نزدیک یہ ثابت ہے اور دینی دلیل سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت علی شیر خدا امام تھے اور جس نے بھی ان پر خروج کیا وہ باغی تھا اس کے ساتھ تو قتال واجب تھا یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے اور صلح پر راضی ہو جائے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا جبکہ صحابہ ان کے خون سے بری تھے کیونکہ جن لوگوں نے آپ کے خلاف شورش کی تھی ان کے ساتھ جنگ کرنے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تھا فرمایا: میں وہ پہلا شخص نہیں بننا چاہتا جو رسول اللہ ﷺ کی امت میں قتل کے ساتھ نیابت کرے۔ آپ نے آزمائش پر صبر کیا، امتحان کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور امت کو اپنی جان کا نذرانہ دے دیا پھر یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کو بے مقصد چھوڑ دیا جاتا۔ حضرت عمر نے شوریٰ میں جن افراد کا ذکر کیا تھا خلافت کو ان پر پیش کیا گیا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت علی شیر خدا اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے تو آپ نے امت پر احتیاط کی غرض سے اسے لے لیا کہ ان کے خون باطل طریقہ سے نہ بہتے رہیں اور بے مقصد ان کا معاملہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے بعض اوقات دین میں تبدیلی رونما ہو گئی اور اسلام کے ستون ٹوٹ گئے جب آپ کی بیعت کی گئی تو اہل شام نے مطالبہ کر دیا کہ وہ تب بیعت کریں گے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے ان کو پکڑیں اور ان سے قصاص لیں حضرت علی شیر خدا نے انہیں فرمایا: بیعت میں داخل ہو جاؤ اور حق کا مطالبہ کرو تم اس تک پہنچ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا: آپ بیعت کے مستحق نہیں جبکہ حضرت عثمان کے قاتل صبح و شام آپ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی رائے اس بارے میں درست تھی کیونکہ حضرت علی شیر خدا اگر ان سے فوراً قصاص لیتے تو قبائل ان کی عصبيت میں کھڑے ہو جاتے تو تیسری جنگ شروع ہو جاتی آپ نے انتظار کیا تا کہ خلافت کا معاملہ مضبوط ہو جائے اور بیعت منعقد ہو جائے اور مجلس حکم میں اولیاء کی جانب سے مطالبہ ہو اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جائے۔

امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ قصاص میں تاخیر کرے خصوصاً جب قصاص فتنہ بھڑکانے اور جمعیت کو منتشر کرنے کا باعث ہو۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لیے بھی ایسا ہی ہوا وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولایت کے مسئلہ پر الگ نہ ہوئے تھے اور نہ ہی انہوں نے دیانت کے اعتبار سے ان پر اعتراض کیا تھا ان کی رائے



یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے بدلہ لینا یعنی انہیں پہلے قتل کرنا ضروری ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: ان کے درمیان جو جنگ واقع ہوئی اس کا سبب بھی یہی قول تھا جلیل القدر علماء کہتے ہیں کہ بصرہ میں ان کے درمیان جو واقع ہوا وہ جنگ کے ارادہ سے نہ ہوا تھا بلکہ اچانک ہوا تھا ہر ایک فریق نے اپنا دفاع کیا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ دوسرے فریق نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے کیونکہ معاملہ ان کے درمیان منظم ہو چکا تھا صلح مکمل ہو چکی تھی باہم رضامندی سے وہ الگ الگ ہونے والے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو خوف ہوا کہ انہیں پکڑ لیا جائے گا اور انکو گھیر لیا جائے گا وہ اکٹھے ہوئے، باہم مشاورت کی اور اختلاف کیا پھر ان کا اس رائے پر اتفاق ہوا کہ وہ دو فریقوں میں بٹ جائیں اور دونوں لشکروں میں سحری کے وقت جنگ شروع کر دیں تیران کے درمیان چلے وہ فریق جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھا اس نے شور مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے دھوکہ کیا اور جو فریق حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لشکر میں تھا اس نے شور مچایا کہ حضرت علی نے دھوکہ کیا اس طرح وہ امر تکمیل پذیر ہوا جس کی انہوں نے تدبیر کی تھی اور جنگ نے ان میں اپنی جگہ بنالی ہر فریق اپنے کیے کا اپنے ہاں دفاع کر رہا تھا اور خون بہائے جانے سے مانع تھا۔ یہ دونوں فریقوں کی جانب سے درست عمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھی کیونکہ باہم جنگ اور دفاع اس طریقہ سے ہوا تھا؛ یہی قول صحیح اور مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَبَغُّوْا حَتَّى تَبْغُوْا إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ يَهْدِي لَكُمْ أَمْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ اور یہ فرض کفایہ ہے جب کچھ لوگ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو باقی ماندہ افراد سے یہ حکم ساقط ہو گیا یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سے ایک جماعت اسی وجہ سے گھروں میں بیٹھی رہی جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو درست قرار دیا، ان میں سے ہر ایک نے اپنا عذر پیش کیا جسے آپ نے قبول کیا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب یہ معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے حضرت سعد کو ان کے کیے پر عتاب کیا اور انہیں کہا: نہ تو آپ ان میں سے ہوئے جنہوں نے دوائے گروہوں کے درمیان صلح کرائی جو آپس میں لڑ رہے تھے اور نہ ہی باغی جماعت سے جنگ کی۔ حضرت سعد نے کہا: میں نے باغی گروہ سے جو جنگ نہیں کی میں اس پر شرمندہ ہوں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک نے جو کیا اس کا وہ کامل طور پر ادراک نہیں رکھتا تھا یہ سب کچھ اجتہاد کے نتیجہ اور شرع کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا (2)۔

**مسئلہ نمبر 6۔** فَإِنْ قَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ ان کی صلح میں عدل یہ ہے (3) کہ ان کے درمیان جو خون خرابہ ہوا اور جو مال کا ضیاع ہوا اس کا مطالبہ نہ کریں کیونکہ جو کچھ نقصان ہوا وہ کسی تاویل کی بنا پر ہوا اور ان کے مطالبہ کی صورت میں حقیقت میں یہ صلح سے بھاگنا اور بغاوت میں دور تک جانا ہے۔ مصالحت میں یہی اصل وقانون ہے لسان الامت نے کہا: صحابہ کے درمیان جنگ میں حکمت یہ ہے کہ اہل اجتہاد کے قتال کے احکام کو جانا جاسکے کیونکہ اہل شرک

3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1720

2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1719

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1718

۶۶ اس سے مراد ابوبکر بن طیب باقانی ہے انہیں یہ لقب قاضی عیاض نے دیا۔

کے ساتھ قتال کے احکام رسول اللہ ﷺ کی زبان اور آپ کے عمل سے معلوم ہو چکے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 7۔** جب کوئی باغی خروج کرنے والا عادل امام پر خروج کرے جبکہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو امام تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر قتال کرے جو اسے کفایت کریں جنگ سے پہلے وہ انہیں اطاعت اور جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دے اگر وہ اطاعت کی طرف لوٹنے اور صلح سے انکار کر دیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے، ان کے قیدیوں کو قتل کیا جائے، ان کے بھاگ جانے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، ان کے زخمی کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے، ان کے بچوں کو قیدی نہ بنایا جائے اور ان کے اموال پر قبضہ نہ کیا جائے جب عادل (امیر کا وفادار) باغی کو قتل کرے یا باغی عادل کو قتل کرے جبکہ وہ ایک دوسرے کے ولی ہوں تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے جان بوجھ کر قتل کرنے والا کسی صورت میں وارث نہیں بنے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عادل باغی کا وارث بنے گا۔ قصاص پر قیاس کیا گیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 8۔** باغیوں اور خارجیوں نے جو خون یا مال برباد کیا پھر وہ تائب ہوئے تو اس کی وجہ سے ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: وہ ضامن ہوں گے۔ امام شافعی کے دو قول ہیں، امام ابو حنیفہ کے قول کی یہ دلیل ہے کہ یہ ظلم و زیادتی کے ساتھ اتلاف ہے تو ضمانت لازم ہوگی ہمارے نزدیک قابل اعتماد بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی باہم جنگوں میں بھاگ جانے والے کا پیچھا نہیں کرتے تھے اور زخمی کو قتل نہیں کرتے تھے، قیدی کو قتل نہیں کرتے تھے جان کے اتلاف اور مال ضائع ہونے کی صورت میں وہ ضمانت نہیں لیتے تھے وہی مقتداء ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے عبد اللہ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کیا حکم دیا ہے جو اس امت میں سے بغاوت کرتا ہے (1)؟“ عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، فرمایا: ”اس کے زخمی کو قتل نہ کیا جائے گا، اس کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، بھاگ جانے والی کی تلاش نہیں کی جائے گی اور ان کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا“ جو مال اصل حالت میں ہو اس کو واپس کر دیا جائے گا یہ سب کچھ اس آدمی کے بارے میں ہے جو کسی تاویل کی بنا پر خروج کرتا ہے جو تاویل اس خروج کو جائز قرار دیتی تھی۔

زمخشری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے: اگر باغیوں کی تعداد تھوڑی ہو اس حیثیت میں کہ وہ اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس نے جو جنایت کی تھی تو لوٹ آنے کے بعد جماعت ضامن ہوگی اگر ان کی تعداد زیادہ ہو وہ قوت و شوکت والے ہوں تو وہ ضامن نہ ہوگی مگر محمد بن حسن شیبانی کا نقطہ نظر ہے آپ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ ضمانت اس پر لازم ہوگی جب وہ رجوع کرے مگر جمع ہونے اور لشکر کشی کرنے سے قبل یا جنگ ختم ہونے کے وقت اوزار رکھنے کے وقت کا معاملہ ہے تو اس نے جنایت کی تو وہ سب کے نزدیک ضامن ہوگا۔

عدل کے ساتھ اصلاح پر براہیختہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ** میں امام محمد کے نزدیک واضح ہے آیت کریمہ کے لفظ پر منطبق ہے (2)۔ دوسرے علماء کے قول کے مطابق اس کی توجیہ یہ ہے کہ باغی جماعت کو قلیل تعداد

پر محمول کیا جائے جس امر کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ غرض کینوں کو ختم کرنا ہے جنایات کی ضمانت دینا نہیں ہے یہ اس عدل حکم کے ساتھ حسن مطابقت نہیں رکھتا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے۔ دوسرے فَاَصْلِحُوا کے ساتھ عدل کو ملایا گیا ہے پہلے فَاَصْلِحُوا کے ساتھ نہیں ملایا گیا؟

میں اس کا جواب دوں گا: آیت کے شروع میں قتال سے مراد ہے کہ وہ دونوں باغی کی حیثیت میں قتال کریں یا ان میں شبہ پایا جائے کوئی بھی صورت ہو مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ حق کا ارادہ کرتے ہوئے شافی مواعظ کے ساتھ اور شبہ کی نفی کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے جو جدائی واقع ہو چکی ہے اس میں اصلاح احوال کریں آگ کو ٹھنڈا کریں مگر جب وہ دونوں اصرار کریں تو ان سے جنگ ضروری ہے جہاں تک ضمانت کا تعلق ہے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب ان میں سے ایک باغی ہو تو معاملہ اس طرح نہ ہوگا کیونکہ مذکورہ دونوں صورتوں میں ضمانت قابل توجہ ہوگی۔

**مسئلہ نمبر 9۔** اگر وہ کسی علاقہ پر غلبہ پالیں اور صدقات وصول کر لیں، حدود قائم کریں اور ان میں فیصلہ کریں ان پر نہ تو دوبارہ صدقات لازم کیے جائیں گے اور نہ حدود قائم کی جائیں گی اور انہوں نے جو فیصلے کیے ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا مگر جو کتاب، سنت اور اجماع کے خلاف ہو جس طرح جو باغی ہو تو اس کے فیصلے کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جاتا؛ یہ مطرف اور ابن ماجشون کا قول ہے۔ ابن قاسم نے کہا: کسی حال میں بھی یہ جائز نہیں (1)۔ اصبح سے مروی ہے: یہ جائز ہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ جائز نہیں جس طرح ابن قاسم کا قول ہے؛ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اس نے ناحق ان لوگوں کے بارے میں عمل کیا ہے جس پر اس کی تولیت جائز نہ تھی تو یہ جائز نہ ہوگا جس طرح وہ اگر باغی نہ ہوتے تو بھی جائز نہ ہوتا۔ ہمارے لیے قابل اعتماد وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب فتنہ فرو ہو گیا اور صلح کی وجہ سے اختلاف کیا گیا تو صحابہ نے کسی کے حکم میں کوئی معارضہ نہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: جو چیز میرے پاس پسندیدہ ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ فتنہ جب ختم ہو گیا تو امام وہی باغی تھا تو وہاں کون تھا جو معترض بنتا؟ (2)

**مسئلہ نمبر 10۔** یہ جائز نہیں کہ صحابہ میں سے کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر خطا کو منسوب کیا جائے کیونکہ ہر ایک نے جو بھی عمل کیا اس میں وہ مجتہد تھا وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہی ارادہ کرتے تھے وہ سب ہمارے آئمہ ہیں ان کے درمیان جو اختلاف ہوا ہم اس سے باز رہنے کے پابند ہیں ہم ان کا ذکر احسن انداز میں ہی کریں گے کیونکہ صحابہ احترام کے مستحق ہیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں برا بھلا کہنے سے منع کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کا ذکر کیا ہے اور ان سے راضی ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ چیز مختلف سندوں سے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت طلحہ شہید ہیں جو روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں جس جنگ کے لیے وہ نکلے تھے وہ نافرمانی ہوتی (3) تو اس میں قتل ہونے والا شہید نہ ہوتا اسی طرح اگر جس جنگ میں وہ

1۔ جامع ترمذی، صفۃ القیام، جلد 2، صفحہ 73

2۔ حضرت مفسر کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ دوسرے فریق کے زیر تصرف بھی علاقے تھے جب ان علاقوں میں فیصلوں کو تبدیل نہ کیا گیا تو قاعدہ کلیہ تو واضح ہو گیا۔

3۔ ابن ماجہ، باب فضل طلحة بن عبید اللہ، حدیث نمبر 121، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نکلے تھے تو تاویل میں غلطی کرتے اور واجب میں کوتاہی کرتے کیونکہ شہادت تو اسی وقت ہوتی ہے جب اطاعت کی صورت میں قتل ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے معاملہ کو اس امر پر محمول کیا جائے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس امر پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی شیر خدا کی روایات میں سے صحیح اور عام یہ روایت ہے کہ حضرت زبیر کو قتل کرنے والا جہنم میں جائے گا اور ان کا یہ قول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو“۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ فرامانی کرنے والے اور قتال کے ذریعے گناہ گار نہ تھے کیونکہ اگر معاملہ اس طرح ہوتا یعنی وہ عاصی اور گناہ گار ہوتے تو نبی کریم ﷺ حضرت طلحہ کے بارے میں یہ نہ کہتے کہ وہ شہید ہے اور یہ خبر نہ دیتے کہ حضرت زبیر کا قاتل آگ میں ہے اسی طرح جو گھر میں بیٹھ گیا وہ تاویل میں غلطی کرنے والا نہیں بلکہ وہ درست ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اجتہاد کی راہ دکھائی جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ امر انہیں لعن طعن کرنے ان سے براءت کا اظہار کرنے اور ان کو فاسق قرار دینے کو ثابت نہیں کرتا، ان کے فضائل اور ان کے جہاد کو باطل نہیں کرتا اور دین میں جو ان کا عظیم مقام ہے اس کو ختم نہیں کرتا۔ ۱۰۰:۱۰۰

بعض سے اس خون ریزی کے بارے میں پوچھا گیا جو ان کے درمیان واقع ہوئی تو یہ آیت پڑھی: تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (البقرة)

بعض سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ ایسی خون ریزی تھی اللہ تعالیٰ نے میرا ہاتھ اس سے پاک رکھا، میں اپنی زبان کو اس سے آلودہ نہیں کروں گا یعنی خطا میں واقع ہونے اور بعض پر ایسا حکم لگانے سے جو درست نہ ہو اس سے بچوں گا۔ ابن فورک نے کہا: ہمارے دونوں میں سے کچھ نے کہا کہ صحابہ کے درمیان جو تنازعات ہوئے ان کے بارے میں وہی رو یہ اپناؤ جو حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان تنازعہ ہوا اس میں اپنا تے ہو اس کے باوجود وہ ولایت اور نبوت کے دائرہ سے باہر نہ نکلے صحابہ کے درمیان جو معاملہ ہوا وہ بھی اسی طرح ہے۔

محاسبی نے کہا: جہاں تک خون ریزی کا تعلق ہے ان کے اختلاف کی وجہ سے ہمارے لیے قول کرنا بہت مشکل ہے۔

حضرت حسن بصری سے ان کے قتال کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس میں حضرت محمد ﷺ کے صحابہ حاضر ہوئے جبکہ ہم غائب تھے، وہ عالم تھے ہم جاہل ہیں، وہ اکٹھے ہو گئے تو ہم نے ان کی اتباع کی اور انہوں نے اختلاف کیا تو ہم نے توقف کیا (۱)۔

محاسبی نے کہا: ہم وہی بات کرتے ہیں جس طرح حضرت حسن بصری نے کی ہے، ہم جانتے ہیں جو اس میں داخل ہوئے تھے وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے جس امر پر انہوں نے اتفاق کیا ہم اس کی پیروی کریں گے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہم اس کے متعلق توقف کریں گے اور ہم اپنی جانب سے کسی رائے کو پیش نہیں کریں گے ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سے توفیق کے طالب ہیں۔



إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾

”بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کروادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ یعنی دین و حرمت میں بھائی بھائی ہیں، یہ رشتہ نسب میں نہیں اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: دینی اخوت نسبی اخوت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ نسبی اخوت دینی مخالفت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دینی اخوت نسبی مخالفت کے باوجود ختم نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تحاسدوا ولا تباعدوا ولا تجتسبوا لا تناسدوا کونوا عباد اللہ إخوانا (1) باہم حسد نہ کرو، باہم بغض نہ کرو، جاسوسی نہ کرو، خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کیا کرو، باہم بھاؤ پر بھاؤ نہ کیا کرو بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ ”باہم حسد نہ کیا کرو، بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم بغض نہ کیا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، تم میں سے کوئی کسی کی خرید و فروخت کے معاہدہ پر معاہدہ نہ کرے بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ۔“ ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ یہاں ہے“ آپ نے تین دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کیا ”ایک انسان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے“ الفاظ مسلم کے ہیں۔

صحیحین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس پر عیب لگاتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ گھربنانے میں اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ اس پر ہوا کو روک دے مگر اس کی اجازت سے ایسا کرتا ہے، وہ ہنڈیا کی خوشبو سے اسے اذیت نہیں دیتا مگر اس کے لیے چچہ پھر سالن بھیجتا ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے پھل نہ خریدے کہ وہ اسے لے کر پڑوسی کے بچوں کے پاس جائیں اور اس میں سے انہیں کوئی چیز نہ دیں“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یاد کرو تم میں سے بہت ہی تھوڑے افراد اسے یاد رکھیں گے۔“

**مسئلہ نمبر 2۔** فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ یعنی جن دو مسلمان افراد کے درمیان جھگڑا ہے ان میں صلح کرواؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس و خزرج مراد ہیں جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابو علی نے کہا: اخوین سے مراد دو طائفے ہیں کیونکہ تثنیہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے اور مراد کثرت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ يَدْعَاكَ مَبْسُوطَيْنِ (المائدہ: 64) ابو عبیدہ نے کہا: یعنی دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔ اس کا صدق تمام افراد پر آتا ہے۔ ابن سیرین، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، محمد بن زید اور یعقوب نے بین اخوتکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے اخوانکم پڑھا ہے

باقی قراء نے اخویکم یاء کے ساتھ تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس آیت اور اس سے قبل والی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ بغاوت ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سرکشی کرنے کے باوجود انہیں اخوة اور مومنین کا نام دیا ہے۔ حارث اعور نے کہا: حضرت علیؑ شیعہ خدا بنی اللہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک افراد کے بارے میں پوچھا گیا جبکہ ان کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے متعلق تھے کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا: نہیں وہ تو شرک سے بھاگے تھے، پوچھا گیا: وہ منافق تھے؟ فرمایا: نہیں کیونکہ منافق اللہ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں، پوچھا گیا: ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر بغاوت کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ  
بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ①

”اے ایمان والو! تم سخر اڑا کر مردوں کی ایک جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑا کر دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ، کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا، اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے اس روش سے تو وہی بے انصاف ہیں۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے بہتر ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اعتقاد اور باطنی طور پر اطاعت شعار ہونے میں بہتر ہوں۔ سخر یہ کا معنی استہزاء ہے اس کا باب سخرت منہ أسخر سُخْرًا مَسْخَرًا و سَخِرَ اے ابو زید نے یہ بیان کیا ہے سخرت بہ۔ یہ سب سے ردی لغت ہے۔ انفس نے کہا: سخرت منہ سخرت، ضحکت منہ و ضحکت بہ اور هزئت منہ و هزئت بہ سب نے کہا: یہ کہا جاتا ہے اس کا اسم سخریہ اور سخری ہے دونوں کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا (الزخرف: 32) فلاں سخرۃ۔ وہ عمل میں مذاق کرتا ہے یہ کہا جاتا ہے: خادم سخرۃ، رجل سخرۃ، یعنی اس کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے۔ سخرۃ، لوگ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اس کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی ان کے کان میں گرانی تھی جب صحابہ نبی کریم ﷺ کی مجلس کی طرف سبقت کرتے جب وہ مجلس میں آتے تو صحابہ ان کی جگہ کھلی کر دیتے یہاں تک کہ وہ آپ کے پہلو میں بیٹھ جاتے تاکہ جو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں اس کو سن لیں، ایک دن وہ آئے جبکہ نماز فجر کی ایک رکعت ہو چکی تھی جب نبی کریم ﷺ فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کے صحابہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے ہر ایک آدمی نے اپنے آپ کو اپنی جگہ روک لیا اور اسی کے ساتھ چٹ گئے

کوئی کسی کے لیے جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا یہاں تک کہ جو آدمی جگہ نہ پاتا وہ کھڑا ہو جاتا، جب حضرت ثابت نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اور کہتے: کھل جاؤ۔ لوگوں نے آپ کے لیے جگہ کھلی کر دی یہاں تک کہ وہ نبی کریم ﷺ تک جا پہنچے جبکہ ان کے درمیان اور نبی کریم ﷺ کے درمیان ایک آدمی تھا۔ حضرت ثابت نے کہا: جگہ دو۔ اس آدمی نے آپ سے کہا: آپ نے جگہ پالی ہے یہیں بیٹھ جائیے۔ حضرت ثابت اس کے پیچھے غصہ کی حالت میں بیٹھ گئے پھر کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: فلاں ہے۔ حضرت ثابت نے کہا کہ فلاں کا بیٹا، اسے عار دلانا چاہتے تھے یعنی دور جاہلیت کی جو اس کی ماں تھی۔ اس آدمی کو بڑی حیا آئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاک نے کہا: یہ بنو تمیم کے وفد کے بارے میں آیت نازل ہوئی جن کا ذکر سورہ کے آغاز میں گذر چکا ہے انہوں نے فقراء صحابہ کا مذاق اڑایا جس طرح حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت ابن فہیرہ، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلیمان اور حضرت سالم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے رضی اللہ عنہم۔ یہ بات انہوں نے اس وقت کی جب انہوں نے ان کے برے حال کو دیکھا تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

مجاہد نے کہا: مراد غنی کا فقیر سے مذاق کرنا۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس کے گناہ پوشیدہ رکھے وہ اس آدمی کا مذاق نہ اڑائے جس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہو ممکن ہے کہ اس کے گناہوں کا دنیا میں ظاہر ہونا آخرت میں اس کے لیے بہتر ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی جب وہ مدینہ طیبہ میں مسلمان کی حیثیت سے آیا مسلمانوں نے جب اسے دیکھا تو کہا: اس امت کے فرعون کا بیٹا۔ عکرمہ نے اس کی شکایت نبی کریم ﷺ سے کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی آدمی اس پر مذاق کی جرات نہ کرے جو اس کے سامنے آئے جبکہ اس کا حال پراگندہ ہو، اس کے بدن میں کوئی عیب ہو یا وہ اچھی طرح گفتگو نہ کر سکتا ہو ممکن ہے ضمیر کے اعتبار سے زیادہ مخلص اور دل کے اعتبار سے زیادہ صاف ہو اس آدمی کی نسبت جو اس کی صفت کے مخالف ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا کہ وہ اس آدمی کو حقیر سمجھ رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عظیم قرار دیا ہے۔۔۔ سلف صالحین نے اس امر سے بچنے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا، ان میں عمرو بن شریک کا قول ہے: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ وہ بکری کے بچے کو بکری کا دودھ پلا رہا ہے تو میں اس پر ہنس پڑوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں وہ کام کروں گا جو اس نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آزمائش بات پر ہی منحصر ہے اگر میں کتے کا مذاق اڑاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں کتابنا دیا جاؤں۔ قوم کا لفظ مذکرین کے لیے خاص ہے۔ زہیر نے کہا:

وما أدری وسوف أخال أدری أقوم آل حصن أم نساء (2)

میں نہیں جانتا ممکن ہے میں جان جاؤں کیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں۔

انہیں قوم کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ مصائب میں داعی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائم کی جمع ہے پھر ہر جماعت میں اس کو استعمال کیا جانے لگا اگرچہ وہ کھڑے نہ ہوں۔ قوم میں عورتیں مجازاً داخل ہو جاتی ہیں۔ سورہ بقرہ میں اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** وَلَا نِسَاءً مِّنْ نِّسَاءِ عَمَىٰ أَنْ يَكُنَّ خِيَرًا مِّنْهُنَّ عورتوں کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ ان سے مذاق آتا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (نوح: 1) یہ سب کو شامل ہے۔ مفسرین نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کی دو بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے استہزاء کیا تھا آپ نے اپنی دونوں ڈھاکوں کو ایک سفید کپڑے سے باندھ رکھا تھا اور اس کی دونوں طرفوں کو پیچھے لٹکا دیا تھا وہ اسے گھسیٹ رہی تھیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے فرمایا: اسے دیکھو یہ اپنے پیچھے کیا گھسیٹ رہی ہے گویا وہ کتے کی زبان ہے۔ یہ ان دونوں کا مذاق تھا۔ حضرت انس اور ابن زید نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کی ازواج ہی کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت ام سلمہ کو چھوئے قد کا ہونے کی وجہ سے عار دلائی تھی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت صدیقہ کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اے اللہ کے نبی! وہ چھوئے قد کی ہے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں عرض کی: رسول اللہ! ﷺ عورتیں مجھے عار دلاتی ہیں وہ مجھے کہتی ہیں: اے یہودن جو دو یہودیوں کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو نے یہ کیوں نہیں کہا: میرا جد حضرت ہارون علیہ السلام اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے خاوند حضرت محمد ﷺ ہیں“۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** صحیح ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کی نقل کی فرمایا: ”مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں کسی کی نقل کروں جبکہ میرے لیے یہ یہ ہے“ کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ کہ حضرت صفیہ چھوئے قد کی عورت ہے، ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا فرمایا: ”تو نے ایسی بات کی ہے کہ اسے سمندر میں ملایا جائے تو وہ متغیر ہو جائے“ (2)۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن زعمہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک اونٹ و مارنے کی طرح کیوں اپنی بیوی کو مارتا ہے پھر اسے گلے لگاتا ہے“ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے احوال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے“ (3)۔

یہ عظیم حدیث ہے اس پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے کہ کسی کے عیب کی وجہ سے وہ قطع تعلق نہ کرے وہ اس کی اطاعت کے اعمال

2۔ ابوداؤد، باب فی الغیبة، حدیث نمبر 4232، نسیا، القرآن پبلی کیشنز

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 202

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحريم قلم المسلم الخ، جلد 2، صفحہ 317





انسان اگر عقلمند ہو تو اس کا تقویٰ اسے لوگوں کے عیوب سے غافل کر دے گا۔ جس طرح ایک مریض ہوتا ہے اس کا درد اسے تمام لوگوں کے درد سے غافل کر دیتا ہے۔  
ایک اور شاعر نے کہا:

لا تکشفن مساوی الناس ما ستروا فیتھک اللہ سترا عن مساویکا

واذکر محاسن ما فیہم إذا ذکرنا ولا تعب أحدا منهم بما فیك

جن عیوب کو لوگوں نے چھپا رکھا ہے تو انہیں ظاہر نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تیرے عیوب کو ظاہر کر دے گا۔ جب ان کا ذکر ہو تو ان کی اچھائیوں کا ذکر کر اور جو عیب تجھ میں ہے وہ عیب کسی پر نہ لگا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَلَا تَنَابُزُوا بِالْأَلْقَابِ، نَبْز کا معنی لقب ہے اس کی جمع انباز ہے نیز مصدر ہے، تو اس کا باب یوں ظاہر کرتا ہے: نَبْزُكَ يَنْبُزُكَ نَبْزًا، یعنی اسے لقب دیا: فلان ینبِزُ بالصبا فلاں بچوں کو لقب دیتا ہے کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے اسے مشدد پڑھا جاتا ہے: یہ بھی جائز ہے نیز اور نَبْز برے لقب کو کہتے ہیں تَنَابُزُوا بِالْأَلْقَابِ ان میں سے بعض نے بعض کو لقب دیا۔

ترمذی میں ابو جبرہ بن ضحاک سے مروی ہے کہا: ہم میں سے ایک آدمی کے دو یا تین نام ہوا کرتے تھے ان میں سے کسی ایک نام سے اسے پکارا جاتا (1) تو ممکن تھا کہ وہ ناپسند کرے تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَنَابُزُوا بِالْأَلْقَابِ۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

ابو جبرہ نے کہا: وہی اخو ثابت بن ضحاک بن خلیفہ انصاری ہے، ابو زید بن سعید بن ربیع صاحب ہروی ثقہ ہے۔ مصنف ابی داؤد میں ان سے یہ روایت مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی وَلَا تَنَابُزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ کہا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہم میں سے کوئی ایسا آدمی نہ تھا مگر اس کے دو یا تین نام تھے رسول اللہ ﷺ اسے فرمایا کرتے: ”اے فلاں!“ وہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! ﷺ رک جائیے وہ اس نام سے ناراض ہو جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (2)؛ یہ ایک قول ہے۔

دوسرا قول ہے: حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کو کفر کے ساتھ عار دلائی جاتی کہا جاتا: اے یہودی! اے نصرانی!۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قنادہ، ابو العالیہ اور عکرمہ سے مروی ہے قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے اے فاسق! اے منافق! یہ مجاہد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (3)۔

1۔ جامع ترمذی، سورہ حجرات، جلد 2، صفحہ 159

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الالتقاب، حدیث 3730۔ سنن ابی داؤد، باب فی الالتقاب، حدیث 4311، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 152

بُئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ یعنی یہ کتنی بری بات ہے کہ آدمی کا یہ نام ذکر کیا جائے اے زانی! اے کافر! جبکہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اور توبہ کر چکا ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اپنے بھائی کا لقب ذکر کیا یا اس کے ساتھ مذاق کیا تو ایسا کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے ”کہ جس نے اپنے بھائی کے بارے میں کہا: اے کافر! تو یہ قول کسی ایک کی طرف لوٹے گا اگر اسی طرح ہو جس طرح اس نے ذکر کیا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ قول کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا“ جس نے وہ عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا یعنی مذاق عیب لگانا تو ایسا کرنے والا فاسق ہو گا یہ جائز نہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابو ذر نبی کریم ﷺ کے پاس تھے ایک آدمی نے ان سے جھگڑا کیا تو حضرت ابو ذر نے اسے کہا: اے یہودیہ کے بیٹے! نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تو یہاں سرخ اور سیاہ نہیں دیکھتا تو اس سے افضل نہیں“ یعنی تو تقویٰ کے ساتھ اس سے افضل نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ کا مطلب ہے کہ آدمی نے برے اعمال کیے ہوں پھر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اسے سابقہ گناہوں پر عار دلانے سے منع کیا ہے اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کسی مومن کو اس گناہ کی وجہ سے عار دلائی جس سے اس نے توبہ کی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے آزمائش میں ڈالے اور اسے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرے۔“

**مسئلہ نمبر 3۔** جس کا استعمال غالب ہوتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس طرح کانا، کبڑا جس میں اس کا اپنا کوئی عمل دخل نہ ہو امت نے ایسا قول کرنے کی اجازت دی ہے اور اہل ملت نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ چیز ان کی کتب میں ہے جس سے میں راضی نہیں وہ گفتگو صالح جزرہ کے بارے میں ہے کیونکہ اس نے خذوہ میں تصحیف کی تھی۔ تو اسی کے ساتھ اس کا لقب رکھ دیا گیا، اسی طرح ان کا محمد بن سلیمان خضرمی کے بارے میں قول ہے مطین کیونکہ وہ مٹی میں گر پڑے تھے اسی کی مثل اور بھی اقوال ہیں جو متاخرین میں غالب آئے۔ میں دین کے معاملہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا۔ مہملی بن علی بن ربیع مصری کہا کرتے تھے: میں کسی آدمی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے باپ کا نام اسم مصفر کی صورت میں بنائے ان کے نام میں غالب عین کلمہ کا ضمہ تھا۔ جو قاعدہ اس تمام بحث کو ضبط کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ قول جسے انسان ناپسند کرے جب اسے اس کے ساتھ ندا کی جائے تو اذیت دینے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں بخاری نے جامع صحیح میں کتاب الادب کا ایک باب باندھا ہے باب ما يجوز من ذکر الناس نحو قولهم الطويل والقصير لا يراد به شين الرجل کہا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما يقول ذوالیمن ابو عبد اللہ بن خویز مند او نے کہا: یہ آیت اس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ انسان کو ایسا لقب نہ دیا جائے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے وہ لقب اسے دینا جائز ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کو فاروق، حضرت ابو بکر کو صدیق، حضرت عثمان کو ذوالنورین، حضرت خزیمہ کو ذوالشہادتین، کسی کو ذوالشالین اور کسی کو ذوالیدین وغیرہ کا لقب

دیا۔ زمخشری نے کہا: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے من حق المؤمنین أن يسميه بأحب أسائه إليه (1) ایک مومن کا دوسرے مومن پر یہ حق ہے کہ اسے وہ نام دے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہو، اسی وجہ سے کنیت سنت اور ادب حسن میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: کنیتیں عام کرو کیونکہ یہ آگاہ کرنے والی ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا لقب غنیق اور صدیق تھا، حضرت عمرؓ کا لقب فاروق تھا، حضرت حمزہؓ کا لقب اسد اللہ، حضرت خالدؓ کا لقب سیف اللہ۔ دور جاہلیت اور دور اسلام میں کم ہی ایسا مشہور شخص ہوگا جس کا کوئی لقب نہ ہو عرب و عجم کی تمام قوموں میں ہمیشہ سے اچھے لقب ان کی گفتگووں اور مکاتیب میں جاری ہیں کسی نے انکار نہیں کیا۔

ماوردی نے کہا: جہاں تک مستحب اور مستحسن القاب کا تعلق ہے (2) تو وہ مکروہ نہیں رسول اللہ ﷺ نے کئی صحابہ کے ایسے اوصاف بیان کیے ہیں جو ان کے نمایاں لقب بن گئے۔

میں کہتا ہوں: جس کا ظاہر ناپسندیدہ ہو جب اس کے ساتھ صفت بیان کرنے کا ارادہ کیا ہو عیب کا ارادہ نہ ہو تو یہ اکثر ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مالک سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کہہ رہا تھا: حمین طویل، سلیمان اعش، حمید اعرج، مروان اصغر۔ فرمایا: جب تو اس کی صفت کا ارادہ کرے اس کے عیب کا ارادہ نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسرجس سے مروی ہے کہا: رأیت الاصدع یعنی عریقل الحجر۔ میں نے گنجه یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو حجر اسود کا بوسہ لے رہے تھے۔ ایک روایت میں الاصدع کے الفاظ ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُوبْ يَعْنِي جَوَائِزُ الْقَابِ ذَكَرَ كَرْنَهُ سَے تَوْبَهُ تَابَ نَہ ہوا جس سے مسلمان اذیت محسوس کرتے ہیں فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ وہ ان منع کی گئی چیزوں کو اپنا کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾

”اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

اس میں دس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِيْكَ قَوْلِ يٰۤكَيَّا گيا ہے: یہ آیت ان دو مرد صحابہ۔



بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے ساتھی کی غیبت کی تھی اس کی وجہ یہ بنی کہ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا جب آپ سفر کرتے تو ایک محتاج آدمی کو دو خوشحال آدمیوں کے ساتھ ملا دیتے وہ ان کی خدمت کرتا رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کو دو آدمیوں کے ساتھ ملایا، حضرت سلمان اپنے پڑاؤ کی طرف نکلے اور نیند غالب آگئی وہ سو گئے اور ان دونوں کے لیے کوئی چیز تیار نہ کی وہ دونوں آئے تو کھانا اور سالن نہ پایا دونوں نے کہا: جاؤ نبی کریم ﷺ سے ہمارے لیے کھانا اور سالن طلب کرو۔ وہ گئے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: ”اسامہ بن زید کے پاس جاؤ اسے کہو: اگر تیرے پاس زائد کھانا ہے تو تجھے دے دے“ حضرت اسامہ بن زید نے حضرت سلمان فارسی کے پاس گئے حضرت اسامہ نے کہا: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں حضرت سلمان واپس آئے اور ان دونوں کو یہ سب صورتحال بتائی دونوں نے کہا: اس کے پاس کھانا تو تھا لیکن اس نے بخل کیا ہے پھر دونوں نے حضرت سلمان فارسی کو صحابہ کی ایک جماعت کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان کے ہاں بھی کوئی کھانا نہ پایا دونوں نے کہا: اگر ہم اسے سمجھ کے کنویں کی طرف بھیجیں گے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا پھر وہ چلے تاکہ دیکھیں کیا حضرت اسامہ کے پاس کچھ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: ”کیا وجہ ہے میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سبزی دیکھتا ہوں“ دونوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ کی قسم آج ہم نے نہ گوشت کھایا ہے نہ کوئی اور چیز کھائی ہے۔ فرمایا: ”لیکن تم دونوں نے ظلم کیا تم سلمان فارسی اور اسامہ کا گوشت کھاتے ہو“ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے، یعنی تم اہل خیر کے بارے میں برا گمان نہ کرو اگر ان کے ظاہر امر کے بارے میں خیر جانتے ہو۔

**مسئلہ نمبر 2۔** صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایتاکم والظن

فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا تَنَاجِسُوا وَلَا تَغْتَابُوا وَلَا تَبْغَضُوا وَلَا تَدَابُرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ

اخوانا ظن سے بچو بے شک ظن سب سے جھوٹی بات ہے ٹوہ میں نہ رہا کرو جاسوسی نہ کیا کرو باہم ایک دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم حسد نہ کیا کرو، باہم بغض نہ رکھا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: یہاں اور آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ تحذیر اور نبی کا محل وہ تہمت ہے اس کا وہ عیب نہیں جو اسے ثابت کرتا ہے مثلاً کسی پر فاحشہ اور شراب نوشی کی تہمت لگائی جاسکتی ہے جو چیز اس کا تقاضا کرتی ہے وہ اس پر ظاہر نہیں ہوتی اس امر کی دلیل کہ یہاں ظن کا معنی تہمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَجَسَّسُوا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں اس کے دل میں تہمت کا خیال آتا ہے وہ اس خبر کے لیے جاسوسی کرتا ہے اور بحث و تمحیص کرتا ہے وہ توجہ سے دیکھتا ہے اور توجہ سے سنتا ہے تاکہ وہ امر ثابت ہو جائے جو اس تہمت میں سے واقع ہوا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ دے جو چیز گمانات کو ممتاز کرتی ہے کہ ان سے اجتناب ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس کی توضیح علامت اور ظاہری سبب نہ پاتا ہو تو وہ حرام ہے اور اجتناب ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس آدمی کے بارے میں یہ گمان کیا جا رہا ہے اس سے پردہ پوشی اور صالحیت دیکھی گئی ہو اور ظاہر میں امانت ہی دکھائی دیتی ہو تو اس کے بارے میں فساد اور

خیانت کا گمان حرام ہے اس آدمی کا معاملہ مختلف ہے جو لوگوں میں اس انداز میں مشہور ہو کہ شک و شبہ والے کام کرتا ہو اور اعلانیہ خبیث اعمال کا ارتکاب کرتا ہو۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت کو حرام قرار دیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے کہ وہ اس کے بارے میں برا گمان کرے“ (1)۔ حسن سے مروی ہے: ہم ایسے زمانے میں تھے جس میں لوگوں کے بارے میں (برا) گمان حرام ہے اور تو آج ایسے زمانے میں ہے کہ تو عمل کر اور خاموش رہ اور لوگوں کے بارے میں جو چاہے گمان رکھ۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ظن کی دو حالتیں ہیں ایک حالت ایسی ہے جو جانی پہچانی ہے اور دلائل کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے تو اس کے موافق حکم دینا جائز ہے شریعت کے اکثر احکام غلبہ ظن پر مبنی ہیں جس طرح قیاس اور خبر واحد وغیرہ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ دلالت کے بغیر نفس میں کوئی چیز واقع ہو جائے تو وہ اپنی ضد سے اولیٰ نہ ہو یہی شک ہے اس کے مطابق حکم دینا جائز نہیں اس سے نبی کی گئی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

بدعتیوں کی ایک جماعت نے ظن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کرنے کے جواز کا انکار کیا ہے وہ دین میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتے ہیں اور معقولات میں اپنا دعویٰ کرتے ہیں اس میں کوئی قاعدہ نہیں جس پر انحصار کیا جاسکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کی مذمت نہیں کی بعض کی مذمت کی ہے بعض اوقات وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں: اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ظَنٌّ سَيِّئٌ۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ شریعت میں ظن کی دو قسمیں ہیں۔ اس میں سے محمود وہ ہے جس کے ساتھ ظن کرنے والے کا دین اور جس کے بارے میں گمان کیا جا رہا ہے جب اس تک پہنچے اس کا دین محفوظ رہتا ہے مذموم اس کے مد مقابل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِشْمٌ اللّٰهُ تَعَالٰی کَا فِرْمَانِ ہے: لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا (النور: 12) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ (الفتح)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کسی بھائی کی تعریف کرے تو وہ کہے: میں یہ گمان کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی پاکی بیان نہیں کرتا“ فرمایا: ”جب تو یہ گمان کرے تو تحقیق کر لے، جب حسد کرے تو تجاوز نہ کر اور جب تو فال پکڑے تو کام کو جاری رکھ“ اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جس آدمی کا ظاہر اچھا ہو اس کے بارے میں برا گمان جائز نہیں، جس کا ظاہر قبیح ہو اس کے بارے میں برا گمان رکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ یہ مہدوی نے کہا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ وَلَا تَجَسَّوْا ابور جاء اور حضرت حسن بصری نے اسے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے علماء نے اسے وَلَا تَحْسَبُوا پڑھا ہے اس میں اختلاف ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا ان کے دو معنی ہیں؟ انفس نے کہا: ان میں

سے ایک دوسرے سے بعید نہیں کیونکہ تجسس کا معنی ایسی چیز کے بارے میں بحث کرنا ہے جو تجھ سے پوشیدہ ہو اور تجسس سے مراد خبروں کو طلب کرنا اور ان کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجسس کا معنی بحث کرنا۔ اسی سے یہ لفظ ذکر کیا جاتا ہے رجل جاسوس۔ جب وہ امور کی کرید کرتا ہو۔ اور تجسس سے مراد انسان کا کسی حاسہ سے اس چیز کا ادراک کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں فرق ہے تجسس کا معنی اپنے لیے تلاش کرنا اور اور تجسس کا معنی ہے کہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہو؛ یہ ثعلب کا قول ہے پہلا قول زیادہ معروف ہے۔ جست الأخبار و تجسس تھا۔ جب تو ان کو چھان بین کرے اسی معنی میں جاسوس ہے آیت کا معنی ہے جو امر ظاہر ہو اسے لے لو اور مسلمانوں کے پوشیدہ امور کا تجسس نہ کرو، یعنی تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا عیب تلاش نہ کرے یہاں تک کہ اس پر مطلع ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مخفی رکھا ہے۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”اگر تو لوگوں کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرے گا تو تو انہیں فاسد کر دے گا“ (1) حضرت ابودرداء نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جو حضرت معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اسے نفع دیا۔

مقدم بن معد کرب سے مروی ہے وہ حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: ”امیر جب لوگوں میں شک کی تلاش کرے تو اس نے انہیں خراب کر دیا“ (2) زید بن وہب سے مروی ہے کہ کوئی آدمی حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یہ فلاں ہے، اس کی داڑھی شراب پکاتی ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: ہمیں تجسس سے روک دیا گیا ہے لیکن اگر ہمارے لیے کوئی چیز ظاہر ہوگی تو ہم اس کو اپنائیں گے (3)۔

ابوبرزہ سلمیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا نہ کیا کرو جو انسان ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے گھر میں رسوا کر دے گا“ (4)۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: ایک رات میں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ ملکر پہرہ دیا کہ ایک گھر میں ہمارے لیے چراغ ظاہر ہوا۔ دروازہ لوگوں پر کھلا ہوا تھا جنکی آوازیں بلند تھیں اور وہ فضول بات کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ گھر ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے وہ اس وقت شراب پی رہے ہیں تیری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری رائے ہے ہم نے وہ کام کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوا ہم نے تجسس کیا ہے۔ حضرت

2۔ ایضاً، حدیث نمبر 4245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

1۔ سنن ابی داؤد، باب النہی عن التجسس، جلد 2، صفحہ 314

3۔ ایضاً، حدیث نمبر 4246، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً، کتاب الأدب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، باب فی العیبة، حدیث نمبر 4236، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عمر واپس ہو گئے اور انہیں چھوڑ دیا۔

ابو قلابہ نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیان کیا گیا کہ ابو محجن ثقفی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے گھر میں شراب پیتا ہے حضرت عمرو ہاں تشریف لے گئے یہاں تک کہ اس کے گھر میں داخل ہوئے اس کے پاس صرف ایک آدمی تھا، ابو محجن نے کہا: یہ تیرے لیے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے تجس سے تجھے منع کیا ہے۔ حضرت عمرو ہاں سے نکلے اور اسے چھوڑ دیا۔

زید بن اسلم نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پہرہ دینے کے لیے نکلے دونوں کے لیے آگ ظاہر ہوئی دونوں نے اجازت طلب کی دروازہ کھولا گیا تو وہاں ایک مرد اور عورت تھی، عورت گانا گارہی تھی اور مرد کے ہاتھ پر پیالہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے فلاں! تو یہ کام کر رہا ہے؟ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ حضرت عمر نے پوچھا: یہ تیری کیا لگتی ہے؟ عرض کی: میری بیوی ہے، فرمایا: اس پیالے میں کیا ہے؟ جواب دیا: مینھا پانی۔ حضرت عمر نے پوچھا: تو کیا گارہی تھی؟ اس نے عرض کی:

تطاول هذا الليل وأرقني لاخليل الابعه  
فوالله لولا الله إني أراقبه لزعم من هذا السرير جوانبه  
ولكن عقلي والحياء يكفني وأكرم بعلى أن تنال مراكبه

پھر اس آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوا حضرت عمر نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔

میں کہتا ہوں: اس خبر سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ عورت مرد کی بیوی نہیں تھی کیونکہ حضرت عمر زنا کی اجازت دینے والے نہیں تھے اس عورت نے ایسے اشعار پڑھے جن میں خاوند کا ذکر تھا اس نے یہ اشعار اس کی عدم موجودگی میں کہے تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

عمر بن دینار نے کہا: اہل مدینہ کے ایک آدمی کی بہن تھی وہ بیمار ہو گئی وہ اس کی عیادت کرتا تھا وہ فوت ہو گئی اور اس نے اپنی بہن کو دفن کیا وہ خود اس کی قبر میں اتر اس کی آستین سے ایک تھیلیا گر گیا جس میں دینار تھے اس نے اپنے خاندان کے کچھ افراد سے مدد لی انہوں نے اس کی قبر کو کھودا اور تھیلہ لے لیا پھر اس نے کہا: میں اسے کھولوں گا یہاں تک کہ میں دیکھوں کہ میری بہن کا انجام کیا ہوا اس نے اسے کھولا تو قبر آگ سے بھڑک رہی تھی وہ اپنی ماں کے پاس آیا عرض کی: مجھے بتاؤ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ ماں نے کہا: تیری بہن مر چکی ہے اب اس کے عمل کے بارے میں سوال کا فائدہ؟ وہ لگاتار سوال کرتا رہا یہاں تک کہ ماں نے کہا: اس کا عمل یہ تھا کہ وہ نماز کو تاخیر سے پڑھتی جب لوگ سو جاتے تو وہ لوگوں کے گھروں کی طرف اٹھتی اور اپنے کان ان کے دروازوں کے ساتھ لگاتی اور ان کے معاملات کے بارے میں تجسس کرتی اور ان کے راز ظاہر کر دیتی۔ اس مرد نے کہا: اس وجہ سے وہ ہلاک ہوئی۔

**مسئلہ نمبر 5۔** وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا اللہ تعالیٰ نے نیبت سے منع کیا، اس کا معنی یہ ہے کہ تو کسی انسان کا ان



عیوب کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں ہیں اگر وہ کسی ایسے عیب کا ذکر کرتا ہے جو اس میں نہیں تو یہ بہتان ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں اسی معنی کی حدیث موجود ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟“ (1) ”جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“ فرمایا: ”تیرا اپنے بھائی کا ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے“ عرض کی گئی: بتائیے اگر وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو جو میں کہتا ہوں؟ فرمایا: اگر اس میں وہ ہے جو کچھ تم کہتے ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا“ جملہ کہا جاتا ہے: اغتبابہ اغتبابا۔ جب اس میں واقع ہو اس کا اسم غیبۃ ہے اس سے مراد عدم موجودگی میں عیب کا ذکر کرنا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: غیبت کی تین صورتیں ہیں سب کتاب اللہ میں ہیں غیبت، افک، بہتان (2)۔ جہاں تک غیبت کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کرے جو اس میں ہو۔ افک سے مراد ہے تو اس کے بارے میں وہ کہے جو تجھ تک پہنچی ہو جہاں تک بہتان کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے تو وہ بات کرے جو اس میں نہ ہو۔

شعبہ سے مروی ہے کہ مجھے معاویہ بن قرہ نے کہا: اگر تیرے پاس سے کوئی ایسا آدمی گزرے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تو کہے: اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے تو یہ غیبت ہوگی۔ شعبہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر ابواسحاق سے کیا تو اس نے کہا: اس نے سچ بولا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلمی ماعز بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے بارے میں زنا کی گواہی دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ کو سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: اسے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل پردہ میں رکھا تھا اس نے اپنے آپ کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اسے رجم کر دیا گیا جس طرح کتے کو رجم کیا جاتا ہے۔ آپ نے ان دونوں کو کوئی جواب نہ دیا پھر آپ لمحہ بھر چلے یہاں تک کہ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گزرے جس کے پاؤں سے رسی باندھی گئی تھی فرمایا: ”اے فلاں! اے فلاں!“۔ دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں۔ فرمایا: ”اترو اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ؟“ عرض کی: اے اللہ کے نبی! کون اسے کھاتا ہے؟ فرمایا: ”تم نے اپنے بھائی کی عزت سے جو حاصل کیا ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ سخت ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے“ (3)۔

**مسئلہ نمبر 6۔** اَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا اللَّهُ تَعَالَى نے غیبت کو مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ میت نہیں جانتا کہ اس کا گوشت کس نے کھایا ہے جس طرح زندہ نہیں جانتا کہ کس نے اس کی غیبت کی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ مثال غیبت کی بیان کی ہے کیونکہ مردار کا گوشت حرام اور ناپسندیدہ ہوتا ہے اسی طرح غیبت دین میں حرام اور نفوس میں قبیح ہوتی ہے۔ قتادہ نے کہا: جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے رک جاتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ وہ زندہ کی غیبت سے رکے۔ غیبت کی جگہ گوشت کھانے کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ

1- صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، تحريم الظلم، جلد 2، صفحہ 322

2- تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 60

3- سنن ابی داؤد، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3843، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عربوں کی یہ عادت عام تھی۔ شاعر نے کہا:

فإن أكلوا لحی وفرت لحومهم وإن هدموا مجدی بنیت لهم مجدا  
اگر وہ میرا گوشت کھائیں تو میں ان کے گوشت کو بڑھا دوں گا اگر وہ میری بزرگی کو ختم کرنا چاہیں تو میں ان کے لیے بزرگی  
بنادوں گا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو لوگوں کے گوشت کھاتا رہا (غیبت کرتا رہا) اس نے روزہ نہیں رکھا لوگوں کی غیبت  
کرنے کو ان کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے جس نے کسی مسلمان کا نقص بیان کیا یا اس کی عزت کو پامال کیا تو وہ اس کے  
زندہ حالت میں گوشت کھانے والے کی طرح ہے جس نے اس کی غیبت کی وہ اس کے مردہ ہونے کی حالت میں گوشت  
کھانے کی طرح ہے۔“

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب  
مجھے معراج کرائی گئی میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے  
تھے میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟“ عرض کی: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی  
عزتوں سے کھیل کرتے تھے (1)۔

مستورد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کسی مسلمان کا ایک لقمہ کھایا (غیبت کی) اللہ تعالیٰ  
جہنم میں اسی کی مثل اسے کھلائے گا اور جسے کسی مسلمان کا کپڑا پہنایا گیا اللہ تعالیٰ جہنم سے اس کی مثل اسے لباس عطا کرے  
گا اور جو شہرت اور ریاضت کے مقام پر کھڑا ہوا اللہ قیامت کے روز اسے شہرت اور ریاضت کے مقام پر کھڑا کرے گا“ (2)۔  
نبی کریم ﷺ کا ارشاد پہلے گذر چکا ہے: یا معشر من آمن بلسانہ ولم یدخل الإیمان قلبہ لا تغتابوا المسلمین  
اے وہ جماعت جو اپنی زبان سے ایمان لائی ہے اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو حضور  
ﷺ کا دو آدمیوں کو فرماتا: مالی أری خضر اللحم فی أفواهکما کیا وجہ ہے میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سبزی  
دیکھتا ہوں، ابو قلابہ رقاشی نے کہا: میں نے ابو عامر کو یہ کہتے ہوئے سنا جب سے میں نے غیبت میں جو وبال ہے اسے پہچانا  
ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

میمون بن سیاہ کسی کی غیبت نہیں کیا کرتے تھے اور نہ کسی کو چھوڑتے کہ ان کے ہاں کسی کی غیبت کرے آپ اسے منع  
کرتے اگر وہ رک جاتا تو ٹھیک ورنہ آپ اٹھ کھڑے ہوتے۔

ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس سے اٹھا تو صحابہ نے اس کے  
اٹھنے میں ضعف دیکھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ فلاں کتنا عاجز ہے۔ فرمایا: ”تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، حدیث نمبر 4235، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، باب فی الغیبة، حدیث نمبر 4237، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور تم نے اس کی غیبت کی ہے“ (1)۔

سفیان ثوری سے مروی ہے کہ کم سے کم غیبت یہ ہے کہ تو کہے: فلاں جعد قطع ہے یعنی وہ چھوٹا، بخیل اور سخت گھنگریالے بالوں والا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں کے ذکر سے بچو کیونکہ یہ ایک بیماری ہے تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازمی ہے کیونکہ وہ شفا ہے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی غیبت کرتے ہوئے سنا فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے کتوں کا سالن ہے۔

عمرو بن عبید سے کہا گیا: فلاں نے آپ کی غیبت کی یہاں تک کہ ہم نے آپ پر رحم کیا اس پر رحم کرو۔

ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں؟ فرمایا: تیرا مقام و مرتبہ میرے ہاں اتنا نہیں کہ میں اپنی نیکیوں کا فیصلہ تیرے حق میں کر دوں۔

**مسئلہ نمبر 7۔** ایک قوم کی یہ رائے ہے کہ غیبت صرف دیانتداری کے اعتبار سے ہوتی ہے یہ شکل و صورت اور حسب (اخلاق) میں نہیں ہوتی انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے برعکس قول کیا ہے انہوں نے کہا: غیبت شکل و صورت، اخلاق اور حسب میں ہوا کرتی ہے شکل و صورت میں سب سے سخت ہوتی ہے کیونکہ جو کسی صنعت میں عیب لگاتا ہے تو وہ صانع میں عیب لگاتا ہے۔ یہ سب اقوال مردود ہیں جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اسے رد کرتی ہے جب آپ نے حضرت صفیہ کے بارے میں کہا: وہ چھوٹے قد کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا لقد قلت کلمۃ لوم مزج بها البحر لمزجته تو نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر میں ملایا جائے تو اس کی حالت بدل جائے۔ اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حدیث کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ اور جو روایت اس کے معنی میں ہوگی وہ پہلی روایات کے موافق ہوگی۔ قدیمی علماء کی یہ رائے ہے کہ جب اس سے عیب کا ارادہ کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے سب علماء کے نزدیک وہ بھی مردود ہے کیونکہ پہلے زمانہ کے علماء جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے بعد تابعین میں سے تھے ان کے نزدیک دین (دیانت) میں غیبت سے بڑھ کر کوئی بڑی غیبت نہ تھی کیونکہ دیانت میں عیب سب سے بڑا عیب ہے کیونکہ ہر مومن اس بات کو زیادہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کے دین کے بارے میں کوئی بات ذکر کی جائے بنسبت اس کے جو اس کے بدن کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔ جس نے بھی یہ بات کی ہے اس کے رد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی کافی ہے: اذا قلت فی اخیک مایکرمہ فقد اغتبتہ جب تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی۔ الحدیث۔ جو آدمی

1۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 157

2۔ جامع ترمذی، صفحہ القیام، جلد 2، صفحہ 73۔ سنن ابی داؤد، باب فی العیبة، حدیث نمبر 4232، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ گمان کرے کہ یہ غیبت نہیں تو اس نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کو رد کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا عمومی ارشاد کافی ہے: **وَمَاؤُكُمْ وَأَمْوَالُكُمْ وَأَعْرَاضُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ تَمْبَاهِرُ عَيْنَ خَوْنٍ تَمْبَاهِرُ عَيْنَ عَزِيمٍ تَمْبَاهِرُ عَيْنَ عَزِيمٍ** (میں ایک دوسرے) پر حرام ہیں۔ یہ حکم دین و دنیا سب کو عام ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ لَاحِيَةٌ مَظْلُومَةٍ فِي عَرْضِهِ أَوْ مَالِهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ**۔ جس آدمی نے اپنے بھائی کے ساتھ اس کی عزت یا مال میں ظلم کیا ہو تو اس سے اس امر کو اپنے لیے حلال کرا لے یعنی ازالہ کر لے خواہ معافی کی صورت میں ہو یا حق کی ادائیگی کے ساتھ ہو۔ یہ ہمارے عام ہے جس نے اس میں سے کسی چیز کو خاص کیا ہے اس نے نبی کریم ﷺ کا مقابلہ کیا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیبت گناہ کبیرہ میں سے ہے جس نے غیبت کی اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے کیا غیبت کرنے والے سے بدلہ لینا حلال ہو جاتا ہے؟ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: اس سے بدلہ لینا حلال نہیں یہ ایسی خطا ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا ہے اس نے دوسرے فرد کا مال نہیں لیا اور نہ ہی اس کے بدن کو ایسی تکلیف پہنچائی ہے جس وجہ سے بدن میں کوئی نقص واقع ہوا ہو، یہ کوئی ایسا ظلم نہیں ہے جس کے باعث وہ اس کے لیے حلال ہو جائے وہ ظلم جس کے باعث بدل اور ظلم لازم ہوتا ہے وہ مال اور بدن کا نقصان ہے۔

ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے: یہ ظلم ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہنا: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کے لیے بخشش کا طلب گار ہو۔ ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے: جس کی غیبت کی گئی اس کے لیے غیبت کرنے والے سے بدلہ لینا حلال ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: ”جس کسی کی بھائی کے ہاں زیادتی ہو خواہ مال ہو یا عزت میں تو اس کو اس دن سے پہلے معاف کرا لے جہاں کوئی درہم اور دینار نہیں ہوتا اس روز اس کی نیکیاں لی جائیں گی اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو جس کی غیبت کی گئی اس کی برائیاں لی جائیں گی اور غیبت کرنے والے کی برائیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔“ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلُومَةٌ لَاحِيَةٍ مِنْ عَرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ دِينَارٌ لَا دَرَاهِمَ إِنَّ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أَخَذَ مِنْهُ بِقَدَرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أَخَذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ** جس آدمی پر کسی بھائی نے عزت یا کسی اور چیز میں ظلم کیا ہو تو وہ آج ہی اس سے حلال کرا لے اس دن سے پہلے جس روز کوئی دینار اور کوئی درہم نہ ہوگا اگر اس کا کوئی عمل صالح ہوگا تو ظلم کی مقدار کے مطابق اس سے عمل لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں تو جس پر ظلم کیا گیا تھا اس کی برائیاں لے لی جائیں گی اور ظلم کرنے والے پر ڈال دی جائیں گی۔“ یہ احادیث سورہ آل عمران آیت 109 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ فِيْكُمْ** میں گزر چکی ہیں۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتیہ کی حدیث ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر



ہوئی جب وہ اٹھی تو ایک عورت نے کہا: اسکا دامن کتنا لمبا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: تو نے اس کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگ۔ نبی کریم ﷺ سے مروی آثار دلالت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے جس نے غیبت کی ہے اس پر لازم ہے کہ انہیں معاف کرائے۔

جس نے یہ کہا کہ غیبت مال اور بدن میں ہوتی ہے علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو آدمی کسی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کا اس آدمی پر ظلم ہے جس پر تہمت لگائی گئی، وہ اس کے بارے میں حد کا مطالبہ کرے گا یہاں تک کہ اس پر حد جاری ہو جائے۔ یہ بدن اور مال میں نہیں اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ظلم عزت، بدن اور مال میں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کے بارے میں فرمایا: **فَاذْلَمُوا بِاَلشُّهَدَاۤءِ عَفْوَ وَاَلَيْكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَٰذِبُوْنَ** (النور: 13)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس آدمی نے کسی مومن پر ایسا بہتان لگایا جو اس میں نہ تھا اللہ تعالیٰ اسے طینۂ خبال (دو زخیوں کے زخموں کی پیپ) میں قید کر دے گا“ (1)۔ یہ سب چیزیں مال اور بدن کے علاوہ ہیں۔ جس نے یہ کہا: یہ ظلم ہے اور ظلم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس آدمی کے لیے بخشش طلب کرے جس کی اس نے غیبت کی تو اس نے الٹ بات کی کیونکہ اس نے اسکا نام ظلم رکھا، پھر کہا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے کیونکہ مظلوم کا لفظ مظلوم کے ساتھ بے انصافی کو ثابت کرتا ہے جب بے انصافی ثابت ہوگئی تو ظالم سے اس وقت تک زائل نہ ہوگی مگر یہ کہ مظلوم اس کے لیے اسے حلال نہ کر دے۔

جہاں تک حضرت حسن بصری کے قول کا تعلق ہے تو وہ حجت نہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ أَخِيهِ مَظْلَمَةٌ فِي عَرَضٍ أَوْ مَالٍ فَلْيَتَحَلَّلْهَا مِنْهُ** (2) جس آدمی کو کسی بھائی کے ہاں عزت اور مال میں ظلم ہو تو وہ اس سے اس کے بارے میں معافی لے لے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے: جو آدمی معافی چاہے اور وہ اسے معاف نہ کرے اس کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو چیز حرام کر دی ہے وہ اسے حلال نہ کرے، ان میں سے ایک سعید بن مسیب ہیں کہا: جس نے مجھ پر ظلم کیا میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ ابن سیرین سے کہا گیا: اے ابا بکر! یہ ایسا آدمی ہے جو تجھ سے یہ سوال کرتا ہے کہ تو اس کی وہ غلطی معاف کر دے جو اس نے تیرے ساتھ کی ہے۔ آپ نے کہا: میں نے یہ چیز اس پر حرام نہ کی تھی کہ میں اسے اس پر حلال کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر غیبت کو حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اس پر حرام کی ہے میں اسے کبھی بھی حلال نہیں کروں گا یعنی معاف نہیں کروں گا جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد معاف کرنے پر دلالت کرتا ہے یہی دلیل ہے، معاف کر دینا رحمت پر دلالت کرتا ہے یہ معافی کی صورت میں ہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ** (الشوری: 40)

**مسئلہ نمبر 9**۔ ایسا فاسق جو اعلانیہ فسق کرتا ہے اس کے بارے میں غیبت کا یہ حکم نہیں کیونکہ حدیث طیبہ میں ہے: **مَنْ اتَّقَى جَلْبَابَ الْحَيَاءِ فَلَا غَيْبَةَ لَهُ** (3) جو حیا کی چادر اتار پھینکے اسکی کوئی غیبت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اذکر والفاجر صافیہ کی یحذرہ الناس فاجر میں جو برائی ہے اس کا ذکر کرو تا کہ لوگ اس سے احتیاط کریں۔ غیبت تو اس آدمی کے بارے میں ہے جو اپنی پردہ پوشی کرتا ہے حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ثلاث لیست لهن حرمة تین افراد ایسے ہیں جن کی کوئی حرمت نہیں (1) خواہش نفس کی غلامی کرنے والا (2) فاسق معلن (3) ظالم حاکم۔ جب حجاج مر گیا تو حضرت حسن بصری نے کہا: اے اللہ! تو نے اسے موت عطا کی ہے ہم سے اس کی سنت کو ختم کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے عیب کو ختم کر دے کیونکہ وہ ہمارے پاس آیا جبکہ وہ رتوند کی بیماری والا اور کمزور نظر والا تھا، وہ اپنا ہاتھ چھوٹے پوروں کے ساتھ بڑھا تا اللہ کی قسم! اللہ کی راہ میں اسے پسینہ نہیں آیا اور نہ اسے غبار پہنچا وہ اپنے بالوں کو کنگھی کرتا اور چال میں تکبر کا اظہار کرتا وہ منبر پر چڑھتا اور نیچے تب اترتا جب نماز کا وقت فوت ہو چکا ہوتا، نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور نہ لوگوں سے حیاء کرتا اس کے اوپر اللہ اور اس کے زیر کمان ایک لاکھ یا زیادہ افراد تھے اسے یہ نہ کہتا: اے انسان نماز!۔ پھر حسن بصری کہتے: هیہات حال دون ذلك السیف والسوط۔

ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ بدعتی کی برائی کرنا کوئی غیبت نہیں۔ اس طرح تیرا قاضی کو یہ کہنا: جس سے تو اپنے حق کے بارے میں مدد لیتا ہے کہ تو اس سے اپنا حق لے لے جس نے تجھ پر ظلم کیا تو کہتا ہے: فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا مجھ پر غضبناک ہوا ہے یا مجھ سے خیانت کی ہے یا مجھے مارا ہے یا مجھ پر تہمت لگائی ہے یا میرے ساتھ زیادتی کی ہے یہ کوئی غیبت نہیں۔ امت کے علماء اس پر متفق ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں مجھے کہا: لصاحب الحق مقال (1) صاحب حق کو گفتگو کا حق ہے اور کہا: غنی کا مال مٹول کرنا ظلم ہے کہا: لی الواجد یحل عراضہ وعقوبتہ (2)۔ جو آدمی قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا مال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کو سزا دینے کو حلال کر دیتا ہے اس کے بارے میں استثناء بھی ہے جس طرح حضرت ہند نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تھا کہ حضرت ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچے کے لیے کافی ہو میں اس کے بتائے بغیر مال لے سکتی ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں تو لے لے“۔ اس نے بخل اور ظلم کا ذکر کیا جو اس کے اور اس کے بچے کے لیے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غیبت کرنے والا شمار نہیں کیا کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر اس کی گفتگو کو تبدیل نہ کیا بلکہ حضور ﷺ نے اسے فتویٰ کا جواب ارشاد فرمایا، اسی طرح اگر اس کی برائی کے ذکر میں فائدہ ہو جس طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أما معاویة فمعلوک لا مال له وأما أبو جهم فلا یضع عصاه عن عاتقه (3) جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ کنگال ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں اور جہاں تک ابو جہم کا تعلق ہے تو وہ بیوی پر سختی کرتا ہے یا لگاتار سفر پر رہتا ہے۔ یہ جائز ہے مقصد یہ تھا کہ فاطمہ بنت قیس ان کے بارے میں کسی دھوکہ میں نہ رہے۔ محاسبی نے یہ سب اقوال ذکر کیے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 10۔** مَیْتًا سے مَیْتًا بھی پڑھا گیا ہے یہ لَحْم سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اخ سے حال ہو اور منصوب ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس مرکوبیان کیا کہ ان سب سے کوئی یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے اس

کے پیچھے اس ارشاد کا ذکر کیا فگرِ خُشُوْا اس میں دو توجہیں ہیں (1) تم مردار کو کھانا ناپسند کرتے ہو اسی طرح غیبت کرنا بھی تمہارے لیے مکروہ کر دیا گیا ہے؛ مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

(2) تم یہ ناپسند کرو کہ لوگ تمہاری غیبت کریں تو لوگوں کی غیبت کو تم بھی ناپسند کرو۔ فراء نے کہا: یعنی جب تم اسے ناپسند کرتے ہو تو ایسا نہ کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ تو خبر کا ہے معنی امر کا ہے یعنی تم اسے ناپسند کرو وَاتَّقُوا اللہَ اس پر اس کا عطف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف اجْتَنِبُوا اور لَا تَجَسَّسُوا پر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ

أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ⑪

”اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنادیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہے (1)۔ یہ آیت ابی ہند کے بارے میں نازل ہوئی، ابو داؤد نے اسے مرسل میں ذکر کیا ہے۔ عمرو بن عثمان اور کثیر بن عبید، بقیہ بن ولید وہ زہری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابو ہند کی شادی اپنی کسی عورت سے کر دیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم اپنی بیٹیوں کی شادیاں اپنے غلاموں سے کریں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

زہری نے کہا: یہ آیت خاص کر ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی (2) جو انہوں نے اس آدمی کے بارے میں کہا تھا جس نے جگہ نہ دی: اے فلاں کے بیٹے! نبی کریم ﷺ نے پوچھا: فلاں کا ذکر کرنے والا کون تھا؟ ثابت نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قوم کے چہرے دیکھو“ اس نے لوگوں کی طرف دیکھا فرمایا: تو نے کیا دیکھا؟“ اس نے عرض کی: میں نے سفید، سیاہ اور سرخ رنگ کے چہرے دیکھے ہیں فرمایا: ”تو ان سے تقویٰ کے بغیر فضیلت حاصل نہیں کر سکتا“ تو یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَاتِلْتُمْ تَفْسَحُوا لِلْمَجْلِسِ (المجادلہ: 11)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا یہاں تک کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھے اور آذان دی تو عتاب بن اسید بن ابی العیس نے کہا: اس اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تر حمدیں ہیں جس نے میرے والد کی روح کو قبض کر لیا یہاں تک کہ اس نے یہ دن نہ دیکھا۔

حارث بن ہشام نے کہا: محمد کو اس کا لے کوے کے سوا کوئی مؤذن نہ ملا تھا۔ سہیل بن عمرو نے کہا: اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے تبدیل کر دیتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: میں تو کچھ نہیں کہتا میں تو ڈرتا ہوں اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ بتا دے گا۔ جبریل امین حاضر ہوئے اور انہوں نے جو کہا تھا وہ بتا دیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا انہوں نے جو کہا تھا اس کے بارے میں پوچھا سب نے اس کا اقرار کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، انہیں نسبوں پر فخر کرنے، مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے اور فقراء کو ذلیل کرنے سے جہز کا کیونکہ دار و مدار تقویٰ پر ہے یعنی سب حضرت آدم اور حضرت حواء کی اولاد میں سے ہیں بے شک فضیلت تقویٰ کی بنا پر ہے۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے (1) کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں خطبہ دیا فرمایا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت اور آباء پر فخر کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا ہے“ لوگ دو قسم کے ہیں (1) ایسا آدمی جو نیک، متقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم ہے (2) دوسرا فاجر، شقی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور یہ آیت: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱﴾ پڑھی اسے عبد اللہ بن جعفر جو علی بن مدینی کے والد ہیں سے نقل کیا وہ ضعیف ہے اسے یحییٰ بن معین اور دوسرے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے طبری نے اسے کتاب آداب النفوس میں نقل کیا ہے۔

یعقوب بن ابراہیم، اسماعیل سے وہ سعید جریری سے وہ ابو نصرہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: مجھے اس نے بتایا جو اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر ایام تشریق کے درمیانی دن خطبہ ارشاد فرمایا تھا فرمایا: ”اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔ کیا میں نے تمہیں پیغام دیا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ”حاضر غائب کو پہنچا دے“۔

اس بارے میں مالک اشعری سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہارے حسب کو دیکھتا ہے وہ تمہارے نسب کو نہیں دیکھتا، وہ تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے جس کا صالح دل ہو اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرماتا ہے تم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور تم میں سے سب سے محبوب وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے“ (2)۔

حضرت علی شیر خدا سے اس معنی میں شعر مشہور ہیں:

الناس من جهة التثليل اكفاء أبوهم آدم والأمر حواء

لوگ ڈھانچے کے اعتبار سے برابر ہیں ان کے باپ حضرت آدم اور ماں حواء ہیں۔



نفس کنفس وأرواح مشاکلہ وأعظم خلقت فیہم وأعضاء  
 نفس کی طرح ہے اور روحیں ایک جیسی ہیں ان میں ہڈیاں اور اعضاء بنائے گئے ہیں۔  
 فان یکن لہم من أصلہم حسب یفاخرون بہ فالطین والماء  
 اگر ان کی اصل میں کوئی ذی شان چیز ہے جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں تو وہ مٹی اور پانی ہے۔  
 ما الفضل إلا لأهل العلم إنہم علی الہدی لمن استہدی أدلاء  
 فضیلت اہل علم کے لیے ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے ان کے لیے یہ ہدایت پر راہنما ہیں۔  
 وقد رکل امرئ ما کان یحسنہ وللمرجال علی الأفعال سیاء  
 ہر انسان کی اتنی قدر و منزلت ہے جس قدر وہ اچھا کام کرتا ہے اور افعال پر لوگوں کے نشانات ہوتے ہیں۔  
 وضد کل امرئ ماکان یجہلہ والجاهلون لأهل العلم أعداء  
 انسان کی دشمن وہ چیز ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اور جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وضاحت کی ہے کہ اس نے مخلوقات کو مذکر اور مونث سے پیدا کیا۔ سورہ النساء کے آغاز میں یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان دونوں کے بغیر پیدا کر دیتا جس طرح اس نے حضرت آدم کو پیدا کیا یا مذکر کے بغیر پیدا کرتا جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے یا مونث کے بغیر پیدا کرتا جس طرح حضرت حواء کو پیدا کیا یعنی دو جہتوں میں سے ایک جہت موجود تھی یہ قدرت میں جائز ہے وجود اس کے مطابق نہیں۔ یہ خبر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو حضرت آدم کی ایک پسلی سے پیدا کیا؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مونث میں انساب، اصہار، قبائل اور شعوب (چھوٹے قبائل) بنائے (1) اور ان سے انکی پہچان کو ظاہر کیا اور ان کے ذریعے ان میں تعلق جوڑا اس حکمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے ہر ایک ان کے نسب کو جامع ہے جب کوئی آدمی اس نسب کی نفی کرتا ہے تو تہمت لگانے کی وجہ سے وہ حد کا مستحق ہوتا ہے جس طرح اس کی جماعت اور اس کے حسب سے نفی کرے۔  
 وہ عربی کو کہتا ہے: اے عجمی! اور عجمی کو کہتا ہے: اے عربی! وغیرہ جس سے حقیقت میں نفی واقع ہو۔

**مسئلہ نمبر 4۔** متقدمین علماء اس طرف گئے ہیں کہ جنین صرف مرد کے پانی سے ہوتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش پاتا رہتا ہے اور اس خون سے مدد لیتا ہے جو اس میں ہوتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۖ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ (المرسلات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ جَعَلْ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (السجدہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلَمْ يَكُنْ لَّطَفَةٌ مِّنْ مَّوْنِي يَتْلَى ۝ (القیامۃ: 35) یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ پیدائش ایک پانی سے ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ پیدائش مرد اور عورت کے پانی سے ہوتی ہے وہ اس آیت سے ثابت

ہے کیونکہ یہ ایسی نص ہے جو تاویل کا اجمال نہیں رکھتی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ (الطارق) اس سے مراد مردوں کی پشتیں اور عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں جس کی وضاحت بعد میں آئی گی۔

جس چیز سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماء، سلالہ اور نطفہ سے پیدا کیا ہے اسے والدین میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اس نے اس چیز پر دلالت کی کہ ماء (پانی) اور سلالہ (نکلنے والی چیز) دونوں کا ہے اور نطفہ بھی دونوں کا ہے کیونکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اسی پر دلیل ہے۔ عورت سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے جس طرح مرد سے مادہ منویہ خارج ہوتا ہے اسی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے جس کی وضاحت سورہ شوریٰ میں گذر چکی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں کہا: فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ (القمر) مراد آسمان کا پانی اور زمین کا پانی ہے کیونکہ ملنا دو پانیوں سے ہی ہو سکتا ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (السجدة) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ (المرسلات)

**مسئلہ نمبر 5۔** وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَاۗءَ ۝ اِتَّخٰرْتُمْ شُعُوْبًا ۝ (مراد قبائل کے رؤوس (رأس کی جمع) ہیں جس طرح ربیعہ، مضر، اوس، خزرج اس کا واحد شعب ہے انہیں یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ بکھرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں جس طرح درخت کی ٹہنیاں بکھرتی ہیں۔ شعب اضداد میں سے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: شعبتہ۔ میں نے اسے جمع کیا اسی سے مشعب کا لفظ ہے برما، کیونکہ اس کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فَكَأَنَّ عَلَى حَزْنِ الْجَبِينِ دُمْتُقِ بِذَرِيَّةٍ كَأَنَّهُ ذَلَقَ مِشْعَبِ

شعر میں مشعب کا معنی برما ہے۔

د شعبتہ۔ جب تو اسے جدا کرے، اسی وجہ سے موت کو شعوب کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ جدا کرنے والی ہوتی ہے۔ جہاں تک الشعب کا تعلق ہے تو پہاڑ میں جو راستہ ہوتا ہے اسے شعب کہتے ہیں اس کی جمع شعاب آتی ہے۔ جوہری نے کہا: الشعب سے مراد جس سے عرب اور عجم کے قبائل جدا ہوتے ہیں اس کی جمع شعوب ہے الشعبیۃ۔ ایسا فرقہ جو عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت نہیں دیتا جہاں تک اس لفظ کا تعلق ہے جو حدیث میں ہے: إِنَّ رَجُلًا مِّنَ الشُّعُوبِ أَسْلَمَ۔ مراد عجمی ہے یعنی عجمیوں میں سے ایک آدمی اسلام لایا۔ شعب سے مراد عظیم قبیلہ ہے: وہ ابو القباہل ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں یعنی وہ انہیں جمع کرتا ہے اور انہیں اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الشعب سے مراد جمہور ہے جس طرح مضر (1)۔ قبائل سے افخاذ ہیں چھوٹا قبیلہ۔ مجاہد نے کہا: الشعب جو نسب میں دور ہیں قبائل اس سے چھوٹے ہوتے ہیں (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ شعوب سے مراد قریبی نسب ہے۔ قتادہ کا قول ہے: مہدوی نے پہلا قول اس سے نقل کیا ہے، دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

رَأَيْتُ سَعُودًا مِّنْ شُعُوبٍ كَثِيرَةٍ فَلَمْ أَرِ سَعْدًا مِّثْلَ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ

میں نے کثیر قبائل سے سعد دیکھے اور ان میں سے سعد بن مالک جیسا کوئی سعد نہیں دیکھا۔ ایک اور نے کہا:

قَبَائِلُ مِنْ شُعُوبٍ لَيْسَ فِيهِمْ كَرِيمٌ قَدْ يُعَذُّ وَلَا نَجِيبٌ

کئی قبائل ایسے ہیں جن میں کریم اور نجیب نہیں جسے شمار کیا جاسکے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعوب سے مراد یمن کے عرب ہیں جو قحطانی ہیں اور قبائل سے مراد بیعہ، مضر اور عدنانی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعوب سے مراد عجم کے قبائل ہیں اور قبائل سے مراد عرب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں کہا کہ شعوب سے مراد موالی اور قبائل سے مراد عرب ہیں۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر شعوب وہ ہوں گے جن کی اصل معروفہ ہے۔ اس طرح: قحطانی اور ترکہ ہیں۔ قبائل عرب سے تعلق رکھتے ہوں۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ شعوب سے مراد وہ جو اطراف اور گھاٹیوں کے طرف منسوب: داور قبائل انہیں جو نسب میں شریک ہوں۔ شاعر نے کہا:

تَفَرَّقُوا شُعْبًا فَكُلُّ جَزِيرَةٍ فِيهَا أَمِيرٌ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْبَرٌ

وہ گھاٹیوں میں بکھر گئے تو ہر جزیرہ میں امیر المؤمنین اور منبر تھا۔

ابو عبید نے ابن کلبی سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: شعب یہ قبیلہ سے بڑا ہوتا ہے، قبیلہ کے بعد فصیلہ، فصیلہ کے بعد عمارہ، عمارہ کے بعد بطن اور بطن کے بعد فخذ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعب پھر قبیلہ پھر عمارہ پھر بطن پھر فخذ پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہوتا ہے۔ ایک ادیب نے یوں منظم کیا ہے، کہا:

إِقْصِدِ الشَّعْبَ فَهُوَ أَكْثَرُ حَتَّى  
ثُمَّ تَتْلُوَهَا الْعِمَارَةَ ثُمَّ الْكَ  
ثُمَّ مِنْ بَعْدِهَا الْعَشِيرَةَ لَكِنْ  
عَدَدًا فِي الْحَوَاءِ ثُمَّ الْقَبِيلَةَ  
بَطْنٌ وَالْفَخْذُ بَعْدَهَا وَالْفَصِيلَةَ  
هِيَ فِي جَنْبِ مَا ذَكَرْنَا قَلِيلَةَ

اور ایک شاعر نے کہا:

قَبِيلَةٌ قَبْلَهَا شُعْبٌ وَبَعْدَهَا  
وَلَيْسَ يُوَدَّى الْفَتَى إِلَّا فَصِيلَةٌ  
عِمَارَةٌ ثُمَّ بَطْنٌ تِلْكَ فَخْذُ  
وَلَا سَدَادَ لِسَهْمٍ مَالِدٌ قَدْ ذُ

قبیلہ سے پہلے شعب ہے اور اس کے بعد عمارہ ہے اس کے بعد بطن ہے اس کے پیچھے فخذ ہے نوجوان کو پناہ فصیلہ دیتا ہے، جس تیر کے پر نہ ہوں وہ سیدھا نہیں جاتا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ سورہ زحرف میں یہ بحث وَ إِنَّهُ لَذِي كُرْ لَكَ وَلِقَوْمِكَ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس آیت میں یہ چیز موجود ہے جو تیری اس امر پر راہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں تقدیر کی ہی رعایت کی جاتی ہے حسب اور نسب کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اسے اُن پڑھا گیا ہے گویا کہا گیا: وہ انساب کے اعتبار سے اہل قریش کے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے سب سے معزز تم میں سے سب سے متقی ہیں تم میں

سب سے زیادہ معزز نہیں۔





**مسئلہ نمبر 7۔** طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ عمر بن محمد، عبید بن اسحاق، عطار سے وہ مندل بن علی سے وہ ثور بن یزید سے وہ سالم بن ابی جعد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے شادی کی تو اس عورت پر اس کے حسب میں طعن کیا گیا اس آدمی نے کہا: میں نے اس کے حسب کی وجہ سے اس سے شادی نہیں کی میں نے اس سے شادی اس کے دین اور خلق کی وجہ سے کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تجھے یہ چیز کوئی تکلیف نہیں دیتی کہ وہ حاجب بن زرارہ کی آل میں سے نہ ہو“ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا ہے اس کے ذریعے اس نے خسیہ کو بلند کر دیا، ناقصہ کو مکمل کر دیا ہے اس کے ذریعے ملامت کو دور کر دیا مسلمان پر کوئی ملامت نہیں ملامت تو جاہلیت کی علامت ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابی لأرجو أن أكون أخشاكم وأعلمكم بما أتقى (1) میں امید کرتا ہوں کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور جس چیز سے میں بچتا ہوں اس کے بارے میں تم سے زیادہ آگاہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز تھے۔ ابن عربی نے کہا: یہی وہ چیز ہے جسے امام مالک نے نکاح میں کفو کے طور پر معتبر جانا ہے۔ عبد اللہ نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ غلام عربی عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: حسب اور مال کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابو حنیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو ان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے نے حضرت سالم کو اپنا منہ بنایا اور اس کی شادی اپنی بھتیجی یعنی ہند بنت ولید جو ان کے بھائی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی تھی سے کر دی یہ ایک انصاری عورت کے غلام تھے حضرت ضباعہ بنت زبیر یہ حضرت مقداد بن اسود کے عقد میں تھیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش حضرت زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کا عقد نکاح عربی عورت سے جائز ہے دین میں کفو کا اعتبار کیا جائے گا اس پر دلیل وہ روایت ہے جو ہل بن سعد سے صحیح بخاری میں مروی ہے (2) کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی گزرا پوچھا: ”تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے کہ اگر دعوت نکاح دی تو اس کے ساتھ نکاح کیا جائے، اگر سفارش کرے تو مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے تو آپ کے پاس سے مسلمان فقراء میں سے ایک آدمی گزرا پوچھا: ”تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے اگر دعوت نکاح دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ آدمی دوسرے کی بنسبت زمین بھر کے لوگوں سے بہتر ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عورت سے نکاح اس کے مال، جمال اور دین کی وجہ سے کیا جاتا ہے (3)“ ایک روایت میں ہے اس کے حسب کی وجہ سے کیا جاتا ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار کو لازم

پکڑ۔ حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیٹی کے لیے دعوت نکاح دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ حضرت عمر کو ان کی بیٹی کے لیے دعوت نکاح دی تو آپ نے توجہ نہ کی پھر حضرت عمر نے حضرت سلمان فارسی سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں تو حضرت سلمان فارسی نے ایسا نہ کیا۔ حضرت بلال نے بکیر کی بیٹی کو دعوت نکاح بھیجی تو اس کے بھائیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت بلال نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے! یہم میں نے بنی بکیر سے کیا پایا ہے میں نے انہیں انکی بہن کے بارے میں دعوت نکاح دی تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے اذیت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بنی بکیر کو یہ خبر پہنچی وہ اپنی بہن کے پاس آئے انہوں نے کہا: ہمیں تیری وجہ سے کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ ان کی بہن نے کہا: اس کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے تو بھائیوں نے بہن کی شادی حضرت بلال سے کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حجامت جب ابو ہند نے کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ابو ہند کی شادی کر دو، ان کی شادی کر دو“ یہ بنو بیاضہ کا غلام تھا (1)۔

دارقطنی میں زہری کی حدیث عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبیہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بنی بیاضہ کا غلام ابو ہند حجام تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حجامت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے دیکھے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے تو وہ ابو ہند کو دیکھے“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اس کا نکاح کر دو، اس کا نکاح کر دو“ (2)۔

قشیری ابو نصر نے کہا: نکاح کرتے وقت کفو میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ نکاح شجر نبوت کے ساتھ اتصال ہے یا علماء کے ساتھ جو انبیاء کے وارث ہیں یا جوزہد اور صالحیت میں قابل قدر ہیں متقی مومن فاجر اعلیٰ نسب والے سے بہتر ہے۔ اگر دونوں متقی ہیں تو اس وقت اعلیٰ نسب والے کو مقدم کیا جائے گا جس طرح نماز کی امامت کے لیے نوجوان کو بوڑھے پر مقدم کیا جاتا ہے جب تقویٰ میں برابر ہوں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلَيْسَ لَكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْءٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ۝

”اعراب کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے، آپ فرمائیے: تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔“

یہ آیت بنی اسد بن خزیمہ کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی (3) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خشک سالی کے

2۔ سنن دارقطنی، جلد 3، صفحہ 300

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی الاکھاء، حدیث نمبر 1798، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع اسباب النزول، صفحہ 327

دور میں آئے انہوں نے ایمان لانے کا اظہار کیا وہ مخفی طور پر مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستے غلاظتوں میں بھر دیئے اور بھاؤ کو بڑھا دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے، ہم سامان اور عیال کے ساتھ آئے ہیں، ہم تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے جس طرح بنو فلاں نے آپ سے جنگ کی ہمیں صدقہ دیجئے وہ آپ پر احسان جتلانے لگے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ہجرت سے قبل ہی انہیں مہاجر کا نام دیا جائے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ ان کا نام بدو ہے وہ مہاجر نہیں (1)۔ سدی نے کہا: یہ آیت ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ذکر سورہ فتح میں ہے یعنی مزینہ، جہینہ، اسلم، غفار، دیل اور اشجع (2)۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے، تاکہ ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں جب انہیں مدینہ طیبہ کی طرف آنے کو کہا گیا تو وہ نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے: آیت بعض عربوں کے لیے خاص ہے کیونکہ ان میں سے کچھ اللہ اور یوم آخرت پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا كَمَا مَعْنَى ہے ہم نے قتل اور قیدی بنائے جانے کے خوف سے تابعداری کی۔ یہ منافقوں کی صفت ہے کیونکہ وہ ظاہری طور پر ایمان لائے تھے ان کے دل ایمان نہیں لائے تھے جبکہ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ظاہر میں اس چیز کو قبول کرنا جسے نبی کریم ﷺ لائے ہیں یہ جان کی حفاظت عطا کرتا ہے۔

وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَأْسُوْهُ يَعْنِي اگر تم ایمان میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے لَا يَلِيْكُمْ تُوْتَمَّهِيْں کوئی نقصان نہ دیتا یہ باب اس طرح ہے لَا تَهْ يَلِيْتِهٖ وَيَلُوْتِهٖ، اس میں کمی کرنا۔ ابو عمرو نے اسے لَا يَأْتِيْكُمْ پڑھا ہے یعنی ہمزہ ہے اس وقت یہ اَلَتْ يَأْتِ التَّاءُ شَتَقَ ہے؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے وہ اس قول پر اعتبار کرتے ہیں: وَمَا أَلْتَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مَنْ شَيْءٍ (الطور: 21)

شاعر نے کہا:

أَبْدِغْ بَنِي ثُعَلٍ عَنِ مُغْلُغَلَةٍ جَهْدَ الرِّسَالَةِ لَا أَلْتَا وَلَا كَذِبًا

میری جانب سے بنی ثعل کو سختی سے پیغام پہنچا دو نہ اس میں کمی ہو اور نہ ہی کوئی جھوٹ ملا ہو۔  
پہلا قول ابو عبید نے پسند کیا ہے۔ رو بہ نے کہا:

وليلة ذات ندى سرّيت ولم يَلِثْنِي عن سُراها كَيْتُ (3)

یعنی ان راتوں میں چلنے سے مجھے کسی مانع نے نہیں روکا؛ اسی طرح اللہ عن وجہہ ہے فعل اور أفعَل دونوں ایک معنی میں ہیں یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: مَا أَلَا تَهْ مِنْ عَمَلِهِ شَيْئًا، یعنی میں نے اس میں کمی نہیں کی، یہ التعلُّکِ مثل ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ یہ شعر پڑھا:

وَيَأْكُلْنَ مَا أَغْنَىٰ الْوَلِيُّ فَلَمْ يَدُثْ كَانَ بِحَافَاتِ النَّهَاءِ الْمَذَارِعَا

اس میں اغنی، انبت کے معنی میں ہے اور فلم یلت لم ينقص منه شیاً کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَا أَغْنَتْ الْأَرْضُ شَيْئًا زَمِنَ نے کوئی چیز نہیں اگائی۔ الولی سے مراد وہی (موسم بہار کی پہلی بارش) کے بعد جو بارش ہوتی ہے۔ اسے ولی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ وہی کے بعد ہوتی ہے یہ نہیں فرمایا: لَا يَأْتِيَاكُمْ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

”(کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہی لوگ راست باز ہیں۔ آپ فرمائیے: کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے، حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا یعنی انہوں نے تصدیق کی اور انہوں نے شک نہ کیا اور اسے جہاد اور اعمال صالحہ کے ساتھ سچ کر دکھایا۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وہ ایمان میں سچے ہیں وہ وہ نہیں جو قتل کے ڈر اور مال کی امید کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدوؤں نے قسم اٹھائی کہ وہ مخفی اور اعلانیہ ایمان دار ہیں اور جھوٹ بولا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهُ بِدِينِكُمْ یعنی جس دین پر تم ہو تم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں بتاتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

يَتَّبِعُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَتَّبِعُوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُتُ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْتُكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

”وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے، فرمائیے: مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو۔“

يَتَّبِعُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا یہ ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: جُنُنًا بِالْإِثْقَالِ وَالْعِيَالِ ہم آپ کی خدمت میں



کل ساز و سامان اور بال بچے لے کر آگئے ہیں اُن محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لَٰنَ اسلموا، قُلْ لَا تَتَّبِعُوا عَلٰی اِسْلَامِکُمْ یہاں علی، باء کے معنی میں ہے بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ هَدٰکُمْ لِلاَیْمَانِ، اُن محل نصب میں ہے تقدیر کلام بان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام لَٰنَ ہے حضرت عبد اللہ کے مصحف میں اذہداکم ہے اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی اگر تم اس امر میں سچے ہو کہ تم ایماندار ہو۔ عاصم نے اسے اِنْ هَدٰکُمْ پڑھا ہے یہ قول اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کی وجہ سے حقیقت سے بعید ہے یہ نہیں کہا جاتا: ین علیکم ان یهدیکم ان صدقتم ظاہر قراءت اَنْ هَدٰکُمْ ہے یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مومن تھے کیونکہ تقدیر کلام یہ ہے اِنْ اٰمَنْتُمْ فذلک منّۃ اللّٰہ علیکم اگر تم ایمان لائے ہو تو یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ وَاللّٰهُ بِصَیْرَتِہَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ابن کثیر، ابن محیسن اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے یعنی یعلمون۔ یہ ان کے قول کا رد ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی سید المرسلین  
اس جلد کے ترجمہ کا اختتام بروز منگل 18 ستمبر 2007 بعد از نماز ظہر کو ہوا الحمد لله اولاً و آخراً۔  
محمد بوستان



